THE HAREEM

Feb.80

Rs. 1/20

ایڈیٹر

ٹیلیفون نمبر رہائش ۔
۲۵۳۳۴

گذشتہ ۵۹ سال سے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اور اردو میں ہندستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

ٹیلیفون نمبر آفس ۔
۲۲۵۵۹

نمبر

ماہنامہ حریم لکھنؤ

(جلد ۵۸)

بیادگار
سید محمد سلیم انہونوی مرحوم
و
شفیق النساء
بیگم سلیم انہونوی مرحوم

اڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم غزالہ
جانی بیگم ردولوی

فہرست مضامین
ماہ فروری سنہ ۶۸ء

قیمت سالانہ ۔ اعزازی بذریعہ منی آرڈر سے تینتیس روپیہ ۔ مخصوص خریداری ۔ منی آرڈر سے اکیس روپیہ ۔ معمولی خریداری منی آرڈر سے اٹھارہ روپیہ ۔ وی ۔ پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ زائد ۔ فی پرچہ : ۔ ایک روپیہ پچیس پیسے ۔ غیر ممالک سے بقدر ۴۰ روپیہ یا بقدر غیر ملکی سکہ رائج الوقت ۔ ایئرمیل سے مختلف ممالک کے لیے مختلف شرحیں ۔
آفس اور ترسیل زر کا پتہ ۔ نسیم بک ڈپو ۔ لاٹوش روڈ ۔ لکھنؤ
نسیم انہونوی ۔ مالک و ناشر ۔ پرنٹر سرفراز قومی پریس ـــــ لکھنؤ

ماموں جان۔ آداب۔ سالنامہ حریم میں آپ کے لمعات پڑھکر مجھے مسرت ہوئی کہ اب آپ نے بھی پردے کے سلسلے میں اپنے خیالات نرم کر دیئے ہیں۔ میں خود بھی اصل پردہ اسی کو سمجھتی ہوں کہ شرم وحیا قائم رکھی جائے۔ یونی ورسٹی جانے یا بے پردہ باہر نکلنے سے کوئی نقصان نہیں ہو سکتا، بلکہ میں سمجھتی ہوں کہ اگر عورت آزادی کے ساتھ باہر نکلنے اور مردوں کے شانہ بشانہ چلنے لگے تو مردوں کے جذبات ہوس خود بخود کم ہو جائیں گے۔ اس لئے کہ انسانی فطرت کا تقاضہ ہے کہ جو چیز پوشیدہ ہوتی ہے، اس کی کھوج لگانے میں سرگرداں رہتا ہے اور جس چیز سے انسان کو روک دیا جائے وہ اس کی حرص زیادہ کرتا ہے۔ میں نے دیکھا ہے کہ برقع پوش عورتوں کو مرد ان عورتوں کے مقابلے میں زیادہ گھورتے ہیں جو بے پردہ ان کے سامنے سے گزرتی ہیں۔ خدارا آپ اس حقیقت پر غور فرمائیں اور پردہ کرنے کی تلقین کا سلسلہ حریم میں ختم کر دیں۔

میری امی آپ کے حریم کی پرستار ہیں اور مجھے بھی زبردستی پردہ کرنے پر مجبور کرتی ہیں اس لیے میں اپنا نام نہیں لکھ رہی ہوں، انھیں میری اس تحریر کا علم ہو جائے تو بہت ناراض ہوں گی۔ فقط

آپ کی ایک بھانجی

عزیز بھانجی۔ تمہارا خط ملا۔ اور افسوس ہوا کہ اپنی نادانی سے تم نے اس طرح کی تحریر روانہ کی۔ سب سے پہلے تو میں یہ کہہ دوں کہ سالنامہ حریم کے لمعات میں تم نے جو کچھ پڑھا، اس کی مثال ایسی ہے، جیسے کوئی انسان ملحد ہو گیا ہو۔ نہ خدا کو مانتا ہو نہ رسول کو اور کوئی اس سے کہے کہ بھائی نماز نہ پڑھو روزے نہ رکھو زکاۃ نہ دو۔ حج کے لئے نہ جاؤ، جہاد نہ کرو، لیکن خدا کے واسطے خدا اور اس کے رسول پر تو ایمان قائم رکھو۔ اور اگر ایسا ہو جائے تو اس کا امکان ہو سکتا ہے کہ کسی روز اللہ اس کے دل میں نیکی ڈال دے اور وہ روزہ نماز وغیرہ کی جانب بھی توجہ کرنے لگے۔ میں مانتا ہوں کہ فرائض کی ادائی ضروری ہے، لیکن اگر کوئی فرائض ادا نہ کرے اور دل سے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے تو اس شخص سے یقیناً بہتر ہوگا جو نہ فرائض ادا کرتا ہے، نہ خدا اور اس کے رسول کو مانتا ہے۔ پردہ میرے خیال سے نہایت ضروری عمل ہے اس لئے کہ اس کے بغیر ہمارا معاشرہ پاک وصاف نہیں رہ سکتا لیکن پردہ نہ کرنے اور شرم وحیا کو برقرار رکھنے سے نسبتاً بہتر رہے گا۔ ایک اور مثال بھی دے رہا ہوں۔

کوئی لڑکا اسکول جانے سے جی چراتا ہے۔ کتابیں لے کر گھر سے نکلتا ہے، لیکن تمام دن اِدھر اُدھر مارا مارا پھر کر واپس آجاتا ہے تو والدین عاجز آکر اس سے کہتے ہیں کہ بیٹا اسکول نہیں جاتا چاہتے تو گھر ہی میں کچھ پڑھ لیا کرو۔

ایسا لڑکا اگر اس پر راضی ہو جائے اور کچھ پڑھنے لگے تو اس لڑکے سے بہتر ہوگا جو نہ اسکول جاتا ہے نہ گھر پر ہی پڑھتا ہے ــــ

اب رہا آپ کا یہ کہنا کہ جس چیز سے انسان کو روکا جائے تو وہ اس کی حرص زیادہ کرتا ہے ــــ ایک بیحد لغو خیال ہے اس سلسلہ میں جو زیر بحث ہے۔ اسی طرح کی بات پہلے بھی کبھی میرا خیال ہے کسی بہن یا بھانجی نے لکھی تھی اور میں نے اس کا جواب دیا تھا۔ بات بالکل صاف اور واضح ہے۔ عورت کے سلسلہ میں مرد ہمیشہ ایک ڈاکو کی طرح رہا ہے اور شاید ہمیشہ رہے گا۔ اس لئے کہ عورت کو فطرت نے کچھ ایسی کشش اور مرد کی خواہشات میں کچھ ایسا زور دیا ہے کہ ہمارے پیارے رسول نے یہاں تک ہدایت کی ہے کہ جوان بیٹی کے ساتھ باپ بھی تخلیہ میں نہ رہے۔ اس سے زیادہ واضح اور کس طرح بتایا جا سکتا تھا کہ اس کا بھی امکان ہے کہ باپ بھی بیٹی کے ساتھ گناہ کا مرتکب ہو جائے جب مرد عورت

یتیموں اور بیواؤں کی مدد کرتی رہیں

کو لوٹنے کے سلسلے میں ایک ڈاکو کی سی خصلت رکھتا ہے تو پھر سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا کسی ڈاکو کو اس کی ڈکیتی سے باز رکھنے کا یہ طریقہ ہو سکتا ہے کہ لوگ اپنا مال و متاع ۔ اپنی نقدی و زیورات گھروں کی تجوریوں یا لاکرس سے نکال کر باہر رکھ دیں تاکہ ان خزانوں کو دیکھ دیکھ کر ڈاکوؤں کی سیری ہو جائے اور وہ دوسروں کا مال غصب کرنے سے باز آ جائیں ۔ کوئی کم عقل ہی اس طرح کی بات پر یقین کر سکتا ہے ۔

اکثر لوگ کہتے ہیں کہ اگر عورتیں بے محابہ مردوں کی ہی طرح باہر نکلنے لگیں تو آنکھیں، دیکھتے دیکھتے مردوں کی طبیعتیں سیر ہو جائیں گی اور ان کا مزید ہی دور ہو کر ان کی رغبتوں کو ختم کر دے گا ۔ لیکن ایسا کہنے والے لوگ اس پر غور کیوں نہیں کرتے کہ عورتوں کو صرف دیکھنے ہی سے مردوں کی سیری نہیں ہو سکتی ۔ ظاہر ہے کہ اصل مقصد کچھ اور ہی ہوتا ہے ۔ اس سے سیری کیا صورت ہو سکتی ہے ۔ وہی نا جو مغربی ممالک میں ہوئی اور جہاں اب اس سے بیزاری پیدا ہو چکی ہے ۔ لیکن بنائے نہیں بنتی ، اس لئے انھوں نے عصمت و عفت کی پاکیزگی اور عظمت کا تصور ہی دل سے نکال دیا ہے اور یہ جنس گراں اب وہاں کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتی ۔ اگر مشرق بھی یہی چاہتا ہے تو بیشک عورتیں جس طرح چاہیں نکلیں اور جو چاہے کریں ۔ تازہ ترین واقعہ حکومت کے ایک بہت ہی شریف خاندان اور عالی مرتبت افسر کی موت کا سب ہی نے اخبارات میں پڑھا ہوگا جو اسی آزادی کے بھینٹ چڑھ گئے اور ان کے ساتھ ہی ان کی پرائیوٹ سکریٹری کا بھی خون ہوا ۔ یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ دونوں کی موت ان کے ناجائز تعلقات کے باعث ہوئی ۔ کس نے ان کی جان لی اور کیسے لی یہ عقدہ تو مقدمہ کا فیصلہ ہونے کے بعد ہی کھلے گا ۔ لیکن یہ بات بالکل واضح ہے کہ یہ صورت اختلاط مرد و زن ہی کے تحت ہوئی ہے ۔ یہ ایک بڑے آدمی کی بات تھی اور کسی کی غیرت ملی نے اسے ان کی جان لینے پر اکسایا ورنہ ایسے تعلقات عام طور سے ہوتے رہتے ہیں ۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ حسین و جوان لڑکیاں افسروں اور دوسرے مردوں کے ساتھ اپنے میک اپ اور دلکش لباسوں کے ساتھ کام کریں اور ان میں کسی طرح کے تعلقات پیدا نہ ہوں ۔ آگ و پھوس بے خوف و خطر یکجا ہوں اور آگ نہ لگے ۔ ایسا بھی مستثنیات ہی میں ہو سکتا ہے ۔

آہ رازق الخیری

یہ خبر معاصر جنگ نے اپنی اشاعت ۲۰ دسمبر ۱۹۷۹ء میں شائع کی ہے اور ہمیں صدق جدید لکھنؤ کے ذریعہ اس کا علم ہوا کہ مصور غم علامہ راشد الخیری کے جانشین اور ہونہار فرزند رازق الخیری صاحب ۷۰ سال کی عمر میں بمقام کراچی انتقال فرما گئے ۔ انا للہ و انا الیہ راجعون ۔

اپنے والد ہی کی طرح رازق الخیری نے بھی مسلم خواتین کی فلاح و بہبود اور اصلاح کے لئے بہت کچھ لکھا اور اپنے شہرہ آفاق والد مرحوم کے تینوں رسائل عصمت ، بنات اور جوہر نسواں کی اشاعت اس طرح جاری رکھی کہ پرچوں کو دیکھ کر کسی کو یہ گمان کبھی نہ ہو سکتا تھا کہ ان کے صاحب طرز اڈیٹر اور بانی سے یہ پرچے محروم ہو گئے ۔ قسمت ہی سے ایسے ہونہار بیٹے کسی کو ملتے ہیں جو اس خوبی کے ساتھ مرحوم باپ کے مشن کو چلاتے رہیں ۔ اللہ پاک مرحوم کو غریق رحمت کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے ۔

نسیم انہونوی

سال نو کی مبارکباد

اکثر حریمی بہنوں اور بھانجیوں نے سال نو کی مبارکباد کے کارڈ بھیجے ہیں ۔ میں ان سب کا شکریہ ادا کرتا ہوں ۔ میرے لئے فرداً فرداً سب کو سال نو کی مبارکباد بھیجنا ممکن نہیں ۔ میں حریم کے ذریعہ ہی یہ رسم ادا کر دیتا ہوں ۔

ضرورت رشتہ

ضرورت رشتہ کے سلسلہ میں حریم کی خریدار بہنوں کے اشتہارات بلا قیمت شائع کیے جاتے ہیں ۔ خط و کتابت صیغہ راز میں رکھی جاتی ہے ۔ اشتہار کے ساتھ دو ایک لفافے ضرور روانہ کریں تاکہ جو خطوط آئیں وہ روانہ کیے جا سکیں ۔

• ضرورت ہے ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ لڑکی کے لئے مناسب رشتے کی ۔ لڑکی ایم ۔ اے ہے ۔ عمر ۲۴ سال ۔ صورت معقول ۔ گھر گرہستی کا بھی تجربہ رکھتی ہے ۔ لڑکا سنی المذہب تعلیم یافتہ اور ۳۰ سال سے زائد عمر کا نہ ہو ۔ ذاتی آمدنی بھی رکھتا ہو ۔ معرفت حریم لکھنؤ

• ایک سنی المذہب لڑکے کے لئے جس کی عمر ۲۲ سال ہے اور ابھی یونی ورسٹی میں تعلیم حاصل کر رہا ہے لڑکی ۲۰ سال سے کم عمر کی ہو ۔ اعلیٰ تعلیم کی قید نہیں ۔ امور خانہ داری سے ضرور واقف ہو ۔ یہ بھی ضروری ہے اسلامی معاشرت رکھتی ہو ۔ لکھنؤ یا قرب و جوار کے رشتوں کو ترجیح دی جائے گی ۔ ش معرفت حریم لکھنؤ

درون خانہ سے بیرون خانہ تک

پردہ نشین خواتین کی انجمن کا قیام اور اس کا انجام

برق آشیانوی

کچھ عرصہ گزرا کہ ایک مقامی اخبار میں یہ خبر پڑھنے میں آئی تھی کہ پردہ نشین خواتین کی ایک انجمن قائم ہوئی ہے اور اس کا پہلا اجلاس کسی قریبی تاریخ میں مقرر تھا۔ اس خبر کو پڑھ کر ہم حیران رہ گئے کہ پردہ نشین خواتین کی یہ جرأت اور بے باکی کہ اس دورِ بے پردگی میں نہ صرف انجمن قائم کریں بلکہ اس کا اجلاس بھی مقرر کر دیں۔ ساتھ ہی اس بات کا اندازہ بھی ہوا کہ اب بھی پردہ نشین خواتین کا وجود باقی ہے اور ان کی اتنی تعداد بھی ہے کہ ایک انجمن قائم ہو سکے۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ آج کل انجمن قائم کر دینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ آئے دن کئی انجمنیں اور اکیڈمیاں ایسی بھی قائم ہوتی دیکھنے میں آئی ہیں جن میں ایک صدر، ایک نائب صدر، ایک معتمد اور اس سے بات آگے بڑھی تو ایک نائب معتمد بھی اور بس — پھر اس انجمن یا اکیڈمی کا ایک اجلاس بھی ہوتا ہے جس میں صدر صاحب کی اچانک مصروفیت کے باعث نائب صدر صاحب اس اجلاس کی صدارت فرماتے ہیں اور نائب معتمد صاحب کے گھر بار مویشی بچے کی چھٹی یا الشش کا سوگ منانے کی وجہ سے وہ غیر حاضر رہتے ہیں چنانچہ اجلاس کو نائب صدر صاحب اور معتمد صاحب کی میلی کے ساتھ چلاتے ہیں۔ دوسرے روز اخبار میں ایک لمبی چوڑی رپورٹنگ شائع ہوتی ہے کہ اکیڈمی کے پہلے اجلاس میں حاضرین کی ایک کثیر تعداد موجود تھی۔ دو چار فرضی ناموں سے تقاریر کا اقتباس شائع ہوتا ہے۔ خطبۂ استقبالیہ معتمد کے نام سے اور خطبۂ صدارت جناب صدر کے نام سے شائع ہوتے ہیں اور آخر میں ایک قرارداد بھی منظور ہو جاتی ہے چنانچہ پردہ نشین خواتین کی انجمن کے بارے میں بھی ہمارا کچھ ایسا ہی احساس تھا کہ شاید یہ بھی ایک ایسی ہی انجمن ہو۔ لیکن جب ملا مجرالبہود سے ملاقات ہوئی تو کچھ تفصیلات سامنے آئیں۔ انھوں نے بتایا کہ پیرانی ماں اس انجمن کی صدر ہیں۔ اور ایک پرانے خیال کے مرید کی بیوی معتمد اور ایسی ہی چند خواتین میں سے نائب صدر اور نائب معتمد اور چند اراکین منتظمہ بھی ہیں مختصر یہ کہ ملا مجرالبہود کے مریدوں میں پرانے خیالات کے مریدوں کی تعداد ہی زیادہ ہے جدید خیالات کے لوگوں میں سے بھی صرف وہی لوگ ملا صاحب کے حلقۂ ارادت و عقیدت میں شامل ہوتے ہیں جو کسی بیماری کا ڈاکٹری اور دیسی علاج کروانے کے بعد اپنی ماؤں بہنوں یا بیویوں کے اصرار پر ملا صاحب سے کوئی تعویذ یا گنڈہ حاصل کرنے کے لئے چلے آتے ہیں۔ نیز الکشن کے دوران اکثر پارٹی کے امیدوار بھی ملا صاحب سے بڑی عقیدت سے ملتے ہوئے دیکھے گئے ہیں اور سالانہ امتحانات کے زمانے میں ہائی اسکول اور کالج کے طلبا بھی نظر آتے ہیں۔ ساتھ ہی اس بات کا بھی انکشاف ہوا کہ اس انجمن کے قیام پر ملا صاحب کی بڑی بہو بہت برہم ہوئیں اور انجمن کے اغراض و مقاصد سے سخت احتجاج کرتے ہوئے اپنے شوہر کے ساتھ ایک علیحدہ مکان کرایہ پر حاصل کر کے چلی گئیں کیونکہ وہ پردے کے سخت خلاف تھیں اور مسلسل اس کوشش میں تھیں کہ پیرانی ماں کو پکچر دیکھنے کے لئے نہ صرف بے پردہ لے چلیں بلکہ مردانے میں بیٹھ کر پکچر . . . .

. . . . . . دیکھیں جس پر پیرانی ماں کبھی راضی نہ ہوئیں اور برقعہ پہن کر زنانہ درجے میں بیٹھ کر پکچر دیکھا کرتی تھیں۔

اس کے بعد ہم انتظار میں رہے کہ دیکھیں یہ پردہ نشین خواتین کی انجمن کا کیا انجام ہوتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد جب ہماری ملاقات ملا مجرالبہود سے ہوئی تو ہم نے انجمن اور اس کے اجلاس کی تفصیلات دریافت کیں۔ ملا صاحب ہمارے سوال پر بہت رنجیدہ ہوئے اور روہانسی صورت بنا کر بولے کہ میاں نہ صرف یہ کہ انجمن کا اجلاس ہی منعقد نہ ہو سکا بلکہ انجمن ہی برخاست ہو گئی ہم نے تفصیلات دریافت کیں تو انھوں نے بتایا کہ اس انجمن کے اجلاس کی خبر اخباروں میں شائع ہونے کے دوسرے تیسرے روز سے روزانہ کوئی پچاس ساٹھ خطوط ایسے وصول ہوئے جن میں مطالبہ کیا گیا تھا کہ اس انجمن کو

فوراً تحلیل کر دیا جائے ورنہ سنگین نتائج کا سامنا کرنا ہوگا۔ کئی خطوط تو دھمکی آمیز تھے کہ اگر اس انجمن کا اجلاس ہوگا تو اس میں گندے انڈوں اور ٹماٹروں کی ان خواتین پر بارش ہوگی جو پردہ نشینی کے موضوع پر کوئی تقریر کرنے کی جرأت کریں گی۔ ایک خط میں درج تھا کہ ...... دوران جلسہ میں اتنے پٹاخے چھوڑے جائیں گے کہ اجلاس کا پورا وقت گذر جائے اور کارروائی شروع ہی نہ ہوسکے۔ ایک خط کا مضمون یوں تھا کہ اگر یہ اجلاس منعقد ہوا تو اس میں کئی ٹرانزسٹر لائے جائیں گے اور کرکٹ کی کامنٹری فل والیوم پر ہر ٹرانزسٹر سے سنائی جائے گی جس کی وجہ سے اجلاس کا انعقاد ہی ممکن نہ ہو۔ ایک خط میں لکھا تھا کہ چند خواتین قوالی کی محفل جمائیں گی اور لاؤڈ اسپیکر پر زور شور سے قوالی گانے لگیں گی تاکہ اجلاس شروع ہی نہ ہوسکے۔ ایک خط اس مضمون کا تھا کہ اگر اس اجلاس کو منسوخ نہ کیا گیا تو منتظمین کے ہاتھ پاؤں باندھ کر انھیں شہر کی بڑی شاہراہوں پر بے پردہ پھرایا جائے گا جس کے لیے کھلی جیپ گاڑیاں تیار رکھی گئی ہیں۔ ایک خط میں لکھا تھا عین اجلاس کے وقت چند خواتین مردوں کی ایک کثیر تعداد کے ساتھ اجلاس میں داخل ہو جائیں گی اجلاس پر مرد قبضہ جما لیں گے اور وہی اجلاس کی کارروائی متضاد موضوع پر چلائیں گے۔ اگرچہ پردہ نشین خواتین فرار ہونے کی کوشش کریں گی تو پورے دروازے بند کر کے فرار کی تمام راہیں مسدود کر دی جائیں گی۔ ایک کثیر تعداد میں پھولوں کے ہار ساتھ لاکر پردہ نشین خواتین کو مجبور کریں گی کہ وہ اپنے ہاتوں سے مرد مقررین کی گردنوں میں ہار پہنائیں۔ ایک خاتون نے لکھا تھا کہ وہ چند خواتین کے ساتھ قینچیاں لے کر آئیں گی اور تمام پردہ نشین خواتین کی چوٹیاں کاٹ ڈالیں گی اگر کسی فیشن ایبل خاتون کی چوٹی پہلے ہی سے کٹی ہوئی ہو تو اس کے سر میں بچے کھچے بال بھی قینچی سے کتر دئیے جائیں گے۔ اگر ممکن ہوسکا تو ایک حجام کو ساتھ لاکر سب کے سر مونڈ دئیے جائیں گے۔ ایک خط میں تو یہ دھمکی دی گئی تھی کہ کئی بے پردہ خواتین اپنے ساتھ چاقو لے آئیں گی اور تمام پردہ نشین خواتین کو چھرا گھونپ کر اجلاس میں ہی ان کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ غرض اجلاس کی تاریخ تک کئی سو خطوط وصول ہو گئے اب کہاں تک خطوں کے مضمون کے اقتباسات درج کیے جائیں۔

برخلاف مذکورہ صدر خطوط کے صرف گنتی کے خط ایسے بھی وصول ہوئے تھے کہ جن میں انجمن کے قیام اور اجلاس منعقد کرنے پر مبارک باد دی گئی تھی ایک خط میں اجلاس میں شرکت سے اس لئے معذوری کا اظہار کیا گیا تھا کہ ان کے پورے عزیز و اقارب میں صرف ان کا ہی ایک گھر ایسا تھا جس میں پردہ نشین خواتین تھیں۔ چنانچہ اس بات کا قوی اندیشہ تھا کہ اگر اس گھر سے ایک خاتون بھی اجلاس میں شریک ہو تو تمام عزیز اقارب ترک تعلقات کر لیں گے۔ ایک خاتون نے لکھا تھا کہ میں نے اجلاس میں شرکت کا ارادہ کیا تھا لیکن میری تین بیٹیاں جو بے پردہ ہیں نہ صرف اس کی مخالف ہیں بلکہ دھمکی دی ہے کہ اگر میں نے اجلاس میں شرکت کی تو پھر مجھے گھر میں نہ آنے دیں گی۔ ایک خاتون کا خط اس مضمون کا تھا کہ ان کی بہو نے کہا کہ وہ اجلاس میں شرکت کے ارادے سے باز آجائیں اگر وہ اجلاس میں شریک ہوں گی تو وہ ان کے بیٹے کو لیکر کہیں چلی جائے گی۔ بہرحال پردہ نشین خواتین کی انجمن کے قیام پر مبارک باد اور اجلاس کی تائید میں چند خطوط وصول تو ہوئے تھے لیکن کسی نہ کسی وجہ سے شرکت سے معذوری و مجبوری ظاہر کی جا کر معذرت چاہی گئی تھی۔ ایک خاتون جو نامور لیڈر تھیں انھوں نے اپنا پیام روانہ کیا تھا کہ وہ پردہ نشینی کی مکمل تائید کرتی ہیں البتہ وہ خود پردہ کی پابندی اس لئے نہ کر سکیں کہ انھوں نے قوم کی خدمت پر کس کر اپنی کمر باندھ لی تھی اور حالیہ انتخابات میں ایک حلقہ سے آزاد امیدوار کی حیثیت سے ٹکٹ حاصل کر لیا تھا۔ اور انتخابی جلسوں کو مخاطب کرتی گلی کوچوں میں پھر رہی تھیں انھوں نے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ بدنصیبی سے منتخب نہ ہو جائیں گی تو وہ پھر سے پردہ نشین بلکہ گوشہ نشین ہو جائیں (غالباً اس لئے بھی کہ وہ کسی کو صورت دکھانے کے قابل نہ رہیں گی)

آخر وہ دن آہی گیا جب کہ اجلاس منعقد ہونا تھا۔

اجلاس سے چند گھنٹے قبل ہی پردہ نشین خواتین کے بجائے بے پردہ خواتین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے پورا ہال بے پردہ خواتین سے بھر گیا۔ وقت مقررہ سے کچھ دیر پہلے پردہ نشین خواتین کی آمد کا سلسلہ شروع ہوا کوئی رکشا کوئی آٹو کوئی کار میں آئیں اور جب اتریں تو بے پردہ خواتین ان کی جانب دوڑیں اور انھیں مجبور کیا کہ پردہ علحدہ کر کے اجلاس میں داخل ہوں یا فوراً واپس چلی جائیں ورنہ

اس کی خبر تھیں۔ بعض پردہ نشین خواتین جو اپنی فرسودہ خیال ساسوں یا خسروں کے جبر سے پردہ کیا کرتی تھیں لیکن دل سے چاہتی تھیں کہ بے پردہ ہو جائیں انھوں نے موقع کو غنیمت جانا اور بہانہ بنا کر فوراً پردہ علیحدہ کیا اور ہال میں داخل ہو گئیں اور جو اپنی پردہ نشینی پر اڑی رہیں وہ "بیرنگ" واپس ہو گئیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وقت مقررہ پر جلسہ گاہ پر تمام بے پردہ خواتین نے اپنا قبضہ جما لیا۔ اور ایک بھی پردہ نشین خاتون نظر نہ آئی۔ اس واردات کی اطلاع جب ملا مجرالیہود کو ہوئی تو انھوں نے بیرانی ماں کو جلسہ میں جانے سے روک لیا اور وہ تمام خواتین جو ان کے ساتھ جانے والی تھیں وہ بھی رک گئیں۔

اس طرح جب اجلاس کی کارروائی شروع ہوئی تو تمام بے پردہ خواتین جمع تھیں جن میں سے ایک خاتون کو جلسہ کی صدر بنا لیا گیا اور کئی خواتین نے پردے کے خلاف ایسی ایسی تقریریں کیں کہ اگر ایک بھی پردہ نشین خاتون ان تقاریر کو سن لیتی تو فوراً اپنا پردہ علیحدہ کر دیتی۔

یہ پوری روداد سنا کر ملا مجرالیہود سر جھکا کر یوں خاموش بیٹھ گئے جیسے دو منٹ کی خاموشی منا رہے ہوں۔ تقریباً دو منٹ تک تو ہم پر بھی سکتہ طاری رہا اور خاموش بیٹھے رہے اس کے بعد ملا صاحب سے اظہار ہمدردی کر کے واپس چلے آئے۔

خواتین کے لئے خواتین کے لکھے ہوئے ناول

ناول	مصنفہ	قیمت
نورین	رضیہ بٹ	25/-
شائینہ	"	30/-
رابطہ	"	25/-
صنم	مینا ناز	12/-
آنکھ مچولی	دیبا خانم	18/-
آگ	شمیم نقوی	20/-
یک طرفہ تماشا	عشرت جہاں	35/-
شعاع	نادرہ خاتون	30/-
شمع	اے آر خاتون	18/-
قرینہ	فریدہ نصرت	10/-
زندگی کا نشہ	نورجہاں سلیم	12/-

آہ میرے حاجی رشید

کئی روز سے میری علالت نے اتنی شدت اختیار کی کہ پلنگ سے لگ کر رہ گیا۔ ۳۰-۳۱ جنوری کی درمیانی شب میں یہ خواب دیکھا کہ کسی کی میت میں شرکت کے لئے اپنی سواری کے ساتھ جا رہا ہوں۔ اسی حالت میں غنودگی ٹوٹی آنکھ کھلی۔ اہلیہ نے بستر پر ہی تھوک دیا کیا ایک آنکھ کھل گئی تو احساس ہوا کہ خواب دیکھ رہا تھا۔ پھر صبح ہوتے ہی ڈاکٹر شمیم انہونوی نے اطلاع دی کہ کانپور کے مشہور تاجر چرم حاجی عبدالرشید مالک حاجی عبداللہ عبدالرشید کا حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ وہ کانپور جا رہے ہیں۔ مرحوم حاجی رشید صاحب سے میرے ۴۵ سالہ تعلقات تھے۔ بڑے ہی سادہ مزاج مخلص اور محب قوم تھے۔ آخری کاپی پریس جا چکی تھی ایک اشتہار نکال کر اس خبر کو شائع کر رہا ہوں تفصیل پھر بشرط زندگی لکھوں گا ابھی تو خود ہی موت و زیست کی کشمکش میں مبتلا ہوں (نسیم انہونوی)

لطیفے

ہیڈ مسٹریس نے بچی کو شاباش دیتے ہوئے کہا مجھے تو امید نہیں تھی کہ تم جیسی کند ذہن لڑکی امتحان میں اول آ سکتی اگر تم اسی طرح محنت کرتی۔۔۔ رہیں تو انشاءاللہ اگلی کلاس میں اول آؤ گی۔

جی ہاں بچی نے سر جھکا کر بڑے ادب سے کہا۔ مگر آپ ابا جان کے پریس میں پرچے چھپواتی رہیں۔

بیوی۔ تم اب مجھ سے بیزار ہو گئے ہو۔

شوہر (حیران ہو کر) نہیں تو۔ یہ وہم تمہیں کیسے ہو گیا۔

بیوی: یہ وہم کیا حقیقت ہے پہلے جب ہم دونوں کھانا کھاتے تھے تو تم کم کھاتے تھے اور اپنے ہاتھ سے مجھے زیادہ کھلاتے۔

شوہر: دراصل بات یہ ہے کہ تم اب پہلے جیسا کھانا نہیں پکاتیں۔

ریاست کی خوشحالی کے لئے اتر پردیش کی کوششیں

- غریب ترین افراد کی فلاح کے لئے انتودیہ پروگرام سے تقریباً ۱۲۵۰۰۰ خاندان مستفید ہوئے اور انھیں ۲۲ کروڑ روپیہ کی رقم قرض کے طور پر دی گئی۔
- مریضوں کے علاج و معالجہ کے لئے ۳۴۵ ہزار سے زائد بستروں والے ۳۳۰۴ اسپتالوں کا بندوبست ہے۔ ان کے علاوہ ۸۲۵ ترقیاتی بلاکوں میں ۳۹ ہزار اجتماعی صحت کارکن بھی مقرر کیے گئے۔
- پرائمری درجات سے اعلا سطح تک اقوام و قبائل مندرجہ فہرست کے تمام طلباء کے لئے مفت تعلیم کا بندوبست ہے۔
- دیہی علاقہ میں اقوام و قبائل مندرجہ فہرست کے لوگوں، بے زمین زرعی مزدوروں، دیہی دستکاروں اور کمزور طبقہ کے لوگوں کو ۱۳۹۱۳۲۱ رہائشی پلاٹ الاٹ کیے گئے اور اقوام و قبائل مندرجہ فہرست کے لوگوں کو مکان بنانے کے لئے دی جانے والی گرانٹ کی رقم ۱۰۰۰ روپیہ سے بڑھا کر ۲۰۰۰ روپیہ کر دی گئی ہے۔
- کمزور طبقوں کے لوگوں کے لئے ۵۰ ہزار مکانات تعمیر کیے جا رہے ہیں۔
- دیہی علاقوں میں روزگار فراہم کرنے کی غرض سے کام کے عوض اناج" اسکیم چلائی گئی۔ ان ۱۰۵۴۰ اسکیموں کے ذریعہ روزانہ ۶۰۰۰۰ سے بھی زائد افراد کو روزگار کے مواقع ملے۔
- منظم زمرہ کی تقریباً پانچ ہزار بڑی اور چھوٹی صنعتوں کے ذریعہ ہر سال تقریباً دو ہزار کروڑ روپیہ کی مالیت کی اشیاء تیار کی گئیں۔
- چھوٹی صنعتوں کے زمرہ میں ترقی کے تیز رفتار عمل کے نتیجہ میں ۴۲ ہزار رجسٹرڈ چھوٹے صنعتی واحدے کام کر رہے ہیں جن میں چار لاکھ افراد برسر روزگار ہیں۔
- دستکاری کی ترقی کے لئے تقریباً ۱۵۰ تربیتی مرکز قائم کیے گئے ہیں اور اس سال ۱۰۰ نئے مرکز بھی قائم کیے جا رہے ہیں۔
- نومبر ۱۹۷۹ء تک مواضعات کی مجموعی طور پر ۱۰ ہزار کلو میٹر سڑکوں کی تعمیر مکمل کی گئی۔
- گنا کاشتکاروں کو مناسب قیمت دلانے کی غرض سے ریاستی حکومت نے ۴۳ کروڑ روپیہ کی ادائیگی کی۔
- زرعی پیداوار میں اضافہ کی غرض سے سبھی کسانوں کو بیج اور کیمیاوی کھاد کی خریداری کے سلسلے میں امداد دی گئی۔

آیئے!

یہ عہد کریں کہ ترقی کی رفتار تیز تر کرنے اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور خیر سگالی کا ماحول تیار کرنے میں ہم پورا پورا تعاون دیں گے۔

جاری کردہ :- محکمۂ اطلاعات و رابطۂ عامہ اتر پردیش

وہ بیٹی داماد پر جان چھڑکتیں، اسلم والدین سے الگ رہتا تھا۔ اس کی تنخواہ معقول تھی مگر وہ ابھی تک گھر کے کام کے لیے کسی کا بندوبست نہ کر سکا تھا۔ سیما ہی ناشتہ کھانا پکاتی تھی۔ ماں نے گھریلو کاموں میں اسے طاق کر دیا تھا۔ دو آدمیوں کا [illegible] سکتا تھا۔ لیکن جب بیگم عشرت بیٹی کے یہاں آئیں تو سیما کو الگ سنبھال دیتیں اور خود کچن سنبھال لیتیں۔ اس طرح وہ داماد کا دل موہ لینا چاہتی تھیں۔ اچھے اچھے کھانے مزیدار ناشتے اس کے سامنے رکھے جاتے۔ پہلے پہل تو وہ بہت خوش نظر آتا رہا تھا۔ مگر — بعد کو —

اور اس صبح۔ جب ساری رات کی جھک جھک کے بعد دن نکلا تو بیگم عشرت بھی کمرے سے نکلیں۔ یہ پہلی دفعہ تھی کہ انھوں نے رات بھر اسلم کی بھاری بھنبھناہٹ اور سیما کی دبی دبی منمناہٹ سنی تھی۔ کس بات پر جھگڑتے رہے تھے۔ ہوا کیا تھا، ان کا دل حلق میں دھڑکتا رہا تھا۔ کیا روائتی لڑائی ان میں بھی شروع ہو چکی تھی؟

چپ چاپ انھوں نے نماز پڑھی۔ اور پھر دلگرفتہ اداس چپ چاپ کچن میں آ بیٹھیں! جمعدارنی نے جھاڑو دی۔ برتن صاف کیے اور میاں بیوی کے لئے پانی گرم کیا۔ پھر آٹا گوندھنے لگیں!

بہت دیر بعد میاں بیوی اٹھے۔ اسلم کا منہ کھنچا ہوا تھا۔ اس نے سلام کی خاطر یونہی تھکی سی الٹائی اور برش اور ٹوتھ پیسٹ اٹھا کر واش بیسن پر جھک گیا! سیما بال برابر کرتی، روئی روئی سی خاموش کچن میں آئی۔ بیگم عشرت کے دل پر کسی نے گھونسہ دے مارا۔

"ہائے نامراد۔ تیری ماں کا پیٹ جلے" بُرا بُرا کوستا الفاظ کی زبان پر مچلنے لگا: "آخر میری بچی کا دل جلا ہی دیا۔ مگر وہ منہ سے کچھ نہ بولیں۔ دل کی دھڑکن چھپائے توے پر پراٹھا الٹتی پلٹتی رہیں!۔

"سیما!" دالان سے اسلم گرجا۔ اپنی قابل تعظیم ساس کی موجودگی کی بالکل پرواہ نہ کی۔ سیما مشینی گڑیا کی طرح بھاگی۔

"میرا تولیہ کہاں ہے؟"

"رات کو صوفے میں بھگو دیا تھا۔"

"الماری سے صاف کیوں نہیں نکالا۔"

"اتنی سی بات پر آپ کیوں چیخ چلا رہے ہیں۔ ابھی نکالے دیتی ہوں۔"

"جوہر کھل رہے ہیں تمہارے!" اسلم کا لہجہ کیا تھا۔ تلوار کی دھار تھا جو بیگم عشرت کے دل کے آر پار ہو گیا۔ سیما نے لپک کر الماری سے صاف تولیہ نکالا اور اسلم کو تھما دیا۔ مگر اس نے اس کے ہاتھ سے تولیہ لیا اور فرش پر پھینک دیا۔

سیما اس کی شکل ہی تکتی رہ گئی۔

"یہ اتنا جابر کیوں ہو رہا ہے۔" بیگم عشرت نے خون کے گھونٹ پیتے ہوئے سوچا۔ میری معصوم سیما نے کیا کیا ہے جو اس پر اس قدر گرج رہا ہے۔ آج تک میں نے کبھی اونچی آواز میں اپنی بچی سے بات نہیں کی۔ مگر یہ ظالم — انھیں احساس تک نہ ہوا کہ پراٹھا جل گیا تھا۔

ناشتہ تیار ہو چکا تھا۔ ابھی میز پر لگایا ہی گیا تھا کہ اتنے میں شکیل بھی آگیا!۔

ہمیشہ کی طرح اس نے نعرہ مار کر اپنے بہنوئی کو سلام رسید کیا!۔

"وعلیکم۔" منہ ہی منہ میں بڑبڑا کر اسلم نے جواب دیا اور اپنے کمرے میں گھس گیا! شکیل بھی اس کے پیچھے چلا گیا! اور بڑے پیار سے اس کے لپٹ گیا!۔

"کس لئے خوشامد ہو رہی ہے؟" اسلم نے پوچھا اسے ہنسی آگئی۔

شکیل پچھلے کالج کا تھا شوقین تھا۔ اس سے الگ ہو کر اپنی جیبیں ٹٹولتا ہوا بولا: "یار بھائی صاحب، کل تھیٹروں کے اڈے کی طرف جا نکلا جانی دشمن کے دو ٹکٹ بک کرا لئے ہیں۔ شام کو آپ بھی جلدی چلے آئیے گا۔ میں بھی آج شام کو فری ہوں۔ مزے میں چلیں گے۔"

"کب طلاق دے رہے ہو اپنے اس خبط کو۔"

"جی ہاں۔ جیسے کہ آپ نے دے دی ہے۔ میں جانتا ہوں۔ دفتر کا سے اپنے دوستوں کے ساتھ پکچر گھما لیتے ہیں۔ میرے ساتھ چلنے میں آپ کیوں شرماتے ہیں۔ ابھی سالے کی گالی تو مجھ پر آتی ہے۔ آپ تو سالا ہو کر رہیں۔۔!"

"فرصت ہوگی تو آجاؤں گا!" — اسلم نے کہا۔

"دو عملی وعدہ نہیں۔ پختہ وعدہ کیجئے۔"

"اچھا بھائی!"

"ناشتہ لگا دیا" سیما نے کہا۔

"ارے ہائیں۔ یہ میری گڑیا آج اداس کیوں ہے؟" شکیل نے سیما کو اپنے سینے سے لگا لیا اور اس کا چہرہ اٹھا کر اس کی پیشانی چوم لی: "تیرے لئے آج کچھ نہیں لایا۔ اس لئے منہ پھلا رکھا ہے نا۔ اچھا بیٹے۔ بالکونی کے ٹکٹ۔ میں نہیں جاتا۔ اپنے میاں کے ساتھ جا کے

کی نصیحتیں بہت گوش بن کے سنتا، سیما کے لیے پھل، ٹانک اور سنجالنے کیا کیا الا بلا لے آتا۔ ڈاکٹر اسے دس نصیحتیں کرتی تو وہ اپنی طرف سے بیس احتیاطیں کرتا! سیما کو ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا تھا۔ اور اسے یہ پسند نہ تھا کہ اپنی محبت میں کسی رقیب کا وجود برداشت کرے۔ چاہے وہ اس کی امی ہوں چاہے سیما کی۔ اب وہ اس کے جسم و جان کی سلامتی کا واحد ذمہ دار و محافظ تھا!

لیکن جب سیما کی والدہ ان کے یہاں آ جاتیں تب —

تب اسے لگتا تھا کہ وہ ماں بیٹی کے درمیان محض بھرتی کا کردار ہے۔ اس کی کوئی وقعت، کوئی قدر و قیمت کوئی اہمیت نہیں۔ وہ محض ناکارہ اور بیکار وجود ہے۔ اصل میں بیگم عشرت ہی سیما کی سب کچھ ہیں۔ وہ جتنی جتنی کوششیں دونوں کے آرام کی کرتیں۔ اتنی اتنی دونوں کی بے آرامی بڑھ جاتی۔ سیما صبح کو ہرگز نہ اٹھتی۔ اس کے لئے شیو کا سامان نہ رکھتی۔ گھر صاف نہ کرتی۔ کھانا ناشتہ تیار نہ کرتی اور ماں کی محبت کے بھرم پر صرف لیٹی لیٹی رسالے اور ناول پڑھا کرتی۔ کبھی کبھار وہ سو بھی جاتی اور بیگم صاحبہ مارے محبت کے اسے نہ جگاتیں۔ خود داماد کے ساتھ کھانے بیٹھ جاتیں۔ اور تب نوالے اسلم کے گلے میں اٹک جاتے! اوندھا سیدھا کھا کے وہ اٹھ جاتا۔ یہ صورت حال ناقابل برداشت ہو گئی تب وہ رات بھر سیما سے الجھتا رہا۔ کیوں بیگم عشرت دونوں کا سکون غارت کرنے یہاں آ جاتی ہیں۔ انھیں اس کی گرہستی میں دخل دینے کا کیا حق ہے۔ ان کی محبت اسے زہر لگتی ہے۔ وہ دور ہی سے محبت کریں۔ یہی مناسب ہے۔ انھوں نے تمہاری شادی کیوں کرا دی وہ بس ساری رات بھنبھناتا رہا۔ سیما کچھ رد گئی کچھ بگڑی کچھ روئی اور پھر قائل ہو گئی۔ سچ تو ہے۔ داماد کے گھر آ کے رہنا اچھی بات نہیں ہے۔ لوگ کیا کہیں گے۔ داماد کیا سوچے گا۔!

مگر وہ اپنی ماں سے یہ سب نہ کہہ سکی! وہ جانتی تھی بیگم عشرت کو اس سے شکیل سے زیادہ محبت تھی۔

"سمجھ میں نہیں آتا" دانت پیس کر بیگم عشرت بولیں "یہ آج کل کے بدبخت کے سر پہ بھوت کیوں سوار ہو گیا ہے۔ رات بھر اس کی کھٹ کھٹ بک بک میں سنتی رہی ہوں۔ کیا کہتا رہا تھا نامراد۔ ان مٹی ملوں کو کسی کی بیٹی پر ذرا سا بھی ترس نہیں آتا جیسے مائیں گھاس پھونس کی طرح جن کر ان جنم جلوں کی اچھی بری سننے اور ظلم سہنے کو بخش دیتی ہیں۔ مگر میں ان بودی عورتوں میں نہیں جو کان دبا کر کسی کی آدھی بات بھی سن لوں۔ بیٹی دی ہے۔ لونڈی نہیں دی۔ اگر اس کی ماں نے اسے جنا ہے تو ہم نے بھی آخر درد سہہ کر بیٹی پیدا کی ہے! اگر وہ آدمی ہے تو میری بچی بھی آدمی ہے۔ اس نازک بدن کا دل دکھتا ہے تو میری بچی کا دل بھی دکھتا ہے۔ لو صاحب۔ یہاں تو سویرے کی [illegible] حرام کر کے لاٹ صاحب کے نیچے کے لئے کھانا تیار کیا! ان کی [illegible] اور وہ چل دیئے ہیں۔ سارا بھرم ناک کے راستے نکال دوں گی"

بیگم عشرت بے حد شریف اور مخلص بیوی [illegible] اولاد کی محبت میں ان کی زبان سے کون سا زہر ٹپکتا تھا وہ اس سے بے خبر رہتی تھیں۔ اپنی پڑوسن سے چند ایک جلتی ہوئی باتیں، کچھ کڑک دار گالیاں اور پتھر پاش کوسنے سیکھ لیے تھے۔ ان کا بے تکان استعمال کر ڈالتی تھیں۔ "دکھا پچھاڑ دیکھے بغیرت"

"اب خاموش رہئیے امی" سیما دل گرفتگی سے بولی۔ اس کی مصیبت تھی میاں کی طرف بولے تو چاہنے والی ماں کی دلشکنی اور ماں کی طرف سے بولے تو شوہر ناراض۔ جس کے ساتھ رہنا بسنا، مرنا بھرنا ہے۔ یا خدا کیا کروں وہ پریشان تھی۔

"تم کھا لو۔ تمہارے لیے غم پریشانی مضر ہے" بیگم عشرت نے کہا۔ "نا شاد کو یہ بھی خیال نہیں ہے۔ ان کمینوں کو احساس کہاں ہے۔ کسی کا پیٹ جلے گا۔ کسی کی کوکھ میں راکھ اڑے گی۔ یہ کمینے رذیل بدقوم دوسری لے آئیں گے۔۔۔ بس منہ سکھا کر نہ کھڑی ہو۔ آؤ کھا لو۔ اب آنے دو۔ نہ میں نے صاف صاف بات کر لی تو کہنا۔ آخر اپنے کو سمجھے کیا ہے۔ کالی صورت، پان سو کا نوکر۔ پھول ایسی بیوی کی قدر نہیں کرتا بس وائسرائے بن گیا ہے اکڑتا پھرتا ہے۔ حکم چلاتا ہے۔ کہیں کا منحوس، بچارا"

حالانکہ سیما کا دل نہیں چاہتا تھا مگر ماں کے کہنے سے کچھ کھایا پیا اور اپنے کمرے میں چلی گئی۔ بیگم عشرت نے ایک خادمہ کی طرح برتن دھوئے، جھاڑو بہارو کی۔ دوپہر کا کھانا پکایا اور پھر باہر برآمدے کی دہلیز پر رونے بیٹھ گئیں۔ آج ان کا دل پارہ پارہ ہو گیا تھا۔ انھوں نے درجنوں میں سے چھانٹ کر اسلم کو پسند کیا تھا۔ وہ بہت خوبصورت، مخلص، خوش مزاج اور کھلنڈرا سا لگتا تھا۔ اس نے شادی کے بعد بیوی کو سوتیلی ماں کے یہاں نہیں رکھا۔ الگ گھر لے لیا تھا اور وہ بیوی کے ساتھ ایک پرسکون زندگی گزارنا چاہتا تھا!

بیگم عشرت اس کے مطلع نظر سے یکسر بے خبر اپنی بچی کی تباہی پر زار زار رو رہی تھیں۔

آٹھ مہینے ہو گئے، کبھی خود سے میری لڑکی کو میرے پاس نہیں لایا ہمیشہ میں ہی اس کے اوپر سے کیا کی۔ داماد تھوڑی کا ہے خدا بن گیا ہے اسکے ہاتھ میں مرنا ہے اس کے ہاتھ میں جینا۔ کہنا [illegible] نہ دے تو مر جائے شاید میری بچی۔ ابھی تک مٹھی کھول کے کانی کوڑی لڑکی پر خرچ نہ کی میں ہی اس عرصے میں [illegible] خرید کر دے چکی ہوں۔ بے غیرت ذلیل اپنے بچے کو کیا پیار دے گا۔ جب ماں ہی کو خاطر خواہ پیار نہ دے سکا انھیں جیتے جی جہنم نصیب کر دے گا۔"

بیگم عشرت کی نظروں میں دنیا اندھیر تھی انھیں محسوس ہو رہا تھا کہ بس سیما کو انھوں نے اندھے کنویں میں دھکا دے دیا ہے۔ حقیقت بھی یہی تھی۔ وہ زمانہ بہت اچھا تھا جب لڑکیوں کو پیدا ہوتے ہی زندہ دفن کرنے کی رسم عام تھی۔ اب یہ اندھیر ہے کہ لڑکی کی شادی کر دینے کے بعد اس کی قسمت۔ بس اسے سجا سنوار کر سسرال کے اندھے کنویں میں دھکیل دید وہ اوپر ابھر آئے تو اس کی قسمت اور اگر تل ہی میں بیٹھ جائے تب بھی اس کی قسمت ... لڑکی ذات کا جنم ہی دنیا میں کیوں ہوا ہے؟

وہ رو پڑیں۔

امی آپ کیوں اپنی طبیعت خراب کر رہی ہیں۔ سیما در پر کھڑی تھی۔

انھوں نے نظریں اٹھائیں اور ایک ایک نظر میں سیما کی ہزار ہزار بلائیں لیں۔ کتنی پیاری بچی ہے۔ بھولی بھولی، لال لال ہونٹ سیاہ آنکھیں، گھنی پلکیں، لچکدار کول کول بدن۔ بھرا بھرا۔ اُف۔

چل میرے ساتھ بچی۔ وہ ایک عزم لے کر اٹھ گئیں۔ "اس کا گھر بار اسے مبارک۔ اب جب تک وہ دس مرتبہ ناک نہ رگڑے گا تجھے نہیں بھیجوں گی۔"

"امی ایسا نہ کیجئے۔ یہ لوگ ناک نہیں رگڑتے امی، ناک رگڑواتے ہیں۔ مجھے تو ان ہی کے ساتھ رہنا بسنا ہے۔ امی وہ زیادہ سخت ہو جائیں گے۔ آپ کچھ تو [illegible]"

میں نے اسے داماد نہیں سمجھا تھا بیٹا سمجھا تھا بیٹا کہا تھا مگر یہ رشتہ ہی ایک جوتی کا ہے۔" وہ رو رہی تھیں "ارے اپنے بیٹے کو لاکھ بار مارو پیٹو، سمجھاؤ کہ وہ پھر اپنے [illegible] قدموں میں آ جاتا ہے مگر یہ ذات۔ انھیں لاکھ اپنا کلیجہ کھول [illegible] ان کے سامنے ہزار [illegible] کاٹ کے رکھ دو ان کی ناک [illegible]

بار خدا بنیا کرو مگر سب بیکار۔ وقت پر یہ داماد بدل جاتے ہیں۔ بیٹے نہیں بن سکتے!..... اس نے میری خدمت میری محبت کی رتی بھر لاج نہیں رکھی۔ ماں برابر ساس نہیں سمجھتا۔ گھر کی نوکرانی سمجھتا ہے۔"

"امی وہ مجھ سے بھی محبت کرتے ہیں۔ آپ کا بھی بہت احترام کرتے ہیں مگر....."

"خاک احترام کرتے ہیں" بڑی بی بھڑک اٹھیں "ایسے ہی کیا جاتا ہے احترام۔"

پانچ بج چکے تھے۔ بیگم عشرت اپنے کمرے سے نہیں نکلیں انھیں غصہ بھی تھا، صدمہ بھی تھا۔ ساری دوپہر انھوں نے یہ سوچنے میں گزار دی تھی کہ اسلم کے ساتھ کون سا سلوک مناسب رہے گا۔ اس کی شکل بھی دیکھنا پسند نہیں کرتی تھی۔ نمازوں کے بعد دیر تک رو رو کر سیما کی خیر خوبی سے گزر بسر کی دعائیں مانگا کرتی تھیں۔

پھر انھوں نے دالان میں اسلم کی آواز سنی۔ جو آواز انھیں بہت محبوب تھی آج زہر لگی۔

"سیما.... سیما۔"

کہئیے تھی تو کیا بات ہے۔ سیما بھی حلق تک بھری ہوئی تھی۔

شکیل نہیں آیا؟

"نہیں!" ایک جھٹکے سے وہ بولی

کیا بات ہے۔ ناراض ہو؟ وہ اس کے پاس آیا۔

نہیں

بہت خفا ہو۔ وہ ہنسنے لگا۔ "چلو غصہ تھوک دو۔ میں بہت بھوکا ہوں۔ پہلے چائے دو پھر تیار ہو جاؤ۔ پہلے ہم کچھ شوپنگ کریں گے۔ اس کے بعد شکیل میاں کے ساتھ جانی [illegible]"

مجھے کچھ بھی کرنا نہیں ہے۔ نہ شوپنگ نہ سنیما بازی۔

"پتا بھی دو۔ کیوں خفا ہو؟"

آپ نے میری امی کا دل بہت دکھایا ہے۔

"ہاں میں شرمندہ ہوں۔ اپنی بات مجھے دوسری طرح سے کہنی چاہئے تھی سیما۔ میں نے مانا کہ وہ تمھیں بہت چاہتی ہیں [illegible] زیادہ۔ لیکن جب انھوں نے تمھارا ہاتھ ہمارے ہاتھ میں دے دیا ہے تو مجھے یہ حق کیوں نہیں دیتیں کہ میں بھی تمھیں چاہوں۔ ان کی محبت کے سامنے میری محبت بے معنی ہو جاتی ہے۔ میں خود کو تمھارے سامنے کمتر

محسوس کرتا ہوں وہ میرا نہایت خاطر کرتی ہیں۔ مجھے بیٹے سے زیادہ چاہتی ہیں لیکن ان کی محبت تمھارے اور میرے حق میں خطرناک ہے۔ ان کی تنہا محبت اگر ہمارے لئے کافی ہو جائے تو ہم اسی کے عادی ہو جائیں گے پھر نہ تم مجھ سے محبت کر سکوں گی اور نہ میں تم سے۔ ہم دونوں ہمیشہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی بنے رہیں گے۔ سیما۔ وہ رفاقت بہترین ہوتی ہے جو بڑی دیر کی مفارقت کے بعد حاصل ہوتی ہے۔ میں ان کا دل دکھانا پسند نہیں کرتا مگر میں اپنی محبت میں ان کا بھی دخل گوارا نہیں کر سکتا! اگر وہ ماں ہیں تو میں بھی تو تمھارا کچھ ہوں۔"

آپ میرے سب کچھ ہیں۔ سیما اس کے سینے سے لگ گئی۔ میں امی کو سب کچھ سمجھا دوں گی۔

بیگم عشرت نے دونوں کی گفتگو کا ایک ایک لفظ سن لیا۔

سینے سے ایک آہ نکلی۔

بیاہی بیٹی پرایا دھن داخل۔ داماد کا رشتہ غیریت کا رشتہ۔ اس کے گھر کیا رہنا ۔۔۔!

وہ گم سم تھیں۔

شکیل حسب وعدہ آگیا تھا۔ بیگم عشرت باہر نکلیں۔ اسلم کچھ خفیف سا ہو گیا۔

بیٹے۔ سواری لے آؤ۔ چلیں! وہ بولیں

آپ۔ آپ جا رہی ہیں امی۔ بے ساختہ اسلم کے منہ سے نکلا۔

ہاں میاں۔ انھوں نے کہا اور اسلم کے لیے "بیٹے" کا لفظ استعمال نہیں کیا۔ شکیل کو کھانے پینے کی تکلیف [illegible] ہوتی ہے۔

اور اسلم اور سیما کو کسی قسم کی بھی دعا دئے بغیر آگے بڑھ گئیں۔

اسلم نے معافی مانگی۔ خوشامد کی۔ ہاتھ جوڑے۔ بہت روکا مگر وہ پھر نہ رکیں۔

تمھیں آپس کی محبت مبارک ہو۔ میاں۔ میں ماں ہو کر رقیب بننا نہیں چاہتی۔

وہ آگے بڑھ کر رکشے میں جا بیٹھیں۔

کہکشاں ترنم

میری چھوٹی بہن روحی کی شادی ہو چکی تھی۔ گلابی زرکار ساری میں روحی کا چہرہ گلاب کے تازہ اور شگفتہ پھول کی طرح تر و تازہ اور کھلا نظر آ رہا تھا۔ میں نے اسے دیکھتے ہی کہا۔ میری گڑیا تو بڑی پیاری نظر آ رہی ہے۔

روحی شاید پہلے ہی سے غصہ میں بھری بیٹھی تھی۔ میرا جملہ سنتے ہی بولی تم ایک روز کے لئے بھی کالج سے ناغہ نہیں کر سکتی تھیں۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں آج ہی لندن جا رہی ہوں۔ چند گھنٹے میرے پاس بیٹھ کر باتیں کرتیں۔ سچ سچ آپا تم کو مجھ سے محبت نہیں۔ تمہارے لئے کالج جانا زیادہ ضروری تھا۔

میں نے کہا نہیں۔ پیاری روحی ایسا نہ سوچو۔ آج میرا ٹسٹ تھا۔ تم جانتی ہو کہ مجھے پڑھنے سے عشق ہے۔ تم انور بھائی کے ساتھ مارکیٹ گئی ہوئی تھیں۔ میں نے سوچا جتنی دیر میں تم واپس آؤگی میں ٹسٹ دے کر واپس آجاؤں گی۔ ایسا نہ سوچو روحی کہ میں تم سے محبت نہیں کرتی۔

روحی مجھ سے دو سال چھوٹی ہے۔ اس نے اسی سال میٹرک کیا تھا۔ وہ بڑی شریر اور چنچل ہے پڑھنے میں اس کا دل کبھی نہیں لگا۔ میٹرک بھی اس نے نہ جانے کس طرح کر لیا تھا اور یہی سبب تھا کہ میں اس سے دو سال ہی بڑی تھی، لیکن میں میڈیکل کے تیسرے سال میں تھی۔ میں روحی کے برعکس ہمیشہ سے سنجیدہ اور کم سخن تھی اور شاید یہی وہ باتیں تھیں، جنھوں نے روحی کے مقابلہ میں مجھے شکست کا منہ دکھایا۔ میرے خالہ زاد بھائی انور ایک عرصہ سے لندن میں تھے۔ انھوں نے وہیں میڈیکل کیا تھا اس لئے کہ میرے خالو فارن سروس میں تھے۔ میری امی نے یہ فیصلہ کر رکھا تھا کہ مجھے انور کے حوالہ کریں گی اور یہی وجہ تھی کہ میں خود بھی ڈاکٹر بننا چاہتی تھی۔

انور بھائی ایک عرصہ کے بعد ہندوستان آئے تو میری شادی کا مسئلہ اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ شادی کر کے [illegible] جانا چاہتے تھے۔ امی نے شادی کی تیاریاں مکمل کر رکھی تھیں [illegible] سے یہ معاملہ طے ہو گیا تھا۔

انور کا قیام میرے ہی گھر میں تھا۔ میں جانتی تھی کہ وہ میرے ہیں۔ جس طرح عام لڑکیاں خواب و خیال میں اپنے دولہا کا تصور کرتی ہیں، اسی طرح میں نے بھی اپنے تصور میں انور کو پایا تھا۔ ایک خوبصورت سا گھر جس میں انور کے ساتھ اپنے تئیں خوش کر پاتی تو خوشی سے جھوم اٹھتی اور سوچتی کہ نہ جانے وہ دن کب آئے گا۔ لیکن ایسا دن میری زندگی میں کبھی آنے والا نہیں تھا۔ یکایک وہ ہو گیا جس کا میں کیا کوئی بھی تصور تک نہ کر سکتا تھا۔

مشرقی تہذیب کے تحت میں انور سے دور دور رہتی تھی، نسبت طے ہو جانے کے بعد لڑکیاں ایسا ہی کرتی ہیں۔ اس کے برخلاف روحی ہر وقت انور ہی کے پاس رہتی۔ دونوں میں خوب باتیں ہوتیں۔ انور بازار جاتا تو وہ ساتھ ہو جاتی ——— وہ سینما جاتا تو بھی روحی ساتھ ہو جاتی۔ انور تو آزاد خیال تھا ہی، خود روحی بھی مجھ سے قدرے مختلف تھی۔ اسے بھی انور کے ساتھ جانے میں کوئی تکلف نہ ہوتا۔

ایک رات میں پڑھتے پڑھتے اکتا کر بالکنی میں آ گئی۔ چودھویں کے چاند نے ساری فضا میں چاندنی بکھیر رکھی تھی۔ ابھی میں اس منظر سے لطف اندوز بھی نہ ہونے پائی تھی کہ اچانک مجھے دو سائے نظر آئے۔ پھر مجھے سمجھتے دیر نہ لگی۔ وہ انور اور روحی تھے۔ میں بڑی [illegible] نہ جانے کیوں مجھے کچھ ایسا شبہ ہوا جو اب تک [illegible] پھر وہ دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ [illegible] [illegible]

دلہن کا حسن چاندنی نے دوبالا کر دیا تھا۔ پھر میرے کانوں نے وہ سنا جو میں کبھی سننا نہ چاہتی تھی۔

انور کہہ رہا تھا۔ روحی! تم سے زیادہ میری زندگی کا اچھا ہمسفر کوئی نہیں ہو سکتا:

میں گھبرا کر اپنے کمرے میں آگئی اور مجھے ایسا محسوس ہوا، جیسے زلزلہ آگیا ہے۔ اپنا وجود ہی نہیں، ہر شے مجھے کانپتی نظر آرہی تھی۔

نیند صبح تک نہیں آسکی۔ میں بتا نہیں سکتی، اس لئے کہ میں اپنے ہوش میں نہ تھی۔ صبح بڑی دیر سے بیدار ہوئی۔ مجھے کسی نے جگایا بھی نہیں۔ اس لئے کہ اکثر میں زیادہ رات تک پڑھتی تو دیر سے سو کر اٹھتی تھی۔ کمرے سے نکلی تو کھانے کی میز پر انور اور روحی ناشتہ کر رہے تھے۔ پہلی نظر میں ہی میں نے محسوس کر لیا کہ دونوں بیحد خوش تھے۔ میں تیزی سے نکل کر امی کے پاس چلی گئی۔ انہوں نے شفقت سے مجھے پاس بٹھا کر کہا۔ بیٹی اتنا نہ پڑھا کر۔ کہیں تیری صحت نہ برباد ہو جائے۔ پھر اب پڑھنے سے فائدہ بھی کیا۔ تو سمجھدار ہے اور جانتی ہے کہ انور کس لئے آیا ہے۔ وہ تجھے چھوڑ کر تو لندن نہیں جائے گا بیٹی۔

میرا دل رو رہا تھا مگر میں نے پورے ضبط و صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا "امی جان میں ڈاکٹر بن کر ہی رہوں گی۔ جو کچھ آپ چاہتی ہیں وہ ابھی ممکن نہیں ہو سکتا۔

"پگلی دیوانی ہو گئی ہے لڑکی" امی جان نے کہا "سب کچھ ہو چکا ہے۔ اب یہ کیسے ممکن ہے کہ انور شادی کئے بغیر واپس چلا جائے۔ لندن سے بار بار آنا اتنا آسان تو نہیں ہے"

میں نے کہا "امی! آپ روحی کی شادی پہلے کیوں نہیں کر دیتیں۔ وہ مجھ سے زیادہ حسین ہے۔ انور ناپسند نہیں کر سکتا۔ اس کا دل پڑھنے میں لگتا نہیں۔ مگر میں ابھی پڑھنا چاہتی ہوں۔ میری خوشی کا آپ کو خیال کرنا ہی چاہئے۔

نہ جانے یہ الفاظ میرے منہ سے کیسے نکلے تھے۔ میری روایتی شرم حیا اس وقت جیسے ختم ہی ہو گئی تھی۔ امی نے غور سے میری طرف دیکھا۔ [illegible]۔ پھر انہوں نے کہا "مگر بیٹی یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بڑی [illegible] چھوڑ کر بیاہ دوں۔ دنیا کیا کہے گی۔

[illegible] نہ ہو گی، میں نے کہا "امی جان اس کا احساس آپ کو پہلے ہونا چاہئے تھا۔ جب میں خود [illegible]

سروکار۔ میں شادی سے زیادہ اپنی تعلیم کو مقدم سمجھتی ہوں۔ آپ انور بھائی سے دریافت فرمالیں۔ اگر وہ روحی کو پسند نہ کریں تو پھر آپ کو اختیار ہوگا"

امی نے گھور کر مجھے دیکھا، جیسے کہ وہ میرے احساسات اور جذبات معلوم کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔ لیکن وہ کچھ بھی معلوم نہ کر سکیں۔ حقیقت کا ان پر کوئی انکشاف نہ ہو سکا اور وہ خاموش ہو گئیں۔

پھر جلد ہی انور اور روحی کی شادی ہو گئی۔ [illegible] جھگڑا نہ تھا۔ انور میاں کو تو جیسے [illegible] کی صورت [illegible] کوئی وقت نہ تھی۔ اچھا ہی ہوا کہ میں نے یہ مشورہ دیا تھا ورنہ [illegible] انور بھائی مجھ سے شادی کرنے سے انکار کر دیتے اور اس وقت بات بگڑ جاتی۔ خاندانی تعلقات خراب ہوتے۔

شادی کے بعد انور بھائی اور روحی ہی خوش و خرم نہیں نظر آرہے تھے، بلکہ سب ہی خوش تھے۔ خود میں بھی سب کو شاد نظر آرہی تھی۔ کسی نے بھی میرے دل میں جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔ کسی کو بھی معلوم نہ ہو سکا حد یہ ہے کہ خود روحی کو بھی علم نہ ہو سکا کہ میں نے اس کے لئے کتنی بڑی قربانی دی ہے۔

اب بھی میں پڑھ رہی ہوں اور میں نے ارادہ کر لیا ہے کہ میں ڈاکٹر بن کر خدمت خلق کروں گی۔ شادی کبھی نہ کروں گی۔

سعیِ رائیگاں

حمیرا اطہر

جب میں نے آصف کے رشتہ سے انکار کر کے ثریا کو بتایا کہ میں نے اس فرم کی نوکری بھی چھوڑ دی ہے تو اس نے مجھے بہت ڈانٹا تھا۔ اس نے پوچھا تھا کہ آخر تم کب تک رشتوں سے انکار کرتی رہوگی" جواب میں میں نے کہا تھا: ہمیشہ۔ کیونکہ میں نے شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

اس نے مجھے سمجھانے کی بہت کوشش کی کہ ایک دن وہ آئے گا۔ جب زندگی کی راہوں پر چلتے چلتے تمہارے پیر لہولہان ہو جائیں گے اور تم تپتی دھوپ اور لق و دق صحرا میں تنہا کھڑی رہ جاؤگی۔ اس وقت تم اپنے اس فیصلے پر پچھتاؤگی۔"

میں اس کی بات سن کر ہنس دی تھی۔ میری بھولی سہیلی۔ میرے حالات کو میری نظر سے نہیں دیکھتی۔ میری طرح نہیں سوچتی۔ اس میں لہولہان ہونے یا پچھتانے کی کیا بات ہے۔؟ میں شادی اس لئے نہیں کر رہی ہوں کہ اپنے بوڑھے والدین کی خدمت کروں۔ ان کے اس دکھ کو کم کروں جو ان کے اکلوتے بیٹے نے انہیں دیا ہے۔ ماں باپ تو اولاد کے لئے گھنیری چھاؤں ہوتے ہیں وہاں تپنے کا کیا سوال۔؟؟؟

وہ بھی کتنے اچھے دن تھے جب لوگ میرے والدین پر رشک کیا کرتے تھے کہ ایک بیٹا اور ایک ہی بیٹی ہے۔ اور دونوں کیسے فرمانبردار ہیں۔ چار افراد پر مشتمل یہ کنبہ کیسے سکھ چین سے زندگی بسر کر رہا ہے۔ میرے ابو کوئی بڑی حیثیت کے آدمی نہیں ہیں۔ پہلے ایک دفتر میں کلرکی کرتے تھے اور آج کل ریٹائرڈ زندگی گذار رہے ہیں۔ ہم چاروں آپس میں اتنی محبت کرتے کہ گھر میں کبھی کسی قسم کا کوئی مسئلہ پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ایف اے کرنے کے بعد مجھے گھر بٹھا لیا گیا۔ امی کا خیال تھا کہ لڑکیوں کے لئے اتنی تعلیم کافی ہے۔ زیادہ پڑھ لوں گی تو خاندان میں رشتہ نہیں ملے گا اور خاندان سے باہر لڑکیاں نہیں دی جاتیں۔

میں نے پڑھائی چھوڑی تو بھیا مسقط چلے گئے تاکہ میرا جہیز تیار ہو سکے۔ وہاں دو چار ماہ تو انہیں نوکری ڈھونڈنے میں لگے۔ پھر انہوں نے لکھا کہ وہ کسی پرائیویٹ فرم میں آفیسر ہو گئے ہیں۔ اگلے ماہ سے پیسے بھیجنا شروع کریں گے۔ چار ماہ تک وہ دو ہزار روپے کی رقم بھیجتے رہے۔ پھر ان کا کوئی خط نہیں آیا۔ ہم نے خط پر خط لکھے۔ ابو نے تار دیئے مگر کوئی جواب نہیں ملا۔

میرا جہیز ادھورا رہ گیا۔ خاندان والوں نے اپنے لڑکوں کو میرے گھر آنے سے منع کر دیا۔ اور تو اور امجد بھی میرا سامنا کرنے سے کترانے لگا۔ وہ جو مجھے پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا کرتا تھا اور کئی مرتبہ اشاروں کنایوں میں اس کا اظہار بھی کر چکا تھا۔

چار سال بعد میری امی کے ایک عزیز مسقط گئے تو ایک روز اچانک ان کی ملاقات بھیا سے ہو گئی۔ ان کے ساتھ ان کی بیوی بھی تھی۔ بھیا نے کہلایا تھا کہ "میں نے یہاں شادی کر کے یہیں کی شہریت اختیار کر لی ہے لہذا میرا انتظار نہ کیا جائے۔"

یہ پیغام میرے ماں باپ پر بجلی بن کر گرا۔ میں نے محسوس کیا کہ وہ یکدم بالکل بوڑھے ہو گئے ہیں۔ خصوصاً امی کی حالت قابل رحم ہو گئی اتنے دنوں سے صرف ابا کی پنشن پر گذارہ ہو رہا تھا۔ جمع پونجی تو پہلے ہی بھیا کے مسقط جانے پر اٹھ گئی تھی۔ گھر کی مالی حالت تباہ ہو چکی تھی۔ پھر بھی ہم سب لوگ بھیا کے سہارے زندہ تھے۔ میں نے محسوس کیا کہ امی ابو پر بیٹے کی جدائی سے زیادہ میری موجودگی کا بوجھ ہے۔ اس وقت میں نے ملازمت کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں نے امی ابو سے کہا کہ آپ غم نہ کریں۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ سمجھ لیں خدا نے آپ کو ایک ہی اولاد دی تھی۔ اس روز امی مجھے سینے سے لگا کر بہت روئیں مگر میں نے اپنے آنسو

خشک کر لیئے۔

میری تعلیم اتنی ذرا تھی کہ گھر سے نکلتے ہی کوئی نوکری میرے انتظار میں ہوتی۔ میں نے ٹائپ اور شارٹ ہینڈ کا کورس کیا۔ مجھے اپنی سہیلی کے والد کی کوششوں سے ایک فرم میں اسٹینو ٹائپسٹ کی نوکری مل گئی۔ میری تنخواہ زیادہ نہیں تھی پھر بھی گھر کی حالت سدھرنے لگی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ امی اور ابو کے چہرے کی روز بروز بڑھتی ہوئی جھریاں ختم ہو گئیں۔

میں دفتر میں سر جھکا کر خاموشی سے کام کرتی۔ کئی ماہ گذر جانے کے باوجود دفتر کے چند لوگوں کے علاوہ میری کسی سے علیک سلیک نہ تھی۔

آصف بھی انہی میں سے ایک تھا۔ وہ میرے باس کا بیٹا تھا اور کبھی کبھار ان کی مدد کے لئے فرم میں آجایا کرتا تھا۔ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ باس تجارتی دورے پر تین مہینے کے لئے باہر گئے تو یہاں کی ساری ذمہ داری آصف پر ڈال گئے۔ مجھے اس بات سے کوئی دلچسپی نہ تھی کہ باس کی کرسی پر کون بیٹھا ہے۔ میں تو اپنے ٹائپ رائٹر کی کھٹ کھٹ میں مگن رہتی تھی۔

ایک روز میں حسب معمول آصف کے پاس بیٹھی ڈکٹیشن لے رہی تھی کہ وہ ڈکٹیشن دیتے دیتے اچانک کہنے لگا۔

"مس نیمہ! آپ اتنی خاموش اور سنجیدہ کیوں رہتی ہیں؟"

"جی نہیں تو۔" میں نے گھبرا کر مسکرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"دیکھیں۔ مجھ سے جھوٹ بولنے کی کوشش نہ کریں آپ کی خاموشی اداسی ظاہر کرتی ہے کہ آپ کو دکھ ہے۔ پلیز مجھے بتائیے۔ میں آپ کے دکھ بانٹنے کی کوشش کروں گا۔"

میں ہکا بکا اسے دیکھتی رہ گئی۔ اس کا باپ یقیناً اس سے زیادہ تجربہ کار اور جہاندیدہ آدمی ہے پر اس نے تو آج تک میرے دکھ کو محسوس نہیں کیا یہ آصف کو کیا ہو گیا ہے۔

"کوئی بات نہیں ہے سر! آپ ڈکٹیشن دیں۔ میں کس طرح رہتی ہوں! یہ میرا قطعی ذاتی معاملہ ہے۔" میں نے اپنا لہجہ تلخ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کی مرضی۔" اس نے بے نیازی سے شانے اچکائے اور ڈکٹیشن دینا شروع کر دیا۔

اس روز میں زندگی میں پہلی مرتبہ رات بھر جاگی "آخر آصف نے ایسا کیوں کہا۔ کہیں وہ مجھ سے" مجھ میں اس کے آگے کچھ سوچنے کی ہمت نہ ہوئی۔ میں نے ایسے بہت سے رومانی افسانے اور ناول پڑھے تھے جس میں غریب اور دکھی ہیروئن کو عموماً اس کے دفتر کا مالک یا مالک کا بیٹا اپنا لیتا ہے۔ مگر میں خود کو کسی افسانے کی ہیروئن نہیں سمجھتی۔

اس دن کے بعد کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ آصف نے مجھے میری خاموشی اور اداسی پر ٹوکا۔ آخر ایک روز اس نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا کہ تم جو کوئی بھی ہو میں تمہارا دکھ بانٹنا چاہتا ہوں اور اس بات کا فیصلہ ڈیڈی کے آنے سے پہلے ہو جانا چاہیئے۔ لہٰذا مجھے دو دن میں سوچ کر جواب دے دو۔"

اس دن میں بکھر گئی۔ میرے گرد بندھا ہوا حصار ٹوٹ گیا۔ میں اس کے سامنے پھوٹ پھوٹ کر رو دی۔ میں نے اسے بتایا کہ میں اپنے والدین کا اکلوتا سہارا ہوں انہیں کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔! یوں بھی میرے خاندان میں لڑکیاں باہر نہیں بیاہی جاتیں۔ اس کے علاوہ وہ میرے باس کا بیٹا ہے اور میں ایک معمولی اسٹینو ٹائپسٹ۔

آصف نے میری ہر دلیل کو رد کر دیا تو میں چپ ہو گئی۔ مگر قبل اس کے کہ باس کے واپس آنے کے بعد کوئی ہنگامہ کھڑا ہوتا میں نے دوسرے دن خاموشی سے اپنا استعفیٰ بھجوا دیا۔ امی ابو میرے اس طرح نوکری چھوڑنے پر حیران ہو گئے۔ میں نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ دفتر کا ماحول خراب ہونے لگا تھا۔ وہ بھی یہ نہیں چاہتے تھے کہ میں خراب ماحول میں نوکری کروں کیونکہ وہ یہ بات اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ خراب ماحول میں نوکری کرنے والی لڑکیاں ماں باپ کی نہیں رہتیں وہ کسی کے ساتھ چلی جاتی ہیں یا پھر شادی کر کے ماں باپ سے کنارہ کشی اختیار کر لیتی ہیں۔

چند ہی ہفتوں میں مجھے دوسری فرم میں نوکری مل گئی۔ پچھلی نوکری سے مجھے یہ تجربہ ہو چکا تھا کہ چپ چپ اور خاموش رہنے والی لڑکیاں سب کی نظروں میں آجاتی ہیں لہٰذا یہاں میں نے اپنی عادت میں کچھ تبدیلی کی تھوڑے ہی دنوں میں سب سے گھل مل گئی۔ اب میں ایک ہنس مکھ اور زندہ دل لڑکی تھی۔ ویسے بھی میرے برے دن گذر چکے تھے۔ امی ابو خوش تھے۔ وہ بیٹا کو اس طرح بھول چکے تھے کہ اس کا نام سننا بھی پسند نہ کرتے تھے۔ وہ اٹھتے بیٹھتے میری درازیٔ عمر کی دعائیں مانگتے۔ سارے خاندان میں میری فرمانبرداری

اور سلیقے کا چرچا کرتے۔ خاندان والے بھی اب ہم سے خوش تھے کیونکہ میرے گھر کی تنگدستی اب رخصت ہو چکی تھی۔ امجد نے بھی آنا جانا شروع کر دیا تھا۔ حالانکہ ابّا اس سے کہہ چکے تھے کہ اس کے انکار کے بعد اب یہ رشتہ ہونے کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

امجد کے علاوہ بھی جتنے رشتے آئے وہ سب کسی نہ کسی لحاظ سے "نامناسب ہونے کی بناء پر ٹھکرا دیئے گئے۔ مجھے اس بات کا کوئی غم نہیں تھا کیونکہ میں اپنے والدین کو خوش دیکھنا چاہتی تھی۔ ثریا اکثر مجھ سے کہتی تھی کہ تمہارے والدین خود غرض ہو گئے ہیں تمہیں خود اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی فیصلہ کرکے اس پر ڈٹ جانا چاہیئے۔ ثریا مجھے بہت عزیز ہے، مگر اس بات پر میں اس سے لڑجایا کرتی کہ مجھے میرے ماں باپ کے خلاف ورغلا رہی ہے۔

اس روز میں ایک مرتبہ پھر حیران رہ گئی جب شام کو اپنے ہیڈ کلرک سلیم صاحب کے پاس فائل جمع کرا کے گھر جانے کے لئے مڑی تو انھوں نے آواز دی۔

"مس نعیمہ یہاں آیئے۔"

"جی سر۔!" میں واپس پلٹی۔

"بیٹھ جائیے۔" انھوں نے فائل دیکھتے ہوئے کہا۔

شاید فائل میں کوئی لیٹر غلط لگ گیا یا پھر کوئی ضروری لیٹر لگنے سے رہ گیا۔ میں نے بیٹھتے ہوئے سوچا۔

"آپ مجھے بتایئے۔ آپ کو کیا پریشانی ہے۔" سلیم صاحب نے فائل رکھتے ہوئے میری طرف دیکھ کر کہا۔

"پریشانی۔ جی کوئی نہیں سر۔" میں ایک مرتبہ پھر بوکھلا گئی۔ یقیناً فائل میں کوئی بڑا گھپلا ہو گیا ہے۔

"کیا غلطی ہے سر، لایئے ابھی ٹھیک کر دوں۔"

"میں نے تو یہ نہیں کہا کہ اس میں کوئی غلطی ہے۔" وہ مسکرائے۔

"پھر۔ !!؟" میں سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"مجھے آپ کے کام کی طرف سے کوئی شکایت نہیں ہے۔ آپ ایک محنتی اور ذمہ دار لڑکی ہیں۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ اگر آپ کو کوئی پریشانی لاحق ہے تو اسے دور کیا جائے ورنہ۔ آگے چل کر اس سے آپ کا کام اور آپ کی صحت دونوں چیزیں متاثر ہو سکتی ہیں۔" سلیم صاحب نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"مگر آپ کو یہ شک کیسے ہوا سر، کہ میں پریشان ہوں۔" میں ہنسی۔ اب میں نے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔

"آپ کے بات بے بات ہنسنے سے۔" انھوں نے جواب دیا۔

"یہ بھلا کیا بات ہوئی۔ ؟" میں پھر ہنسی

"یہ میرا تجربہ ہے کہ جو شخص بظاہر جتنا زیادہ ہنستا اور خوش رہتا ہے اندر سے وہ اتنا ہی دکھی ہوتا ہے۔ اسی لئے آپ کی یہ خوش مزاجی مجھے مشکوک کر رہی ہے۔"

سلیم صاحب کی اس بات پر میں نے ان کی نیت کے بارے میں شک نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک پختہ عمر کے سنجیدہ اور بردبار آدمی ہیں۔ میری عمر کی تو خیر اب میں بھی نہیں رہی لیکن وہ مجھ سے دس بارہ سال ضرور بڑے ہوں گے۔ اس کے علاوہ مجھے یہ معلوم تھا کہ وہ شادی شدہ ہیں اور ان کے دو پیارے پیارے بچے ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ میں نے انھیں آصف کی طرح کوئی سخت جواب نہیں دیا اور ان کی ہمدردی کو ان کی شفقت پر محمول کرکے ہنستی ہوئی چلی آئی۔

اس واقعہ کے بعد اتنا ضرور ہوا کہ سلیم صاحب سے دفتری امور کے علاوہ بھی کچھ باتیں ہونے لگیں۔ وہ عموماً اپنی گھریلو زندگی کے بارے میں باتیں کرتے۔ ایک روز پھر انھوں نے باتوں باتوں میں میری نجی زندگی کو کریدنا چاہا تو میں جھنجھلا گئی "کیا مصیبت ہے خاموش رہو تو لوگ پوچھتے ہیں آپ اداس کیوں رہتی ہیں؟ ہنسو تو کہا جاتا ہے کہ اس ہنسی کے پیچھے کون سا غم پوشیدہ ہے؟؟ یا میرے اللہ! میں کیا کروں؟؟ پھر بھی میں نے اپنے پیشانی کی سلوٹوں کو مسکراہٹ میں چھپاتے ہوئے کہا۔

"سر آپ کو خواہ مخواہ شک ہو گیا ہے یقین کریں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔"

"شارٹ ہینڈ میں ڈکٹیشن لیتے لیتے تم نے اپنی زندگی کو بھی شارٹ ہینڈ کی طرح ایسی تحریر بنا لیا ہے جو ہر شخص نہیں پڑھ سکتا۔ مگر یہ مت بھولو کہ دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو شارٹ ہینڈ بھی جانتے ہیں۔ وہ تمہیں سے تم پر ٹوٹ آئے۔

ٹھیک ہے پھر جو لوگ پڑھنا جانتے ہیں پڑھ لیں میں خود کچھ نہیں بتا سکتی۔" میں نے بیزاری سے کہا۔

"پڑھ تو لیا ہے مگر مشکل یہ ہے کہ صرف وہی صفحہ پڑھ پایا ہوں جو کھلا ہوا ہے۔ کتاب زیست کے باقی ورق بند ہیں اور کھلا ہوا بھی وہی صفحہ ہے جو تم نے چاہا ہے اور اس کے برعکس میں نے اپنی زندگی کی کہانی ورق ورق سنادی ہے۔" وہ بھی ہار ماننے کو تیار نہ تھے۔

"باقی صفحات کی تحریر مٹادی ہے اور اگلے صفحات پر ابھی کچھ لکھا ہی نہیں" میں نے ہنس کر بات ٹال دی۔

میری یہ بات کچھ ایسی غلط بھی نہیں تھی میرے ماضی میں بھیا کے علاوہ اور کیا تھا۔ سوائے میں ہی کیا امی ابو بھی بھلا چکے تھے۔ آئندہ کیا ہوتا ہے؟ اس کے بارے میں بھی میں ایک فیصلہ کر چکی تھی۔

سلیم صاحب اب بھی باتوں باتوں میں کوئی جملہ کہہ جاتے ہیں مگر میں انھیں ہنس کر ٹال دیتی۔ اس کے باوجود انھیں رفتہ رفتہ میرا ماضی معلوم ہوگیا کہ میں نے زندگی بھر شادی نہ کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے اور یہ کہ میں اپنے بوڑھے والدین کا اکلوتا سہارا ہوں۔ اب ان کا یہ معمول ہوگیا کہ موقع ملتے ہی مجھے شادی کرنے کی تلقین کرتے۔ کبھی کبھی وہ بھی مجھے ثریا کی طرح سمجھاتے کہ ماں باپ خود غرض ہوگئے ہیں تو تم بھی خود غرضی پر اتر آؤ۔ جہاں تک ان کا سہارا بننے کا تعلق ہے۔ شادی کے بعد بھی ان کا خیال رکھا جاسکتا ہے۔ میں ثریا کی طرح ان پر بھی ناراض ہوتی۔ میں اپنے ماں باپ کو خود غرض ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔ پھر بھی اتنا ضرور ہوا کہ میں ثریا کی طرح سلیم صاحب کو بھی اپنا سچا دوست اور ہمدرد سمجھنے لگی۔ دفتر میں میرا زیادہ وقت ان کے کمرے میں گذرنے لگا۔ ہم دونوں لنچ کے لئے ایک ساتھ باہر جانے لگے۔ اکثر شام کو بھی کہیں گھومنے پھرنے چلے جاتے۔ ہم دونوں کے درمیان تکلف کی وہ دیوار بھی گر گئی جو انھیں "آپ" اور "سر" کہنے کے لئے مجبور کرتی تھی۔ اب میں ان کا نام لیتی اور تم سے مخاطب کرتی۔

سلیم نے مجھے نہ صرف یہ کہ بزرگانہ انداز میں دنیا کی اونچ نیچ سمجھائی شادی نہ کرنے کے نقصانات بتائے بلکہ مجھے مرد کے پیار سے بھی آشنا کیا۔ اس نے جب پہلی مرتبہ کسی بات پر خوش ہو کر کے پیار سے میرا ہاتھ دبایا تو میں سپٹا کر رہ گئی۔ میں نے بظاہر اسے تنبیہہ بھی کی مگر حقیقت یہ ہے کہ پھر مجھے اس کے پیار کا انتظار رہنے لگا۔ وہ بھی میری کیفیت کو سمجھ گیا۔ اس طرح اس کا حوصلہ اور بڑھ گیا اس نے مجھے بارہا یہ یقین دلایا کہ میں اس کا آئیڈیل ہوں جو کشش اور خصوصیات مجھ میں ہیں۔ وہ اس کی بیوی میں قطعی نہیں۔ وہ اپنی بیوی سے محض اس لئے نباہ کر رہا ہے کہ وہ اس کی سگی خالہ زاد ہے جو بچپن میں اپنے ماں باپ کے سائے سے محروم ہوگئی تھی۔ اس کی پرورش بھی سلیم کی والدہ نے ہی کی تھی۔ انھوں نے مرتے وقت اس کا ہاتھ سلیم کے ہاتھ میں دے کر وصیت کی تھی کہ اسے کبھی کوئی دکھ نہ دینا۔

سلیم کی باتوں سے میں وقتی طور پر تو خوش ہوتی مگر ذہنی پریشانیاں بڑھ گئیں۔ شروع شروع میں تو وہ مجھ سے کرید کرید کر مسائل معلوم کرتا اور بڑے خلوص سے انھیں حل کرنے کی کوشش کرتا۔ رفتہ رفتہ میں نے محسوس کیا جیسے اسے میرے مسائل سے نہیں صرف میرے جسم سے دلچسپی ہے۔ وہ سارا وقت میرے حسن کے قصیدے پڑھتا رہتا۔ اس کی خواہش ہوتی کہ میں اس سے پیار بھری میٹھی میٹھی باتیں کرتی رہوں۔ تیرہ سال بعد ایک دن اچانک بھیا کا خط آگیا انھوں نے لکھا تھا کہ ان کی بیوی اور بڑی بچی کا کار کے ایک حادثے میں انتقال ہوگیا ہے اور وہ اپنی پانچ سالہ بیٹی کے ساتھ پاکستان واپس آرہے ہیں۔ میں نے سلیم سے اس خط کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ امی ابو جو بھیا کا نام سننا بھی پسند نہیں کرتے تھے۔ ان کا خط پاکر بہت خوش ہیں۔ وہ دن رات ان کی آمد کی گھڑیاں گن رہے ہیں جبکہ مجھے یہ بات قطعی اچھی نہیں لگی۔ میں ایسے بھائی سے کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتی جس نے اپنے عیش کے دنوں میں گھر والوں کو بھلا دیا اور مصیبت پڑی تو گھر یاد آگیا۔ میرا خیال تھا کہ سلیم بھی میرا ہم خیال ہوگا۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ میں نے بھیا کی وجہ سے بہت دکھ اٹھائے ہیں۔ بقول لوگوں کے اپنی جوانی تباہ کردی۔ سلیم نے خاموشی سے میری بات سنی پھر پیار بھری نظروں سے مجھے دیکھ کر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور کہنے لگا "چلو جانے دو۔ اس میں بھی تمہارے ماں باپ کی خوشی ہے۔"

اس وقت میں نے سلگ کر کہا: "میں سمجھتی ہوں کہ اب مجھے شادی کر لینی چاہیئے۔ میں نے اپنا فرض پورا کر دیا ہے میرے امی ابو کو اب میرے سہارے کی ضرورت نہیں رہی ان کا بیٹا اور پوتی واپس آرہے ہیں۔"

میری اس بات پر سلیم چونک گیا، پھر فوراً ہی سنبھل کر کہا: ”میں تو تمہیں شروع سے اس کا مشورہ دے رہا تھا تم پر ہی ماں باپ کی خدمت کا خبط سوار تھا۔“

”خیر۔ اب یہ خبط اتر گیا نا“ میں مسکرائی۔

”مگر کیا فائدہ۔ تمہاری اتنی عمر ہو گئی ہے ہر چند کہ تم بہت سلیقہ شعار، مخلص اور محبت کرنے والی لڑکی ہو مگر سوچو اس عمر میں کون تم سے شادی کرنے پر آمادہ ہوگا۔ لوگ تو اوپری خوبصورتی دیکھتے ہیں۔“

”مجھے کسی سے کیا واسطہ۔ تم میرے خلوص اور محبت کی قدر کرتے ہو۔ میرے لیے یہی کافی ہے۔ کیا تم میرا ساتھ نہیں دو گے“ میں نے پیار سے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیتے ہوئے کہا۔

میری بات سن کر سلیم گھبرا گیا۔ اس نے تیزی سے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے کہا: ”نہیں۔ نہیں۔ میں تمہیں بہت چاہتا ہوں۔ تمہارے ہر دکھ میں شریک ہوں۔ تم جتنا چاہو تمہیں پیار دے سکتا ہوں مگر تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ میری بیوی جیسی بھی ہے میری مرحومہ ماں کی پسند ہے۔ میں اسے سوکن کا دکھ نہیں دے سکتا۔“

”سوکن کا دکھ۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری بیوی کے لیے سوکن ثابت ہوں گی“ میری آواز حلق میں پھنسنے لگی۔

”تمہارا خلوص اپنی جگہ پر ہے مگر وہ تو اول دن سے یہی محسوس کرے گی نا۔ وہ تمہیں خلوص برتنے کا موقع ہی کب دے گی۔ سب سے بڑی بات یہ کہ اس سے میری امی کی روح کو تکلیف ہوگی۔“

سلیم کی باتوں سے مجھے اپنا سر گھومتا ہوا محسوس ہوا۔ میری کنپٹی کی رگیں پھٹنے لگیں۔ میں نے انتہائی بدمزاجی سے کہا: ”اب تم کو آئندہ مجھ سے کوئی تعلق رکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے کوئی پارٹ ٹائم ہم سفر نہیں چاہیے۔ مجھ پر جو گذرے گی میں تنہا جھیل لوں گی۔ یاد رکھو اگر تم نے آج کے بعد مجھ سے دفتری امور کے علاوہ کوئی اور بات کی تو میں یہ نوکری بھی چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔“

دفتر والے حیران تھے کہ اچانک ہم دونوں کو کیا ہو گیا ہے۔ کہاں تو میرا سارا وقت سلیم کے ساتھ گذرتا تھا اور کہاں اب یہ عالم کہ میں انتہائی ضروری کام کے بغیر اس کے کمرے میں قدم نہیں رکھتی تھی۔ میری کوشش ہوتی تھی کہ زیادہ سے زیادہ کام چپراسی اور فون کے ذریعے ہو جائے۔ میں نے دفتر کے دوسرے لوگوں سے بھی خوش اخلاقی سے پیش آنا چھوڑ دیا اور یہ سب کچھ کسی شعوری کوشش کے بغیر ہوا۔ مجھے سلیم سے نفرت ہونے لگی۔ وہ چاہتا تھا کہ میں بڑھاپے میں اپنے جیتے جاگتے ماں باپ کو بے سہارا چھوڑ کر اپنا گھر بسا لوں اور خود اسے اپنی مری ہوئی ماں کا اتنا خیال ہے کہ اس کی خاطر ایک ناپسندیدہ بیوی سے نباہ کر رہا ہے۔ کہاں تو میرے بغیر وہ ایک پل گذارنا دوبھر سمجھتا تھا اور کہاں یکدم قطع تعلق کر لیا۔ کون جانے اس کی چاہت فراڈ ہو۔ شاید مرد کی فطرت ہے کہ اپنی بیوی سے مطمئن ہونے کے باوجود دوسری لڑکیوں پر نظر رکھتا ہے۔ ان کا قرب اور ہمدردی حاصل کرنے کے لئے اپنی مظلومیت کی فرضی داستاں سناتا ہے۔ سلیم میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد تھا۔ میں اس کے رویے کو ایک بنا کر اسے سب پر منطبق نہیں کر سکتی تھی۔ معلوم نہیں کیا حقیقت ہے اور کیا فراڈ؟ میں سوچتے سوچتے جھنجھلا جاتی۔

جوں جوں بھیا کی واپسی کے دن قریب آ رہے ہیں۔ میرے چڑچڑے پن اور بدمزاجی میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں ان کا استقبال کس طرح کروں؟ میں مسلسل اسی سوچ میں غرق لیٹی پڑی کروٹیں بدل رہی ہوں، اچانک برابر والے کمرے میں امی ابو کی گفتگو کا رخ بھی بھیا کی جانب ہی مڑ گیا ہے میں غور سے ان کی باتیں سننے لگی۔

”نعیمہ کی ماں ہمارا بیٹا اتنے برسوں بعد آ رہا ہے، اس سے ماضی کے متعلق کوئی شکوہ نہ کرنا، جو ہو گیا سو ہو گیا اب تو وہ خود دکھی ہے۔“ ابو کی آواز آئی۔

امی نے جواب دیا: ”تم نے مجھے اتنی بیوقوف سمجھ رکھا ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو کہ میں اس کے زخموں پر مرہم رکھنے کے بجائے نمک چھڑکوں گی، نہیں میں اس سے کچھ نہیں کہوں گی۔“

”ہاں، اور کہنے سے فائدہ بھی کیا ہے“ ابو نے ٹھنڈی سانس بھری: ”اسے خود اپنی غلطی کا احساس ہوا ہے جبھی تو آ رہا ہے۔“

”کیسے نہ ہوتا جی، اپنا خون اپنا ہوتا ہے۔“ امی کی آواز میں بڑی سرشاری تھی۔

”ہونہہ! اپنا خون۔“ میں سلگ اٹھی۔

”نعیمہ کے ابا، اس کے آنے کے بعد تم اس کی رائے لینا، میرا خیال ہے ہم یہاں اس کی دوسری شادی کرا دیں۔“ امی نے سرگوشی کی۔

"دوسری شادی، مگر پہلے نعیمہ کے بارے میں تو سوچئے" ابو کی آواز میں ہلکا سا احتجاج تھا۔

اسی لئے تو کہہ رہی ہوں، نعیمہ اتنی بڑی ہوتی جا رہی ہے کہ مجھے ڈر ہے کہ اس کی اپنے بھائی اور بھتیجی سے نہیں بنے گی وہ تو اس ننھی سی جان کو کچا کھا جائے گی بیٹے کا دل بھی یہاں لگ جائے گا۔" امی نے دلیل دی۔

"کہتی تو تم ٹھیک ہو مگر آخر نعیمہ کی شادی بھی تو کرنی ہے۔"

بے چارے ابو، اب بھی میری شادی کا ارمان لئے بیٹھے ہیں میں نے کروٹ بدلتے ہوئے اپنی توجہ ان کی گفتگو کی طرف مرکوز رکھی۔

"نعیمہ کی شادی کر دی تو پھر ہمارا کیا بنے گا؟ پہلے بیٹے کا گھر بسا کر یہ دیکھ لو کہ اونٹ کس کروٹ بیٹھتا ہے پھر کچھ فیصلہ کرنا۔" امی نے کچھ اس طرح سمجھاتے ہوئے کہا کہ ابو کی سمجھ میں فوراً آ گیا۔

"ہاں ہمیں نعیمہ کی ہی نہیں، اپنی فکر بھی ہونی چاہیئے۔"

ابو کا جواب سنتے ہی مجھے چکر آ گیا، میں نے محسوس کیا میری تمام قربانیاں رائیگاں ثابت ہوئیں، میں زندگی کی اداس راہوں میں سکھ کے پھول چننے کی آرزو لئے خاردار راستے پر آ نکلی ہوں۔ میرے دونوں پیر لہو لہان ہو چکے ہیں، سایہ دار درخت ٹنڈ منڈ ہو گئے اور میں گھنیری چھاؤں سے نکل کر لق و دق صحرا کی تپتی دھوپ میں تنہا کھڑی ہوں۔

حریمی دسترخوان

کھانا پکانے کے فن پر ادارہ حریم کی مرتب کردہ یہ کتاب بہت عرصہ قبل سالنامہ حریم کی شکل میں شائع ہوئی تھی اور اتنی پسند کی گئی تھی کہ اس وقت سے اب تک اس کے متعدد اڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

حریمی دسترخوان میں ہر طرح کے معمولی اور دعوتی کھانے وغیرہ پکانے کی ترکیبیں پوری تفصیل کے ساتھ سمجھا کر لکھی گئی ہیں اور اسی وجہ سے یہ کتاب اکثر لڑکیوں کو جہیز میں دی جاتی رہی ہے۔

ہر گھر میں حریمی دسترخوان ہو تو بڑی آسانیاں ہوتی ہیں کچھ نہ جاننے والیوں اور سب کچھ جاننے والیوں کی ہمدرد و مشیر۔

قیمت مجلد چھ روپیہ پچھتر پیسے
ملنے کا پتہ۔ نسیم بک ڈپو۔ لکھنؤ

لکھنؤ اپنی تہذیب و تمدن

کے لئے سارے ہندوستان ہی میں نہیں دنیا میں مشہور تھا، لیکن افسوس کہ انقلابات زمانہ نے لکھنؤ کی تہذیب و تمدن کو خاک میں ملا دیا۔ آج اس تہذیب کا ذکر کتابوں میں ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ لوگ آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس تہذیب و تمدن کو دیکھیں اور لکھنوی لوگوں کی شیریں زبانی سے لطف اندوز ہوں۔ لیکن اب اس زبان کے بولنے والے بھی نظر نہیں آتے جو حضرت "پہلے آپ" "پہلے آپ" کہا کرتے تھے۔ اور اس مٹی ہوئی تہذیب و تمدن کے علمبردار کچھ رہ بھی گئے ہیں تو وہ گوشہ نشین ہیں اور ان تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ اپنا سب کچھ کھو کر اب وہ باہر نکلتے بھی شرماتے ہیں۔ کیسا عروج اور اب کیسا زوال ہے۔ لیکن لکھنؤ میں جو چیزیں فنا نہ ہو سکیں وہ ہیں شاہی امام باڑے اور وہ کاریگر اور ہنرمند جو آج بھی اپنی کاریگری اور سبک دستی کے ایسے شاہکار پیش کر رہے ہیں جو آپ اپنی مثال ہیں۔

چکن، زردوزی، کامدانی اور بادلے وغیرہ کے کام یہاں کے کاریگر ایسا کرتے ہیں کہ دیکھنے والے محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ لچکہ، گوٹہ، ٹھپا، کرن اور ستارے وغیرہ کا کام بھی بیحد نفیس بنتا ہے۔

لکھنؤ کا مشہور فرم

درشنو مل آتمارام اینڈ سنس

انھیں ماہرین فن کے ذریعہ ہر طرح کا کام کروا کر آپ کو بھیج سکتا ہے تفصیلات کے لئے پتہ یہ ہے راج کمل ہوٹل بلڈنگ امین آباد روڈ لکھنؤ۔ فون ۲۲۳۴۴۔ آپ صرف ایک بار آزمائش کریں۔ امید ہے آپ ہر طرح مطمئن رہیں گے۔

کارڈ نکال کر میرے ہاتھ میں تھما دیا اور اپنے دو پیارے پیارے بچوں کا ہاتھ تھام کر چلی گئی۔ میں اس وقت تک اسے جاتے دیکھتی رہی جب تک وہ اسکول کے گیٹ سے باہر نہ نکل گئی۔

شام کے ساڑھے چھ بج رہے تھے جب میں صفیہ کے دیئے ہوئے ایڈریس پر پہنچ گئی۔ صفیہ بہت محبت اور خلوص سے ملی۔ دیر تک ہم کالج کے زمانے کی باتیں کرتے رہے۔ اپنے موٹاپے کے بارے میں صفیہ نے یہی بتایا کہ اس کا شوہر اسے ڈائٹنگ نہیں کرنے دیتا کہ وہ بیمار ہو جائے گی۔ میں نے شرماتے ہوئے بتایا کہ میرا شوہر مجھے بہت چاہتا ہے۔ میں اس کے شوہر ریحان سے بھی ملی۔ میری توقع کے برعکس وہ ایک سمارٹ اور ہینڈسم شخص تھا اس کے چہرے پر بڑی نرم سی مسکراہٹ بکھری تھی اور وہ ہر بات میں صفیہ سے لگاوٹ کا اظہار کر رہا تھا۔ کافی وقت گزارنے کے بعد میں نے صفیہ سے اجازت چاہی تو صفیہ نے کہا کہ چونکہ وہ حال ہی میں ٹرانسفر ہو کر آئے ہیں لہٰذا کسی سے ملنا ملانا نہیں اس لئے میں صفیہ سے ملنے ملانے میں کوئی کوتاہی نہ کروں۔ میں نے وعدہ کر لیا کہ مجھے جس دن کوئی مصروفیت نہیں ہوگی وہ دن میں صفیہ کے ساتھ گزاروں گی!۔

صفیہ کے گھر سے میں لوٹی تو بڑی افسردہ اور بجھی بجھی سی تھی۔ اپنا وجود مجھے دھرتی پر کسی بوجھ کی مانند لگ رہا تھا۔ میں نے صفیہ سے اپنا موازنہ کیا تو پہلے کبھی کمتری کا احساس مجھے شدت سے ہونے لگا۔ اپنا [illegible] صورت اور پھر میرا جسم مجھے صفیہ کے موٹے اور بے ڈھنگے جسم کے مقابلے میں بہت حقیر اور بدصورت محسوس ہونے لگا۔ میں پہلی بار سوچنے لگی کہ مرد کے بغیر بھی عورت اس طرح ہے۔ [illegible] کی مانند جو ہوا میں ڈولتی رہتی ہے۔ عورت لاکھ کالی ہو لیکن مرد کا مضبوط سہارا نہ ہو تو عورت کمزور بیل ہے وہ کسی بھی طوفان کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ عورت کتنی ہی خوبصورت کیوں نہ ہو۔ مگر جب مرد کی ستائشی نگاہ نہ ہو تو خوبصورتی اور جوانی کوئی معنی نہیں رکھتی، میں نے اپنے خوبصورت جسم کو دیکھتے ہوئے دکھ سے سوچا۔

جانے میری شادی کیوں نہ ہو سکی شاید پڑھنے اور آگے بڑھنے کے جنون میں لڑکی ہونے کی دیوانگی طاری ہو گئی تو ہر رشتہ پیچھے [illegible] لگا۔ اور اب جب جوانی آہستہ آہستہ رخصت ہونے لگی تو صفیہ کا پیارا گھر محبت کرنے والا شوہر اور خوبصورت بچے دیکھ کر مجھے اپنی مصروف زندگی سے نفرت ہونے لگی۔

اس کے بعد میری فرصت کا وقت صفیہ کے ساتھ گزرنے لگا تو ہم اکٹھے فلمیں دیکھتے پکنک مناتے اور سیر و تفریح کرتے ہر جگہ پر ریحان بھائی بھی ساتھ ہوتے۔ لیکن ہر بار جب بھی صفیہ سے مل کر آتی تو پہلے سے زیادہ افسردہ ہوتی گھنٹوں تکئے میں منہ دیئے سوچتی رہتی!۔

میرا ٹرانسفر ایبٹ آباد ہو گیا تو مجھے سب سے زیادہ ملال صفیہ کی قربت سے محرومی کا تھا۔ ان دنوں وہ میکے گئی ہوئی تھی میں اس سے ملنے کے لئے کئی بار گئی لیکن ہر بار گیٹ پر پڑا ہوا تالا میرا استقبال کرتا اور میں مایوس ہو کر لوٹ آتی۔ جانے سے دو گھنٹے پہلے میں پھر اس امید پر اس کے گھر گئی کہ ہو سکتا ہے وہ آ چکی ہو لیکن ہر بار کی طرح اس بار بھی مجھے مایوس ہونا پڑا۔

ایبٹ آباد میں جلد ہی میرا دل لگ گیا لاہور کی بہ نسبت یہ جگہ پُرسکون تھی اور مجھے ہمیشہ سے خاموش اور پُرسکون جگہیں پسند رہی تھیں۔ ابھی چند دن تک تو صفیہ کو یاد کرتی رہی لیکن آخر کار اپنی مصروفیات میں میں جہاں ہر چیز بھول گئی۔ وہاں صفیہ کو بھی بھلانا پڑا۔ اور شاید کبھی اس کی یاد میرے دل کے نہاں خانے پر دستک نہ دیتی اگر ایک دن میں بازار میں اچانک ریحان بھائی کو نہ دیکھ لیتی۔ ریحان بھائی نے جیسے ہی مجھے دیکھا لپک کر میرے پاس آئے۔ میں نے انہیں سلام کیا اور صفیہ کے بارے میں پوچھا تو وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ کے ساتھ بولے۔ ناز بہ... تم تو بڑی بے وفا نکلیں... جاتے وقت تو اس سے مل تک نہیں اور اب اس کو پوچھ رہی ہو۔

اس کے لئے آپ مجھے الزام نہیں دے سکتے ریحان بھائی میں کوئی چار مرتبہ آپ کے گھر آئی ہوں۔ اب آپ لوگ نہیں

تھے تو اس میں میرا کیا قصور" میں نے صفائی پیش کی تو وہ بولے
"خیر تم کو بھی کچھ کہہ کر صفیہ تو مجھ سے بہت ناراض ہے"
"اسے تو خیر میں منا لوں گی۔ آپ یہ بتائیے ریحان بھائی کہ آپ
کس سلسلے میں ایبٹ آباد جا رہے تھے اور صفیہ آپکے ساتھ کیوں نہیں آئی؟"
"اپنا تو وہی ٹرانسفر کا چکر ہے کم بخت محکمے والے ایک
جگہ ٹکنے نہیں دیتے" وہ بے زاری سے بولے تو میں خوشی سے
چلا کر بولی۔
"تو آپ کا ٹرانسفر ایبٹ آباد ہو گیا ہے؟ صفیہ کب
تک آ جائے گی؟"
"ٹرانسفر ایبٹ آباد نہیں ہری پور ہوا ہے سوچا کہ ذرا خریداری
کرنی تھی تو سوچا ایبٹ آباد چلا جاؤں سیر بھی ہو جائے گی اور
خریداری بھی۔ رہا صفیہ کا سوال تو اس کے ہاں تیسرے مہمان
کی آمد آمد ہے لہٰذا فارغ ہونے تک شاید وہ نہ آسکے۔"
"اوہ... میں ٹھنڈی سانس لے کر بولی "اگر آپ فارغ
ہوں ریحان بھائی تو پہلے آپ کو ایک کپ سٹرانگ چائے
کی پلوا دوں" مجھے احساس ہوا کہ ریحان بھائی کافی دیر سے
میرے پاس کھڑے ہیں اور یوں کھڑے کھڑے انہیں ٹرخا
دینا مناسب نہیں۔
"نیکی اور پوچھ پوچھ" وہ اتنی جلدی رضامند ہو گئے کہ
مجھے حیرت ہوئی۔

اس کے بعد تو ہر دوسرے دن ریحان بھائی آنے لگے۔
ہم شاپنگ کے لئے بھی اکٹھے جانے لگے۔ ایک دن اچھی سی
فلم لگی تھی۔ ریحان بھائی نے دیکھنے کی پیشکش کی تو میں جھٹ
رضامند ہو گئی۔ پہلے ہم گفتگو کرتے تو زیر بحث ہمیشہ صفیہ ہوتی
ریحان بھائی اس کی عادتوں کے بارے میں بتاتے رہتے
اس کی پسند ناپسند کے بارے میں کہتے لیکن آہستہ آہستہ
صفیہ ہماری باتوں میں کم نظر آنے لگی اب ریحان اکثر میرے
بارے میں باتیں کرتے۔ میری پسند کے بارے میں پوچھتے میری
[illegible] یہ حالت ہو گئی کہ جس دن ریحان نہ آتا میں
[illegible] کرتی [illegible] اس دن میں خواہ مخواہ بولائی
بولائی سارے گھر میں پھرتی رہتی۔ ایک دن ایسا ہوا کہ میں
کوئی بات کر رہی تھی کہ حسب معمول ریحان بھائی کہنے کی بجائے ریحان
[illegible] کر بولے۔
"تم یہ بھائی کی رٹ نہیں چھوڑو گی نا؟ تو میں آئندہ پہاڑ کا
چھوڑ دوں گا۔" میں سکتے کے عالم میں کچھ دیر تک اسے آنکھیں
پھاڑے دیکھتی رہی چائے کا کپ میری انگلیوں میں لرزنے لگا۔
مجھے یوں حیرت زدہ سی اپنی طرف دیکھتا پا کر ریحان آہستگی سے
سر جھکا کر بولا۔ "میں بہت دنوں سے کچھ کہنا چاہتا ہوں تانیہ...
میں نہیں جانتا کہ تم میری اس جسارت کو اچھا سمجھو گی یا برا لیکن
میں خود پر مزید جبر نہیں کر سکتا..." وہ کچھ دیر تک چپ رہا مگر مجھے
خاموش دیکھ کر پھر بولا۔ "میں نے بہت کوشش کی تھی کہ میں اپنی
اس خواہش کو تم سے پوشیدہ رکھوں لیکن میں بے حد مجبور ہو کر
تم سے درخواست کر رہا ہوں کہ میں... میں وہ جھجک کر بولا تم
سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
میں کوئی کم عمر اور کمسن لڑکی نہیں تھی جو جذبوں کی زبان
نہ سمجھتی... میں کافی دنوں سے ریحان کی نظریں پہچانے لگی
تھی لیکن پھر بھی اس کے منہ سے یہ بات سن کر مجھے ایک جھٹکا
سا لگا۔ اپنے جسم کی تمام طاقتوں کو مجتمع کرتے ہوئے میں بولی۔
"یہ بات کرتے ہوئے آپ کو صفیہ اور اپنے بچے ذرا یاد نہیں
کرنے چاہئیں تھے!"
"میں انہیں نہیں بھولا... میں ساری عمر انہیں ان کا حق
دیتا رہوں گا لیکن خدا را تانی تم شادی سے انکار نہ کرنا ورنہ میں
مر جاؤں گا۔" وہ گڑگڑا کر بولا۔
"اتنی جلدی میں آپ کو کسی بات کا جواب نہیں دے سکتی
اچھا ہوا اگر آپ اس وقت مجھے تنہا چھوڑ دیں... کل آپ
کسی وقت بھی آ جائیں میں آپ کو جواب مل جائے گا" ریحان
چلا گیا اور میں وہیں کرسی پر بیٹھی سوچوں کے بھنور میں ڈوب
گئی۔

صفیہ میری عزیز اور مخلص سہیلی تھی میں اس کا حق
چھینا نہیں چاہتی تھی لیکن دوسری طرف میرا مستقبل تھا۔

کسی کٹی ہوئی پتنگ کی مانند ویران اور اجاڑ تھا میں جانتی تھی ریحان
کی پیشکش میرے لیے آخری پیشکش ہے کیونکہ میں لاکھ خوبصورت
سہی لیکن میری بڑھتی ہوئی عمر مجھے ایک محفوظ مستقبل دے سکتا
تھا کیا مجھے خوشیاں بٹورنے کا کوئی حق نہیں میں نے سہم کر
خود سے پوچھا۔

"کیوں نہیں؟ میرے ضمیر نے جواب دیا" لیکن خود غرض
بنے گی تو تب تجھے خوشیاں ملیں گی اور جو خوشیاں کسی کو مار
کر حاصل کی جائیں ان کی عمر بہت کم ہوتی ہے۔" لیکن میں صفیہ
کو اپنی بہن سمجھوں گی اور اس کے بچوں کو اپنے بچے ایسے میں مجھے
کوئی الزام نہیں دے سکتا۔ میں نے ضمیر کی طرف سے آنکھیں
بند کر کے کہا اور اگلے دن جب ریحان جواب مانگنے آیا تو میرا
جواب اثبات میں تھا۔

ہماری شادی بڑی سادگی سے ہوئی۔ پہلی رات ہی ہمارے
درمیان یہ معاہدہ ہوا کہ ہمارے درمیان صفیہ کا ذکر کبھی نہ
آئے گا۔ ہم صفیہ کی ذات کو اپنے لیے کسی الجھن کا باعث
نہیں بنائیں گے۔ اور ہوا بھی ایسے ہی!

وقت تیز رفتاری سے گزر رہا تھا۔ ریحان نے مجھے وہ
سب کچھ دیا جو اس کے بس میں تھا۔ اس نے مجھے ٹوٹ کر چاہا
میں نے نوکری چھوڑ دی۔ میرے دو بیٹے ہوئے میں گھر اور بچوں
میں کھو گئی۔ ہم دونوں نے بھول کر بھی صفیہ کا نام نہیں لیا۔ اچھی
خوراک ریحان کی بے پناہ محبت اور بے فکری سے دن بدن میرا
وزن بڑھتا گیا۔ لیکن ریحان مجھے چاہتا تھا مجھے کسی کی بھی پرواہ
نہیں تھی۔ نہ بڑھتی ہوئی عمر کی اور نہ پھیلتے جسم کی!

میرے ساتھ ایک سکینہ مسعود ہوا کرتی تھی۔ بس شازیہ
اس کی شادی تھی۔ اپنی شادی پر اس نے بہت پر زور اصرار سے
مجھے بلایا۔ میں بھی گھر کے کام دھندوں میں تھک سی گئی تھی۔
سوچا تفریح ہو جائے گی۔ ریحان بھی جانے کے لیے تیار تھے
لیکن عین موقع پر انہیں کچھ سرکاری کام سے رکنا پڑا۔ شازیہ
کی شادی لاہور میں تھی۔ میں نے سوچا شادی میں شرکت بھی
ہو جائے گی۔ ساتھ ہی پرانے دوستوں سے مل لوں گی۔ لہٰذا
اگلے دن بچوں کو ساتھ لے کر میں لاہور روانہ ہو گئی۔

تین چار دن تو شادی کے ہنگاموں کی نذر ہو گئے اگلے دن
میرے بیٹے نعمان نے ضد کی کہ چھوٹی سی دو پہیوں والی سائیکل
ضرور لے گا۔ مجھے خود بھی شاپنگ کرنی تھی۔ اسے ساتھ لے کر
انارکلی چلی گئی۔ ابھی میں کھلونوں کی دکانوں سے مول تول
میں مصروف تھی کہ مجھے اپنے کاندھے پر نرم سے دباؤ کا احساس
ہوا۔ میں نے مڑ کر پیچھے دیکھا تو مجھے کرنٹ سا لگ گیا۔ دل
اچھل کر حلق میں آ گیا۔ پاؤں سے جیسے جان نکل گئی میرے
سامنے صفیہ کھڑی تھی۔ لیکن کس حالت میں! دبلی پتلی سی چہرے
پر ڈھیر ساری اداسی لیے یہ وہ ہی کانچ والی صفیہ تھی جانے
جسم کا وہ تعلق کس کرتا گرفت کہاں غائب ہو گیا تھا۔ مجھے اپنی
طرف متوجہ پا کر وہ بولی۔

"معاف کیجئے آپ میں مجھے اپنی سہیلی ناز کی شبیہ نظر آتی
ہے۔ کہیں آپ اس کی کوئی رشتہ دار یا بہن تو نہیں۔"

میرا جی چاہا میں چیخیں مار مار کر رو پڑوں لیکن بڑی مشکل سے
خود پر قابو پا کر میں بولی۔ "میں ہی ناز ہوں صفیہ حیرت ہے تم نے
مجھے پہچانا نہیں۔"

دوسرے ہی لمحے وہ میرے گلے لگ کر بولی۔ "یہ تمہیں کیا
ہوا ناز... تم نے موٹی کیسے ہو گئی ہو...؟"

"موٹاپا تو بڑا آسان ہے صفیہ لیکن تم بتاؤ تم نے اتنا وزن
کیسے کم کر لیا۔" یکایک اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں
منہ پھیرتے ہوئے دکھ سے بولی۔

"ریحان کی محبت دھوکا ثابت ہوئی ناز... میں غم وزن
کم نہیں کیا خود بخود کم ہو گیا۔ ریحان نے دوسری شادی کر لی ہے
کس سے؟ کہاں؟ مجھے کچھ خبر نہیں ۵ سال ہونے کو آئے میں
نے ریحان کی شکل تک نہیں دیکھی۔" وہ بھرائی آواز میں
کہہ رہی تھی "تم نے ریحان کو ڈھونڈنے یا بلانے کی کوشش بھی نہیں
کی... اور نہ یہ پتہ چلایا کہ اس کی بیوی کون ہے؟"

"نہیں... میں ریحان کے دل میں رہنا چاہتی تھی ناز
قدموں میں نہیں اور ظاہر ہے دوسری بیوی کی موجودگی میں
وہ مجھے قدموں میں تو جگہ دے سکتا تھا لیکن دل میں نہیں

تم میری حالت دیکھ رہی ہو کہ میں کیا سے کیا ہو گئی ہوں۔ میں نے اسکول میں ملازمت کر لی ہے۔ لیکن ریحان کی منی آرڈر کی ہوئی رقم کبھی قبول نہیں کی، ہم دونوں کے درمیان محبت کا رشتہ تھا۔ جب وہ ختم ہو گیا تو پھر کیا باقی رہا... میرے بچوں پر جیسے ہی صفیہ کی نظر پڑی جلدی سے بولی۔ ارے... تم نے شادی کر لی ہے ناز... تبھی تو اتنی موٹی ہو گئی ہو۔ لیکن یہ خیال رکھنا نازپیاری کہ یہ مرد پہلے تو خوبصورت عورت کو بدصورت بنا لیتے ہیں پھر اسے چھوڑ کر کسی اور پھر ریسے پن والی خوبصورت عورت کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ میری ہی مثال لے لو، وہ رو پڑی تو میرا جی چاہا کہ کاش زمین پھٹ جائے اور میں اسی میں سما جاؤں بے اختیار ہو کر میں نے صفیہ کو گلے لگا لیا اور میری آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات ہونے لگی۔ روتے روتے میں نے سوچا صفیہ تو اپنی بربادی پر رو رہی ہے مگر میں کیوں رو رہی ہوں لیکن میرے شرمندہ دل کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔

- ضرورت ہے ایک سنی المذہب بیوہ کے لئے رشتے کی۔ عمر ۴۰ سال کوئی اولاد نہیں ہے۔ صورت معقول ہے۔ تعلیم انٹر تک ہے۔ پچاس سے اوپر عمر والے خط نہ لکھیں۔ ر۔ ک۔ و معرفت حریم لکھنؤ۔

ایک دلچسپ لطیفہ

ایک بیگم صاحبہ نے خواتین کا پروگرام سننے کے لئے ریڈیو آن کیا تو ایک ہی بینڈ پر بیک وقت دو اسٹیشن بول رہے تھے ایک سے کھانا پکانے کی ترکیبیں نشر کی جا رہی تھیں اور دوسرے اسٹیشن سے جسمانی ورزش کے طریقے بتائے جا رہے تھے انھوں نے کاغذ پنسل لے کر پکانے کی ترکیب لکھنا شروع کی۔ پروگرام کے خاتمے پر کاغذ دیکھا تو حسب ذیل نسخہ تیار تھا۔

کسی پیالی میں میدہ لے کر اُسے اپنے کندھوں تک اوپر لیجائیں گھٹنوں میں خم نہ پڑے ایڑیوں پر پورا زور ڈالیں اور پھر نصف دودھ کی آدھی پیالی میں ملا کر خوب پھینٹیں آٹھ دفع اس عمل کو دہرائیں آدھا چمچ خمیر کے ساتھ سانس اندر کی طرف کھینچ لیں ٹانگیں پھیلا کر دو انڈے پھینٹ لیں اس کے بعد آرام سے سانس لیں اور پیالے میں ڈال کر سیدھے کھڑے ہو جائیں اس کے بعد فرش پر لیٹ کر انڈے کی سفیدی کو اچھی طرح ملا لیں پھر دس منٹ تک آگ پر رکھیں اور خوب مالش کریں آخر میں سر نیچے اور ٹانگیں اوپر کر کے بالائی کے ساتھ نوش فرمائیں بہت لذیذ ہوگا۔

(مس فرزانہ زیدی قصبہ بہٹ)

ایک خوبصورت بیل

جو بچی میں بھی بنائی جا سکتی ہے اور چھوٹی مری کی کڑھائی میں بھی باریک کپڑوں کے دامن۔ آستین کی موریوں اور گریبان کے گرد اسے ٹریس کر کے بنائیں۔ گریبان کے نیچے صرف الف والا حصہ بنائیں۔ بیل ہم رنگ دھاگے سے بھی بن سکتی ہے اور کسی مخالف رنگ کے دھاگے سے بھی، جیسا آپ پسند کریں۔ مری ہم رنگ تاگے سے ہی زیادہ بہتر معلوم ہوگی۔ یاسمین خاں

بہو کی تلاش

(از مس حیدری نازؔ)

بیچاری نسیمہ چچی نے اپنے اکلوتے صاحبزادے نعیم کے لیے کہاں کہاں لڑکی کی تلاش نہ کی۔ سارا شہر دیکھ ڈالا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ نواحی علاقوں کی بھی خاک چھانی۔ لیکن افسوس کہ انھیں ان کی من پسند لڑکی نہ مل سکی۔ ان کی یہ تلاش کم ازکم اس وقت سے جاری ہے جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے۔ ان کی زبانی میں شہر کی بیشتر لڑکیوں سے غائبانہ متعارف ہوگئی ہوں۔ اگر کبھی دل گھبراتا تو نسیمہ چچی جان سے کسی لڑکی کا ذکر چھیڑ دیتی اور خوب لطف لیتی۔ شاید ہی شہر میں کوئی لڑکی ایسی رہی ہو جس کو دیکھ کر ہماری چچی جان نے نام نہ دھرا ہو۔ انھیں ہر ایک میں کوئی نہ کوئی عیب نظر آجاتا تھا۔ لڑکیوں کے گھر جاتیں اور خوب ڈٹ کر ناشتہ اڑاتیں اور گھر آکر لڑکی کے متعلق نکتہ چینی کرنے میں ان چیزوں کو ہضم کرنا تو گویا معمول بن چکا تھا وہ اکثر کہا کرتی تھیں کہ آج کل کی نگوڑی لڑکیاں زمانے بھر کا فیشن تو کرتی ہیں لیکن پھر بھی خوبصورت نظر نہیں آتیں۔ ہمارے زمانے میں کتنی سادگی تھی۔ ہم تو ایسے فیشن کا نام بھی نہیں جانتے تھے لیکن لڑکیاں سادگی میں بھی خوبصورت نظر آتی تھیں یہاں تک کہ کنیزیں بھی حسین ہوا کرتی تھیں۔ آج کل تو بس ہر طرف وہی چکنی چکنی میک اپ زدہ شکلیں دکھائی دیتی ہیں۔ میری تو آنکھیں ترس گئی ہیں اچھی شکل دیکھنے کو۔ لگتا ہے اور چیزوں کی طرح سوا حسن بھی آگ لگے اڑ گیا ہے اور پھر سوا فیشن کے اور کچھ انھیں آتا ہی نہیں۔ وہ لڑکی ہی کیا جسے گھرداری کا سلیقہ نہ ہو۔

دراصل ان کے خود کوئی لڑکی نہ تھی اس لیے بڑی بے رحمی سے دوسروں میں عیب جوئی کرتی تھیں ورنہ انھیں بھی اس بات کا احساس ہوتا کہ دوسروں کی لڑکیوں میں خواہ مخواہ کا عیب ڈھونڈھ کر ان کو ٹھکرا دینے سے ان کی ماؤں کے دلوں پر کیا گزرتی ہوگی۔ میں نے ایک دن یونہی انھیں چھیڑنے کے لیے پوچھ لیا "چچی جان کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ اب تک آپ نے اتنی ساری لڑکیوں کے گھر جاکر کتنی دعوتیں اڑائی ہیں۔ یہ پوچھنا تھا کہ غضب ہوگیا غصے سے سرخ ہوکر کہنے لگیں "اے لڑکی کہیں تیرا دماغ تو خراب نہیں ہوگیا ہے میں کیوں خدانہ کرے کسی کے گھر دعوتیں کھانے کے لیے جاؤں۔ کیا میرے گھر میں ان چیزوں کی کمی ہے؟ خدا رکھے میرے نعیم کو وہ روز ہی میرے منع کرنے کے باوجود ڈھیر ساری چیزیں لے آتا ہے۔ یہ تو ایک دستور ہے کہ کوئی گھر آتا ہے تو اس کی خاطر دارات کی جاتی ہے۔ کوئی لڑکی پسند کیئے بغیر کسی کو اپنی بہو کیسے بنا سکتی ہوں۔

یہ بات سب ہی کے لیے حیران کن ضرور ہوگی کہ آج کل لڑکوں کی بہ نسبت لڑکیوں کی تعداد زیادہ ہے پھر بھی چچی جان کو کوئی حسین لڑکی ابھی تک کیوں نہیں ملی۔ دراصل اس کی وجہ یہ تھی کہ چچی جان کی شرط صرف خوبصورتی تک محدود نہ تھی وہ چاہتی تھیں کہ لڑکی حسین ہونے کے ساتھ ہی دولتمند ہو، ہنرمند ہو، صحت مند ہو، سلیقہ شعار ہو، تعلیم یافتہ ہو اور گھریلو کاموں سے بھی واقف ہو اور کسی اعلیٰ خاندان کی چشم و چراغ ہو تاکہ فخریہ وہ اسے اپنی بہو کہہ کر سب میں متعارف کرا سکیں۔

ان کے ذہن میں اپنی بہو کا ایک ایسا خیالی خاکہ تھا جس کا وجود حقیقت میں پایا جانا مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا کیونکہ خدائے تعالیٰ نے ہر انسان میں کوئی نہ کوئی کمی رکھ چھوڑی ہے۔ ہاں یہ بات تو ضرور تھی کہ ان کے صاحبزادے بیشک شکل وصورت کے اچھے تھے تعلیم یافتہ تھے اور اچھی تنخواہ پا رہے تھے۔ انھیں اپنے بیٹے پر بے حد ناز تھا لیکن یہ باتیں غیر معمولی تو تھیں نہیں کہ جس پر فخر کرکے وہ اتنی ساری خوبیوں والی حاصل کرلیتیں۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے تصوراتی خاکہ کی تلاش میں دوڑ رہی تھیں۔ اس حقیقت سے بالکل بے خبر کہ جس قدر ان کی تلاش بڑھتی جارہی تھی اسی قدر تیزی سے بے چارے بے زبان صاحبزادے کی عمر میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ یہاں تک کہ نعیم بھائی نے اپنی عمر کی پینتیس منزلیں چپ چاپ اپنی ماں کی فرمانبرداری میں گزار دی تھیں اور اب تو ان کی کنپٹیوں پر چاندی کے سفید تار بھی چمکنے لگے تھے۔ مزاج میں تغیر آچلا۔ وہ نوجوانوں کی سی شوخی وشرارت رفتہ رفتہ معدوم ہوگئی اور اس کی جگہ گہری سنجیدگی نے لے لی۔ ان کے تمام خیالات وجذبات سرد

پڑ چکے تھے۔

اور پھر آخر کار وہی ہوا جس کا ہونا لازمی تھا یعنی یہ کہ بیٹے نے ماں کو "بہو کی تلاش" کی اور زیادہ زحمت دینا گوارہ نہ کیا اور انھیں اس مصیبت سے نجات دلادی۔ چچی جان کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ آسکتی تھی کہ ان کا فرمانبردار بیٹا کبھی ایسا قدم بھی اٹھائے گا۔ ان کے اعلیٰ خاندان کا نام خاک میں ملادے گا۔ ان کی امیدوں پر پانی پھیر دے گا اور اس حد تک گرجائے گا کہ اپنے گھر کی پرانی خادمہ کی لڑکی شرفن سے شادی کرے گا۔ اس کے بدنصیب بھائی نے یہاں تک اپنی ماں کو دھمکی دی کہ اگر انھوں نے شرفن کو قبول نہ کیا تو وہ اس گھر کو چھوڑ دیں گے بالآخر چچی جان کو یہ زہر کا گھونٹ پینا ہی پڑا۔ صرف اپنے بیٹے کی خاطر جس کا اس معاملے میں کوئی قصور نہ تھا بلکہ خطا سراسر انھیں کی تھی جو انھوں نے اپنی جھوٹی شان اور ضد کی خاطر بیٹے کے جذبات کو نہ سمجھا اور اپنی لاپرواہی سے اس کو غلط قدم اٹھانے پر مجبور کیا۔ بیچارہ کب تک صبر کرتا آخر وہ جوان تھا اور نفس کے تقاضوں سے مجبور۔ لیکن چچی جان کو اس بات کا احساس پہلے کبھی نہ ہوا کہ وہ اپنے نوجوان بیٹے کے لیے دلہن تلاش کررہی ہیں بلکہ ہمیشہ انھوں نے ایسے نظریے سے ہر لڑکی کو دیکھا کہ معاشرے میں وہ ان کی بہو کہلائے گی، اس لیے اس میں ذرا سا بھی نقص نہ ہو کہ ان کے خاندان کا نام خراب ہو گا

بیٹے کے اس اقدام سے ان کے دل کو جو صدمہ پہونچا اس سے انھیں اس بات کا بھی احساس ہوا کہ انھوں نے ہر لڑکی میں بے جا نقائص نکال کر کتنی ہی ماؤں کا کلیجہ چھلنی کیا اور کتنی ہی بے زبان و معصوم لڑکیوں کے دل دکھائے تھے۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا۔ انھیں بہت فخر تھا اپنے خاندان پر اور اپنے بیٹے کے حسن و قابلیت پر لیکن اب ان کو ایسا سبق ملا تھا کہ وہ کسی کے سامنے سر اٹھانے کے قابل نہ رہ گئی تھیں۔

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہوگیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ بھڑکیلے سے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہوگئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا ہلکا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہوجاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں۔ خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں بھلے لگے۔ دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ گوٹے بیلیں اور چپا چتکی وغیرہ لگاکر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کردیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑجائے یا خراب ہوجائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم ٹائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو ماند کرتے ہیں۔ یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولہ میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان آپ کو

بزمِ حریم

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کی مرسلہ صرف ایک ایسی خبر شائع کی جاتی ہے جو ولادت، شادی اور غمی سے متعلق ہو۔ خبر صاف صاف اور مختصر الفاظ میں لکھی جائے۔ ساتھ ہی پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ اور نمبر خریداری کے ساتھ بھیجی جائے۔ ۲۰ تاریخ کے بعد وصول ہونے والی خبریں ایک ماہ کی تاخیر سے شائع ہوتی ہیں۔ خبروں کی اشاعت کے سلسلے میں کتابت کی غلطی کا دفتر ذمہ دار نہ ہوگا البتہ اطلاع ملنے پر اس کی تصحیح شائع کر دی جاتی ہے۔

ولادت اطفال کی خبریں

● زبیدہ بتول شہیدہ بانو (آمبور) میری پھوپی زاد بہن صدیقہ بانو اور بہنوئی محمود شریف کے چمن حیات میں ۱۲ر دسمبر ۱۹۷۹ء بروز جمعہ بوقت ۱۱ بجے شب ایک ننھی کلی عالم وجود میں آئی۔ نام تنویر فاطمہ رکھا گیا۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ ننھی بی بی فاطمہؓ کے نقش قدم پر گامزن رہے اور دین و دنیا کی سعادتیں حاصل کرے۔

● مہ جبیں نکہت فرح دیبا (امراوتی کیمپ) ہمارے پیارے بھائی سید اختر حسن عابدی صاحب ایجوکیشن افسر (جل گاؤں) اور عزیز بھابی نیر شہوار کے گلشن حیات کو پر بہار بنانے کے لیے ۱۱ر نومبر ۱۹۷۹ء کو بوقت ۳ بجے سہ پہر خداوند تعالیٰ نے ایک دختر عطا فرمائی۔ دادا جان قبلہ نے قرآنی نام نور زہرا تجویز کیا۔ پیار کا نام ترنم قرار پایا۔ اللہ پاک اسے اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھائے اور صاحب نصیب بنائے۔

● آمنہ خاتون زیدی (دہلی) میرے برادر عزیز سید مہر عباس و نکہت عباس کے گلشن حیات میں ۱۱ر محرم مطابق ۲ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو پہلی بار ایک پھول کھلا۔ نام نقی عباس اور پکارنے کا نام تابش رکھا گیا۔ پروردگار عالم اسے صحت مند رکھے اور نکہت عباس کی گود ہمیشہ بھری رہے۔

● منی عقیل مسلم ہاشمی (بھوپال) میری پیاری آنٹی ثریا باری صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ۵ر جنوری ۱۹۸۰ء کی شام کو بخیر و خوبی ایک چاند سی گڑیا عنایت کی۔ نام عائشہ خالد عرف عاشی تجویز ہوا۔ اللہ تعالیٰ صحت و سلامتی کے ساتھ عمر دراز عطا فرمائے۔ بلند اقبال بنائے۔

● شکیلہ پروین (کلکتہ) میری پیاری باجی عابسہ پروین اور بہنوئی محمد ناظم کے چمن حیات میں پروردگار عالم نے دو پھولوں کے بعد ۱۰ر جنوری ۱۹۸۰ء بروز منگل بوقت صبح ۶ بجکر ۴ منٹ پر ایک کلی کھلائی۔ نام کرن رکھا گیا۔ خدائے قدوس سے دعا ہے کہ سورج کی یہ کرن ہمیشہ جگمگاتی رہے اور صاحب نصیب بنائے۔

● در شہوار صدیق پیش امام (باندرہ) میری پھوپی زاد نند پروین اور پھوپی زاد دیور افسر پیش امام کے گلشن حیات میں پہلی بار ایک ننھی سی کلی مسکرائی۔ نام سازیہ قرار پایا۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک اسے والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے۔

● مس اسما رمزی خاں (ایلچ آباد) میری منہ بولی بہن تبسم خاں اور بھائی احمد حیات خاں کے گلشن حیات کو پر بہار بناتے ہوئے اللہ پاک نے دوسری دفعہ تاریخ ۲ر جنوری ۱۹۸۰ء کو ایک پھول کھلایا۔ خدا سے دعا ہے کہ نومولود کو عمر خضر عطا فرمائے اور اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

● نجمہ ظہیر ایم اے (مراد آباد) میری عزیز سہیلی رحمت جہاں اور دولھا بھائی محمد شاہد کے گلشن حیات میں ۲ر نومبر ۱۹۷۹ء بروز جمعرات بوقت [illegible] بجے دن پہلی بار بہار آئی اور اللہ تعالیٰ نے ایک ننھی منی حسین کلی کھلائی۔ نام ترانہ قرار پایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ وہ عمر دراز پائے اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

● شائستہ پروین (جوسی) کلکتہ میرے پیارے بھیا محمد صالحین و بھابی افشاں شہناز کے گلشن حیات میں بہار لاتے ہوئے اللہ پاک نے ۳۱ر اکتوبر ۱۹۷۹ء بوقت ۸ بجے شب ایک ننھی کلی کھلائی۔ جس کا نام صبا ترنم قرار پایا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ یہ کلی سدا مسکراتی ہی رہے اور اپنے والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

● قمر لطیف (آمبور) میری پیاری دیورانی قمر سلطانہ اور عزیز دیور نانا مونا امین الرحمٰن کے آغوش محبت میں اللہ رب العزت نے ۲۰ر نومبر ۱۹۷۹ء بروز منگل ۱۲ بجے ایک ننھی منی چاند سی شہزادی عطا کی۔ نام عزرمہ شمیں قرار پایا۔ خدائے قدوس سے دعا ہے کہ اس ننھی شہزادی کو عمر

طویل بخشے اور صاحب نصیب بنائے۔

● سہ ناز فریدی (مراد آباد) میری بہن شہناز فریدی و بہنوئی اخلاص فریدی کے چمن حیات کو تیسری کلی نے ۲۷ نومبر ۱۹۷۹ء بروز منگل اپنی مہک سے معطر کر دیا۔ نام فہمینہ فریدی قرار پایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ کلی اپنے چمن کو ہمیشہ معطر رکھے اور اپنے بزرگوں کے سائے میں پرورش پائے۔

پیغامات نشاط

● نیا ہدیٰ (دھنباد)۔ میری پیاری آپی نازش ہدیٰ صاحبہ (خریدار حریم) کی شادی سید شائق احمد (پسر جناب جمال احمد۔ کوسی) کے ساتھ ۱۲ نومبر ۱۹۷۹ء بروز پیر بمقام بازید پور بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ دولہا دلہن ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

● جناب اشتیاق حسین صاحب (جاپلنگ روڈ لکھنؤ) کی صاحبزادی سہیلہ سلمہا کی شادی عزیزی سمیع اللہ کے ساتھ ۲۰ جنوری ۱۹۸۰ء بوقت ۲ بجے دن بحسن وخوبی انجام پائی۔ معززین شہر نے شرکت کی۔ اللہ مبارک کرے۔

● 9665 آپ کا نام ٹھیک پڑھا نہ جا سکا۔ دوسرے اس نمبر خریداری پر اس طرح کا نام نہیں ہے۔

● ظفر محمود بی کام (کانپور)۔ میرے عزیز دوست ڈاکٹر علاء الدین صاحب (پسر جناب عبداللہ خاں صاحب) کی شادی خانہ آبادی شکیلہ اختر (بنت جناب ہدایت اللہ صاحب) کے ساتھ ۱۱ نومبر ۱۹۷۹ء بروز اتوار بوقت ۸ بجے شب بحسن وخوبی انجام پائی۔ دعا ہے کہ دونوں دائمی مسرت پائیں۔

● فرزانہ اقبال (جھانسی) میرے ماموں زاد بھائی وسیم احمد خاں عرف چندو بھائی کی شادی خانہ آبادی رضیہ بیگ لکھنؤ کے ساتھ ۱۲ نومبر ۱۹۷۹ء کو جوہری محلہ لکھنؤ میں بخیر وخوبی انجام پائی۔ اللہ پاک بھائی و بھابی کو ہزارہا خوشیاں نصیب کرے۔

انتقال پر ملال کی خبریں

● رفعت صفی (مظفر پور) افسوس صد افسوس کہ میری بھتیجی نصرت حجاب (بنت چودھری محمد ظفر اللہ صاحب) عمر ۱۲ ماہ کی مختصر حیات لے کر آئی اور ۱۸ دسمبر ۱۹۷۹ء بروز دوشنبہ بوقت صبح ۵ بجے ہم سب کو روتا چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئی۔ دعا ہے کہ اللہ نعم البدل دے۔

● صابرہ عثمان (بنگلور)۔ میرے چچازاد بھائی جسٹس صلاح محمد سیٹھ ۲۳ اکتوبر کو مکہ معظمہ میں انتقال فرما گئے۔ مرحوم بڑے ہر دلعزیز انسان تھے دعا ہے کہ اللہ پاک ان کی مغفرت کرے اور ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

● یہ خبر بڑے ہی رنج و افسوس کے ساتھ لکھی جا رہی ہے کہ ہمارے شہر کے رئیس التجار، بادشاہ تاجر چرم، ممتاز دستگیر اور علم دوست، ہمدرد غربا و فقرا، یتیموں اور بیواؤں کے سہارے جناب انیکار عبدالشکور ۳۰ اکتوبر ۱۹۷۹ء بروز منگل بمقام مدراس اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم نے بہت ہی مختصر علالت کے بعد دنیا کو خیرباد کہا۔ ان کی عمر ۷۲ سال کی تھی۔ نماز جنازہ میں اس کثرت سے لوگ شریک ہوئے کہ اتنا بڑا ہجوم کسی کے انتقال پر پہلے کبھی نہیں دیکھا گیا۔

مرحوم کی سخاوت سے ہندوستان کے گوشے گوشے میں لوگ مستفیض ہوتے تھے۔ کئی بار زیارت حج بیت اللہ سے مشرف ہوئے۔ حج کرنے کبھی تنہا نہ جاتے تھے۔ خاندان میں جن لوگوں کے حالات سازگار نہ ہوتے انھیں اور دوسرے خواہشمندوں کو ساتھ لے جاتے۔

مرحوم انیکار خاندان کے سرپرست و مربی تھے۔ مساجد کی تعمیر اور دینی مدارس وغیرہ کے لیے دل کھول کر عطیات دیتے تھے۔ آمبور کے بے تاج بادشاہ تھے۔ جس طرح اللہ پاک نے مرحوم کو دولت سے نوازا تھا۔ اسی طرح مرحوم نے بھی اسے صرف کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ خلق خدا کی خدمت بے دریغ کرتے رہے۔ نام ہی کے عبدالشکور نہ تھے عمل و اخلاق کے لحاظ سے بھی صحیح معنوں میں عبدالشکور تھے۔ دعا ہے کہ اللہ پاک مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(مرسلہ نعیم الرحمٰن صوانی۔ آمبور)

● بہن فہیم النسا صاحبہ نے مرکیرہ سے تحریر فرمایا ہے کہ جیسا بہن صاحبہ نے بال گرنے کے سلسلے میں حریم کے ذریعہ کوئی دوا تجویز کرنے کی خواہش کی تھی وہ مرغی کا ایک انڈا لیں اور اس کی سفیدی و زردی کو پھینٹ کر بالوں میں خوب اچھی طرح ملیں اور آدھ گھنٹے بعد نیم گرم پانی سے دھو ڈالیں ہفتے میں یہ عمل دوبار کیا جائے انشاء اللہ اس سے بالوں میں طاقت آئے گی اور ان کا گرنا بند ہو جائے گا۔

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کا مرسلہ صرف ایک شعر ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو، پاکیزہ، سنجیدہ اور موزوں ہو۔ ساتھ ہی نمبر خریداری کے ساتھ روانہ کیا گیا ہو۔ مارچ کے لیے عنوان ہے "گلستاں" اور اپریل کے لئے "مسافر"

اب وہ ہنگامۂ نشاط کہاں
مٹ گئیں وہ حجاب کی راتیں

مرسلہ۔ عالیہ نشاط (برہانپور)

مری جان تمنا محو ناز خواب ہو جاؤ
خمار آلود آنکھیں ہیں خدا حافظ ہے سو جاؤ

مرسلہ۔ زبیدہ بتول، شہیدہ بانو (آمبور)

حب وطن سمائے آنکھوں میں نور ہو کر
سر میں خمار ہو کر، دل میں سرور ہو کر

مرسلہ۔ مس فرزانہ انوری (باندہ۔ بستی پورا)

ملا ہے نشۂ دنیا کہ تا قیامت آہ
سب اہل قبر اسی کا خمار رکھتے ہیں

مرسلہ۔ شہناز مجاہد (دارورہ)

گلوں کی گود میں جیسے نسیم آکر مچل جائے
اسی انداز سے ان پر خمار آنکھوں میں خواب آیا

مرسلہ۔ پرنس مرتضیٰ (دھنباد)

خفا نہ ہوں تو میں ان کی نگاہ سے پوچھوں
مجھے خمار سا رہتا ہے کیوں بغیر پئے

مرسلہ۔ نسیم شاہد بلیاوی (حجریلہ)

خمار تشنہ لبی کو اثر دکھانا تھا
پہنچ کے ہاتھ میں ساغر کو ٹوٹ جانا تھا

مرسلہ۔ فصیحہ جنید (موگولی۔ چمپارن)

● خریداری نمبر 9469۔ 8927۔ 9939۔ 9974

اور 9802 کے اشعار ناموزوں تھے شائع نہیں کئے گئے 9652 کا شعر حریم میں شائع ہونے کے قابل نہیں۔

تبسم بکڈپو کے شائع کردہ خواتین کے لکھے ہوئے سماجی ناول

ناول	مصنفہ	قیمت
پیکر	مسرور جہاں	17/-
تزئین	〃	8/-
گردشیں	〃	8/-
نئی صبح	〃	9/-
ہمنشیں	〃	7/50
آئینہ رخ	〃	10/-
جگمگاتے اندھیرے	دیبا قمر	4/50
نفرت کی آندھی	〃	7/-
سنہرا سنگم	〃	7/50
غبار کے پیچھے	〃	9/-
بہار جاوداں	زبیدہ خاتون صدیقی	6/-
خزاں کے بعد	〃	4/-
روشن جہاں	〃	4/-
منزل اور راہی	〃	6/-
نزہت آرا بیگم	〃	4/50
عرشیہ	نوشابہ سعید ناز	4/-
شعلہ و شبنم	〃	5/-
ایک خواب دو تعبیریں	〃	4/-
نشاط غم	ہاجرہ نازلی	18/-
شبینہ	〃	6/-
ببول کے سائے	〃	9/50
ترا غم رہے سلامت	عطیہ پروین	10/50
اگر ہم جیتے رہتے	〃	7/50
خوشنما	〃	16/-
چندا	〃	13/50
پیاسی برسات	عفت موہانی	12/-
ہنڈول	〃	10/-
نغمۂ سنگ	〃	16/-

بات کے ذریعے وہ پھر اس سے ملا تھا۔ اتفاقاً وہ بھی اسی دوکان سے
حنا پنے بچوں کے لیے بسکٹ اور بولا مرشا کے ڈبے خرید رہا تھا۔ جس
دوکان سے اپنے لیے مہ وش کاسمیٹکس وغیرہ لے رہی تھی۔ اس نے ایزد
سے کوئی بات نہیں کی۔ اس نے مہ وش سے کہا تھا۔!

اس قرآن السعدین کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔ جہاں میں جاتا
ہوں آپ سے ٹکرا جاتا ہوں۔ اس میں آپ کا قصور ہے یا میری تقدیر کا؟
آپ کے سوا کوئی اور آپ کی جگہ ہوتا تو شاید یوں میرے پیچھے پڑنے
سے زیادہ مناسب سمجھتا کہ پتھر سے سر پھوڑ کے مر جاتے۔ جو وطیرہ آپ نے
اختیار کیا ہے۔ مسٹر ایزد۔ وہ کسی شریف آدمی کا شیوہ نہیں۔

کیا خیال ہے آپ کا؟ وہ دوکان سے کافی وزنی بنڈل لیتا ہوا کہنے
لگا تھا۔ میں پتھر سے سر نہیں پھوڑ رہا ہوں؟!

لیکن مہ وش نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اپنا پیکٹ سنبھالیں اور دوکان
سے نکل کر فٹ پاتھ پر چلنے لگی تھی۔ اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا بھی نہیں
تھا کہ وہ اس کے پیچھے آ رہا ہے کہ اپنی راہ پر چلا گیا ہے۔

دفعتاً اس نے کسی بڑے ٹرک کے ٹو بریک لگنے کی خوفناک چرچراہٹ
سنی۔ راہگیروں کے چیخنے اور شور مچانے کی آوازیں بھی آنے لگی تھیں۔
لوگ ادھر ادھر دوڑ رہے تھے۔ جہاں ایک ٹرک اور کار میں خوفناک
تصادم ہوگیا تھا۔ اور ان گاڑیوں کے اطراف راہگیروں کی بھیڑ لمحہ بلمحہ
بڑھتی ہی جا رہی تھی۔!

ایکسیڈنٹ ہوگیا۔ کوئی کہہ رہا تھا۔
مہ وش کے لیے کوئی کشش کہاں تھی کہ زخمی مردوں کی جانی ہوئی جسمانی

نکل سکا تو پھر تم مجھے اچھا دشمن نہیں دیکھو گی۔ میں اپنے تمام حالات سے چھوڑ
جاؤں گا جنھوں نے میری زندگی تباہ کر کے رکھ دی تھی۔ میں اب اچھی زندگی
گزاروں گا۔ حنا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔

حنا اتنی معصوم اور مخلص تھی کہ وہ ایزد کے اظہار انفعال کو بھی برداشت
نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے بات کا رخ بدل دیا۔

امی نے چکن سوپ بھیجا تھا آپ کے لیے۔ اگر بھوک لگی ہو تو پیجیے تھوڑا سا۔
مجھے ابکائیاں آنے لگتی ہیں۔ اب جی نہیں چاہتا۔ تم میرے لیے اچھی اچھی
چیزیں چرا چھپا کر لے آیا کرو۔ جو تم کھاتی ہو۔

حنا مسکرائی۔ یقین کیجیے کہ میں بھی کچھ نہیں کھاتی۔ مجھے گوارا نہیں کہ
آپ تو یہاں بندھے جکڑے پڑے ہوں اور میں کھاؤں پیوں۔ دراصل
پریشانی کے مارے باورچی خانے کی کوئی خبر ہی نہیں لیتی۔ جو کچھ ماما عیدن
پکا کے رکھ دیتی ہیں۔ بے سوچے سمجھے سب ایک ضرورت سمجھ کے کھا پی لیتے
ہیں۔

دیکھا لے آیا کرو جو ماما عیدن پکاتی ہیں۔
مجھے نہیں معلوم۔ وہ کیا پکاتی ہیں۔
کیوں؟

ہم سب کے ساتھ نہیں کھاتی۔ بلکہ یہاں سے جو آپ کا بچا کھچا
کھانا واپس جاتا ہے۔ میں وہی کھا لیتی ہوں۔ اس طرح میری تکلیف میں
کچھ کمی ہو جاتی ہے۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ آپ میرے ہی
زخم مندمل ہونے لگے ہیں۔

سچ سچ میں تم سے محبت کرتا اور مجرم سا معلوم ہوتا ہوں۔ حنا۔ مجھے

کا آپ ہی تھا۔

ایزد کی دھڑکنوں کو قرار آگیا۔ ایک طویل سانس اس کے سینے سے آزاد ہو گئی۔

کب سے باہر بیٹھی ہو؟ ایزد نے کہا۔ اس کے جذبات جو بگولے کی طرح گرم سمندر کے جھاگ کے مانند گمبھیر ہو گئے تھے آہستہ آہستہ بیٹھنے لگے!۔

آؤ۔ بیٹھ جاؤ یہاں: ایزد نے کہا۔ حنا اس کے پہلو میں ٹک گئی۔

بھیگ گئی ہو۔ تم اتنی بارش میں گھر سے کیوں نکلیں!۔

بارشیں تو روز ہو رہی ہیں۔ میں کب تک انتظار کرتی: حنا نے کہا۔

تمہاری طبیعت نہ خراب ہو جائے!۔

حنا کو یقین نہیں آیا۔ ایزد اس لب و لہجہ میں بھی بول سکتا ہے۔؟

پاس آؤ۔ حنا: ایزد بولا۔

حنا اس کے نزدیک چلی گئی۔!

تم اپنے ساتھ کاشف کو نہیں لائیں۔؟

وہ پریشان کرتا آپ کو۔!

رات بھر میں اسے یاد کرتا رہا۔!!

اچھا: وہ یوں مسکرائی کہ ایزد کو احساس ہوا جیسے وہ طنزیہ مسکرائی ہو۔ اس نے بڑی محبت سے حنا کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔

تم غلط سمجھتی ہو۔ مجھے۔ حنا... حنا۔

میں تو نہیں سمجھتی۔ یہ شکوہ مجھے آپ سے ہے!

گھر میں نے ارادہ کر لیا ہے: ایزد بولا: یہاں سے اچھا ہو کے

دیوار کو توڑ کر مقام حادثہ تک پہنچتی وہ [illegible] ہاتھ پکڑی ہوئی تھی۔ بڑے افسوس سے سوچنے لگی کہ یہ راہ چلنے والے کیوں تھوڑا سا صبر نہیں کر سکتے؟ سڑک عبور کرنے کی عجلت میں حادثوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اب یہ بے چارہ زندہ سلامت گھر سے چلا ہوگا۔ اسے کیا خبر تھی کہ راہ میں اس کی قضا اس کا انتظار کر رہی ہے!۔

اتنے میں پولیس آ گئی تھی۔ اور بھیڑ چھٹنے لگی تھی۔

ٹرک اور گاڑی کو پیچھے ہٹایا گیا۔

ایک طرف سے ایمبولنس آئی۔ اور جب اسٹریچر پر لٹا کر مجروح جسم ایمبولنس میں لٹایا جا رہا تھا تب مہ وش کو اس کی ایک جھلک نظر آ گئی تھی۔ اس کے لبوں سے غیر اختیاری طور پر چیخ نکل گئی تھی۔ ایزد۔ اور وہ اپنا بنڈل پھینک کر ایمبولنس کی طرف جھپٹی تھی۔ اسٹریچر کے اندر رکھے جانے کے دوران میں اس نے اچھی طرح دیکھ لیا تھا کہ وہ ایزد ہی تھا۔ اس کا سفید جھاگ سا پتلون اور چھوٹے چھوٹے پھول بنا ہوا پاپلین بش شرٹ۔ جو خون میں تر بتر تھے!!۔

اس نے آنکھوں پر ہاتھ رکھ لیا۔

ایمبولنس چلی گئی۔

لوگ چہ میگوئیاں کرتے ہوئے منتشر ہو گئے۔ اور تب مہ وش نے سڑک پر پھیلے ہوئے خون کو دیکھا تھا جو کچھ دیر پہلے ایک جسم کی رگوں میں جاری و ساری تھا اور اب۔ سڑک پر پھیلا ہوا تھا۔ سڑک کے پاس ہی وہ بنڈل بھی بکھرا پڑا تھا۔ جو ایزد کے ہاتھوں میں تھا۔ ڈبے چکنا چور ہو گئے تھے شیشے ٹوٹ گئے تھے! جلد ہی خون پر بہت سی مٹی ڈال دی گئی۔

سڑک صاف کر دی گئی۔ اور بدستور سواریاں اس خون پر سے گزرنے لگیں!۔

ٹرک اور کار کے ڈرائیور دل پر کیا گزری۔؟ مہ وش یہ دیکھنے کے لیے نہیں ٹھہری تھی اسے اس کا ہوش ہی کہاں تھا۔

وہ بھاگم بھاگ اپنے گھر پہنچی تھی۔ وہاں اس نے اشرف اور اپنے والد سے سارا قصہ کہا تھا۔ اس میں خود اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ایزد کے گھر والوں کو خبر دے سکتی!۔

اشرف اور ڈاکٹر سعید ہسپتال پہونچے۔ پھر ڈاکٹر سعید تو ایمرجنسی وارڈ کی طرف چلے گئے اور اشرف نے ایزد کے گھر پہونچ کر شعیب صاحب اور کلیم کو خبر دی تھی!!۔

اور ساری رات وہ لوگ ایک طرح سے کھڑے رہے تھے۔

ساری رات ایزد موت و حیات کی کشمکش میں پڑا رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے اس کے جسم میں کچھ تشنج سا ہوا تھا۔ اس نے جسم سیدھا کرنے اور آنکھیں کھولنے کی کوشش کی تھی تب شعیب صاحب اور ان کے متعلقین کو اجازت ملی تھی کہ وہ بس ایک نظر اسے دیکھ لیں۔

ڈاکٹروں نے ایزد کے تشنج کو روح و جسم کی آخری کشمکش سمجھ کر اسے دیکھنے کی اجازت دی تھی!!۔

اور اب وہاں کے دو بجنے والے تھے۔

موسم تند ہو رہا تھا۔ آسمان پر گہرے بھورے بادل اکٹھا ہو رہے تھے۔ وارڈ کے باہر پائین باغ میں تیز ہوا درختوں میں گھس کر کر وہ ناگوار آوازیں پیدا کر رہی تھی۔ رہ رہ کر کالے افق میں آتشی تلوار سی

اور تو کوئی نہیں آیا۔ لیکن وہ بے چاری صبح سے باہر بنچ پر بیٹھی ہیں۔ مجھ سے ہی تو پوچھتی ہیں وہ۔ آپ کی خبر۔ خیریت!۔

کون ہے وہ؟: ایزد نے متعجب ہو کر پوچھا۔

معلوم نہیں مسٹر ایزد۔ وہ محترمہ کون ہیں لیکن میں نے انھیں آپ کے لوگوں کے ساتھ ہی دیکھا ہے:

ایزد سوچ میں پڑ گیا۔

بے چاری بارش میں آئی ہوگی۔ اس کے کپڑے بھیگے ہوئے ہیں۔ اگر وہ اس طرح گیلے کپڑوں میں ٹھنڈی سرد ہواؤں کا نشانہ بنی رہی تو خود بیمار پڑ جائے گی!۔ اسے یہاں لے آؤں؟؟:

ہاں۔ اگر وہ میرے پاس آنا چاہے: ایزد نے کہا۔ اس کے ذہن میں آندھیاں سی چلنے لگی تھیں۔! نرس وارڈ سے باہر نکلی۔

وہ کون ہے۔ مہ وش۔ یا پھر حنا۔ مہ وش اپنی نخوت کی بنا پر میرے پاس نہ آسکی ہوگی۔ اور میری خباثت نے حنا کو میرے پاس آنے سے باز رکھا ہوگا۔

اس نے بڑی مشکل سے رخ پھیرا اور جھومتے ہوئے پردے پہ نظریں جما دیں۔!

پھر اسے پردے کے پیچھے دو نازک سے سفید سفید پاؤں معمولی سی دو فیتے کی چپلوں میں جکڑے نظر آئے۔

پردہ سرکا! ایزد کی پلکیں جھپکیں۔

حنا پردے کے پاس کھڑی تھی۔

نیلی شال میں لپٹی۔ بھیگی بھاگی سی۔!! ایزد نے محسوس کیا تھا کہ وہ

The Hareem Lucknow February 1980 (Phones : 44559-45334) Regd. No. LW/NP 82

THE HAREEM

Mar. 80

Rs. 1/20

ایڈیٹر

محترم ماموں جان آداب۔ میری امی جان آپ کے حریم کی کب سے خریدار ہیں، اس کا مجھے علم نہیں، لیکن جب سے میں نے ہوش سنبھالا حریم کو ہمیشہ آتے دیکھا۔ میں خود بھی اسے ہمیشہ پڑھا کرتی تھی اور یہی وجہ ہے کہ شادی کے بعد میں بڑی کشمکش میں مبتلا ہوں۔ مجھے حیرت ہے کہ میری امی نے ایسے گھر میں میری شادی کیوں کر دی، جس کی معاشرت ہماری معاشرت سے مختلف ہے۔ میں نے آنکھیں کھول کر جو کچھ دیکھا تھا میکے میں سسرال میں اس کے برخلاف دیکھ رہی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں۔ یہاں کے آداب بالکل ہی مختلف ہیں۔ میکے میں پردہ کرتی تھی، یہاں پردہ کو بری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ چند ہی روز بعد میری ساس صاحبہ نے فرمایا۔ دیکھو دلہن۔ ہم لوگ دقیانوسی نہیں ہیں۔ یہ پردہ وردہ یہاں نہیں چلے گا۔ شریفوں کی طرح زندگی گزارنا ہوگی۔ میں نے تمہاری امی سے یہ بات پہلے ہی کہدی تھی۔

یہ سن کر میں حیران رہ گئی۔ کیسے ہماری امی نے یہ شرط منظور کر لی تھی۔ وہ تو اس بڑھاپے میں بھی سختی سے پردے کی پابند ہیں اور مجھے اس طرح رکھتی تھیں کہ کیا مجال کہ نقاب چہرے سے ہٹ جائے۔ یہاں نہیں۔ حیرت تو یہ ہے کہ میری سسرال میں روزہ نماز کا بھی چرچا نہیں۔ میں نماز کی بھی پابند تھی۔ میں نے اس فرض کو یہاں بھی ادا کرنا چاہا کسی نے منع تو نہیں کیا لیکن اسے اچھی نظر سے نہیں دیکھا گیا۔ میری نند بھی نماز نہیں پڑھتی تھی اس لئے وہ یہ پسند نہیں کرتی کہ میں نماز پڑھوں۔ وہ ایسی باتیں کرتی ہے جس سے مجھے تکلیف ہوتی ہے۔

میں میرے دوپٹہ اوڑھنے کی عادی ہوں، مگر یہاں اس کو کبھی اچھی نظر سے نہیں دیکھا جاتا۔ ساس صاحبہ نے ایک دن کہہ دیا "اے دلہن یہ کیا بڑی بوڑھیوں کی طرح سر ڈھکے رہتی ہو۔ اچھا نہیں معلوم ہوتا۔ یہ سب باتیں بہت پرانی ہو گئیں، جہالت کے ساتھ ہی انھیں بھی رخصت ہو جانا چاہیے۔ ورنہ دیکھنے والے کیا کہیں گے کہ کہاں سے جاہل بہو لے آئی ہوں۔

امی نے رخصت کرتے وقت نصیحت کی تھی کہ آج سے تمہاری ساس سسر ہی کو امی ابا سمجھنا اور کبھی ان کی باتوں کا برا نہ ماننا۔ نہ ہی انھیں ایسا کوئی جواب دینا جو ان کے لئے تکلیف دہ ہو۔ میکے اور سسرال میں بڑا فرق ہوتا ہے۔

> بلالحاظ ملت و مذہب
> اپنے پڑوسیوں سے بہتر سلوک کیجیے

اسی وجہ سے میں ہر بات سنتی اور سہتی رہی، لیکن مجھے یہ سب کچھ اچھا نہیں لگتا۔ کیا کروں آپ ہی کچھ مشورہ دیجیے۔

فقط۔ آپ کی ایک بھانجی

عزیز بھانجی دعائیں۔ تمہارا خط ملا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا مشورہ دوں۔ جو باتیں تم نے لکھی ہیں وہ میرے لئے بھی تکلیف دہ ہیں۔ لیکن تمہاری سعادت مندی یہی ہے کہ ساس سسر اور شوہر کے کہنے پر چلو۔ میرا خیال ہے کہ تمہاری امی ایک اچھے اور دیندار گھرانے میں تمہاری شادی کرنا چاہتی ہوں گی، جیسا کہ عموماً ہر ماں باپ چاہتے ہیں۔ آج کل مشکل یہ ہو گئی ہے کہ اچھے گھرانوں میں بھی تعلیم نے اسلامی تعلیم کو پس پشت ڈال دیا ہے۔ پردہ کرنے والوں کو دقیانوسی خیال کیا جاتا ہے اور معاشرہ میں انھیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھا جاتا۔ مغربی تعلیم و تہذیب نے ایسی گمراہی پیدا کی ہے کہ اچھی باتیں بری لگنے لگی ہیں۔ تمہاری امی جانتی ہوں گی کہ شادی کے بعد سسرال والے ہی ہر طرح کا حق رکھتے ہیں۔ ایک نہیں صدہا ایسی لڑکیوں کو میں خود جانتا ہوں جو میکے میں سخت

پردہ کرتی تھیں لیکن سسرال جاتے ہی ان کا برقعہ اتروا دیا گیا۔ فرض کرو کہ تمہاری سسرال والے یہ بھی کہتے کہ شادی کے بعد لڑکی پردہ نہیں کرے گی، تو بھی وہ پردہ ختم کرا دیتے تو تم کیا کر سکتی تھیں۔ پردہ اور مشرقی روایات اس لئے بھی ختم ہوتی جاتی ہیں کہ لوگ اپنی لڑکیوں کی شادیاں اکثر انجینئر یا کسی سرکاری عہدے دار کے ساتھ کرنا پسند کرتے ہیں۔ اسلامی اور مشرقی تہذیب پر عمل پیرا ہوتے ہوئے بھی لڑکی کی شادی ایسے گھروں میں کرنا پسند نہیں کرتے، جن کے لڑکے اعلیٰ تعلیم یافتہ نہیں ہوتے۔ تمہارے ساتھ بھی غالباً ایسا ہی ہوا ہے۔ اور اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ تم حتی الامکان سسرال والوں کے کہنے پر چلو۔ البتہ نماز نہ چھوڑو۔ صاف صاف کہہ دو کہ کم از کم اس کی پابندی میں ضروری سمجھتی ہوں۔ یہ اور بات ہے کہ ادا نماز نہ پڑھ سکو تو قضا پڑھ لیا کرو۔ دوسری باتوں میں ان کی ہدایات پر عمل کرنا بھی تمہارا فرض ہے۔ ابھی نہیں تو کچھ عرصہ میں تم سسرال والوں کا دل موہ لوگی۔ اور اس کے بعد رفتہ رفتہ تم تبلیغ کا کام اس طرح شروع کردو کہ انھیں محسوس نہ ہو سکے اور ان کی گمراہیاں کم ہوتی جائیں۔ ایک سمجھدار اور اچھی خاتون چاہے تو رفتہ رفتہ سسرال والوں کی راہ پر چل کر انھیں اپنی راہ پر چلا سکتی ہے۔ لیکن اس کے لئے قربانیاں دینا پڑیں گی اور بڑی سوجھ بوجھ سے کام لینا ہوگا۔

یہ بھی کہوں گا کہ اپنے والدین سے سسرال والوں کے طرز عمل کی شکایت نہ کرنا اور نہ ہی کبھی یہ شکوہ کرنا کہ انھوں نے کیوں تم کو ایسے مخالف ماحول میں بھیج دیا۔

حریم تاخیر سے روانہ ہوتا ہے

ہمیں افسوس ہے کہ ہر کوشش کے باوجود حریم چند ماہ سے بروقت روانہ نہیں ہو پاتا۔ سب سے پہلی دشواری بجلی کی ہے جو مغربی یوپی میں بس برائے نام ہی آتی ہے۔ جس پریس میں حریم چھپتا ہے اس میں دو تین گھنٹے سے زیادہ بجلی نہیں آتی، اس لئے کام بروقت نہیں ہو پاتا۔ اس مرتبہ بڑی کوشش کرکے پرچہ بروقت چھپوا لیا گیا تو [illegible] ٹکٹ نہیں لئے جا سکے۔ کئی دن اسی تگ و دو میں لگ گئے۔ آخرکار ڈاک خانے میں روپیہ جمع کرکے پرچہ روانہ کیا گیا۔

ایک عبرتناک خبر

[illegible] سے خبر آئی کہ ایک سترہ سالہ لڑکی مسلمان گھرانے میں پیدا ہونے والی اور مسلمانوں کا سا نام رکھنے والی نے یہ سن کر کہ اس کے غیر مسلم آشنا نے خودکشی کرلی ہے، گلے میں پھندا لگا کر خودکشی کرلی۔

خبر رساں ایجنسی یو۔ان۔آئی نے یہ بتایا ہے کہ خودکشی کے یہ دونوں حادثے سوسائٹی کے سخت قسم کے مذہبی رواج کے باعث ہوئے کیونکہ مذہبی احکام کے تحت مسلمان اور غیر مسلم کی یہ شادی ناممکن تھی۔ غیر مسلم خبر رساں ایجنسی کا اشارہ کھلا ہوا اسلامی قانون شریعت کی سختی کی طرف ہے اور اس قسم کا پروپیگنڈہ آئے دن اسلامی قانون شریعت کے خلاف خبر رساں ایجنسیوں اور اخباروں کے ذریعہ ہوتا ہی رہتا ہے۔

خبر کا عبرتناک پہلو جس کے بعد اس خبر پر چنداں حیرت نہیں ہوگی یہ ہے، یہ دونوں خودکشی کرنے والے دیانند انٹر کالج مہوبہ میں انٹرمیڈیٹ کے طالب علم تھے اور ساتھ پڑھتے پڑھتے دونوں میں انتہائی محبت ہوگئی تھی جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوئی۔ مسلمان لڑکی اور اپنی شریعت کے اس واضح اور قطعی حکم سے اتنی غافل کہ غیر مسلم مرد سے مسلم عورت کی شادی کسی حال میں جائز نہیں اور اس سے بھی پہلے زندگی میں اس کے لئے کسی غیر محرم مرد سے خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم دوستی کی پینگ بڑھانا قطعاً ممنوع ہے۔ لیکن اس غریب لڑکی سے کہیں زائد ملامت و مذمت کے مستحق اس کے وہ مسلمان والدین اور سرپرست ہیں جنھوں نے اسے مخلوط اور بے پردہ تعلیم کے لئے غیر مسلموں کے کالج میں داخل کرنا خوشی خوشی گوارا کیا تھا۔

یہ نوٹ لکھا جا چکا تھا کہ لکھنؤ کے اردو روزنامہ جس کے مدیر ماشاءاللہ پختہ دینی حمیت مسلمان ہیں اور جن کے اسٹاف میں بھی غالباً کوئی اباحت پسند کمیونسٹ یا دہریہ شامل نہیں ہے، اس خبر کو اپنی اشاعت ۱۳ فروری صفحہ ۲ پر ان الفاظ میں درج کرکے شریعت اسلامی کی رو سے ایک حرام موت اور اس سے قبل کے ناجائز تعلقات محبت کی کھلا تائید کرکے [illegible] شریعت اسلامی کا [illegible] بلا کسی احساس ذمہ داری کے کر دیا ہے اخبار مذکور کی عبارت ملاحظہ ہو۔

"معاشرہ کی مذہبی پابندیاں غیر مذہب میں محبت کرنے

حریمی دسترخوان

سینڈوچ بنایئے

ویسے تو سینڈوچ ایک عام چیز ہے۔ شہروں میں اس کا استعمال بہت ہوتا ہے پکنک اور شام کی چائے کے ساتھ سینڈوچ اکثر لوگ استعمال کرتے ہیں۔ عام پڑھنے والی صد ہا بہنیں سینڈوچ بنانی بھی جانتی ہوں گی، لیکن اکثر بہنیں جو قصبات میں رہتی ہیں اس سے واقف نہ ہوں گی۔

سینڈوچ ڈبل روٹی سے بنائے جاتے ہیں۔ ترکیب نہایت آسان ہے۔ ڈبل روٹی کے پتلے پتلے سلائس کاٹئے اور ان کے کناروں کو تیز چھری یا بلیڈ سے کاٹ دیجئے تاکہ صرف ملائم حصہ رہ جائے۔

دو سلائس کے درمیان اپنی پسند کے مطابق قیمہ، ابلے ہوئے انڈوں کے باریک باریک قتلے نمک اور کالی مرچ چھڑک کر بھریں یا آلو ابال کر بھرتہ بنائیں یا باریک باریک قتلے کاٹ کر حسب پسند مسالے اور نمک چھڑک کر بھریں۔ ٹماٹر اور کھیرے کے قتلے کاٹ کر بھی نمک، کالی مرچ چھڑک کر بھرے جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ سلاد پر نمک چھڑک کر بھرتے ہیں۔ اکثر بہنوں کو جیلی، پنیر، مربے اور کریم بھرے ہوئے سینڈوچ پسند آتے ہیں۔ بہر حال سینڈوچ بنانے سے پہلے دونوں سلائسوں پر مکھن یا پنیر لگانا ضروری ہوتا ہے۔ اس کے بعد آپ جو چیز بھی پسند کریں دونوں سلائسوں کے درمیان رکھ کر نوش فرمائیں۔

ابلے ہوئے انڈوں اور پنیر کے سلائس کئی روز تک خراب نہیں ہوتے۔ سفر کے دوران یہ سینڈوچ مناسب ہوتے ہیں۔

مکھن یا پنیر لگا کر جام یا جیلی بھر کر جو سینڈوچ بنائے جاتے ہیں وہ بھی کئی کئی روز تک رکھ کر استعمال کیے جا سکتے ہیں۔

اکثر لوگ نمکین کے بجائے میٹھے سینڈوچ نوش کرنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ مربے اور حلوے کے سینڈوچ بھی دو دن تک رکھ کر استعمال کیے جا سکتے ہیں، لیکن مکھن لگا کر شکر چھڑک کر جو سینڈوچ بنائے جائیں گے وہ چند گھنٹوں کے بعد خراب ہو جائیں گے اس لئے انھیں اسی وقت بنائیں جب جلد کھانا ہو۔

کیک کے باریک قتلے بھی مکھن لگانے کے بعد بھرے جا سکتے ہیں۔ بہت لذیذ بھی ہوتے ہیں۔

سینڈوچ کے لئے ہمیشہ تازہ روٹی استعمال کریں اور سلائس کافی پتلے مشین سے کٹوائیں۔

دو سلائسوں کے درمیان حسب پسند چیز بھر کر انھیں چوکور رکھیں یا اس طرح کاٹ کر پلیٹوں میں سجائیں۔

مرسلہ: فیروزی تسنیم اشرفی

انسان کی چھ غلطیاں

مس حمیدہ نثار

رومی فلسفی سسرو نے آج سے دو ہزار سال پہلے انسان کی چھ غلطیوں کی طرف اشارہ کیا تھا جو آج بھی اسی طرح برقرار ہیں۔ جس طرح دو ہزار سال پہلے تھیں وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہ خیال خام کہ انفرادی ترقی دوسروں کو دبا کر نقصان پہنچا کر ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

(۲) ان چیزوں کے متعلق پریشان ہونے کی عادت جنھیں تبدیل یا درست نہیں کیا جا سکتا۔

(۳) یہ اقرار کرنا کہ کوئی کام اس لئے ناممکن ہے کہ ہم اسے انجام نہیں دے سکتے۔

(۴) اپنی پسندیدہ مگر غیر اہم باتوں یا معاملات سے چپٹے رہنا اور انھیں نظر انداز کرنے سے انکار کرنا۔

(۵) ذہن کی نشو و نما و اصلاح سے بے توجہی کرنا اور پڑھنے یا مطالعہ کی عادت نہ ڈالنا۔

(۶) دوسروں کو اس بات پر مجبور کرنے کی کوشش کرنا کہ جو ہم کرتے ہیں وہ دوسرے بھی کریں۔ جو کچھ ہم سمجھتے ہیں وہی دوسرے بھی سمجھیں اور جو ہمارا عقیدہ ہے وہ دوسروں کا بھی ہو۔

لگے گی۔ پھر وہ شب دو دو کی یکجائیت میں دراز ہونے لگی۔ اس نے اپنے پاس سو روپئے چھپا رکھے تھے۔ کب سے ننھی ضد کر رہی تھی کہ آنٹی کی بالیاں لے گی۔ مگر اب کہاں کی بالیاں۔ اس نے دو روپئے نکال لئے۔ سجاد پیا بھر نہیں تھا۔ شوہر کو شوہر ہی سمجھتی تھی۔ کرلو کمائی نہیں۔ اس سے اسے ہمدردی بھی تھی اور محبت بھی۔ بے چارہ بے بس ہے کہاں سے لائے گا!۔ اور جب اس نے شکیلہ کے سلسلے میں اس سے پوچھا تو اس نے سچ سچ بتا دیا۔

" تم ایسی سلیقہ مند بیوی نصیب ہیں۔ نہ ملی ہوتی تو خدا کی قسم گھر اب تک بیٹھ چکا ہوتا۔" سجاد کی تعریف نے اسے ہر فکر و غم سے آزاد کر دیا۔

شکیلہ آئی۔ اپنے ساتھ دلچسپیوں کے سامان لائی۔ وہ رضیہ کی ہم عمر تھی مگر اس سے کہیں چنچل، تیز، ہنسوڑ اور خوش مزاج تھی!۔ دونوں نے ایک دوسرے کو بے حد حیرت اور مسرت سے دیکھا!۔

ایمان سے۔ تجھے نہیں پہچانا۔" شکیلہ اپنے سے چپٹائے ہوئے پلنگ پر بیٹھ گئی: " یہ اتنے سارے بچے کیوں دے ڈالے۔ انجر پنجر ڈھیلے کر دیئے تم نے۔ بال کب سفید ہو رہے ہیں؟"

" مگر تم پر تو خوب رنگ روغن چڑھا ہے۔" رضیہ ہنس کر بولی: " موٹی ہو گئی ہو ۔۔۔ چکنی ہو رہی ہو۔ گال پھول گئے ہیں۔ کیا شادی کا ارادہ نہیں ہے!"

" میری توبہ۔" شکیلہ نے گالوں پر ہاتھ رکھ لئے " میں نے کسی شادی کا انجام اچھا نہیں دیکھا۔ باجی بے چاری پہلی زچگی میں مر گئیں۔ آپا کے میاں چل دیئے۔ تم خود کو دیکھ لو۔ بالکل بے کلف کی فراک لگ رہی ہو۔ ڈھیلی ڈھالی۔ میاں نے صرف چھ چھ بچے پیدا کرا دیئے۔ تمہارا رنگ روپ جوانی اور عمر سب لے لی۔ گھر گرہستی کی ہو کر رہ گئی ہو۔ دن کو چولہا اور بچوں کی خدمت۔ رات کو میاں کی ناز برداری۔ ارے میں صحیح مشورہ دے رہی ہوں رضیہ۔ ابھی ضرور آپریشن کروالو۔ آخر کتنے بچے پیدا کرو گی؟"

" وہ میاں سنتے کب ہیں۔" رضیہ روہانسی ہو گئی۔" کتنا سر مار کے رہ گئی۔ کہتے ہیں۔ بچوں کا ذمہ دار میں ہوں۔ تمہیں کیا فکر ہے!"

" تمہاری جوانی میں جو گھن لگ رہا ہے۔ وہ سجاد بھائی کو دکھائی نہیں دیتا!"

" ایسا کہو تو جواب دیتے ہیں کہ پھر عورت کی تخلیق کا مقصد ہی کیا ہے! میں تو سب طرف سے ہاری بیٹھی ہوں۔"

ان مردوں کا کیا ہے۔ پیسہ جوان ہی بنے رہتے ہیں۔ مصیبت تو عورتوں کی ہے۔" تم کیا کر رہی ہو؟"

" میں سفارت خانے میں کام کرتی ہوں۔ ڈھائی ہزار ماہانہ تنخواہ ہے۔ میرے مزے ہیں۔ امی نے کئی دفعہ مجھے گھیرنا چاہا تھا۔ میں نے صاف کہہ دیا کہ مجھے اپنی آزادی کسی کے ہاتھ رہن رکھنا منظور نہیں۔ لوگ میری تنخواہ پر ہی مر کرتے ہیں!۔ لعنت۔ اب تو میں اکیلی اتنی خوش ہوں کہ بس۔"

" والدین؟"

" مزے میں تو ہیں۔ ابھی ادھر چچا جان!۔ ابا تو پار سال گزر چکے۔ امی کو ابا کا غم لے بیٹھا ہے۔ دماغ پر اثر ہو گیا تھا! علاج کروایا مگر وہ پہلی سی حالت نہیں۔ گم صم رہتی ہیں!"

" بھیا اور بھابی؟"

" بھیا امریکہ میں سول سرجن ہیں۔ بھابی ایک تجارتی فرم میں کام کرتی ہیں۔ اب تو پکے ہو گئے ہیں دونوں!" شکیلہ ہنسی " ایک دفعہ میں نے ان کے یہاں کا لگایا تھا۔ دنگ رہ گئی۔ کسی بادشاہ کا سا گھر ہے۔ میرے خدا۔ دنیا کا کوئی سامان عیش ایسا نہیں جو ان کے پاس موجود نہ ہو۔ پانچ لاکھ کی تو بھیا کی گاڑی ہے۔"

" پانچ لاکھ کی گاڑی؟" رضیہ کی آنکھیں پھٹ گئیں۔

" ہاں۔ ایئرو پلین کار ۔۔۔ ایسی شاندار گاڑی تو ہندوستان میں ایک نہیں دیکھی!"

" بچے وچے کتنے ہیں بھیا کے؟"

" بس یہی دکھ ہے۔" شکیلہ نے ہلکی سی آہ بھر کر کہا: " دنیا بھر کے علاج کر ڈالے۔ بھیا خود بھی ایسے زبردست فزیشین ہیں!۔ مگر خدا کی مرضی۔ بھابی تو کبھی کبھی رو پڑتی ہیں۔ کہتی ہیں۔ یہ ڈھیر دولت کس کام کی جبکہ کوئی کھانے پینے والا ہی نہیں ۔۔۔ اچھا رضیہ سنو۔ برا مت ماننا۔ کیا سارے گھر بھر کے لئے سجاد بھائی کی تنخواہ پوری پڑ جاتی ہے؟"

" سو دو سو پئے تو ملک جان ہی کی دواؤں پر اٹھ جاتے ہیں۔" رضیہ بولی: " چار سو میں رو تے جھینکتے کسی نہ کسی طرح پیٹ کٹ ہی جاتا ہے!"

" قدرت نے کبھی اپنا بیلنس برابر نہیں رکھا۔ جہاں دولت ہے وہاں اولاد نہیں۔ جہاں اولاد کی مار امار ہے وہاں دولت نہیں۔" شکیلہ بولی۔

" اچھا اب یہ باتیں رہنے دو۔" رضیہ دولت و زر کے تذکرے سے وحشت زدہ ہونے لگی تھی۔ موضوع بدل کر بولی: " تم یہ بتاؤ۔ آخر کب شادی

کے جانے پہچانے ہوں!۔

دسترخوان پر چھوٹے چھوٹے شرمناک بچے بھی تھے!۔ ان کی بے ڈھنگی فرمائشیں سجاد پوری کر رہا تھا۔ رضیہ تو اندر ہی اندر کٹ کے رہی جا رہی تھی۔ سچی بات تو تھی۔ ایک دو پورے بچھاڑے گئے۔ نامرادوں نے بچھڑے بیلے کر رکھے تھے۔ منو اُلٹے ہاتھ سے ناک پونچھ رہا تھا۔ ایک لونڈہ بار بار کسٹرڈ مانگ رہا تھا۔ رضیہ کا دل چاہ رہا تھا کہ ایک ایک جھانپڑ کس کس کے لگائے اور سبھوں کی شکلیں دسترخوان پر سے دفع کر دے۔ مگر وہ بس اپنا سیدھا کھا رہی!۔

کبھی آپ اور رضیہ بھی دہلی آئیے۔ سجاد بھائی! شکیلہ کہہ رہی تھی۔ بے اکیلی رہتی ہوں۔ کچھ میرا بھی دل بہلے!۔

چھٹیاں ملیں گی تو کوشش کروں گا" سجاد نے کہا۔

ہم کہاں آسکتے ہیں" رضیہ بولی" ستے بچاؤ کیسے! یہاں کوئی ایسا ہے بھی نہیں جس کے پاس انہیں چھوڑ سکیں!"

ارے واہ۔ بیوقوف کہیں کی۔ بچوں کو چھوڑ کے کیوں آؤ گی۔ ساتھ لے کے آؤ"

ان کا شور شرابہ تمہیں کیا اچھا لگے گا!" رضیہ شرمندہ ہوئی۔

کیا آپ کو بچے پسند نہیں؟" دفعتاً سجاد نے پوچھا۔

بچے ہی تو اصلی چیز ہیں۔ جس کے نہیں ہیں اس کے دل سے پوچھیے" شکیلہ نے جواب دیا۔

سجاد مسکرا دیا۔

تین دن شکیلہ رضیہ کے پاس رہی۔ اور اپنی امارت و تمول کا مظاہرہ کرتی رہی۔ ان گنت ساڑیاں خریدیں۔ سنگھار دان کے لئے فرنیچر میں پیسہ برباد کیا۔ نہرو جی کا ایک BUST خریدا اور اور دوکاندار سے فرمائش کی کہ بذریعہ پارسل دہلی اس کے پتے پر ارسال کر دیا جائے!۔ ان تین دنوں میں بس وہ ہنسی ہنساتی ہی رہی۔ رضیہ کا پتہ بھی نہ چلا کہ کدھر گئے تین دن۔ اس کے انکار کے باوجود شکیلہ نے اسے بھی بہت کچھ خرید دیا۔

چوتھے دن جب وہ رخصت ہو رہی تھی۔ تب وہ رضیہ سے گلے ملی۔ اس کے بچوں کو پیار سے سینے سے لگایا اور یک بیک اداس ہوگئی۔ زندگی بھر نہیں بھولنے کی یہ دن۔ شاید بے پناہ اداسی میں کہہ رہی تھی" عجیب سا لگ رہا ہے مجھے۔ تمہارا ساتھ، شوہر اور بچے۔

اُف رضیہ۔ تم دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہو۔ تمہیں ایک گھر کا مالک ہونے کا فخر حاصل ہے۔ گھر بار بچوں پر تمہاری حکومت ہے۔ آج تمہارے بچے چھوٹے ہیں۔ لیکن کل یہ بڑے ہوں گے۔ تو یہ بیٹے تمہارے آس پاس ہوں گے۔ تمہیں کما کے کھلائیں گے۔ سدا دن یکساں نہیں رہتے۔ کل میں بڈھی ہو جاؤں گی۔ اکیلی مر جاؤں گی۔ اور جو کچھ دولت رکھ جاؤں گی۔ اس کا وارث بتانے کون ہوگا۔ ایسا بدقسمت بھی کوئی نہ ہو!"

اس نے جھک کر منے کی پیشانی چومی اور رضیہ سے رخصت ہو کر باہر نکل گئی!۔

اور تب رضیہ کو محسوس ہوا۔ شکیلہ کے جسم پر جو کچھ قیمتی ہے سب بے وقعت تھا!۔ اصلی ہیرے تو اس کے پاس تھے جو کلکاریاں کرتے گودوں میں بیٹھے ہوئے تھے!۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دروازہ تکتی رہی جس سے ایک اکیلی بدنصیب عورت نکل کر گئی تھی اور پھر وہ اپنے بچوں کو دیکھنے لگی جو مٹی میں کھیل رہے تھے۔ کسی ناقابل فہم احساس سے مغلوب ہو کر وہ آبدیدہ ہو گئی! اور اسے سجاد کا کہنا یاد آیا۔

" صرف دولت اور سونا چاندی اصلی زندگی نہیں ہے! جو دولت مند تو وہ خود بھی!!۔

ازدواجی زندگی کس طرح کامیاب ہو سکتی ہے

بیگم نواب زادہ راشد علی خاں

آپ چاہے جتنا صحت مند جوڑا بنالیں۔ لیکن جب تک عورت اور مرد صاف ذہن کے نہ ہوں گے اچھی تربیت کے حامل نہ ہوں گے اور انہیں اپنے خاندان کی عزت کا پاس نہ ہوگا وہ کبھی اچھا جوڑا ثابت نہیں ہوں گے۔ یہ آئے دن کی طلاقیں کس لئے ہو رہی ہیں؟ جس سے بات کر [illegible] لڑکی کو تمیز نہیں تھی۔ لڑکی کو سسرال والوں کی عزت کرنی نہیں آتی تھی۔ لڑکی کو گھر چلانا نہیں آتا تھا ہمارا گھر برباد کر رہی تھی۔

لڑکی والوں سے بات کرو تو کہتے ہیں لڑکا خرچ کم دیتا تھا۔ یا یہ کہ بیوی کے علاوہ دوسری لڑکیوں میں دلچسپی لیتا تھا۔ اسے گھر کی پروا نہیں تھی۔ آوارہ مزاج تھا۔ غرضیکہ جب نباہ کرنے کی نیت نہ ہو تو بہت سی باتیں نکل آتی ہیں۔ ایسے میں صحت اور جوانی بے چاری کیا کر سکتی ہے۔

میں ماں باپ سے یہی التجا کروں گی کہ اپنی بیٹیوں کو یہ سبق دیں کہ وہ جس گھر میں بھی جائیں اسے اپنی سیرت اور سلیقے سے سنواریں۔ ان سے یہ کہیں کہ شوہر تمہارا مجازی خدا ہے۔ اس کی حکم عدولی نہ کرنا۔ ساس سسر کی عزت کرنا۔ یہی سمجھنا کہ تمہارے ماں باپ کی شکلیں بدل گئی ہیں ورنہ یہ وہی ماں باپ ہیں جن کی ہم عزت کرتے آئے ہیں۔ شوہر کی اجازت کے بغیر گھر کی دہلیز پار نہ کرنا۔ خاندان کی عزت تمہارے ہاتھ ہے۔

والدین لڑکی کو اچھی تربیت دیں گے اور اس کو اپنی عزت کا محافظ بنائیں گے تو لڑکی جب بھی خود مختار ہی آئے گی وہ اس فرض کو نبھانا چاہے گی۔ لڑکی کو کم تنخواہ میں گزارا کرنے کی عادت ہونی چاہیئے۔ کٹھن وقت میں صبر کرنے کی عادت ہونی چاہیئے یہ نہیں کہ شوہر کے حالات خراب ہوئے یا خرچ کم ملنے لگا تو میکے کو دوڑ لگا دی اور شوہر کی پریشانیاں سارے زمانے سے رو رو کر بیان کرنی شروع کر دیں۔ کوئی بھی شوہر اپنی تحقیر و رسوائی پر خوش نہ ہوگا [illegible] دل میں اپنی بیوی کے لئے

کیا گنجائش رہ سکتی ہے جو برے وقت میں ساتھ نہ دے پھر نتیجہ طلاق ہی ہوگا۔

انسان کا ذہن صاف ستھرا ہونا چاہیئے لڑکی جس سے بیاہی جائے اسے ٹوٹ کر چاہے، دکھ درد میں اس کا ساتھ دے، شوہر غلطیوں کو نظر انداز کرے بات بات پر جھگڑا نہ اٹھائے تھکے ماندے شوہر سے آتے ہی گھریلو جھگڑے بیان کرنے بیٹھ جائے ورنہ وہ بھی یہ سمجھ لیتا اپنے گلے مصیبت باندھ لی۔ رفتہ رفتہ بات اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ مرد اس سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہے۔

لڑکے بھی میں یہی کہوں گی کہ جب وہ کسی کی بیٹی کا ہاتھ پکڑتا ہے تو اسے اس مضبوطی سے پکڑے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کو چھڑا نہ سکے، وہ ذہن میں بٹھا لے کہ بیوی جیسی بھی ہے میری عزت ہے میں اس کا محافظ ہوں، یہ میری ہے، پیار، میرے خلوص کی حق دار ہے۔ مجھے ہر صورت میں اس کا حق ادا کرنا ہے۔ لڑکے یہ سوچیں کہ اگر ہم کسی کی بیٹی یا بہن کو ستائیں گے تو اللہ تعالیٰ کے گناہگار ہوں گے اور اللہ کی لاٹھی بے آواز ہے۔ وہ ہمارے سر پر کسی وقت بھی پڑ سکتی ہے۔ ہماری بہنیں ہیں ہماری بیٹیاں ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ بھی ویسا ہی کر سکتا ہے جیسا ہم کسی کی بے گناہ بیٹیوں کے ساتھ کرتے ہیں۔

میری نظر میں ذہنی طور پر ایک دوسرے کو قبول کرنے کی صلاحیت ہونے کے علاوہ عزت کی حفاظت کا خیال ہونا چاہیئے۔ جو لوگ کسی کی عزت نہیں رکھتے ان کی اپنی عزت بھی نہیں ہوتی اور جب لوگ شادی کو محض سیر و تفریح صحت و طاقت اور عیش و عشرت کا نام دیتے ہیں وہ کبھی کامیاب نہیں رہتے۔ نہ جسمانی طاقت ساری عمر ساتھ دیتی ہے، نہ جوانی اور نہ دولت۔ نہ ہر وقت کی عیاشی مفید ثابت ہوتی ہے۔ مفید بات یہی ہے کہ یاد رکھا جائے ہر [illegible]

نجھیں اور شکر کریں کہ آپ بیٹے گھر میں نہیں رکھا ہے۔ ...... کی کیا عزت ہے وہ اپنے گھروں کو جانے کی بجائے اور بعضوں میں لڑکی کو چھوڑ دیتی ہیں۔ ظاہر ہے کہ وہ رسوا اور برباد ہو جاتی ہیں۔ ان کے بیچ میں خاک بندی ہوتی ہے۔ جہاں سے گذرتی ہیں دھول اڑتی جاتی ہے۔

میرے شوہر راشد علی خان ... سے عمر میں ۲۷، ۲۵ سال بڑے ہیں لیکن آج تک میرے دل میں کسی جوانی یا بڑھاپے کا خیال نہیں آیا۔ میں نے شوہر کو اپنا سب کچھ مان لیا ہے، اس کے علاوہ کسی دوسرے کا تصور بھی گناہِ عظیم ہے۔ ذہنی طور پر میں نے بہ رضا قبول کرلی ہے اس لئے کوئی پریشانی نہیں ہے۔ نہ میرے راستے میں ایسی کوئی مجبوری تھی کہ میں نے کسی دباؤ کے تحت شادی کی تھی۔ میں خود ایک خوشحال خاندان سے تعلق رکھتی ہوں۔ شکل و صورت بھی بری نہیں، تعلیم بھی حاصل کررہی ہوں۔ صاحب جائیداد والدین کی بیٹی ہوں اب آپ بتائیں کہ میں کیوں نہ بیمار ہوئی یا بے راہ روی کا شکار ہوئی؟ میرے شوہر کو جو مجھ پر اعتماد ہے وہ دنیا کے کسی شخص پر نہیں۔ یہ میں اپنی تعریف بیان نہیں کررہی بلکہ نمونہ پیش کررہی ہوں۔ میرے دل کو ٹھیس لگی جب میں نے یہ پڑھا کہ عمر رسیدہ مردوں کی بیویاں ایسی ہوتی ہیں۔ میری زندگی بجائے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ مردوں کا فرق صورت اور جسامت کچھ حیثیت نہیں رکھتی۔ سہارے انسان کی عقل کہ اگر اپنے حالات سے سمجھوتہ کرلیں تو اسے مجبوری کا رنگ نہیں دیا جاسکتا، بلکہ دانشمندی کہا جاسکتا ہے ورنہ بربادیاں اور رسوائیاں راستے میں ہوں گی۔ ایک مرد کو چھوڑنے کے بعد دوسرا بھی غلط ثابت ہوا اور بیوی کے معیار پر پورا نہ اتر سکے تو کیا وہ ہر روز شوہر بدلنے کی اجازت چاہے گی۔؟

آج کل کسی کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ اپنی بیٹیوں اور بہنوں کے طبقی مصارف کرواتے رہیں۔ وہ لوگ جو آج کل اتنے ترقی یافتہ ہیں کہ لڑکیوں کی پسند پر بیٹھے رہیں ہمیشہ الجھ چکے ہیں اس لئے صورت، شکل اور دولت کو دیکھنے کے بجائے اپنے سروں سے بوجھ اتارنے کی کوشش کریں اور بیٹیوں کو سسرال میں نباہ کرنے کی تعلیم دیں ورنہ دوسری صورت میں عمر بھر کنواری بٹھائے رکھیں۔

خط لکھتے وقت اپنا خریداری نمبر ضرور لکھیں ———

لکھنؤ اپنی تہذیب و تمدن

کے لئے سارے ہندوستان ہی میں نہیں ساری دنیا میں مشہور تھا، لیکن افسوس کہ انقلابات زمانہ نے لکھنؤ کی تہذیب کا ذکر صرف کتابوں میں ہی پڑھا جاسکتا ہے۔ لوگ آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس تہذیب تمدن کو دیکھیں اور لکھنوی لوگوں کی شیریں زبانی سے لطف اندوز ہوں۔ لیکن اب اس زبان کے بولنے والے بھی نظر نہیں آتے جو "حضرت پہلے آپ" "پہلے آپ" کہا کرتے تھے۔ اور اس مٹی ہوئی تہذیب و تمدن کے علمبردار کچھ رہ بھی گئے ہیں تو وہ گوشہ نشین ہیں اور ان تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ اپنا سب کچھ کھو کر اب وہ باہر نکلتے بھی شرماتے ہیں۔ کیسا عروج اور اب کیسا زوال ہے۔ لیکن لکھنؤ میں جو چیزیں فنا نہ ہوسکیں وہ ہیں شاہی امام باڑے اور وہ کاریگر اور ہنرمند جو آج بھی اپنی کاریگری اور ہنرمندی کے ایسے شاہکار پیش کر رہے ہیں جو آپ اپنی مثال ہیں۔

چکن، زردوزی، کامدانی اور بادلے وغیرہ کے کام یہاں کے کاریگر ایسا کرتے ہیں کہ دیکھنے والے محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ لچکا، گوٹہ، پٹھا، کرن اور ستارے وغیرہ کا کام بھی بیحد نفیس بنتا ہے۔

کیا آپ خود آگہی میں مبتلا ہیں

ترجمہ: الفت جلیل

کیا آپ کسی انٹرویو کے خیال سے پریشان ہو جاتے ہیں؟ کیا جب آپ کسی اجنبی سے ملتے ہیں تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے؟ اگر دس بارہ افراد کی موجودگی میں بات کرنی پڑے تو کیا آپ کی آواز کانپنے لگتی ہے؟ اگر ایسا ہے تو یہ علامتیں خود آگہی کے احساس کی ہیں۔

خود آگہی (SELF CONSCIOUSNESS) اکثر لوگوں کا مسئلہ ہوتی ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے یہاں اس کے اظہار کی نوعیت مختلف ہوتی ہے۔ اس کی شدت بھی ہر ایک میں کم زیادہ ہو سکتی ہے بعض لوگوں میں یہ کیفیت اس قدر شدید ہو جاتی ہے کہ سائیکاٹرسٹ سے علاج کروانا لازمی ہوتا ہے لیکن اکثر لوگ خود ترغیبی کی مدد سے اس کمزوری پر قابو پا سکتے ہیں۔

خود آگہی کا مسئلہ دراصل احساس کمتری کی ہی شاخ ہے۔ دوسرے الفاظ میں اول الذکر کی جڑیں احساس کمتری میں پیوست ہوتی ہیں۔ اس قسم کے کامپلکس کا شکار اپنی شخصیت کی نفی کرتا رہتا ہے۔ وہ خود تو اپنی ذات پر اپنی خصوصیت پر کڑی نکتہ چینی کرتا ہے لیکن اپنے بارے میں دوسروں کی ذراسی بھی تنقید پر بےحد جذباتی ہو جاتا ہے اور اسے برداشت نہیں کرتا۔

ایسا شخص شکوک و شبہات، خوف اور بے اعتمادی کا شکار ہو جاتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ وہ اچھا اور دگر دوسرے لوگوں کے معیار پر پورا نہیں اترتا اسے یہ شک ہوتا ہے کہ دوسرے اسے تسلیم نہیں کریں گے اور نہ اس میں کوئی دلچسپی لیں گے۔ اسے یہ خوف لاحق رہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ دوستانہ طریقے سے پیش نہیں آئیں گے۔ ممکن ہے کسی بات پر وہ بیہودگی سے پیش آ کر دیا۔

کوئی شخص ویران جزیرے کی طرح نہیں ہوتا۔ اسے کسی نہ کسی طرح کے ماحول میں رچ بس کر رہنا پڑتا ہے۔ آپ لاکھ تنہائی پسند ہوں آپ دنیا کو یکسر نہیں چھوڑ سکتے۔ ایسے معاشرے میں رہتے ہوئے آپ دوسروں کا سامنا کرنے پر مجبور ہوں گے۔ ان میں اکثریت ایسے لوگوں کی ہوگی جو آپ کے لیے بالکل اجنبی ہوں گے۔

خدا کا شکر ہے کہ

شمیم [illegible]

جو میرے ہاتھ پر تنخواہ رکھ کر سمجھتا ہے کہ اس نے دنیا اور دین کے سارے فرائض پورے کر دیئے۔ اسے کیا معلوم کہ گھر کا خرچ کیسے چلتا ہے۔ جس طرح میں اس تنگی چند سی آمدنی میں خرچہ پورا کرتی ہوں۔ میرا ہی جی جانتا ہے۔ اگر کبھی کہہ دوں کہ اس مہینے کمی کم پڑ گیا ہے تو فوراً کہتا ہے "کل ہی تو تمہیں ساری تنخواہ دی تھی" مجھے اس سے کب انکار ہے۔ میں گلے بھر میں خود کہتی پھرتی ہوں کہ "ایک پائی جیب میں نہیں رکھتا۔ جو کماتا ہے میرے ہاتھ پر رکھ دیتا ہے۔ خدا ایسا نیک شعار شوہر سب کو دے" مگر جی ہی جی میں یہ بھی کہتی ہوں کہ اگر خدا ایسا شوہر دے تو اس کی تنخواہ اتنی کم نہ ہو۔ میرے لئے اس کی یہ خوبی عذاب بن گئی ہے۔ ہر تقاضے کے جواب میں یہی سننا پڑتا ہے کہ "جتنی جو کماتا ہوں، تمہارا ہے"

شوہر کے ساتھ لڑائی جھگڑے سے کیا حاصل۔ اپنی ہی زندگی اجیرن ہوتی ہے۔ اس کا کیا جاتا ہے وہ تو گھر سے نکلتے ہی بیوی بچوں کو فراموش کر دیتا ہے۔ یوں بے فکری سے پھرتا ہے جیسے کنوارہ ہو۔ کسی روز سخت لہجے میں بات کرلو تو رات گئے تک صورت نہیں دکھاتا۔ بچے جب باپ کو گھر میں نہیں دیکھتے تو ماں کا سر کھانے لگتے ہیں۔ خوب ادھم مچاتے ہیں۔ کتابیں کھلی پڑی رہتی ہیں اور یہ قلا بازیاں لگاتے ہیں۔ کھانے پر بلاتی ہوں مگر اپنے شور میں میری کہاں سنتے ہیں۔ کھانا ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ جیسے گھر میں ٹی وی کا کوئی ڈرامہ ہو رہا ہے جس میں افسر دفتر سے غائب ہے اور عملہ اس کی غیر حاضری کی خوشی منا رہا ہے۔

یہی سوچ کر میں اس سے جھگڑا مول نہیں لیتی۔ کم تنخواہ اور بڑھتی ہوئی مہنگائی سے نمٹنے کے لئے اضافی آمدنی کے لئے تدبیریں کرتی ہوں مگر خیالی پلاؤ سے کس کا پیٹ بھرتا ہے۔ ہر تدبیر عمل سے پہلے ہی شیخ چلی کے منصوبوں کی طرح پھوٹ جاتی ہے۔ اپنی سہیلیوں کا ذکر اس کے آگے کرنا وبال ہے۔ ایک بار کہنے لگا "تمہاری کہانیاں بہت بڑھنے لگی ہیں۔ ایک [illegible] آئینے کا [illegible]"

ایسے ہی کئی باتیں سوچ کر ایک روز مجھے [illegible] آ گیا۔ میں نے [illegible]

ہر بات تمہیں بے معنی لگتی ہے۔ آپس میں کسی مسئلے پر بات چیت کر لی جائے تو کیا برا ہے۔ اسی طرح کوئی راہ نکل سکتی ہے ممکن ہے تمہاری ہی کوئی تجویز کارآمد ثابت ہو جائے"

وہ کہنے لگا "میں اب تمہاری باتوں میں نہیں آنے کا۔ تم میری کہاں سنتی ہو۔ کہتی ہو کہ میری ہر بات درست ہے لیکن عمل صرف اپنی مرضی کے مطابق کرتی ہو۔ باتوں کے ہیر پھیر میں مجھ سے وہی کرواتی ہو جو تم چاہتی ہو۔ ایک بار تمہارے کہنے میں آ کر میں بھر پایا۔ تمہارے کہنے پر میں نے ایک فلیٹ بک کروا لیا تھا۔ ساری جمع پونجی اسی میں لگ گئی۔ میرا پراویڈنٹ فنڈ بھی اسی کی نذر ہو گیا۔ کمپنی نے فلیٹ کے دام اتنے چڑھا دیئے ہیں کہ تم اپنا زیور بھی بیچ دو تو رقم پوری نہ ہو۔ اس رقم سے ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ خرید لیتا تو آج رقم دگنی ہو جاتی۔ اتنے سال گزر جانے کے باوجود فلیٹ تیار نہیں ہوا۔ مکان کا کرایہ الگ بھرتا ہوں۔ پھوٹی کوڑی جیب میں نہیں ہے۔ میں تو اس ڈر سے بیمار بھی نہیں پڑتا کہ علاج کیلئے رقم کہاں سے آئے گی"

ان ساری باتوں کا جواب میرے پاس ہے۔ لیکن میں نے اس سے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا۔ میں یہ کہہ سکتی تھی کہ تمہارے اپنے نصیب کھوٹے ہیں۔ سونے میں ہاتھ ڈالتے ہو تو مٹی ہو جاتا ہے۔ میں نے کئی ایسے لوگ دیکھے ہیں کہ انہوں نے مٹی کے ڈھیر میں ہاتھ ڈالا اور مٹھی روپوں سے بھر گئی۔ تم ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹ خرید لیتے تو اس میں بھی کوئی نہ کوئی گھپلا پڑ جاتا۔ بہتری اسی میں ہے کہ اپنے نصیبوں سے جیب ٹٹولا دو۔ تمہارے پاس کچھ ہوتا تو میری ڈولی کرائے کے مکان میں نہ اتارتے"

لیکن میں شوہر سے جھگڑا مول لینے کی عادی نہیں ہوں۔ میں نے اس سے کہا "تمہارے نصیب بگڑے ہیں [illegible] کر کے کچھ حاصل نہیں ہوگا ایک تدبیر کے کمائی دی ہے۔ اگر تم

[illegible]

اس نے سوالیہ نظروں سے میری طرف دیکھا۔ میں نے ہڈ ڈھیٹ بن کر کہا: گھر کا ایک کمرہ کرائے پر دے دیتی ہوں۔ اس طرح ہمیں کچھ آرام ہوگا۔ میری خوش نصیبی ہے کہ تم نے یہ مکان پہلے دنوں میں کرائے پر لے لیا تھا۔ جس گھر کا کرایہ تم اڑھائی سو دیتے ہو۔ آج کل ایسا مکان ساڑھے سات سو سے کم میں نہیں ملتا۔ اس کا تو صرف ایک کمرہ اڑھائی تین سو روپے مہینے پر اٹھ جائے گا۔ ذرا سوچو تو سہی کہ اس رقم سے ہم کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ میں دس ہزار کی کمیٹی ڈال لوں گی۔ اس رقم سے تمہارے لئے نیا اسکوٹر خرید لیں گے۔ بسوں میں دھکے کھانے سے بچ جاؤ گے۔ چھٹی کے روز بچے تفریح پر جانے کے لئے مچلتے رہتے ہیں۔ مہینے میں ایک دو بار ان کو سیر کرا سکیں گے۔ میں جانتی ہوں کہ بچے تمہیں تنگ کرتے ہیں۔ اس لئے میں بھی ساتھ چلا کروں گی تاکہ ان کو قابو میں رکھوں اور تمہیں پریشان نہ ہونے دوں۔ کئی مردوں کو میں نے دیکھا ہے کہ اسکوٹر پر بیوی کے علاوہ تین چار بچوں کو بٹھاتے ہیں۔ ہمارے تو صرف دو ہی ہیں۔

میری باتیں سن کر وہ سر کھجانے لگا۔ میں نے کہا: "اب کچھ بولو گے:"

وہ کہنے لگا: "کیا بولوں، تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ کرائے کے مکان میں رہتی ہو۔ مکان مالک کو پتہ چلا تو گھر سے نکال باہر کرے گا۔ پھر اڑھائی سو روپے مہینے میں جھونپڑا بھی نہیں ملے گا۔ تمہیں سکون سے رہنے میں لطف نہیں آتا۔"

میں نے کہا: "روپے پیسے کی تنگی ہو تو آدمی کا دماغ خراب ہو ہی جاتا ہے۔ اس خرابی کے علاج کی تدبیر کر رہی ہوں۔ تم ایک دفعہ ہاں تو کہو۔ مالک مکان کے فرشتوں کو بھی پتہ نہیں چلے گا کہ ہم نے ایک کمرے میں کرائے دار ڈال لئے ہیں۔ میں نے سارا معاملہ پکا کر رکھا ہے۔ بس تم سے ہاں کہلوانی ہے۔"

وہ کہنے لگا: "جب تم نے ہر بات طے کر رکھی ہے تو مجھ سے کیا پوچھتی ہو۔ وہی کرو جو تمہارے جی میں آئے۔ لیکن میں ایک بات بتا دیتا ہوں کہ اگر مالک مکان نے ہمیں نکال باہر کیا تو میں پھر دفتر سے واپس نہیں آؤں گا۔ وہیں پڑا رہوں گا۔"

اس کے بعد مجھے کچھ کہنے کی کیا ضرورت تھی۔ میں نے کمرہ کرائے پر [illegible] کرائے دار تو پہلے سے تیار بیٹھے تھے [illegible]

[illegible] کہ ہم اگر [illegible] کرائے پر دے دیں۔ میں نے [illegible] کہاں سے آئیں جو [illegible] اعتبار [illegible] ہمارے دکھ درد کو سمجھیں اور ہمارے [illegible] اپنا راز سمجھیں [illegible] لوگ تو اس محلے میں رہتے ہیں کہ کسی کی کوئی [illegible] کو پتہ چل جاتا ہے میں بھانڈا پھوڑ دیں۔ اس نے مجھے تسلی دی کہ اس کے ایک منہ بولے بھائی کی شادی حال ہی میں ہوئی ہے۔ ایک کمرے کی تلاش ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ کمرہ کسی ایسی جگہ ملے کہ کسی بچوں والی خاتون کا ساتھ ہو۔ اس کی ڈیوٹی ایسی ہے کہ کبھی ایک رات بھی دینی پڑتی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ اس کی دلہن رات کو تنہا رہے۔

اپنی منہ بولی بہن کے منہ بولے بھائی کی مجبوری میری سمجھ میں آگئی میں نے سوچا کہ یہ لڑکا اور اس کی بیوی اپنی مجبوری کی وجہ سے میرے راز کو اپنا راز سمجھیں گے۔ میں نے ان کو کمرہ کرائے پر دینے کی حامی بھر لی۔ اگلے ہی روز دونوں اس کمرے میں اٹھ آئے۔ انہوں نے آتے ہی اس کھڑکی اور دروازے پر کیلیں ٹھونک دیں جو ہمارے صحن میں کھلتا تھا۔ اس کے عوض ان سے یہ طے ہوا کہ اگر مکان مالک کبھی استفسار کرے تو اس سے یہی کہا جائے گا ہماری آپس میں قرابت داری ہے۔

لڑکے کی شادی کو ایک ہفتہ گزرا تھا۔ اس نے ایک مہینے کی چھٹی لے رکھی تھی۔ سچ بات یہ ہے کہ تین ہفتے تک مجھے ان سے کسی شکایت کا موقع نہ ملا۔ تین مہینے کا کرایہ میں نے پیشگی وصول کر لیا تھا۔ جب میں نے یہ رقم اپنے شوہر کے ہاتھ پر رکھی تو اس کی آنکھیں خوشی سے چمک گئیں۔ میں نے اس سے کہا: "یہ رقم بینک میں جمع کر دو۔۔۔ وہ دن دور نہیں جب ہمارے صحن میں نیا اسکوٹر کھڑا نظر آئے گا۔"

جب لڑکے کی چھٹی ختم ہوئی تو وہ ڈیوٹی پر جانے لگا۔ اس کی ڈیوٹی صبح سے شام یا شام سے صبح تک ہوتی تھی۔ ادھر وہ گھر سے نکلتا ادھر اس کی بیوی کمرے کو تالہ لگا کر میرے پاس آن بیٹھتی۔ ایک دو دن تک تو میں اس کی صحبت سے لطف اندوز ہوتی رہی لیکن جب مجھے پتہ چل گیا کہ اس کا باپ کیا کام کرتا ہے [illegible] کے کتنے بھائی ہیں [illegible] اس کی کتنی بہنوں کی شادی ہو چکی ہے [illegible]

[illegible] رکھے۔ میں نے [illegible] کیوں [illegible] اب کے تمہیں پوری [illegible] بھی سمجھ لیں۔ اب [illegible] رقم لے لی۔ میں ڈیڑھ سو روپیہ مہینہ [illegible] ہوں"۔

میرا دم گلے میں پھنس گیا۔ میں آگے کچھ نہ کہہ سکی۔ ہائے میں کیا کہتی۔ کچھ بھی کہتی تو وہ مکان مالک کو سارا قصہ بتا دیتا۔ میرے شوہر نے پہلے ہی مجھے کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی ایسی ویسی بات ہو گئی تو میں گھر واپس نہیں آؤں گا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ اس بلا سے کیسے چھٹکارا پاؤں۔ کچھ بعید نہیں تھا کہ اگلے مہینے وہ میرے ہاتھ پر پچاس روپے رکھ دے اور پھر اس کے بعد ایک پائی بھی نہ دے۔ میری راتوں کی نیند اڑ گئی۔ اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے کئی منصوبے بنائی لیکن ذہن میں کوئی واضح بات نہ آتی۔

آخر کار مجھے ایک طریقہ سجھائی دیا۔ اس میں بدنامی کا خدشہ تھا۔ مگر یہ سوچ کر میں نے اس پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا کہ اس عمر میں بدنامی یا نیک نامی سے میرے لئے کیا فرق پڑتا ہے محلے والے میرے کردار سے واقف ہیں۔ میرے شوہر کا خیال ہے کہ وہ دنیا کا واحد بیوقوف ہے جس کو مجھ سے محبت ہے۔ کوئی اور شخص بیوقوفی کی یہ حرکت نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں خطرہ مول لینے میں کوئی حرج نہ تھا۔

پہلی تاریخ کو دو دن باقی تھے۔ میں اپنے کرائے دار کے دفتر جا پہنچی۔ وہاں میں کسی افسر اعلیٰ کے کمرے کا پتہ پوچھنے لگی۔ اسی پوچھ گچھ میں میں اپنے کرائے دار سے جا ٹکرائی۔ وہ مجھے دیکھ کر پوچھنے لگا کہ میں کیوں یہاں آئی ہوں۔ میں نے کہا "یہ تو اب تم اپنے افسر سے پوچھنا۔ میں جا کر اسے تمہارے گن بتاتی ہوں۔ محلے بھر کی لڑکیوں کا تم نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ میری عمر دیکھو لیکن تم مجھے بھی چھیڑنے سے باز نہیں آتے، تو بے شک میرا کمرہ خالی نہ کرو مگر میں تمہیں نوکری سے نکلوا کر رہوں گی"۔

آہستہ آہستہ میری آواز بلند ہونے لگی تھی۔ دفتر کے کچھ لوگ اپنی کرسیاں چھوڑ کر ہمارے گرد اکٹھا ہونے لگے۔ وہ گھبرا گیا اور کہنے لگا: "آپ یہاں آنے کی زحمت کیوں کی۔ میں کل ہی آپ کا کمرہ خالی کر دوں گا۔ [illegible]"۔

[illegible] گیا۔ اس نے اگلے ہی روز کمرہ خالی کر دیا۔ جب گھر خالی ہو گیا تو میں نے اپنے شوہر کو پورا قصہ سنایا۔ میری آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ آنسو دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا۔ میں نے موقع مناسب پایا اور کہا "میں ہر کام تمہارے بھلے کے لئے کرتی ہوں۔ مگر وہ میرے لئے مصیبت بن جاتا ہے۔ یہ روپے میں اپنی قبر میں ساتھ لے جانے سے رہی جو کچھ بھی ہے تمہارے اور بچوں کے کام آئے گا۔ اب تمہیں کوئی کرایہ دار ڈھونڈنا ہے۔ میں اس کا منہ بھی نہ دیکھوں گی بس اتنا خیال رکھنا کہ چالباز نہ ہو اور شادی شدہ نہ ہو۔ کرایہ بے شک دو سو روپے ہی ملے۔ لیکن اپنی عزت قائم رہے"۔

میرے شوہر کو بھی کرائے کی رقم کا چسکا لگ گیا تھا ایک ہفتے بعد اس نے مجھے اطلاع دی کہ پونے دو سو روپے میں ایک شخص یہاں رہنے پر راضی ہو گیا ہے، بے چارہ نابینا ہے۔ اس کے عزیز کرایہ بھر دیں گے۔ یوں سمجھو کہ اس کا دنیا میں کوئی نہیں ہے۔ اکیلا آدمی چپ چاپ پڑا رہے گا۔ وہ جب تک زندہ ہے تمہیں کرایہ ملتا رہے گا۔ مکان مالک کو کہہ دیں گے کہ ہمارا عزیز ہے۔ نابینا ہے۔ اسے گھر سے باہر تو نہیں پھینک سکتے"۔

کرایہ تھوڑا تھا لیکن میں نے کچھ کہنا مناسب نہ سمجھا سچ بات یہ ہے کہ ایسے ایسے چالبازوں سے مجھے واسطہ پڑا تھا کہ کسی کے کہے سننے پر اعتبار کرنے کو دل نہ چاہتا تھا۔ میں نے دل میں کہا کہ خدا کرے ایسا ہی ہو"۔

نابینا کرائے دار آ گیا۔ میں نے کہا تھا کہ میں نئے کرائے دار کی صورت تک نہ دیکھوں گی۔ میں نے ویسے ہی کیا۔ ایک ہفتے تک خاموشی طاری رہی۔ کبھی کبھار چھڑی کی ٹھک ٹھک کی آواز آ جاتی تھی جیسے کوئی چھڑی کی مدد سے اپنا راستہ ٹٹول رہا ہو۔ کبھی خالی برتن گرنے کی آواز بھی آتی تھی بے چارے کی حالت کے بارے میں سوچ کر مجھے رنج ہوتا تھا۔ لیکن صحن کی جانب کھلنے والی کھڑکی اور دروازے میں ایسی چٹخنیاں لگوا دی گئی تھیں کہ کرائے دار کی مدد کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ میرے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ میں گلی میں نکل کر اس کے کمرے کی طرف جاتی اور اندھے کا حال چال پوچھتی۔

مجھے پہلے ہی اس بات کا خدشہ تھا کہ معاملات اتنے سادہ نہیں

[illegible] بے احتیاط خوشی کے ساتھ زندہ اور مردہ دونوں کی [illegible] کی رسم کے اصل وارث آپ ہی ہیں۔

یوں [illegible] کسی بلاوے کی حاجت نہیں مگر پھر بھی دستیاب ہے ہر جگہ کے دعوت نامے حاصل کر لیتے ہیں۔ ہر شہر میں ان کا پتا ہے اور شاید شیکسپیر بھی ہوں بلکہ سرمعلت نظر کی طرح ضخم خریدار پر بھی احسان ہوگا۔ مگر یہ ہیں بڑے کام کی چیز۔ ان کا خالی کرسیاں ان کے وجود سے بآسانی چھپ جاتی ہیں اور وہ آل انڈیا کانفرنس جنا میں حاضرین کی تعداد مقررین اور منتظمین کی تعداد سے ایک نفر بھی زیادہ نہ ہو اور وہ آل انڈیا کے بجائے آل محلہ بھی نہ معلوم ہوتی ہو، وہاں انہیں کے دم سے (دستر خوانی آلو کی طرح!) رونق لائی جاتی ہے اور انہیں ہیں تو فتح و شکست کے فیصلے بھی انھیں کی ذات بے برکات سے ہو سکے ہیں۔

تو پھر کیوں نہ یاد آئے۔ آلو سے خوش رنگ

بشکریہ شگوفہ

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیے [illegible]

قمر فردوس

اس نے آئینہ پر آخری نظر ڈالی اور کلائی پر گھڑی باندھتی ہوئی کمرے سے باہر آگئی۔

"امی میں راشدہ کے یہاں نوٹس لینے جا رہی ہوں۔"

"جنلی بھیا کو ساتھ لیتی جاؤ جنلی اور دیکھو زیادہ دیر نہ لگانا۔ جلدی آجانا" امی بنائی کی مشین پر اون کا گولا لگاتے ہوئے بولیں۔

اب میں کوئی ذرا سی بچی ہوں جو ہر جگہ جنلی یا گڈو کو ساتھ لے کر جاؤں۔ وہ بڑبڑائی مگر پاس کھڑے جنلی کا ہاتھ پکڑ کر دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ امی نے پھر کچھ کہا تھا مگر اس نے سنی ان سنی کر دی۔ جانے ان لوگوں کی کب سمجھ میں آئے گا کہ اب لڑکیاں بھی کسی طرح لڑکوں سے کم نہیں۔ جہاں بھی جاؤ کسی نہ کسی کو ساتھ لے کر جاؤ۔ سہیلیوں کے ساتھ بالکل مت جاؤ۔ کالج سے سیدھی گھر آؤ۔ اگر کسی وجہ سے ذرا سی دیر ہو جاتی تو دادی سوالوں کی بوچھار کر کر کے ناک میں دم کر دیتیں۔ جینا حرام کر رکھا ہے ان بڑی بوڑھیوں نے۔ سوچتے سوچتے وہ کب گلی کے موڑ تک آگئی اسے خبر بھی نہ ہوئی۔ بابو پان والے کی دکان کے پاس بجلی کے کھمبے کے آگے ہمیشہ کی طرح محلے کے آوارہ لڑکوں کا جمگھٹا موجود تھا: "ہمدم میرے مان بھی جاؤ..." پتہ نہیں کس لڑکے کی آواز تھی۔ "تیری راہوں میں کھڑے ہیں دل تھام کے......" دوسری آواز آئی۔ مگر وہ جنلی کا ہاتھ تھامے تیزی سے آگے بڑھتی چلی گئی۔

اب تو اس کا کالج جانا بھی دشوار ہو گیا تھا۔ آتے جاتے یہی آوازیں اس کا پیچھا کرتیں۔ کئی بار اس نے سوچا کہ ان لوگوں کی شکایت بھیا سے کرے گی۔ مگر بھیا تو باہر ہی رہتے تھے کبھی چھٹیوں میں ہی گھر آتے تھے۔ آج اگر اس کے پپا ہوتے تو کسی کی ہمت کچھ کہنے کی نہ ہوتی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ پپا سب سے زیادہ اسی کو چاہتے تھے۔ مگر موت کے بے رحم ہاتھوں نے دو سال پہلے ہی انہیں ایک حادثے کی ملاقات کے بعد ان کے سائے سے ہمیشہ کے لیے چھین لیا تھا۔ اب گھر میں امی اور دادی تھیں۔ دادی سے تو کچھ کہنا ہی بیکار تھا۔ انہیں کچھ معلوم ہو جاتا تو اس کا گھر سے نکلنا ہی بند کر دیتیں۔ بھیا کا نمبر سے اگر جھگڑا کرتا ہے وہ ڈھوکر اور خوشامدیں کر کر کے تو اس نے ان سے کالج میں داخلہ لینے کا وعدہ لیا تھا۔ آئندہ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ کیا بگاڑ لیں گے یہ لوگ ان کا۔ بکتے ہیں تو بکا کریں۔ اس نے اس خیال کو جھٹک دیا۔

راشدہ کے گھر سے واپس آئی تو امی کسی کا خط پڑھ رہی تھیں۔

"کس کا خط ہے امی؟" اس نے کتابیں میز پر رکھتے ہوئے پوچھا اور ان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی جھک کر دیکھنے لگی: "آہ بھیا کا خط ہے۔" اس نے بچوں کی طرح تالی بجائی۔

"امی کیا لکھا ہے بھیا نے۔ چھٹیوں میں آئیں گے نا؟ امی کیا بھابھی آئیں گی؟" اس نے بے صبری سے پوچھا۔

"ارے خود ہی پڑھ لینا۔ مجھے تو چین سے پڑھ لینے دو۔" امی نے جھنجھلا کر کہا۔

رات کو کھانے کے بعد وہ پڑھنے بیٹھی مگر پڑھائی میں اس کا دل نہیں لگا۔ دو دن بعد بھیا بھابی آنے والے تھے۔ اس کی بھابھی بہت اچھی تھیں۔ بالکل چھوٹی بہن کی طرح اس کا خیال کرتی تھیں۔ جب بھی بھابھی آتیں وہ لوگ خوب گھومتے۔ اچھی اچھی پکچریں دیکھتے۔ اور اس بار تو بھابی نے اپنی بہن کی شادی میں جانے کے لیے بھی لکھا تھا۔ دو دن بعد ہی اس کا کالج بھی بند ہونے والا تھا دسہرہ کی چھٹیاں ہونے والی تھیں۔

کتاب بند کر کے اس نے بیزاری سے ٹیبل لیمپ آف کر کے بستر پر لیٹ گئی۔

بھیا کیا آئے گھر میں جیسے عید آگئی۔ بھابھی کو بہن کی شادی کے لیے ڈھیروں خریداری کرنا تھی۔ آج بھی کچھ کپڑوں پر کام بنوانے کو دینا تھا۔ اس نے جلدی جلدی بھابھی کے ساتھ مل کر کچن کا کام ختم کرایا اور کپڑے بدلنے اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تیار ہو کر وہ باہر آئی تو بھابھی امی کے پاس بیٹھی سامان کی لسٹ بنا رہی تھیں۔

"واہ بھابھی میں تو تیار بھی ہو گئی۔ آپ ابھی یوں ہی بیٹھی ہیں" اس نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

"ارے مجھے کیا تیار ہونا ہے۔ میرا بر تو سلامت رہے۔ بس کنگھی چوٹی کی ضرورت ہے نہ کپڑے بدلنے کی" وہ اٹھتے ہوئے بولیں۔

گلی کے موڑ پر تین چار لڑکے کھڑے کسی بات پر ہنس رہے تھے۔ اسے دیکھ کر جانے کیوں وہ لوگ چپ سے ہو گئے۔ وہ لاپروائی سے بھابھی کے ساتھ آگے بڑھتی چلی گئی۔ کپڑے کی اپنی مخصوص دکان پر پہنچ کر اس نے چین کی سانس لی۔

"شبو دیکھو شلوار کے سوٹ کے لیے یہ پرنٹ کیسا رہے گا؟" بھابھی نے شوکیس میں لگے ایک سلکن پیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

اس نے مڑ کر دیکھا "اچھا ہے بھابھی" کہتی ہوئی وہ بری طرح چونک گئی۔ برابر کی دکان پر گلی والے وہ لڑکے کھڑے اسی کی طرف دیکھ رہے تھے۔ کیا وہ لوگ ان کا پیچھا کرتے ہوئے یہاں تک آئے تھے؟ وہ دل ہی دل میں ڈر گئی۔

"بھابھی چلیے کہیں اور دیکھیں گے"

"کیوں یہاں کیا ہوا شبو! یہاں اور بھی اچھے پرنٹ ہیں، چلو اندر چل کر دیکھیں" بھابھی نے اس کی طرف حیرت سے دیکھتے ہوئے کہا۔ دکاندار بھی ان کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔ مگر اس نے بھابھی کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا "بھابھی آپ چلتی ہیں کہ نہیں"

"اچھا اچھا چلو" وہ آگے بڑھتی ہوئی بولیں۔

کچھ آگے جا کر بھابھی پھر ایک دکان پر رک گئیں "چلو یہاں دیکھ لیتے ہیں"

"چلیے" اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہا اور اندر کاؤنٹر کی طرف بڑھ گئی۔

بڑا سا پیکٹ سنبھالے وہ دکان سے باہر آئی تو پھر سامنے ریڈی میڈ کپڑوں کی دکان پر وہی دونوں نظر آئے۔ اس نے نفرت سے منہ پھیر لیا اور گھبرا کر بھابھی سے بولی "اب گھر چلیے نا بھابھی"

"ارے ابھی تو یہ دو چار ہی خریداری کروائی ہے۔ اور بھی کئی چیزیں خریدنا ہیں۔ آخر تمہیں جلدی کاہے کی ہے"

"بھابھی بقایا شاپنگ کل کر لیجئے گا" وہ تیزی سے آگے بڑھتے ہوئے بولی

مجبوراً انھیں بھی اس کا ساتھ دینا پڑا۔ بازار کے تنگ اور بھیڑ بھرے راستوں سے نکل کر وہ باہر سڑک پہ آئی قریب ہی کھڑے ایک خالی رکشہ پر بیٹھ گئی۔

"کہاں جانا ہے بٹیا؟" رکشہ والا پوچھ رہا تھا۔ مگر وہ تو جانے کہاں کھوئی ہوئی تھی۔ بھابھی نے اسے گھر کا پتہ بتایا۔ اور اس کے برابر بیٹھ گئیں۔ وہ اس کی جلد بازی پر حیران تھیں مگر انھوں نے اسے چھیڑنا مناسب نہیں سمجھا۔

گھر آ کر وہ سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ امی دالان میں بیٹھی کچھ سلائی کر رہی تھیں۔

"بڑی جلدی آ گئیں دلہن" وہ بھابھی کو دیکھ کر بولیں۔

"جی امی اپنی جانی والی تو کئی دکانیں آج بند تھیں۔ اور کہیں اچھا سامان مل ہی نہیں سکا" وہ برقعہ اتارتے ہوئے بولیں۔

"شبو امی کھانے کے لیے بلا رہی ہیں" عظمیٰ کی آواز پر وہ چونک پڑی۔ اس نے تو ابھی تک کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے تھے۔

"چلو آتی ہوں ابھی" اس نے عظمیٰ سے کہا اور جلدی سے اٹھ گئی۔

کھانے کے بعد بھابھی اس کے کمرے میں آئیں۔ وہ میز پر جھکی کوئی ڈائیگرام بنا رہی تھی۔ "آئیے بھابھی" اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر بستر پر بٹھایا اور خود بھی ان کے برابر بیٹھ گئی

"اب بولو کون سا خبط تمہیں سوار ہوا تھا" وہ ہنستے ہوئے بولیں۔

"بھابھی آپ ہنس رہی ہیں اور میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ میں کیا کروں" کہتے ہوئے اس نے سب کچھ انھیں بتا دیا اور کہا۔ "اب آپ بتائیے اس مصیبت کا کوئی حل بھی ہے یا نہیں"

"شبو یہ مشکل صرف تمھاری ہی نہیں۔ ہر شریف اور عزت دار لڑکی کی ہے۔ آج کا معاشرہ اتنا گندہ ہو گیا ہے کہ شریف لڑکیوں کا گھر سے نکلنا دشوار ہو گیا ہے۔ مگر ہر پریشانی کا کوئی نہ کوئی حل ضرور ہوتا ہے۔ جس سے وہ ختم نہ بھی ہو مگر کم ضرور کی جا سکتی ہے۔

نئے سال کا تحفہ

روشن دکنی بیابانی

سوچتا ہوں میں نئے سال کا تحفہ کیا دوں

ماں کی آشاؤں کی دیپک اے مری جانِ پدر

زیورِ علم سے آراستہ تا حدِ کمال

دولتِ صورت و سیرت سے بھی تو مالا مال

تیری دوشیزگی ہے آئینۂ شرم و حجاب

قد و قامت سے عیاں عظمتِ منبر محراب

ہے وہ شیرینیٔ اندازِ تکلم بخدا

موجِ تسنیم کو ہے ناز کہ ہو تجھ پہ فدا

سلوٹیں آئیں نہ آیا کبھی پیشانی پہ بل

اور نہ ڈھلکا کبھی تہذیب کا سر سے آنچل

پھول عفت کے مہکتے ہیں قبا سے تیری

یعنی شائستگی ہر طرز ادا سے تیری

اپنے اسلاف کی اک فرد نمائندہ ہے تو

حال و ماضی کے لیے نازش تابندہ ہے تو

سوچتا ہوں میں نئے سال کا تحفہ کیا دوں

نوجواں سال جو ہے آج بہ فضلِ ربی

متفکر ہوں پریشان ہے تیری امی

تیرے دن رات بھی ایسے کے حوالے ہو جائیں

دور اندھیرے ہوں اور نزدیک اجالے ہو جائیں

لڑکیوں کی کبھی ہوتی تھی تجارت بیٹی

آج لڑکوں سے یہ سرزد ہے حماقت بیٹی

باپ کے ہاتھوں ہوا کرتے ہیں بیٹے نیلام

بول اس کا ہے اہم جس نے دیئے اونچے دام

باپ بیٹے کی سبھی خوبیاں گنواتا ہو

پروفیسر، ڈاکٹر یا انجینئر بیٹا ہو

میں نے تعلیم میں یہ خرچ کیا ہے جس کی

اور ہے آج ہزاروں کی کمائی اس کی

اک تجارت ہے باندازِ اُف رے نصیب

فوقیت جھوٹ کو حاصل ہے بقدر تکذیب

وقت کا کیا ہے درخشاں ہی سہی جس کا حال

معتبر ہو نہیں سکتا کبھی نیلام کا مال

سوچتا ہوں میں نئے سال کا تحفہ کیا دوں

★

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریم کی سالانہ خریدار بہنوں کا مرسلہ صرف ایک شعر شائع کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ شعر ہمارے مقررہ عنوان پر ہو اور سنجیدہ، موزوں اور پاکیزہ ہو۔ شعر کے ساتھ اپنا نمبر خریداری حریم ضرور لکھیں۔ اپریل کے لئے عنوان ساز (مہ وشی) کے لئے "راز" ۔۔۔ ادارہ

رخصت ہوئی بہار گل و گلستاں گئی
وہ کیا گئے کہ رونق بزم جہاں گئی

مرسلہ:۔ عالیہ نشاط (برہانپور)

فقط اپنی صدا ہی کو نہ آواز جہاں سمجھو
حدود آشیاں ہی کو نہ صحن گلستاں سمجھو

مرسلہ:۔ شہناز مجاہد (دادرا)

گلستاں چمن سے پھول چن چن جب سجائے ہیں
بنا ہے تب کہیں اس شان کا گلدستۂ اردو

مرسلہ:۔ صواتی صبیحہ عاشی (آگرہ)

باغباں اپنی بہاروں پہ نہ اترا اتنا
گلستاں اور بھی ہیں تیرے گلستاں کے سوا

مرسلہ:۔ خورشید شفقی (شیو گڑھ)

کب ہم نے بہاریں چاہی تھیں کب ہم نے گلستاں مانگا تھا
اک گل کی تمنا تھی فقط، اس کو بھی چمن میں پا نہ سکے

مرسلہ:۔ زبیدہ بتول۔ شہیدہ بانو (آگرہ)

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی، یہ گلستاں ہمارا

مرسلہ:۔ صبیحہ مرزا (آگرہ)

مل جائے گی کہیں ڈھونڈھنے والوں کو بہار
ہر گلستاں میں خزاں ہو، یہ ضروری تو نہیں

مرسلہ:۔ مس زرینہ حبیب
(رائے بریلی)

زمانہ جو آتش فشاں ہے تو کیا غم
ہم آتش کو جیسے کہ گلستاں کریں گے

مرسلہ:۔ پی۔ آر۔ تسلیم بیگم (رتلام)

میں آج گلستاں میں بلاؤں بہار کو
لیکن یہ چاہتا ہوں خزاں رو ٹھکر نہ جائے

مرسلہ:۔ منصورہ احمد بجازی (کلکتہ)

گر کچھ بھی خبر ہوتی انجام گلستاں کی
ہم اپنے نشیمن میں خود آگ لگا دیتے

مرسلہ:۔ شکیلہ ادیب شمسی (کلکتہ)

میں نے دیکھی ہیں ہر اک پھول کی آنکھیں پرنم
کیسے کہہ دوں کہ گلستاں میں بہار آئی ہے

مرسلہ:۔ عفت یاسمین [illegible]

گزر جا بن کے سیل تند رو کوہ و بیاباں سے
گلستاں راہ میں آئے تو جوئے نغمہ خواں ہو جا

مرسلہ:۔ سراج منظر۔ پوری دلی وسیٹ

نہ گل اپنا نہ خار اپنا نہ ظالم باغباں اپنا
بنایا کس گلستاں میں یہ ہم نے آشیاں اپنا

مرسلہ:۔ صابرہ نسرین لاری [illegible]

راز یہ گلستاں کا حل نہ ہو سکا اب تک
خار کیوں لہو چاہے [illegible] کیوں ہنسی چاہے

[illegible] (رامپور)

خدا رکھے سلامت اس دل [illegible] ویراں کو
بیاباں میں لئے بیٹھا ہے اک جان گلستاں کو

مرسلہ:۔ عقیلہ انجم [illegible]

شاخیں لچک لچک کے قدم چومنے لگیں
گزرے جو مسکراتے ہوئے گلستاں سے آپ

مرسلہ:۔ مہوش شرافت (رامپور)

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑ گئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنا دیا

مرسلہ:۔ فرخندہ بیا شاہد
(امروہہ)

قید قفس میں ہم نے گزاری تمام عمر
جیسے نصیب ہی نہ گلستاں کے تھا

مرسلہ۔ کشور جہاں [illegible]

۹۰۰۸۷۰ اور ۱۱۴۴۹ نمبر خریداری سے شائع ہو رہی ہیں۔
جیسے بہاروں میں وہ رخصت لگے رنگ خزاں دے کر
بہاریں جا رہی ہیں آج پھر میرے گلستاں سے

مرسلہ۔ نسیم شاہد بلیاوی (جھریا)

رخصت ہوئے چمن سے بلبل ان کتنی
بکھرے ہوئے ہیں خاک پہ گلستاں کے پھول

مرسلہ۔ سے مریم۔ یوسف پور)

گلستاں میں جا کر ہر اک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

مرسلہ۔ محمد سعید لشکر (بدا پور)

لطیفے

● ایک دیہاتی نے ایک مولوی صاحب سے پوچھا۔ اگر ہم سفر کر رہے ہوں تو نماز کے وقت ہمارا منہ کس طرف ہونا چاہیے۔
مولوی صاحب نے جواب دیا کہ اپنے سامان کی طرف:

مرسلہ۔ صوفی حبیبہ ہاشمی

● ایک صاحب کی طبیعت خراب تھی۔ ڈاکٹر کے پاس گئے تو وہاں بہت بھیڑ تھی۔ ان کی باری آتی ہی نہ تھی۔ جب کئی گھنٹے گزر گئے تو انھوں نے کھڑے ہوتے ہوئے دوسرے مریضوں سے کہا۔ دوستو! اب میں نے طبعی موت مرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ (نادرہ خاتون ملکاپاد)

● استاد:۔ اقبال بتاؤ۔ ہندی زبان میں بیوی کو کیا کہتے ہیں۔
اقبال:۔ جلدی سے بولا استری

● اچھا منیر احمد تم بتاؤ۔ شوہر کو ہندی زبان میں کیا کہتے ہیں۔
منیر:۔ جناب استرا!!

ایک طلاق کے مقدمے میں جج نے شوہر سے کہا۔
"تمہارا بیان ہے کہ ہر رات کو جب تم کام پر سے گھر پہنچتے تھے تو اپنی بیوی کو تنہا تمہارا انتظار کرنے کی بجائے ایک شخص کو کپڑوں کی الماری میں پاتے تھے۔ اور اس سے تمہارا خون کھول اٹھتا تھا۔
شوہر نے کہا "جی ہاں لیکن کیوں نہ کھولتا اپنے کپڑے ٹانگنے کے لیے مجھے جگہ جو نہیں ملتی تھی"

شوہر اور بیوی ایک ایسی مشین پر وزن کرا رہے تھے جس میں وزن کے ساتھ ساتھ ایک کارڈ بھی نکلتا تھا جس پر وزن کرانے والے کی خصوصیات درج ہوتی ہیں۔ پہلے مرد مشین پر کھڑا ہوا۔ بیوی نے کارڈ نکالا تو اس پر لکھا تھا۔ آپ بہت خوش نصیب ہیں، آپ کی شخصیت پر کشش ہے۔ آپ کے دوست بہت خوش رہتے ہیں۔
بیوی نے کارڈ کو پڑھا اور حیرت سے بولی "عجیب مشین ہے۔ وزن تمہارا بتا دیا اور خصوصیات میری۔"

میرے دل سے ہائے نکل رہی ہے کہ وہ کبھی کہیں اچھے نہ رہیں گے۔

ہاں چھوٹی بھابی: رعنا منہ بنا کر بولی: وہ سچ مچ بہت خراب آدمی ہیں۔ کبھی انھوں نے امی ابا جان یا بھائی جان سے اور ہم سے محبت نہیں کی۔ مجھے تو بڑی حیرت ہوتی ہے۔ شارق کو نواب بھی بیٹا کرتے تھے! ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وہ ہمارے بھائی ہی نہ ہوں۔ معلوم نہیں کہ امی نے انھیں کیوں پیدا کیا۔ چھوٹی بھابی۔ یہ تو بتائیے کہ اب جو آپ بھیا کو غصہ آیا ہے تو وہ کیوں آیا ہے؟:

کیا بتاؤں۔ رعنا۔ تم سے کہنے کی بات نہیں ہے: حنا نے سر تھام لیا۔ میری عقل تو کام نہیں کرتی:

آپ کے لیے گرم چائے اور لے آؤں: رعنا نے ہمدردی سے پوچھا۔

دفعتہً حنا کے ذہن میں بجلی سی چمکی!۔

لے آؤ۔ میں تب تک ذرا نہا لیتی ہوں:

رعنا ادھر گئی۔ حنا نے اٹھ کر الماری کھولی۔ کچھ زیور گریبان میں رکھے۔ سوئے ہوئے بچے کو کندھے سے لگایا اور برآمدے میں نکل آئی۔

ہر طرف سناٹا تھا۔!

وہ زینے سے اتر کر باغ میں آئی۔ گیٹ پر رکشا لیا اور رحمٰن کے گھر کا پتہ بتا کر رکشے پر بیٹھ گئی۔

اب اس نے سوچ لیا تھا کہ جیتے جی اس دہلیز پر قدم نہ رکھے گی۔ بھائی بھاوج کی خدمت اسے گوارہ تھی! رکشا چلتا رہا اور اس کے آنسو بہتے ہوئے چہرے پر گرتے رہے۔

اسے اپنا بچپن یاد آیا۔ جس نے اپنی دانست میں اس کے ساتھ خیر خواہی کی تھی۔ وہ سسکنے لگی۔ ابا جان آپ چلے گئے۔ آپ نے کہاں دیکھا کہ آپ کی نازوں کی پالی بیٹی کن حالوں میں گزر رہی ہے۔ (باقی آئندہ)

قدرت نے کیسی کیسی سزا دی ہے۔ ایسی بھول کا ایسا خمیازہ تو کسی نے نہ کھینچا ہوگا۔ حنا۔ تم نہیں جانتیں۔ میں نے تمہارے ہوتے ہوئے بہت بڑا گناہ کیا تھا:

حنا اس کے چہرے پر جھک گئی!۔

اور جب وہ واپس گھر پہونچی۔ تو بالکل بدلی ہوئی تھی۔ ایزد کی ہدایت کے مطابق نہ اس نے لباس تبدیل کیا نہ جسم میں گرمی پہونچائی بلکہ دیر تک یہ سوچا کی کہ وہ اسی ایزد کے پاس سے آئی ہے۔ جو ہمیشہ بے نیام رہتا تھا یا یہ کوئی دوسرا آدمی تھا۔

مہ وش اکثر نگار یا ناصیہ کے ساتھ ایزد کی پرسش کو چلی جاتی تھی۔ اس کے والدین اور رشتہ دار تو روں بھی ایک چکر لگا لیا کرتے تھے!۔

اس شام بھی ناصیہ کے ہمراہ مہ وش آئی! لیکن ہمیشہ کی طرح اداس اداس سی ایک نظر ایزد پر ڈالی اور پھر دادو کے باہر کھیلنے لگی تھی!۔

خوش ہو جاؤ۔ ایزد۔ اب تمہیں چوتھے روز یہاں سے چھٹی مل جائے گی۔ کیفی نے اطلاع دی:

پنڈلی کے زخم کے لیے نرس گھر پر آ جایا کرے گی۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ہے کہ اگر کوئی تکلیف ہو تو کہہ دی جائے تاکہ یہاں قیام کے دوران ہی میں اس کا ازالہ کیا جا سکے؟:

پنڈلی ہی کا درد پریشان کرتا ہے: ایزد نے کہا: ساری رات میں سو نہیں سکتا!

اچھا میں کہہ دوں گا: کیفی بولے۔

بہن آپ بیٹھ جائیے: مریم نے مہ وش سے کہا۔

آپ اگر مجھ سے تعاون —

بیکار چلی آتی ہوں میں یہاں : وہ اٹھنے لگی : اب آپ اچھے ہیں۔ پرسش کی کوئی ایسی خاص ضرورت نہیں ہے : اور وہ اٹھ کر باہر کی طرف چلی گئی۔

میں احمقوں کا سردار ہوں : ایزد نے سوچا۔ کوئی ایسا پاگل نہیں ہوگا جیسا میں ہوں۔ نہ مجھے ادھر قرار ہے نہ مجھے ادھر چین ہے۔ مجھے تو مر جانا چاہیے تھا! میں نے خود کو عذاب میں مبتلا کر رکھا ہے۔ حنا کو دھوکے میں رکھا ہے۔ مہوش سے الفت جتاتا پھرتا ہوں۔ خدا کی مار۔ بے غیرت کی رسی دراز۔ ایسا زبردست حادثہ گزر چکا ہے۔ مگر کچھ فائدہ نہیں۔!

اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

چار پانچ روز بڑے مجبوری سے گزر گئے۔ صالحہ بیگم نے منت مان رکھی تھی کہ جس روز وہ ہسپتال سے گھر آئے گا اس دن بڑے پیمانے پر میلاد کرائیں گی۔ چھٹی ہو گئی۔! ایزد کو چلنے پھرنے کی اجازت مل چکی تھی۔ کسی کا سہارا لے کر وہ چل سکتا تھا اس بچے کی طرح۔ جس نے نیا نیا چلنا سیکھا ہو۔

صالحہ بیگم نے اپنی منت پوری کی!۔ اس دن گھر میں بڑی پر مسرت چہل پہل تھی جس روز وہ گھر آیا اور اس کا غسل صحت تھا!۔

لیکن وہ عجیب قسمت لے کے آیا تھا۔ کوئی خوشی بہت کم اسے راس آتی تھی!۔

اس نے اپنے دل میں تہیہ کر لیا تھا اب نئی زندگی پانے کے بعد وہ خود کو بالکل بدل دے گا!۔ مہوش جیسی مغرور اور پرنخوت لڑکی کا خیال تک دل میں نہ لائے گا!۔ ماں باپ کو کوئی بے چینی نہ دے گا۔ حنا ایسی اچھی بیوی اسے ملی ہے۔ ٹھیک ہی تو کہتی ہیں امی اور بھابی۔ اس سے وابستہ ہونے میں حنا کا کیا قصور ہے۔ وہ اس سے کیوں خفا رہتا ہے۔ اب وہ توبہ کرنے کا عندیہ

اللہ ضرور دے گا۔ دیکھ لینا کہ وہ ماش تمھارے قدموں پر ناک رگڑے گا۔ اللہ کبھی ظالموں کا ساتھ نہیں دیتا :

نہ دے حنا برگشتہ ہو رہی تھی : لیکن اللہ نے مجھ بے یار و مددگار کو کیسی آزمائش میں ڈال رکھا ہے۔ اب میں کیا کروں۔ نگار باجی۔ کیسے اپنی شکل دکھاؤں گی۔؟

بہ ہزار خرابی نند بھاوج نے مل کر اسے کھانا کھلایا۔ ناشتہ کرایا۔ حنا کا کچھ جی ٹھہرا۔ لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کی زندگی کا نقش بیڑہ کہاں گیا!۔

جب نامیہ اور نگار اسے ہر طرح کی تسلی دے کر اپنے اپنے کاموں میں مصروف ہوئیں تو اس وحشت سے کہ حنا خود کو کچھ نہ کر لے حفاظت کے واسطے رعنا کو اس کے پاس بھجوا دیا۔ حنا نے اس سے پوچھا کہ ایزد نے اپنے بھائی اور ماں باپ سے کیا کہا تھا۔ رعنا نے سنا سب کچھ تھا دیکھا بھی تھا کہ معاملہ کی گہرائی تک وہ کیسے پہنچتی۔ اپنے بھولپن میں اس نے سارا قصہ کہہ دیا۔ باتوں باتوں میں یہ بھی کہا کہ ایزد باپ کے نام خط لکھ کر دورے پر چلا گیا تھا۔ حنا نے پوچھا خط کہاں ہے۔ رعنا نے جواب دیا۔ ابا جان نے زمین پر مروڑ کر زمین پر پھینک دیا۔

اگر ہوا سے اڑ نہ گیا ہو تو لے آؤ۔ حنا نے کہا۔

رعنا اس کی ہمدردی میں باہر گئی اور منٹ بھر میں کاغذ مٹھی میں دبائے آگئی۔

حنا نے خط پڑھ کر کہا۔ لو اسے پھر وہیں پھینک آؤ۔ کہنا نہیں کہ میں نے خط پڑھا ہے۔

رعنا خط زمین پر پھینک آئی۔

اس نے معافی مانگ ہی لی ہے۔ اس کے بچہ کو اپنا بچہ سمجھے گا۔ اور۔ اور حنا ہے۔
وہ لڑکی باتیں کہہ دے گا کہ۔ ایک ذات۔ دل کے بہکانے میں آ کر وہ غلط راہ
پر چلی گئی تھا۔ ... میں ملوث ہو گیا تھا۔ حنا ایک طینت پاک دل اور محبت
... سے ضرور معاف کر دے گی! اور پھر وہ بچہ ایک حنا کے قرب کے لیے
بے چین ہو گیا!

"ماں جی ... سے کچھ پہلے" اس نے ناصیہ سے کہا۔
"میں اب زیادہ دیر تک بیٹھ نہیں سکتا۔ مجھے اوپر پہنچا دیجئے۔ بیٹھ میں
درد ہو رہا ہے"۔
"چڑھ بھی سکو گے اتنے زینے؟" ناصیہ نے کہا۔
اتنے میں کاشف ادھر آ گیا۔ ننھی ننھی چمکتی ہوئی شیروانی، چوڑی دار
پاجامہ چھوٹا سا شہزادہ لگ رہا تھا۔ ایزد کے دل کی رگیں کھنچنے لگیں۔ اس نے
اسے اپنے قریب کر لیا اور بڑی محبت سے بولا۔
"ارے بھائی۔ چل سکوں گا۔ اس کا سہارا لے کر"۔
"تم سے بوڑھوں کا یہ بھار ہے دو" ناصیہ بولیں "ہم نے اس خیال سے تمہارا
انتظام بھی ادھر ایکسی والے بڑے کمرے میں کر دیا ہے"۔
"اں خالہ ... بہت" نگار نے کہا۔ "حنا تو عرصہ سے اس تک ہے۔ اور اب
دیکھو کہ ... ہرگز کوئی میں رنج کی بات نہ نکالنا۔ اللہ کے گھر سے چلے ہو نئی زندگی
کا ... کر"۔
"بالکل بالکل" ایزد نے وثوق سے کہا۔
دفعتہً نگار ہنس پڑیں "اے بھائی۔ آپ نے تو کہا تھا کہ آج کے پر مسرت دن
آپ کو خوش خبری بھی سنا دیں گے۔ سنا دیجئے نا۔ کیوں دیر کر رہی ہیں خواہ مخواہ کو"

ناصیہ اور نگار حنا کے پاس تھیں۔ دیر تک بے ہوش رہنے کے بعد اسے ہوش
آیا تھا۔ مگر زندہ مردہ برابر تھی۔ ناصیہ کی دلدہی اور نگار کی انتھک خدمتیں اسے بہلا
نہ سکی تھیں۔
"بڑی سنگدل ہے تقدیر ہے میری" وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں گھٹی گھٹی
ہچکیاں لے رہی تھی "میں کبھی خوش نہ رہ سکی۔ میری بھابی۔ میں نے کیا گناہ کیا تھا
کس خطا کی سزا بھگت رہی ہوں میں؟ ہائے کیا سوچا تھا کیا ہو گیا۔ تقدیر نے
کیا دکھایا ہے مجھے۔ باجی۔ اب میں جا رہی ہوں آپ کے گھر سے"۔
اس کے جسم پر اب بھی دلہنوں کا سا لباس تھا۔ ہاتھ پیر مہندی سے سرخ
ہو رہے تھے۔ اس تباہ حالی میں حسن کا رنگ نظر آ رہی تھی!
"ابھی ہم زندہ ہیں۔ حنا۔ پریشان مت ہو" ناصیہ نے اسے گود میں لٹا لیا۔ اور
جھک کر اس کی پیشانی چومی۔ "وہ شروع سے ایسے ہیں کچھ پتہ نہیں چلتا منہ سے
کیا نکل رہا ہے۔ کس پر کیا اثر ہو رہا ہے۔ اور اپنوں ہی سے تو لوگ ایسی باتیں
کرتے ہیں۔ حوصلہ رکھو۔ اللہ ایک دن سب اچھا کر دے گا!"
"اب نہیں رہا مجھے اللہ کی رحمت پر بھروسہ" دفعتہً وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔
"اب جو خدا چاہے گا میں وہی کروں گی۔ میرے پروردگار کی مرضی ہے کہ اس کی
بے یار و مددگار بندی کا بے سر و سامان پھرے۔ دکھ اٹھائے مصیبت بھرے۔
کوئی ایک پھوٹ ... تھا جسے نہ ... رہے۔ باجی۔ میں اب یہی کروں گی۔ مجھے
جانے دیجئے۔ کوئی ٹکڑا ... اپنی تہہ میں میرا منہ چھپائے گا!"
"واہ حنا واہ" نگار نے کہا "پرانی بدشگونی کے پیچھے اپنی ناک کٹانا
کہاں کی دانشمندی ہے۔ تم اپنے ہوش سنبھالو۔ کبھی ... ایسے ہوتے ہیں جیسے
ہوتے ہیں آدمی۔ نوے فیصدی حیوان ثابت ہوتے ہیں۔ تمہارے صبر کی داد

لگا جیسے اسے ان دونوں کے صحیح الدماغ ہونے میں شبہ ہوا۔

سنا نہیں: نگار نے کہا: ہم نے یہ بات تم سے پہلے نہیں کہی کہ ہسپتال میں اللہ نہ کرے بندھے پڑے ہو۔ مکمل خوشی نصیب نہ ہوگی۔ ویسے پیٹ میں چوہے کود رہے تھے کہ کب یہ موقع نصیب ہو اور کب سنائیں:

باجی: ایزد یکبارگی کھڑا ہو گیا حالانکہ وہ سہارے کے بغیر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا اس کا چہرہ وحشتوں کا مرکز بن کر رہ گیا تھا۔ آنکھوں سے بڑی عیاں تھی۔ اس نے پاؤں میں ابھرنے والی درد کی ٹیس سے بے چین ہو کر بڑی مضبوطی سے ناصیہ کا کندھا جکڑ لیا۔ ایک لمحہ تک لڑکھڑا کر پھر سیدھا ہو گیا۔

کیا ہو گیا ہے۔ کیا لگی؟۔ اچھے خاصے ہنس بول رہے تھے: ناصیہ نے ہکا بکا ہو کر کہا۔ کہہ بھی رہی تھی کہ خوش خبری سہار نہ سکو گے۔ نگار نے ہنس کر کہا۔

بھابی: ایزد کے ہاتھ کی گرفت ناصیہ کے شانے پر تکلیف دہ ہو گئی۔ وہ زیادہ غصے سے مرتعش لہجے میں کہنے لگا: مجھ سے ایسا مذاق مت کیجئے۔ میں واقعی یہ مذاق سہار نہیں سکتا؛

مذاق۔! نگار کے منہ سے نکلا۔ حد ہے حماقت کی۔ ہم مذاق کیوں کرتے امی ہی نے حنا سے پوچھا تھا۔ اس کی طبیعت ویسی ہی خراب تو تھی جیسی اس حالت میں عورتوں کی ہو جایا کرتی ہے۔ متلی۔ چکر۔ ابکائیاں۔ کھانا تو وہ پینے پھرے چھوڑ بیٹھی ہے۔ ایک گھونٹ پانی ایک کٹورہ بھر ہو کے نکلتا ہے۔ میں کہتی ہوں کھٹر طبیہ لڑکا ہوگا:

خدا کی قسم یہ بڑا تکلیف دہ مذاق ہے۔ ایزد نے کانوں پر ہاتھ رکھ لیے: میری اس وقت کی خوشیوں کو ان باتوں سے ملیا میٹ مت کیجئے۔"

چلانے لگا تھا۔

کیفی اٹھ کر چلے گئے تھے۔

شعیب صاحب آپے سے باہر تھے: میں اسے ابھی اور اسی وقت عاق کر دوں گا۔ یقیناً میں نے بڑی غلطی کی۔ میں نے خان صاحب مرحوم سے کہہ کیوں نہ دیا کہ یہ ابلیس اعظم آپ کی معصوم بچی کے قابل نہیں ہے۔ وہ کوئی دوسرا انتظام کر لیتے۔ میں نے کیوں حامی بھر لی تھی۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ یہ اس قدر ناہنجار ہے۔ میں پوچھتا ہوں۔ اسے کون سے آسیب نے ڈسا ہے۔ اسے ہوا کیا ہے آخر۔؟"

آپا ذاکرہ نے سر تھام لیا: میاں سانپ نکل گیا اب لکیر پیٹنے سے کیا فائدہ میں کہوں۔ کوئی تدبیر ایسی اختیار کرو کہ وہ جن بوتل میں اترے۔ ہائے میں دیکھ آئی ہوں۔ لڑکی کو۔ بے سدھ پڑی ہے۔ دیکھ کہہ رہی تھی کہ رو رو کے روتے حواس کھو دیئے ہیں اس غریب نے:

ارے یہ ناشدنی حادثے سے زندہ کیوں بچ گیا: شعیب صاحب چیخنے لگے کیا: جو تھی کہ خداوند کریم نے اس خبیث کو پھر صحیح سلامت اٹھا کر کھڑا کر دیا کیوں نہ ہو گیا دو زمین کا پیوند۔ اچھا اسے یہاں بلاؤ۔ وہ بدبخت اگر اپنی بیوی کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا۔ تو میں اس ناہنجار کی صورت دیکھنا گناہ سمجھتا ہوں۔ اسے گھر سے نکال دوں گا۔

آہستہ بولیے۔ سن نہ رہا ہو: صالحہ بیگم کا یہ کہنا غضب ہو گیا۔ شعیب صاحب بارود کے تلوے کی طرح بھک سے اڑ گئے: ہاں ہاں۔ وہ سن لے گا تو توپ کے منہ پر باندھ کر اڑا دے گا مجھے۔ ذبح کروا دے گا۔ کھانا پانی بند کر دے گا میرا۔ تم ہی نے شہہ دے دے کر چھچھوندر کو سانڈ بنا دیا ہے۔ اصل گناہ گار تم ہو۔ تمہیں اولاد کی تربیت کرنی نہیں آتی۔ ڈرتی ہو تم اس سے۔ خدا سمجھے گی تم۔ اسے مار ہیے؛

کہا۔ آپ نے مجھے ایسا ہی فالتو سمجھ رکھا ہے۔ مذاق کیا میرے ساتھ۔ ناپسندیدہ لڑکی سر پر منڈھ دی۔ جس کے عادات اطوار کی چھان بین نہیں کی۔ نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔ اب آپ میرا گلا دبا کر یہ مطالبہ کر رہے ہیں کہ میں اس بدکردار کے بچے کو اپنا سمجھوں تو یہ ناممکن ہے مجھ سے۔ آپ پر اگر ایسی مصیبت پڑتی تو آپ کیا کرتے؟:

اچھا تم اپنی بھابی سے بات کرلو۔ وہ تمھیں کسی ثبوت کے ذریعہ قائل کردیں گی: کفیل کو ڈھنگ سے اسے ڈانٹنا بھی نہیں آیا۔

کیا اس شرمناک حرکت کا بھی کوئی ثبوت ہو سکتا ہے: ایزد نے بڑا زہریلا قہقہہ لگایا:

وہ محترمہ بھابی کو اپنے ساتھ لے گئی تھیں۔ بداعمالی کے گواہ کے طور پر:

میں تھپڑ مار دوں گا۔ ایزد۔ اگر تم نے اپنی شرمناک بکواس بند نہ کی: کفیل کا چہرہ سرخ ہوگیا۔

تھپڑ ماریئے بھائی جان جو آپ کے خاندان کی ناک کاٹنے پر تلا ہوا ہے۔ میں نے کوئی جرم ایسا نہیں کیا جس کی سزا میں تھپڑ کھاؤں:

یاد رکھو۔ اپنی ماں اور بیوی کا خون اپنی گردن پر لے رہے ہو۔ امی کے حواس گم ہیں۔ ان کے لیے یہ حادثہ پیغام موت ثابت ہوگا۔ اور نگار کہہ رہی تھیں کہ حنا پر سکتہ طاری ہے۔ اگر اس کا ہارٹ فیل ہوگیا تو یقیناً اس کی موت تمھاری وجہ سے ہوگی:

جی ہاں جی ہاں: اس نے بڑے طنز سے کہا: ایک دنیا کی موت میری وجہ سے آئے گی۔ لیکن میں جو آہستہ آہستہ مر رہا ہوں۔ جیسا خون میرا سوکھ رہا ہے۔ جو اذیت میں نے برداشت کی رات۔ یہ کوئی نہیں دیکھتا۔ آخر میں وہ

ایزد۔ مذاق نہیں۔ امی سے پوچھ لو۔ اللہ کی قسم سچ کہا۔ حنا کو جو تھا مہینہ ہے۔ مگر اس میں تمھاری ایسی حیرت اور پریشانی کی کیا بات ہے؟: ناصیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

پریشانی کی بات: ایزد درد کی شدت سے بے چین ہوتا ہوا بولا: کیا بتاؤں آپ کو۔ مجھے تو شرم آتی ہے۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ کہ۔ وہ آپ کی پاک نہاد پاکباز حنا کتنی سادہ پرکار ہیں۔ انھوں نے آپ سب کو یہ باور کرادیا ہے کہ۔ ان کے ہونے والے بچے کا باپ میں ہوں۔ خدا غارت کرے۔!

کیا بکواس ہے یہ: ناصیہ نے تیوری بدل لی۔

بکواس نہیں حقیقت ہے: ایزد نے تلملا کر کہا: میں حلف لینے کو تیار ہوں۔ وہ بچہ میرا نہیں ہے۔ میں جانتا بھی نہیں۔ اس بدبخت عورت نے کیا گل کھلایا ہے! میں قسم کھاتا ہوں کہ۔ میں اپنے۔ جذبات کے ہاتھوں کبھی اتنا نہیں بڑھا کہ اس کی نوبت آتی:

ایزد: نگار نے خوفزدہ آواز میں چیخ کر کہا اور اس کا منہ بند کردیا: ارے بے شرم کتنے بے حیا یہ کیا کہہ رہا ہے:

اب میں سمجھا کہ۔ اس جنتی بڈھے کو اپنی لڑکی کی شادی کی اتنی عجلت کیوں تھی ایزد نے کہا: وہ کسی اور کا گناہ میرے ماتھے ڈالنا چاہتا ہے۔ ڈرتا تھا کہ کہیں اس کے گھر میں بیوہ بیٹی کے منہ پر کالک نہ لگ جائے۔۔۔ باجی۔۔۔ بھابی۔ تب اس کے کہ کوئی دوسرا قدم اٹھاؤں۔ آپ اس بدچلن عورت کو مع اس کے بچے کے گھر سے نکال باہر کیجیے۔ ورنہ۔ ورنہ میں خود اسے نکال باہر کردوں گا:!

یہ کہہ کر ایزد تیز تیز قدم رکھتا ہوا ادھر چلا گیا۔ غصے کی شدت میں وہ اپنے پاؤں کی تکلیف بھی یکسر بھول گیا تھا۔!

سسکتا ہوا ابھرا ہے۔ امی پر بھابی: نگار نے خوف سے سینے پر ہاتھ
رکھ لیے اور دھک دھک کرتی دھڑکنوں کے اندھیرے میں گھورنے لگیں۔

حنا کو دکھ دینے کا نیا ڈھنگ سوچا ہے انھوں نے: بے حد ناگوار لہجے میں
ناصرہ بولیں: مگر یہ بات اچھی نہیں ہے۔ نگار۔ کہو لوکہ اس کے صبر کا پیمانہ ایک
دن چھلکے گا ضرور۔ کیوں ناحق کو اتنا ظلم ڈھا رہے ہیں اس پر۔ ابھی اس
کے باپ کا غم تازہ ہے۔ بیچاری نے کبھی کھل کے اپنے باپ کا غم بھی نہیں کیا!
اور کیا۔ خان چچا کا کفن بھی میلا نہ ہوا ہوگا۔ اس پر یہ بدمعاش ذلیل کون
سا اور پہاڑ توڑنا چاہتا ہے۔ ہائے اللہ۔ بھابی۔ امی کو یہ خبر ہے گی۔ وہ زندہ
نہیں بچیں گی۔ ارے وہ ظالم کمینہ تو پلے بچے سجائے کمرے میں بھی نہیں گیا: نگار
کو رونا آگیا۔

اور تم نے سنا ہے بیچاری کو چوتھی کی دلہن بنا کے اس کے کمرے میں اس کا منتظر
بٹھا رکھا ہے: ناصرہ نے کہا: آدھی رات ہو رہی ہے۔ کیا سوچ رہی ہوگی دل
میں۔ ہائے میرے اللہ۔ کیا اس کے نصیب میں کوئی سکھ نہیں۔ پیدا ہوتے ہی
ماں دنیا سے چلی گئی وہ بدنصیب... اللہ۔ میں کیسے کہوں گی اس سے کہ وہ اب اس
کے پاس نہیں آئے گا:

بھابی: آپ نے مجھ سے وہ کیا داستان سنایا تھا کہ ولیمے کی رات جب یہ حواس
باختہ شراب پی کے آیا تھا تب۔ تب کیا درگت بنائی تھی حنا کی۔ پھر اب یہ کیا
ہے!: نگار نے کہا۔

قسم اللہ کی۔ نگار۔ روزی نصیب نہ ہو اگر میں نے جھوٹ کہا ہو: ناصرہ نے
گال پیٹتے ہوئے کہا۔ اپنی آنکھوں سے میں نے حنا کی پٹی ہوئی حالت دیکھی تھی۔
امی نے بھی اپنا جان کے سب کچھ خود کہا اور رو کے مجھے سنایا تھا۔ میں نے اپنے

دل میں سوچا بھی تھا کہ آدمی لاکھ تعلیم یافتہ، مہذب، شریف ہو لیکن ان معاملات
میں جانور ہی ہوتا ہے۔ تب۔ وہ شیطان اندر پڑا سو رہا تھا:

ابھی شعیب صاحب کے گھر میں جو قیامت ٹوٹ پڑی تھی وہ سب سے انوکھی
اور المناک تھی! ایزد پر جو ابلیس مسلط تھا۔ وہ کچھ ماننے کو تیار ہی نہ تھا! بات
بھی ایسی تھی کہ کوئی اسے کہا نہ سکتا تھا: ناصرہ کیسے کہتیں کہ انھوں نے کیا دیکھا تھا
پھر بھی انھوں نے ایزد سے کہا تھا کہ وہ ناحق غلطی کر رہا ہے۔ لیکن ایزد کے پاس
جواز موجود تھا کہ چونکہ وہ حنا کی خیر خواہ ہیں لہذا اسے بدنامی اور رسوائی سے
بچانے کے لیے بہانہ کر رہی ہیں:

بہرکیف اس نے اپنی ماں سے صاف صاف کہہ دیا کہ اب وہ حنا کو گھر میں
دیکھنا پسند نہیں کرتا۔ صالحہ بیگم بے شک ماں تھیں مگر اس نے ماں سے کبھی بیٹے
کی حیثیت سے محبت کی تھی نہ ماں کا رعب مانا تھا! وہ ایسے بھاگی وہ گئیں۔
یتیم بے بس لڑکی کا باپ نہ ملے۔ لیکن وہ ان کی سنتا کون تھا!
وہ بیمار تھیں۔ اس نئی افتاد نے ان پر نہایت ناگوار اثر ڈالا۔ ڈاکٹر دل
نے ان کے متعلقین سے کہہ دیا تھا کہ اگر کوئی دماغی شاک انھیں پہنچا تو وہ جانبر
نہ ہو سکیں گی لیکن کے ایزد کو سمجھایا منایا۔ تا دلیلیں پیش کیں۔ حتیٰ کہ دھمکی کہا
کہ اگر وہ اپنی روش سے باز نہ آیا تو ماں کی موت کا ذمہ دار بھی وہی ہوگا!
کوئی کسی کی موت کا ذمہ دار نہیں ہوتا۔ سب اپنی موت مرتے ہیں:
ایزد نے برافروختہ ہو کر کہا: شروع سے آپ لوگوں نے میری شخصیت کو پامال کیا ہے

The Hareem Lucknow March 1980 (Phones : 44559-45334) Regd. No. LW/NP 32

THE HAREEM

Apr. 80

Rs. 1/20

ایڈیٹر

ٹیلیفون نمبر آفس:۔
۴۴۵۵۹

ٹیلیفون نمبر رہائش:۔
۴۵۳۳۴

گزشتہ ۵۴ سال سے پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔
اور اردو میں ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

جلد ۵۸ — نمبر (۴)

ماہنامہ **حریم** لکھنؤ

اڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم غزالہ
جانی بیگم ردولوی

بیادگار
سید محمد سلیم انہونوی مرحوم
—۔۔—
شفیق النساء
بیگم سلیم انہونوی مرحوم

فہرست مضامین ماہ اپریل سنہ ۱۹۸۰

قیمت سالانہ

اعزازی۔ منی آرڈر سے تیئیس روپیہ۔ مخصوص خریداری منی آرڈر سے اکیس روپیہ۔ معمولی خریداری۔ منی آرڈر سے اٹھارہ روپیہ۔ وی۔پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ زائد۔ فی پرچہ ایک روپیہ بیس پیسے۔ غیر ممالک سے بقدر ۴۰ روپیہ پاکستان غیر ملکی سکہ برائے ہوائی میل اپریل سے مختلف ممالک کے لئے مختلف شرحیں۔ آفس اور ترسیل زر کا پتہ:۔ نسیم بک ڈپو۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ
نسیم انہونوی۔ مالک و ناشر۔ پرنٹر سرفراز قومی پریس لکھنؤ

سردست میری صحت اتنی خراب ہے کہ کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ اس قابل کب ہو سکوں گا کہ حسب معمول کام کر سکوں یا یہ کہ صحت مند ہو بھی سکوں گا یا نہیں۔ اس لئے اس ماہ سے لمعات کے کالموں میں سید ابوالظفر زین صاحب کی ایک کتاب "حیات طیبہ کا ازدواجی شعبہ" دی جاتی رہا کرے گی۔ یہ کتاب پاکستان میں شائع ہوئی ہے اور اپنی نوعیت اور افادیت کے اعتبار سے اس قابل ہے کہ ہر مسلمان اس کا مطالعہ کرے۔ شاید ایک فی صد حریمی بہنیں بھی ایسی نہ ہوں گی جنھوں نے یہ مدلل کتاب پڑھی ہو، اس لئے لمعات کے ذریعہ بدفعات چند ماہ میں یہ قیمتی کتاب تمام حریمی حلقوں میں پڑھ لی جائے گی۔

نسیم انہونوی

باب اوّل

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی شادیاں کیوں کیں؟

یہ ایک صاحب علم ہی تھا جس نے پوچھا ——— پیغمبر اسلام (صلی اللہ علیہ وسلم) نے اتنی شادیاں کیوں کیں خصوصاً جبکہ ان کا اسوۂ حسنہ تمام مسلمانوں کے لئے پیروی کا حکم رکھتا ہے۔

سوال دلچسپ بھی تھا اور منطقی بھی۔

اگر یہ سوال پوچھنے والا ایک غیر مسلم تھا لیکن بعید نہیں کہ یہی سوال ایک مسلم کی طرف سے آجائے جس نے کبھی اس مسئلہ میں ڈوب کر نہیں دیکھا۔ یہ سوال ایک مورخ بھی پوچھ سکتا ہے، ایک سوانح نگار بھی اور ایک اہل ایمان بھی۔ اور یہ سوال ایک ایسے پراپگنڈا کرنے والے کی طرف سے بھی اٹھایا جا سکتا ہے جو مستشرق اور محقق کا روپ دھار کر پیغمبر اسلامؐ کو غلط رنگ میں پیش کرنے پر ادھار کھائے بیٹھا ہے۔

یہ سوال جتنا سادہ نظر آتا ہے اتنا ہی پیچیدہ ہے۔ اس کے اندر بہت سے ضمنی سوالات ابھرتے ہیں۔ مثلاً

(۱) کیا اسلام ایک بیوی رکھنے کے حق میں ہے یا ایک سے زائد بیک وقت۔

(۲) اگر اسلام ایک بیوی سے زیادہ رکھنے کی اجازت دیتا ہے تو کن حدود کے تحت؟ کیا حضور کی ازواج مطہرات کی تعداد ان حدود کے اندر ہے؟

(۳) شادی کے ذریعہ اسلام کیسے کیسے مسائل حل کرنا چاہتا ہے؟

(۴) حضور نے کن اصولوں اور مقاصد کے تحت ازواج مطہرات کا انتخاب کیا؟

(۵) آپ اپنی ازواج سے فرداً یا اجمالاً کیا سلوک کرتے تھے۔ کیا آپ کے سلوک میں کوئی عدم توازن، نا انصافی، بے جا عتاب یا جھگڑے کا امکان تھا؟

(۶) ان شادیوں کے ذریعہ کون کون سے مقاصد حل ہوئے۔ قومی طور پر، بین الاقوامی طور پر، اس وقت کے لوگوں کے لئے آنے والی نسلوں کے لئے۔

(۷) کیا بیویوں کی تعداد میں حضورؐ کی پیروی کرنے پر ایک مسلمان آزاد ہے یا پابند؟ وغیرہ وغیرہ۔

کنبہ داری اور عیال داری بنیاد ہے تمام سوسائٹی کی، تمام [illegible] کی، تمام تہذیب و تمدن کی۔ اس کے بغیر [illegible] ترقی ناممکن ہے۔ کوئی شادی کرے یا نہ کرے، لیکن اسے یہ سمجھنا چاہئے کہ اس کا جسم ایک بیوی ہی نے دیا ہے [illegible] اس وقت لی ہے جب وہ [illegible] ایک کو یہ وہ بنیاد ہے جس پر زندگی کا [illegible] ہے [illegible] سے اسلام کے سوا کسی مادی یا روحانی نظام [illegible] (زندگی)

قائم کرنے اور بسر کرنے میں کوئی رہنمائی پیش نہیں کی جبکہ یہ بنیادی مسئلہ ہے ہر فرد کا اور ہر معاشرہ کا، ہمیشہ ہے اور ہر جگہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ رہنمائی پیش کرنا ان (غیر اسلامی) مذاہب کی عقل اور عزم سے باہر ہے۔ اسی لئے وہ بالکل خاموش ہیں کہ کس سے کس طرح اور کیوں شادی کرنا چاہئے، آپس میں زن و شو کے تعلق کیا ہیں اور ذمہ داریاں کیا۔ شادی کو کون سے قانونی، سماجی اور اخلاقی دباؤ کے اندر رہنا چاہیئے، بیویوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد ایک وقت میں کیا ہونی چاہیئے۔ جدائی اگر ہو تو کیوں اور کس طرح ہو اور اس کے اثرات سے بچوں کی حفاظت کس طرح کی جائے۔ وغیرہ۔ یہ صرف اسلام ہی ہے جو ایسے سارے اہم سوالوں کا جواب پیش کرتا ہے — کتابِ الٰہی اور سنتِ رسولؐ کے ذریعہ۔

چنانچہ جب یہ سوال آیا اور وہ بھی ایک پادری صاحب علم کی طرف سے، تو ہم نے اس کا جواب دینے کی ضرورت سخت محسوس کی۔ جہاں تک ہم جانتے ہیں — اور ہم نے جاننے کی بڑی کوشش کی ہے — یہ معلومات کسی ایک کتاب میں نہیں بلکہ بہت سی کتابوں میں منتشر ہیں۔ غالباً موجودہ کتابچہ اس موضوع پر پہلی کوشش ہے۔

ہم امیدوار ہیں اور دست بدعا بھی کہ کوئی ایسا خادم اسلام اٹھے جو علم و قلم کی طاقت زیادہ رکھتا ہو اور اس مسئلہ پر ایک بہتر کتاب پیش کردے۔ انشاء اللہ۔

پیغمبر اسلام نے اتنی شادیاں کیوں کیں؟ اس سوال کا جواب دینے سے پہلے دین اسلام کے متعلق چند سطریں پیش کرنا عین مناسب ہوگا۔

باب دوئم دین اور مذہب

ابتدا ہی میں یہ خوب جان لینا چاہیئے کہ ہندو مت یا بدھ مت یا عیسائیت یا یہودیت کی طرح اسلام ایک مذہب نہیں۔ اگر مذہب محض کسی علمی نظریہ کا نام ہے، کسی فکر، فلسفہ یا اخلاقیات کا نام ہے۔ کسی قصہ کہانی یا داستان یا تاریخ یا سوانح حیات کا نام ہے، کسی دل بہلانے والے لطف و لذت کا نام ہے تو اسلام ہرگز ایک مذہب نہیں۔ اسلام ایک دین ہے اور اسی لئے ایک خاص مقام رکھتا ہے۔ یہ صراطِ مستقیم ہے تمام مومنین کے لئے۔ خواہ وہ زندگی کے کسی پہلو سے وابستہ ہوں، کسی حالت کے تحت ہوں، کسی زمانہ میں یا کسی علاقہ

میں ہوں۔ دین اسلام منفرد ہے کیوں کہ یہ پیش کرتا ہے:-

(۱) رہنمائی — واضح، مکمل، تابندہ اور قابل عمل رہنمائی۔

(۲) بہترین توازن — شخصی آزادی اور جماعتی پابندی کو گھلا ملا کر۔

(۳) بہترین توازن — روحانی اور مادی اقدار کو گھلا ملا کر۔

(۴) زیادہ سے زیادہ افراد کے لئے زیادہ سے زیادہ بھلائی۔

(۵) دنیا کے لئے امن اور اخوت کا واحد راستہ۔ وغیرہ۔

ایک اہم بنیادی فرق اسلام اور دیگر مذاہب میں یہ ہے:- اسلام فقہ رکھتا ہے۔ دوسرے محروم ہیں۔ اسلام بتاتا ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا، کیوں اور کیسے؟ دوسرے نہیں بتاتے۔ چند مذاہب گناہ اور ثواب کی باتیں ضرور کرتے ہیں۔ وہ ایک مختصر ناکافی فہرست بھی پیش کرتے ہیں ثوابوں کی اور گناہوں کی۔ لیکن وہ یہ سمجھانے سے بہت دور بھاگتے ہیں کہ کس عمل کو ثواب میں شمار ہونا چاہیئے، کس عمل کو عذاب میں — اور کیوں؟ اور نہیں تک نہیں۔ لطف یہ ہے کہ ہندومت میں برہمنوں کے لئے الگ اصول و اخلاق ہیں اور غیر برہمنوں کے لئے الگ۔ ایک طبقہ کے لیے جو نیکی ہے وہ دوسرے طبقہ کے لئے بدی ہے۔ اسی طرح ایک طبقہ کے لئے جو بدی ہے وہ دوسرے طبقہ کے لئے نیکی ہے۔ عیسائیت کی طرف اگر دیکھا جائے تو وہاں سے نہ کوئی حکم ہے نہ منع، نہ کسی بات کو ضروری اور لازمی قرار دیا گیا ہے اور نہ کسی بات سے روکا گیا ہے چنانچہ منطق اور قانون کے لحاظ سے اس مذہب میں نیکی اور بدی کا سوال اٹھنا ہی نہیں چاہیئے۔

گناہ کیا ہے؟ عیسائیت اس سوال کے جواب میں کوئی دلچسپی نہیں لیتی۔ اسے اگر کوئی دلچسپی ہے تو رحم و کرم سے اور معاف کر دینے سے۔ لیکن یہ کس بات کو معاف کرے گی .... کس پر رحم کرے گی اسے خود بھی کچھ نہیں معلوم۔ چونکہ عیسائیت کوئی سزا نہیں دیتی ہے بلکہ سراسر معاف کر دیتی — اور یہ معافی گناہ کرنے سے پہلے بھی ہو جاتی ہے اور بعد بھی — اس لئے یہ مذہب اپنے ماننے والوں کے لئے کھلی چھٹی ہے کہ جب جو جی چاہے کریں یا نہ کریں، شخصی سطح پر بھی اور جماعتی سطح پر بھی کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کوئی داروگیر نہیں۔ اس طرح یہ مذہب جرائم کی ہمت افزائی کرتا ہے، شخصی سطح پر بھی اور جماعتی سطح پر بھی —

اس کے برخلاف اسلام صاف صاف بتاتا ہے کہ نیکی کیا ہے اور بدی کیا ہے۔ اور کیوں ہے۔ نیکی کی ہمت افزائی کے لئے وہ انعام الٰہی کا وعدہ کرتا ہے۔ بدی کی ہمت شکنی کے لئے وہ عذاب الٰہی کا خوف دلاتا ہے۔ اور اسی پر بس نہیں کرتا۔ بلکہ ہر انسان کو بتا دیا ہے کہ اس پر دو فرشتے تعینات ہیں جو اس کی زندگی کے ہر روز و شب چوبیس گھنٹے اس کے اچھے اعمال اور اس کے برے اعمال کو لکھتے رہتے ہیں (دیگر مذاہب کسی انسان کا پانچ منٹ کے لئے بھی نیکی اور بدی کا ریکارڈ نہیں رکھتے) اور اتنا ہی نہیں، اسلام قدم بہ قدم صفحہ بہ صفحہ ہر خاص و عام کو اس روز انصاف الٰہی سے ڈراتا ہے جس کا آنا اٹل ہے۔ جس دن اللہ تعالیٰ اپنے ہر بندے کو اس کے نامۂ اعمال کے مطابق جزا یا سزا دے گا۔ البتہ جس کو چاہے گا معاف کرے گا

بیشک عیسائیت اور چند دیگر مذاہب جنت اور جہنم کا نام لیتے ہیں اور روز قیامت کا بھی۔ لیکن وہ یہ نہیں بتلاتے کہ آخر کس اصول کس آئین و قوانین کے تحت بندوں کو جنت میں یا جہنم میں بھیجا جائے گا۔ آخر وہ کونسی عدالت ہوگی جس کے پاس نہ میزان ہے نہ پیمان ؟

افسوس کہ مذاہب عالم نے دولت اور جنس کے استعمال پر کوئی ہدایت پیش نہیں کی۔ یہ چیزیں بڑی نعمت ہیں لیکن بدمعاشوں کے ہاتھ میں بدمعاشی کا بہت بڑا آلہ بن جاتی ہیں۔ افسوس کہ ان مذاہب میں ان کے استعمال پر ہر طرح آزادی ہے۔ اگر کوئی پابندی ہے تو سوسائٹی اور گورنمنٹ کی طرف سے ہے، مذہب کی طرف سے نہیں۔ اگر کوئی پابندی ہے تو وہ انسان کے ذاتی اخلاق کی بدولت ہے، رسم و رواج یا اجتماعی ضرورت کی وجہ سے ہے۔ اسی لئے یہ مذاہب شادی کو سائنس کا درجہ دینا درکنار، اس پر سرے سے کوئی بحث ہی نہیں کرتے۔ یہ اسلام ہی ہے جو شادی کی بنیادی اہمیت کو پہچانتا ہے اور اسے جسمانی اور سماجی سائنس کا درجہ دیتا ہے۔ غیر اسلامی نقطۂ نگاہ اگر مسئلہ شادی پر کبھی غور کرتا ہے تو جسمانی ضرورت کے لحاظ سے۔ لیکن اسلام جب غور کرتا ہے تو متفرق نقطۂ نگاہ سے ـــ جسمانی بھی اور سماجی بھی، اقتصادی بھی اور نفسیاتی بھی، گھریلو بھی، قومی بھی اور سیاسی بھی، قومی بھی اور بین الاقوامی بھی۔

جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شادیاں کی ہیں وہ نور ہدایت ہیں۔ وہ بتاتی ہیں کہ ایک مسلم کو، خصوصاً ایک مسلم سربراہ حکومت کو۔ رفیقۂ حیات کے انتخاب میں کیا کیا پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

دین اسلام ایک ہدایت ہے، ایک رہنمائی ہے سب خاص و عام کے لئے، انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی، ہر منزل حیات میں، ہر شعبۂ حیات میں ـــ مرکز سے شاخوں کی طرف یا شاخوں سے مرکز کی طرف۔ یہ وہ برقابی طاقت ہے جو جسم کی مشین کو چلاتی ہے۔ یہ وہ مقصد ہے جس کے لئے جینا بھی وقف ہے اور مرنا بھی مسلم کا ایک ہی نصب العین ہے کہ زندگی کے انفرادی اور اجتماعی معاملات میں بھی جہاں اسے بتلا دیا گیا ہے اللہ اور رسول کے اوامر و نواہی کو نافذ کرے۔ مسلم جہاد کرتا ہے، ہجرت کرتا ہے، بلکہ شہید تک ہو جاتا ہے لیکن وہ کسی صورت تعاون نہیں کرسکتا۔ دنیاوی آقاؤں کے ان احکام سے جو قرآن و سنت سے ٹکراتے ہیں۔

اسلام دین فطرت ہے، دین عملی ہے اور تجربہ سے بہترین ثابت ہو چکا ہے، یہ ہرگز پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص [illegible] نہ کرے اور تاحیات کنوارا یا کنواری رہے۔ [illegible] انسانی سوسائٹی سے کٹ کر راہبانہ زندگی [illegible] بن جائے، ایمان لانے والوں سے [illegible] کہ وہ اس دنیا جہاں وہ واقعات و حالات کے [illegible] اور [illegible] کی تعمیر و تشکیل میں حصہ لے سکیں۔ انسان کے جائز جذبات اور خواہشات کو دبانا اسلام کا مقصد نہیں۔ بھوک اور جنس جیسے جسمانی مطالبات کو اسلام پوری اہمیت دیتا ہے۔ لیکن فتنہ و فساد، [illegible] اور درندوں کی حیوانیت کو برداشت نہیں کرتا۔ اسی لئے [illegible] پیش کرتا ہے [illegible] ـــ [illegible] ساتھ [illegible] ایک طرف جنس کی فطرت [illegible] کا راستہ [illegible] جائے اور دوسری طرف [illegible] اور درندگی [illegible] جائے۔

[illegible] مذاہب [illegible] اور ذہنیات کا مرکز و محور آخرت ہے دیگر مذاہب [illegible]

ہے۔ ابھی اور نقد اگر کہیں تصور آخرت کا آ گیا ہے تو اس کی حیثیت ضمنی ہے اور زیب داستان

دین اسلام اپنے رسولؐ کے اسوۂ حسنہ کو تقلید کے لئے پیش کرتا ہے۔ لیکن خدا کو ماننے والے اور نہ ماننے والے دیگر نظریات میں مقدس ہستیوں کے نقش قدم پر چلنا ضروری نہیں۔ جس کا جی چاہے چلے جہاں تک جی چاہے چلے، جب جی چاہے نہ چلے۔ بلکہ بعض مثالیں ایسی ہیں کہ ان پر کوئی شریف آدمی چلنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

مثلاً ہندو، یونانی اور چند دیگر صنمیات میں دیوتاؤں اور دیویوں کی کثرت ازدواج اور کثرت تعلقات کی وہ طوفانی بدتمیزی پیش کی گئی ہے کہ الاماں۔ برہمنوں کی مقدس ہستیوں میں راجہ دسرتھ اور ان کے قابل فخر فرزند رامچندر جی کے پاس بیویاں اور غیر بیویاں ہزاروں ہزار کی تعداد میں تھیں۔ لیکن آج ہندو اور یونانی وحدت ازدواج کی سب سے سرگرم وکالت کرتے ہیں۔ کیونکہ جو مثال ان کے دیوتاؤں اور راجاؤں نے پیش کی ہے وہ ہرگز قابل عمل نہیں۔ ہندو اپنے مذہب کو چھوڑ چھاڑ کر وہی کرتا ہے جو اس کے اپنے یا اس کی سوسائٹی کے یا اس کی سیاست کے مفاد میں ہے۔

یہی کچھ حال یہودی کا ہے۔ اس کا بائبل بتاتا ہے کہ حضرت داؤدؑ، حضرت سلیمانؑ اور دیگر پیغمبروں کے پاس سینکڑوں بیویاں اور غیر بیویاں تھیں (نعوذ باللہ)۔ حضرت لوطؑ اور ان کی بیٹیوں پر تو اور بھی سخت تہمت ہے۔ مگر آج کا یہودی اخلاق کے اس معیار کو نہیں مانتا وہ اپنا معیار اور اپنا اصول الگ رکھتا ہے۔ اگر کبھی کبھار وہ اپنے پیغمبروں کے نقش قدم پر چلتا ہے تو صرف وہیں جہاں مادی مفادات مطالبہ کرتے ہیں۔

اگرچہ مسیح نے شادی کی وہ بھی نہ کی لیکن ہر عیسائی خوب جانتا ہے کہ شادی کرنا عیسائیوں کی آئندہ نسل کو منقطع کر دیتا ہے اور اس طرح عیسائیت کو ختم کر دیتا ہے۔

کمیونسٹ [illegible] ازدواج کے باہمی حقوق کو حیاتی اور قانونی درجہ دینا پسند نہیں کرتا۔ اسے جنگل کی حیوانیت زیادہ پسند ہے۔ چنانچہ [illegible] زندگی ایک عورت کے ساتھ گزار دی لیکن اس کے ساتھ شادی کرنا پسند نہ کیا۔

سوال یہ ہے کہ ہندو یا یونانی یا یہودی یا عیسائی یا کنفیوشس یا کمیونسٹ اپنے طرز فکر کو کیوں پسند کرتا ہے؟ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ اس کا مذہب ایک طرف اسے ایک خاص ذہن، ایک خاص سماج اور ایک سیاست عطا کرتا ہے اور دوسری طرف اسے تمام انفرادی اور اجتماعی آزادی عطا کر دیتا ہے کہ جو چاہے کرے۔ اسے ایک ایسا خدا (یا ناخدا) عطا کرتا ہے جو نیک و بد کا فرق نہیں جانتا، جو کسی شخص کے اعمال کا ریکارڈ رکھنے کے تکلف میں نہیں پڑتا اور جس کے ہاتھ میں نہ انصاف ہے نہ سزا۔

اس لئے بڑی ہنسی آتی ہے جب یہ سوال — پیغمبر اسلام نے اتنی شادیاں کیوں کیں — وہ لوگ اٹھاتے ہیں جن کے دیوتاؤں اور مقدس ہستیوں کے دامن بدکرداری کی انتہا سے داغدار ہیں۔ جن کے خود اپنے جنسی تعلقات سینکڑوں اور ہزاروں سے ہوتے رہتے ہیں۔ اور جن کے یہاں طلاقوں، ناجائز بچوں، کنواری ماؤں، جنسی بیماریوں اور شب و روز خودکشیوں کی بھرمار ہے۔

اس سوال کے بار بار اٹھنے کا ایک ہی سبب معلوم ہوتا ہے۔ تنقید کرنے والے ہمیشہ ایک ہی پہلو سے غور کرتے ہیں کہ شادی کرنے والے کو اس دنیا نے کیا دیا — جنس، حسن، رومان، دولت، سوسائٹی میں مقام، سرکاری یا تجارتی فوائد وغیرہ۔ اگر نقطۂ نظر یوں بدل دیا جائے کہ ایک مسلمان شادی کرتا ہے اسلام کے لئے، تو بہت سی تنقیدوں کے ڈھانچے خود بخود زمین پر آ رہیں گے۔ اسلام اللہ کی خوشی کا نام ہے۔ اپنی خوشی کا نام نہیں۔ (باقی آئندہ)

جہیز کی لعنت کا شاخسانہ

جے پور۔ ۹ مارچ۔ راجستھان ہائی کورٹ کے مسٹر جسٹس جی۔ ایم لودھا نے جہیز کے سبب ہونے والی اموات کو روکنے کے لئے سخت قوانین بنائے جانے کی ضرورت کا احساس دلایا ہے اور جہیز کے سبب اموات کو سنگین نوعیت کے سماجی جرائم قرار دیا ہے۔

مسز ارمیلا کے شوہر اشوک کمار کی گرفتاری سے بچنے کے لئے ضمانت کی درخواست کو مسترد کرتے ہوئے مسٹر جسٹس لودھا نے اپنے فیصلے میں کہا کہ یہ کوئی تنہا واقعہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ نہ جانے کتنی ارمیلائیں جہیز کی لعنت کی وجہ سے لقمۂ اجل بنتی ہیں۔

یا تو وہ خودکشی کر لیتی ہیں یا ان کو ہلاک کر دیا جاتا ہے۔ مسز ارمیلا کی جان جہیز کی لعنت کے سبب گئی تھی اور اس واقعہ نے پورے راجستھان کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔

فاضل جج نے مزید کہا کہ یہ سماج، عورت اور سب سے زیادہ تو غربت کے خلاف ایک جرم ہے۔ یہ مسئلہ قانون سازوں کی فوری اور گہری توجہ کا طالب ہے۔ اس لعنت کو ختم کرنے کے لئے قانون کے ترجمانوں اور قانون پر عمل درآمد کی مشینری کو عمل پیرا ہو جانا چاہیئے۔ اس کے ساتھ ساتھ سماجی اصلاحات کے ذریعے اس لعنت کو دور کیا جانا چاہیئے۔

کسی عورت کی جان محض جہیز کی لعنت کی وجہ سے چلی جائے یہ بات سماج کے ماتھے پر ایک کلنک ہے اور موجودہ نسل کے لئے ترقی کی راہ کی سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ مسٹر جسٹس لودھا نے اپنے فیصلے میں کہا کہ جہیز کی لعنت کے خاتمہ کے لئے قانون سازوں کو سخت قوانین بنانے کی طرف توجہ دینا چاہیئے۔

مسز ارمیلا کی موت کا واقعہ یہ تھا کہ اس نے خودسوزی کے ذریعے خودکشی کر لینے سے قبل ایک تحریر لکھ چھوڑی تھی کہ وہ بہت غمگین رہتی ہے اور سخت دماغی اذیت کے تحت زندگی بسر کر رہی ہے۔

اس کو اس کے شوہر اور رشتے کے سسرالی اعزا مبینہ طور پر اذیت پہونچاتے رہے ہیں محض اس لئے کہ وہ اپنے ساتھ جہیز میں نہ تو ٹیلی ویژن لائی اور نہ ہی ریفری جریٹر۔ اور اس کے شوہر کو سسرال سے نہ تو اسکوٹر دیا گیا تھا اور نہ ہی ۲۵ ہزار روپیہ نقد۔

راجستھان ہائی کورٹ نے پولیس کو یہ ہدایت بھی کی کہ مقدمہ کی تفتیش مقدمہ کی سنگینی کے پیش نظر پولیس کے ایک سینیئر افسر کے ذریعہ کرائی جائے جو ایک ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس کے رتبے سے کم نہ ہو۔

ایک خط

جناب نسیم انہونوی صاحب قبلہ!!

السلام علیکم!

"لمعات" ماہ دسمبر ۷۹ء کے تحت جناب وحیدالزماں صاحب کا مضمون پڑھا۔ واقعی یہ مضمون اس قابل ہے کہ ہر مسلمان خاتون اسکو پڑھے اور عمل کرے۔

اس سلسلے کے خاص امر کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ آج کل ہماری خواتین جس قسم کا لباس استعمال کر رہی ہیں ...... اس سے اس قدر وحشت ہوتی ہے میں بیان نہیں کر سکتا۔

آج کل ہماری خواتین جو ساڑی اور بلوز استعمال کرتی ہیں وہ انگریز خواتین کے سکرٹ اور بلوز، جینز اور جاکٹ سے زیادہ سکسی ہیں۔ اس لئے سکرٹ کی پہننے میں صرف گھٹنے ہی کھلے رہتے ہیں۔ لیکن ساڑی اور بلوز میں سینہ، پیٹ، گردن کے نیچے کا حصہ اور کمر کھلے رہتے ہیں۔ اگر بلوز کا گلا نیچے تک ہو (جیسے لوکٹ بلوز کہتے ہیں) تو سینہ بھی نظر آتا ہے۔

ہماری ماں، بہنیں وغیرہ جب اس قسم کا لباس پہن کر لاپرواہی سے گھر میں رہتی ہیں۔ گھر میں جوان بیٹے ہوتے ہیں اور ان کے سامنے ایسے حیا سوز نظارے آتے ہیں۔ [illegible] یہ خیال کرتی ہیں کہ ہمارا ہی بچہ ہے۔ لیکن وہ یہ نہیں جانتیں کہ وہ ایک زہریلی شے کا بیج جوان لڑکوں کے دل و دماغ میں بوتی ہیں اور یہ زہر اندر ہی اندر اپنا کام کرتا چلا جاتا ہے اور گھر کے جوان لڑکے یہ زہر [illegible] عورتوں پر اس کا استعمال کرتے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ [illegible] اپنی ماں اور بہنوں کو غلط نظر سے نہیں دیکھتا لیکن وہ [illegible] پڑ جاتا ہے۔

براہ کرم میرے اس خط کو حریم کے صفحات میں جگہ [illegible] ہماری خواتین کو شریعت کا لباس استعمال کرنے کی [illegible] آمین! ہماری خواتین کم از کم ساڑی اور بلوز [illegible] چھپا لیں میں کہوں گا بالکل حرام ہے [illegible]

مرسلہ [illegible]

JEAN ✓ SKIRT ✓

LOWKUT ✓

آئیڈیل لاعلاج بیماری نہیں

عالیہ نشاط ۔ بہرائچ

آئیڈیل پر اتفاق سے میری ایک سہیلی کی بات چیت ہوئی اور اسی پر میرے دماغ میں یہ بات ابھری کہ آئیڈیل ایک بیماری نہیں ہے یہ تو ہماری زندگی کا پہلو ہے۔ جب سے دنیا بنی ہے اور عورت کا وجود اس دنیا میں آیا تب ہی سے یہ الفاظ بھی ہماری محفل میں جانے جانا لگا دنیا میں انسانوں کا ایک ہجوم ہے اس ہجوم میں ہر کوئی اپنی اپنی تلاش میں سرگرداں ہیں ان میں عورتیں بھی شامل ہیں عورت جو ماں، بہن، بیوی بیٹی ہے ہمارے معاشرے میں لڑکی کے بڑے ہونے پر ہر گھر میں اکثر پیغام آنے لگتے ہیں معصوم سی کلیاں جن کو پھول بن کر اپنے چمن کو اپنی مہک سے مہکانے میں لگ جانا اگر وہ اپنے چھوٹے سے دل میں ایک تصویر سی بسا لیں تو اس میں کیا برائی ہے ماں باپ ایک اچھے گھرانے کی تلاش شروع کر دیتے ہیں تو اگر لڑکی کے دماغ میں ایسا خاکہ بن جائے تو یہ بیماری نہیں ہے یہ انسان کی تلاش ہے اگر کوئی لڑکی اپنے ہم خیال جیون ساتھی چاہے تو کیا برائی ہے لڑکی پہلے بیوی پھر ماں اور بہن کا درجہ پاتی ہے آپ خود ہی فیصلہ کریں یہ آپ عزیز بہنیں یہ کہتی جاتی ہیں کہ آپ کا کوئی لڑکا ڈاکٹر بنے پڑھے کے سماج میں ایک اعلیٰ حیثیت کا مالک بنے یہ آپ کا آئیڈیل نہیں تو کیا ہے آپ کا سوچنا ہی آئیڈیل ہے آپ کا یہ آئیڈیل ضرور کسی لڑکی کا بھی ہو سکتا ہے جو لڑکی اپنے دماغ میں آئیڈیل کو جگہ دے گی وہ ضرور ہی لڑکے کے آئیڈیل پر پوری اترے گی لفظ آئیڈیل سے منہ موڑنا ایک [illegible] ہماری زندگی [illegible] وہ پہلے طرح کی بہاریں نہیں ہوتی ہمارے آئیڈیل ہمارے حسین خواب ہیں ان کو دیکھنا ہیں ضرور چاہئے یہی تو [illegible] زندگی کی تلاش ہیں ہمارے جینے کا سہارا ہے [illegible] سے جڑا ہوا ہے ہم کہ [illegible] تلاش میں لگے رہتے ہیں [illegible] کامیاب ہو جاتے ہیں اور اگر [illegible] مقدر کے کھیلے [illegible] کیا بس [illegible] ہو جاتے شادی [illegible] گھر ہستی میں الجھے اور ختم ہو گئے انسان کی زندگی نام ہے جدوجہد کا اور ہر لڑکی ہر انسان اپنی [illegible] میں [illegible] میں مشغول ہے میری تو یہ دعا ہے کہ ہر انسان جنے اپنے آئیڈیل میں کامیاب ہو اور یہ لاعلاج بیماری میں ہر کوئی مبتلا ہو

آئیڈیل ایک لاعلاج مرض ہے بھی نہیں یہ تو ہمارے جینے کا راز ہے اگر ہماری زندگی اس لفظ سے خالی ہو جائے تو آپ ہی بتائیے بے کیف زندگی میں آپ رنگینی تلاش کیسے کریں گی کیا آپ نوجوانی میں ہی بوڑھی ہو کر ایسی مصروف ہو جائیں گی کہ آپ کے دل و دماغ میں کوئی خیال ہی نہیں آئے بتائیے کیا آپ ایسا کر سکتی ہیں؟ تو اس کا جواب نہیں ہی دیں گی میں یقین کے ساتھ کہہ سکتی ہوں کہ اس میں کوئی بھی انسان کا دماغ کسی بھی عمر میں اس الفاظ سے خالی نہیں ہو سکتا۔

خیر میں آپ سب بہنوں سے یہ گذارش کرتی رہوں کہ آپ مجھے یہ ضرور لکھیں کہ میرے اس خیال سے کہاں تک متفق ہیں تو میں آپ سب کی شکر گذار ہوں گی۔

لطیفے

• ایک نائی ایک ہپی کے بال کاٹ رہا تھا ایک گھنٹہ کے بعد اچانک وہ رک گیا اور بولا۔ صاحب کبھی آپ ۱۸۷۷ء میں رہ رہے ہیں کیا۔

ہاں.... تھا ....تو .... پر تمہیں کیسے پتہ چلا...؟

آپ کے بالوں کی تیسری تہہ میں سے ۱۸۷۷ء کی ایک ٹوپی نکلی ہے۔

(مرسلہ: نزہت نرگس۔ چن پٹنہ)

• جب امریکہ سے بیٹا ہندوستان آیا تو ماں باپ اسے لینے اسٹیشن پر گئے جیسے ہی وہ ریل سے اترا ایک نوجوان عورت "ارے بیٹے تم آ گئے" کہہ کر اس سے لپٹ گئی۔ وہ تعجب سے دیکھنے لگا تو ماں کہنے لگی بیٹا تم نے جو گولیاں بھیجی تھیں وہ میں نے ایک گولی کھائی جس سے میری عمر ۲۰ سال کم ہو گئی۔ بیٹے نے پوچھا۔ اور امی ابو کہاں ہیں ماں نے کہا بیٹا انھوں نے دو گولیاں کھالی تھیں وہ آیا کی گود میں آ رہے ہیں۔

(مرسلہ۔ شہناز عابد)

والدین کی خدمت سب سے بڑا جہاد ہے

سید فضل الرحمٰن جعفری

ایک دفعہ مجلس نبویؐ میں صحابہ کرامؓ حاضر تھے۔ زبانِ نبوت سے اچانک یہ الفاظ ادا ہوئے۔

"وہ خوار ہوا۔ وہ خوار ہوا۔ وہ خوار ہوا۔"

صحابہؓ نے عرض کیا۔

یا رسول اللہؐ! کون خوار ہوا؟

ارشاد ہوئی ہوا۔

وہ جس نے اپنے ماں باپ کو یا ان میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پایا۔ اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت حاصل نہیں کی۔"

جو لوگ بیٹے والدین کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں ان کی خدمت اور اطاعت میں لگے رہتے ہیں۔ ان کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس نیکی کے بدلے میں ان کے تمام گناہ معاف کر دیتا ہے۔ ماں باپ کی عظمت اور ان کی عزت کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اگر ماں باپ بت پرست ہوں اور وہ اپنی اولاد کو بت پرستی کی طرف بلائیں تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اولاد کو چاہئے کہ وہ اس حکم کے ماننے سے انکار کر دے لیکن ان کی [illegible] کے ساتھ حسن سلوک کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص کی ماں مشرک تھیں۔ انھیں جب سعد کے اسلام لانے کی خبر ملی تو انھوں نے کھانا پینا ترک کر دیا۔ بالوں میں کنگھی کرنا چھوڑ دیا۔ پلنگ پر لیٹنا اور کھانا پینا سب ہی چھوڑ دیا اور کہا کہ جب تک سعد اپنے باپ دادا کے دین پر واپس نہ آئے گا۔ میں اسی حال میں رہوں گی۔ اس حال میں سعد برابر ان کی خدمت میں لگے رہے۔ منھ چیر چیر کر ان کو پانی دیتے رہے۔ لیکن وہ اسلام سے نہ پھرے۔ ماں باپ کی اطاعت کی تاکید یہاں تک کی گئی ہے کہ قرآن پاک صاف صاف یہ اعلان کرتا ہے کہ ان کی کسی بات پر تم اف تک نہ کہو۔ ان کے سامنے ادب سے جھکے رہو۔ اور ان کی دعاؤں کو اپنے حق میں قبول سمجھو۔ انکی خدمت سب سے بڑا جہاد ہے۔

والدین کی اطاعت سے جو ثواب ملتا ہے اسے حضور اقدسؐ نے ایک حکایت کے ذریعہ اس طرح فرمایا ہے۔

تین مسافر سفر کر رہے تھے۔ اتنے میں موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ تینوں نے ایک پہاڑ کے غار میں پناہ لی۔ اتفاقاً ایک چٹان اس طرح گری کہ غار کا منھ بند ہو گیا۔ اب مسافروں کو سخت پریشانی ہوئی۔ انھوں نے بارگاہ الٰہی میں دعا کی۔ اور اس وقت ہر ایک نے اچھی نیکی کا واسطہ دیکر خدا سے مدد چاہی۔

ایک نے کہا۔ اے بار الٰہا! میرے والدین بوڑھے تھے اور میرے بچے بہت چھوٹے چھوٹے تھے۔ میں بکریاں واپس لاتا تو دودھ دوہ کر پہلے اپنے ماں باپ کو پلاتا۔ پھر اپنے بچوں کو۔ ایک دن میں دیر سے گھر پہنچا، ماں باپ سو چکے تھے میں دودھ لے کر ان کے سرہانے کھڑا ہو گیا۔ ان کو جگایا اس لئے نہیں کہ ان کے آرام میں خلل پڑے گا اور جگہ سے ہٹا اس لئے کہ نہ جانے کب وہ جاگ اٹھیں اور دودھ مانگیں۔ اس وقت بچے بھوک سے بلک رہے تھے مگر مجھے یہ گوارا نہ ہوا کہ ماں باپ کو چھوڑ کر ان کو پہلے پلاؤں۔ اس حال میں میں ساری رات کھڑا رہا۔ اور وہ سوتے رہے۔" اے اللہ! اگر یہ کام میں نے تیری خوشنودی کے لئے کیا ہو تو غار کھول دے۔ پھر دوسرے مسافروں نے بھی اپنے نیک کاموں کو وسیلہ بنا کر دعا کی اور غار کا راستہ کھل گیا۔

ہمیں یہ جاننا چاہئے کہ آخر ماں باپ کی اطاعت کی اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے۔ کیوں فرمایا گیا ہے کہ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے؟ کیوں ارشاد ہوا ہے کہ رب کی خوشنودی باپ کی خوشنودی میں ہے؟ کیوں حسن سلوک کا سب سے زیادہ حقدار ماں کو قرار دیا ہے؟ کیوں آپ نے صحابہ کرامؓ کو تاکید کی:

"خدا نے ماؤں کی نافرمانی حرام کی ہے"

ایک دفعہ کسی صحابی نے آپ سے جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی۔ آپ نے پوچھا۔

"تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟"

عرض کیا: جی ہاں۔

ارشاد ہوا: جاؤ۔ ان کی خدمت کرتے رہو۔

یہ مرتبہ و مقام اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کو کیوں عطا کیا ہے۔؟ اس لئے کہ باپ تمہاری تخلیق کا ایک ظاہری ذریعہ ہیں۔ ماں اپنے بچے کو خون جگر پلا کر پالتی ہے۔ اس کی تربیت اور نشو و نما میں محنت شاقہ برداشت کرتی ہے۔ اس کی پیدائش میں سخت مصیبت سے دوچار ہوتی ہے۔ اس پر اپنا آرام و راحت قربان کرتی ہے۔ اپنی ہر خوشی اس پر نثار کرتی ہے، ان ہی باتوں سے یہ بات ثابت ہے کہ انسان اپنے وجود کی بقاء میں سب سے زیادہ ماں کی محنت کا مرہون منت ہے۔

پھر کیا ہم ماں باپ کے حسن سلوک، اور ان کے احسانات کا اعتراف کرتے ہیں۔؟ کیا اسلام کی یہ تعلیمات مسلمانوں کو یہ سبق نہیں دیتیں کہ وہ اپنی زندگی اسی سانچے میں ڈھالیں۔ اور اس طرح دنیا اور آخرت میں بامراد اور کامران ہوں۔ ماں باپ کی نافرمانی کو اسلام نے حرام قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام کی ہے ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی، اور لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا۔ اور حرص، بخل اور فساد سے بھی اس نے ناپسند کیا ہے۔

• بیکار قسم کی گفتگو، بہت زیادہ سوال کرنا، اور مال کو برباد کرنا۔

اس حدیث میں بیکار، اور بے مقصد گفتگو سے مسلمانوں کو احتراز کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ زیادہ سوال کرنے سے مراد یہ نہیں کہ آدمی جو بات نہیں جانتا اس کے بارے میں سوال نہ کرے۔ سوال کرنے سے روکا نہیں گیا۔ البتہ اس طرح کرید کرنے سے روکا گیا ہے جس طرح لوگ محض تمسخر یا مخالفت کے لئے کرید کرتے ہیں۔ اس طرح کے سوالات کی مثال بنی اسرائیل کی زندگی میں ملتی ہے، اس قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گائے کے بارے میں کہے تھے جن کا مقصد محض استہزا تھا۔ وہ شریعت کا مذاق اڑانا چاہتے تھے۔ اصل یہ ہے کہ اس قسم کی لایعنی باتیں وہ لوگ کرتے ہیں جو دین کی تعلیمات پر عمل کرنا نہیں چاہتے اور خواہ مخواہ دوسروں کو پریشان کرنا چاہتے ہیں۔ ماں باپ کے حقوق کے سلسلے میں جو ہدایات دی گئی ہیں وہ صرف ان کی زندگی تک نہیں بلکہ ان کی موت کے بعد بھی ان کے حقوق باقی رہتے ہیں۔ چنانچہ ابو داؤد کی ایک حدیث میں حضرت ابو اسید فرماتے ہیں کہ ہم حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ اسی اثناء میں بنو سلمہ کا ایک آدمی خدمت نبوی میں حاضر ہوا۔ اور اس نے کہا: "اے اللہ کے رسول! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ماں باپ کے وفات پا جانے کے بعد ان کا کوئی حق باقی رہتا ہے جسے میں ادا کروں۔؟"

ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوا۔

"ہاں! ان کے لئے دعا، استغفار کرو اور جو جائز وصیت وہ کر گئے ہیں اسے پورا کرو۔ اور والدین سے جن لوگوں کی رشتہ داری کا تعلق ہے ان کے ساتھ صلہ رحمی کرو۔ اور ماں باپ کے دوست اور سہیلیوں کی عزت اور خاطر داری کرو۔"

من کا آنگن

ساجدہ مرزا

کوریڈور میں دور سے دینا آرہی تھی۔ کالے پرنٹیڈ شلوار قمیص میں معصوم حسن کا پیکر، وقار سے قدم اٹھاتی ..... میں خاموشی سے اس کو آتا دیکھتی رہی۔ فاسٹل کے دو لڑکے آپس میں کہہ رہے تھے "یار اس ڈپارٹمنٹ کی سب سے منفرد لڑکی ہے۔ انتہائی گریس فل اور ذہین۔" دوسرا بولا "مشرقی عورت کا مجسم تصور ہے ..... یوں لگتا ہے اس کو چھو دو گے تو ٹوٹ جائے گی۔ نازک سی گلاب کی شاخ۔"

میرے ہاتھ سے فائل چھوٹ کر زمین پر گرا تو وہ دونوں چونک گئے ان کو احساس نہیں تھا کہ میں یہاں کھڑی ہوں کیونکہ درمیان میں برآمدے کا ستون تھا۔ وہ شرمندہ سے آگے بڑھ گئے۔ اتنے میں دینا میرے نزدیک آگئی۔ میں نے زمین سے فائل اٹھاتے ہوئے شرارت سے کہا "یہ کون سا انداز ہے کہ لوگوں کے بجائے تم نے میری فائل کو گھائل کر دیا۔" وہ خاموشی سے مسکرائی اور میری بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ "ذرا اکنامکس ڈیپارٹمنٹ تک چلنا۔ مجھے اپنے ٹسٹ کے مارکس معلوم کرنا ہیں" میں سمجھ رہی تھی کہ سر نے مارکس نوٹس بورڈ پر لگا دیئے ہیں پھر ہم دونوں باتیں کرتے ہوئے اکنامکس ڈیپارٹمنٹ کی طرف چل دیئے۔

دینا کہنے لگی "سنو! ذیشان کا فون آیا تھا۔ وہ شام کو باہر چلنے کو کہہ رہا ہے۔ میں نے منع کیا تو ناراض ہونے کی دھمکی دی کہنے لگا ایک ہفتہ ہو گیا "اسپین جا رہا ہوں۔ میری پوسٹنگ ہو گئی ہے شام کو شنو کے گھر سے ساڑھے سات بجے لوں گا ..... " اور فون رکھ دیا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا ہے جاؤں کہ نہ جاؤں۔"

میں نے پیار سے اس کو ہاتھ مارتے ہوئے کہا "تم ضرور جاؤ کوئی وہ تمہیں کھا تو نہیں جائے گا۔ تم سولہ سال کی الھڑ لڑکی تو نہیں ہو کہ جذبات کی رو میں بہہ جاؤ گی۔ عقلمند ہو۔ ٹھیک ہے جاؤ زیادہ اترانے کی ضرورت نہیں ہے۔ پرخلوص اور چاہنے والے لوگ تمہیں بار بار نہیں ملیں گے۔ حبیب کو بھول جاؤ۔ اپنے ذہن سے بالکل جھٹک دو۔ وہ امریکہ میں شادی کر چکا ہے اور یہ محترمہ اب تک اس کے نام کی مالا جپ رہی ہیں۔ لڑکی! چانس ملا ہے تو ہمت کرو۔ اب اپنے مستقبل کا فیصلہ تمہیں خود کرنا ہے۔ بیوقوفی سے باز آؤ۔ ذیشان انجینیئر ہے۔ تم کو چاہتا ہے۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ تم کو شرافت سے پروپوز کرتا ہے تم اب اور کیا چاہتی ہو؟"

اتنے میں اکنامکس ڈیپارٹمنٹ آگیا۔ وہاں لڑکیوں کا ایک گروپ بیٹھا تھا جو دینا کو اس کی لمبی لمبی سوئی سوئی آنکھوں کی وجہ سے "چغتائی آرٹ" کہہ کر چھیڑتا تھا۔ آج بھی وہ شریر لڑکیاں نظر آئیں تو دینا دوسری طرف سے لمبا سا چکر کاٹ کر جانے لگی۔ لڑکیاں سمجھ گئیں اور وہ ہسٹری ڈیپارٹمنٹ سے گھوم کر آگئیں۔ "ہیلو چغتائی آرٹ" کہتی ہوئی شرارت سے ہنستی ہوئی چلی گئیں۔ دینا کو برا بھلا کہنے لگے "عجیب ہیں، لڑکوں کی طرح آوازے کستی ہیں بہت بدتمیز لڑکیاں ہیں۔"

میں نے اس کو ٹوکتے ہوئے کہا "ایک تو محترمہ کی تعریف کرتی ہیں اور یہ ان کو بدتمیز کہہ رہی ہیں۔ ان کا تو شکریہ ادا کرنا چاہیئے۔ کالج میں جب فرسٹ ایر کی لڑکیاں تم کو "حسن خوابیدہ" کہتی تھیں تو تم دعیٹوں کی طرح مکرر ارشاد کہتیں جب کچھ نہیں ہوتا تھا وہ بدتمیزی نہیں تھی۔"

دینا بولی "وہ زمانہ اور تھا۔"

میں نے [illegible] کہا "اب [illegible] ہو گئی ہو۔"

دینا بولی "اچھا بابا اب تم اپنی فلاسفی مت شروع [illegible]

۴۵ منٹ تک پاک [illegible] کے کلاس میں بیٹھی [illegible] صاحب [illegible] اب تم بور مت کرو [illegible] کر دی ہو [illegible] میرے پاس اسپیر [illegible]

دینا [illegible] بات مجھے [illegible] ٹھیک ہے اب تم مجھ سے تین نٹ [illegible]

دینا نے جو بات [illegible] انداز میں [illegible] سے بولی "[illegible]

تو جامعہ کی یونین نے لڑکوں اور لڑکیوں کے درمیان لگائی ہے۔"

اس پر مجھے ہنسی آ گئی پھر ہنسی کے ساتھ دونوں کی صلح ہو گئی ...

کلاسیز اٹینڈ کر کے دینا اور میں بس کے پوائنٹ کی طرف چل دئے مگر دینا کو تمام راستے سمجھاتی رہی کہ وہ ذیشان سے شام کو ضرور ملے ورنہ غلط فہمی کی بنا پر ہمیشہ کے لیے بات بگڑ جائے گی۔ پھر شادی تو بہر حال کرنی ہی ہے۔ راجوں مہاراجوں کی بیٹیوں کی بھی شادی ہوتی ہے یہ تو معاشرے کا دستور ہے۔ انسانی فطرت کا تقاضا ہے۔ پھر تم یوں کب تک بیوہ ماں کے گھٹنے سے لگی ان کے غم میں اضافہ کرتی رہو گی۔ پھر تمہاری منگنی ہی تو ٹوٹی ہے نا.... اس میں بھی تمہارا تو قصور نہیں تھا؟ اگر محبوب بے وفا نکل گیا۔ اس نے اپنی ذمہ داری نہیں سمجھی۔ اس نے تم سے کیا ہوا وعدہ نہیں نبھایا تو تم کیوں اس کے لیے اپنی زندگی برباد کرتی ہو۔ ایک ایسے بے غیرت مرد کے لیے جو بزدل بھی ہے جس نے امریکہ پہنچنے کے بعد امیگریشن کی خاطر تمہارے معصوم جذبات کی پرواہ کیے بغیر غیر ملکی لڑکی کو اپنی باہوں میں سمیٹ لیا اور تم ہو کہ اس کے نام پر جینا چاہتی ہو۔ اور عجیب تو تمہارے گھر کے حالات، تمہاری بیوہ ماں کا دکھ سب کچھ جانتا تھا۔ اس کو کچھ بتانے یا اس سے کچھ چھپانے کی تو ضرورت نہ تھی۔ وہ تمہاری تمام محرومیوں سے واقف تھا۔ اس کو تمہاری چاہت کا بھی علم تھا۔ پھر بھی اس نے تمہیں دھوکہ دیا۔ پانچ سال تک تم اس کے نام سے منسوب رہیں .... کسی لڑکی کے لیے یہ معمولی بات نہیں۔ پھر تم ایسے شخص کے لیے زندگی کی خوشیاں تیاگ رہی ہو۔

دینا لہجے کی کاٹ کو محسوس کرتے ہوئے بولی "دیکھو شنو! مرد بھی انسان ہیں فرشتے تو نہیں۔ انسان کو انسان کی نظر سے دیکھو پھر غلطی تو فرشتوں سے بھی ہوتی ہے۔"

مجھے دینا کے اس رویے پر بڑی حیرت ہوئی۔ بس مجیب کو بے قصور ثابت کرنے کی کوشش مت کرو۔ اتنے میں سامنے سے پوائنٹ کی بسیں آنا شروع ہو گئیں جس میں لوگ سب بھول اس طرح ٹھنسے ہوئے تھے جیسے آج کے بعد تو شاید بسیں چلیں گی ہی نہیں۔ آدھے بس سے باہر لٹکے ہوئے تھے تو آدھے اندر۔ رستے بڑی مشکل سے مجھے اور دینا کو اپنے گھر کی بس میں جگہ ملی۔ بس میں چڑھتے چڑھتے بھی میں نے رک کر کہا دیکھو شام کو ضرور جانا اور دینا صرف مسکرا دی۔

وہ گھر آئی تو سوچتی رہی کہ اگر شنو اور ذیشان کی بات مان لوں تو امی سے کیا بہانہ کروں گی۔ شنو تو کل ہی آئی تھی ہمارے گھر امی لاکھ آزاد خیال سہی نرم دل سہی لیکن ان کو لڑکیوں کا اس طرح گھومنا پسند نہیں۔ پھر پہلی بار زندگی میں ماں سے اتنا بڑا جھوٹ بول رہی تھی۔ ذہن اور دل میں عجیب کشمکش ہو رہی تھی ٹھیک سے کھانا بھی نہ کھا سکی حالانکہ آج امی نے اس کی پسند کا سبزی پلاؤ پکایا تھا مگر آج اس کو جھوٹ بولتے ہوئے اس طرح خوف آ رہا تھا جیسے مجرم پہلی بار جرم کر رہا ہو۔ بڑی مشکل سے ہمت کر کے اس نے امی سے کہا آج میری دوست فوزیہ کی سالگرہ ہے۔ وہاں چلی جاؤں۔

انھوں نے ماتھے پر شکن ڈال کر کہا "کیا روز کا چکر ہے۔ آج شنو کے ہاں جانا ہے کل فوزیہ کے ہاں جانا ہے۔ تم نے تو اپنے پیروں میں بلیاں باندھ رکھی ہیں۔ مجھے لڑکیوں کا اس طرح گھومنا پسند نہیں لوگ باتیں بناتے ہیں گھر میں مرد نہیں تو لڑکی آزاد ہو گئی ہے اور پھر جس گھر میں مرد نہ ہو وہاں تو چچا ماموں کا آنا بھی شک کی نظر سے دیکھتے ہیں

دینا اس وقت چپ چاپ اپنے کمرے میں آ گئی لیکن اس کا موڈ آف ہو گیا۔ ویسے بھی وہ امی کی عادت جانتی تھی۔ اگر بحث کی تو اور غصہ بڑھ جائے گا اور پھر وہ ریکارڈ شروع ہو گا کہ دو دن تک چلتا رہے گا۔ شام ۵ بجے جب وہ امی کے لیے چائے بنانے کے لیے اٹھی تو خاموش رہی۔ چائے بنا کر لائی تو امی نے اس کی روئی روئی سی سرخ آنکھیں دیکھیں تو اپنی معصوم سی بیٹی پر ممتا آ گئی۔ نرمی سے بولیں فوزیہ کا گھر زیادہ دور تو نہیں؟ دینا کی آنکھوں میں امید کی کرن چمکی۔ جلدی سے بولی نہیں امی نزدیک ہی ہے۔ مگر ماں تھیں نا اور وہ بھی جوان اور خوبصورت بیٹی کی ماں۔ لڑکی خوبصورت نہ بھی ہو۔ لیکن جوان ہو تو مائیں نیند میں بھی آنکھیں کھول کر سوتی ہیں۔ یہ سوچ کر کہنے لگیں واپس کیسے آؤ گی۔ دینا نے کہا امی وہ فوزیہ اپنی کار میں چھوڑ دے گی تب کہیں جا کر اجازت ملی مگر اس تاکید کے ساتھ کہ جلدی لوٹ آنا۔ دینا نے خوش ہو کر امی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ امی نے لاڈ سے ڈانٹتے ہوئے کہا لیکن پہلے گھر کا کام کرو پھر جانا۔ دینا اب تو ہر شرط ماننے کو تیار تھی۔ ہاں

نے فوراً گھر ٹھیک کیا جھاڑو دی برتن دھوئے پھر اپنے کپڑے نکال کر تیار ہونے لگی۔ تیار ہو کر باہر آئی تو امی نے اس کے سادے سے لباس پر نظر ڈالی۔ ہلکا آسمانی رنگ کا کرتا شلوار جس پر اس نے خود گلابی رنگ کے ریشم سے بیل کاڑھی تھی پہن رکھی تھی۔ انھوں نے کہا دینا اتنے سادے کپڑے دعوت میں؟ ارے کانوں میں بندے تو ڈال لو۔ مگر اس نے کہہ دیا امی کون سی بڑی پارٹی ہے بس سب سہیلیاں ہی تو ہوں گی اس لیے یہ سادے کپڑے ٹھیک ہیں۔ امی کو تو مطمئن کر دیا مگر دل میں شرمندہ سی ہو گئی کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے۔

اس کی امی دروازہ بند کرتے ہوئے اس کو سڑک پر جاتا دیکھتی رہیں ایک خالی رکشہ نظر آیا۔ دینا نے روکا لیکن کراچی کے رکشہ والے بھی اپنی مرضی کے مالک ہوتے ہیں۔ بے نیازی سے کہا وہ ٹیپو سلطان روڈ نہیں جائے گا۔ دینا نے غصہ سے کہا کیا وہاں کے قرضدار ہو لیکن دینا کا جواب سننے سے پہلے ہی وہ جا چکا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد دوسرا رکشہ ملا۔ دینا نے ڈرتے ڈرتے کہا ٹیپو سلطان روڈ جاؤ گے۔ اس وقت اس کو اپنی بے بسی کا احساس ہوا مگر یہ رکشہ پہلے رکشہ والے سے مختلف تھا۔ گٹھیا رنگین رومال منہ میں پان کی لالی ایک ادا سے دینا کو گھورتے ہوئے دیکھا پھر بولا ارے ٹیپو روڈ کیا ہم تو جہنم میں بھی جائے گا۔ دینا نے گھڑی دیکھی سوا سات بج رہے تھے مجبوراً اس کو رکشہ میں بیٹھنا پڑا۔ بیٹھ تو گئی مگر سارے راستے رکشہ والے سے خوف کھاتی رہی۔ خدا خدا کر کے میرے گھر پہونچی پھر تھوڑی دیر بعد ذیشان بھی آ گیا۔

ذیشان نے دینا سے بڑی فرمانبرداری کے انداز میں کہا سرکار کیا حکم ہے کہاں چلیں ...؟ دینا نے پیار بھرے غصہ میں کہا کہاں جانا ہے۔ مجھے کیا پتہ خود تو بلایا ہے۔ ذیشان کہنے لگا کسی ہوٹل وہوٹل میں بیٹھنا تو مجھے پسند نہیں... گھٹی گھٹی سی فضا لگتی ہے۔ اندھیرا اندھیرا مصنوعی ماحول میں دم گھٹنے لگتا ہے۔ میرے خیال سے ساحل پر چلتے ہیں... ذرا موجوں کا شور سنیں گے اور فطرت سے قریب بھی۔

پھر گاڑی ساحل کی طرف بڑھنے لگی... راستہ بھر دینا چپ چپ سی رہی۔ بس ہوں ہاں میں ذیشان کے سوالوں کا جواب دیتی رہی۔ شاید وہ ابھی تک ذہنی طور پر تیار نہیں تھی۔ ہاں یہ سچ ہے جب انسان اپنا بہت پیار کرنے والی ہستی سے جدا ہوتا ہے تو...... اندر سے ٹوٹ جاتا ہے اپنی ہی نظروں میں گر جاتا ہے لیکن جب ساحل پر اتر کر دونوں ہاتھ تھامے خاموشی سے چلتے ہوئے پتھر کی دیوار پر بیٹھے تو چاندنی پھیلی ہوئی تھی ذیشان نے موجوں کا شور سن کر کہا کہ دینا یوں لگتا ہے جیسے یہ بہت خوش ہیں۔ خوشی سے ناچ رہی ہیں اور چیخ چیخ کر اپنی اہمیت کا احساس دلا رہی ہیں۔ دینا خاموش رہی تو ذیشان نے کہا۔ تم اتنی خاموش کیوں ہو؟ اگر میرے ساتھ آنے پر خوش نہیں ہو تو میں تمھیں واپس گھر چھوڑ آتا ہوں۔

دینا کو احساس ہوا کہ اس کے رویہ سے شانی کو دکھ پہونچا ہے کہنے لگی نہیں شانی یہ بات نہیں بلکہ میں تو سوچ رہی ہوں کہ حبیب کی طرح اگر تم بھی مجھے چھوڑ گئے تو کیا کروں گی؟

دینا جان تمام مرد ایک جیسے تو نہیں ہوتے۔ مجھ میں اور حبیب میں بہت بڑا فرق ہے یہ وقت بتائے گا۔ تم ماضی کے تمام شک و شبہات ذہن سے نکال دو۔ آج میں نے تم کو اسی لیے بلایا تھا کہ تم سے فائنل بات کر لوں کیونکہ ایک ہفتہ بعد میں اسپین جا رہا ہوں۔ پھر ۶ مہینہ بعد آ کر تم کو بھی ہمیشہ کے لیے لے جانا چاہتا ہوں۔ آپا کو میں نے راضی کر لیا ہے۔ تمھیں معلوم ہے آپا کے سوا میرا دنیا میں کون ہے اور میری آپا تمھیں بھابی بنانے پر بہت خوش ہیں۔ ان سے میں نے تمھارا غائبانہ تعارف کرا دیا تھا۔ ویسے وہ تمھارے لکھے ہوئے افسانے بھی بہت شوق سے پڑھا کرتی ہیں انھیں جب معلوم ہوا کہ شانی کی دینا "کانچ کی دیواریں" کی مصنفہ "دینا احمد" ہے تو انھوں نے میرے انتخاب کی داد دی لیکن اب معاملہ تمھاری امی کی پسند کا ہے اور مرضی کا ہے...؟ تم کہو تو میں کل ہی آپا کو تمھارے گھر بھجوا دوں۔

دینا سب کچھ حیرت سے سنتی رہی۔ اس کو یقین نہ آیا کہ سب کچھ اتنی جلدی ہو جائے گا۔ دینا نے مسکرا کر شانی کی طرف دیکھا اور آنکھیں نیچی کر لیں۔ شانی کو دینا کا جواب مل گیا اور خوشی سے اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ وہ مسرور سے لہجہ میں بولا پتہ ہے دینا پھر ہم دونوں اسپین چلیں گے۔ میں تمھیں BULL LIGHTING دکھاؤں گا۔ معلوم ہے صرف کپڑا دکھا کر کتنی بہادری اور چالاکی سے بیل کو کھیلا جاتا ہے اور پھر تماشائی سانس روکے [illegible] ہے۔ پورے وقت سسپنس قائم رہتا ہے پھر دونوں وہ گھنٹوں دیر باتیں کرتے رہے گزرے دنوں اور آنے والے وقت کی۔

اچانک شانی کی نگاہ دینا کے پیروں پر پڑی۔ کالی چپل میں گلابی نیل پالش لگے گورے گورے پیر۔ سر جھکا کر اس نے پیر چوم لئے..... یہ سب ایک لمحہ میں ہوا لیکن جب سر اٹھا کر اس نے دینا کی آنکھوں کو دیکھا تو حیران رہ گیا جہاں آنسوؤں کی دھند میں دینا کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس نے دینا سے کہا معاف کر دو۔ مجھے احساس نہ رہا کہ یہ عام جگہ ہے ہمارا بیڈ روم نہیں لیکن دینا کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ اس نے دینا کو سہارا دے کر اٹھایا اور تھکے تھکے قدموں سے کار میں آ کر بیٹھ گیا۔

"ہائیڈ آؤٹ" پر آئس کریم کا آرڈر دیا..... دینا کی طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے۔ دینا کا موڈ بدلا تو شانی نے کہا کہ پرسوں آ کر آپا تمھیں امی سے مانگ لیں گی۔ پھر کچھ دنوں بعد یہ فاصلے مٹ جائیں گے۔ دینا مسکرا دی۔ بولی شانی تم کتنے خوش قسمت ہو جو چاہا پا لیا..... ذیشان اکڑ کر بولا۔ مجھے اپنی خوش قسمتی کا یقین نہیں تھا۔ جیسے تم ہمارے ساتھ رہو گی تو تم بھی خوش قسمت ہو جاؤ گی۔ یہ ہمارے ستاروں کا اثر ہے۔ اور دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔ کافی دیر ہو چکی تھی۔ دینا کو گھر اتار کر شانو نے اپنے مخصوص لہجے میں خدا حافظ کہا اور مستقبل کے خواب سجائے گھر چل پڑا۔

دینا کی امی اب تک جاگ رہی تھیں۔ انھوں نے دروازہ کھولا اور دینا کو دیکھ کر اطمینان کا سانس لیا۔ پھر وہ اپنے کمرے میں آ کر بستر پر لیٹ گئی۔ آج نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی... آج ماضی کا ایک ایک لمحہ اس کی آنکھوں میں گھوم رہا تھا۔ دینا ذیشان کو پسند کرنے کے باوجود اس کو مجیب کی جگہ نہ دے پائی تھی۔ ان حالات میں جبکہ مجیب شادی کر چکا تھا وہ دل سے پھر بھی مجیب سے نفرت نہ کر سکی تھی۔ مجیب دینا سے تمام رشتے توڑ چکا تھا۔ اس کی بے وفائی اپنی چاہت... جذبوں پہ کیسے اختیار ہے۔

مجیب سے منگنی تو پانچ سال قبل ہوئی تھی لیکن مجیب اور دینا ایک دوسرے کو بچپن سے پسند کرتے تھے۔ خاندان کے سب ہی ہم عمر لڑکے لڑکیوں کو ان کی چاہت کا علم تھا پھر منگنی کے بعد تو سب ہی کھلے عام دینا کو مجیب کا نام لے کر ستاتے۔ دینا اگر کبھی شرارتی بھی ہوتی تو اس کی گردن جھکی رہ کر کہتی ابھی تو میں نے مجیب کو امریکہ جانے کی اجازت نہیں دی ابھی تو صرف پاسپورٹ بنا ہے دینا الینا باقی ہے اور دینا اس کی باتوں پر ہنس پڑتی۔ مجیب بھی بہت شوخ اور شریر تھا جب منگنی سے پہلے دینا کے گھر آتا تو طرح طرح سے اس کو تنگ کرتا۔ دونوں ایک دوسرے کو چھیڑتے روٹھتے منتے۔ بچپن سے جو ان کے حدود میں داخل ہو گئے۔ دونوں ایک دوسرے کو بے حد چاہتے دینا جب نلکے پر بیٹھی برتن دھو رہی ہوتی تو پیچھے سے آ کر برف کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے قمیص میں ڈال دیتا اور جب برف پگھلتی تو ٹھنڈے پانی کے قطرے پیٹھ پر بہتے تو عجیب بے چینی محسوس ہوتی گندے ہاتھ دھو کر وہ برف جھاڑتی اور مجیب کو برا بھلا کہتی جاتی اور وہ دور شرارت سے کھڑا ہنستا رہتا۔

ایک دن دینا کالج سے تھکی ہوئی آئی اور جوتوں سمیت پلنگ پر لیٹ گئی۔ تھکی ہوئی تھی یوں ہی جوتے پہنے سو گئی۔ تھوڑی دیر گزری تو دینا کو محسوس ہوا جیسے کوئی آہستہ سے اس کے جوتے اتار رہا ہے۔ تھوڑی سی آنکھ کھول کر دیکھا تو مجیب تھا۔ دینا نے دوبارہ آنکھیں موند لیں پھر اچانک اس کو اپنے پیروں پر ہونٹوں کا لمس محسوس ہوا چونک کر اس نے تڑپ کر پھیلتے دیکھا تو اٹھ کر اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ بڑی بات ہے۔ مجیب نے دینا کو ایسی نظروں سے دیکھا جو لفظوں کی قید سے باہر ہے۔ شاید... جذبے لفظ بن کر آنکھوں میں سمٹ آئے تھے اور آج جب ذیشان نے دینا کے پیروں کو چوما تو ماضی آنسو بن کر چھلک گیا۔

پھر جب دینا اور مجیب کی منگنی ہوئی تو چاہت کی یہ دوڑ رفتار ہر اور مضبوط ہو گئی۔ دونوں اتنا خوش تھے کہ یقین نہ آتا تھا کہ اتنی آسانی سے وہ ایک دوسرے کو پالیں گے۔ اب مجیب جب دینا کو ستاتا اور وہ روٹھتی تو مجیب شریر لہجہ سے کہتا کہ کیا مذاق کے لیے کوئی دوسری بیوی لاؤں وہ زمانہ اور اس کی یادیں یوں لگتا ہے جیسے کوئی سہانا سپنا دیکھا تھا اب آنکھ کھلی تو سپنوں کی مالا بکھر گئی۔ معصوم چاہت۔ نفس نفس میں بسا مجیب کا نام سب کچھ بکھر گیا اور اب اس کے وجود کی کرچیوں کو سمیٹنے شانی آیا۔ مگر شانی تمھیں کیسے بتاؤں کہ مجیب آنکھ سے دور ہے دل سے دور نہیں ہو سکا۔ لوگ تو شعور کی منزلوں میں آ کر پیار کرتے ہیں لیکن میں نے تو بچپن میں کیا تھا اس وقت اس کو چاہا جب مجھے چاہت کے بارے میں کچھ علم نہ تھا۔ محبت کے معنی کیا ہیں۔ بس وہ مجھے اچھا لگتا تھا... وہ میری کائنات تھا۔ میری سوچوں کا مرکز تھا۔ محبت کے حصول کی

آرزو دیکھے۔ میرے روئیں روئیں میں بس چکی تھی پھر مجھے کیوں اس سے محبت نہ تھی وہ بھی تو مجھ سے محبت کرتا تھا۔ جاتے وقت اس نے قرآن مقدس پر ہاتھ رکھ کر کبھی نہ بدلنے کی قسم کھائی تھی پھر وہ کیوں بدلا۔ کیا خون کے رشتے بھی جھوٹے ہیں۔ کیا ۱۷ سالوں کی یہ چاہت کی یہ ڈور اتنی کچی ہے کہ یوں آسانی سے ٹوٹ جائے۔ آج مجھے کیا کرب اور اذیت سونپی ہے تم نے؟ تم تو کہتے تھے تم تو ملکہ ہو جو میرے دل پر اپنی حکمرانی کرتی ہو پھر تم نے یہ کیا کیا۔ ہاں شاید... ملکہ ... تو میں اب بھی ہوں۔ تمہارے بخشے ہوئے جدائیوں کے محل میں انتظار کی ملکہ بن کر رہتی ہوں اور میرے آنسوؤں کے سچے موتیوں سے اس محل کی در و دیوار پر نقش و نگار بنے ہیں لیکن تم نے میری چاہت اور خلوص کا کیا صلہ دیا۔ میرے انتظار کا کیا انعام دیا۔ آخر دینا کی انا جاگ اٹھی اس کے اندر کی خودداری عورت بیدار ہو گئی۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ مجیب اور ان جیسے مردوں کو دکھا دے گی۔ وہ ان کے بغیر بھی زندہ رہ سکتی ہے۔ اگر وہ اپنے وعدے اپنی قسمیں بھول سکتا ہے۔ تو مجھے بھی اس کی پرواہ نہیں۔ میں بھی اسے بھول جاؤں گی۔ تم مرد اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہو۔ بے وفا، ہر جائی کہیں کے۔

دینا یہی سوچتے سوچتے تھک کر نہ جانے کب نیند کی آغوش میں چلی گئی پھر دوسرے دن اس کی انگلیوں میں ذیشان حیدر کے نام کی انگوٹھی جگمگا رہی تھی پھر ان چھ مہینوں میں اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے جہیز کے کپڑے تیار کئے۔ امی نے سارا زیور اس کو دے دیا۔ اس کے علاوہ ان کا کون تھا۔ شانی بھی پیارے پیارے خط لکھ کر آنے والے دنوں کی خوشیوں کی اہمیت کا احساس دلاتا رہا۔ آخر چھ مہینے بھی بیت گئے پھر سہاگ رات کو شانی نے "خوش آمدید لونیہ ذیشان حیدر" کہہ کر اس وارفتگی سے اس کا استقبال کیا کہ فاصلے مٹ گئے، قربتیں بڑھ گئیں پھر وہ شانی کے ساتھ پاکستان چھوڑ کر اسپین آ گئی۔ اپنے شانی کی مضبوط باہوں میں اس کا بکھرا وجود سمٹ گیا۔ وقت گزرنے کا احساس بھی نہ ہوا اور ان کے آنگن میں دو ننھے منے پھول فراز اور نوشین کے روپ میں کھل اٹھے۔

ان چھ سالوں میں اس نے تقریباً پورا یورپ دیکھ لیا اور اب شانی کا ٹرانسفر نیویارک ایئرپورٹ پر ہوا تھا۔ ماضی کا دکھ اس کی آنکھوں میں ہولے سے لہرایا لیکن شانی کی شدید چاہت نے اس کو یکسر مٹا دیا کہ اچانک ایک دن شاپنگ کرتے ہوئے ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں اس کی نظر جانے پہچانے چہرے پر پڑی۔ ایک لمحہ کے لیے اس کو اپنا وجود سنبھالنا مشکل ہو گیا دوسرے لمحے قربتیں جاگ اٹھیں، فاصلے بڑھ گئے اور وہ ادائیگی کے لیے کاؤنٹر پر آ گئی تو پیچھے سے آواز آئی "ایکس کیوز می"

دینا نے مڑ کر دیکھا۔ مجیب کہہ رہا تھا۔ آپ احمد چچا کی بیٹی دینا ہیں؟ تو سپاٹ لہجہ میں دینا نے کہا "دینا نہیں مسز لونیہ ذیشان حیدر"

"اوہ" مجیب دینا کے لہجہ کی چبھن کو محسوس کر گیا۔ مجیب نے شرمندہ سے لہجہ میں کہا MEET MY WIFE HELEN یکبارگی دینا کی حیرت سے آنکھیں پھیل گئیں "لیکن شاید تمہاری بیوی کا نام تو جینس تھا۔"

"ہوں" ہیلن نے مجیب کو دیکھا اور کہا "یہ جینس کو جانتی ہے؟" مجیب نے مختصر سا جواب دیا "ہاں" پھر شانی کی پیار بھری آواز آئی COME HERE DARLING اور دینا نے مجیب کو الوداعی نظروں سے دیکھا اور فتحمندانہ مسکراہٹ کے ساتھ خدا حافظ کہے بغیر شانی کی سمت بڑھ گئی۔ فراز اور نوشی کا ہاتھ تھامے دونوں ڈیپارٹمنٹل اسٹور سے باہر نکل آئے۔

مجیب شکست کے احساس کے ساتھ بکھرا بکھرا تھکے تھکے قدموں سے ہیلن کی باہوں میں باہیں ڈال کر باہر آ گیا لیکن آج مجیب کی باہوں میں ہیلن کے لیے پیار کی وہ گرمی نہیں تھی اور شاید اب ہیلن کیا نرسیں۔ ڈی سوزا۔ مارگریٹ یا کوئی اور کسی کے لیے بھی وہ گرمی نہ رہے گی۔ آج اس کو اپنا وجود بہت حقیر لگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دھند چھا گئی اور وہ گرتے گرتے بچا۔ اس کی آنکھوں میں دینا کا مہکا مہکا وجود بسا تھا۔ اس کے چہرے کے نقوش میں کتنی تازگی آ گئی تھی جو پہلے اس کو پھیکے لگتے تھے۔ نہ جانے کتنی دیر وہ کیا کیا سوچتا رہا۔ گھر جا کر بستر پر لیٹ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں .... جیسے ..... دینا کے وجود کو جو کبھی اس کا تھا ہمیشہ کے لیے اپنی پلکوں میں چھپا لینا چاہتا ہو۔

دینا نے شانی سے ذکر بھی نہ کیا کہ آج مجیب ملا تھا اور کرتی بھی کیوں۔ اس شخص نے اس کو کیا دیا تھا سوائے دکھ، انتظار، آنسو ..... وہ بالکل نارمل رہی۔ شام کو وہ ٹی وی دیکھ رہی تھی اور شانی کا فیورٹ میوزک بجا رہی تھی۔ فراز اور نوشی پڑوس کی بچی کی شیل

کے ساتھ قالین پر بیٹھے ڈرائنگ کاپی میں رنگ بھر رہے تھے۔ اچانک می شیل کے ساتھ قالین وینا کے پاس آئی اور بولی "آنٹی یہ دیکھئے۔"

وینا ایک لمحہ کو کانپ گئی۔ فراز نے فریج میں سے برف کے ٹکڑے نکال کر می شیل کی فراک میں ڈال دئے تھے۔ اس کو اس لمحہ دور کھڑا بہت ہی عجیب نظر آیا۔ اس کی ہنسی کی آوازیں کان میں زہر گھولنے لگیں۔ وہ چیخ اٹھی "خدا را اب تو میرا پیچھا چھوڑ دو۔" می شیل سہم گئی۔ وینا کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اس نے فراز کو قریب بلایا اور پیار سے کہا نے لگی بیٹے ..... ! اچھے لڑکے لڑکیوں کو نہیں ستاتے۔ لڑکیاں بہت نازک ہوتی ہیں۔ بالکل کانچ کے گلدان کی طرح ... شاید فراز اور می شیل کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ دونوں وینا کی آنکھوں میں تیرتے بڑے آنسوؤں کو حیرت سے دیکھ رہے تھے اور وینا سوچ رہی تھی کہ کاش انسان کو اپنے جذبوں پر اختیار رہتا۔

افسانہ

کچے دھاگے

شمیم فضل خالق

میں جھنجھلا جھنجھلا کر کوئلے کی بھاری بھر کم استری کپڑوں پر یوں پھیر رہی تھی جیسے آج اس واحد جوڑے کو جلانے کا ارادہ کر لیا ہو۔ زرینہ چپکے چپکے کب میرے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی تھی اپنے غصے میں مجھے پتہ ہی نہ چلا۔

کیا بات ہے زینت ؟ تم تو بڑے غصے میں لگ رہی ہو وہ میرے پاس فرش پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

کیا پوچھتی ہو زرینہ۔ اس غربت کم بخت نے زندگی حرام کر رکھی ہے۔ اسکول کے یونیفارم کا بھی ایک جوڑا ہے جمعہ کی چھٹی جہاں جی بھر کر سونے اور آرام کرنے کی ہوتی ہے میرے لئے بس یہ میلا جوڑا دھونے اور انہیں استری کرنے کا مسئلہ ہوتا ہے۔ میں نے ایک ہی سانس میں دل کے جلے پھپھولے پھوڑتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر بولی۔

جوڑا تو میرا بھی اسکول کا بس ایک ہی ہے اور ہر جمعے کو میں بھی اسے دھوتی ہوں لیکن تمہاری طرح اس کام کو میں نے اپنے حواسوں پر مسلط نہیں کیا۔

وہ تو ٹھیک ہے زرینہ۔ لیکن تم تو جانتی ہو امی کسی اور دن بیمار رہے یا نہ رہے جمعہ کو ضرور بیمار ہو جاتی ہیں اب استری کے بعد ہانڈی روٹی پکانی ہوگی آٹا گوندھنا برتن دھونا اور گھر کے باقی سب کام بھی میرے ذمہ ہیں حواسوں پر مسلط نہ کروں تو کیا کروں میں رنجیدہ سی ہو کر بولی۔

اچھا چھوڑ دو یہ بحث۔ میں تو تمہیں ایک بات بتانے آئی تھی وہ بانداز سے بولی تو قمیض کو تہہ کرتے ہوئے میں نے کہا کیسی بات ؟

بیچ کے مکان میں نئے کرایہ دار آ گئے ہیں۔

ارے۔ کیا سچ ؟ میں قمیض کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو کر بولی۔

ہاں۔ مجھے امی نے بتایا تھا۔ مگر باوجود چھپ چھپ کر دیکھنے کے مجھے تو ایک بوڑھے آدمی کے سوا کوئی بھی نظر نہیں آیا۔ وہ بولی تو میں نے جلدی سے کہا۔ ہو سکتا ہے فی الحال صرف آدمی آیا ہو۔ بیوی بچوں کو چند دن بعد لائے۔ سنو زری اگر اس مکان میں ہماری کوئی ہم عمر لڑکی آئی تو بڑا مزہ آئے گا تینوں مل کر اسکول جایا کریں گے میں نے شوق اور دلچسپی سے کہا۔

زرینہ کچھ کہنا چاہتی تھی کہ امی نے کھانا پکانے کے لئے آوازیں دینی شروع کیں۔ کپڑے استری ہو چکے تھے۔ زرینہ اٹھ کر چلی گئی تو میں نے استری ایک طرف رکھ دی اور چادر تہہ کر لی۔ اس کے بعد باورچی خانے میں جا کر کھانا پکانے میں لگ گئی۔

صبح اسکول جاتے ہوئے راستے میں زرینہ نے مجھے بتایا کہ بیچ کے مکان میں ایک نوجوان لڑکا انجینیئرنگ کالج کا طالب علم ہے۔ جس بوڑھے کے بارے میں میں نے بات کی تھی وہ اس لڑکے کا ملازم ہے۔

تمہیں یہ سب کس نے بتایا ؟ میں نے حیران ہو کر پوچھا کیونکہ وہ خالی مکان ہمارے اور زرینہ کے مکانوں کے بیچ میں واقع تھا دائیں طرف ہمارا مکان تھا تو بائیں طرف زرینہ کا۔ لیکن مجھے کسی بات کا علم نہ تھا جب کہ زرینہ ہر بات سے باخبر تھی۔ امی نے بتایا تھا وہ بے پروائی سے بولی تو میں چپ ہو گئی مجھے اپنی امی سے ہمیشہ یہ شکایت رہتی تھی کہ وہ مجھے کسی بات کے متعلق نہیں بتاتی تھی جب کہ زرینہ کی امی اس کی غیر موجودگی میں ہونے والے ہر واقعے کو زرینہ کے علم میں ضرور لاتی تھی۔ لیکن زرینہ کے طفیل ہر بات سے باخبر ہو جایا کرتی تھی۔

مجھ میں اور زرینہ میں بہت محبت تھی ہم ایک جان دو قالب تھے اسکول کی لڑکیوں نے ہمارا نام بہنوں کا جوڑا رکھ دیا تھا۔ ہم ایک پل ایک دوسرے سے جدا نہ ہوتے۔ اسکول تو اسکول گھر داں میں بھی ہماری یہ کوشش ہوتی کہ زیادہ تر وقت ایک دوسرے

کے ساتھ گذاریں اس لئے اگر فرصت کا تھوڑا سا لمحہ مجھے یا زرینہ کو میسّر آتا تو دوڑ کر ایک دوسرے کے گھر چلے جاتے۔ شروع سے ہم دونوں ساتھ رہے تھے کسی تیسری لڑکی کو ہم نے دوست نہیں بنایا تھا لیکن جب ہم ساتویں پاس کرکے آٹھویں جماعت میں آئے تو ہماری کلاس میں ایک نئی لڑکی نادرہ داخل ہوئی۔ خوبصورتی اور سیرت دونوں کے لحاظ سے بے مثال تھی ذہین اتنی کہ ٹیچر سوال پوچھتی تو سوال ختم ہونے سے قبل وہ جواب دے دیتی۔ جانے نادرہ میں وہ کون سی کشش تھی جس نے ہمیں اسے دوست بنانے پر اکسایا۔ میں اور زرینہ نے اسے دوستی کی پیش کش کی تو اس نے مسکرا کر ہماری دوستی قبول کی۔ تب سے لے کر اب تک یعنی آٹھویں جماعت سے لے کر دسویں جماعت تک اس وقت ہم تینوں میٹرک میں تھے ہماری دوستی اتنی پائیدار اور مستحکم تھی کہ ہمارے درمیان ایک بار بھی ناراضگی نہیں ہوئی تھی۔ نادرہ ایک سنجیدہ اور ریزرو رہنے والی لڑکی تھی وہ فضول اور بیکار باتیں سخت ناپسند کرتی تھی لہٰذا ہماری یہ کوشش ہوتی کہ اس کے سامنے ہمارے منہ سے کوئی ایسی قابلِ اعتراض بات نہ نکلے جس اسے صدمہ پہونچے یا وہ ہم سے ناراض ہو جائے۔

اس دن جب ہم اسکول پہونچے تو چھوٹتے ہی نادرہ نے کہا زینت۔ کیا تمہارے محلے میں کوئی مکان خالی تھا؟

ہاں۔ ہاں۔ مگر اب تو خالی نہیں رہا۔ کیا تم کسی کے لئے وہ مکان کرایہ پر لینا چاہتی ہو زرینہ نے مجھ سے پہلے ہی اس بات کا جواب دیا۔

نہیں۔ دراصل میرا ایک تایا زاد ہے۔ اس نے تمہارے محلے کا نام لے کر بتایا کہ وہ وہاں مکان لے چکا ہے تو مجھے خیال آیا کہ تم دونوں کا مکان بھی تو اسی محلے میں ہے۔

ہاں۔ وہ میرے اور زینت کے مکانوں کے بیچ میں جو مکان ہے وہ کرائے پر لے چکا ہے نا؟ زرینہ نے تصدیق چاہی کہ مبادا کسی غلط آدمی کو وہ نادرہ کا کزن نہ ٹھہرا لے۔

ہاں۔ ہاں۔ تم نے تو ایک ہی دن میں سب کچھ معلوم کر لیا ہے نادرہ حیرت سے بولی۔

"ہمسایوں کے بارے معلومات تو بہت ضروری بات ہے" زرینہ ہنس کر بولی۔

یہ تو ٹھیک کہا تم نے۔ مگر زینت کو تو اپنے ہمسایوں کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہیں۔ دیکھو تو کیسی چپ چاپ اور حیران کھڑی ہے نادرہ مجھے خاموش دیکھ کر بولی۔

میں دراصل سوچ رہی ہوں نادرہ کہ تمہارے گھر کے ہوتے ہوئے تمہارے کزن کو علیحدہ مکان لینے کی کیا ضرورت تھی۔ دیکھو نا بے چارے کو تنہا کتنی تکلیف ہوگی۔ ساتھ میں نہ ماں نہ بہن۔

کہہ تو تم ٹھیک رہی ہو زینت اور شاہد بھائی کو امّی اور ابّو نے روکنے کی بہتیرا کوشش بھی کی لیکن اس نے یہی عذر پیش کیا کہ وہ بچوں کی وجہ سے ہمارے گھر میں اسٹڈی کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے گا اور وہ پوری دلجمعی سے پڑھنا چاہتا ہے پھر بھی امّی اور ابّو اسے چھوڑ نہیں رہے تھے لیکن کل اچانک اس نے یہ خبر سنا کر سب کو حیران کر دیا کہ وہ الگ مکان بھی لے چکا ہے اور گاؤں سے کام کاج کے لئے ایک نوکر بھی لے آیا ہے۔ اس کے بعد ظاہر ہے بات ختم ہو گئی۔ ہم تینوں کسی دوسرے موضوع پر بات کرنے لگے۔

اگلے دن شب برات تھی اور امی کے سر کا درد نادر دِکھر عود کر آیا تھا۔ سر شام سے ہی وہ سو گئیں کام وام سب میرے ذمہ کر دیا۔ ننھی پنگوڑے میں ہاتھ پاؤں مار کر مسلسل رو رہی تھی۔ میں نے حلوے کے لئے مونگ پھلی چھیل کر بھگو لی تھی۔ جھوٹے برتنوں کا ڈھیر الگ پڑا میرا منہ چڑا رہا تھا۔ میرے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے سب سے زیادہ توجہ طلب ننھی کا تھا لہٰذا میں نے سب کام چھوڑ کر پہلے اس کے لئے دودھ کی بوتل تیار کی اسے گود میں لٹا کر دودھ پلایا۔ جب وہ میری گود میں سو گئی تو میں نے آہستگی سے اسے پنگھوڑے میں لٹایا اور آستین اوپر چڑھا کر برتن دھونے بیٹھ گئی کسی نے داخلی دروازے کی گھنٹی زور سے بجائی تو مجھے جھنجھلاہٹ ہوئی کیا مصیبت ہے کام سے اٹھنا مجھے کبھی پسند نہ تھا مگر مجبوری تھی اس وقت کوئی دوسرا نہ تھا جو دروازہ کھولنے چلا جاتا۔ جھکتے جھکتے میں دروازہ کھولنے گئی اور کرخت آواز میں بولی کون ہے؟۔

جی یہ حلوہ لے لیجئے۔ میں آپ کا پڑوسی ہوں ساتھ والے مکان میں رہتا ہوں۔ آج شب برات تھی، اس لئے یہ حلوہ لایا ہوں اوہ۔ میں شرمندہ سی ہو کر بولی آپ نے کیوں تکلیف کی۔ آپ کا وہ ملازم۔ میں دانستہ جملہ ادھورا چھوڑ کر بولی۔

جی وہ بیمار ہے۔ میں نے سوچا پڑوسی کا معاملہ ہے تو خود ہی

جاکر دے آؤں میں اس لمبی چوڑی تشریح پر زیر لب مسکرا پڑی اور پلیٹ لیتے ہوئے بولی۔

" شکریہ۔ پلیٹ میں کسی کے ہاتھ بھجوا دوں گی"

" بہتر" کہہ کر وہ چلا گیا تو مجھے تجسس نے آگھیرا کہ دیکھوں تو سہی نادرہ کا یہ کزن کیسا ہے۔ دروازہ تھوڑا سا کھول کر میں نے باہر جھانکا۔ چہرہ تو میں اس کا صحیح طرح نہ دیکھ سکی لیکن اس کے ڈیل ڈول دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ وہ اچھا خاصہ وجیہہ نوجوان ہے۔ رات کو امی کے سر کا درد کچھ کم ہوا تو میری مدد کے لئے وہ باورچی خانہ آگئی۔ پلیٹ میں حلوہ دیکھ کر بولی۔

یہ زرینہ کے گھر سے آیا ہے کیا؟

نہیں امی۔ یہ ساتھ کے مکان میں جو نیا آدمی آیا ہے انھوں نے بھیجا ہے۔

اچھا؟ امی کو حیرت ہوئی تو نے بھی بھیج دیا ہوتا!

ایک پاؤ تو سوجی منگوائی تھی آپ نے میں منہ پھلا کر بولی وہ تو خالی مسجد بھیج دی اور تھوڑی سی ابا کے لئے رکھی ہے۔

چلو خیر کسی دن کچھ پکا کر بھیج دیں گے امی بولی تو میں نے جل کر سوچا کس دن ایسی چیز پکتی ہے جو کسی کے گھر بھیجنے کے قابل ہو۔ جانے کیوں ایسی باتیں کرکے امی خود کو بھی اور مجھے بھی ناکام تسلیاں دیتی ہیں۔ یہ سوچوں میں [illegible] اگلے دن اسکول جاتے جاتے راستے میں میں نے زرینہ کو بتایا کہ نادرہ کا کزن کل ہمارے ہاں حلوہ لایا تھا تو وہ جلدی سے بولی۔

ہمارے گھر بھی لایا تھا۔ تو نے دیکھا زینت کیسا ہینڈسم نوجوان ہے۔

نہیں میں نے نہیں دیکھا میں نے کچھ چور سی بنتے ہوئے کہا۔

ارے۔ میری امی نے تو اسے بٹھا کر چائے تک پلوا دی تھی۔ میں کافی دیر ساتھ بیٹھی رہی۔"

کیا؟ میں چونک پڑی تو نے اس سے پردہ توڑ لیا ہے۔

ہاں امی کہہ رہی تھی اس کی ضرورت نہیں ویسے بھی پڑوس میں پردہ نہیں ہوسکتا۔

خیر یہ کیوں نہیں ہوسکتا۔ پڑوس کو تو چھوڑ ایک گھر میں بھی پردہ ہوسکتا ہے۔ اگر کوئی کرے تب اور یہ تمہاری امی کو کیا سوجھی کہ کے پہلی ہی ملاقات میں تمہارا پردہ ہی اس سے تڑوا دیا۔ میری حیرت کسی طرح رفع ہی نہیں ہو رہی تھی۔

یہ تو امی جانیں مجھے کیا علم ظاہر ہے وہ ہم سے زیادہ سمجھدار ہیں وہ بات ختم کرنے کے انداز میں بولی تو میں چپ ہوگئی!

اگلے دن صبح سے میری طبیعت کچھ ناساز سی تھی، اسکول جانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا لیکن جب زرینہ آئی تو میں برقعہ پہن کر اس کے ہمراہ چلی گئی۔ چھٹی کے وقت تک میری ناسازی طبع رنگ لے آئی۔ مجھے حرارت بھی محسوس ہونے لگی اور چھینکیں بھی شروع ہوگئیں تو میں ہیڈ مسٹرس سے چھٹی لے کر گھر آگئی۔ امی صحن میں لگے پیپل کے بڑے درخت کی چھاؤں میں بیٹھی منی کو سلا رہی تھی۔ میں سیدھی وہیں چلی گئی میرا اترا رنگ دیکھ کر وہ گھبرا کر بولی۔

کیا بات ہے زینت۔ طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟

میرے سر میں زور کا درد ہو رہا ہے امی میں نے سر کو دونوں ہاتھوں سے دباتے ہوئے کمزور آواز میں جواب دیا۔

آؤ ادھر آکے لیٹ جاؤ۔ امی نے چارپائی سے اٹھتے ہوئے کہا۔ چائے بنا دوں تیرے لئے۔

نہیں امی۔ تھوڑی دیر کو آنکھ لگ گئی تو خود بخود ٹھیک ہو جاؤں گی میں لیٹی تو ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں نے مجھے تھپکی دے دے کر سلانے کی کوشش کی اور جانے کب میری آنکھ [illegible] وقت کھلی [illegible] کی کرخت آواز کانوں سے ٹکرائی۔ بوا رحیمن محلے کا چلتا پھرتا اخبار تھی۔ محلے بھر کی خبروں سے وہ باخبر ہوا کرتی تھی۔ ادھر کی ادھر لگانے میں ماہر تھی۔ مجھے تو شروع سے ہی اس سے بیر تھا اس لئے میں جاگ گئی تھی لیکن خود کو سوتا بنا لیا تھا۔

ہوئے یہ کہاں اس وقت سو رہی ہے بوا رحیمن کا اشارہ غالباً میری طرف تھا۔

زینت ہے۔ سر میں درد تھا اس لئے سو گئی امی نے جواب دیا

سو رہی ہے تو ہے نا؟ بوا رحیمن کی آواز پر میرے کان کھڑے ہوگئے۔

ہاں کیا کوئی خاص بات ہے؟ امی کی آواز میں [illegible] تھا۔

میں تو کہتی ہوں نصیر کی دلہن۔ تجھے یہ جوان بیٹی نظر بھی آرہی ہے یا نہیں اس کی آواز سرگوشی لئے ہوئے تھی۔

نظر آنے اور نہ آنے کا کیا سوال ہے بھلا امی کی آواز میں حیرت تھی۔

اسے ہے۔ میں زینت کے رشتے کے بارے میں بات کر رہی ہوں بوا کی ہلکی سی آواز سنائی دی

میرے حالات تو تم سے پوشیدہ نہیں بوا امی کی دھیمی آواز افسردگی لئے ہوئے تھی ان حالات میں زینت کے لئے کیسے سوچوں۔ ساتھ چار پیسے تو ہیں نہیں کس بل بوتے پہ رشتہ ڈھونڈوں۔

رشتہ تو سمجھو میں نے ڈھونڈ لیا ہے۔ بس تمہیں باخبر کرنے کی دیر تھی اور رہی بات پیسوں کی تو اس کی تو تم فکر ہی مت کرو کہو تو کل ہی اپنے نام پر قرض لا کر دوں۔ مجال ہے جو کئی سال گذرنے پر بھی مانگ لیں۔

خدا تجھے بہت عمر دے بوا، امی کی احسان میں ڈوبی ہوئی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی۔ پر رشتہ تو نے ڈھونڈھا کہاں ہے؟

زینت بیٹی تو چاند کا ٹکڑا ہے۔ میری کوشش تھی کہ اس کے نصیب ایسی جگہ جاگیں کہ ساری عمر ہنسی کھیلتی رہے بوا نے آواز ذرا اور بھی دھیمی کر کے کہا اس ساتھ کے مکان میں جو لڑکا آیا ہے تو نے اسے دیکھا ہے؟

نہیں بوا۔ مجھے بھلا وقت کہاں ملتا ہے۔ گھر کے جھنجھٹ سے فرصت ملے تو کسی اور بات کی طرف دھیان بھی جائے۔

زینت تو ملی ہوگی نا؟ بوا نے تصدیق چاہی۔

ارے بوا سٹھیا تو نہیں گئی ہو۔ جوان لڑکی کو غیر لڑکوں سے ملانے بھیجوں گی۔ امی حسب عادت بھڑک اٹھیں۔

بس نصیر کی دلہن۔ تیری یہی بات تو مجھے اچھی نہیں لگتی بات کو سمجھے بغیر غصے میں آجاتی ہے بوا نے اسی دھیمی آواز میں کہا۔

"تو بات ہی ایسی کر رہی ہے" امی ذرا ٹھنڈی پڑ گئی۔

تو میری بات ذرا ٹھنڈے دل سے سنو۔ لڑکا انجینیرنگ کالج میں پڑھتا ہے۔ قابل ہے اور غیر شادی شدہ۔ میں بتا دوں نصیر کی دلہن ایسے موقعے بار بار نہیں آتے۔ زینت کے لئے ایسا رشتہ چراغ لے کر بھی ڈھونڈو گی تو بھی نہیں ملے گا۔

بوا تو کہہ تو ٹھیک رہی ہے لیکن وہ میری زینت کے لئے رضامند ہو جائے گا؟ امی کی سوچ میں ڈوبی آواز سنائی دی۔

یہ بتا۔ تیری زینت تو زرینہ سے خوبصورت ہے نا قابل ہے؟

ہاں۔ مگر زینت اور زرینہ کے درمیان مقابلے کا یہاں کیا سوال ہے۔ یہی تو کہہ رہی ہوں۔ بوا کی آواز دھیمی پڑ گئی زرینہ کی بھی کی جان توڑ کوشش ہے کہ وہ اس لڑکے شاہد کو قابو میں کرے۔ جانتی ہے زرینہ کے گھر کے حالات بھی تو تم سے زیادہ اچھے نہیں پر وہ روزانہ کچھ نہ کچھ پکا کر اسے بھیجتی ہے اور زرینہ کا پرچہ بھی اس نے ترڈوا دیا ہے۔

"اچھا" امی حیرت سے بولی مجھ کو تو کچھ خبر ہی نہیں؟

تو تو ہمیشہ سوئی رہتی ہے اسی لئے تو کہتی ہوں یہی وقت ہے اس وقت کچھ کیا تو ٹھیک ورنہ ساری عمر ہاتھ ملتی رہ جائے گی۔

پر کیا کروں بوا۔ تو ہی کوئی رستہ دکھا دے امی نے بے چارگی سے کہا۔

وہی تو بتا رہی تھی کہ تم بھڑک اٹھیں۔ سنو وہ رازداری سے بولی کبھی کبھار کوئی اچھی سی چیز پکا کر بھیج دیا کرو پر بھیجا کرو زینت کے ہاتھ۔

نہیں بوا۔ اس کے ابا کو پتہ چل گیا تو مجھے سولی پر لٹکا دیں گے۔ امی کی آواز میں خوف تھا۔

تو ایسا کرو۔ دیوار پر رکھوا دیا کرو پر زینت کے ہاتھ بوا نے پہلی ترکیب کارگر نہ دیکھ کر دوسری ترکیب بتائی۔

ہاں۔ یہ ٹھیک ہے امی نے اس کی بات سے اتفاق کیا۔

میں کہے دیتی ہوں۔ زینت کی ایک جھلک دیکھ کر وہ دیوانہ ہو جائے گا پھر زرینہ اور زرینہ کی ماں خواہ کچھ بھی کریں لڑکا ہاتھ نہیں آئے گا۔ اچھا اب میں چلوں۔

تجھے تو میں اپنی بساط سے بھی بڑھ کر دوں گی بوا۔ بس تو میری زینت کے لئے اس رشتے کی کوشش کر۔ امی نے کہا ارے تم سے ہمدردی اور محبت تھی تبھی تو یہ بات کہنے آگئی۔ ورنہ تم جانو زرینہ کی ماں بھی کچھ کم نہیں دیتی ہر موقعے پر یاد رکھتی ہے۔

اچھا بوا۔ فی الحال یہ رکھ لو۔ جانے امی نے کیا دیا تھا وہ دعائیں دیتی رخصت ہو گئی اور امی باورچی خانے میں چلی گئی تو میں اٹھ کر بیٹھ گئی۔

بوا کی باتوں پر میرا دل بڑے زور زور سے دھڑک رہا تھا آنکھوں میں حسین خواب انگڑائیاں لینے لگے تھے اور میں وہ رہ کر شاہد کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ ساتھ ہی مجھے اپنی عزیز سہیلی زرینہ پر شدت سے غصہ آرہا تھا۔ کیسی چالاک تھی وہ نہ تو وہ حسن میں میری برابری کر سکتی تھی نہ ہنر اور سلیقے میں پر کیسے چھپ چھپ کر شاہد کو قابو میں کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ہمیں تو شاید اس وقت علم ہوتا جب پانی سر سے

اونچا ہو چکا ہوتا لیکن خدا بھلا کرے بوا رحیمن کا کہ ہمیں بروقت حالات سے مطلع کر دیا۔ مجھے ہمیشہ کی زہر لگتی بوا اچھی لگنے لگی۔

اگلے دن میں، اسکول سے لوٹی تو امی نے سوجی دودھ میں بھگوئی تھی اور اخروٹ اور بادام کی گری صاف کر رہی تھی۔ مہینے کے آخری دن ہمیشہ مالی حالات کی وجہ سے ہمارے بڑے بے کیف گذرتے! گوشت تو درکنار دال بھی پتلی سے پتلی ہو جاتی۔ مگر آج یہ اہتمام کیسا؟

ارے امی۔ کوئی مہمان آ رہا ہے کیا؟ میں نے حیرت سے پوچھا۔

ارے مہمان کون آئے گا؟ امی پھیکی سی ہنسی ہنس کر بولی یہ تو سامنے والے گھر میں دینے کے لئے پکایا ہے۔ یاد ہے تمہیں ایک بار تو نے شب برات والے دن ان کی پلیٹ خالی لوٹا دی تھی۔

میرا چہرہ گلابی پڑنے لگا۔ دل زور زور سے دھڑکنے لگا تو گویا امی نے بوا کی باتوں پر عمل کرنے کے خیال سے پہلا قدم اٹھا لیا تھا تو جا۔ نفیسی کو سنبھال لے۔ میں ذرا اطمینان سے حلوہ پکالوں۔

اچھا امی۔ میں دھک دھک کرتا دل لئے وہاں سے اٹھ آئی حلوہ پکا کر امی نے مجھے آواز دی تو میں دھڑکتا دل لئے باورچی خانے میں آگئی۔

لے زینت۔ دیوار پر یہ حلوہ تھما دے اُسے مجھ سے اوپر نہیں چڑھا جاتا۔ امی مصنوعی کسلمندی سے بولی تو میں نے کانپتے ہاتھوں سے پلیٹ تھامی۔ آخری سیڑھی پر چڑھ کر میں نے ادھر ادھر دیکھا۔ بالکل سامنے ہی شاہد آرام کرسی پر نیم دراز اخبار پڑھ رہا تھا۔ میرے دل میں اتھل پتھل شروع ہو گئی۔ حیا سے جیسے ہونٹ سل سے گئے۔ ماتھے پر پسینے کے قطرے نمودار ہوئے۔ جی چاہا الٹے قدموں نیچے اتر جاؤں۔ لیکن پھر تھوڑی سی ہمت کی۔

دیکھئے۔ سنئے۔ میں نے آہستگی سے پکارا۔

اس نے چونک کر زرینہ کے مکان والی دیوار کی طرف دیکھا شاید وہ وہیں سے کسی آواز کا متوقع تھا۔ لیکن وہاں کسی کو نہ پاکر ہماری دیوار کی جانب دیکھا۔ جہاں میں چہرے پر گلاب سجائے پلیٹ ہاتھ میں تھامے کھڑی تھی۔ لمحہ بھر کو میں نے اس کے چہرے پر شدید حیرت دیکھی۔ مگر دوسرے لمحے وہ اخبار رکھ کر دیوار کے قریب آگیا۔

جی؟ فرمائیے۔

یہ۔ حلوہ۔ امی نے دیا ہے میں نے جھجک جھجک کر رک رک کر بمشکل بات پوری کی۔

ارے اتنی زحمت کی کیا ضرورت تھی اس نے ہاتھ بڑھا کر پلیٹ میرے ہاتھ سے لے لی۔

اپنی امی کو میری طرف سے شکریہ کہیئے۔ اس کی بات کرنے کا انداز اتنا پیارا تھا کہ میں بے خود ہو کر رہ گئی۔

آپ غالباً نادرہ کی سہیلی زینت ہیں وہ مجھے خاموش دیکھ کر بولا۔

جی۔ مگر۔ آپ نے کیسے پہچانا؟ شرم پر حیرت غالب آگئی تو میں بے اختیار حیرانی سے بولی۔

دیکھ لیجئے۔ پہچان لیا۔ وہ دل نشیں انداز میں بولا تو اس وقت یقیناً میرا چہرہ شرم سے سرخ ہوا ہوگا۔ میں نے گھبرا کر جلدی سے کہا۔

پلیٹ نوکر کے ہاتھ بھجوا دیجئے۔ میں اترتی ہوں میرے دل کے دھڑکنے کی رفتار اس قدر تیز تھی جیسے ابھی سینہ توڑ کر باہر نکل آئے گا۔ امی نے بڑی معنی خیز نظروں سے مجھے دیکھا لیکن میں نظر بچا کر کمرے میں گھس گئی۔ اس رات وہ مختلف روپ میں سپنوں میں آتا رہا۔ کبھی سہرے کی لڑیوں سے جھانکتا ہوا دولہا کے روپ میں تو کبھی قدم سے قدم ملا کر چلتے ہوئے خوبصورت ہمسفر کی شکل میں

صبح بیدار ہونے کے بعد میں نے اپنے دل میں اس عہد کو بار بار دہرایا کہ میں شاہد کو حاصل کر کے رہوں گی۔ کبھی نہیں۔

اس دن جب میں اور زرینہ اسکول جانے کے لئے اکٹھے گھر سے نکلے تو ہمیشہ کی طرح، ہم دبی دبی سرگوشیوں میں باتیں کرتے ہوئے نہیں جا رہے تھے بلکہ اپنی ہی سوچوں میں ڈوبے ہوئے چپ چاپ چل رہے تھے مجھ پر تو خیر رات کی سوچوں اور بوا کی باتوں کا اثر تھا لیکن زرینہ پر بھی میری طرح کا ہی اثر تھا یا کچھ اور میں کچھ تجزیہ نہیں کر سکی۔

وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ میرے اور زرینہ کے درمیان ایک غیر محسوس سی دیوار کھڑی ہوتی گئی۔ ہماری دوسری سہیلیوں نے بھی اس دوری کو محسوس کیا۔ نادرہ ہم دونوں کی مشترکہ دوست تھی لہٰذا اس نے کئی بار ہم دونوں سے اس دوری کے متعلق پوچھا۔ وہ چاہتی تھی

کہ اگر کسی وجہ سے ہم دونوں ایک دوسرے سے ناراض بھی ہیں تو وہ بیچ میں پڑ کر ہماری صلح کرا سکتی ہے۔ لیکن ہمارے درمیان ایسی کوئی ناراضگی نہیں تھی جو ہم اس کا اقرار کرتے بلکہ کچھ عجیب سا کھنچاؤ تھا جسے محسوس تو کیا جا سکتا تھا۔ دوسری طرف شاہد کے ہاں مختلف چیزیں پکا کر بھیجنے کی رفتار کچھ اور زیادہ ہو گئی تھی بلکہ امی تو چھپ چھپا کر ہوا کے ذریعے قرض بھی لینے لگی تھیں کیونکہ ظاہر ہے ابا کی محدود تنخواہ ان الّوں تلّلوں کی زیر بار نہیں ہو سکتی تھی۔ میں بنی سنوری رہنے لگی جب بھی کوئی چیز شاہد کو دینے دیوار پر چڑھتی تو پیلے کپڑوں پر کوئی خوبصورت سا رنگین دوپٹہ اوڑھ لیتی۔

زرینہ اور میرے درمیان روز بروز فاصلے بڑھتے جا رہے تھے اگرچہ وہ مجھ سے اور میں اس سے براہِ راست اس خفگی اور دوری کے متعلق کوئی بات نہیں کر رہے تھے لیکن اپنی اپنی جگہ پر ہم دونوں جانتے تھے کہ ہمارے درمیان شاہد کی ذات دیوار بن کر کھڑی ہو گئی ہے۔ مجھے اپنے حسن پر پورا بھروسہ تھا اپنی ذہانت پر فخر تھا اس لئے شاہد کی مسکراہٹیں مجھے حوصلہ افزا لگ رہی تھیں۔ وہ پلیٹ لے کر بہانے سے گفتگو کرتا تو میں شرم سے سرخ پڑ جاتی۔ ہر چیز لینے کے بعد وہ پہلی والی چیز کی تعریف کرنا نہ بھولتا لیکن تعریف بھی ایسی کرتا کہ اس میں میری ذاتی تعریف کا عنصر زیادہ ہوتا مثلاً کل جو آپ کے ہاتھ کی کھیر کھائی تھی، خدا اس سے پہلے کبھی اتنی عمدہ اور خوش ذائقہ کھیر کھانے کو نہیں ملی۔ لیکن یہ سب آپ کے ہاتھوں کا کمال ہے وہ مبہم سی مسکراہٹ ہونٹوں پر سجا کر بولتا تو میں چھوئی موئی کی مانند سمٹ جاتی۔

پڑھائی سے میری دلچسپی آدھی بھی نہیں رہ گئی تھی۔ کتاب ہاتھ میں ہوتی اور نظریں خلا میں شاہد کے تصور کے تعاقب میں! نادرہ اکثر مجھے ٹوکتی۔ روز بروز تنبیہ کرتی کہ میں پڑھائی کی طرف سے لاپرواہ ہوتی جا رہی ہوں۔ ٹیچروں کو دن بدن مجھ سے شکایت ہوتی جا رہی ہے۔ میں شرمندہ تو ہو جاتی لیکن اپنے خیالوں پر میرا بس نہ چلتا کئی بار دل چاہا کہ نادرہ کو راز دار بنا لوں وہ شاہد کی رشتہ دار بھی ہے اس لئے وہ اس سلسلے میں میری مدد بھی کر سکتی ہے۔ لیکن ہر بار کچھ تو شرم آڑے آ جاتی کچھ نادرہ کی پروقار شخصیت کا دبدبہ طاری ہو جاتا۔ اگر شاہد کے سلسلے میں میرے اور زرینہ کے درمیان یہ بے نام سی خلیج نہ ہوتی تو میں زرینہ کو دل کا سارا حال سنا دیتی کیونکہ ہمارے درمیان کوئی پردہ نہ تھا۔ گھروں کا حال بھی ایک دوسرے سے چھپا نہ تھا لیکن نادرہ نسبتاً ہم دونوں سے بلند تھی اس کا مکان شہر کے ایک فیشن ایبل علاقے میں واقع تھا اور وہ اچھے خاصے متمول لوگ تھے جب کہ ہم سفید پوشی کا بھرم رکھنے کی کوششوں میں دن بدن غربت کے اور قریب ہوتے جا رہے تھے! دوسرے نادرہ کبھی بھی اس قسم کی باتیں نہ خود کرتی تھی نہ ہی سننا پسند کرتی تھی۔ کلاس میں لڑکیاں جب اپنی منگیتروں کے بارے میں گفتگو کرتیں تو وہ وہاں سے اٹھ جاتی اور چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھ کر کورس کی کتاب پڑھنے لگ جاتی۔ لڑکیوں کا خیال تھا کہ وہ مغرور ہے لیکن میرا ایسا کوئی خیال نہ تھا ہاں وہ صاف گو اور صاف دل کی پیاری سی لڑکی ضرور تھی جو دوسروں کی خوشیوں میں خوش اور غموں پر افسردہ ہو جایا کرتی تھی۔

اس دن میں نے محسوس کیا کہ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتی ہے لیکن ہر بار جھجک کر چپ ہو جایا کرتی تھی۔ مجھ سے نہ رہا گیا تو میں نے پوچھ لیا۔ زرینہ بھی پاس بیٹھی تھی! کیا بات ہے نادرہ میں محسوس کر رہی ہوں کہ تم کچھ کہتے کہتے رک جاتی ہو۔ کیا کوئی خاص بات ہے۔

نہیں۔ کوئی خاص بات تو نہیں وہ دھیرے سے بولی۔

خاص نہیں پر کوئی بات ہے ضرور تم کچھ کہنا چاہتی ہو نا زرینہ حسبِ عادت مجھ سے پہلے بول۔

ہاں۔ میں دراصل تم لوگوں کو اپنے گھر آنے کی دعوت دینا چاہتی تھی مگر الفاظ نہیں سوجھ رہے تھے۔

ارے۔ اتنی سی بات کے لئے تم اتنی جھجک رہی تھی زرینہ حیرت سے بولی۔

کیا کوئی فنکشن ہے؟ میں نے پوچھا۔

ہاں۔ وہ دراصل میری منگنی کی تقریب ہے وہ سرخ چہرہ لئے رک رک کر بولی۔

ارے۔ وہ مارا زرینہ اچھل کر بولی تبھی تم جھجک رہی تھی۔

دیکھو زرینہ۔ اسکول میں اس بات کا کسی کو بھی علم نہ ہو۔

تم دونوں تو میری خاص سہیلیوں میں سے ہو اس لئے تمہیں بلا رہی ہوں ابھی ہم تینوں کی بات چیت مکمل بھی نہیں ہو پائی تھی کہ چھٹی

کی گھنٹی بجی کلاسوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ نادرہ اٹھتے ہوئے بولی۔
دیکھو کل شام چار بجے ضرور آنا اور یہ لو میرا ایڈریس تم لوگوں کو تو میرا مکان بھی معلوم نہیں اس نے کاغذ کا پرزہ میرے ہاتھ میں تھما دیا۔
میں نے اور زرینہ نے کتابیں اٹھائیں اور گھر چلی آئیں۔
گھر آتے ہی میں نے امی کو نادرہ کی منگنی اور اپنے بلاوے کی بات بتائی تو امی سوچ میں پڑ گئیں کافی دیر سوچنے کے بعد بولی۔
زینت۔ ایک بار تو نے بتایا تھا کہ شاہد نادرہ کا رشتہ دار لگتا ہے۔؟
ہاں امی۔ رشتہ دار کیا۔ تایا زاد بھائی ہے اس کا۔
تب تو وہ بھی منگنی میں شریک ہوگا اور اس کی ماں بہنیں بھی!
ہاں امی۔ ظاہر ہے، اتنا قریبی رشتہ تو ہے ان کا تو شریک تو ضرور ہوں گے، میں نے ذرا شرما کر کہا۔
" خیر۔ تم نے یہ بھی سوچا کہ منگنی میں شریک ہونے کے لئے تمہارے پاس ایک بھی ڈھنگ کا لباس نہیں امی نے بات بدلتے ہوئے کہا میں افسردہ ہوکر رہ گئی واقعی میں نادرہ کے گھر جانے کی خوشی میں ایسی بے تاب ہو رہی تھی کہ لباس کا مسئلہ بھلا بیٹھی تھی۔
میرا خیال ہے امی وہ نیلے رنگ کے فلیٹ کا ہلین سوٹ نہ پہن لوں۔
ارے۔ وہ جس کا دھو دھو کر رنگ اڑ گیا ہے۔ تو باؤلی تو نہیں ہوگئی۔
پھر اور کیا کروں۔ کاش تو پہن کر جا نہیں سکتی میں نے مایوسی کے عالم میں کہا تو امی جلدی سے بولی۔
تو کاہے کو فکر کرتی ہے۔ میں کوئی نہ کوئی حل ڈھونڈ لوں گی۔ تو جا کر روٹی کھالے۔
میں بے دلی سے باورچی خانے میں آگئی اور پیڑھی پر بیٹھ کر کھانا کھانے لگی لیکن خیالات شاہد کے گرد ہی گھوم رہے تھے کہ خدا نے ملاقات کے لئے سبیل پیدا کی تو لباس کا مسئلہ ملاقات کی ... راہ میں روڑے اٹکانے لگا۔ شاہد نے مجھے دیکھا ضرور تھا لیکن اس نے میرا سرو جیسا قد نہیں دیکھا تھا۔ میرا خوبصورت سڈول جسم نہیں دیکھا تھا۔ غریبی بھی کیا بری چیز ہے نوالہ میرے حلق میں پھنسنے لگا تھا میں نے جلدی سے پانی کا گلاس منہ سے لگا لیا۔
کاش... میرا اتنا بس چلتا کہ میں بن سنور کر پریوں کی دیس کی شہزادی بن کر نادرہ کی منگنی میں شرکت کرتی کہ شاہد میرا رنگ روپ دیکھ کر دنگ رہ جاتا..... لیکن اتنی قسمت ہوتی تو آج..... یوں ایک لباس کے لئے نہ ترسنا پڑتا۔ میں اتنا ہی سوچ پائی تھی کہ امی کی سرگوشی بھری آواز نے مجھے چونکا دیا۔
زینت..... تو کہے تو میں بوا کے ہاتھوں سیٹھ جمال کی بیوی سے کچھ رقم قرض مانگ لوں۔
پر امی..... میں نے حیرت سے کہا پہلے ہی آپ ابا سے چھپ کر اس سے ۵، ۶ سو روپے لے چکی ہیں.... مزید رقم کا کیا کرنا ہے آپ کو؟
وہ زینت بیٹی.... میں چاہتی ہوں تو اپنے لئے ایک نفیس سی ساڑھی خریدے، امی نے ہچکچا کر کہا۔
ساڑھی۔؟ میں کپکپاتی آواز میں بولی.... ساڑھی کا ارمان مجھے ایک عرصہ سے تھا لیکن یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوئی۔ اکثر امی ہی مخالفت کر دیا کرتی تھی.... لیکن آج وہ قرض لے کر میرے لئے ساڑھی خریدنے کو تیار تھی..... میرا کچا ذہن اس حقیقت کو ماننے کے لئے تیار نہ تھا..... میں نے بے یقینی سے امی کی طرف دیکھا تو وہ بولی۔
ہاں بیٹی..... نادرہ کے گھر جا کر چار بندوں میں رسوا تو نہیں ہونا نا تجھے..... اور بیٹی..... شاہد کی امی اور بہنیں وغیرہ بھی تو ہوں گی نا وہاں..... تیرا پہلا اثر ان پر اچھا ہی پڑنا چاہئے..... تو بچی تو نہیں رہی..... میرا مطلب تو سمجھتی ہے نا... امی نے جھجک کر بات پوری کی تو شرم سے میری گردن جھک گئی مجھے بے اختیار امی پر پیار آنے لگا..... وہ میری خوشی اور بہتر مستقبل کے لئے کیسے تگ و دو کر رہی تھی..... میری خاموشی کو رضامندی سمجھ کر امی اٹھتے ہوئے بولی۔
میں آج ہی بوا کو بلوا کر اس کو سیٹھ جمال کی بیوی کے پاس بھیج دوں گی۔ بے چاری اپنے ہی نام پر لاتی ہے.... میرا نام کبھی نہیں لیتی۔
وہ رات بڑے خوبصورت سپنوں کی رات تھی۔ خوبصورت ساڑھی اور شاہد دونوں میری زندگی کے سب سے بڑی تمنا تھیں۔
... ساری رات میں ساڑھی پہنے شاہد کے سنگ سنگ پھرتی رہی۔
تصورات کی دنیا کس قدر حسین ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ مجھے اب ہوا تھا! صبح میں اسکول سے جلد لوٹی..... آج نادرہ بھی اسکول نہیں آئی تھی..... زرینہ نے مجھ سے کہا۔

ساڑھے تین بجے تک تیار ہو جانا ۔ ۔ ۔ میں تمہیں لینے آؤں گی ۔"

اچھا کہہ کر میں گھر میں گھس گئی ۔ ۔ ۔ اگر ہمارے درمیان یہ بے نام سے اختلافات نہ ہوتے تو ہم گھنٹوں نادرہ کی منگنی کے بارے میں اظہار خیال کرتے ۔ ۔ ۔ لباس کا مسئلہ حل کرتے کرتے ایک ساتھ تیار ہوتے ۔ ۔ ۔ لیکن اب معاملہ دوسرا تھا ۔ ۔ ۔ اگر ہمارے مکان قریب نہ ہوتے اور گلی کے غنڈوں اور بے کار لڑکوں کے رلنے کا ڈر نہ ہوتا جو پان والے کی دوکان پر بیٹھ کر بڑی گندی نظروں سے گھورا کرتے تو شائد ہم ایک ساتھ اسکول جانا بھی چھوڑ دیتے اور یہ اوپرے دل کی باتیں بھی ختم ہو جاتیں ۔ لیکن اب ہم ایک دوسرے کا ساتھ صرف ڈر کی وجہ سے نہیں چھوڑ رہے تھے ۔ میں گھر آئی تو امی میرا انتظار کر رہی تھی ۔ مجھے دیکھ کر وہ بولی میں تمہارے لئے ساڑھی لے آئی ہوں اور اب بیٹھی بلاؤز سی رہی ہوں ۔

کیا سچ ؟ خوشی سے میں پاگل ہونے لگی ۔ ۔ ۔ شدت جذبات سے میری آواز گلوگیر ہوئی ۔ ۔ ۔ میرے وجود کے رونئیں رونئیں سے اپنی امی کے لیے دعائیں نکل رہی تھی ۔ ۔ ۔ ماں بھی کیا عجیب چیز ہے کہ اپنی اولاد کے سکھ کے لیے وہ ہر قسم کا دکھ سہتی ہے ۔ ۔ ۔ ساڑھی کا ڈبہ اٹھا کر میں نے سینے سے لگا لیا ۔ ۔ ۔ میری بے اندازہ خوشی دیکھ کر امی نے ہنس کر کہا پگلی ! دیکھ تو سہی پسند بھی آتی ہے یا نہیں واہ پسند کیسے نہیں آئے گی ۔ ۔ ۔ میری پیاری امی اتنی محبت سے لائے گی ۔ اور مجھے پسند نہیں آئے گی ۔ میں نے اترا کر کہا ۔ ۔ ۔ ڈبہ کھولا تو ریشمی گلابی ساڑھی پھسل کر نیچے گر گئی ساڑھی کو دیکھ کر میری خوشی دوچند ہو گئی ۔ ۔ ۔ گلابی رنگ کی ساڑھی پر کالے رنگ کے ریشمی دھاگے سے ہلکا ہلکا کام کیا گیا تھا ۔ میرا دل ایک نئے انداز سے دھڑک رہا تھا ۔ اگرچہ مجھے اس بات کا کوئی واضح علم نہیں تھا نادرہ کی منگنی کی تقریب میں شاہد بھی ضرور موجود ہوگا ۔ اگر ہوگا تو میری ملاقات اس سے یقینی ہوگی ۔ ۔ ۔ لیکن وہ جو کہتے ہیں کہ خدا کو دیکھا نہیں مگر عقل سے پہچانا جاتا ہے تو میں بھی اپنی سمجھ کے مطابق یہی سوچ رہی تھی کہ شاہد وہاں ضرور ہوگا اور اسے نادرہ کی زبانی اس بات کا بھی علم ہو چکا ہوگا کہ میں بھی منگنی کی تقریب میں شرکت کر رہی ہوں ۔ لہٰذا وہ مجھ سے ملنے کی کوشش ضرور کرے گا ۔ ۔ ۔ اگرچہ شاہد کی طرف سے مجھے ایسا کوئی واضح اشارہ نہیں ملا تھا ۔ جس سے میں یہ نتیجہ اخذ کر سکتی کہ وہ بھی مجھے پسند کرتا ہے لیکن پھر بھی میں نے یہ قول کوئی دس بار دل میں دہرایا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اور میری بے قراری اور بے تابی یقیناً یکطرفہ نہیں ہو سکتی !۔

تین بجے میں نے اپنی تیاری اہتمام سے شروع کی ساڑھی باندھنے کا صحیح طریقہ بھی مجھے نہیں آرہا تھا لیکن امی نے اس سلسلے میں میری مدد کی ۔ تیار ہو کر میں نے آئینے میں دیکھا تو اپنی آن بان دیکھ کر اپنے آپ سے شرما گئی ۔ امی نے مجھے فخر سے دیکھتے ہوئے کہا :

آج تو میری بیٹی چاند کی طرح چمک رہی ہے ۔

میں بار بار ساڑھی کا پلّو شانے پر ڈالنے کی مشق کرتی رہی کہ زرینہ آگئی ۔ ۔ ۔ مجھے دیکھ کر ایک لمحے کے لیے وہ بھی حیران رہ گئی ۔ ۔ ۔ چہرے پر رشک اور حیرت کے تاثرات ابھرے میں نے بھی ناقدانہ انداز میں زرینہ کے سراپے پر نظر ڈالی ۔ ۔ ۔ اس نے آسمانی کلر کا سادہ غرارہ اور ساتھ بے ڈھنگی قمیض پہن رکھی تھی ۔ ۔ ۔ یہ کپڑے اس نے پہلے بھی اسکول کے کسی فنکشن میں پہن رکھے تھے اور یہ لباس اس کے تمام لباسوں کے مقابلے میں زیادہ اس پر جچ رہا تھا ۔ ۔ ۔ اس نے بھی اپنے آپ کو سنوارنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا تھا !۔

ہم دونوں تیار ہو کر باہر نکلے ۔ ۔ ۔ اگرچہ ہم نے نادرہ کا مکان پہلے نہیں دیکھا تھا ۔ لیکن ہمیں مکان ڈھونڈنے میں ذرا بھی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑا ۔ ۔ ۔ ۔ لیکن ہمیں یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ جسے ہمیشہ نادرہ مکان کہا کرتی تھی وہ تو نئے طرز کی خوبصورت سی کوٹھی تھی ۔ ۔ ۔ نادرہ کسی طرح بھی بڑے گھر کی معلوم نہیں ہوتی تھی کیونکہ اس کی عادات و اطوار بہت سادہ تھیں لیکن یہ وقت کسی قسم کے تبصرے کا نہیں تھا راہ چلتے لوگ ہمیں تکنے لگے تو ہم نے جلدی سے رکشے والے کو پیسے دے کر رخصت

کیا اور کوٹھی کے گیٹ میں گھس گئے۔

نادرہ تک ہمیں اس کی کسی کزن نے پہنچایا۔ نادرہ کمرے میں بچھے تخت پر بیٹھی تھی۔ اس نے سرخ رنگ کا بھاری غرارہ پہنا تھا اور ساتھ ہی بڑا سا گوٹے کا دوپٹہ اوڑھا تھا سر جھکائے، شرمائی شرمائی بیٹھی تھی . . . . ہمیں دیکھتے ہی وہ جھپٹ کر اٹھی اور ہمیشہ کی طرح پُر خلوص انداز میں ملی۔ ہمیں اپنے قریب بٹھا کر اپنی رشتہ دار لڑکیوں سے تعارف کرایا . . . . مجھ پر ایک بھرپور نظر ڈال کر وہ محبت سے میرا ہاتھ دبا کر بولی۔

زینت! تم تو ساڑھی میں غضب کی پیاری لگ رہی ہو۔

"شکریہ"! میں نے شرما کر کہا۔

نادرہ کسی اور مہمان سے باتوں میں لگ گئی تو میری بے قرار نگاہیں شاہد کے طواف میں کمرے کے داخلی دروازے کے باہر دیکھنے لگیں۔ اگرچہ کافی لڑکے عورتوں کے بیچ میں چل پھر رہے تھے اور ہر کام میں پیش پیش ہو رہے تھے۔ لیکن مجھے جس کی تلاش تھی میری پیاسی نگاہیں اسے ڈھونڈنے میں ناکام ہو رہی تھیں۔ پھر بھی میں نے اپنی ساری توجہ باہر دیکھنے پر مرکوز کر دی تھیں اور انداز ایسا تھا جیسے میں اس تقریب کی خوبصورتی دیکھ رہی ہوں یا ان کے آرائش و زیبائش کی طرف متوجہ ہوں لیکن اصل میں ایسا ہرگز نہ تھا میں تو گرد و پیش سے بے خبر اس راہزن کی منتظر تھی جس نے میرے دن کا چین اور راتوں کی نیند لوٹ لی تھی۔ زرینہ کی حالت بھی مجھ سے مختلف نہ تھی . . . وہ بھی بار بار باہر کی طرف دیکھتی اور پھر مایوسی سے نظریں جھکا لیتی نہ اس سے میری حالت پوشیدہ تھی نہ میری حالت اس سے! پھر بھی دونوں انجان سی بنی بیٹھی تھیں۔

پہلے یہ طے پایا گیا کہ دولہا آکر لڑکی کو انگوٹھی پہنا دے تو پھر کھانے پینے کا پروگرام ہو! نادرہ اور اس کے منگیتر کے لئے باہر لان میں صوفے رکھے گئے! میں نے نادرہ سے پوچھا کر کہا اس کی سسرال میں پر ہے یا کہیں باہر سے آئی ہے، نادرہ نے بتایا کہ وہ لوگ کل سے آچکے ہیں پھر سبز ساڑھی پہنے ایک لڑکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ وہ اس کی نند ہے ساس بھی آئی ہے وہ کہیں باہر ہوگی۔

نادرہ کو باہر لان میں لے جایا جانے لگا تو وہ ہم سے بولی کہ اگر پردے کا خیال نہ ہو تو میرے ساتھ باہر آجاؤ اور اگر ایسی کوئی بات ہو تو یہیں کمرے سے نظارہ کر لو۔

ہنید بھئی! ہم کمرے میں بند ہونے تھوڑی آئے ہیں۔ زرینہ نے مجھ سے پہلے کہا . . . خود میری بھی یہی خواہش تھی کہ نادرہ کے ساتھ باہر چلے جائیں کیونکہ میرے دل میں چور تھا جو پردے اور بے پردگی کی پرواہ کئے بغیر اس کا منتظر تھا جس کے لیے میں بن سنور کر آئی تھی . . . جو میرے خوابوں کا شہزادہ تھا۔

نادرہ شرمائی شرمائی سی بیٹھی بہت پیاری لگ رہی تھی سب رشتہ دار لڑکے لڑکیاں اس کے گرد جمع ہو کر اسے مسلسل چھیڑ رہی تھیں میں اور زرینہ بھی اس کی کرسی کے قریب کھڑی تھیں اتنے میں کسی نے آواز دی "بس بھئی اب لا بھی چکو لڑکے کو" نادرہ نے سر کچھ اور زیادہ جھکا لیا۔ میری توجہ نادرہ کی طرف ہو گئی لیکن سبز ساڑھی والی لڑکی جو میرے قریب کھڑی تھی کی آواز پر میں چونک اٹھی "بھائی جان آگئے"۔

ابھی ابھی نادرہ نے اسے اپنی نند بتایا تھا۔ لہٰذا میں نے یہی سمجھ لیا کہ نادرہ کا منگیتر آیا ہے۔ لڑکوں کا ایک ٹولہ سامنے آرہا تھا ان کے بالکل درمیان میں بلور رنگ کا نفیس سا گرسوٹ پہنے شاہد بھی ہنستا ہوا آرہا تھا۔ شاہد کو دیکھ کر مجھے یوں لگا جیسے اچانک میرے چاروں طرف بہاریں رقص کرنے لگی ہوں میری روح تک خوشی اور مسرت سے سرشار ہو گئی۔ میں نے ساڑھی کا پلو شانے پر ایک ادا سے ڈالا اور مسرت سے تمتمایا چہرہ لئے اس طرف دیکھنے لگی۔ لیکن یہ کیا . . . ؟

سبز ساڑھی والی لڑکی نے ایک ڈبہ شاہد کے ہاتھ میں تھما دیا اور وہ اسے کھول کر اس سے انگوٹھی نکالنے لگا۔

توبہ ہے بھائی جان۔ آپ تو ذرا بھی نہیں شرمار ہے ذرا بھابی کو دیکھئے۔ کیسے سر جھکائے بیٹھی ہے۔ سبز ساڑھی والی ہنس کر بولی تو شاہد نے مسکرا کر کہا۔

نہ بجتی یہ شرمانے کی ایکٹنگ ہم سے نہیں ہوتی۔ لاؤ بھئی نادرہ ہاتھ آگے بڑھاؤ۔ شاباش وہ مزاحیہ انداز میں بولا تو سب کا مشترکہ قہقہہ میرے کانوں میں پڑا۔ مجھے یوں لگا۔ جیسے میں انتہائی بلندیوں سے پستیوں کی طرف بڑی تیزی سے لڑھک رہی ہوں۔ میرا رنگ یقینی طور پر زرد ہوا ہوگا۔ میرے خیالوں کے محل دھڑام سے گر پڑے تھے میں نے اپنے سر کو بے اختیار دونوں ہاتھوں سے تھام لیا تو زرینہ کی مرہ مری سی آواز میرے شائیں شائیں کرتے کانوں میں آئی۔

چلو زینت کمرے میں چلتے ہیں" وہ میرا ہاتھ تھام کر بولی تو مجھے اس کی انگلیاں کپکپاتی اور ہاتھ برف جیسا سرد تھا۔

(ختم شد)

نسیم انہونوی کا
نیا ناول

آخری تمنّا

ایک ایسے شریف النفس مرد اور پاکدامن عورت کی
کہانی ہے جو شرافت کے آپ بیتی کی حیثیت سے نینی تال میں
مصنف کو سنا کر
یہ تمنّا ظاہر کی کہ اسے ناول کے پیرائے میں لکھدیا جائے اور مصنّف
نے اس سچی کہانی کو ناول کی شکل میں پیش کر دیا ایسے پاکیزہ کردار
شاید ہی آپ کو کسی اور ناول میں نظر آئے ہوں۔ دلچسپ سبق آموز
اور نصیحت سے بھرپور

قیمت سات روپیہ

مسرور جہاں کے
افسانوں کا مجموعہ

دُھوپ دُھوپ سایہ

مسرور جہاں محتاج تعارف نہیں ان کے افسانے اکثر رسائل
میں شائع ہوتے رہتے ہیں کتاب کے ناشر خود مسرور جہاں ہیں۔
یہ کتاب اردو اکاڈمی اترپردیش کے مالی تعاون سے چھپی ہے۔

قیمت ۱۵ روپیہ

فاکہہ

وہ ناول جسے مکمل کئے بغیر اے۔ آر۔ خاتون صاحبہ کا انتقال ہوگیا
ہے ان کی صاحبزادی زبیدہ خاتون صاحبہ نے مکمل کیا ہے۔ یہ ناول ایک
عرصے سے ختم تھا اب مل سکتا ہے۔

قیمت : سولہ روپیہ

بچوں کے لئے دلچسپ اور پیاری کہانیاں قصے

کتاب	مصنف	قیمت
گھر کا بھیدی	مظہر الحق علوی	6/-
سمندری لٹیرے	"	4/50
سمندری شیطان	"	1/-
فرعون کا خزانہ	"	4/-
نیلے جاسوس	"	3/50
تین دن ایک کہانی	"	3/-
خوفناک آدمی	"	4/-
لاش کی سرگوشی	"	4/-
تلاش	"	3/-
گھاس کا سمندر	نجم اعزاز	2/-
پراسرار قاتل	"	1/-
زمین کے اندر	"	1/50
اجنبی دنیا	"	2/-
مونگے کے جزیرے	مہدی اعجاز	5/50
ایک گدھے کی کہانی	"	2/50
نیلے قلندر	ایم یوسف انصاری	3/-
الہ دین اور طلسمی چراغ	"	3/-
سلیمان کا خزانہ	محمود نیازی	2/-
بہادر ٹمبا	احمد جمال پاشا	2/50
نانی اماں نے بلّی پالی	عفت موہانی	-/50
نانی اماں اور چھوٹے	"	-/50
نانی اماں نے جلالی چوری کی	"	-/50
نانی اماں نے شادی کرائی	"	-/50
ٹارزن اور آدم خور	ایم یوسف انصاری	-/40
ملا نابالغ	حافظ عاشق ہرگانوی	1/-
کھیل ہی کھیل میں	" "	-/75
اغوا	" "	-/25
گدھے کے بچے	" "	-/80
پریوں کے محل میں	مرزا ادیب	-/40

خدمتِ خلق

(حکیم محمد سعید)

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک شعر ہے :۔

ہر کہ خدمت کرد او مخدوم شد
ہر کہ خود را دید او محروم شد

اس عظیم اور پُر معنی شعر کا مطلب یہ ہے کہ جس انسان نے خلق کی خدمت کو اپنا شعار بنایا وہ آخرکار انسانوں کی نگاہ میں عزت اور بلند مرتبہ کا حقدار ہوگیا۔ خدمت کرنے والے کو لوگ بالآخر معاشرے میں بلند مرتبہ دیتے ہیں اور وہ مخدوم، مربّی اور محسن کے زمرے میں آجاتا ہے۔ شعر کا دوسرا مصرع ہے :

ہر کہ خود را دید او محروم شد

یعنی جس انسان نے خود اپنے کو دیکھنا شروع کردیا، خود اپنی خدمت کرنی شروع کردی وہ بالآخر محروم ہوگیا۔ محروم ہوگیا ایک اعلا انسانی وصف سے، محروم ہوگیا کردار و اخلاق کے اعلا جوہر سے، محروم ہوگیا سربلندی سے اور سرفرازی سے۔

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے اس شعر میں ایک دنیا سمائی ہوئی ہے اور اس پر جتنا غور کریں اتنی ہی عظمتیں سامنے آتی جاتی ہیں۔

مخلوق کی بے لوث خدمت کرنا انسانی اخلاق کا نہایت اعلا جوہر ہے۔ جو انسان مخلوق کی خدمت کرتا ہے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا مرتبہ اور درجہ بہت بلند ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے بندوں سے پیار کرتا ہے اور ان کی کسی غرض اور لالچ کے بغیر خدمت کرتا ہے حق تعالیٰ اسے عزت سے نوازتے ہیں۔ قدرت کا یہ اصول ہے اور فطرت کا یہ قولِ فیصل ہے کہ مخلوق کی خدمت کرنے والے کا مرتبہ ہمیشہ بلند ہوتا ہے۔ دین و دنیا کی ہر دولت اُسے میسر ہوتی ہے۔

لیکن یہ بات ہمیشہ یاد رکھنی چاہیے کہ اس بلند مرتبے پر صرف وہی لوگ پہنچ سکتے ہیں کہ جو خود کو دیکھنا چھوڑ دیں۔ اپنی ذات کو قربان کردیں، اپنے عیش و آرام کا ایثار کردیں، اور اپنی خواہشات کو ترک کردیں اور اپنی ہستی کو فنا کرکے دوسرے انسانوں کے فائدے اور آرام اور اُن کی خدمت کے لیے کمربستہ ہوجائیں۔

خدمتِ خلق کے اعلا معیارات اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے بلند درجات صرف اُس صورت میں حاصل ہوسکتے ہیں کہ انسان خود کو بھول کر اور اپنی ذات کو فراموش کرکے اور اپنے آرام کو ترک کرکے دوسرے انسانوں کی خدمت میں مصروف مشغول ہوجائے۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ خدمتِ خلق سے زیادہ اور کوئی وصف ہی نہیں جس سے معاشرے میں استحکام پیدا ہو، محبت و اُلفت کی فضا قائم ہو اور لوگ ایک دوسرے کو اپنا دوست، ہمدرد اور بہی خواہ سمجھنے لگیں۔ محتاجوں کی ضرورت پوری کرنا، بھوکے کو کھانا کھلانا، ننگے کو کپڑے پہنانا، بیمار کے لیے علاج کا انتظام کرنا، یتیموں کے سر پر ہاتھ رکھنا اور ان کی اس طرح سرپرستی کرنا کہ وہ جوان ہوکر معاشرے کے لیے کارآمد افراد بن جائیں اور پھر وہ خود بھی خدمتِ خلق کریں، بیواؤں کی اس طرح سرپرستی کرنا کہ ان کو معاشرہ میں عزت کا مقام ملے اور ان کی ضرورتیں پوری ہوتی رہیں۔ یہ سب بنیادی خدمات ہیں جن سے نہ صرف خدمت کرنے والے کے جذبے کی تسکین ہوتی ہے اور ضرورت مند کی ضرورتیں پوری ہوتی ہیں، بلکہ ان خدمات کے ذریعے معاشرہ امن و امان اور خوش حالی کا گہوارہ ہوتا ہے اور کسی کو کسی سے شکایت باقی نہیں رہتی۔ تمام اشخاص ایک دوسرے کو اپنا بھائی، مددگار اور ہمدرد سمجھنے لگتے ہیں اور باہمی اعتماد اور اُلفت کا بے پناہ جذبہ جاری و ساری رہتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ہر مسلمان کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ بلکہ یہی وہ نمونہ ہے جس کی اطاعت و پیروی کا ہمیں حکم دیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ کی حیاتِ طیبہ درحقیقت

خدمت خلق سے عبارت ہے۔ آپؐ کی تمام زندگی خدمت ہی خدمت ہے۔

ایک مرتبہ ایک عورت مکہ کی ایک گلی سے گزر رہی تھی۔ اسکے سر پر اتنا بھاری بوجھ تھا کہ وہ بمشکل قدم اٹھا سکتی تھی۔ لوگ اس کا مذاق اڑانے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں قریب ہی تھے۔ آپؐ اس عورت کو مشکل میں دیکھ کر فوراً آگے بڑھے اور اس کا بوجھ خود اٹھا کر اس کی منزل پر پہنچا دیا۔

ایک دن حضور اکرمؐ ایک گلی سے گزر رہے تھے کہ ایک اندھی عورت ٹھوکر کھا کر گر پڑی۔ لوگ اسے دیکھ کر ہنسنے لگے۔ لیکن ہمارے پیارے نبیؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ آپؐ نے اس عورت کو اٹھایا اور اس کے گھر پہنچا دیا۔

خدمتِ خلق کی اسلام میں اس قدر تاکید کی گئی ہے اور رسول اللہؐ نے اتنی بے شمار مثالیں قائم فرمائی ہیں کہ ان سے متاثر ہو کر شاعر کہتا ہے :۔

دل بدست آور کہ حج اکبر است
از ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است

رسول اللہؐ کو اللہ تعالیٰ نے خدمتِ خلق کا بے پناہ جذبہ عطا فرمایا تھا۔ آپؐ ہر وقت مخلوقِ خدا کی خدمت کے لیے کمربستہ رہتے تھے۔ اپنا ہو یا بیگانہ، مسلم ہو یا غیر مسلم، آقا ہو یا غلام آپؐ ہر ایک کے کام آتے تھے اور ان کے ادنا سے ادنا کام کر دینے میں آپؐ کو کوئی عار نہ تھی۔ مکی زندگی کے بعد جب آپؐ مدینہ تشریف لائے تو مشغولیت بہت زیادہ ہو گئی تھی۔ مخالفوں کی چیرہ دستیوں کا مقابلہ، اندرونی دشمنوں کی ستم رانیوں کے خلاف کامیاب مدافعت اور مسلمانوں کی تعلیم و تربیت اور ایک مثالی معاشرے کے قیام کی جد و جہد، سارے کام آپؐ کی ہمہ تن اور ہمہ وقت توجہ کے محتاج تھے، لیکن اس کے باوجود جب بھی معمولی سے معمولی انسانی خدمت کا کوئی موقع آتا تو آپؐ ہمہ تن اس خدمت کی انجام دہی میں لگ جاتے۔

جناب ہادیٔ برحق، نورِ مجسم نے اس کرۂ ارض پر انسان کو ایک نئی زندگی سے روشناس کرایا، انسان تاریکی میں تھا رسولِ برحق نے اسے روشنی دکھائی۔ قرآنِ حکیم آپؐ کا رہنما تھا، اس کی روشنی میں جناب رسول اکرمؐ نے ایک ایسا انسانی معاشرہ قائم کیا کہ اس نے ساری دنیا میں ایک انقلاب برپا کر دیا۔ مسلمان صحرائے عرب سے ایمان کی طاقت اور ایقان کی قوت کے ساتھ نکلے۔ قرآنِ حکیم کی روشنی اور رسولِ برحقؐ کے عمل کا نمونہ ان کے ساتھ تھا۔ انھوں نے دنیا کے چپے چپے کو نورِ ایمان سے منور کر دیا۔ ان کے سامنے قرآن کا یہ فیصلہ تھا کہ۔

اَحْسِنْ کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکَ

یعنی۔ لوگوں کے ساتھ سلوک کرو جیسا کہ اللہ نے تمہارے ساتھ کیا ہے۔ مسلمانوں نے اقطارِ عالم میں حسنِ سلوک کا وہ عظیم مظاہرہ کیا کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی اور اسلام کی سربلندیوں کے سامنے سارا عالم سرنگوں ہو گیا۔ مسلمانوں کے پاس قرآنِ حکیم ہے، مسلمانوں کے سامنے پیارے نبی کریمؐ کا اسوۂ حسنہ ہے اور یہ اتنی بڑی دولت و عظمت ہے کہ مسلمان کو اس سے زیادہ کسی چیز کی ضرورت ہے نہ حاجت۔ ان کو ضرورت ہے اب تو صرف عمل کی۔ بے شک ہم مسلمان عمل میں کمزور ہو گئے ہیں اور اس لیے ہمارا مقام شرف و عزت ہمیں اب حاصل نہیں رہا ہے۔ یاد کرنا چاہیئے کہ یہ ہماری سب سے بڑی محرومی ہے ہمیں اس کا جلد احساس و ادراک کر لینا چاہیئے اور اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کرنے کی شدید جد و جہد کرنی چاہیئے۔ حسنِ فکر اور حسنِ عمل کی ضرورت و اہمیت کو سمجھنا چاہیئے۔ عمل میں ایک عمل خدمتِ خلق ہے۔ ہمارا منتہائے فکر یہ ہونا چاہیئے کہ ہم ایسے انسان بنیں جن کے بارے میں قرآن کہتا ہے :۔

وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْکَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ۔

یعنی "ترجیح دیتے ہیں اپنے پر دوسروں کو، خواہ خود ضرورت مند ہی کیوں نہ ہوں :

اور ایمان اس حدیثِ شریف پر ہونا چاہیئے کہ۔

کَانَ اللّٰہُ فِیْ عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِیْ عَوْنِ اَخِیْہِ۔

یعنی : "اللہ اس بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جو دوسرے بندوں کی مدد کرتے ہیں۔ اگر ہم قرآن اور حدیث کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو اسلامی اور خدمت خلق کو اپنا شعار بنا لیں تو ہم آج بھی دنیا کی سب سے بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں نیک راہ پر چلنے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ [illegible]

بزمِ حریم

اس عنوان کے تحت حریم کی سالانہ خریدار بہنوں کی مرسلہ صرف ایک ایسی خبر شائع کی جاتی ہے جو ولادت شادی یا انتقال کے سلسلے میں ہو۔ خبر مختصر الفاظ میں صاف صاف لکھی جائے اور نمبر خریداری و پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ کے ساتھ روانہ کی جائے۔ ۲۰ر تاریخ تک دفتر میں وصول نہ ہونے والی خبریں ایک ماہ کی تاخیر سے شائع ہوتی ہیں۔ کتابت سے کوئی خبر غلط چھپ جائے تو ادارہ حریم ذمہ دار نہ ہوگا۔ البتہ اطلاع ملنے پر اس کی تصحیح شائع کردی جاتی ہے۔

ولادت اطفال کی خبریں

• فریدہ بیگم (سوئر) میری پیاری سہیلی نسیم اور بہنوئی ڈاکٹر مشتاق احمد، ایم۔ بی۔ بی۔ ایس کے گلشن حیات میں پہلی مرتبہ یکم اگست سنہ۷۹ء بروز بدھ، بوقت ۷ بجے صبح اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ایک پھول کھلایا۔ نام مشیر احمد قرار پایا۔ دعا ہے کہ نومولود اپنے والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

• مس زہرہ (بہار شریف) میری بڑی آپا فاطمہ صاحبہ اور دولہا بھائی سید اکبر حیات قادری صاحب کو اللہ پاک نے بتاریخ یکم ستمبر سنہ۷۹ء بروز سنیچر بوقت سوا چھ بجے شام ایک پیاری سی بچی عطا فرمائی نام بنت الفاطمہ (تزئین) رکھا گیا۔ دعا ہے کہ پھولے پھلے اور دینی و دنیوی ترقی حاصل کرے۔

• ایم نسرین بانو (دھنباد) میری پیاری بہن شاہین بتول و بہنوئی مونگلی۔ عبدالستار کے گلشن حیات میں ۸ر فروری سنہ۸۰ء بروز جمعہ بوقت صبح ۲ ½ بجے ایک کلی کے بعد دوسرا پھول کھلا۔ نام محمد سلمان قرار پایا۔ پروردگار عالم اسے صحت مند رکھے اور شاہین ستار کی گود ہمیشہ بھری رہے۔

• نسرین احمد (سمستی پور) میرے پیارے بھائی ممتاز احسن اور بھابی رمزی ممتاز کے گلشن حیات کو پر بہار بنانے کے لئے ۱۵ر فروری سنہ۸۰ء بوقت ساڑھے نو بجے شب پہلی بار ایک پھول کھلا۔ معبود حقیقی سے دعا گو ہوں کہ یہ ننھا شہزادہ عمر طویل پائے۔ اقبال مند ہو اور والدین کے پر محبت سائے میں پرورش پائے۔

• نسیم فاطمہ کاظمی (بڑودہ) میرے پیارے بھائی محمد علی کاظمی ایڈوکیٹ اور بھابی شمسہ انجم کاظمی کے گلشن حیات میں پہلی بار بتاریخ ۱۳ر نومبر سنہ۷۹ء بروز منگل ایک پیارا سا فرزند تولد ہوا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نومولود عمر دراز پائے اور صاحب نصیب ہو۔ آمین۔ نام سیف الدین کاظمی قرار پایا۔

• شاہدہ رب عذرا رب (رحیم آباد۔ سمستی پور) میرے منجھلے بھیا آصف رضا اور بھابی ناظمہ خاتون کے چمن زیست میں خداوند کریم نے ۱۷ر سنہ۸۰ء بروز اتوار (غالباً ۱۷ر فروری ہوگا) بوقت ۷ بجے شب ایک پھول کھلایا۔ خدائے پاک سے دعا ہے کہ پھول اور کلیوں سے میرے بھیا اور بھابی کا گلشن ہمیشہ مہکتا رہے۔

• فریدہ واجد (میسور) میرے تیسرے بھیا سید امیر احمد و بھابی عابدہ کے گلشن حیات میں دو کلیوں کے بعد ایک خوشنما پھول ۱۷ر جنوری سنہ۸۰ء بروز جمعرات بوقت ساڑھے گیارہ بجے شب کھلا۔ دعا ہے کہ نومولود اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے اور دین و دنیا دونوں میں سرخرو ہو کر فخر خاندان ہے۔

پیغامات نشاط

• محمد انوار الدین صاحب (سکریٹری ایک آنہ فنڈ لکھنؤ) کی صاحبزادی شبانہ سلمیٰ کی شادی خورشید اصغر آصف علی عباسی (فرزند جناب سید اعجاز علی عباسی۔ جے پور۔ راجستھان) کے ساتھ ۲۳ر فروری سنہ۸۰ء بروز سہ شنبہ بوقت ۱۱ بجے دن بمقام دفتر ایک آنہ فنڈ لکھنؤ بحسن و خوبی عمل میں آئی۔ اللہ مبارک کرے۔ افسوس کہ اپنی شدید علالت کے باعث شریک نہ ہو سکا۔ نسیم انہونوی

• ایس۔ ایم ادریس شمسی صاحب کی صاحبزادی انجم فرح بی۔ اے کی شادی صابر حسن شمسی (فرزند جناب مصطفےٰ حسن شمسی صاحب۔ اٹاوہ) کے ساتھ ۹ر مارچ سنہ۸۰ء بروز اتوار بوقت ۱۱ بجے دن چمچم گلی اٹاوہ بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ نسیم انہونوی

• شیریں مظفر (مظفرپور) میری خالہ امی رفعت صفی بی۔ اے آنرز بنت چودھری محمد صفی اللہ صاحب سپرنٹنڈنٹ کسٹمس اینڈ سنٹرل

انکساری) کی شادی نجم اعزاز صاحبہ، مصنف، نئی دہلی کے چھوٹے دیور محمد انور حسین عباسی ۔ بی۔ اے، ایل ایل بی (ابن چودھری محمد انوار حسین عباسی، ریٹائرڈ فوڈ اسٹور ریج افسر۔ بھوپال) سے بتاریخ ۲۱ر فروری سنہ ۸۰ء بروز جمعرات انجام پائی۔

• محمد منوار الحق صاحب کی صاحبزادی فرزانہ سلمہا کی شادی شمیم احمد سلمہ (ابن جناب محمد حبیب متوطن جیور، ہریانہ) سرئے کے ہمراہ ۱۰ر مارچ سنہ ۸۰ء بمقام بکرم پور باہرے بحسن و خوبی انجام پائی اللہ مبارک کرے۔
(نسیم انہونوی)

• درشہوار صدیق پیش امام باندرہ" میرے چچا زاد دیور فیاض احمد فرزند شجاع الدین پیش امام) کی شادی نفیسہ بانو (دختر کریم خاں صاحب) کے ساتھ ۱۰ر دسمبر سنہ ۷۹ء بروز منگل بوقت ۵½ بجے شام بمقام تھانہ بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کی نئی زندگی مسرتوں سے بھرپور گزرے۔

• حاجی منظر الٰہی صاحب مرحوم کی صاحبزادی فردوس نواب سلمہا کی شادی ڈاکٹر محمد عبداللہ ثانی سلمہ (خلف جناب حاجی حافظ عبدالحفیظ صاحب۔ دہلی) کے ساتھ ۹ر مارچ سنہ ۸۰ء بروز اتوار بوقت ۱۲½ بجے دن بمقام مسجد غالب پورہ۔ آگرہ، بحسن و خوبی انجام پائی، اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• مسز اسما رمزی (بختیار نگر۔ ملیح آباد) میری پیاری سہیلی سیما شہا کی شادی ہریش کمار (بنس) کے ساتھ ۱۰ر فروری سنہ ۸۰ء بمقام محلہ گوہنی سہارنپور انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ میری سہیلی ہمیشہ شاد و آباد رہے۔

• شکیل بانو (جیتا پینا) میرے بھائی کے۔ ایم عباس احمد کا عقد سعید بانو عزیزہ سعیدہ دولت بانو (نندبال) ۲۴ر فروری سنہ ۸۰ء بحسن و خوبی انجام پایا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ میرے بھائی و بھاوج ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

انتقال پُر ملال کی خبریں

• پروین فاطمہ (حاجی مئو کانپور) افسوس میری رشتے کی خالہ زاد بہن کشور جہاں (منی) بنت مقصود احمد صاحب عین عالم شباب یعنی ۱۹ سالہ عمر میں ۱۵ر فروری سنہ ۸۰ء بروز جمعہ اپنے ننھے ننھے بھائی بہنوں کو روتا بلکتا چھوڑ کر مالک حقیقی سے جا ملی۔ مرحومہ کی والدہ پہلے ہی رحلت فرما گئی تھیں۔ کشور جہاں کی شادی کی تاریخ بھی مقرر ہو چکی تھی، لیکن افسوس عروسی جوڑے کے بجائے اسے کفن پہننا پڑا۔ اللہ پاک پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

• ورسلا طاہو ترنم تصیرہ تبسم (آنبور) افسوس میرے تایا زاد بھائی ورسلا حاجی نثار احمد صاحب ۱۲ر فروری سنہ ۸۰ء بروز جمعرات بمقام مدراس کار کے ٹرک سے ٹکرا جانے کے باعث اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم کی عمر صرف ۴۵ سال کی تھی۔ بڑے نیک مزاج اور پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ اپنی یادگار ایک بیوہ اور چار بچے چھوڑ گئے ہیں۔ دعا ہے کہ اللہ پاک انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• مومنہ مختار (میسور) افسوس میری بزرگ نانی محترمہ احمدی بی صاحبہ عمر ۸۰ سال صرف ایک ہفتہ کی علالت کے بعد ۲۴ر فروری سنہ ۸۰ء بروز سہ شنبہ بوقت ۱۱ بجے شب بمقام چراغ نگر ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت الفردوس عطا کرے اور ہم سب کو خصوصاً نانا عبدالباسط صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• شگفتہ یاسمین (بنت زیب النساء، میلوشارم) ہمارے ماموں جناب عبدالرحمٰن صاحب سکریٹری یتیم خانہ میلوشارم ۱۰ر فروری سنہ ۸۰ء بوقت ۱۰ بجے دن اچانک ہارٹ فیل ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ اللہ پاک انھیں جنت الفردوس عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل دے۔

• اسماء انجم فاروقی (جھجانہ) افسوس ہماری مومانی جان صاحبہ (نام پڑھا نہ جا سکا) ۱۴ر فروری سنہ ۸۰ء بروز جمعرات، بوقت ۱۰ بجے دن بمقام کراچی حرکت قلب بند ہو جانے سے رحلت فرما گئیں۔ مرحومہ کے چھ بیٹے غیر ممالک میں تھے جو دیدار سے بھی محروم رہ گئے۔ اللہ پاک ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

اگر آپ کو حریم ۲۰ر تاریخ تک نہ ملے تو ایک پوسٹ کارڈ لکھ کر دفتر کو اطلاع کر دیں دوسرا پرچہ بھیج دیا جائے گا۔

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کا مرسلہ صرف ایک شعر ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے، بشرطیکہ شعر ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو۔ موزوں، سنجیدہ و پاکیزہ ہو اور اس طرح بھیجا گیا ہو کہ ۱۰ تاریخ تک دفتر میں پہنچ جائے۔ مئی کے لئے عنوان ہے "راز" اور جون کے لئے عنوان ہے "جواب"۔

اب ڈھونڈھنے چلے ہو مسافر کو دوستو
حد نگاہ تک نہ رہا جب غبار بھی

مرسلہ:۔ شیما تسنیم (اشموگا)

قدم بڑھ کے خود چوم لیتی ہے منزل
مسافر اگر اپنی ہمت نہ ہارے

مرسلہ:۔ زاہدہ فضلی (رام پور)

نہ پوچھو کون ہیں، کیوں راہ میں ناچار بیٹھے ہیں
مسافر ہیں، سفر کرنے کی ہمت ہار بیٹھے ہیں

مرسلہ:۔ شاہین بانو (امراوتی)

مرسلہ:۔ مسز نسیمہ عزیز (بھاگلپور)

لاکھوں ہی مسافر چلتے ہیں، منزل پہ پہنچتے ہیں دو ایک
اے اہل زمانہ قدر کرو، نایاب نہ ہوں کمیاب ہیں ہم

مرسلہ:۔ شہناز بیگم (بنگلور)

مرسلہ:۔ فرح دیبا شاہین (امروہہ)

قسمت پہ اس مسافر بے کس کے رو یئے
جو تھک کے بیٹھ جاتا ہو منزل کے سامنے

مرسلہ:۔ نغمہ اسلم (بھاگلپور)

یہاں جو آ کے مسافر مقام کرتے ہیں
یہ سنتری انھیں پہلے سلام کرتے ہیں

مرسلہ:۔ کشور جہاں (پیلی بھیت)

شگفتہ ہو کے کلی دل کی پھول ہو جائے
یہ التجائے مسافر قبول ہو جائے

مرسلہ:۔ مس شاہدہ ادیب (دستی پور)
مرسلہ:۔ قدسیہ شاہین ۔۔۔ (بیلا ۔۔۔ نگل)

وہ شناور ہوں جو ہر موج کو ساحل سمجھا
وہ مسافر ہوں جو ہر گام کو منزل سمجھا

مرسلہ:۔ سیدہ فرحینہ ستار (کھوال)

مسافر اپنی منزل پر پہنچ کر چین پاتے ہیں
وہ موجیں سر پٹکتی ہیں جنھیں ساحل نہیں ملتا

مرسلہ:۔ زرینہ حبیب (رائے بریلی)

ڈھونڈھتا پھرتا ہوں، میں اقبالؔ اپنے آپ کو
آپ ہی گویا مسافر آپ ہی منزل ہوں میں

مرسلہ:۔ فرح ناز خانم۔ شاہدہ خانم (دہلی)

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے
ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے

مرسلہ:۔ سلمیٰ خلیل (آمبور)
مرسلہ:۔ عفت یاسمین (پیران کلیر شریف)
مرسلہ:۔ عالیہ نشاط (برہانپور)

ہے روح تاریکیوں میں حیراں، بجھا ہوا ہے چراغ منزل
کہیں سر راہ یہ مسافر پٹک دے بوجھ زندگی کا

مرسلہ:۔ صوفیہ مظفر (ٹلکو۔ جمشید پور)
مرسلہ:۔ رفیعہ یاسین (بیلا۔ سیتامڑھی)

زندگی کے کارواں پر کچھ اثر پڑتا نہیں
اک مسافر کھو گیا تو دوسرا مل جائے گا

مرسلہ:۔ ورسلا احمدی عظمت آمبور

زندگی بھر نہیں بھولے گی وہ برسات کی رات
ایک انجان مسافر سے ملاقات کی رات

مرسلہ:۔ مسلمہ بی (رامپور)

ہوا کہیں :

"کون؟ رعنا روپا کی ۔ نہیں تو" نگار نے چونک کر کہا "یہ نواسے انی کے غم میں بخار آیا ہے :

"تو پھر وہ بی بی کون تھیں ۔ میں ہی نے تو انہیں اپنے رکشے میں پہنچایا تھا ۔!

کہاں پہونچایا تھا ۔ کیا وہ آپ کے رکشے میں کئی تھی ہمارے گھر سے ؟"

نگار نے کہا پھر حیران ہوکر رعنا سے بولیں "کہاں گئیں تھیں تم صبح ۔ میں تو جانوں کہ گھر ہی سے نہ نکلی ہوگی تم :

"نہیں باجی ۔ آج تو میں کالج بھی نہیں گئی :" رعنا بولی ۔

یکایک نگار کا دل دھڑکنے لگا "شیخ صاحب بچہ بھی تھا اس کے ساتھ :

"ہاں بی بی ۔ پھلواں بچہ ۔ ہا ۔ ہا ۔ کہتی تھیں کہ بھائی کے گھر جارہی ہوں :

آپ کو معلوم ہوگا وہ گھر ؟!" نگار کا حال ابتر تھا ۔

"میں کل پھر جاؤں گا ان کے بچے کی خیریت پوچھنے :" شیخ نے کہا ۔

یقیناً وہ حنا ہی تھی ۔ نگار نے اطمینان کی سانس لی ۔ ڈاکٹر سے رعنا کا حال کہنے اور نسخہ بندھوانے تک انہیں بڑی بے صبری رہی ۔ بس نہ تھا جو اسی وقت حنا کو لینے پہنچ جاتیں ۔ بہرکیف گھر واپس جاکر سب سے پہلے انھوں نے یہ خبر سب کو سنائی ۔!

"چلو ہم تم لے آئیں اسے چل کر :" ناصیہ بے تابی سے بولیں ۔

"اب تو معلوم ہی ہوگیا ہے کہ وہ بفضل خدا محفوظ ہیں اور اپنے بھائی کے یہاں ہیں :" خرم نے کہا "کل انشا اللہ ناشتے کے بعد جاکے لے آیئے ۔ دس بجے رات کو رحمن صاحب کے گھر جا دھمکنا کوئی معقول بات نہیں ہے :"

"انھیں امی کی خبر بھی نہیں دی :" ناصیہ نے کہا ۔ (باقی آئندہ)

اسے اپنی ستم رسیدہ ماں یاد آئی ۔ جو اس کی بیوگی اور داماد کی جواں مرگی پر آٹھ آٹھ آنسو روتی تھیں ۔ جنھیں اس کا غم قبر میں لے گیا ۔ آہ اماں آپ ہوتیں تو مجھے اپنے سینے سے لگا لیتیں ۔ مجھے ڈھارس دیتیں ۔ ایک ظالم انسان کے رحم وکرم پر مجھے چھوڑ نہ دیتیں ۔ اماں آجایئے ایک بار پھر سے دنیا میں ۔ میرے لیے میری خاطر میری اماں ۔ آج میرا کوئی نہیں ہے اس دنیا میں ۔ اماں ۔ اماں ۔ اس نے ہچکیاں روکنے . . . . . کے لیے آنچل دانتوں میں دبالیا ۔

"ممی" ننھا کاشف جاگ گیا ۔ وہ اپنے گالوں پر سے ماں کے آنسو پونچھنے لگا پھر ماں کو دیکھتے ہوئے کہا "ممی تمھیں ۔ کون خفا ہوا ۔ نہ رو ۔ ممی میں بڑا ہوجاؤں گا تو پھر اسے خوب ماروں گا :" اس نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے ماں کے آنسو پونچھے ۔ حنا کے گریہ بے تاب میں شدت آگئی ۔ اس نے کاشف کو سینے سے بھینچ لیا ۔ اور یوں روئی کہ رکشے والے کو پوچھنا پڑا ۔

"کیوں جان کھو رہی ہو بی بی جی ۔ بہت دیر سے تمھاری آواز سن رہا ہوں ۔ کیا بات ہے :"

"کچھ نہیں بھیا ۔ دنیا میں بے آس جینا بھی مرنے سے بدتر ہے :" حنا نے کہا ۔

"خدا نہ کرے ۔ کیا دنیا میں تمھارا کوئی نہیں ہے بیٹی ؟ ۔

"صرف ایک بچہ ہے بھیا ۔ اور سب نے مجھے چھوڑ دیا :"

"تم تو کفیل میاں کے گھر سے نکلی ہو بیٹی ۔ وہ بڑے بھلے آدمی ہیں ۔ اپنی موٹر سائیکل لینے سے پہلے میرے ہی رکشے پر دفتر آیا جایا کرتے تھے ۔ بھائی سلار و بھائی سلار و کہتے کہتے ان کے ہونٹ سوکھتے تھے ۔ ہمیشہ انھوں نے کرائے سے بڑھ کے پیسے دیے مجھے ۔ میں شرمندہ ہوتا تھا تو کہتے تھے کہ بھائی سلار و بچے کے لیے ایک دو نا بوندیوں کا لے جانا ۔ چار آنے کی کیا حقیقت ہے ۔ اب بھی جب کبھی ملتے ہیں پہلے خود مجھے

سلام کرتے ہیں۔ سبحان اللہ۔ زمین کا فرشتہ ہے وہ آدمی۔ تم ان کی کون ہوتی ہو بیٹی"۔
کیا بتاؤں بابا۔ میں ان کی کون ہوں" حنا نے آہ بھر کر کہا" کوئی نہیں۔ فی الحال کوئی نہیں"۔
" بیٹی دیکھ۔ میں صحیح پتے پر چل رہا ہوں کہ نہیں"۔
" ہاں بابا۔ بس وہ سامنے چوراہے پر پہنچ کر کپڑے والے رحمان میاں کے گھر کا پتہ پوچھ لینا۔ میں بھی پہلی ہی مرتبہ جا رہی ہوں۔ خدا کی شان ہے۔ بہن کو بھائی کا گھر نہیں معلوم"۔
" آج کل کوئی کسی کا بھائی نہیں بیٹی۔ خون کے رشتے تک جھوٹے ہو گئے ہیں"۔
خدا خدا کر کے رکشا رحمن کے گھر پہنچا۔ دھڑکتا دل سنبھالے حنا اتری۔ اور کاشف کو اتارا۔ پھر بوڑھے رکشے والے کی طرف پانچ کا نوٹ بڑھا دیا۔ بوڑھے نے حنا کی صورت دیکھی۔ اور پھر سر ہلا کر بولا۔
" رہنے دو بیٹی۔ تم راستے بھر مجھے بابا اور بھیا کہتی آئی ہو۔ میں تم سے ایک آنہ روپیہ لے کر بڑا تو نہیں ہو جاؤں گا۔ کل تو کہیں نہیں جانا ہے۔ میں رکشا لے کر آؤں؟"
نہیں بابا۔ آپ کا بہت بہت شکریہ۔ مجھے اب کہیں نہیں جانا"۔
دو یا مت کر دو بیٹی جس کے سامنے اللہ رکھے ایک بیٹا موجود ہو۔ اسے رونا نہیں چاہیے"۔ بوڑھے نے کہا" تم کہو گی میں ایک بے حیثیت آدمی تمہیں نصیحت کر رہا ہوں۔ نہیں بیٹی میں سمجھا رہا ہوں۔ آج تمہارا بچہ ننھا سا ہے۔ اسے تمہارے سہارے کی ضرورت ہے۔ کل یہ ماشاءاللہ جوان ہو گا۔ تمہیں سہارا دے گا۔ دنیا میں آنی جانی مصیبتوں پر اتنا دل چھوٹا نہیں کرنا چاہیے۔ اچھا۔ بیٹی میں چلتا ہوں۔ اللہ تمہارا نگہبان ہو"۔
اس نے پیشانی تک ہاتھ اٹھا کر حنا کو سلام کیا اور رکشا لے کر واپس مڑ گیا۔

میرے حواس بھی گم ہیں۔ بھائی۔ تم اور وہ۔ کر دو جو جی چاہے" شکیل نے کہا۔
بھابی اسے کچھ گرم کپڑا پہنا دیجئے" خرم اٹھ گئے" میں رکشا لے کر آتا ہوں"۔
انھوں نے نگار کو اشارہ کیا کہ وہ ان کے ساتھ چلیں۔!
حسن اتفاق ایسا ہوا کہ جب خرم نگار اور رعنا گیٹ سے نکلے تو ان کے پڑوسی رکشے والے شیخ سلار دل گئے۔ انھوں نے دہیں رک کر بڑے دکھ بھرے لہجے میں خرم سے پوچھا۔
" بیگم صاحب گزر گئیں۔ میاں"۔
ہاں صاحب۔ خدا کی مرضی" خرم نے کہا" اگر آپ کا رکشا خالی ہو تو لے آئیے ذرا بچی کو دواخانے لے جانا ہے۔ اس کی طبیعت بھی خراب ہو گئی ہے۔
آج میں دن بھر کہیں رکشا لے کر نہیں گیا" سلار دبولے" باہر بیٹھا سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ آہ میاں۔ بڑھاپے میں بیوی کا مرنا بھی عذاب سے کم نہیں ہے۔ گھر اجڑ کے رہ گیا بڑے صاحب کا۔ خدا ہی ان کے دل کا یہ زخم بھرے۔!"
وہ رکشا لے آئے۔ نگار نے خرم سے کہا" آپ کی کیا ضرورت ہے۔ میں رعنا کو لیے جاتی ہوں۔ شیخ صاحب تو اپنے آدمی ہیں"۔
میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ بے چارے شکیل کو تنہا چھوڑنا مناسب نہیں ہے۔ کب تک آ جاؤ گی"۔
اللہ کرے کہ مل جائیں ڈاکٹر صاحب!" نگار نے کہا پھر رعنا کو رکشے میں بٹھلا اس کے پاس بیٹھ کر اس کو سہارا دیا۔ رکشا چلا!۔
سڑکیں سنسان ہونے لگیں تھیں۔ نگار اپنی غمناک نگاہوں میں فرق نہیں پا رہی تھی رعنا کراہ رہی تھی۔
اب ان بی بی کو کیا ہوا ہے [illegible] نے پوچھا" صبح کو بھی رو رہی تھیں۔ سامنے بھی

حکیم صاحب کے پاس ہو آیئے۔ کیوں یہ گھٹنوں کا درد آپ کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اتنی سی بات پر گھبرا جاتے ہیں۔ اللہ سب بگڑے کام بنا دے گا "

لیکن کہاں ہے آواز دالی۔ اس کی پرچھائیاں ہیں۔ اس کی آواز ہے۔ وہ خود کہاں ہے؟۔

ان کا دم سینے میں گھٹنے لگا۔ وہ اٹھ کر ٹہلنے لگے!۔

" ابا جان۔ کیا کل ایزد کو ٹیلی گرام دے دوں۔؟ " خرم نے پوچھا۔ شعیب صاحب کا دل ٹھہر گیا جیسے وہ موت کی وادی سے زندگی کی شاہراہ پر واپس آگئے۔

کیا پوچھا بیٹے تم نے؟ " وہ سب کے پاس آ بیٹھے جیسے خود کو بہلانا چاہتے ہیں۔

خرم نے پھر اپنا سوال دہرا دیا۔

کیا کرے گا وہ آکے " شعیب صاحب نے کہا۔ " بڑا سنگدل ہے۔ دیکھ لینا۔ آدھا آنسو نہ گرے گا اس کی آنکھ سے۔ مجھے تو اس کے خیال سے بھی نفرت محسوس ہو رہی ہے۔ اس کے علاوہ تمھیں کیا خبر ہے کہ وہ مر وہ گیا کہاں ہے؟۔

یہ کوئی ایسی مشکل بات نہیں ہے ابا جان " خرم نے کہا۔ " میں ان کی کمپنی میں جاکر پوچھ لوں گا ابھی انھیں بھیجا گیا ہے!"

" جیسا تمھارا جی چاہے۔ کرو۔ میں تو سب بیکار سمجھتا ہوں " شعیب صاحب نے کہا۔

خرم بھائی سنتے ہو " دفعتاً ناصیہ نے کہا۔ " رعنا کو تو اچھا خاصا بخار ہے "

اوفی رہی ہے بے چاری لڑکی " خرم نے پاس آکر رعنا کی پیشانی چھوئی اور کفیل کو دیکھنے لگے۔ " بخار تیز ہے۔ کفیل بھائی۔ میں اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں یا آپ کہیئے تو ڈاکٹر صاحب کو لے آؤں "

حنا کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ کیا کہے گی وہ رحمٰن اور رابعہ سے۔؟ ابا جی کی زندگی میں ان لوگوں نے اس سے کیا سلوک کیا تھا جو اب وہ توقع ہے۔؟!

پھر ایک یاد اپنے مرحوم شوہر کی اس کے دل میں ابھری۔ آہ۔ کاش۔ انھیں قضا نہ لے گئی ہوتی۔ یہ دربدری کبھی اس کے نصیب میں نہ آتی!۔

رحمٰن دکان میں تھے۔ رابعہ اسے دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ بڑی گرگ باراں دیدہ تھیں۔ حنا کی اجڑی حالت دیکھ کر ان کا ماتھا ٹھنکا۔ اور انھوں نے آنا فاناً ارادہ کرلیا کہ وہ اس کی پذیرائی نہیں کریں گی۔ حنا کے جواب میں وہ خشک لہجے میں بولیں " بے شان گمان کیسے آئی ہو۔ حلیہ بھی ڈھنگ کا نہیں۔ اے کہیں ایسا تو نہیں کہ میاں سے جھگڑ کے چلی آئی ہو۔! انھوں نے اس سے بیٹھنے کو بھی نہیں کہا۔ کاشف پریشان اور وحشت زدہ سا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا!۔

ایزد میاں نہیں آئے تمھارے ساتھ؟ " رابعہ نے پوچھا۔

نہیں بھابھی " وہ سکڑی سہمی پلنگ کے پائنتی ٹک گئی۔ اور اس وقت اسے شدید پچھتاوا ہونے لگا۔ شاید بھابھی یا ابا جی اس کے بگڑے ہوئے حالات پر تاؤ یا لیتیں اس نے گھر سے نکل کر سخت غلطی کی ہے۔ اب تو حالات اور بگڑ جائیں گے۔ اسے یہ میں نے کیا کیا؟ اس کا سر گھومنے لگا! اور ہاتھ پیر دل سے پسینہ چھوٹنے لگا!۔

کہو تو آخر ہوا کیا ہے " جھڑکنے کے لہجے میں رابعہ نے پھر پوچھا " کوئی بات ایسی ویسی ہو تو میں تمھارے بھائی کو دکان پر سے بلوا بھیجوں۔؟ بالآخر بری حالت میں روتی دھوتی سی آئی ہو تم۔ کیا سسرال والوں نے نکال دیا۔؟! میں پہلے ہی کہتی تھی کہ وہ بدذات لونڈہ صورت ہی سے لفنگا نظر آتا لگ رہا ہے۔ خدا کا ہے جو نباہ ہو۔ مگر تمھارے باپ جنت نصیب اپنے کہنے کے تھے!۔ جاہکی تو ایک نہ مانی۔ ورنہ میرے خالہ زاد بھائی نے تمھارا ہاتھ مانگا ہی تھا۔ اب مزے سے زندگی گزار رہی ہوتیں "

حنا کو معلوم تھا کہ ان کے خالہ زاد بھائی نے ایک کے بعد ایک چار بیویوں کا ناشتہ کیا تھا۔ سب کی اولادیں تھیں اور اب تو وہ خود نہیں پہچان سکتے تھے کہ کن بیوی کی کون سی اولاد ہے۔ رابعہ نے جب اپنے بھائی دلدار حسین صاحب کا نام حنا کے لیے لیا تو خان صاحب نے بڑی حقارت سے انکار کر دیا تھا! اب وہ سسر کا بدلہ نند سے لے رہی تھیں!

جھگڑا کا ہے پر ہوا تھا؟ انھوں نے پوچھا اور دالان میں بچھے تخت پر دراز ہو گئیں۔ یہ دریافت کرنے کی انھوں نے زحمت نہ کی کہ حنا بہو کی پیاسی تو نہیں تھی اس کے بچے کو تو کوئی چیز نہیں چاہیے۔ حنا نے سوچا کہ انھیں صحیح بات نہیں بتانی چاہیئے وہ تو پیٹا ڈھول ہیں۔ محلے بھر میں بج اٹھیں گی۔ اب تو اس کی عزت شعیب صاحب کے پورے خاندان کی عزت ہے۔ بری حرکت اگر کی ہے تو ایزد نے کی ہے کسی اور نے اس کا کیا بگاڑا ہے۔ وہ سب تو اسے پلکوں چھاؤں رکھتے ہیں۔ اس کی تائید میں ایزد کو برا بھلا کہتے ہیں۔!

اس کا پچھتاوا شدید سے شدید تر ہو گیا۔

رابعہ کے تیور جارحانہ تھے۔ انداز سے سنگدلی عیاں تھی۔ لہجے سے ترشی اور حقارت عیاں تھی۔!

مجھے کبھی کوئی اپنا ہمدرد نہیں ملے گا۔ حنا نے کراہتے ہوئے سوچا۔ سب ہمدرد مر چکے۔ اس آسمان تلے میرا کوئی نہیں ہے۔ کوئی نہیں ہے۔

موٹے موٹے آنسو اس کے گالوں پر بہنے لگے۔ ماں کو روتا دیکھ کر کاشف بھی رونے لگا!۔

"اوئی بیوی۔ یہ آخر ہے کیا مصیبت" رابعہ نے تنک کر کہا: "ٹسوے بہا رہی ہو۔ مگر منہ کے تو نگ نہیں جھڑتے۔ ہمیں پتہ تو چلے کس نے کیا کہا ہے۔؟"

دونوں چلے گئے۔ نگار اور ناصیہ رعنا کے پاس آگئیں۔ آپا ذاکرہ اور اماں عیدن الگ بیٹھ کر رونے اور باتیں کرنے لگیں۔

شعیب صاحب دور کرسی پر بیٹھے اپنی بیوی کو دیکھ رہے تھے جو سفید چادر اوڑھے ابدی نیند سو رہی تھی۔ ان کے دل میں ان گنت یادوں کے زخم ہرے ہونے لگے۔

"رخصت ہو گئیں صالحہ۔ مجھے تنہا چھوڑ کر۔ بہت اچھی سزا دی ہے مجھے۔ لیکن میں تمھارے بغیر اس دنیا میں کہاں رہوں گا۔ صالحہ۔ میں آؤں گا تمھارے پیچھے پیچھے": انھوں نے چہرہ پھیر لیا۔ اور ان کی بوڑھی آنکھوں سے آنسوؤں کے تلاطم بہہ نکلے۔!

عشاء کی نماز تک گھر میں بس صالحہ بیگم کا نام ہی نام رہ گیا۔

گھر میں ہو کا عالم طاری تھا! در و دیوار سے وحشت برس رہی تھی!

بڑوں نے کچھ نہ کچھ دل تا بو میں کر لیے تھے۔ لیکن رعنا اور شارق کو سنبھالنا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل رو رہے تھے!۔ رعنا کے بلکنے پر کلیجہ پھٹا جاتا تھا!۔ نگار اسے سمجھا رہی تھیں خود بھی رو رہی تھیں۔ شارق خرم کی گود میں سر ڈالے پڑا تھا! شعیب صاحب کے دل کا حال تو بس جانتے تھے یا پھر ان کا خدا۔ ان کا جی چاہتا تھا کہ وہ بھی دھاڑیں مار کر رونے لگیں۔ انھیں ہر طرف صالحہ بیگم نظر آرہی تھیں۔ صحن میں۔ کمرہ دلان میں۔ دالان میں ہر طرف۔ کہیں کھانے کی فہرست درست کر رہی ہیں۔ کہیں وہ کپڑے اٹھا رہی ہیں جو بچے اتار کر پھینک گئے ہیں۔ کہیں شعیب صاحب کا ناشتہ لا رہی ہیں۔ ہر طرف وہی چل پھر رہی تھیں ان کے دل میں ان کی آواز گونج رہی تھی۔

"میں نے کہا ناشتہ۔ نو بجنے کو بج رہے ہیں۔"

اسے چہرہ ڈھانپ کر رونے لگیں۔

ہائے بیوی اب تم کو کہاں پائیں گے ہم۔ ہائے تم نے کچھ دل کی بھڑاس نکالی نہ ہماری سب کی کچھ سنی۔ کاہے کو یہ داغ چھاتی پر لیے رخصت ہوئی مجھو۔ ہائے بیوی۔ آنکھیں کھولو۔ بٹک سنو تو سہی۔ تمہارے بچے تم کو رو رہے ہیں!!

رعنا بے ہوش ہوگئی۔ شارق ڈھاریں مار رہا تھا۔ آپا ذاکرہ سسکیاں لے رہی تھیں۔ کفیل اور خرم بھی رو رہے تھے اور شعیب صاحب کرسی پر حسرت و یاس کی تصویر بنے بیٹھے تھے۔ نہ ان کی آنکھ میں آنسو تھے نہ لب پر آہیں۔!

ناصیہ اور نگار زار و قطار رو رہی تھیں۔ نگار کی وہ ماں تھیں۔ لیکن انھوں نے ناصیہ کو بھی بیٹی سے بڑھ کر چاہا تھا!۔

پھر کفیل اور خرم سنبھلے! رومال سے آنسو پونچھے اور آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ رشتے داروں میں کہاں کہاں خبر بھجوانی چاہیے۔

بوا عیدن روتی روتی گئیں اور بخور دان میں بہت سا عود و لوبان سلگا کر صالحہ بیگم کے سرہانے لا رکھا۔ ایک بھینی بھینی خوشبو دالان بھر میں پھیل گئی۔ اور جانے والی کی آخری رسموں کی تیاریاں ہونے لگیں!!۔

ایزد: نگار کا حال ابتر تھا: مار ڈالا آخر تو نے اپنی ماں کو۔ وہ سب کے غصے ملامت ڈانٹ پھٹکار کے ان گنت داغ سینے پر لے گئیں۔ ہائے نامراد۔ اب واپس آئے گا تو ماں کو نہ پائے گا بد نصیب۔ تجھ پر خدا کی کیسی مار پڑی تھی!:

نگار: کفیل نے گلوگیر آواز میں کہا۔ دل مضبوط کرو۔ رعنا کو ہوش میں لاؤ۔ میں شارق کو لیے جاتا ہوں۔ خرم میرے ساتھ آؤ۔ میں اکیلا کچھ نہیں کر سکتا!:

کچھ نہیں بھابی۔ میں نے غلطی کی جو یہاں آ گئی۔ مجھے اپنے لیے کسی لندن میں تالاب کی تلاش کرنی تھی: رابعہ نے کچھ نہیں کہا۔ دوپہر ڈھلے رحمٰن گھر میں آئے۔ پہلے کی نسبت حنا نے محسوس کیا کہ وہ بہت ٹوٹے ہوئے تھے۔ حنا کو دیکھ کر بہت حیرت ظاہر کی خوش نہیں ہوئے۔

کیوں بھئی۔ ایزد میاں نہیں آئے: انھوں نے پوچھا۔ اور کاشف کے سر پر ہاتھ پھیر کر لباس بدلنے چلے گئے۔ اندر کمرے میں پتہ نہیں بیوی نے کیا کھسر پھسر کی جب باہر نکلے اور ماما کو آواز دے کر کھانا منگوایا تو لہجہ تند تھا!۔ پھر دسترخوان پر بیٹھ کر انھوں نے حنا کو دعوت دی۔ رسماً اخلاقاً۔ محبت سے نہیں۔ حنا یونہی بیٹھی اپنے اندھا دھند خیالوں کے گرداب میں چکراتی رہی۔

انھوں نے کاشف کو اپنی گود میں بٹھا لیا اور اپنے ساتھ کھلانے لگے؟۔ پھر بیوی سے کہا: بھئی دیکھو حنا دو ایک روز یہاں رہے گی اس کی دعوت ہونی چاہیے:

اوہ تو کیا میں کچھ کہہ رہی ہوں۔ سب چیزیں موجود ہیں۔ پکائیں کھائیں: رابعہ نے کہا۔ نہیں مجھے یہاں رہنا نہیں ہے۔ بھیا: حنا نے ایک سانس سینے میں دفن کرتے ہوئے کہا: آپ میرے لیے تکلیف نہ کیجیے!:

ٹھیک بھی ہے: رحمٰن نے جلدی سے کہا: ابھی تمہاری بھابی سے معلوم ہوا کہ تم سسرال سے لڑ جھگڑ کر آئی ہو۔ میں اس بات کو قطعی پسند نہیں کرتا۔ حنا۔ ویسے یہ گھر تمہارا ہے۔ تم شوق سے یہاں رہ سکتی ہو جب تک دل چاہے لیکن سسرال سے بگاڑ کر یہاں میں پناہ لینا۔ میں مناسب نہیں سمجھتا!:

بھیا آپ نے یہ تو پوچھا ہوتا کہ جھگڑا کیا ہوا: حنا بلک بلک کر رو دی: ماں باپ کے مرنے کے بعد اب میرا کوئی نہیں رہا۔ جو مجھ سے میرا دکھ سکھ پوچھے۔ آپ ماں بھی تھے باپ بھی۔ آپ اپنی چھوٹی بہن کو کچھ روز اپنے پاس رکھنے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ایسی کیا

بوجھ بن جاتی ہیں آپ پر :"

رحمٰن کچھ کھسیا گئے : "میں کب کہتا ہوں کہ تم بار بوجھ ہو ... لیکن میں یہ کہہ رہا تھا کہ سسرال سے بگاڑ اور شوہر کی مرضی کے بغیر میکے میں رہنا اچھی بات نہیں ہے ...!"

اس کے بعد انھوں نے اس موضوع پر ایک طویل لیکچر دے ڈالا جس کا مقصد یہ تھا کہ سسرال والی لڑکی میکے پر قطعاً ناگوار بوجھ ہوتی ہے۔ شوہر کے ساتھ ہنسی خوشی آئے تو پلکوں پر جگہ دی جاتی ہے۔ شوہر سے لڑ کر آئے تو اس کی جگہ جوتیوں میں بھی نہیں نکل سکتی ...!

رابعہ نے اس کی دلجوئی نہیں کی۔ بڑی بے مروتی سے پیش آئیں۔ رات کا کھانا اس نے بس منہ جھٹالنے کی حد تک کھایا! اور برآمدے میں پڑے پلنگ پر جا کر لیٹ گئی۔ آج آسمان صاف تھا۔ نکھرا ستھرا چاند شفاف آسمان کی پیشانی پر طلائی ٹیکے کی طرح چمک رہا تھا! خنک ہوائیں چل رہی تھیں! لیکن حنا کو احساس کہاں تھا کہ وہ موسم کی دلکشی سے لطف اندوز ہو سکتی! اسے آج اپنی حیات بے ثبات میں ایک المناک خلا نظر آ رہا تھا۔

کس کی ہو کر وہ جیے؟ اس کی پروا کس کو ہے۔ چاہنے والے مر چکے۔ یہ رشتے زبان کے رشتے ہیں۔ بھائی بہن کے ناطے کچے رہ گئے ہیں۔ اس کا کیسا دکھ نصیب ہے۔ مقابلہ بر قدرت کر بستہ ڈٹی ہوئی ہے کہ ہرگز کہیں چین لینے نہ دے گی۔ شروع سے بدبختی ہمزاد بنی رہی ہے۔ اسلم کا ساتھ مقدر کو گوارا نہ ہوا۔ اسے جدا کر دیا۔ ایزد کا ساتھ یہ رنگ لایا ... ؟ آخر میں جی کر کیا کروں گی ؟!

یہ خیال اسے آیا اور ناگ کی طرح پھن پھیلا کر ذہن میں کھڑا ہو گیا۔ ناگ کی زہریلی زبان ذہن کے ہر گوشہ میں رینگ رہی تھی! کیا کروں گی زندہ رہ کر۔ کیا کروں گی زندہ رہ کر

ان کی مشکل آسان کرے :"

"پھوپھی اماں یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟" کفیل نے چیخ کر کہا۔

"تو وہ وقت آ گیا۔ جو اٹل ہے :" شعیب صاحب نے ہاتھ ملتے ہوئے کہا "آپا میں قرآن شریف نہ پڑھ سکوں گا۔ میں اپنے حواس میں نہیں ہوں اُف خدا وند کریم۔ کیا میرا گھر اجڑ رہا ہے ؟ :"

امی ... امی۔ شارق اور رعنا کہرام برپا کیے تھے۔

نگار نے ماں کے ہاتھ پر سر رکھ کر بلکنا شروع کر دیا۔

بوا عیدن ہانپتی کانپتی آئیں۔ اور اپنی مالکن کے پائنتی بیٹھ گئیں۔

"امی۔ خدارا آنکھیں کھول دیکھئے" کفیل نے ماں کا سرد چہرہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر رونی آواز میں کہا "امی۔ آپ کو میری قسم۔ کچھ تو کہیئے۔ آپ کے کہاں درد ہے۔ کہاں تکلیف ہے۔ کیا آپ بول نہیں سکتی ہیں۔ پیاری امی۔ دل مضبوط کیجئے۔ امی میری۔ میں لیے آتا ہوں۔ حنا کو۔ ایزد کو۔ ان ناخلفوں کی وجہ سے آپ نے اپنی جان پر بنا لی ہے۔ وہ تو بچے ہیں۔ آپ اتنا نہیں سمجھیں میری امی :"

"میاں۔ انھیں مخاطب نہ کرو :" آپا ذاکرہ نے کہا اور شعیب صاحب کے ہاتھ سے آب زمزم کی شیشی لے کر چمچہ چمچہ آب مطہر صالحہ بیگم کے نیم وا ہونٹوں میں ٹپکانا شروع کر دیا۔ بوا عیدن پہلو میں آ کر یٰسین شریف پڑھتی جاتی اور روتی جاتی تھیں!

بالآخر صالحہ بیگم میں تبدیلی سی ہوئی اور سانسوں کو قرار آ گیا۔ بہت مدھم چلنے لگیں اور پھر بوا عیدن پوری یٰسین ختم نہ کر سکی تھیں کہ دفعتاً صالحہ بیگم کا سینہ ہچکیاں لیکر ابھر کر ہمیشہ کے لیے دب گیا!

بوا عیدن نے حسب دستور اپنی مالکن کا جسم و چہرہ درست کیا۔ ان پھر آنچل

کبھی آرام نہیں دل بھر حیران ہوا کرتی ہیں۔ ایزد سے خدا سمجھے۔ اتنا ستایا ہے۔ بچپن بدمعاش۔ اے امی: انھوں نے صالحہ بیگم کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر، ذرا ان پر جھک کر کہا: سن رہی ہیں آپ کبھی آپ سے حنا نے اپنے بھائی کا تذکرہ کیا تھا؟ کہاں رہتے ہیں وہ: ان کی نظر صالحہ بیگم کے چہرے پر پڑی اور وہ یک بارگی بڑے زور سے چیخیں: بھائی جان۔ ہائے اللہ۔ دوڑیے۔ دیکھیے۔ امی کو کیا ہو گیا ہے:

کفیل چیخے۔ خرم دوڑے۔ سب صالحہ بیگم کے آس پاس کھڑے ہو گئے۔

کیا ہوا۔ کیا ہوا۔ کفیل نے حواس باختہ ہو کر کہا اور صالحہ بیگم پر جھک کر انھیں دیکھنے لگے!

میں ڈاکٹر صاحب کو لے آؤں: خرم نے کانپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

کیا بات ہے۔ کفیل: شعیب صاحب کا لہجہ بکھر رہا تھا۔

آپ دیکھیے اباجان: دیوانے ہو کر کفیل بولے: یہ خرخراہٹ کیسی ہے امی کی سانسوں میں!:

نگار نے دل تھام لیا۔ ناصیہ جلدی جلدی صالحہ بیگم کے پاؤں سہلانے لگیں۔ پھر کانپتی ہوئی بولیں:

خرم بھیا دیکھو۔ برف بن گئے ہیں امی کے پاؤں: خرم نے دونوں ہاتھوں میں صالحہ بیگم کے پاؤں دبا لیے اور ایک افسوسناک اشارہ کر کے نچلا لب دانتوں میں دبا لیا۔

ہائے اللہ: ناصیہ دل تھام کر پائنتی سے اٹھ گئیں۔

ارے آب زمزم لاؤ۔ جلدی کرو: آپا ذاکرہ پانچے سنبھال کر ان کے سرہانے آ بیٹھیں: بھیا کھڑے دیکھ کیا رہے ہو۔ اٹھاؤ قرآن شریف الماری پر سے۔ اللہ

لیکن مجھے موت کیونکر آئے گی!! کس طرح؟۔

خودکشی بزدلی ہے۔ بہادری بھی ہے۔

دنیا سے تنگ آ کر اس کے مصائب کے آگے ہتھیار ڈال کر جان دے دینا یقیناً بزدلی ہے۔

لیکن وہ زندگی جو ایک بار ملتی ہے۔ جس کی حفاظت کے لیے جتن کیے جاتے ہیں اسے حقیر شے کی طرح خود سے فنا کر دینا بے شک بہادری ہے۔!

لیکن مجھے زہر نصیب نہیں ہے۔

پھانسی کا پھندہ میں خود سے گلے میں ڈال نہیں سکتی۔

کنواں تالاب کہاں: اتنے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں۔ تو پھر؟!۔

لیکن۔ لیکن مجھے اکیلے کہاں مرنا ہے؟ مجھے تو ایک ساتھ تین زندگیوں کا خاتمہ کرنا ہے۔ اپنا، اپنے پھول سے بچے کا اور اس کا۔ جس نے ابھی اپنی اولیں سانسیں بھی نہیں لی ہیں!۔

کاشف۔ وہ سسکی۔ بیٹے تیرا نصیب کیا ہے۔ تجھے باپ کا پیار میسر نہیں۔! اور کاشف کو سینے سے چمٹا کر بے آواز رونے لگی۔ وہ بے خبر سو رہا تھا اس کے معصوم چہرے پر تبسم رقصاں تھا۔

کاشف۔ کل ہم تم ساتھ ساتھ اس دنیا سے چلے جائیں گے۔ میں تمھیں بے درد دنیا والوں کے حوالے نہیں کروں گی۔ مرنے کے بعد بھی تمھاری یاد میں میری روح بے چین رہے گی۔ میرے بچے۔ یہ سوچ کر ابھی سے میرے دل پر خنجر چلنے لگے ہیں۔ جب میں نہ رہوں گی تو تم آنکھوں میں آنسو بھرے ایک ایک کا منھ تکو گے اور روؤ گے۔ بتاؤ میری ماں کہاں ہے۔ تب میں تمھیں کہاں ملوں گی۔ میرے لال۔! خون مجھے معاف کر دو:

کاشف ننھی منھی سانسوں سے بے خبر سوتا رہا۔ مسکراتا رہا۔ اس کی بدنصیب ماں اسے سینے سے لگائے خون کے آنسو روتی رہی۔ رات کی آنکھوں کا کاجل گہرا ہوتا گیا!۔

حنا کا زار شعیب صاحب کے گھر میں حشر اٹھا گیا۔ جب وعدہ رعنا اس کے لیے چائے پیسٹریاں اور آلو کے چپس لائی۔ ناصبہ نے اسے بٹھا دیا تھا کہ ضد کر کے اور اصرار کر کے سب کچھ کھلا دینا۔ رعنا نے میز پر سب چیزیں سجا دیں اور غسلخانہ کا دروازہ تھپکتی ہوئی بولی۔

"چھوٹی بھابی نہا چکی ہوں تو نکلیے۔ چائے پالا ہوئی جا رہی ہے۔"

لیکن اندر سے نہ تو حنا کی آواز آئی نہ پانی گرنے کی۔ رعنا نے سوچا کہ حنا نے اس سے مذاق کیا ہے۔ اس نے دروازے پر دباؤ ڈالا۔ پٹ کھل گئے۔ اندر حنا نہیں تھی!۔ اس نے زور زور سے آوازیں دینی شروع کیں!۔ وہ تب بھی نہ بولی تو رعنا نے ہال میں آ کر ڈرتے ڈرتے ماں سے سارا قصہ کہا۔ ادھر ادھر سے سب دوڑے۔ گھر کا چپہ چپہ چھان مارا گیا۔ حنا کا پتہ نہیں چلا!۔

فوراً کفیل بلوائے گئے۔ خرم کو بلانے آدمی دوڑایا گیا۔ شعیب صاحب نیم جان سے کرسی پر بیٹھ گئے۔ صالحہ بیگم پر سب سے خراب اثر پڑا۔ ڈاکٹر نے ان کے متعلق کہہ دیا تھا کہ ان کا پریشر نہایت گرا ہوا ہے۔ کوئی صدمہ سہار نہ سکیں گے!۔ یہی ہوا بھی تھا۔ سب کو اپنی پڑی تھی۔ ان کی خبر کسی نے نہ لی۔ وہ سینہ تھام کر تخت پر لیٹ گئیں!۔ ان کی سانسیں ان کے قابو میں نہ رہی تھیں۔ سانسوں کا نظام کیا بگڑا کہ جسم کے دوسرے اعضا بگڑ گئے۔ ہاتھ پاؤں سے جان نکلی۔ آنکھوں سے نور ختم ہوا۔ اور پھر دماغ نے اپنا عمل چھوڑ دیا۔!

کفیل اور خرم آئے۔ ان میں تیزی سے مشورے ہونے لگے کہ اب کیا تدبیر اختیار

کی جائے۔

"میں یہ سوچ رہا ہوں کہ کہیں وہ اپنی جان پر تو نہیں کھیل گئی۔ کب تک صدمے اٹھاتی؟" شعیب صاحب مردہ لہجے میں بولے۔

"میں اسے دیکھنے جاؤں تو کہاں جاؤں۔؟" کفیل نے دہشت زدہ ہو کر کہا۔ "اسپتال۔ یا اسٹیشن۔ یا پھر کہیں اور۔"

"بھائی صاحب انھیں غائب ہوئے بمشکل دو ڈھائی گھنٹے گزرے ہیں۔ اس عرصہ میں آپ اسپتال اور اسٹیشن پر کیا تلاش کریں گے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ اپنی کسی ملنے والے کے یہاں چلی گئی ہیں۔" خرم بولے۔

"کوئی اس کی ملنے والی کہیں نہیں ہے۔" نگار نے کہا۔ "اگر آمنہ ہوتیں تو خیال ہوتا کہ ہو نہ ہو ان ہی کے پاس چلی گئی ہیں!۔"

"دلھن کا ایک بھائی بھی تو تھا!" ابا ذاکرہ نے یاد دلایا۔ "کسی کو وہاں دوڑاؤ۔ شاید وہیں چلی گئی ہو۔ مگر اس طرح بوکھلا کر نہ جانا کہ وہ کچھ نہ سمجھتے ہوں تب بھی کچھ جائیں۔ بس اس طرح جانا کہ جیسے ملنے گئے ہو۔"

"میں تو یہ جانتا ہی نہیں کہ ان کے بھائی صاحب رہتے کہاں ہیں!" کفیل بولے۔ پھر ناصبہ سے پوچھا۔

"کیوں تمھی کبھی تم سے تذکرہ آیا تھا؟"

انھوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"نہ مجھ شامت زدہ نے کبھی پوچھا۔" نگار بولیں۔

ان طرح کی والدہ محترمہ سے پوچھو۔" طنز سے شعیب صاحب نے صالحہ بیگم کے متعلق کہا۔ "شاید غریب بچی نے کبھی بتایا ہو۔!"

"یہ نا وقت امی کیسے سو گئیں؟" نگار نے کہا پھر بڑبڑائیں۔ "ان کی قسمت میں

The Hareem Lucknow April 1980 (Phones : 44559-45334) Regd. No LW/NP 32

THE HAREEM

ٹیلیفون نمبر آفس:۔ ۴۴۵۵۹

ٹیلیفون نمبر رہائش:۔

گذشتہ ۴۹ سال سے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔
اور اردو میں ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

جلد ۵۸ | نمبر (۵)

ماہنامہ حریم لکھنؤ

اڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم غزالہ
جانی بیگم ردولی

بیادگار
سید محمد سلیم انہونوی مرحوم
و
شفیق النساء
بیگم سلیم انہونوی مرحوم

فہرست مضامین ماہ مئی ۱۹۸۰ء

قیمت سالانہ

اعزازی۔ منی آرڈر سے تیئیس روپیہ۔ مخصوص خریداری منی آرڈر سے اکیس روپیہ۔ معمولی خریداری منی آرڈر سے اٹھارہ روپیہ۔ وی۔ پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ زائد فی پرچہ ایک روپیہ بیس پیسے۔ غیر ممالک سے بقدر غیر ملکی سکہ بھائے سی میل۔ ایر میل سے مختلف ممالک کے لئے مختلف شرحیں۔ آفس اور ترسیل زر کا پتہ نسیم بکڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ
نسیم انہونوی۔ مالک و ناشر۔ پرنٹر سرفراز قومی پریس لکھنؤ

جناب نسیم صاحب کی شدید علالت کی خبر دی جا چکی ہے۔ موصوف کی کمزوری اتنی بڑھ گئی ہے کہ نہ دفتر آسکتے ہیں نہ کام کر سکتے ہیں۔ اپریل کے لمعات میں حیات طیبہ کا ازدواجی شعبہ کے ابتدائی ابواب ہم نے شائع کئے تھے، ذیل میں اسی سلسلہ کے مزید ابواب دئیے جا رہے ہیں ——— (ادارہ)

باب سوئم ازدواج کی وحدت یا کثرت

اگرچہ یہ مثال ہندوستان میں پانڈوں نے قائم کی ہے جہاں پانچ بھائیوں کے درمیان صرف ایک ہی بیوی تھی، لیکن اب یہ سب ہی جانتے ہیں کہ ایک بیوی کا بیک وقت دو یا زیادہ شوہر ہونا اخلاق اور اولاد دونوں لحاظ سے سرتاسر غلط ہے۔ اس لئے ہم شوہروں کی کثرت پر بحث نہیں کرتے البتہ بیویوں کی کثرت پر بحث کرتے ہیں۔

کثرت ازدواج کے متعلق تمام قرآن پاک میں ایک ہی آیت ہے:

"اگر تم ڈرتے ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف کا سلوک نہیں کر سکو گے تو شادی کرلو عورتوں سے اپنی پسند کی۔ دو یا تین یا چار لیکن اگر تم ڈرتے ہو کہ تم ان (بیویوں) کے ساتھ انصاف کا سلوک نہیں کر سکو گے تب ایک ہی (بیوی) کرلو یا پھر اسے جو تمہارے داہنے ہاتھ کے تحت ہے (یعنی کنیز) یہ تمہارے لئے زیادہ موزوں ہوگا نہیں ناانصافی سے بچانے کے لئے۔" (سورہ نساء/۳)

اس آیت پر بحث کرتے ہوئے مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے فرمایا ہے:-

اس آیت کے آنے سے قبل ہی عرب میں کثرتِ ازدواج کا عام رواج تھا۔ خود پیغمبر اسلام کے پاس متعدد بیویاں تھیں۔ اور یہی کیفیت بہت سے صحابہ کرام کے ساتھ تھی۔ یہ آیت جنگِ احد کے بعد اتری ہے۔ اس کا مقصد ہے کہ مسلمانوں کو بتایا جائے کہ بہت سے مسلمانوں کی شہادت سے جو مسئلہ کثرت یتامیٰ کا کھڑا ہو گیا ہے اس کے متعلق فکرمندی کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ مسئلہ کثرت ازدواج کے ذریعہ حل ہو سکے گا جس کا رواج پہلے ہی سے موجود ہے۔ اس آیت نے کوئی اجازت نئی نہیں دی ہے اس نے صرف اس بات پر زور دیا ہے کہ ایک سماجی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے ایک پرانے سماجی رواج کو استعمال کرنا چاہئے جس کی اجازت ہے۔ اس آیت نے جو نئی بات پیش کر دی وہ بیویوں کی تعداد پر حد بندی ہے۔"

(شادی کمیشن رپورٹ کا ایکسرے، زیرادارت خورشید احمد)

یہ آیت جو اس موضوع پر واحد ہے صاف بتاتی ہے کہ قرآن پاک ایک بیوی رکھنے کے فطری طریقے کو پسند کرتا ہے۔ لیکن چند جسمانی، خاندانی سماجی یا سیاسی حالات کے تحت اجازت دیتا ہے کہ:-

(۱) آزاد عورتوں میں دو یا تین یا چار بیویاں بیک وقت رکھی جا سکتی ہیں۔

(ب) باندی (کنیز) عورتوں میں تعداد پر کوئی حد بندی نہیں ہے۔ باندی عورتوں میں وہ شامل ہیں جو جنگی قیدی کی حیثیت سے بطور مال غنیمت سپاہیوں اور شہریوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہیں۔

ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کی اجازت صلائے عام نہیں ہے بلکہ مشروط ہے۔

چنانچہ پچیس سے پچاس سال کی عمر تک پیغمبر اسلام نے ایک ہی بیوی کے ساتھ زندگی گذاری ہے یعنی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ (اللہ تعالیٰ ان پر اور تمام ازواج مطہرات پر اپنی رحمتیں نازل کرے) حضور نے دوسری شادیاں اسی وقت کیں جبکہ حضرت خدیجہ کا انتقال ہو چکا تھا اور جبکہ ملکی اور سماجی حالات کے تقاضے بدل چکے تھے۔

تعقید اچھی چیز ہے۔ ایک مسلم پہلے ایمان لاتا ہے پھر سمجھنے

کی کوشش کرتا ہے، ایک کافر یا منافق پہلے سمجھنے کی کوشش کرتا ہے پھر ایمان لائے یا نہ لائے۔ چنانچہ اس کا خدا اس کی عقل ہے۔

باب چہارم ازواج مطہرات

حضور کی ازواج مطہرات کی مجموعی تعداد کیا تھی؟ مورخین میں کہیں کہیں اختلاف ہے۔ بہرحال اکثر مورخین نے تعداد پندرہ لکھی ہے۔ اس عدد پر چار مشہور مورخوں کا اجماع ہے:۔

(۱) ابن جریر طبری (تاریخ الامم والملوک۔ جلد سوئم صفحہ ۱۷۵)
(۲) ابن کثیر (کتاب البدایہ والنہایہ جلد پنجم صفحہ ۲۹۲)
(۳) امام نووی (تہذیب الاسماء۔ جلد اول صفحہ ۱۲۶)
(۴) ابن اثیر جزری (کتاب الکامل۔ جلد دوئم صفحہ ۱۲۸)

ان ازواج میں چند کی وفات حضور کی زندگی ہی میں ہوگئی تھی بقیہ آپ کے بعد بھی زندہ رہیں۔ ان میں اکثر بیوائیں تھیں۔ اکثر کے ساتھ زن و شو کا تعلق قائم ہوسکا۔ لیکن چند کے ساتھ یہ تعلق قائم نہ ہوسکا۔ اس کی وجہ رخصتی سے قبل موت تھی یا طلاق۔ اکثر آزاد خواتین تھیں یعنی وہ اپنی مرضی سے جس سے چاہیں شادی کرسکتی تھیں۔ چند جنگی قیدی تھیں۔ چنانچہ باندی تھیں اگرچہ آزاد کردی گئی تھیں۔ اگر انھوں نے حضور سے شادی کی تو سراسر اپنی خوشی سے ازواج مطہرات میں ایک باندی تھیں، بطور تحفہ آئی تھیں اور حضور نے انہیں آزاد نہیں کیا۔ ہاں جب انہیں اولاد ہوگئی تو شریعت اسلامیہ کے تحت خود بخود آزاد ہوگئیں۔ بعض قبیلۂ قریش سے تھیں۔ بعض عرب کے دوسرے قبیلوں سے تعلق رکھتی تھیں۔ ایک کا تعلق عجم سے تھا۔ لازمی طور پر حضور سے شادی کے موقع پر ان کی عمریں مختلف تھیں، ان کی صلاحیتیں الگ الگ تھیں، ان کی طبیعتیں الگ الگ تھیں۔

پہلی چار ازواج کے بارے میں تمام مورخین متفق ہیں کہ کس سال پیدائش ہوئی۔ کس سال حضور سے شادی ہوئی اور کس سال انتقال ہوا۔ لیکن آگے چل کر مورخین میں سال دو سال کا کہیں کہیں اختلاف نظر آتا ہے۔ بہرکیف مندرجہ ذیل تاریخوں پر بیشتر کا اجماع ہے:۔

(۱)

حضرت خدیجہؓ بنت خویلد، قریش، دو بار بیوہ، سابق شادیوں سے تین یا چار بچے۔ حضورؐ سے شادی ہوئی ۲۸ سنہ قبل ہجرت۔ جبکہ وہ چالیس سال کی تھیں اور آپ پچیس سال کے تھے۔ آپ کے ساتھ پچیس سال زندگی گزاری ۳ سنہ قبل ہجرت وصال ہوا۔ مکہ معظمہ میں ہی مدفون ہیں۔

(۲)

حضرت سودہؓ بنت زمعہ، قریش، بیوہ سابق شادی سے ایک اولاد۔ حضورؐ سے شادی ہوئی ۳ سنہ قبل ہجرت، یعنی خدیجہؓ کے انتقال کے چند ماہ بعد۔ اس وقت وہ پچاس سال کی تھیں۔ اور حضورؐ بھی پچاس سال کے تھے۔ آپ کے ساتھ تیرہ سال زندگی گزاری ۱۹ھ میں بہتر ۷۲ سال کی عمر میں وفات پائی۔ مدینہ منورہ میں مدفون ہیں۔

(۳)

حضرت عائشہ صدیقہؓ بنت حضرت ابوبکرؓ قریش، کنواری حضورؐ سے شادی ۳ سنہ قبل ہجرت ہوئی جبکہ آپ کی عمر چھ سال کی تھی اور حضورؐ کی عمر پچاس سال، رخصتی ۱ھ میں ہوئی۔ حضورؐ کے ساتھ گیارہ سال وقت گزارا۔ ۵۸ھ میں ۲۷ رمضان المبارک کو وصال ہوا۔ اس وقت عمر ۶۶ سال تھی۔ مدینہ کی سرزمین پاک میں آخری آرام فرمایا۔

(۴)

حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ بن خطاب، بیوہ، قریش، حضرت عائشہؓ صدیقہ کی رخصتی سے چند ماہ بعد حضورؐ سے ۳ھ ہجری میں شادی ہوئی۔ اس وقت آپ کی عمر بائیس سال تھی اور حضورؐ کی بچپن سال۔ حضورؐ کے ساتھ آٹھ سال وقت گزارا۔ ۶۹ سال کی عمر میں ۴۱ھ کو قضا کیا۔ مدینہ میں آرام فرما ہیں۔

(۵)

حضرت زینبؓ بنت خزیمہ (ام المساکین) قریش، بیوہ، حضورؐ سے ۳ھ میں شادی ہوئی جبکہ آپ تیس سال کی تھیں اور حضورؐ بچپن سال کے۔ حضورؐ کے ساتھ صرف تین ماہ گزارنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد انتقال فرمایا۔ سال وفات ۳ھ ہے۔ مدینہ میں مدفون ہیں

(۶)

حضرت ام سلمہؓ بنت ابوامیہ، قریش، بیوہ، سابق شوہر سے چار اولاد۔ حضورؐ سے شادی ۴ھ میں ہوئی جبکہ آپ کی عمر ۲۶ سال تھی اور حضور کی چھپن سال۔ حضورؐ کے ساتھ سات سال رہیں۔ ۶۳ھ میں چوراسی سال کی عمر میں انتقال فرمایا۔ آپ

مدینہ میں دفن ہیں۔

(۷)

حضرت زینب بنت جحشؓ، قریش، بیوہ۔ سنہ ۵ھ میں حضورؐ سے شادی ہوئی اس وقت آپ کی عمر ۳۸ اڑتیس سال تھی، اور حضورؐ کی ۵۷۔ چھ سال حضورؐ کی رفاقت میں رہیں ترپن سال کی عمر میں سنہ ۲۰ھ میں وصال ہوا۔ مدینہ میں قبر بنی۔

(۸)

حضرت جویریہؓ بنت حارث، عرب، بیوہ، کیونکہ شوہر دشمنوں کے کیمپ میں تھا۔ جنگی قیدی کی حیثیت سے آئیں اور حضورؐ نے آزاد فرمایا۔ پھر شادی کرلی۔ یہ واقعہ سنہ ۵ھ کا ہے اس وقت آپ کی عمر بیس سال تھی اور حضورؐ کی ستاون۔ حضورؐ کے ساتھ چھ سال رہیں پینسٹھ ۶۵ سال کی عمر میں سنہ ۵۰ھ میں انتقال ہوا۔ مدینہ کی خاکِ پاک کو آپ کے مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

(۹)

حضرت ام حبیبہؓ (اصلی نام رملہ) بنت ابوسفیان، قریش، بیوہ (شوہر مرتد ہوگیا تھا) سابق شوہر سے ایک بیٹی۔ سنہ ۶ھ میں آپ کی شادی حضور سے ہوئی جبکہ آپ چھتیس ۳۶ سال کی تھیں اور حضورؐ کی عمر اٹھاون ۵۸ تھی۔ حضورؐ کی خدمت کا موقعہ پانچ سال ملا۔ سنہ ۴۴ھ میں وصال ہوا جبکہ عمر چوہتر تھی۔ مدینہ میں آرام فرما ہیں۔

(۱۰)

حضرت ماریہ قبطیہؓ بنت شمعون، کنواری باندی، جنھیں مصر کے مقوقس (گورنر) نے بطور تحفہ ریاست مدینہ کے سربراہ کو بھیجا تھا۔ آپؐ نے قبول فرمایا اور شادی کرلی۔ یہ واقعہ سنہ ۷ھ کا ہے۔ اس وقت حضرت ماریہ کی عمر سترہ ۱۷ سال تھی اور حضورؐ کی عمر اٹھاون سال حضورؐ کی زوجیت میں پانچ سال رہنے کا موقعہ ملا ۲۲ سال کی عمر میں سنہ ۱۶ھ میں انتقال فرمایا۔ دوسری ازواج کے ساتھ ساتھ مدینہ میں مدفون ہیں۔

(۱۱)

حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب، عرب، پہلے شوہر نے طلاق دیدی۔ دوسرے شوہر کا انتقال ہوگیا۔ پہلے قوم بنی اسرائیل سے تعلق تھا۔ سنہ ۷ھ جمادی الآخر میں جنگی قیدی کی حیثیت میں گرفتار ہوکر آئیں، اسلام قبول کیا اور حضورؐ نے شادی فرمائی۔ اس وقت حضرت صفیہ کی عمر سترہ سال تھی، اور حضورؐ کی اٹھاون سال۔ پانچ سال حضورؐ کی معیت میں گذارے۔ ساٹھ سال کی عمر میں سنہ ۵۰ھ میں وفات پائی۔ مدینہ میں مدفن بنا۔

(۱۲)

حضرت میمونہؓ بنت حارث، عرب، بیوہ۔ حضورؐ سے سنہ ۷ھ کے ذیقعدہ میں شادی ہوئی۔ جبکہ آپ کی عمر چھتیس سال تھی اور حضورؐ کی عمر انسٹھ ۵۹ سال۔ چار سال حضور کے ساتھ وقت گذارا۔ سنہ ۵۱ھ میں انتقال فرمایا جبکہ آپ کی عمر اسی سال تھی۔ مکہ کے آس پاس مدفون ہیں۔

(۱۳)

حضرت ریحانہؓ بنت عمرو بن حنفہ، عرب، بیوہ، جنگی قیدی کی حیثیت سے آئیں، اسلام قبول کیا اور آزاد کی گئیں۔ سنہ ۶ھ میں حضورؐ سے شادی ہوئی۔ سنہ ۱۰ھ میں انتقال فرمایا جبکہ حضورؐ بقید حیات تھے۔ مدینہ میں مدفون ہیں۔

جہاں تک بقیہ دو ازواج —— حضرت حمیرہ بنت یزید الکلبیہ اور حضرت اسماءؓ بنت نعمان الکندیہ —— کا تعلق ہے، مورخین نے کچھ زیادہ نہیں لکھا۔ بہرکیف اگرچہ دونوں کا نکاح حضورؐ سے ہوچکا تھا، زن وشو کے تعلقات قائم نہ ہوسکے۔ بعض کتابوں میں ہے کہ رخصتی سے پہلے ہی دونوں کا وصال ہوگیا۔ اور دوسری کو طلاق ہوگئی۔ کیونکہ وہ مبروص ہوگئی تھیں۔

ہم آگے چل کر تفصیلات پیش کریں گے کہ اسلام کی تبلیغ اور ترقی میں ازواج مطہرات نے کیا کردار ادا کیا ہے اور حضورؐ نے ان کے انتخاب میں کیا مصلحتیں پیش نظر رکھیں۔ یہاں پر اتنا کہنا کافی ہوگا کہ ان کی ذہنیت، اور ان کی روح عام سطح سے بالاتر تھی۔ وہ مومنین سابقین میں سے ہیں۔ زمانہ انھیں بدل نہ سکا۔ ہاں، انھوں نے زمانہ کو بدل دیا۔ وہ اور اسلام۔ من تو شدم تو من شدی —— ہوکر رہ گئے۔ انھوں نے دنیا، خصوصاً عورت کی دنیا، کو لطف اور کیف سے بھر دیا۔ اسلام کی خاطر انھوں نے بڑی سے بڑی اور طویل سے طویل قربانی سے دریغ نہ کیا۔ ان کے حصہ میں فاقہ ہی فاقہ اور پسینہ ہی پسینہ تھا، تکلیف تھی اور محنت ہی محنت، لیکن دنیا کی سب سے بڑی عشرت انہی کے پاس تھی۔ عشرتوں کے بغیر زندگی گذارنے کی

مشترکہ۔ ان کے پاس سب سے کاری اسلحہ تھا۔ حق کی حمایت میں تبلیغ، تنظیم اور جہاد۔ چنانچہ وہ آقا تھیں۔ ذہن کے تمام سکون کی، کردار کی، ساری خوبیوں کی، ضمیر کے سارے اطمینان کی۔ انھیں استقلال تھا، یدِ بیضا تھیں۔ فضا میں طوفان بڑا آتے رہے، لیکن وہ منزلِ مقصود پہ پہنچ کر رہیں۔ اللہ کی رحمتیں ان پر شب روز مدام رہیں۔ (باقی آئندہ)

کچھ اپنے متعلق

اللہ پاک کا ہزار ہزار احسان ہے کہ دو روز سے میری تکالیف میں کمی محسوس ہو رہی ہے اور یہ نوٹ میں خود ہی لکھ رہا ہوں، لیکن ابھی کمزوری کا یہ عالم ہے کہ باتھ روم تک جانا دشوار ہے۔ ۲ ماہ کی مسلسل روح فرسا تکلیف نے صحت بالکل برباد کردی اتنا لمبا اور تکلیف دہ دورۂ تنفس کا سال میں کبھی نہیں پڑا تھا۔ دو روز سے جو کمی مرض میں قائم ہوئی ہے۔ اگر قائم رہی تو انشاء اللہ ایک ماہ میں دفتر جانے کے قابل ہو جاؤں گا۔

اپنی معذوری اور مجبوری کا اظہار حریم میں کرا دینے پر بھی صدہا خطوط حریمی بہنوں اور بھانجیوں کے دفتر کو وصول ہوئے میری عدم موجودگی میں اسٹاف کے لئے یوں بھی کام بڑھ جاتا ہے اس لئے ایسے خطوط کے جوابات نہ دئے جاسکے۔ بہرحال میری یہ تحریر حریمی بہنوں اور بھانجیوں کے لئے تشفی بخش ہوگی۔

آپ سب یقین کریں یا نہ کریں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ پیاری بیٹی نجم السحر سے بات کرنے کے لئے ۱۲ اپریل کی صبح فون ملایا گیا تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے شوہر عزیزی منصور سلمہ کے ساتھ ۱۲ ہی کو ۳½ بجے لکھنؤ پہنچ جائے گی۔ اسی روز بھائی ہرچرن سنگھ صاحب مع اپنی استری کے جنھیں میں نے بہن کہہ رکھا ہے میری عیادت کو دہلی سے تشریف لائے اور تمام دن میرے ہی ساتھ رہے۔

ہرچرن سنگھ صاحب مذہباً سکھ ہیں، لیکن انھوں نے دیگر مذاہب کی کتب کا بھی مطالعہ کیا ہے اور میں ان کے متعلق بس اتنا ہی لکھ دینا کافی سمجھتا ہوں کہ وہ ایک مکمل انسان ہیں اور ان میں تعصب کا کوئی شائبہ بھی پایا نہیں جاتا۔ میرے پرستار ہیں اور بڑے خلوص و محبت کے ساتھ مجھ سے برابر ملتے رہتے ہیں۔ کاش ہم سب انھیں جیسے انسان بن سکتے ــــ بہرحال دواؤں سے زیادہ ان ہستیوں کے آنے کا مجھ پر بہتر اثر پڑا ــــ یہ تو آپ کو معلوم ہی ہے کہ اس دنیا میں، میں اپنی بیٹی نجم السحر سے زیادہ کسی کو بھی نہیں چاہتا۔ اللہ پاک اسے دنیا کی ساری مسرتیں بخشے۔ آمین

۱۵ اپریل ۸۰ء — نسیم انہونوی

ایک ہمدردِ ملت مظفر الحق ندوی کانپور کا خط

"ــ آپ کے اداریے اور مضامین جو پردہ کے سلسلہ میں آتے رہتے ہیں اور جو نہایت طاقتور اسلوب میں ہوتے ہیں، پڑھ کر خوشی ہوتی ہے۔ اللہ تعالےٰ آپ کا سایہ دراز فرمادیں۔ اور ہم سب بیش از بیش فیض یاب ہوتے رہیں

ہمارے شہر کانپور میں اب برقع ہوتے ہوئے بھی بے پردگی کا رواج بڑھ رہا ہے اور ایسا لگتا ہے کہ یہ ایک نیا فیشن رائج کیا جارہا ہے۔ اس کی طرف عوام و خواص کی توجہ ضروری ہے ــــ"

محترم مظفر الحق ندوی صاحب کے دردمند دل نے جو کچھ محسوس کیا ہے خود میں بھی عرصہ سے محسوس کر رہا تھا اس لئے کہ میں نے دیکھا کہ اب کانپور کی خواتین نہ صرف یہ کہ بیش قیمت برقعے استعمال کرتی ہیں۔ بلکہ وہ لباس کے رنگ کی موزونیت سے بنائے جاتے ہیں اور جہاں لباس دن میں بار بار بدلا جاتا ہے۔ برقع بھی تبدیل کیا جاتا ہے۔ نام و نمود اور فیشن کا ایسا زور ہے کہ معاذ اللہ۔ جن باتوں کو اسلام نے روکا اور منع فرمایا ہے، اس پر بیش از بیش زور دیا جارہا ہے خدا کے فضل و کرم سے کانپور میں ہزارہا مسلم فیملیز کو اللہ نے نوازا ہے۔ ان خاندانوں میں فیشن، لباس اور کاسمیٹکس پر لاتعداد رقم صرف کی جارہی ہے۔ یہ خواتین کاروں پر یا پیدل نکلتی ہیں تو ان کے حسن و جمال سے زیادہ ان کے برقعے اور لباس کو دیکھا جاتا ہے۔

میں تو سمجھتا ہوں کہ فیشن، لباس اور برقع کے سلسلہ میں کانپور ایک ریس کا میدان بن کر رہ گیا۔ کاش اسلام کی یہ نام لیوا بہنیں اس دوڑ میں آگے نکل جانے کی کوشش کو لگام دیں اور ان خاندانوں کے مرد جو عموماً پابند صوم و صلوٰۃ ہیں دیکھیں کہ ان کی خواتین کدھر جارہی ہیں۔ وہ چاہیں تو اصلاح کی صورت پیدا ہو سکتی ہے میری دعا ہے کہ اللہ انھیں نیک توفیق دے۔

ساتھی مل گیا

عالیہ نشاط برہانپور

ریشاں نے بی،ایس،سی کر کے ایک آفس میں نوکری کر لی سب کو بڑی خوشی ہوئی کیونکہ تین چھوٹے بھائی اور ایک بہن جو چھوٹی ہونے کے باوجود بڑی ہو چکی تھی شادی کرنی تھی باپ کے ہوتے ہوئے یہ ذمہ داری ریشاں پر تھی کیونکہ وہ اپاہج تھے ماں نے سلائی وغیرہ کر کے تعلیم اور گھر کا خرچ چلایا اور پھر خاندان والے خود ان لوگوں کی مدد کرنا پسند نہیں کرتے تھے یہ تو ریشاں کی قسمت اچھی تھی کہ اس کو اتنی جلدی نوکری مل گئی اچانک ہی اس کی چھوٹی بہن کا پیغام آیا لڑکا اچھا ریشاں نے ماں کو راضی کر لیا ورنہ بڑی بہن سے پہلے چھوٹی کا بیاہ کرنے کو تیار نہ ہو رہی تھیں شادی ہو گئی ریشاں اب اپنے آپ کو کچھ آزاد سمجھنے لگی کیونکہ چھوٹا بھائی بی۔اے۔فسٹ ایر میں تھا ان ہی دنوں اس کی ملاقات فیروز سے ہو گئی یہ ملاقات بس اچانک ہی ہو گئی اس کو معلوم نہ تھا کہ ملاقات زندگی میں اتنی تبدیلیاں لے آئیں گی وہ آفس جانے کے لئے بس کیو میں کھڑی ہوئی تھی اس نے پیلا پٹھانی سوٹ پہنا تھا جس پر اس کی کالی کالی زلفیں بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھیں آج وہ بہت اچھی اچھی لگ رہی یوں بھی وہ کافی خوبصورت تھی آج اس کو دیر ہو گئی تھی اور نیا مینجر اکثر اس کو ڈانٹتا تھا اس لئے وہ آج بہت گھبرا رہی تھی کہ اچانک ایک کار اس کے پاس آکر رکی۔ اس میں ایک اچھے ناک نقشے کا انسان براجمان تھا اس نے ریشاں سے کہا محترمہ اگر آپ برا نہ مانے تو میں آپ کو آفس تک لفٹ دیدوں ریشاں پہلے تو گھبرائی مگر پھر نوکری کے خطرے سے وہ کار میں تھینک یو کہکے سوار ہو گئی۔ فیروز نے ریشاں کو بتایا کہ وہ ایک ڈاکٹر ہے اور اسپتال میں سروس کرتا ہے فیروز ریشاں کو بہت اچھے لگے ان کا روک روک کر بات کرنا ریشاں کو بہت پسند آیا انھوں نے بتایا کہ وہ روز ہی اس کو آفس جاتے دیکھتے ہیں انھوں نے ریشاں کو شام ساتھ چائے کی دعوت دی ریشاں سے انکار کرتے نہ بنا دونوں نے شام کی چائے ساتھ پی

ریشاں بھی زندگی کی دوڑ میں اب تھکن محسوس کر رہی تھی اور اب اس کو بھی سہارا چاہیئے تھا وہ مضبوط بانہوں میں پناہ چاہتی تھی اور فیروز بھی ایسا ہی محسوس کر رہے تھے وہ اس کو بہت چاہتے تھے ایک دن جب وہ گھر پہنچی تو اس کو دیر ہو گئی کیونکہ آج فیروز سے شادی کے مسئلے پر بہت دیر تک بات کرتی رہی اور یہ دونوں نے طے کیا کہ ریشاں کے چھوٹے بھائی کی نوکری کے بعد وہ دونوں شادی کر لیں گے فیروز نے ریشاں سے کہا ابھی کر یعنی میرج کر لیتے ہیں تم میرج کے بعد بھی اپنے گھر والوں کی مدد کر سکتی ہو مگر ریشاں تیار نہ ہوئی ریشاں خوشی میں سرشار کہ فیروز نے اس کی بات مان لی گھر آئی تو ایک بڑا طوفان اس کی آمد سے پہلے تیار تھا جیسے ہی وہ گھر میں داخل ہوئی اس کے باپ نے کہا ریشاں کہاں سے اتنی دیر سے آ رہی ہو اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی ماں بولیں خوب نام روشن کیا تم نے خاندان کا یہ بھی کوئی طریقہ ہے ریشاں کا دماغ چکرانے لگا یا خدا میری قربانی کا یہ پھل اتنے برس خدمت کرنے کا یہ ملا اس نے دھیمے سے کہا کیا ہوا امی حضور آپ اتنی ناراض کیوں ہیں۔ ارے واہ تم تو ایسے پوچھ رہی ہو جیسے کچھ جانتی ہی نہیں آخر ڈاکٹر فیروز کے ساتھ اتنے ملنے جلنے کی کیا ضرورت ہے اوہ تو یہ فیروز کی بات ہے ریشاں نے سوچا اس نے سوچا چھپانے سے کیا فائدہ اس نے کہا میں فیروز سے شادی کر رہی ہوں اور ایک گہری سانس امی کے منہ سے نکلی لیکن یہ کیسے ہو سکتا پاس کھڑے فرق نے کہا کیوں ایک دھماکہ سا ریشاں کے دماغ میں چھوٹا فرق جو ریشاں کا چھوٹا بھائی تھا وہ بولا آپ اگر شادی کر لیں گی تو گھر کیسے چلے گا کیوں تم نہیں ہو ریشاں نے حیرت کن انداز میں کہا۔ بوڑھے باپ کی آواز اسکے کانوں میں گونجی بیٹی جاوید آگے پڑھائی کے لئے ولایت جانا چاہتے ہیں ماں بولیں اور اس لئے آپ ان کے واپس آنے تک شادی نہیں کر سکتی جب

رشیماں کو ایسا معلوم ہوا ہزاروں سانپ اس کے جسم سے لپٹ گئے اس کو ماں کی صورت اتنی عجیب لگی کہ وہ حیران ہوگئی وہ بھاگ کر اپنے کمرے میں گئی اور روتے ہوئے یہ سوچ رہی تھی ! میری بات کو سمجھانے کے لئے کوئی تیار نہیں آخر میں بھی انسان ہوں جاوید جب اپنی لائف بنانا چاہتا ہے تو کیا میں اپنا جیون ساتھی بھی نہیں چن سکتی دوسرے ہی لمحے اس کے سامنے چاندی کی رنگت لئے ہوئے بال اور جھریوں سے بھرے چہرے کی تصویر گھوم گئی نہیں۔ نہیں میرا یہ انجام نہیں ہوگا میں اس خود غرض دنیا کے پیچھے اپنا جیون نہیں برباد کروں گی دوسرے دن، رشیماں نے فیروز سے شادی کے لئے کہا فیروز کو دنیا جہان کی دولت مل گئی جب یہ خبر رشیماں کی ماں اور بھائی کو ملی تو دونوں بہت چیخنے لگے۔ رشیماں کے ماں باپ کے چہرے پر گہرے سکون کی لکیریں دور سے صاف دیکھی جا سکتی تھیں خدا جانے رشیماں کی طرح کتنی ہی لڑکیاں اسی طرح خود مختار ہونے پر مجبور ہوئی ہوں گی۔

خواتین کے لئے خواتین کے لکھے ہوئے ناول

شائنہ	رضیہ بٹ	تیس روپیہ
طورین	”	پچیس روپیہ
ریطہ	”	پچیس روپیہ
صنم	مینا ناز	بارہ روپیہ
آنکھ مچولی	دیبا خانم	پندرہ روپیہ
آنگن	شمیم نقوی	بیس روپیہ
اک طرز تغافل	مشرف تنویر	پینتیس روپیہ
شعاع	نادرہ خاتون	تیس روپیہ
فرینہ	فریدہ نصرت	دس روپیہ
رنگین کانٹے	نورجہاں سلیم	بارہ روپیہ
نفرت	مینا ناز	بارہ روپیہ
زندگی مسکرائی	زلیخا حسین	بارہ روپیہ
بہار آنے تک	مینا ناز	پندرہ روپیہ
سوکھا ساحل	فریدہ انیس	بارہ روپیہ
پیار کا موت	نورجہاں سلیم	بارہ روپیہ
عینی	زبیدہ خاتون	بیس روپیہ

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہوگیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ لچکے پٹھے سے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہوگئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا لچکا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہوجاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں۔ خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں لچکے لگے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سورتی بیلیں اور چمپا جھلکی وغیرہ ٹنکا کر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے یا خراب ہوجائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو مات کرتے ہیں۔ یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولہ میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان آپ کو . . . .

ڈرامہ

خاص حریم کے لئے

نام رکھائی

اظہر افسر پروڈیوسر۔ آل انڈیا ریڈیو۔ حیدرآباد

کردار:۔ چچا۔ (ایک ۵۵ سالہ بوڑھا)
منا۔ ۲۲ سالہ ایک نوجوان
چچی۔ ۵۴ سالہ ایک خاتون

منظر:۔ اوسط گھرانے کا ایک کمرہ۔ وسط میں تخت بچھا ہے جس پر اُجلا چاندنی کا فرش ہے۔ تخت کے آس پاس کرسیاں رکھی ہیں۔ پردہ اٹھتا ہے تو چچی تخت پر بیٹھی کچھ لکھ رہی ہے۔ دو چار کاغذ آس پاس پڑے ہیں۔ پاندان کھلا ہے۔ چائے کے برتن بھی ایک میز پر ہیں۔

چچی۔ (بلند آواز سے) جناب پھوپھا جان صاحب تسلیمات

چچا۔ (دہنی جانب سے داخل ہوتے ہوئے) تسلیمات۔ تسلیمات واہ بھئی واہ، آج کا دن تو بڑا سہانا اور قسمت والا ہے۔

چچی۔ وہ کیوں جی۔

چچا۔ تم میرے گھر کے اندر آتے ہی تسلیمات تسلیمات کہہ رہی ہو نا اس لئے۔ کیا کچھ بازار سے نئے کپڑے خریدنے ہیں۔

چچی۔ کچھ نہیں خریدنا ہے۔ بیٹھو اس طرف تم نے میری پوری بات نہیں سنی۔

چچا۔ (پاس کی ایک کرسی پر بیٹھ جاتا ہے) پوری بات نہیں سنی۔ کیا نہیں سنا میں نے۔ کیا تم نے میرے اندر آتے ہی تسلیمات نہیں کہا۔

چچی۔ سنو، جناب پھوپھا جان صاحب قبلہ تسلیمات۔

چچا۔ پھوپھا جان۔ پھر تم نے لڑائی کی باتیں شروع کردیں۔

چچی۔ اجی میں خط لکھ رہی ہوں یہ دیکھو سمجھتے ہی نہیں۔

چچا۔ خط لکھ رہی ہو۔ کس کو؟

چچی۔ صبح سے تو تم گھر پر تھے ہی نہیں، ہوشیار پور والے پھوپھا جان کا خط آیا ہے۔

چچا۔ خانہ پور کہو

چچی۔ نہیں آج کل وہ ہوشیار پور میں ہیں، اُن کا خط آیا ہے کہ ان کے گھر.....

چچا۔ کوئی مصیبت آئی ہے؟

چچی۔ نہیں جی مصیبت نہیں اولاد ہوئی ہے۔

چچا۔ پھوپھا جان کو یا اُن کے لے پالک کو۔

چچی۔ پھوپھا جان کو جی اولاد ہوئی ہے اور وہ بھی دو، دو،

چچا۔ دو۔ دو کیا مطلب،

چچی۔ ہاں جڑواں بچے ہوئے ہیں۔

چچا۔ جڑواں بچے؟

چچی۔ ہاں ایک لڑکا اور ایک لڑکی۔

چچا۔ ایک لڑکا اور ایک لڑکی اس عمر میں!

چچی۔ کیوں اس عمر میں کیا مطلب، ابھی ان کی عمر ہی کیا ہوئی ہے۔

چچا۔ کچھ نہیں تو ساٹھ برس کے ہوں گے ہی۔

چچی۔ کوئی نہیں صرف پچاس میں ہوں گے۔ لوگوں کو تو سو سو برس میں بچے ہوتے ہیں۔

چچا۔ ہمارے والد سو برس کے ہوگئے تھے، ان کے تو کوئی اولاد نہیں

ہوئی۔

چچی۔ ارے یہ کیا کہہ رہے ہو، تم جو تمہارے بھائی ہیں۔ خدا تم دونوں کو سلامت رکھے۔

چچا۔ ہاں ہاں میں تو بھول ہی گیا تھا۔

چچی۔ تمہیں بھی ہو جائیں گے۔ تم کیوں فکر کرتے ہو۔

چچا۔ سچ۔ سچ بیگم۔

چچی۔ چلو جی اب بوڑھے چونچلے رہنے دو۔

چچا۔ کیا کہا تم نے بوڑھا، میں بوڑھا ہوں۔

چچی۔ اور کیا وہ جو کہتے ہیں۔ بوڑھے منہ مہاسے، کھانے چلے بتاشے

چچا۔ دیکھو یعقوب النسا، تمہاری میری ابھی تک کوئی لڑائی نہیں ہوئی ہے۔ مگر آج ایسا نظر آرہا ہے کہ بڑی زوردار لڑائی ہونے والی ہے۔ جنگ

چچی۔ چلو چلو جنگ دنگ رہنے دو، پہلے کچھ نام بتاؤ اچھے سے۔

چچا۔ میرا نام تو بہت خوبصورت تھا، مگر لوگوں نے خواہ مخواہ الفت خاں پکارنا شروع کر دیا۔

چچی۔ میں تمہارا نام نہیں پوچھ رہی ہوں۔

چچا۔ پھر۔

چچی۔ کچھ اچھے نام بتاؤ پھوپھا جان نے ان جڑواں اولاد کے لئے نام منگوائے ہیں۔ بڑے آرزوؤں اور ارمانوں کی اولاد ہے نا اسلئے۔

چچا۔ اس میں کیا مشکل بات ہے آرزو خاں، ارماں خاں رکھ دو۔

چچی۔ نہیں جی مذاق چھوڑو، انھوں نے ہم لوگوں کو نام رکھنے کے لئے کہا ہے اور لکھا ہے کہ دو نام چن کر فوراً انھیں لکھ بھیجوں، اس لئے ان کا خط آتے ہی میں نے خط لکھنا شروع کر دیا۔

چچا۔ تو پھر لکھو۔

چچی۔ ایک نام لڑکے کے لئے چاہیئے ایک لڑکی کے لئے، کچھ اچھے نام سمجھ میں نہیں آ رہے ہیں۔

چچا۔ میں سمجھ رہا تھا کہ دونوں لڑکے ہوں گے یا دونوں لڑکیاں۔

چچی۔ نہیں جی ایک لڑکا ہے اور ایک لڑکی۔ ایک نام چاہیئے اچھا سا لڑکے کے لئے اور ایک نام چاہیئے لڑکی کے لئے لڑکے کے لئے تو میں نے نام سوچ لیا ہے۔ بہرام

چچا۔ بہرام۔ یہ بھی کوئی نام ہے۔

چچی۔ میں نے بچپن میں بہرام کے بہت ناول پڑھے ہیں۔ اتنے زبردست کہ پوچھو نہیں، بہرام بہادر خوبصورت اور سخی تھا۔ پھر ہر مصیبت زدہ کی امداد کرتا تھا، اس جیسا تو میں نے کوئی اور نہیں دیکھا پورا ہیرو تھا۔ کیوں بہرام اچھا نام نہیں ہے۔

چچا۔ تمہارے پھوپھا کے بچے کا نام، ہاں بہت اچھا ہے، ایسا کرو آرسین لوپن رکھ دو۔

چچی۔ آرسین لوپن یہ کون ہے۔؟

چچا۔ یہ بہرام کا انگلش روپ ہے۔ یہ بھی نہایت خوبصورت، چالاک ہونہار، بہادر اور نڈر آدمی ہے میرا مطلب ہے تھا۔

چچی۔ اچھی بات ہے۔ میں ناموروں کی فہرست بنا رہی ہوں۔ اس میں آرسین لوپن کا نام بھی لکھ دوں گی۔

چچا۔ بڑی مہربانی۔ اور کون کون سے نام لکھے ہیں تم نے۔

چچی۔ سنو داؤد خاں

چچا۔ داؤد خاں۔ یہ کون ہے۔

چچی۔ ہماری بستی کا تحصیلدار تھا جی۔ بہت بڑا آدمی تھا۔ اس کا نام بڑا تھا۔ دور دور کے لوگ اس کے نام سے تھر تھر کانپتے تھے۔ ہاں ناموں کا زندگی پر بڑا اثر پڑتا ہے۔

چچا۔ شاید ہمارے ایک دوست ہیں۔ اسدالدین نہایت بزدل بھی ہے مسرت علی خاں نام ہے ایک صاحب کا ہمیشہ انھیں روتے ہی دیکھا۔

منا۔ (دائیں جانب سے داخل ہوتے ہوئے کون رو رہا ہے چچا جان۔

چچا۔ رو رہا نہیں ہے، ڈرا رہا ہے۔

منا۔ ہر شریف آدمی کو اپنی بیوی سے ڈرنا چاہیئے۔

چچا۔ ہاں ہاں ضرور ڈرنا چاہیئے تمہیں تو شادیوں کا بڑا تجربہ ہے۔

منا۔ ارے چچا جان بعض باتیں تجربے کے بغیر معلوم ہو جاتی ہیں۔

چچی۔ اچھا تجربے کے بغیر دو بچوں کے نام بتاؤ جو ابھی پیدا ہوئے ہیں۔

منا۔ ابھی پیدا ہوئے۔ کس کے۔

چچی۔ او ہو وہ کسی کے ہوئے ہوں۔ تم سے دو اچھے نام بتانے کو کہا ہے۔ بس۔ اس طرح کیا دیکھ رہے ہو۔ لو یہ خط پڑھو۔ منا

تم نہیں جانتے ہمارے ایک پھوپھا ہیں۔ انھیں دو جڑواں بچے پیدا ہوئے ہیں۔

منا۔ دونوں مردانی نام چچی جان۔

چچی۔ نہیں ایک لڑکے کے لئے اور ایک لڑکی کے لئے۔

منا۔ واہ بھئی واہ۔ دو لڑکے جڑواں، دو لڑکیاں جڑواں تو سنی تھیں۔

چچا۔ ایک لڑکا لڑکی بھی جڑواں ہو سکتے ہیں۔

منا۔ جڑواں ہیں تو ایک ہی نام رکھ دو۔ کفایت رہے گی گلاب خاں۔ گلاب بیگم۔

چچی۔ تو تو مذاق کرتا ہے بول بول میں انھیں نام بھیجدوں گی اور یہ بھی لکھدوں گی کہ تونے یہ نام تجویز کیا ہے

منا۔ ہوں تو لکھئے ارسلان۔

چچی۔ ارسلان، یہ مقام کا نام ہے یا آدمی کا۔ نہیں بھئی میں ایسے نام نہیں لکھتی۔

منا۔ خفقان رکھ دو۔

چچی۔ خفقان۔ ؟

چچا۔ میری مانو تو چشم حیراں یا پیر مغاں رکھ دو۔

چچی۔ پیر مغاں۔ ہاں یہ نام اچھا ہے۔ اس نام میں بڑی رنگینی ہے۔ نام ایسا ہونا چاہئے جو رنگین ہو خوبصورت ہو، اور رسیلا ہو۔

منا۔ ایسا تو بس ایک ہی نام ہے۔

چچی۔ کونسا ؟

منا۔ سنترہ۔

چچا۔ واہ واہ۔ رنگ اور مزہ کے ساتھ خوشبودار ہے۔

منا۔ چچی جان حنیف رکھئے۔ حنیف ہمارے پرنسل صاحب تھے۔ بہت اچھے آدمی تھے، بات بات پر چھٹی دیا کرتے تھے،

چچی۔ نہیں بھئی۔

منا۔ کیوں بھئی کی وجہ سے ؟

چچی۔ نہیں جتنے بھی حنیف میں نے دیکھے ہیں۔ ان کے سب کے ہونٹ موٹے اور دانت باہر نکلے ہوتے تھے۔

منا۔ ارے سچ مچ چچی جان ہمارے پرنسپل صاحب کے ہونٹ بھی موٹے تھے اور دانت باہر تھے۔

چچا۔ بھئی لڑکے کے لئے کوئی سا بھی نام لکھ کر بھیجدو، لڑکی کے لئے مجھ سے ایک بہت ہی پیارا نام سُن لو۔

منا۔ کون چچا جان۔ سنبل

چچا۔ وہ تو تمہاری محبوبہ کا نام ہے بھئی۔ جو بہت جلد منگیتر بن جائے گی میں کوئی اور نام سمجھا رہا ہوں۔

منا۔ کہئے۔

چچا۔ اہا ہا ہا۔ کیا نام ہے۔ رباب۔

چچی۔ کیا کہا۔ رباب، رباب عرف ربّو

چچا۔ (رکتے رکتے)۔ ہاں۔ ہاں۔ رباب۔

چچی۔ کیا کہا تم نے۔ ہاں۔ رباب، ربّو۔ تم۔ تم اب تک اس چڑیل کو نہیں بھول سکے۔

(تخت پر سے پاندان اور اس کی چیزیں ادھر ادھر پھینکتی ہے۔)

چچا۔ ارے ارے۔ یہ کیا کر رہی ہو۔

منا۔ چچی جان (روکنے کی کوشش کرتا ہے)

چچی۔ تو ہٹ جا۔ تو ہٹ جا درمیان سے۔ برسوں ان سے چڑیل پر لڑائی ہوئی ہے۔ آج یہ اسے پھر یاد کر رہے ہیں۔

منا۔ برسوں چچی جان۔

چچی۔ ہاں دس برس۔

چچا۔ کہو گیارہ برس۔

چچی۔ ہاں۔ یہ بات ہے۔ یہ لو۔ یہ لو۔ (کرسیاں اور برتن پھینکتی ہے۔)

چچا۔ ارے بھئی یہ کیا کر رہی ہو چوٹ لگ جائے گی، مطلب ہے تمہارے ہاتھ پر چوٹ آجائے گی۔

چچی۔ پھر کہو گے رباب۔ پھر اس چڑیل کا نام لوگے۔ (چچا کے پیچھے دوڑتی ہے) (پردہ گرتا ہے)

انگوٹھی کی چوری

شمیم اختر

سکینہ پر اپنی مہربانیاں یاد کرکے میں نے ایک آہ بھری اور پھر اپنی سوچ میں آفاقی پہلو کو نمایاں کرتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچی کہ دنیا بالکل تاریک ہو چکی ہے۔ تاریخ کا وہ دور آن پہونچا ہے جب ہر نیکی کا بدلہ بدی کی صورت میں ملتا ہے۔ معاشرے سے اچھائی کا خاتمہ ہو جاتا ہے، جب ایک قوم اس حالت کو پہنچتی ہے تو پھر اس پر قیامت ٹوٹتی ہے کاش ہم اہرام مصر کے نظارے سے، دور کیوں جائیے، ہڑپہ اور موئنجوداڑو کے کھنڈرات سے ہی کوئی سبق سیکھ لیتے۔

مگر اپنے خیالات کے اس سلسلے میں مجھے قیامت خیزی کی کڑی ذرا تکلیف دہ معلوم ہوئی کیونکہ اپنی تمام ترنیکیوں اور مہربانیوں کے ساتھ میں بھی اس کی لپیٹ میں تھی۔ فرد واحد کے سبب سے ہی سہی۔ نہ مجھے بھلائی کے خاتمے کا خیال کچھ اچھا نہ لگا۔ اس خیال سے کہ چاہے نیکی کا بدلہ ہو یا محنت کا پھل، آزادی ہو یا درحقیقت میری انگوٹھی وہ خود حاصل کی جاتی ہے۔ کوئی یہ چیزیں پلیٹ میں سجا کر پیش نہیں کرتا کہ حضور یہ نیکی کا بدلہ محنت کا پھل، آزادی یا انگوٹھی حاضر ہے گراں نہ گذرے تو لے لیجئے۔

آزادی حاصل کئے ہمیں تیس سال سے اوپر ہو چکے ہیں۔ اس لئے فی الوقت میرا مسئلہ آزادی کا حصول نہیں تھا نہ مجھے محنت کے پھل کی فکر تھی۔ قسم قسم کے میوے سستے داموں دستیاب ہوں تو محنت کرنے کا کیا فائدہ۔ سردی، کے موسم میں دریاؤں کا بہاؤ سست پڑ جاتا ہے بہت سے دریا پانی کو ترستے نظر آتے ہیں۔ نیکی دریا میں ڈالنے کے بجائے کوئیں میں ڈالنے کی عادت پیدا ہو جائے تو آدمی بے فکر ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی آج کی مصروف زندگی میں فالتو کام کرنے کی فرصت کسے ہے۔ فاصلے اتنے بڑھ گئے ہیں کہ آدھا دن دفتر اور گھر آنے جانے میں کٹ جاتا ہے۔ میرا مسئلہ اپنی کھوئی ہوئی انگوٹھی کا حصول تھا۔ سوچ کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچی کہ سکینہ بھولے سے میری انگوٹھی اٹھا لے گئی ہے۔

پندرہ سیکنڈ تک اس نقصان کو خاموشی سے برداشت کرنے کے بعد مجھ پر انکشاف ہوا کہ میں مزید اس بوجھ کو اکیلے برداشت نہیں کر سکتی کہتے ہیں کہ شوہر بیوی کا سب سے بڑا رازداں ہوتا ہے ویسے بھی دو چھٹیاں اکٹھی آگئی تھیں، وہ چھٹی کا پہلا دن تھا۔ ایک راز کو مزید چھتیس گھنٹے تک اکیلے جھیلنے کے بعد میں اپنی صحت کے بارے میں کچھ کہہ سکتی تھی میں نے اپنی بہتری اسی میں سمجھی کہ شوہر کو شریکِ غم کر لوں۔ اس روز پہلی بار مجھے احساس ہوا کہ میں ایک ایسے ویرانے میں رہتی ہوں جہاں کسی کو اپنے رازِ دل سے آگاہ نہیں کر سکتی۔ انگوٹھی کی گمشدگی کے پہلے مرحلے پر میں نے اس نقصان کو راز بنا کر دل میں چھپا لیا تھا۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ سکینہ تک یہ بات پہنچے اور وہ احتجاج کے طور پر میرے گھر کا کام چھوڑ دے۔ سچ بات یہ ہے کہ میرے اندر اتنی ہمت نہیں ہے کہ اس منظر کو تصور کی آنکھ سے ہی دیکھ لوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ گھر میں میرے اور میرے شوہر کے سوا کوئی نہیں۔ میں نے رازدارانہ انداز میں مگر بظاہر بے پروائی سے اپنے شوہر سے کہا: "مجھے میری انگوٹھی نہیں مل رہی۔"

وہ حقیقتاً بے پروائی سے بولے "وہیں رکھی ہوگی، جہاں تم رکھتی ہو۔"

میں نے چڑ کر کہا۔ "تو گویا میں بغیر دیکھے ہی کہہ دوں گی کہ میری انگوٹھی کھو گئی ہے۔"

"تم نے ڈھونڈ لی۔؟" انھوں نے بصد مجبوری لہجے میں ہمدردی پیدا کرتے ہوئے کہا۔

"سو بار ڈھونڈ چکی ہوں۔ میں شروع دن سے اپنی عادتوں کی غلام ہوں۔ انگوٹھی اتار کر ایک مخصوص جگہ رکھنے کی عادی ہوں۔ وہاں تین بار ڈھونڈی ہے۔ مگر نہیں ملی۔"

وہ لہجے میں بھرپور عدم دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بولے "تمہارا مطلب کیا ہے؟"

میں نے کہا "مطلب واضح ہے۔ سکینہ نے انگوٹھی چرائی ہے۔"

وہ نخوت سے بولے "میں نہیں مانتا۔"

چونکہ اس وقت میں رنج سے نڈھال ہونے کی کوشش کر رہی تھی اس لئے جھک جھک کر کے وقت برباد کرنا مناسب نہ سمجھا۔ ان کے اس جواب کو بیوی کے خلاف شوہر کے تعصب کا حصہ سمجھا۔ جس کے تحت شوہر بیوی کی ہر بات کی تردید کو اپنا حق سمجھتی ہے۔

میں ایک بار پھر انگوٹھی کی تلاش میں مصروف ہوگئی۔ اس تلاش کے دوران میں وہ چیزیں ہاتھ لگیں جن کے وجود کو میں قطعاً فراموش کر چکی تھی۔ مثلاً اپنے شوہر کا ایک سوئٹر جسے میں نے پانچ سال قبل بننا شروع کیا تھا اور جو ہر سال کسی نہ کسی وجہ سے مکمل ہونے سے رہ جاتا ہے۔ اگر میرے شوہر نے انگوٹھی کی چوری کے معاملے میں مجھ سے اتفاق رائے کیا ہوتا تو شاید میں سب کچھ بھول بھال کر سوئٹر کو مکمل کرنے بیٹھ جاتی۔ مگر موجودہ حالات کے تحت میں نے اپنا غصہ اس پر نکالا اور جھونے کو الماری کے آخری کونے میں ٹھونستے ہوئے کہا "عجیب مصیبت ہے۔ اس کے ہاتھوں کوئی چیز نہیں ملتی۔ کچھ بھی چیز الماری سے ڈھونڈنے بیٹھو، یہی ہاتھ آتا ہے"۔

اسی ادھیڑبن میں ایک خیال بجلی کی طرح میرے دماغ میں کوندا۔ جانے کس بنیاد پر میرا یہ عقیدہ قائم ہوا کہ جو خیالات بجلی کی طرح دماغ میں کوندتے ہیں وہ عموماً صحیح ثابت ہوتے ہیں۔ میں بھاگی بھاگی اپنے شوہر کے پاس پہنچی اور کہا "اس وقت آپ نے پوچھا تھا کہ میں نے انگوٹھی باورچی خانے میں کیوں اتاری جب کہ میں اسے اپنے پلنگ کے سرہانے اتار کر رکھتی ہوں اور اپنی عادتوں کی غلام ہونے کی دعویدار ہوں اب مجھے یاد آیا کہ جمعرات کی شام کو میں کتے کے لئے گوشت لائی تھی۔ گوشت کو تھیلے میں بھرتے وقت میں نے انگوٹھی اتار کر وہیں رکھ دی۔ صبح سکینہ برتن دھونے آئی۔ باورچی خانے میں داخل ہوتے ہی پہلا کام اس نے یہ کیا کہ انگوٹھی اُچک لی۔ مجھے پہلے دن سے اس عورت پر شبہ تھا۔ اسی لئے میں جیبوں کام خود کرتی ہوں مگر اسے گھر کے اندر داخل نہیں ہونے دیتی۔ اب جو بات چل نکلی ہے تو میں سارے بھید کھولوں گی۔ شکر دانی میں سے شکر بھی غائب ہوجاتی ہے۔ سب سے پیاز ساڑھے تین روپے کیلو ہوئی ہے۔ اس کی گٹھیاں بھی کم نظر آتی ہیں۔ میں نے تم کھان کو بیس مرتبہ کہا تھا کہ باورچی خانے کی کسی ایک الماری میں تالہ لگا دو۔ مگر وہ نہ مانا۔ کہتا تھا کہ برا نظر آئے گا۔ ہم لوگ بھی عجیب ہیں۔ گھر اپنے آرام کے لئے نہیں دوسروں کو دکھانے کے لئے بناتے ہیں۔ اگر میں گھر دوسروں کو دکھانے کے لئے نہ بناتی تو اپنے اور آپ کے آرام کے لئے ہر کمرے کی دیوار کھونٹیوں سے بھر دیتی۔ اور پھر ہم دونوں مل کر ان کھونٹیوں کو اپنے اپنے کپڑوں سے بھر دیتے۔ روزانہ پہننے کے کپڑے الماری سے نکالنا اور پھر ان کو تہہ کر کے الماری میں رکھنا ایک مصیبت ہے"۔

وہ اخبار پر سے نظریں ہٹائے بغیر بولے "جاؤ انگوٹھی وہیں تلاش کرو، جہاں اتاری تھی"۔

"انگوٹھی کی تلاش میں باؤلی ہوگئی ہوں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں نے ابھی تک وہاں انگوٹھی نہیں ڈھونڈی جہاں اتاری تھی۔ میں ہر دو منٹ بعد اپنی انگلیاں ٹٹولنے لگتی ہوں کہ کہیں انگلی میں موجود نہ ہو"۔

وہ بولے "تمہارا مطلب کیا ہے؟"

میں نے کہا "مطلب صاف ظاہر ہے۔ انگوٹھی سکینہ نے چرائی ہے۔ کل صبح اسے آنے دو میں صاف صاف پوچھوں گی"۔

وہ سخت لہجے میں بولے "میں نہیں مانتا"۔

میں نے کہا "آپ کے ماننے نہ ماننے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ کل اسے آنے دو"۔

وہ بولے "لڑنے نہ بیٹھ جانا، آرام سے بات کرنا"۔

میں نے کہا "میرا خون جوش مار رہا ہے۔ میرا جی چاہتا ہے کہ ابھی پولیس کو خبر کردوں"۔

وہ بولے "پہلے اچھی طرح انگوٹھی ڈھونڈ لو۔ جاؤ کوئی کتاب پڑھو یا اپنے پڑوسیوں سے مل آؤ"۔

میں نے کہا "میں کل آزاد صاحب کے ہاں گئی تھی۔ اسی وقت مجھے پتہ چلا کہ انگوٹھی نہیں ہے۔ وہاں جاتے وقت انگوٹھی پہننے کے لئے اٹھانے لگی تو پتہ چلا کہ گھڑی موجود ہے اور انگوٹھی غائب۔ آپ ضد میں آکر میری بات نہیں مانتے، وہی لے گئی ہے۔ آج وہ برتن دھونے نہیں آئی۔ وہ سمجھتی ہوگی کہ میں ایک دن میں اس قصے کو بھول جاؤں گی"۔

وہ بولے "مگر میرا دل نہیں مانتا"۔

اگلے روز صبح سکینہ آئی۔ اس کی آہٹ سن کر مجھے خیال آیا کہ سکینہ ایک فرض شناس عورت ہے۔ ایک دفعہ کام سمجھا دو زندگی بھر اسی ہنج پر کرتی رہے گی۔ خاموش طبع ہے۔ میرا بھی دل نہیں مانتا کہ یہ کام اس نے کیا ہوگا۔ میں سوچ کے اسی تانے بانے میں الجھی ہوئی تھی کہ عرفان منھ پر شیو کا صابن تھوپے کمرے میں آئے اور بولے "وہ آگئی ہے۔ آرام سے بات کرنا"

میں نے کمبل تہہ کرتے ہوئے کہا: "آپ بے فکر رہیں۔ جب سکینہ نے آواز دی کر "کام ختم ہوگیا ہے" تو میں باورچی خانے میں پہنچی۔ میں نے بڑے اطمینان اور بے پرواہی سے کہا "پرسوں میں اپنی انگوٹھی یہاں بھول گئی تھی۔ جھاڑو کے ساتھ کوڑے میں نکل گئی ہوگی۔ ذرا کوڑے میں ڈھونڈو میلی سی انگوٹھی ہوگی۔ دیکھنے والا اسے کوڑے میں سمیٹنے کے لائق ہی سمجھتا ہے۔ مگر وہ میرے لئے بڑی قیمتی ہے۔ اس پر پیر صاحب سے دم کروایا ہوا ہے۔ ہاں کل تم نہیں آئی تھیں۔ اس انگوٹھی کی وجہ سے میرا وقت بڑی بے چینی سے کٹا"

سکینہ بے فکری سے بولی "کل عاشورہ تھا۔ میں اپنے باپ کی قبر پر گئی تھی۔ میں نے کوئی انگوٹھی نہیں دیکھی" یہ کہہ کر وہ لپک کر باہر گئی اور ذرا دیر میں واپس آکر بولی۔ کوڑا بکریاں کھا گئی ہیں"

دفتر پہنچ کر میں نے خدا کا شکر ادا کیا کیونکہ آزادیٔ اظہار بہت بڑی دولت ہے۔ اس سے محرومی طبیعت میں جھنجھلاہٹ پیدا کرتی ہے۔ دفتر میں داخل ہوتے ہی میں نے فرداً فرداً ہر ایک کو اپنی انگوٹھی کی گمشدگی کی اطلاع دی بلکہ واضح لفظوں میں ہر ایک کو یہ بتایا کہ سکینہ نے میری انگوٹھی چرالی ہے۔ اس فعل کا ارتکاب کرتے وقت اسے ان مہربانیوں کا خیال نہیں آیا جو میں اسے اترن اور بچا ہوا کھانا دے کر کرتی رہی ہوں آج کل بچا ہوا کھانا خصوصاً ملازمت پیشہ عورتوں کے لئے بہت بڑی نعمت ہے۔ کسی وجہ سے دیر سے گھر پہنچیں اور معلوم ہو کہ ریفریجریٹر میں بچا ہوا کھانا رکھا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ من و سلویٰ اتر آیا۔

دفتر ہی میں بیٹھ کر میں نے واشگاف الفاظ میں فیصلہ کیا کہ ایک بار اور سکینہ سے بات کروں گی اور اسے کہوں گی کہ انگوٹھی دے دو ورنہ میں پولیس کو خبر کرنے والی ہوں۔ رفع شر کے خیال سے عرفان نے مجھ سے کہا تھا کہ دفتر سے اٹھنے کے بعد میں گھر جانے کے بجائے ان کے پاس پہنچ جاؤں گمشدہ انگوٹھی کے بدلے ایک نئی انگوٹھی خریدی جائے گی۔ مجھے اس مہم کی ناکامی کا یقین اس لئے تھا کہ گذشتہ سات سال سے گھر کے لئے دال چاول کی خریداری کرتے ہوئے مجھے اشیاء کی بڑھتی ہوئی قیمتوں کا اندازہ تھا۔ جب کہ میرے شوہر نے کہا تھا کہ وہ مجھے ویسی ہی انگوٹھی لے دیں گے۔ اس تردد کی ضرورت کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ گمشدہ انگوٹھی میری شادی کی تھی۔ حالانکہ میں جانتی ہوں کہ یہ سوچنا حماقت ہے کہ میاں بیوی کے تعلقات شادی کی انگوٹھیوں کی بنیاد پر استوار رہتے ہیں۔ یہ بات بھی سامنے تھی گذشتہ ایک جنوری میں میرے شوہر کی شادی کی انگوٹھی ٹھکانے لگ چکی تھی اور ہمارے آپس کے تعلقات میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

سنار نے جب ویسی ہی ایک انگوٹھی کی قیمت بتائی تو عرفان کی طرف دیکھے بغیر مجھے اندازہ ہوگیا کہ ان کا سر گھوم کر رہ گیا ہے۔ گنگنانے کے لئے یہ ایک بڑا اچھا موقع تھا۔ مگر میں نے صبر سے کام لیتے ہوئے ان کو بازو سے پکڑا اور دکان سے باہر نکلنے میں کوئی دیر نہ لگی حالانکہ ان کو کتابوں کی کسی دکان سے باہر نکالنے کے لئے مجھے ایک آدھ آنسو بہانا پڑتا ہے۔ یا پھر کسی جان لیوا بیماری کا نام لینا پڑتا ہے۔ جو دکان میں مزید ٹھہرنے کی صورت میں مجھ پر حملہ آور ہونے والی ہوتی ہے۔ مگر یہ اسی وقت دکان کا پیچھا چھوڑتے ہیں۔ جب دکاندار ہاتھ جوڑ کر کھڑا ہو جاتا ہے اور دکان کے بند ہونے کے اوقات کے قانون کا حوالہ باآواز بلند دینے لگتا ہے۔ ایک گمان مجھے یہ بھی ہے کہ کتابیں بیچنے والے دکاندار میرے شوہر کو دیکھتے ہی گھبرا جاتے ہیں۔ ایک کو تو میں نے یہ کہتے سنا کہ دیر تک دکان کھولنے کا جرمانہ دکاندار سے ہی نہیں خریدار سے بھی وصول کرنا چاہیئے۔" مگر عرفان میاں ان لوگوں میں سے ہیں کہ جرمانہ نکال کر ایک طرف رکھ دیں اور کہیں کہ "لو بھئی جرمانہ اور مجھے اطمینان سے کتابیں خریدنے دو"

میں نے موقع غنیمت جانا اور انگوٹھی کی۔ . . . . . قیمت کے حوالے سے عرفان سے کہا "میری بات کا یقین آگیا۔ میں جھوٹ تو نہیں کہتی کہ اب گھر کا خرچہ پورا کرنا دوبھر ہوگیا ہے"۔ مگر شاید انھوں نے میری بات نہیں سنی۔ ایک بات کا مجھے پکا یقین ہے کہ اس روز شہر کے تمام سناروں کو پتہ چل گیا۔ کہ میری انگوٹھی گم

ہو چکی ہے۔ اس گمشدگی کے بارے میں میرا اصرار تھا کہ چرائی گئی ہے اور میرے شوہر کا کہنا تھا کہ کہیں آگے پیچھے ہو گئی ہے۔

واپسی پر میں نے اپنے ڈرائیور کو بھی شریکِ غم کر لیا ——— وہ شرلاک ہومز بنتے ہوئے پوچھنے لگا "سب سے پہلے آپ مجھے یہ بتائیں کہ جمعہ کے روز گھر میں اور کون کون آیا تھا؟"

میں نے کہا "سکینہ کے سوا کوئی نہیں آیا تھا۔ اتفاق سے صفائی کے لئے کشن بھی نہیں آیا تھا"

میرے شوہر نے اپنا روایتی کردار ادا کرتے ہوئے کہا "مالی آیا تھا مگر اس نے باورچی خانے میں پیر بھی نہیں رکھا"

ڈرائیور بولا "یہ ہوئی نا بات۔ پتہ چل گیا کہ مالی بھی آیا تھا۔ ذرا اور سوچیں کہ اور کون آیا تھا۔

میرا جی چاہا کہ ڈرائیور کو گاڑی سے باہر پھینک دوں لیکن دن بھر کی تھکن کے بعد گھر پہنچنا ضروری تھا۔ اس لئے اس کی تمام باتوں کو فضول جانتے ہوئے میں نے جواب دینا مناسب نہ سمجھا اور گھر تک خاموش بیٹھی رہی۔ بلکہ دل ہی دل میں اس تقریر کا مضمون تیار کرتی رہی جو کل صبح مجھے سکینہ کو انگوٹھی کی گمشدگی اور پولیس کو رپورٹ کرنے کے بارے میں سنانی تھی اور ان حالات سے پیدا ہونے والے نتائج کے بارے میں آگاہ کرنا تھا۔ رات کو سوتے وقت بھی اپنے اس ارادے پر قائم تھی کہ اب بات نرمی سے نہیں گرمی سے بنے گی۔

مگر صبح اپنے کمرے سے نکلتے وقت میں نے سونے کی ایک انگوٹھی انگلی میں پہن لی۔ جس طرح ایک طالب علم عین امتحان کے وقت اپنا رٹا ہوا سبق بھول جاتا ہے، اسی طرح سکینہ کے سامنے میرا حال ہوا۔ پولیس کو اطلاع دینے کے بارے میں اپنے سارے مکالمے فراموش کرتے ہوئے میں نے سونے کی انگوٹھی سکینہ کو دکھائی اور کہا۔ "تمہارے لئے وہ انگوٹھی نہایت بے قیمت ہے۔ مگر میرے لئے بڑی قیمتی ہے۔ اگر تم مجھے وہ لا دو تو میں تمہارے ہاتھ پر ہدیہ کرنے کی یہ انگوٹھی رکھ دوں گی"

اپنے خیالات کی پختگی میں یقین کی وجہ سے میں سکینہ کی داخلی یا خارجی کیفیات کا جائزہ نہ لے سکی۔ اس نے منہ پھیرتے ہوئے اپنے بچوں کی قسم کھائی کہ انگوٹھی اس نے دیکھی تک نہیں۔ ادھر اس نے قسم کھائی ادھر اس کا ایک بچہ بھاگتا ہوا آیا کہ فوراً آؤ چھوٹی کی طبیعت بگڑ گئی ہے

میں بڑبڑاتی ہوئی باورچی خانے سے نکل آئی کہ بہت پکی چور ہے۔ یہی جملہ دن بھر دفتر میں میری زبان پر رہا۔ میں نے انگوٹھی کی بازیابی کی امید دل سے نکال دی تھی۔ اب میں انگوٹھی ڈھونڈنے کے بجائے دنیا میں بدی اور آخرت میں اس کے نتائج پر غور کرتے ہوئے وقت گزارنے لگی۔ میری تسلی کے لئے اصلاحی صاحب نے ایک دم پڑھ کر پھونکا اور کہا کہ انگوٹھی مل جانے کی صورت میں ایک سیر چنے اور ایک پاؤ گڑ بچوں میں بانٹنا ہوگا۔

ایک ہفتہ پہلے کی بات ہے ایک شام میں تیار ہو کر گھر سے جانے لگی تو مجھے باورچی خانے میں اپنی انگوٹھی رکھی نظر آئی۔ میں نے اسے جھپٹ کر اٹھا لیا کہ ذرا دیر لگ گئی تو نظروں سے اوجھل ہو جائے گی۔

اپنے شوہر سے اس واقعہ کا ذکر کرتے وقت میں نے کہا "انگوٹھی لرز رہی تھی۔ جیسے کسی غیبی ہاتھ نے اسے وہاں لا کر رکھ دیا ہو"

وہ کہنے لگے "مجھے یقین نہیں تھا کہ انگوٹھی سکینہ نے چرائی ہے"

میں نے کہا "آپ نے مجھے پہلے کیوں نہ بتایا؟"

سکینہ سے میں اپنے الفاظ واپس لے چکی ہوں۔ آج ایمپریس مارکیٹ جاؤں گی اور گڑ اور چنے لے کر آؤں گی۔

پھیپھڑوں پر سگرٹ نوشی کے اثرات

از ڈاکٹر ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ہالینڈ، برطانیہ اور میلین۔ میتھوز، برطانیہ

یورپ میں تمباکو کا استعمال سولھویں صدی سے شروع ہوا اور اسی وقت سے اس کے پتوں اور اس کی مصنوعات کے اثرات زیر بحث ہیں، لیکن تمباکو کی "مضر" خاصیت اور اس کے خطرناک اثرات کے بارے میں مستند سائنسی شہادتیں بیسویں صدی سے قبل حاصل نہیں ہو سکیں۔

سگرٹ نوشی اور پھیپھڑوں کے سرطان کا جو تعلق ہے وہ تحقیقات کے ذریعے ساری دنیا پر واضح کیا جا چکا ہے اور اس کی تصدیق بھی ہو چکی ہے، مگر سگرٹ نوشی اور امراض تنفس میں جو تعلق ہے اس کا شاید ہر ایک کو علم نہیں۔ تاہم امراض تنفس بالخصوص پرانی .... کھانسی (برونکائیٹس) اور نفاخ (ایمفے سیما) سے جتنی اموات ہوتی ہیں اور جتنے لوگ بیمار ہوتے ہیں اتنے پھیپھڑوں کے سرطان سے بھی نہیں ہوتے۔ ۱۹۷۷ء میں انگلستان اور ویلز میں جتنی اموات ہوتی ہیں ۔۔ ان میں ہر بیس میں سے ایک مرد اور ہر پچاس سے ایک عورت پرانی کھانسی اور نفاخ کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتری۔ عورتوں کی شرح اموات کم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں میں سگرٹ نوشی کی کثرت ابھی حال ہی میں شروع ہوئی ہے حالانکہ اس میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے۔

برطانیہ کے ڈاکٹروں پر جو مثالی مشاہدہ کیا گیا ہے اس سے سگرٹ نوشی اور ان اموات کا ...... تعلق واضح ہو گیا جو پرانی کھانسی کی وجہ سے ہوئیں۔ دوسرے مشاہدات سے مثلاً امریکا اور انگلستان کے محکمہ ڈاک اور ٹیلی فون کے عملے کی علامات تنفس کے موازنے سے بھی یہ ظاہر ہوا کہ ہر جگہ مرض کی علامات عام ہیں اور سگرٹ نوشی کرنے والوں کے پھیپھڑوں کی کارکردگی، سگرٹ نوشی نہ کرنے والوں یا ترک کرنے والوں کے مقابلے میں کمزور ہوتی ہے۔ علامات تنفس اور پھیپھڑوں کی کارکردگی کے معیار پر دوسری باتوں کا بھی اثر پڑتا ہے، مثلاً ہوا کی آلودگی اور پیشہ ورانہ خطرات وغیرہ، مگر سگرٹ نوشی کی اہمیت سب سے زیادہ ہے۔ جڑواں بھائی بہنوں سے متعلق رپورٹ سے جو معلومات حاصل ہوئیں ان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جڑواں میں سے جو سگرٹ نوشی کرتا ہے اس کو سگرٹ نوشی نہ کرنے والے کے مقابلے میں سانس لینے میں اکثر غیر معمولی کیفیات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ سگرٹ نوشی سے امراض تنفس کے پیدا ہونے کا تناسب چھ اور ایک کا ہے جب کہ اس کے مقابلے میں ہوا کی آلودگی سے امراض کا تناسب صرف ۱۲ اور ایک کا ہے۔ اس سے سگرٹ نوشی کی اہمیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

آیئے سگرٹ نوشی اور امراض تنفس کے بارے میں مزید غور کریں۔ سگرٹ نوشی کے مضر اثرات بچے کی پیدائش سے قبل بھی دیکھے جا سکتے ہیں۔ حاملہ ماں کی سگرٹ نوشی کی وجہ سے رحم میں ہیجان پیدا ہو سکتا ہے جس سے بچے کی پیدائش قبل از وقت ہو سکتی ہے۔ قبل از وقت پیدا ہونے والے بچے کا وزن کم ہوتا ہے اور اس میں چھوت کی بیماریوں سے بچنے کی صلاحیت بھی کم ہوتی ہے۔ والدین کی سگرٹ نوشی اور بچے کے مرض تنفس میں گہرا تعلق ہے۔

سگرٹ نوشی کے خطرات کے بارے میں لوگوں کو بہت کم معلوم ہے۔ سگرٹ نوشی کرنے والے والدین کے بچے کو زندگی کے پہلے سال میں پرانی کھانسی (برونکائیٹس) اور نمونیا کے جتنے حملوں کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے اس کے مقابلے میں سگرٹ نوشی نہ کرنے والے والدین کے بچے کو ایسے نصف حملوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اگر والدین میں سے صرف ایک سگرٹ نوشی کرتا ہے تو بچے کو ان دونوں کیفیتوں کی درمیانی کیفیت کا سامنا ہوتا ہے۔ اگر بچے کو زندگی کے پہلے سال میں اس قسم کے دوروں سے سابقہ پڑتا ہے تو اس کا قوی اندیشہ ہے کہ اس بچے یا بچی کو آئندہ برسوں میں مزید امراض تنفس کے درمیان

جو تعلق ہے وہ صرف بلا جھجک تمباکو نوشی کا نتیجہ نہیں ہے۔ والدین کی کھانسی اور بلغم بننے اور بچوں کے امراض تنفس کے درمیان بھی ایک مثبت تعلق موجود ہے۔ سگرٹ نوشی کی وجہ سے والدین کو کھانسی آتی ہے اور وہ بلغم خارج کرتے ہیں۔ اس طرح وہ اور بھی بیماریاں پھیلاتے ہیں۔

ابتدائی اسکولوں میں بچے شاذ و نادر ہی سگرٹ نوشی کرتے ہیں مگر جب وہ یہاں سے فارغ ہوکر ثانوی اسکول میں داخل ہوتے ہیں تو ان میں سے بیش تر سگرٹ پینے لگتے ہیں۔ ایک سگرٹ پینا بہ ظاہر برائے نام معلوم ہوتا ہے، لیکن اس کے باوجود جو بچہ ایسا کرتا ہے وہ ان لوگوں میں سے ہے جن میں سگرٹ نوشی شروع کر دینے کا قوی رجحان ہے۔ رائل کالج اوف فزیشینز، لندن کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ جو بچے باقاعدہ سگرٹ پیتے ہیں ان میں سے اسی (۸۰) فی صد بڑے ہونے کے بعد بھی سگرٹ پیتے رہتے ہیں۔ جتنی کم عمری میں کوئی سگرٹ نوشی شروع کرتا ہے اتنی ہی جلد اس کے مرنے کا امکان رہتا ہے۔ جو بچے سگرٹ پیتے ہیں انھیں سگرٹ نہ پینے والے بچوں کے مقابلے کھانسی اور دوسری بیماریاں زیادہ لگتی ہیں کھیل کود میں بھی وہ بہتر نہیں رہتے اور اپنے بزرگوں میں بھی زیادہ مقبولیت نہیں حاصل کر سکتے۔ ان کی آوارہ گردی کے امکانات بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ سانس لینے کی صلاحیت میں تبدیلیوں کا اس عمر میں پتا چلایا جا سکتا ہے۔ نوجوان سگرٹ پینے والوں میں سگرٹ نہ پینے والے میں بزرگوں کے مقابلے میں زیادہ علامات امراض پائی جاتی ہیں اور ان کے پھیپڑوں کی کارکردگی کا معیار پست ہوتا ہے۔ مغرب زدہ ملکوں میں بعض بچے نو دس برس کی عمر سے سگرٹ پینا شروع کر دیتے ہیں، اس لئے سگرٹ نوشی کے خطرات کے بارے میں ابتدائی اسکول کے دور ہی میں تربیت شروع کر دینا بہت ضروری ہے، جب کہ اس وقت بچے جلد اثر قبول کرنے کے لائق ہوتے ہیں۔

بچوں کو سگرٹ نوشی سے باز رکھنے والی موثر تربیت کی ترقی کے لئے ہم کو ان باتوں پر غور کرنا چاہیئے جن کی بدولت بچے سگرٹ پینا شروع کرتے ہیں۔ والدین اور بڑے بھائی بہنوں کا اثر بہت فیصلہ کن ہوتا ہے۔ اگرچہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں کم سگرٹ پیتی ہیں، پھر بھی ان کی تعداد میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور نتیجہ یہ ہے کہ زیادہ لڑکیوں نے سگرٹ پینا شروع کر دیا ہے۔ بچوں اور بڑوں دونوں پر دوستوں کی سگرٹ نوشی کا بھی بڑا اثر پڑتا ہے۔ نوجوانوں کی یہ خواہش کہ انھیں معاشرے میں مقبولیت حاصل ہو جائے شاید اور بھی زیادہ اہمیت رکھتی ہے اور اس اثر کو تقویت پہنچاتی ہے۔ انگلستان میں بائینر نے دیکھا کہ جن اسکولوں میں ہیڈ ماسٹر سگرٹ نہیں پیتے تھے ان اسکولوں میں سگرٹ پینے والے لڑکوں کی تعداد کم تھی۔ بعض اسکولوں میں علاقے یا سماجی طبقے کے لحاظ کے بغیر سگرٹ پینے والوں کی تعداد زیادہ تھی اور بعض میں کم۔ سگرٹ نوشی کے خلاف جو کوششیں بڑوں اور خاص طور پر والدین کے لئے کی جاتی ہیں، ان میں نہ صرف ان خطرات کی نشان دہی کی ضرورت ہے جو خود بڑوں کو لاحق ہیں، بلکہ ان خطرات کو بتانے کی بھی ضرورت ہے جو ان کے بچوں کو لاحق ہیں۔ یہ کوششیں دوران حمل اور بچے کی زندگی کے پہلے سال میں سب سے زیادہ مؤثر ہو سکتی ہیں کیوں کہ والدین اپنے نوزائیدہ بچوں کو نقصان پہنچانا کب چاہیں گے۔

اسکولوں میں موجودہ صحتی تعلیم حیرت انگیز طور پر غیر مؤثر ہے۔ ایک جائزے کے مطابق صرف اٹھائیس (۲۸) فی صد بچوں نے یہ محسوس کیا کہ اسکولوں میں جو فلمیں دکھائی جاتی ہیں اور جو مذاکرات ہوتے ہیں، وہ سگرٹ نوشی سے باز رکھنے کے سلسلے میں مفید ہوتے ہیں۔ طلبہ جیسے جیسے بڑے ہوتے ہیں ان کی نظروں میں اسی قسم کی صحتی تعلیم کی قدر و قیمت اتنی ہی کم ہوتی جاتی ہے۔ جن اسکولوں میں سگرٹ نوشی کے مضر اثرات کے بارے میں باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے ان میں اور دوسرے اسکولوں میں جہاں یہ تعلیم نہیں دی جاتی کوئی فرق نہیں ہے۔ بچے مثال سے متاثر ہوتے ہیں سگرٹ نہ پینے والے استاد کی مثال اس مشیر صحت کے سبق سے کہیں زیادہ مؤثر ہے جو کبھی کبھار اسکول آتا ہے۔

اس کے باوجود بچے بلاشبہ سگرٹ نوشی کے خطرے سے واقف معلوم ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر انگلستان میں ایک جائزے

...گیا کہ اکیانوے (۹۱) فی صد بچوں نے اس بات سے اتفاق کیا کہ سگرٹ نوشی صحت کے لئے خراب ہے"، لیکن یہ واقفیت انھیں سگرٹ نوشی سے نہ روک سکی۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ امراض تنفس اور سرطان بچوں کو دور افتادہ اور غیر حقیقی خطرات معلوم ہوتے ہیں۔

جو بچے سگرٹ پیتے ہیں انھیں نوجوانی کا شوق زیادہ ہوتا ہے۔ سگرٹ نوشی کے بارے میں ان کے جو یہ تصورات ہوتے ہیں کہ یہ بڑی مردانگی اور شان دار حرکت ہے، اس کی اشتہارات تائید کر دیتے ہیں۔ برطانیہ میں ۷۶-۱۹۷۵ء میں حکومت نے سگرٹ نوشی کے خلاف مہم میں تقریباً ایک ملیون پونڈ خرچ کیے جب کہ سگرٹ فروش کمپنیوں کے اپنے کاروبار کی توسیع کے لئے اسی (۸۰) ملیون پونڈ خرچ کر دیئے۔ اس میں مختلف کھیلوں کی سرپرستی بھی شامل تھی۔ ہمیں چاہیئے کہ بچوں کو سگرٹ نوشی کے فوری نقصانات نہایت پر زور طریقہ پر سمجھائیں، مثلاً یہ کہ اگر وہ سگرٹ نوشی کریں گے تو کھیلوں میں کامیاب نہ ہو سکیں گے۔ جہاں تک نوجوان لڑکیوں کی سگرٹ نوشی کا مسئلہ ہے، اس کے لئے ہمیں چاہیئے کہ سگرٹ پینے والے مرد کی دل فریب اور پرکشش جو تصویر دکھائی جاتی ہے اس کو مٹا دیں۔ اسے نہایت بدبو دار شخص ظاہر کریں اور یہ ظاہر کریں کہ اس کی بو سے ایسا محسوس ہوگا جیسے ایش ٹرے میں منھ ڈال دیا ہو۔

سگرٹ نوشی ترک کروانے والے پروگراموں میں صرف نقصانات ہی پر زور نہ دینا چاہیئے، بلکہ اس ترک عادت سے صحت کو جو فوائد حاصل ہوں گے ان کی بھی تشہیر کرنی چاہیئے۔ بچوں اور نوجوانوں کے سگرٹ نوشی کے رویے پر سماجی ماحول کا اثر پڑتا ہے، لہٰذا اگر معاشرے میں صحتی شعور زیادہ ہوگا تو ایک ایسا سگرٹ نوشی نہ کرنے والا ماحول قائم ہو جائے گا جس میں سگرٹ نوشی کرنے والے شخص کو ایک عجیب اور خوفناک شے سمجھا جائے گا۔

(ہمدرد فاؤنڈیشن کے ادارے انسٹی ٹیوٹ اوف ہیلتھ اینڈ طبی ریسرچ نے ترجمہ کر کے صحت عامہ کے مفاد میں جاری کیا)

حریم ہر انگریزی ۵-۶ تک حتی الامکان روانہ کر دیا جاتا ہے پھر بھی اگر حریمی بہنوں کو ۲۰ تاریخ تک نہ ملے تو ایک پوسٹ کارڈ معہ نمبر خریداری دفتر کو لکھ دیں دوسرا پرچہ بھیج دیا جائے گا۔

تقدیر بہاروں کی

از ناجیہ شمس

نہیں اور کچھ تمنا، یہ دعا ہے بس خدا سے
اسے اب کہیں جو دیکھوں تو نہ پیار اس پہ آئے

حنا نے بیچارگی سے ڈائری کے آخری صفحات پھاڑ دیئے کہ اس کے بعد وہ مزید کچھ لکھنا نہیں چاہتی تھی۔ قلم ایک طرف پھینک کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ تیز اور سرد ہوائیں، کھلی کھڑکی سے اندر آ آ کر ڈائری کے صفحات الٹنے لگیں تو حنا کو بھی اپنا خون رگوں میں منجمد ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے شال مضبوطی سے اوڑھ لی مگر کھڑکی بند کرنے کی تاب نہ رہی کہ ڈائری کے پھڑپھڑاتے ہوئے صفحات اسے سکون دے رہے تھے۔ خاموشی بڑی جان لیوا ہوتی ہے اندر کی ہو یا باہر کی۔ باہر شور ہو تو بے شعر انسان تھوڑی دیر کو بہل سکتا ہے۔ یہی سوچ کر وہ ایک ٹک ڈائری کو تکے گئی یہاں تک کہ اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ آنکھیں زور سے موند کر پھر کھولیں تو ننھے منے قطرے اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے مگر نگاہیں پھر ڈائری پر جم گئیں۔ شریر ہوا نے سارے اوراق پلٹ دیئے تھے اور اب وہ پہلے صفحے پر اپنا نام صاف پڑھ سکتی تھی "تزئین حنا" وہ تلخ سی ہنسی ہنس دی۔

واہ ری قسمت!" اتنا خوبصورت نام اور اس قدر ویرانیاں۔ امی ابو بھی عجیب ہیں" اس نے دکھ سے سوچا "اتنی بہاریں دے نہ سکتے تھے تو نام دینے والے کو ہی لوٹا دیتے۔

ہنی! اتنی ٹھنڈ ہے بیٹی کھڑکی بند کر دو" امی اندر آ گئیں۔

میں تو خود یہ چاہتی ہوں کہ سرد ہوائیں میری ساری قوتیں سلب کرلیں۔ وہ ہولے ہولے بول رہی تھی۔ امی کھڑکی بند کرتے ہوئے اسے دیکھنے لگیں۔

"پریشان ہو؟"

اس نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا بولی کچھ نہیں۔

کیوں؟ امی اس کے پاس آ گئیں۔

بس! حنا مسکرانے لگی۔ امی اسے اپنے پاس بٹھا کر چند لمحے سوچتی رہیں پھر آپ ہی آپ بول پڑیں۔

"نہ میں تم سے پوچھ سکوں گی اور نہ تم مجھے بتا سکو گی تو بہتر ہے نہ ہم دونوں خاموش رہیں" انھوں نے میز سے اٹھا کر ٹوپی اس کے سر پہ رکھ دی تو دونوں ایک ساتھ ہنس دیں۔ ایسی ہنسی جو بے جان تھی جس میں زہر کی گھلاوٹ تھی۔

امی! پھوپھو کو ویسا نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ حنا نے آنسو ضبط کرنے کی کوشش میں پوری آنکھیں کھول دیں۔ تو نجانے کیوں اپنی بیٹی کے ہاتھ تھامے امی کے آنسو تمام بندھنوں سے آزاد ہو گئے۔

ہم تہی دست ہیں بیٹی تمہیں کچھ نہ دے سکے۔ ہچکیوں سے ان کا سارا بدن لرز رہا تھا۔

"اور میں خود کو کیا کہوں کہ آپ کو خوشیاں بھی نہ دے سکی" اس نے سر جھکا لیا مگر امی ایک ٹک اسے دیکھے گئیں۔ سدا سے خاموش رہنے والی یہ لڑکی ہمیشہ ہی اچھی بات کرتی ہے۔ میری بیٹی نے تو مجھ سے کبھی کچھ نہیں مانگا اور اپنے آپ میں اسے کچھ نہ دے سکی۔ امی کے ہاتھ جو ہمیشہ اس کی درازیٔ عمر اور خوشیوں کے واسطے اٹھا کرتے تھے۔ رب ذوالجلال کے سامنے سراپا سوال بن گئے۔

"میرے خدا میری نازوں پلی کی ایسی قسمت؟ بہاروں کی اتنی ہولناک تقدیر؟ اتنی تلخ زندگانی؟"

ڈائری کے پھڑپھڑاتے ہوئے اوراق اب خاموش تھے جیسے طوفان اپنی تمام تر حشر سامانیوں سمیت اپنی ہی گود میں جا چھپا ہو۔ امی خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئیں اور وہ دونوں کہنیاں میز پر ٹکائے ڈائری پہ نظریں جمائے پھر وہیں بیٹھ گئی۔ اور اب صفحے الٹنے کو ہوا نہ تھی اس کے نرم و نازک۔ خالی سونے سونے ہاتھ تھے۔

یکم جنوری:۔

میری دوست تم سے کبھی کبھار ہی ملاقات ہوا کرے گی کیونکہ زیادہ لکھنا اپنے بس کی بات نہیں۔ گو نئے سال کی آمد کا احساس تم

ہی مجھے دلا رہی ہو مگر نئے سال کی مبارکباد دینا میں بھی ضروری سمجھتی ہوں ۔ اپنے ایسے لمبے چوڑے راز بھی نہیں کہ صفحات سیاہ کردوں پھر بھی تم سے وعدہ رہا کہ جو کبھی تم سے کہوں خود تک محدود رکھوگی ۔ دوستی نباہنی مجھے تو خوب آتی ہے اور تعلقات توڑنا مجھے اچھا نہیں لگتا ۔

یہ دوستی نبھاؤگی نا ؟

ڈائری سے کیا گیا وعدہ بھی خوب ہے ۔ میں بھی کتنی بے وقوف ہوں کوئی دوست نہ ملا تو ڈائری کو دوست بنا لیا ۔ پھیکی مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیل گئی اور صفحہ الٹ دیا ۔ اگلے تین چار صفحات بالکل خالی تھے اور پھر لکھا تھا ۔

۶ ر جنوری :۔

" تم بھی سوچتی ہوگی کہ ایک ہی ملاقات کے بعد اتنا لمبا وقفہ ہوا تو شاید میں تمہیں بھول گئی ہوں ۔ ارے نہیں دوست مجھے بھولنے کی عادت نہیں اور وہ بھی دوستوں کو ، وہ تو بس ذرا مصروفیت تھی اور پھر اکلوتی جو ٹھہری ایک ہی تو بھائی ہے میرا وہ بھی لندن جا رہا ہے ۔ بس ذرا اسی سلسلے میں تیاریاں ہو رہی تھیں ۔ اداسی میری بجا بھی مگر میں تو بے انتہا خوش ہوں کہ میرا بھائی اعلیٰ تعلیم کے لئے جا رہا ہے ۔ زیادہ پڑھے گا تو امی ، ابو کتنے خوش ہوں گے ۔ ساری عمر کی ریاضت کا صلہ ملے گا ۔ میں تو بس تمہیں یہ ہی بتانے آئی تھی کہ میں آج بہت خوش ہوں ۔ بہت خوش ۔"

ہونہہ بہت خوش ۔ حنا نے ہنکارہ بھر کر ایک دم بہت سے صفحات الٹ دیئے ۔ فروری کی کوئی تاریخ تھی مگر حنا کو محسوس ہوا جیسے اس نے سارے دنوں میں اس نے ڈائری لکھی ہی نہیں تھی تمام صفحات وہ ایک ایک کرکے دیکھنے لگی وہ سب خالی تھے ۔ اور ہاتھ کے نیچے دبے ہوئے صفحہ پر لکھا تھا ۔

پندرہ فروری :۔

سنو ! آج امی نے مجھے ایک بات بتائی ہے ۔ میری چھوٹی پھوپھو ہیں نا ان کے کوئی صاحبزادے انجم نامی ہیں ۔ وہ آرہے ہیں ہمارے ہاں ۔ سچ سچ بتاؤں ؟ مجھے شدت سے ان کا انتظار ہے

پتہ نہیں کیوں ۔

سولہ فروری :۔

مجھے جن کا انتظار تھا نا وہ آگئے ہیں ۔ دراصل آنا تو مارچ میں تھا مگر پتہ نہیں کیوں آج ہی آگئے ۔ میں نے دیکھتے ہی پہچان لیا تھا کہ وہ انجم ہیں ۔ مگر انہیں پتہ ہی نہیں چلا ۔ مجھ سے پوچھنے لگے آپ حنا ہی ہیں نا !

میں نے کہہ دیا نہیں تو ہونقوں کی طرح مجھے دیکھتے ہوئے واپس امی کے پاس چلے گئے ۔ میں ۔۔ مجھے وہ بہت اچھے لگتے ہیں دوست ! امی نے مجھے سب کچھ بتا دیا تھا اس لئے ۔ ورنہ مجھے کیا پڑی کہ کسی کو خوامخواہ پسند کرتی پھروں ۔

بائیس فروری :۔

آج پتہ ہے کیا ہوا ۔ میں اپنے کمرے میں بیٹھی پڑھ رہی تھی کہ مجھے باہر قہقہوں کی آواز آئی میں سمجھ گئی کہ انجم امی کے ساتھ باتوں میں مصروف ہوں گے ۔ اسی لئے تو اتنے جاندار قہقہے برس رہے ہیں ۔ اتنے میں کوئی دروازہ کھول کر اندر چلا آیا ۔ میں نے مڑ کر دیکھا تو انجم تھے ۔ بمشکل ہنسی روکے کھڑے تھے

مس آرائش خانہ ! باہر تو نکلا کیجئے ۔ اور ساتھ ہی ہنسی کا فوارہ پھوٹ پڑا ۔ تم جانو مجھے تو اتنا ہنسنے کی عادت ہی نہیں ۔ بس ایک ٹک انہیں دیکھے گئی ۔ چند لمحے ہنستے رہے اور پھر ایک دم خاموش ہوگئے ۔ میری آنکھوں میں دیکھ کر کوٹ کے کالر درست کرتے ہوئے بولے ۔ ہماری آرائش میں اگر کوئی کمی رہ گئی تو پوری کر دیجئے پریوں ہمیں آسیب زدوں کی طرح مت گھورئیے " ہنسی تو مجھے بھی آگئی پر صرف ہونٹوں تک پھیل کر رہ گئی ۔ تو کمال نرمی سے بولے ۔

ہم تو مستقل مہمان ہیں اکیلے رہیں گے تو بور ہی ہوا کریں گے ۔ احتشام لندن چلا گیا ۔ کمپنی تو دیجئے نا ! ۔

چلئے ! میں نے کتاب بند کر دی اور ان کے ساتھ باہر آگئی ۔ امی کے پاس اور پھر تمام وقت ہم محظوظ ہوتے رہے ۔ سنو ! انجم بڑے مزے کی باتیں کرتے ہیں ۔ باتوں کے دوران رکنے کا تو نام ہی نہیں لیتے اور مجھے تو ہمیشہ سے بولنے سے زیادہ سننا پسند ہے ۔ احتشام بھی تو بہت بولا کرتا تھا ۔

۲۴ ر فروری ۔ مستقل مہمان نے مجھے تم سے دور کرنے کی بہت

کوشش کی ہے۔ دن رات باتیں، کارڈز، سیر و تفریح ہاں بھئی! اس نے مجھے کارڈز کھیلنا بھی سکھا دئیے ہیں۔ احتشام بہت یاد آتا ہے۔ کہا کرتا تھا "باجی! آپ کارڈز کھیلنا نہ سیکھئے گا۔ انسان اپنا آپ بھول جاتا ہے۔ آپ تو ویسے بھی بھول بھلیاں ہی ہیں۔ مزید کھو گئیں تو باجی کہیں اور تلاش کرنا پڑیں گی" اور میں! اتنی بہت کچھ بھولتی جا رہی ہوں کبھی کبھار رسالہ ہی دیکھ لیا کرتی تھی مگر اب چھوڑ دیا کہ کیا فائدہ میں کوئی امتحان دینے تھوڑا ہی جا رہی ہوں ایف اے کر لیا۔ یہی کافی ہے۔ اپنی تو یہی خواہش ہے کہ احتشام پڑھ لکھ کر بڑا آدمی بن جائے۔ والدین میرے اتنے امیر کبیر کہاں کہ اب مجھے بھی اعلیٰ تعلیم دلوائیں۔ بس اب تو شب و روز اور ہی طرح سے گزرنے لگے ہیں۔ صبح گھر کے کام کر لیتی ہوں۔ سہ پہر کو انجم کے ساتھ گزار دیتی ہوں اور رات کو تم سے چند باتیں۔ بس

۲ر مارچ :-

کھلا کھلا موسم آ گیا ہے۔ عجیب رت ہے، لوگ کہتے ہیں کہ پھول اسی رت میں کھلا کرتے ہیں۔ مگر اپنے ہاں تو بس ایک ہی گلاب کا پودا ہے جس پر ایک پھول کھل کر مرجھانے کا انتظار کرتی ہوں اپنے گھر میں نہ تو لمبی لمبی راہداریاں ہیں نہ باغ۔ بس صحن میں ایک آلو بخارے کا درخت ہے جو سخت سردیوں میں تو ٹنڈ منڈ ہو جاتا ہے اور کبھی کبھار جب سفید سفید پھول کھلتے ہیں تو مجھے اندازہ ہوتا ہے کہ موسم بدل رہا ہے۔ آج کل گلاب کے پودے پر ایک کلی آئی ہے نہ جانے کب کھلے۔ تم جانتی ہو کہ کلی کے پھول بننے میں کتنا عرصہ لگتا ہے۔؟

۳ر مارچ

بڑا دعویٰ تھا مجھے کہ میں خاموش رہتی ہوں پر انجم مجھ سے بھی دو ہاتھ آگے نکل گئے۔ کئی دنوں سے بہت مصروف ہیں۔ گھر پر تو ٹکتے ہی نہیں۔ صبح سویرے گھر سے چلے جاتے ہیں اور واپس آئیں تو خاموش پڑے رہتے ہیں، تم کہو! تو پوچھوں کہ کیا بات ہے ؟

۵ر مارچ :-

میں نے پوچھا تھا بھئی۔ بس ایک دم ہنس دیئے تھے۔

"کوئی بات نہیں بس۔ ہاں اگر میرا خاموش رہنا آپ کو زبان دے سکتا ہے تو مجھے خاموش رہنا زیادہ اچھا لگے گا۔ اور مجھے ہنسی آ گئی تھی کہ میں نے تو خاموشی کی وجہ پوچھی تھی اور وہ الٹا مجھی سے سوال کرنے لگے۔ میں نے

صاف صاف کہہ دیا کہ آپ پریشان لگتے ہیں تو پھر اسی انداز میں بولے آپ پریشانیاں ختم کر سکتی ہیں ؟۔

شائد! میں تو سنجیدہ ہی تھی۔

آپ اتنی مختصر بات کیوں کرتی ہیں کہ مجھے ہر بات کا مطلب اخذ کرنے کے لئے کئی بار سوچنا پڑتا ہے"۔ اور میں آپ ہی آپ خوش ہو گئی کہ میری بات سمجھنے کے لئے وہ میری ہی کہی ہوئی بات بار بار دہراتے ہوں گے۔

اب کیا سوچنے لگیں ؟ انھوں نے خاموش دیکھ کر سوال کیا اور میں صرف سر جھٹک کر رہ گئی۔ اب کیا بتاتی کہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔

بہرحال میں پریشان نہیں ہوں۔ بس ذرا مصروف ہوں "انھوں نے میری طرف دیکھے بغیر کہا اور میں کچھ بولے بنا باہر چلی آئی۔

۸ر مارچ :-

میں تو اتنی باتیں کر ہی نہیں سکتی جتنی انجم کرتے ہیں۔ میں تو بس انھیں دیکھتی رہتی ہوں کہ وہ کیا بول رہے ہیں کبھی کبھار بات کرتے ہوئے ٹھہر تے ہیں۔ مجھے دیکھتے ہیں اور کچھ آپ بھی تو بولئے کہہ کر پھر مصروف گفتگو ہو جاتے ہیں میں تو بمشکل ہنسی ضبط کرتی ہوں۔ ہاں دوست! اب تو مجھے بہت ہنسی بھی آنے لگی ہے۔

ارے ہاں! احتشام کا خط آیا ہے۔ اتنی مزے مزے کی باتیں لکھی ہیں اس نے کہ مزہ ہی آ گیا۔ امی ابو بہت خوش ہیں۔ بھائی کی منزل قریب آ رہی ہے نا۔ وہ دو سال اور آٹھ ماہ کے بعد بیرسٹر بن کر واپس آئے گا تو مزے ہی آ جائیں گے، ہے نا ؟

اکلوتا گلاب کھل کر اب مرجھانے کا انتظار کر رہا ہے۔

۲۲ر مارچ :-

ہاں واقعی بہت دن گزر گئے تم سے ملے ہوئے ناراض تو نہیں ہوتا۔ دراصل میرے ابو کی طبیعت ذرا خراب تھی۔ انجم کسی کام سے لاہور گئے ہوئے تھے۔ امی اکیلی کیا کیا کرتیں۔ بس میں ہی بار بار ڈاکٹر کے پاس جاتی رہی۔ دوائی لینے۔ آج ذرا طبیعت سنبھلی ہے تو میں تم سے باتیں کرنے آ گئی ہم ایسے افسانوی ماحول میں نہیں رہتے۔ دوست کو فون کریں تو پلک جھپک ڈرائیور چلے آئیں۔ اپنے گھر میں تو ٹیلیفون ہے، نہ کار ہے نہ فریج نہ ٹی وی ہے اور نہ ہی ٹیپ ریکارڈ۔ ایک ریڈیو ہے جو خبریں سننے کے لئے استعمال ہوتا ہے مجھے تو گانے وانے سننے کا شوق بھی

نہیں ہے۔ ابو تو اپنا سب کچھ احتشام کی پڑھائی پر صرف کر چکے ہیں۔ اور اپنے پاس کچھ ہے ہی نہیں ابو کی طبیعت جتنے دن خراب رہی ماحول بوجھل بوجھل سا رہا۔ آج ابو اپنے پلنگ پر بیٹھے ہنس بول رہے ہیں تو میں بھی چہکی چہکی پھر رہی ہوں۔ امی بھی کچن میں مصروف ہیں ہاں البتہ ریڈیو آج بہت دنوں بعد پھر بول رہا ہے۔ کیونکہ آج سہ پہر انجم بھی آ گئے ہیں۔

یکم اپریل:۔

انجم نے عجیب طرح سے مجھے فول بنا لیا ہے۔ کاش یہ سب سچ مچ ہو جائے۔ پتہ ہے کیا ہوا؟ میں کچن میں دوپہر کا کھانا بنا رہی تھی کہ انجم بھی وہیں آ گئے۔ پہلے تو بلند آواز میں احتشام کا خط سنایا جو آج ہی آیا تھا اور پھر میرے پاس ہی پیڑھی گھسیٹ کر بیٹھ گئے۔

"رس آر دانش خانہ"

"بری بات، میرا نام تزئین حنا ہے۔ میں نے بات کاٹی تو ہنس دیئے۔

ایک ہی بات ہے۔ دراصل دیکھنے میں آپ اتنی ہلکی پھلکی باتیں کرتی ہیں اور نام آپ کا بہت بھاری بھرکم ہے۔ مشکل لفظ ہی تو ادا کرنے ہیں نا تو کیوں نہ وہ بات کہی جائے جو بامعنی ہو۔"

"کیا مطلب" میں نے دھنیہ کاٹتے ہوئے ان کی طرف دیکھا تو وہ ایک دم بہت بدلے بدلے سے نظر آئے۔ ان کی آنکھوں میں میں نے عجیب سی چمک دیکھی لیکن وہ نظریں چرا گئے۔

"مطلب سمجھانا کبھی بہت عجیب لگتا تھا۔ لیکن تم سمجھتی ہی نہیں ہو تو کیا کروں"۔ انھوں نے میری طرف دیکھ کر پھر سر جھکا لیا۔

"آپ سمجھانا کیا چاہتے ہیں؟"

"تمہیں اپنے گھر لے جانا چاہتا ہوں، اپنا بنا کر، جہاں میرے سنگ یونہی ہنستی رہو۔ میرے گھر کی دیکھ بھال کرو اور بس میری اپنی سی رہو"۔ کتنی عجیب خواہش تھی میں انھیں دیکھتی رہ گئی۔ چاہتی تو میں بھی یہی تھی لیکن اثبات میں سر ہلا دینا مجھے کچھ افسانوی سا لگا۔ میں نے دھنیہ ہنڈیا میں ڈال دیا اور اٹھ کھڑی ہوئی لیکن انھوں نے ایک دم میرا ہاتھ پکڑ لیا۔

"جواب دو نہ"!

"مجھے نہیں پتہ، میں نے ہاتھ چھڑانا چاہا مگر ان کی گرفت مضبوط تھی

"جواب دو"

"جواب دینا بری بات ہے"۔

"مذاق میں نا ٹالو"

"پلیز انجم! میں نے پھر ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی۔

"مان تو میری بات ورنہ" وہ جھنجھلائے۔

"دھونس ہے"؟

"نہیں درخواست ہے منی پلیز! انھوں نے میرے ہاتھ چھوڑ دیئے اور میرے سامنے ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے۔

"کہو اچھا"

"اچھا" میں نے دل کی بات کہہ دی لیکن یقین مانو دل کی بات کہہ دینا بے حد کٹھن ہے۔ اتنا کٹھن کہ مجھے محسوس ہوا جیسے میں بہت ہلکی ہو گئی ہوں۔ بہت نیچ۔ لیکن وہ کھڑے ہو کر ایک پیر پر گھوم گئے اور چٹکیاں بجاتے ہوئے باہر چلے گئے۔

اور ابھی ابھی چند منٹ پہلے امی نے کچن میں میرے بہت قریب آ کر سرگوشیوں میں مجھے بتایا کہ پھوپھو انجم کیلئے مجھے مانگنے کو کل آ رہی ہیں۔ انھوں نے میری رائے پوچھی ہے اور مجھے اتنی ہنسی آ رہی ہے کہ کیا بتاؤں مجھے خوف بھی کہ انجم مجھے فول تو نہیں بنا رہے۔ بہت سوچ رہی ہوں۔ امی صبح پھر آئیں گی تو کیا کہوں گی۔ کچھ تم ہی بتاؤ نا دوست!

۲ر اپریل:۔

ہار کر اپنا سب کچھ تو خوامخواہ ہی جیت کا احساس ہو رہا ہے۔ امی کے سامنے آج میں نے خود کو کسی اور کو سونپ دینے کا اقرار کر لیا اور اس لمحے بہت ٹوٹ پھوٹ ہو رہی ہے میرے من میں۔ سوچتی بھیا ابو کا سامنا کیسے کروں گی۔ احتشام خط میں جب مبارک باد لکھے گا تو کیسے جواب دوں گی۔ اور سچ مانو تو میرا دل چاہتا ہے انجم اب کہیں اور چلے جائیں کیوں کہ ان کے سامنے جانا تو کسی عذاب سے کم نہیں ہوگا۔

۱۰ر اپریل:

مجھے مبارک باد دو دوست! کہ میں ہمیشہ کے لئے انجم کی ہو گئی ہوں۔ پرسوں ہماری منگنی ہو گئی تھی۔ آج پھوپھو واپس چلی گئیں تو میں سیدھی تمہارے پاس آ رہی ہوں۔ ابو نے احتشام کو بھی خط لکھ دیا ہے۔ پتہ نہیں کیوں مجھے اتنی گھبراہٹ ہو رہی ہے کہ بتا ہی نہیں سکتی۔

انجم ہو یہاں ہیں۔ جا ہی نہیں رہے۔ دعا کرو وہ اب کہیں اور چلے جائیں۔ ان کی ٹرانسفر کہیں اور ہو جائے۔ ورنہ تو زندگی اجیرن ہو جائے گی۔ وہ تو بے دھڑک ہر جگہ پہنچ جائیں گے اور میں عجب بھی نہیں سکوں گی۔ ایک بھی دیکھی ہے تم نے گلاب کا پھول بنا ہے اور بالکل بیچوں بیچ لکھا ہے "انجم" اچھی ہے نا؟

ہائے ٹھہرو! لگتا ہے کوئی آرہا ہے۔ انجم ہی ہوں گے ـــ یقیناً۔ اب دیکھو نا اتنی رات گئے وہ میرے پاس آ جائیں گے تو بھاگ کر امی کے پاس بھی نہیں جا سکوں گی ارے ہاں کسی کو بتانا نہیں۔ میری دوست جو ٹھہری۔

۱۸ اپریل

وہ انجم ہی تھے جو دروازہ کھٹکھٹائے بغیر بات میرے کمرے میں آ گئے تھے۔ بڑی دیر تک گہری گہری نظروں سے مجھے دیکھتے رہے اور میں یہ بھی نہ کہہ سکی کہ بیٹھ جائیے وہ آپ ہی آپ میرے بے حد قریب آ گئے اور میرا ہاتھ تھام کر بولے "بیٹھ جائیے" وہ بات جو مجھے کہنا تھی۔ انھوں نے کہہ دی اور میں چپ چاپ بیٹھ گئی۔

"پوچھنا چاہتی ہیں نا کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں" انھوں نے میرے دل کی بات کہہ دی۔

"جی" میں صرف اتنا ہی کہہ سکتی وہ دبی دبی ہنسی ہنستے ہوئے سرگوشیوں میں کہنے لگے "دن کے وقت ممانی جان کے سامنے آپ سے بات کرنا مشکل ہو جائے گا نا! آپ کو اتنی بہت ساری شرم آتی ہے تو شرمیلا میں بھی ہوں۔ کیسے بات کروں گا۔ میں نے سوچا اسی وقت جا کے مل آؤں"۔

"اس وقت شرم نہیں آرہی" میں نے بمشکل کہا

"آرہی ہے لیکن مجھے نہیں تمہیں"۔

"تو واپس چلے جائیے نا"!

اتنی دعاؤں کے بعد تمہیں پایا ہے تو خدا کا شکر کئے بغیر کیسے چلا جاؤں یقین جانو میں نے تو پتھر کو موم کیا ہے۔ دل کی مراد پائی ہے نبی" وہ رک کر چند منٹ میری طرف دیکھتے رہے مگر میں خاموش رہی۔

"تم خوش ہو نا انبی؟ وہ سراپا سوال تھے۔

"جی! اب آپ جائیے۔ میں پیچھا چھڑانے کو ایک کہہ دیا لیکن پتہ ہے کیا ہوا۔ کسی سے مت کہنا دوست انھوں نے میرے سرد ہاتھ اپنے سلگتے ہونٹوں سے لگا لئے۔ اب کیا کروں؟ میں سوچتی رہ گئی اور وہ ہاتھ ہلاتے ہوئے یہ جا وہ جا۔

۲۳ اپریل

لو دیکھو بھلا ہمارے گھر میں کب کبھی ایسا ہوا تھا کہ ایک ہی پودے پر دو تین کلیاں کھل اٹھیں۔ اب تو ہر بات ہی عجیب نظر آتی ہے۔ ایک پھول کھلنے کو ہے اور دو کلیاں ابھی منتظر ہیں۔ لگتا ہے بہار جوبن پر ہے، اپنے شب و روز تو بہت ہی مصروف ہو گئے ہیں۔ کبھی کبھار بازار بھی چلی جاتی ہوں امی کے ساتھ۔ سنا ہے انجم کی ٹرانسفر کسی اور جگہ ہو رہی ہے۔ اچھا ہے نا! ورنہ تو خواہ مخواہ ہی عجیب عجیب نظروں سے دیکھتے رہتے ہیں اور میں اپنی ہی نظروں میں چور بن کر آپ اپنے ہاتھ چوم لیتی ہوں۔ مجھے انجم نے بری طرح تباہ کر دیا ہے۔ میرے سوچنے کا انداز پوری طرح بدل چکا ہے۔ پتہ نہیں کیوں۔

حنا نے سر ڈائری سے اٹھایا تو اس کے ہونٹوں پر تھوڑی سی مسکراہٹ تھی مگر آنکھیں آنسوؤں سے چھلکی پڑ رہی تھیں اس نے جان بوجھ کر چھت کو گھورنا شروع کر دیا تاکہ دھیان بٹ سکے لیکن دو گرم گرم آنسو اس کے زرد رخساروں پر ڈھلک پڑے۔ بے دھیانی میں اس نے کئی اوراق الٹ دیئے۔ دونوں ہاتھوں سے اس نے اپنی گالوں کو رگڑ دیا۔ اور پھر ڈائری پر نظریں جما دیں۔

۲۔ مئی۔

انجم فیصل آباد چلے گئے ہیں دوست! احتشام کے چلے جانے کے بعد اب مجھے پہلی مرتبہ اس قدر تنہائی کا احساس ہوا ہے، لیکن اس تنہائی میں بھی عجیب قسم کا مزہ ملتا ہے۔ احتشام کے خط آتے ہیں وہ بہت جلد منزل پانے پر مجھے مبارک باد بھی دیتا ہے اور اپنی منزلوں کے حصول کے لئے مجھے ڈھیر ساری دعائیں مانگنے کو بھی کہتا ہے۔ گلاب کے پھول یکے بعد دیگرے کھل رہے ہیں۔ ایک ہی گملے میں دو پھول ایک ساتھ بہت اچھے لگتے ہیں۔ کتنی خوش ہوں، میں آج کل، بڑی آزادی سے اندر باہر گھومتے ہوئے گہری گہری نظروں سے دیکھتا ہے۔ پھر بھی جب کبھی اکیلی ہوتی ہوں تا تو انجم کی باتیں یاد آتی ہیں۔ اور کبھی کبھار تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے وہ خود آ گئے ہوں میرے پاس۔ اور مجھ سے ہم کلام ہوں۔ میں خواہ مخواہ ہی جھینپتی رہتی ہوں۔ خود ہی ذرا اندر اسی آہٹوں پر چونکتی ہوں۔ بس یوں سمجھو دوست! کہ میں تو ایک دم بہک سی گئی ہوں۔

۹ مئی۔ آج کا دن زندگی کے خوشگوار ترین دنوں میں سے

ایک سے۔ پتہ ہے کیا ہوا ہے میں صحن میں بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی کہ انجم آگئے۔ کسی کام سے ہمارے شہر میں آئے تو ہمارے گھر میں چلے آئے۔ امی کسی کام سے ہمارے ۔۔ ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی بازار گئی تھیں۔ ابّو بھی آفس سے نہیں آئے تھے۔ میں تو بری طرح نروس ہو رہی تھی اور وہ تھے کہ بس کھڑے کھڑے ہنستے چلے جا رہے تھے۔ میں ہاتھ دھو کر اُٹھ کھڑی ہوئی۔

"بیٹھئے۔" میں ہاتھ پونچھتی ہوئی بمشکل بولی۔

کہاں؟ وہ قہقہہ مار کر ہنس دیئے تو میں بڑی طرح شرمندہ ہوگئی۔ صحن میں بیٹھنے کی جگہ کہاں۔

ٹھہریئے میں کرسی لے آتی ہوں۔" میں اندر بھاگی مگر انھوں نے ایک دم بڑھ کر میرا راستہ روک لیا۔

"اندر ہی چل کر بیٹھتے ہیں" وہ اندر کی طرف چل دیئے۔ میں بری طرح گھبرا رہی تھی۔ "تم بھی آؤ" انھوں نے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور میں چپ چاپ ان کے ساتھ چل دی۔

میرا آنا کیسا لگ رہا ہے؟ وہ میری طرف دیکھتے ہوئے بولے۔

"بہت اچھا۔" میں نے اتنا کہا اور باہر آنے لگی کہ چائے لے آؤں مگر وہ پھر بولے۔

میرے بغیر رہنا اچھا لگتا ہے؟

"یہ کیا سوال ہے۔" مجھے ہنسی آگئی۔

میرے ساتھ چلوگی۔؟ وہ سنجیدہ تھے۔

آپ عجیب باتیں کرتے ہیں۔ انھیں سنجیدہ دیکھ کر میری تو جان ہی نکل گئی۔

سنو! وہ اٹھ کر میرے پاس آگئے۔

میں چائے لاؤں؟ میں نے بات بدلنا چاہی۔

"نہیں، مجھے چائے نہیں پینی، تم میری بات سنو۔" میں نے ان کی آنکھوں میں دیکھا تو وہیں ٹھہرتے ہوئے رہ گئی۔

"اگلے ماہ امی جان آرہی ہیں یہاں۔ جب تم ہمیشہ کے لئے میری ہو جاؤگی" وہ تھوڑے خوش بھی ہو رہے تھے "میری زندگی میں سب کچھ ہے مینی! بس تم بھی چلی آؤ نا تو بہاریں اور پُر بہار ہو جائیں" خود ہی کہو ان باتوں کا میں کیا جواب دیتی۔ چپ چاپ سنتی رہی۔

ہنی، بولو تو سہی۔

کیا بولوں۔؟

تم بھی تو کچھ کہو نا۔

کیا کہوں؟ میں اس سے زیادہ کچھ کہہ ہی نہیں سکتی تھی۔

وہ عجیب طرح ہنسے "تم اتنا مختصر کیوں بولتی ہو کہ کوئی ساری عمر بھی تمہاری باتیں سنتا رہے تو بھی تشنہ ہی رہے" اور میں سخت بوکھلاہٹ میں صرف آنکھیں جھپک کر رہ گئی۔ اور پتہ ہے کیا ہوا دوست؟ انھوں نے میرا ہاتھ اپنی آنکھوں پر رکھ لیا۔

"میں چائے لاتی ہوں" اس بہانے میں فوراً کچن میں چلی آئی تھوڑی دیر بعد امی بھی آگئیں، لیکن ابھی تھوڑی دیر پہلے امی کو بتایا ہی نہیں کہ یہ تو میں سب جانتی ہوں۔ پتہ نہیں کیوں عجیب سا سرور آگیں احساس ملا ہے مجھے۔ انجم کی ہمراہی میں سکون کا احساس ہوتا ہے۔ لو! میں بھی خواہ مخواہ دعویٰ کر رہی تھی کم باتیں کرنے کا۔ اب میں بہت زیادہ باتیں کرنے لگی ہوں۔ باقی باتیں پھر کبھی سہی دوست۔

۲۲ر مئی

امی آج کل بڑی تیزی سے شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ میں تو بس یونہی بوکھلائی جا رہی ہوں۔ بھلا احتشام کے بغیر کیا لگے گا۔ وہ تو اکثر چھیڑا کرتا تھا کہ باجی! آپ کی شادی میں یہ کروں گا وہ کروں گا۔ اب اتنی دور بیٹھا ہے تو کیا سوچ سوچ کر اداس نہیں ہو جائے گا۔ بھلا پھوپھو کو کون کہے کہ ایسی جلدی بھی کیا پڑ گئی۔ انجم شاید بات مان لیتے لیکن اتنا حوصلہ ہی کہاں کہ ان سے کوئی بات کھل کر کر سکوں ویسے ایک بات ہے دوست!! انجم کے بغیر نجانے کیوں ادھوری سی زندگی لگتی ہے۔

گلاب کا پودا حسب سابق ایک ہی پھول لئے کھڑا ہے۔ باقی سب یکے بعد دیگرے مرجھا گئے۔ یہ بھی مرجھانے کا انتظار کر رہا ہے۔ ویسے بہار ابھی گئی تو نہیں نا! اپنے ہاں تو ابھی جوبن پہ ہے۔ ہے نا۔؟

۵ر جون

پھوپھو آئی ہوئی ہیں۔ ممی، ابّو کے ساتھ باتوں کا سلسلہ جاری ہے۔ آج میں تم سے باتیں ذرا کم ہی کروں گی کیونکہ مصروفیت بہت ہے۔ فراغت پاتے ہی سب سے پہلے تمہارے پاس آؤں گی" وعدہ رہا۔

۱۰ر جون

سنو دوست! پھوپھو پانچ دن ٹھہرنے کے بعد آج دوپہر واپس

چلی گئیں۔ وہ تو بڑی خوش تھیں۔ جاتے سمے مجھے ساتھ لپٹا کر بہت سا پیار بھی کر گئیں پر امی، ابو بڑے چپ چاپ ہیں۔ پتہ نہیں کیا بات ہے۔ خاید۔۔۔

احتشام بھی تو نہیں ہے نا۔ خدا کرے میرا بھائی بہت خوش رہے۔

۲۱ر جون

آج میری سالگرہ ہے دوست! آج احتشام کا خط بھی آیا ہے اور آج انجم بھی آئے تھے۔ احتشام نے اتنا پیارا خط لکھا ہے۔ بڑا ہی شریر ہے۔ خط میں شرارتوں سے باز نہیں آتا۔ بار بار انجم کا نام لکھا ہے اور پتہ ہے کیا لکھا ہے؟ ہائے اللہ تمہیں کیسے بتاؤں۔

انجم نے مجھے ایک بہت پیارا لاکٹ دیا ہے سالگرہ کے تحفہ میں دیتے سمے کہہ رہے تھے کہ تمہیں ان چیزوں کی کیا ضرورت ہے بھلا۔ میں نے لینے میں تھوڑی پس و پیش کی تو میرا ہاتھ پکڑ کر اس میں تھما دیا اور میں نے جھٹ سے لے لیا۔ کہیں وہ خود پہنانے کی فرمائش نہ کر بیٹھیں اور تم جانو میں اتنی باتیں جانتی نہیں تو انھیں روک بھی نہیں سکوں گی، کہنے لگے پہن کے دکھاؤ تو میں نے فوراً پہن لیا۔ بڑی تعریف کر رہے تھے کہ پرشلوار میں وہ خود بھی غضب ڈھا رہے تھے۔ پر امی، ابو کو پتہ نہیں کیا ہے ذرا بھی تو ہنس بول نہیں رہے تھے، بس چپ چاپ خالی خالی نظروں سے مجھے تکے جا رہے تھے۔"

جانے خبری میں لاکٹ سے کھیل رہی تھی۔ چپ چاپ لاکٹ اتار کر میز کی دراز میں ڈال دیا۔ دراز بند کرنے سے پہلے اسے چند لمحے خالی خالی نظروں سے تکتی رہی اور پھر بڑے زور سے دراز بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ کمرے میں گھٹن کا احساس ہو رہا تھا۔ اس نے بڑھ کر کھڑکی کھول دی۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے جھونکے سے اس کے سارے بدن میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔ لیکن اس وقت اس نے شال لپیٹنے کی زحمت نہ کی۔ ٹھنڈی ہوا اس کے زرد اور بیمار بدن کے آر پار ہوتی رہی۔ ڈائری کے اوراق پھڑپھڑا رہے ہیں۔ بڑی آہستگی سے چلتی ہوئی وہ کمرے کے دوسرے کونے تک گئی۔ بتی بجھائی اور ٹیبل لیمپ جلا کر سیدھا میز کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ ڈائری کے خالی اوراق اس کا منہ چڑا رہے تھے۔ ایک ہاتھ میز پر ٹکا کر دوسرے ہاتھ سے بہت سے اوراق الٹ دیئے۔ اور پھر وہیں بیٹھ گئی۔

۲ر جولائی۔ امی کو پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ ابو بھی بجھے بجھے سے ہو گئے ہیں۔ گھر کا ماحول گھٹا گھٹا سا ہو گیا ہے۔ کل تو امی، ابو کا جھگڑا بھی ہو گیا تھا۔ جھگڑے کی وجہ تو معلوم نہیں ہوئی البتہ تیز تیز گفتگو کی آوازوں سے مجھے احساس ہوا جیسے وہ آپس میں لڑ رہے ہیں۔ احتشام ہوتا تو مل کر کہیں سیر و تفریح کا پروگرام ہی بنا لیتے۔ اب تو کام کاج سے فرصت ملے تو کمرے میں گھسنا ہی پڑتا ہے۔ انجم بھی بہت دنوں سے نہیں آئے، اب ایسی تنہائی میں خود کو بہت کوستی ہوں کہ کیوں ان کے چلے جانے کی دعائیں مانگتی تھی۔ کاش وہ ہی آ جائیں۔

۱۲ر جولائی

آج پھوپھو اور انجم اکٹھے آئے تھے۔ پھوپھو بڑی دیر امی، ابو سے باتیں کرتی رہیں اور اتنی دیر انجم کچن میں میرے پاس بیٹھے رہے۔ بہت ساری باتیں کرتے رہے۔ ارے بھئی وہی پیاری پیاری باتیں کہ تم جلدی سے پاس چلی آؤ، تم بہت اچھی چائے بناتی ہو، اب میں تمہارے بن نہیں رہ سکتا۔ تم بھی تو ۔۔ ہو دنیا میں مجھے پیار کرتی ہو، تم اتنا کم کیوں بولتی ہو اور تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو وغیرہ وغیرہ باتیں افسانوی سہی لیکن اب جبکہ میں ان سے منسوب ہو چکی ہوں تو یہ اپنی اپنی سی لگتی ہیں۔ بہت اچھا وقت گذرا تھا انجم کے ساتھ، لیکن ان کے جاتے ہی پھر وہی گھٹن، آج تو پھوپھو بھی مجھے پیار کئے بغیر چلی گئیں۔ ہاں البتہ انجم جاتے ہوئے بڑی پیار بھری نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

۲۰ر جولائی

امی بتاتی ہی نہیں کہ بات کیا ہے۔ میں نے بہتیرا پوچھا پر کوئی جواب ہی نہیں دیتیں۔ خالی خالی نظروں سے تکے جاتی ہیں۔ میں بھی بہت پریشان ہوں۔ بہت دن ہوئے احتشام کا خط بھی نہیں آیا۔ شاید مصروف ہوگا۔ پر ادھر میں تو ذہنی کوفت میں مبتلا ہوں نا۔ سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں

۳۱ر جولائی

کوئی گڑبڑ معلوم ہوتی ہے دوست جو امی، ابو بھی کھنچے کھنچے رہتے ہیں۔ ایک روز انجم بھی آئے تھے بند کمرے میں امی سے باتیں کرتے رہے اور پھر سر جھکائے چپ چاپ باہر نکل گئے۔ میری طرف دیکھا بھی نہیں۔ پریشان دکھائی دیتے تھے۔ امی تو سخت جھنجھلائی ہوئی لگ رہی تھیں۔ دیکھو دوست! انجم نے آج میرے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے بھی نہیں پی۔ میری تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ اس گھٹن کو کیسے دور کروں۔

میں جو باتیں کرنے لگی تھی پھر سوچنے لگی ہوں۔ ایسا کیوں ہوا؟ انجم نے مجھ سے بات کیوں نہیں کی؟ احتشام کا خط کیوں نہیں آیا۔ مجھے افسانوں سے ہمیشہ چڑ رہی ہے پر لگتا ہے اب میں کسی افسانے کا کردار بنتی جا رہی ہوں۔ سرد ہوا کا ایک جھونکا عنا کے جسم سے ٹکرایا تو اس پر کپکپی طاری ہو گئی۔ ایک سرد آہ بے خبری میں اس کے ہونٹوں سے نکل پڑی۔ ایک ایک کر کے اس نے بہت سے صفحے الٹ دیئے۔ سب کے سب خالی تھے۔ بہت دنوں کے بعد ایک صفحے پر لکھا تھا۔

---

۱۹ راگست

ڈئیر! اتنی مختصر بہار آئی تھی میرے ہاں۔ میرا سب کچھ لٹتا ہوا محسوس ہو رہا ہے۔ مجھے امی نے سب کچھ بتا دیا ہے۔ انھوں نے بتایا ہے کہ میری شادی کی تاریخ مقرر کرنے آئی تھیں پھوپھو اور جہیز کی لمبی چوڑی لسٹ بتا کر چلی گئیں۔ اُن کا خیال ہے کہ میں تو والدین کی اکلوتی بیٹی ہوں اور اب تک بہت سا جہیز تیار ہو چکا ہوگا۔ میرا بھائی لندن سے میرے لئے بہت سی چیزیں بھیجے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔ تم جانو! میرے ابو ہمیشہ سے ٹکے کی چال چلتے ہیں۔ ساری جمع پونجی وہ ہماری تعلیم پر خرچ کرتے رہے ہیں۔ احتشام کی اعلیٰ تعلیم کے لئے انھوں نے مجھے بی اے میں داخلہ ہی لینے نہیں دیا تھا تو میرے لئے جہیز کیسے بنتا۔ احتشام کی ضروریات ابھی بہت ہیں اور ہم سب اس کی ضروریات کو ترجیح دیتے ہیں۔ ایسے میں اتنا جہیز کہاں سے آئے۔ مانا کہ انجم بڑے عہدے پر فائز ہیں۔ لیکن پھوپھو اپنے بیٹے کے لئے ایسی لڑکی چاہیئے جو بہت سا جہیز لائے ان کا بیٹا بھی اکلوتا جو ہوا۔ ابو مصر ہیں کہ وہ کوئی جہیز نہیں دیں گے اور آج تک امی ابو کی لڑائی بھی اسی بات پر ہوتی رہتی ہے کہ امی ابو کو بہت سے پیسے لانے پر مجبور کرتی ہیں اور ابو کا کہنا ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی شادی اس شخص سے کریں گے جو لالچی نہ ہو۔ ایسے لالچی لوگوں سے وہ ہر ناطہ توڑنے کو تیار ہیں۔ اُدھر پھوپھو کا کہنا ہے کہ ان کے لائق بیٹے کے لئے بہت سے رشتے ہیں پھر آخر صرف ایف اے پاس اور غریب لڑکی سے شادی کیوں کی جائے؟

ہے نا عجیب میری قسمت کہ آج تک کسی کو چاہا ہی نہیں اور جو چاہا تو وہ بھی بچھڑ رہا ہے۔ میں سوچتی ہوں کہ میں نے انجم کو کیوں چاہا۔ اسے من مندر میں کیوں بسا لیا۔ اب اگر وہ مجھ سے چھن گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہ کر سکوں گی۔ میں انجم کو کبھی اجازت نہیں دوں گی کہ وہ مجھے تباہ کر کے نئی دنیا بسا لے۔ لیکن آخر میں کر ہی کیا سکتی ہوں۔

۲۰ راگست

پھوپھو آئی تھیں۔ ہمارے ہاں آج ہی آئیں اور آج ہی چلی بھی گئیں۔ مجھ سے تو بات بھی نہیں کی۔ میں چائے بنا کر لے گئی تھی مگر انھوں نے واپس بھجوا دی امی اب چپکے چپکے آنسو بھی بہانے لگی ہیں۔ ان کی بیٹی کا مستقبل جو تاریک ہو رہا ہے۔ ابو تیز مزاج کے سہی لیکن درست کہتے ہیں۔ آخر اتنی فرمائشیں وہ کیسے پوری کریں گے۔ کیا میرا مستقبل روشن بنانے میں ان سب کا مستقبل تاریک نہیں ہو جائے گا۔ ابو نے پھوپھو کی بات ماننے سے انکار کر دیا۔ اور پتہ ہے کہ کیا ہوا دوست! میں کچن میں بیٹھی تھی کہ امی آ گئیں۔ خاموشی سے میرے ہاتھ سے انجم کے نام کی انگوٹھی اتار کر لے گئیں۔ میں نے کچن کے دروازے میں سے ذرا سا جھانکا انھوں نے وہ انگوٹھی پھوپھو کے ہاتھ پر رکھ دی اور وہ کمال اطمینان سے پرس جھلاتی ہوئی باہر نکل گئیں۔ ان کے جاتے ہی امی پھوٹ پھوٹ کر رو دیں۔ من تو میرا بھی ٹوٹ پھوٹ گیا۔ پر میں خاموش رہی رونے سے فائدہ۔ میں بھی بہت حیران ہو رہی تھی کہ میرے صحن میں ایک ہی پودے پر تین پھول ایک ساتھ کیسے کھل گئے۔ دیکھا اب ایک بھی نہیں رہا۔ اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی نا، الہام کے دنوں میں تو خود ہی بہک رہی تھی۔ اب کیا کروں؟ روؤں تو کیسے اور کوسوں تو کسے؟ تم ہی کہو دوست میری تقدیر ایسی کیوں ہے۔؟

---

۲۴ راگست

انجم کی منگنی کی اطلاع ملی ہے۔ فلمی دنیا کی طرح میں اسے خوشی خوشی مبارک باد نہیں کہہ سکتی۔ میری دنیا لٹ رہی ہے تو میں کسی کو مبارکباد کیوں کہوں۔ احتشام نے بہت دنوں کے بعد خط لکھا ہے۔ ساری خوشی مفقود ہے۔ صرف پڑھائی کے بارے میں چند باتیں حال احوال اور بس یقیناً امی نے اسے اطلاع بھجوا دی ہوگی۔ ابھی تو ایک سال بھی نہیں گزرا۔ پتہ نہیں پردیس میں میرے بھائی کے دل پر کیا گزری ہوگی۔ مجھے تو لگتا ہے کسی بڑی مصیبت تلے آ گئی ہوں۔

۲۵ راگست۔

آج میری طبیعت سخت خراب تھی مگر میں نے امی کو نہیں بتایا۔ سارے کام کئے۔ اور اب میرا دل چاہ رہا ہے کہ چند لمحوں کو لیٹ جاؤں۔ سوچا تھوڑی دیر تم سے باتیں کر لوں۔

سنو! میرا دل چاہتا ہے کہ بس ایک نظر انجم کو دیکھ لوں۔ شاید وہ اب بھی مجھ سے محبت کرتے ہوں۔ کیا پتہ وہ پھوپھو کے فیصلے سے متفق نہ ہوں۔ کیا خبر وہ میرے ہاتھوں کی بنی چائے پینا چاہتے ہوں۔ کیا پتا۔ مجھے کیا پتہ وہ بھی میری طرح ساری رات جاگتے رہتے ہوں۔ میرا دل کہتا ہے کہ انجم ایسے نہیں ہو سکتے۔ وہ تو مجھ سے محبت کرتے تھے۔

۱۴ر اگست ء۔

میری طبیعت بہت زیادہ خراب ہے۔ دل سینے میں منجمد ہوتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جس نے دھڑکنا سکھایا تھا۔ وہی بھول گیا تو دل بھی دھڑکنا بھولتا جا رہا ہے۔ ہے نا۔ بے وقوف۔ پگلا دل

یکم ستمبر۔

سنا ہے انجم کی شادی ہو رہی ہے۔ ہے نا عجیب بات کہ ہونا تو مجھ سے تھی مگر کوئی اور اس کی زندگی کا ساتھی بن رہا ہے۔ آخری امید بھی ٹوٹ گئی کہ انجم مجھ سے پیار کرتے ہیں۔ اب جینے کی کوئی خواہش نہیں رہی۔ کسی اور کے ساتھ زندگی بتانا میرے بس میں نہیں۔ میرے ہاتھ جو پہلی بار انجم کے لمس سے آشنا ہوئے تھے۔ اسی کے نام کی مالا جپنا چاہتے ہیں۔ میرے ہاتھ اس کی گرم آنکھوں کی چھاپ اب بھی محسوس کرتے ہیں۔ مجھے محسوس ہوتا ہے وہ میرا ہاتھ تھامے میرے ساتھ چل رہے ہیں۔ ان کے بغیر جینا اور وہ بھی کسی اور کی ہو کر میرے لئے بہت مشکل ہے۔ میں خود اپنی مجرم ہوں۔ انجم سے قریب ہو بیٹھی تھی کہ اب کسی اور کے ساتھ یہ ساری الفت نہیں ہو سکتی اگر ایسا ممکن ہے تو کیا یہ سب ڈھونگ نہیں ہے؟ میں انجم سے محبت کرتی ہوں دوست اب اور کسی سنگ رہنا اپنے بس میں نہیں۔

احتشام کا خط آیا ہے اس نے کہا ہے کہ اس کے پاس چلی جاؤں۔ میرا دل بہلا رہے گا۔ تم ہی کہو میں دل بہلا کر کیا کروں گی۔ میں اندر سے ٹوٹ پھوٹ رہی ہوں۔ میں بے وفا ہوں نا۔ تم سے دوستی کا وعدہ لیا اور خود ہی ایفاء کر سکی؟"

حنا نے بے چارگی سے سر کرسی کی پشت سے ٹکا دیا انگلیوں پر کچھ گنتی رہی پھر آپ ہی آپ بڑبڑا دی

"میرے خدا اتنی مختصر بہار۔ اتنی مختصر خوشیاں سخت سردی سے اس کے ہاتھ شل ہو چکے تھے اور سارے بدن پر ایک کپکپی طاری تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی ساری حسیں دم توڑ رہی ہیں۔

میں جہیز کے بدلے قربان کر دی گئی۔ میری اپنی جب کوئی حیثیت نہیں ہے تو جینا بھی بے سود ہے۔ زندہ رہی تو ابو کو پھر کبھی نہ کبھی پریشان ہونا پڑے گا۔ میرا بھائی میری خوشیاں خریدنے کے قابل نہیں ہے۔ میری ماں تمام تر خلوص کے باوجود مجھے خوش نہ دیکھ سکی۔ یہ بھی کوئی زندگی ہے۔

تیز ہوا نے ڈائری کے رہے سہے اوراق الٹ دیئے تھے۔ حنا نے جھک کر دیکھا ؎

نہیں اور کچھ تمنا، یہ دعا ہے بس خدا سے
اسے اب کہیں جو دیکھوں تو نہ پیار اس پہ آئے

صاف پڑھا جا سکتا تھا لیکن اس کے بعد اس کی آنکھیں دھندلا گئیں۔ سردی کی لہر سے اسے ایک دم جھرجھری سی آ گئی۔ اپنی آخری خواہش پر اسے خود ہی ہنسی آ گئی۔ اتنی خواہشیں تو پوری نہیں ہوئیں۔ یہ کیسے ہو سکتی ہے۔ مسکراہٹ اس کے زرد اور بیمار چہرے پر پھیل گئی، مگر دل میں درد کی ٹیس نے جاگ کر اسے ہنسنے بھی دیا۔ کھلی کھڑکی نے سارے کمرے کی فضا کو یخ کر دیا۔ اور آخری ہچکی نے زندگی سے حنا کے سارے رشتے توڑ دیئے۔

ضروری نوٹ

بزم حریم کے لئے خبر اور پسندیدہ اشعار علیحدہ علیحدہ کاغذ پر تحریر کریں۔

اگر دو ماہ کے لئے خبریں ہوں تو دونوں الگ الگ ہوں۔ اسی طرح اشعار بھی الگ الگ کاغذوں پر ہوں۔ اور ان پر کوئی خط یا اور کوئی بات نہ لکھی جائے۔ نوٹ فرمائیں۔ (ادارہ)

حریمی دسترخوان

کھانا پکانے کے فن پر ادارہ حریم کی مرتب کردہ یہ کتاب بہت عرصہ قبل سالنامہ حریم کی شکل میں شائع ہوئی تھی اور اتنی پسند کی گئی تھی کہ اس وقت سے اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔

حریمی دسترخوان میں ہر طرح کے معمولی اور دعوتی کھانے وغیرہ پکانے کی ترکیبیں پوری تفصیل کے ساتھ سمجھا کر لکھی گئی ہیں اور اسی وجہ سے یہ کتاب اکثر لڑکیوں کو جہیز میں دی جاتی رہتی ہے۔ چھ روپیہ پچھتر پیسے

حریمی دسترخوان

از۔ مسز احمد خاں

کوفتہ چٹنی

کوفتوں کے لئے اشیا

قیمہ ایک پاؤ۔ سرخ مرچ ½ چمچہ چائے کا۔ نمک حسب ضرورت گرم مسالہ ½ چائے کا چمچہ۔ ایک انڈا۔ بیسن ایک بڑا چمچہ۔ پودینہ تھوڑے سے پتے۔ کوفتے تلنے کے لئے گھی۔ تیل یا بناسپتی۔

چٹنی کے لئے اشیا

ہرا دھنیا تین گڈی۔ ہری مرچ چار یا پانچ۔ نمک حسب ضرورت۔ سبز پیاز ایک۔ لہسن تین عدد۔ خشخاش ایک بڑا چمچہ۔ دہی دو بڑے چمچے۔ تھوڑا سا گھی تیل یا بناسپتی۔

چٹنی بنانے کی ترکیب

۱۔ پیاز اور لہسن پیس لیں۔
۲۔ خشخاش پیس لیں۔
۳۔ ہرا دھنیا صاف کرلیں اور پتوں کو پیس لیں۔
۴۔ ہری مرچیں پیس لیں۔
۵۔ تیل یا گھی میں پسا ہوا لہسن و پیاز ڈال کر بھون لیں۔ اب اسمیں نمک پسا ہوا خشخاش اور دہی ڈال کر بھونیں۔ تھوڑا سا پانی کا چھینٹا دیں اور بھون لیں۔
۶۔ جب لہسن و پیاز کی بساند ختم ہو جائے تو اس میں ہرا دھنیا اور سبز مرچ پسی ہوئی ڈال دیں، انھیں ہلکی آنچ پر بھونیں تیار ہونے پر الگ رکھ لیں۔

کوفتے بنانے کی ترکیب

۱۔ قیمہ کو باریک پیس لیں۔
۲۔ بیسن تَوے پر بھون لیں۔
۳۔ پودینے کے پتے باریک کاٹ لیں۔
۴۔ قیمے میں، نمک سرخ مرچ، پسا ہوا گرم مسالہ بیسن اور انڈا شامل کریں۔ پودینے کے پتے ڈالیں۔
اب تمام اشیا کو خوب اچھی طرح ملالیں۔
۵۔ قیمے کے کوفتے بنائیں اور گھی یا تیل میں تل لیں۔
۶۔ تلے ہوئے کوفتوں کو تیار چٹنی میں ڈال دیں۔ تھوڑے سے پانی کا چھینٹا دے کر دھیمی آنچ پر دم دیں۔ دس پندرہ منٹ بعد تیار ہو جائیں گے۔ اسے گرم تندوری نان اور پیاز کے سلاد کے ساتھ نوش فرمائیں تو لذت بڑھ جائے گی۔

نوٹ: دہی کی جگہ املی بھی حسب ذائقہ استعمال کی جا سکتی ہے۔

ہری مرچوں کے پسندے

لذیذ اور چٹ پٹے کھانے ہر شخص شوق سے کھاتا ہے۔ آپ نے پسندے ضرور پکائے ہوں گے۔ لیکن اس ہفتے ہم آپ کو نئے طریقے سے پسندے پکانے کی ترکیب بتاتے ہیں۔ یہ ہری مرچوں کے پسندے ہیں۔ بہتر ہوگا کہ آپ بڑے کے گوشت کے پسندے خریدیں۔ یہ ڈش بہت کم گھی میں تیار ہوتی ہے۔ چکنائی سے پرہیز رکھنے والوں کے لئے مفید ہے

اشیاء: پسندے آدھ کلو، ہری مرچ ڈیڑھ چھٹانک، پیاز درمیانہ سائز دو عدد لہسن آٹھ جوے ادرک آدھ انچ کا ٹکڑا، دھنیا پسا ہوا ڈیڑھ چائے کا چمچہ، نمک حسب ضرورت، لیموں دو عدد، سفید زیرہ چائے کے تین چمچے، گھی یا تیل چار چائے کے چمچے۔

ترکیب:- (۱) پیاز باریک کاٹ لیں۔ ادرک پیس لیں۔
۲۔ ایک دیگچی میں پسندے اور پانی ڈال کر دھیمی آنچ پر رکھ دیں ساتھ ہی نمک، کٹی ہوئی پیاز، لہسن، پسی ہوئی ادرک اور دھنیا ڈال دیں۔
۳۔ پسندے گل جائیں تو چولھا بند کر دیں۔
۴۔ ہری مرچ کے بیج نکال دیں۔
۵۔ سفید زیرہ توے پر تھوڑا سا بھون کر باریک پیس لیں۔
۶۔ پسے ہوئے زیرے میں لیموں کا عرق اور تھوڑا سا نمک اچھی طرح ملائیں۔ مرچوں کے اندر زیرے کا آمیزہ بھر دیں
۷۔ ایک دیگچی بھگونے یا کڑھائی میں گھی گرم کریں۔
۸۔ ہری مرچ گرم گھی میں تل لیں۔
۹۔ ہری مرچ میں ابلے ہوئے پسندے شامل کرکے چند منٹ پکائیں۔
۱۰۔ آخر میں ہری مرچوں کے پسندے دم پر رکھ دیں۔

نوٹ (۱) ہری مرچ کا درمیان سے پیٹ چاک کرکے بیج نکالیں لیکن اس بات کا خیال رکھیں کہ ہری مرچ ثابت رہے۔ نیز ہری مرچ کی ڈنڈی نہ ٹوٹے۔

۲۔ لیموں نہ ملے تو املی کا پانی استعمال کر سکتی ہیں۔

۳۔ ہری مرچ معمولی سی تل جائے تو اپنے ڈال دیں۔

۴۔ اگر مرچوں میں بھرنے کے بعد سفید زیرے کا آمیزہ بچے تو دم دینے سے قبل پسندوں میں شامل کر دیں۔

(بقیہ بزم حریم صفحہ ۳۱)

• افسوس صد افسوس کہ میرے عزیز مول حسین عرف بچو میاں ساکن ایسی گنج سلطانپور بغرض علاج بس سے سفر کرتے ہوئے انہونہ کے قریب ہارٹ فیل ہو جانے سے انتقال فرما گئے۔ چودھری غضنفر میاں وغیرہ وہیں انہونہ لاش لے کر ایسولی گئے۔ جہاں خاندانی قبرستان میں تدفین ہوئی مرحوم بڑی خوبیوں کے انسان تھے۔ اللہ مغفرت کرے اور ان کے تمام پسماندگان اور اعزہ کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

آہ عزیز امام

یہ خبر بڑے افسوس کے ساتھ شائع کی جا رہی ہے کہ کانگریس کے ہر دلعزیز اور قدیم کارکن جناب عزیز امام صاحب گذشتہ ماہ دہلی میں اس وقت حرکت قلب بند ہو جانے سے انتقال فرما گئے جب کہ وہ وزیر اعظم کی کوٹھی میں ممبران کونسل کی انتخابی کمیٹی میں شریک تھے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون مرحوم نے کانگریس کے لیے بڑی قربانیاں دی تھیں اور ہمیشہ مستقل مزاجی کے ساتھ اس سے وابستہ رہے تھے۔ اللہ پاک انھیں اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم سے میرے نجی تعلقات بھی تھے۔ میری بیگم اور ان کی ہمشیرہ مس ناہید سے بیگم صاحبہ عزیز امام سے دلی روابط تھے اس لیے اس خبر نے ہم سب کو رنج و افسوس میں مبتلا کر دیا ہے۔

نسیم انہونوی

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیں۔ جواب طلب امور کے لئے لفافہ یا ٹکٹ روانہ کریں۔

لکھنؤ اپنی تہذیب و تمدن

کے لئے سارے ہندوستان ہی میں نہیں ساری دنیا میں مشہور تھا، لیکن افسوس کہ انقلابات زمانہ نے لکھنؤ کی تہذیب و تمدن کو خاک میں ملا دیا۔ آج اس تہذیب کا ذکر صرف کتابوں میں ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ لوگ آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس تہذیب و تمدن کو دیکھیں اور لکھنوی لوگوں کی شیریں زبانی سے لطف اندوز ہوں۔ لیکن اب اس زبان کے بولنے والے بھی نظر نہیں آتے جو حضرت پہلے آپ پہلے آپ" کہا کرتے تھے۔ اور اس مٹی ہوئی تہذیب و تمدن کے علمبردار کچھ رہ بھی گئے ہیں تو وہ گوشہ نشین ہیں اور ان تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ اپنا سب کچھ کھو کر اب وہ باہر نکلتے بھی شرماتے ہیں۔ کیسا عروج اور اب کیسا زوال ہے۔ لیکن لکھنؤ میں جو فنا نہ ہو سکیں وہ ہیں شاہی امام باڑے اور وہ کاریگر اور ہنرمند جو آج بھی اپنی کاریگری اور ہنر دستی کے ایسے شاہکار پیش کر رہے ہیں جو آپ اپنی مثال ہیں۔

چکن، زردوزی، کامدانی اور بادلے وغیرہ کے کام یہاں کے کاریگر ایسا کرتے ہیں کہ دیکھنے والے محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ لچکہ گوٹہ، پٹھا، کرن اور ستارے وغیرہ کا کام بھی بیحد نفیس ہوتا ہے۔

لکھنؤ کا مشہور فرم

درشوئل آستارام اینڈ سن

ہم نفیس ماہرین فن کے ذریعہ ہر طرح کا کام بنوا کر آپ کو بھیج سکتا ہے تفصیلات کے لئے پتہ یہ ہے راج کمل ہوٹل بلڈنگ امین آباد روڈ لکھنؤ۔ فون۔ ۴۳۴۶۶۔ آپ صرف ایک بار آزمائش کریں۔ امید ہے آپ ہر طرح مطمئن رہیں گے۔

بزم حریم

اس عنوان کے تحت حریم کی سالانہ خریدار بہنوں کی مرسلہ صرف ایک ایسی خبر شائع کی جاتی ہے جو ولادت شادی یا انتقال کے سلسلے میں ہو۔ خبر مختصر الفاظ میں صاف صاف لکھی جائے..... اور نمبر خریداری ضرور لکھا ہو۔ پیسے کے ڈاک ٹکٹ کے ساتھ روانہ کی جائے۔ ۱۰ر تاریخ تک دفتر میں وصول نہ ہونے والی خبر میں ایک ماہ کی تاخیر سے شائع ہوتی ہیں کتابت کی کسی غلطی کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی البتہ اطلاع ملنے پر دوسرے پرچے میں تصحیح شائع کر دی جاتی ہے۔

ولادت اطفال کی خبریں

• عراق جبیں ہاشمی (آمبور) "میری خالہ زاد بہن مہ جبیں اور بھائی انور باشا صاحب کے گلشن حیات میں پہلی بار اللہ تعالےٰ نے ۱۵ر فروری ۸۱ء بروز جمعہ بوقت ساڑھے تین بجے شب ایک پیاری سی کلی کھلائی۔ نام ثمینہ جبیں قرار پایا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اسے والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے اور عمر خضر بخشے۔

• شاہین رضوی (حسن پورہ) "میری پھوپھی زاد بہن ذاکرہ بانو اور بہنوئی سید سبط علی رضوی کے چمن حیات میں ۸ر مارچ ۸۱ء بروز سنیچر بوقت ۱۲½ بجے شب بمقام گورکھپور ایک ننھی کلی عالم وجود میں آئی۔ نام [illegible] رکھا گیا۔ بارگاہ الٰہی میں دعا ہے کہ صحت و سلامتی کے ساتھ عمر دراز پائے۔ بلند اقبال ہو اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

• نسیمہ شاہدہ بلیادی۔ میری چھوٹی بہن شمیمہ عظمیٰ اور بہنوئی جاوید احمد (بلیا) کو رب العالمین نے ۱۰ر فروری ۸۱ء بروز سوموار بوقت صبح صادق ایک پیاری سی بچی عطا فرمائی۔ نام فرحت زیبا رکھا گیا۔ دعا ہے کہ بچی والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے اور صاحب نصیب ہو (دوسری خبر دوبارہ ٹکٹ کے ساتھ روانہ فرمائیں)۔

• زبیدہ بتول، شہیدہ بتول، صفورہ عفت (آمبور) ہماری ماموں زاد بہن صنوبر بیگم اور بہنوئی بشیر احمد صاحب کے چمن حیات میں یکم مارچ ۸۱ء شب جمعہ ٹھیک سوا دو بجے ایک دختر تولد ہوئی نام فریدہ کوثر رکھا گیا۔ خدا سے دعا ہے کہ بچی دونوں جہاں میں سرخرو ہو۔

• آفتاب حاجی صغیر (جین۔ پٹن) "میری پیاری بھانجی (دختر صغریٰ جہاں) شہناز اختر اور بھتیجے داماد اقبال پاشا کے گلشن حیات میں پہلی بار ۱۳ر مارچ ۸۱ء بوقت ۴ بجے شب ایک خوشنما پھول کھلا۔ معبود حقیقی سے دعا ہے کہ یہ ننھا شہزادہ، عمر طویل پائے اقبال مند ہو اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

• شگفتہ یاسمین۔ نسیمہ پروین۔ آسیہ جبیں (میلوشارم) ہماری پیاری بہن فیروز سلطانہ کی زندگی کو پربہار بناتے ہوئے اللہ پاک نے ۲۸ر فروری ۸۱ء بروز جمعرات بوقت دن گیارہ بج کر ۴۰ منٹ پر ایک کلی کھلائی۔ اللہ پاک عمر طویل عطا کرے اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

پیغامات نشاط

• تسنیم بیگم۔ پی۔ آر۔ دانم باڑی "میری پھوپھی زاد بہن نجم اختر (بنت کشنگری عبدالجبار صاحب، وانم باڑی) کی شادی بھیا ایچ محمد عثمان (فرزند جناب این این عبدالحمید صاحب بنگلور) کے ساتھ ۸ر مارچ ۸۱ء کو بخیر و خوبی انجام پائی۔ دعا ہے کہ دونوں دائمی مسرت پائیں۔

• مسز ثریا حمید (ننجنگڈھ) "میرے بھائی سیف اللہ خاں (فرزند جناب جی۔ پی حبیب خاں صاحب مرحوم) کی شادی خانہ آبادی نسرین تاج کے ساتھ ۲۲ر فروری ۸۱ء کو بمقام میسور بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اس جوڑی کو دین و دنیا کی سعادتیں نصیب فرمائے۔

• شکیلا شہناز (بنگلور) میرے بھائی ایچ۔ جی عبدالشفیع

(فرزند دلبند جناب غوث محی الدین مرحوم۔ ہاسن) کی شادی شاہینہ تزئین (دختر نیک اختر حاجی سی۔ اے محمد اسماعیل صاحب۔ دائم باڑی) کے ساتھ ۱۳ر اپریل سنہ ۸۰ء بوقت ۱۱ بجے دن بمقام وانمباڑی، بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ دونوں ہمیشہ شاد وخرم رہیں۔

• اورم شائستہ فاطمہ۔ زبیدہ بتول (آمبور) میری حقیقی پھوپھی زاد بہن گلشن آرا کی شادی جناب ملنگ بشیر احمد صاحب بی۔ کام (وانمباڑی) کے ساتھ ۲۳ر مارچ سنہ ۸۰ء بروز اتوار بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ دلہا دلہن کو دونوں جہاں میں سرخروئی نصیب ہو۔

• آمنہ خاتون زیدی (دہلی) میری بھابی ڈاکٹر سعید فاطمہ کی شادی ہمراہ ڈاکٹر سید حیدر ساکن نوگانواں سادات (امروہہ) بتاریخ ۵ر فروری سنہ ۸۰ء ۱۷ر ربیع الاول یوم سہ شنبہ بمقام رودولی۔ بارہ بنکی انجام پائی۔ دعا ہے کہ اللہ پاک دونوں کو ہمیشہ شاد وآباد رکھے۔

• حاجرہ نسرین لاری (مئو ناتھ بھنجن) میری خالہ زاد بہن نکہت فاطمہ کی شادی محمد رفیق کے ساتھ ۹ر اپریل سنہ ۸۰ء بمقام جاجمئو، بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ دونوں کو ہمیشہ شاد وخرم رکھے۔

• ظہیر حسن فاروقی صاحب کی دختر نیک اختر ناز ظہیر سلمہا کی شادی مسعود احمد سلمہ (فرزند نجیب احمد صاحب) کے ساتھ ۲۶ر اپریل سنہ ۸۰ء کو سمیع منزل مرتضیٰ حسین روڈ لکھنؤ میں بوقت ۱۱ بجے دن بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• مسعود احمد صاحب ڈالی گنج لکھنؤ کے فرزند شہاب سلمہ کی شادی نکہت سلمہا (دختر نیک اختر مختار حسن صاحب تعلقدار لکھیم پور کھیری) کے ساتھ ۱۳ر اپریل سنہ ۸۰ء کی شام کو بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• نانا مونا عبد الرحمٰن صاحب (آمبور) کے فرزند خلیل اللہ سلمہ کا عقد سعید فریدہ ناز سلمہا (بنت جناب پی محمد علی صاحب۔ آمبور) کے ساتھ ۳۰ر مارچ سنہ ۸۰ء کو ۱۱ بجے دن میں بحسن وخوبی انجام پایا۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• بیگم صاحب غوث محی الدین کے فرزند حاجی جی عبد الشہید سلمہ کی شادی مس شاہینہ تزئین (دختر جناب حاجی سی۔ اے محمد اسمٰعیل صاحب وانمباڑی) کے ساتھ ۱۳ر اپریل سنہ ۸۰ء بوقت ۱۱ بجے دن بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• آفتاب احمد صاحب (فرم سراج احمد وکیل احمد۔ لکھنؤ) کے فرزند دلبند عزیزی عباد احمد سلمہ کی شادی کے سلسلہ میں جو خالدہ صدیقی سلمہا (دختر نیک اختر صغیر احمد صدیقی صاحب) کے ساتھ انجام پائی۔ ایک شاندار دعوت ولیمہ ۲۸ر مارچ سنہ ۸۰ء بمقام کارلٹن ہوٹل میں دی گئی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

• محمد قریش صاحب، نوتنواں بار، گورکھپور کے فرزند محمد نفیس سلمہ و دختر رخسانہ تسنیم سلمہا بی۔ اے کی شادیاں عزیزی نوشاد جہاں سلمہا بی اے (دختر محمد ادریس صاحب) و (فرزند جناب عبد الرزاق صاحب کلکتہ) کی شادیاں حسب ترتیب ۸ر اپریل سنہ ۸۰ء و ۹ر اپریل سنہ ۸۰ء کو بحسن وخوبی انجام پائیں۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

انتقال پر ملال کی خبریں

• مردم خیز قصبہ رودولی بارہ بنکی کے مشہور اور ہر دلعزیز میر امتیاز علی صاحب ۹ر اپریل سنہ ۸۰ء کو ایک طویل علالت کے بعد انتقال فرما گئے۔ مرحوم بڑے خوش مزاج اور بزلہ سنج تھے۔ سیاسی، سماجی اور علمی ادبی سرگرمیوں میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ کچھ ہی عرصہ قبل عزیزی سید فہیم شفیع الیوبی سے ان کی صاحبزادی کی شادی ہوئی تھی۔ مرحوم نے اپنی نشانی ایک فرزند چھ بیٹیاں اور ایک بیوی چھوڑی ہیں۔ اللہ پاک انھیں غریق رحمت کرے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (نسیم انہونوی)

• فریدہ عبد القادر (بمبئی) "یہ خبر آنسوؤں کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میرے عزیز بھائی عبد الرزاق عبد القادر، گردے کی بیماری میں مبتلا ہوکر ۱۲ر مارچ سنہ ۸۰ء بروز اتوار بوقت پونے گیارہ بجے شب ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم ۸ ماہ سے ڈائلاسس پر تھے۔ بڑے خلیق ملنسار اور نیک انسان تھے۔ اپنی یادگار ایک بیوہ اور تین معصوم بچے چھوڑ گئے ہیں۔ اللہ مغفرت کرے اور ہم سب بہن اور ماں باپ کو صبر جمیل عطا کرے۔"

• درسلا طاہرہ، ترنم، نصیرہ (آمبور) نہایت افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ ہمارے تایا درسلا حبیب اللہ صاحب ۱۵ر مارچ سنہ ۸۰ء بروز ہفتہ بوقت تین بجے دن اس دار فانی سے رحلت فرما گئے۔ بڑے نیک پارسا اور ہر دلعزیز انسان تھے۔ اللہ پاک مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ مرحوم ہی کے متعلق ان کی پوتیوں درسلا ترنم عفت درسلا صفیہ عرفت نے بھی روانہ کی ہے۔

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کا مرسلہ صرف ایک ایسا شعر شائع کیا جاتا ہے جو ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو اور اس طرح بھیجا گیا ہو کہ ۱۰ تاریخ تک دفتر پہنچ جائے۔ اشعار کا معیاری سنجیدہ اور موزوں ہونا ضروری ہوتا ہے۔ جون کے لئے عنوان "جواب" اور جولائی کے لئے "دعا" ——— ادارہ

بشر رازِ دل کہکر ذلیل و خوار ہوتا ہے
نکل جاتی ہے جب خوشبو تو گل بیکار ہوتا ہے

مرسلہ۔ زہیدہ فضلی (رامپور)

وہ رازدارِ عشق کہ جس سے گذر گیا
گمنام مرگیا، مگر اک کام کر گیا

مرسلہ۔ نسرین فاطمہ (حاجمئو۔ کانپور)

کیسے چھپاؤں رازِ غم، دیدۂ تر کو کیا کروں
دل کی تپش کو کیا کروں، سوزِ جگر کو کیا کروں

مرسلہ:۔ افضل مانکو

درد کا میرے یقیں آپ کریں یا نہ کریں
عرض اتنی ہے کہ اس راز کا چرچا نہ کریں

مرسلہ:۔ ذرسلا احمدی عظمت (آنسور)

مرسلہ:۔ مسز نسیمہ عزیز۔ ڈیرہ پورہ۔ بھاگلپور

اب صبا سے کون پوچھے گا سکوتِ دل کا راز
کون سمجھے گا چمن میں نالۂ بلبل کا راز

مرسلہ:۔ نکہت بانو۔ کریم گنج۔ گیا۔

اب ہم پہ کھلا رازِ چمن، الجھا کے بہاروں میں دامن
کانٹوں سے گذرنا تھا آسان، پھولوں سے نکلنا مشکل ہے

مرسلہ:۔ مس نیلوفر گورسے۔ (ہرلاپور)

راز اس آتش نوائی کا مرے سینے میں دیکھ
جلوۂ تقدیر میرے دل کے آئینے میں دیکھ

مرسلہ۔ عفیفہ بانو (گیا)

رسوائی کا عالم ہے کہیں، راز کا عالم
دلکش ہے محبت کے ہر انداز کا عالم

مرسلہ۔ ہر تسنیم بیگم (دیمبا ڈیہی)

شکریہ پرسشِ غم کا، مگر اصرار نہ کر
پوچھنے والے یہ تیرا ہی کہیں راز نہ ہو

مرسلہ:۔ قدسیہ شاہین (دسگاہ۔ بیلا)

مرسلہ:۔ نگہت مسعود (کلیان)

اچھا ہوا رسوا نہ ہوا رازِ محبت
دل ڈوب گیا کوششِ فریاد سے پہلے

مرسلہ:۔ رفیعہ یاسمین (بہلا بیستا ڑی)

تھی فرشتوں کو بھی حیرت کہ یہ آواز ہے کیا
عرش والوں پہ بھی کھلتا نہیں یہ راز ہے کیا

مرسلہ:۔ سیدہ فرحینہ ستار (سہسوان)

چھپانے سے نہیں چھپتا کبھی جو رازِ الفت ہو
پڑھی جائے جو آنکھوں سے محبت وہ کہانی ہے

مرسلہ۔ نوشابہ پروین (پرولیا)

تو نے یہ کیا غضب کیا، مجھکو بھی فاش کر دیا
میں ہی تو ایک راز تھا، سینۂ کائنات میں

مرسلہ:۔ زبیدہ بتول (شہیدہ)

رازِ الفت نہ چھپ سکا ہم سے
صبر کے ساتھ اضطراب رہا

مرسلہ۔ شہناز بیگم (بنگلہ رایت)

جینے کے راز بتائے ہیں، سرکار مدینے والے نے
احکام خدا سمجھائے ہیں، سرکار مدینے والے نے

مرسلہ:۔ صوفیہ مظفر (ٹلکو۔ جمشید پور)

ساحل کے طلبگارو، یہ راز تمہیں معلوم نہیں
طوفان میں کشتی ہوتی ہے کشتی میں بھی طوفان ہوتا ہے

مرسلہ۔ مسلمہ بی (رامپور)

جب دیکھ لوگے پاس بھری شکل تم مری
پھر تم سے راز اپنا چھپایا نہ جائے گا

مرسلہ:۔ ماجدہ نسرین لاری (مٹھو ناتھ بھنجن)

چھلک جائے کہیں آنکھوں سے
ہوش بھی راز چھپانے کے لئے

مرسلہ:۔ نازش ہمکا (دھنباد)

لیکن وہ کیوں بھاگی۔ اگر وہ پاک باطن تھی تو وہ ڈٹی رہتی میرے مقابلہ پر۔
لیکن نہیں۔ وہ پاکباز تھی ہی نہیں۔ یہ تو اسی کو معلوم تھا اور یا مجھے بھی معلوم
ہے۔ ہم دونوں سرائے کے مسافروں کی طرح ایک کمرے میں راتیں گزارتے تھے
کبھی میں کیا ایسا بے ضبط نہیں ہوا کہ۔ میں خود بھی تو اپنے آپ سے شرمسار رہتا
ہوں۔ خدا کی پناہ۔ وہ رات میری زندگی میں کیسی گناہ آلود آئی تھی۔ جب
میرے قدم غلط راستے پر اٹھ گئے تھے۔ اپنی زندگی کی ایک غلطی نے مجھے ابھی تک
منفعل رکھا ہے اور زندگی بھر رکھے گی۔ لیکن وہ۔ اس کا راستہ کس شیطان نے
کاٹا تھا! کاش مجھے معلوم ہو جاتا۔ اس کا پتہ نشان۔ پھر۔ اس کی وہ صورت
ہوتی کہ شاید اس کی ماں بھی اسے پہچان نہ سکتی! ہائے کاش۔ یہ منحوس ہستی میری
زندگی میں نہ آتی۔ جو میری بربادی امی کی موت کی وجہ بنی۔ تقدیر میں اگر گردش
لکھی جاتی۔ تب کون سی مسرت ایسی ہو سکتی تھی جو مجھے حاصل نہ ہوتی۔ اب میں
تو وہ خاک ہوں۔ مفقود گوشت۔ کسی مصرف کا نہیں۔ مسلسل محنت میری قسمت
میں لکھی ہے۔ کیا کروں گا محنت کر کے۔ دولت جوڑ کے؟ کس کے لیے۔ نہ مجھے
بیوی بچوں گھر بار کا سکھ نصیب ہے۔ نہ میری امی رہی ہیں کہ انہی کے دامن میں
اپنی کمائی جھاڑ دیتا۔ آہ۔ امی۔ یہ کیسی سزا دی ہے آپ نے۔ ایک آپ ہی تو
تھیں۔ میرا محفوظ قلعہ۔ چہار طرف کی خشت باری سے گھبرا کر میں آپ کی آغوش
میں پناہ لیتا تھا۔ مجھے کیا معلوم تھا کہ آپ مر بھی سکتی ہیں۔ ہائے خدا کی قسم
میں نہیں سمجھا تھا کہ موت آپ کے لیے بھی بنی ہے۔ ورنہ۔ میں جی بھر کے آپ
کو دیکھ لیتا۔ آپ کی خدمت کر لیتا آپ کی تمام شفقتیں لے لیتا۔ آہ۔ امی خدا
کا واسطہ آپ کو۔ واپس آ جائیے صرف ایک دفعہ۔!"

اس نے سہری کے بچھے پر سر رکھ دیا اور سسکیاں لے لے کے رونے لگا!

(باقی آئندہ)

ان کا پتہ کیسے معلوم تھا۔ کفیل نے جواب دیا: "یہ تو شیخ صاحب کی عنایت
ہے۔ وہ اگر رعنا کو حنا نہ سمجھے ہوتے تو غالباً اتنی تفصیلی پرسش بھی نہ فرماتے!۔
خداوند کریم کے ہر کام میں کوئی نہ کوئی مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے:" شعیب
صاحب نے کہا: "رعنا کو اسی لیے بخار آیا تھا کہ اس طرح حنا کی فکر دور ہوتی۔
اب دیکھنا ہے کہ مرحومہ کے گزرنے میں کون سی مصلحت اللہ تعالیٰ کی چھپی
ہوئی ہے"!

"بھیا۔ ہونی کا وقت اٹل ہے" کیا ذاکرہ ٹھنڈی سانس بھر کے بولیں
"موت و حیات کو اللہ کی مصلحت سے جوڑا نہ کرو۔ ایمان خراب ہو جاتے ہیں
سچ کہتی ہیں آپ" شعیب صاحب بولے۔

رعنا کی دواؤں میں غالباً کچھ اثر خواب آور بھی تھا۔ دوا پی کر وہ بیچاری سو
گئی۔ شارق کو بہلا پھسلا کر ناصبہ نے سلا دیا۔ پھر سب تقریباً ساری رات بیٹھے
صالحہ بیگم کی باتیں کرتے رہے! گھر حقیقی معنوں میں شعیب صاحب کا اجڑا
تھا۔ سب سے زیادہ گھبرا اور خاموش صدمہ ان کا تھا۔ کفیل اور خرم جوان
تھے مضبوط دل و دماغ رکھتے تھے۔ ان کا گھر بار تھا۔ بیوی بچے تھے۔ ان کی
زندگیاں تو اب شروع ہوئی تھیں وہ دنیا کی دلچسپیوں میں ماں کا غم فراموش
کر سکتے تھے۔ ناصبہ اور نگار گرہستی میں الجھ کر غم کی شدت کو ہلکا کر سکتی
تھیں۔ رعنا اور شارق بچے تھے۔ وہ بھی بہت جلد بہل سکتے تھے۔ لیکن سوال
تھا شعیب صاحب کا! وہ آخر اب کیا کریں گے۔ نہ کوئی ان کا رازدار غمگسار
پرسان حال رہا تھا نہ کوئی ہم عمر ساتھی۔ وہ یکبارگی جیسے بیکار محض ہو کر رہ گئے تھے!
اب وہ اپنی ذات سے گھبرانے لگے تھے۔ دل ہی دل میں خدا سے گڑگڑا کر دعائیں
مانگ رہے تھے کہ پروردگار پہنچا دے مجھے صالحہ کے پاس۔ تیری دنیا میں

دل لگتا نہیں ۔!

وہ فجر کی نماز تک باؤلے سے گھر میں پھرا کیے۔ پھر کچن میں پہنچ کر جامعہ میں سے باتیں کرنے لگے۔ کچھ تسکین ہوئی۔

بڑی بیدلی سے سب نے ناشتہ کیا پھر شعیب صاحب نے ناصیہ سے کہا جا کے دلھن کو لے آؤ بی بی :

"ان سے یکبارگی امی کی خبر نہ کہنا" کفیل نے کہا۔

چنانچہ ناشتہ کے بعد ناصیہ، نگار اور شارق ٹیکسی میں روانہ ہوئے شیخ صاحب کو رہبر کی حیثیت سے ساتھ لے لیا تھا! رحمٰن صاحب کے گھر پہنچے تو رحمٰن اور حنا گھر پر نہیں ہیں!۔

رابعہ نے دکھاوے کو ان کا استقبال کیا۔!

کاشف الگ کھڑا رو رہا تھا۔ نگار نے جھپٹ کر اسے اٹھالیا۔ اور اس کے آنسو پونچھنے لگیں۔

گئی کہاں ہیں۔ حنا: ناصیہ نے پوچھا۔ گھر کا عجیب رنگ نظر آ رہا تھا یہن کیا بتاؤں تم سے: رابعہ نے نہایت ناخوشگوار لہجے میں کہا۔ تمہاری دیورانی نے تو ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈلوادی تھیں وہ تو کہو کہ کوئی نیکی آڑے آ گئی ورنہ اس وقت اس کے بھائی جیل میں ہوتے اور وہ خود اللہ میاں کے گھر:

یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں: نگار نے بدحواس ہو کر پوچھا: کیا کیا ہے حنا نے :

یہ پوچھو کہ کیا نہیں کیا؟: رابعہ پھٹ پڑیں: کل اچانک آئیں۔ رونی دھوتی۔ ارے ہزار پوچھا کہ کیا ہوا ہے مگر اللہ کی بندی نے جو قفل

لیکن ان کے نظریہ کے برعکس اس پر الٹا اثر ہوا۔ وہ گویا ایک خاموش آگ میں جل اٹھا۔ اور اپنی گریہ وزاری بھول کر کہا۔

اب میں سمجھا کہ امی یکایک کیوں مر گئیں۔ اس بدکردار سے انہیں خواہ مخواہ محبت تھی۔ اس کا فرار گراں گزرا۔ تو گویا امی کی قاتلہ وہی منحوس ہے۔ اچھا کچھ آپ کو معلوم ہوا کہ وہ کہاں جا کے مری ہے :

آپا ذاکرہ نے سوچا کہ یہ الٹی آنتیں گلے پڑیں۔ کچھ ڈر کر بولیں: مجھے کیا معلوم ہوتا۔! اپنے بھائی کے گھر گئی ہوں گی۔ مگر بیٹا تمہاری خفگی کی بات سمجھ میں نہیں آتی۔ تمہارے باپ تو کہہ رہے تھے کہ تمہیں عاق کر دیں گے۔ میں تو واقعات سننے کو ترس جاتی ہوں۔ کوئی کچھ بتاتا ہی نہیں! :

کیا سنیں گی آپ بے شرمی کی باتیں: ایزد بولا: کیا آپ کو پتہ نہیں ہے گھر سے شریف آدمی نہیں بھاگتے۔ چور بھاگتے ہیں۔ جن کا منہ کالا ہو جاتا ہے وہ بھاگتے ہیں :

اے توبہ۔ یہ کیا بکواس ہے: آپا ذاکرہ بولیں: کس کا کالا منہ ہے :؟

وہی جو گھر سے بھاگا ہے: ایزد نے کہا پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

آپا ذاکرہ بھونچکا سی بیٹھی ہی رہیں۔ اور وہ اپنے کمرے میں چلا گیا۔ قلب الٹا آ رہا تھا۔ دماغ میں حشر برپا تھا۔ وہ دھاڑیں مار مار کر رونا چاہتا تھا۔ لیکن کوشش کے باوجود اس کی آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا۔ آنکھیں جلتی رہیں۔ وہ سر تھام کر کرسی پر بیٹھ گیا۔

اس کے خیالات بے لگام گھوڑی کی طرح افق تا افق بھاگ رہے تھے ان میں تسلسل نہیں تھا۔

کیوں مر گئیں امی۔ کیا وجہ تھی۔ حنا کا فرار ان کی موت کا باعث بنا تھا

امی... کہاں ہیں آپ... جواب دیجئے۔"

آپا ذاکرہ روتی ہوئی باہر نکلیں اور ایزد کو لپٹا لیا۔

"کہاں ہیں تیری امی۔ ارے وہ تو ویرانوں میں جا کے سو گئیں میرے بچے! اب آیا ہے تو۔ ہائے مرتے مرتے تک ان کی زبان پر تیرا ہی تو کلمہ تھا بڑا ارمان لے گئیں تیری دید کا۔" وہ زور زور سے رونے لگیں۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا ہے۔" ایزد پاگل ہونے لگا۔ "ارے وہ تو بالکل اچھی تھیں۔ یکایک کیسے ختم ہو گئیں۔ نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ یہ مجھے سزا دینے کی کوئی ترکیب سوچی ہے آپ سب نے۔ چھپا دیا ہے امی کو کہیں۔ اور یہ بدشگونی کر رہے ہیں آپ لوگ۔ خدا نہ کرے نہ رہیں۔ کیسی بری بات ہے۔"

"ہائے ایسا ہی ہوتا تو کیا اچھا تھا۔" آپا ذاکرہ نے کہا پھر آنسو پونچھتی ہوئی بولیں: "بھیا اور کنیز تو گئے ہیں۔ قبر پر پھول چڑھانے کو۔ آج زیارت تھی نہ ان کی"

"میں بدنصیب۔" ایزد کی زبان سے بس اتنا ہی نکلا اور وہ ایک ہاتھ آنکھوں پر رکھ کر رونے لگا۔ دیر تک وہ روتا رہا۔ پھر آپا ذاکرہ کی صبر کی تلقین سے کچھ سنبھلا اور ان سے پوچھتا رہا کہ دفعتاً صالحہ بیگم کو ہوا کیا تھا! آپا ذاکرہ نہایت تفصیل سے جو بالکل غیر ضروری اور مبالغہ آمیز تھا۔ اسے بتاتی رہیں کہ کیا کیا ہوا تھا اور کس طرح وہ ختم ہوئی تھیں۔

ساتھ ہی انہوں نے برسبیل تذکرہ حنا کے گھر سے فرار کا واقعہ بھی سنا دیا اس سے ان کا مقصد یہ نہیں تھا کہ وہ حنا کو برا ثابت کرنا چاہتی تھیں بلکہ واقعہ کو مؤثر پر جوش اور اہم بنانے کی خاطر انہوں نے حنا کے فرار کے کل پہنچنے صالحہ بیگم کی موت کے حادثے میں جوڑ دیئے تھے! ان کا خیال تھا کہ شاید ایزد کا دل کسی طرح پگھل جائے۔

ڈالا تھا ہونٹوں پر وہ نہ کھولا۔ لاکھ لاکھ ان کے بھیا نے پوچھا مگر نہ اف نہ آہ۔ یہی عالم دن بھر رہا۔ میں نے خاطر تواضع میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی مرغ ذبح کیا۔ پلاؤ کباب پکائے کہ کچھ تو کھا کے پانی پی لیں۔ مگر نہیں۔ وہ بس رو دیا کیں۔ تھک کے ہم نے ان کے حال پر انہیں چھوڑ دیا! رات کو وہ ادھر برآمدے میں لیٹیں بچے سمیت۔ ہم سب ادھر دالان میں تھے۔ یکایک ایک یا ڈیڑھ بجے کوئی چیخ سن کر ہم جاگے۔ اور دوڑے ان کی طرف۔ روشنی میں دیکھا تو ان کے کپڑے۔ بستر۔ چادر سب خون میں تر بتر۔"

"یا اللہ!" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"اچھا پھر؟" نگار نے تڑپ کر پوچھا۔

"پھر کیا۔" رابعہ نے کہا: "پہلے تو میں یہ سمجھی تھی کہ ان کا حمل ضائع ہو گیا ہے بعد کو ان کے بھیا چیخے چلائے تو معلوم ہوا کہ کوئی اور ہی گل کھلایا تھا۔ ان کی دیدہ دلیر بہن نے۔ اے بہن۔ معلوم نہیں کب۔ وہ باورچی خانے سے ہڈیاں کاٹنے کا بڑا چھرا لے آئی تھیں۔ اور وقت کی منتظر تھیں۔ ہم سب ادھر ہوئے کہ ادھر آدھا تہائی چھرا اپنے پیٹ میں بھونک لیا۔!"

"یا اللہ رحم کرنا۔" ناصرہ نے خوفزدہ ہو کر کہا۔ "رابعہ آپا۔ یہ بتایئے اللہ رکھے۔ وہ زندہ تو ہیں نا؟"

"بے حیا کی رسی دراز۔ زندہ کیوں نہیں ہیں۔" رابعہ نے جواب دیا۔ "بے ہوشی ہیں" وہ سمیٹ کے گئے۔ زچگی خانے۔ اب کا حال نہیں معلوم کہ زندہ ہیں کہ اللہ کو پیاری ہوئیں۔"

"آپ اس بے دردی سے ان کا تذکرہ کر رہی ہیں۔" نگار نے کہا۔

"اور کیا کروں۔" رابعہ نے چنگھاڑ کر کہا۔ "موئی میری اولاد ہوتی یا چھوٹی

بہن میری ہوتی نا۔ تو میں خود ہی کوئی پھنکی کھلا کر سُلا دیتی۔ ! دنیا بھر کی منحوس نگوڑی۔ اماں کو کھایا۔ باوا کو ہضم کیا۔ شوہر کو ڈکار لیا۔ اس پر بس نہیں۔ نیا میاں نصیب ہوا تو جنم جلی کو اس سے نباہنا نہ آیا۔ کوئی ٹھور ٹھکانہ نحوست کا ہے بھلا۔ یہاں کھڑے پاؤں آئیں۔ بھائی کو حوالات کی ہوا کھلاتے کھلاتے چھوڑا۔ اب تو میں پل بھر کو ایسی منحوس قدم عورت کا اپنے گھر میں رہنا پسند نہ کروں گی۔ جس چر لچھے کی لکڑی ہے۔ اسی چولہے میں جلے"
وہ انھیں باری باری گھور کر خاموش ہو گئیں۔

ناصیہ اور نگار کے دلوں کا یہ حال تھا جیسے طوفان میں اُجاڑ اجاڑ رہا ہو — رنگت سفید۔ ہاتھ پاؤں یخ۔ طاقت گویائی نزارد۔ حلق خشک۔ دم کھوئے بیٹھیں خیر منا رہی تھیں: یکایک رابعہ پھر بھری بندوق کی طرح چھوٹ گئیں۔ "ان کے بھیا بھی آگ بگولہ ہو رہے تھے کہ آخر سسرال میں لڑکی کو کیا تکلیف ہے کیوں وہ ان حالوں یہاں آئی۔ اور کیوں اپنی اور بچے کی جان کا خاتمہ کرنا چاہا۔ اگر کوئی ایسی ویسی بات سامنے آئی تو وہ ایزد میاں کو بھی خاک چٹوا دیں گی۔!
دونوں اگر کوشش کرتیں تب بھی کچھ نہ بول سکتیں۔

حق بات کہوں گی تو چرکا لگے گا تمہیں: رابعہ نے کہا: مگر لڑکی کو اس کے باپ نے اپنی ضد پر خندق سے نکال کر کھائی میں جھونکا ہے۔ صورت ہی سے وہ آدمی خرانٹ لگتا تھا۔ میں کہتی ہوں کہ نام ایزد کا ہے کو یزید ہونا تھا! تو خوب کھینا خصم بھلی گرے اچھے ہوں تو بیویاں کاہے کے لیے جان دیتی پھریں۔ کہو ہے نا سچی بات کہ نہیں۔ تم نہ پھر اگھونپ لو اپنے۔ بس نہ زینت ڈالوں اپنی گردن۔! شاید کسی چور کی بھی وہ حالت نہ ہوتی ہوگی جو پکڑ کر تھانے لایا جائے جیسا

رات کو ایزد آگیا۔ گھر میں آنے سے قبل اس نے گیٹ پر ملازم سے پوچھ لیے جہانگیر۔ سُن۔ کیا واقعی گھر میں کچھ گڑبڑ ہو گئی ہے کہ یونہی مجھے خرم بھائی نے بلوا لیا ہے؟"

جہانگیر نے فوراً منہ بسور لیا: "چھوٹے سرکار۔ آپ کو کیا خبر۔ یہاں تو قیامت گزر گئی۔ بیگم صاحب پیج پیچ چل بسیں۔ کسی کو یقین ہی نہیں آرہا ہے کہ یوں کسر طریوں چٹ پٹ ہو گئیں۔ آج تو ان کا سویم کا فاتحہ ہے۔ دلہن بیگم مارکے رو رو کے ہلکان ہوئی جا رہی ہیں:
باقی تفصیل اس نے نہیں سنی۔ ہوا پر سوار اندر پہنچا۔

دالان میں آتے ہی غیر معمولی ویرانی اور سناٹی کا احساس ہوا۔ گوشے میں صالحہ بیگم کا پلنگ جو ہمیشہ بچھا رہتا تھا۔ اب وہاں نظر نہ آرہا تھا۔ ان کے چند ٹانک، انجکشنوں کے پیکٹ، اور کسان کے چند جام جیلی اور مفرحات جو بڑی میز پر رکھے رہتے تھے وہ بھی غائب تھے۔

دالان میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔ نہ شعیب صاحب۔ نہ بچے۔ نہ ملازمین یہ سب ہوتے بھی کیسے۔ کیفی اور شعیب صاحب سجد چلے گئے تھے وہاں سے ان کا ارادہ تھا قبرستان جا کے صالحہ بیگم کی قبر پر پھول چڑھانے کا۔ خرم اور نگار رخا کو لیکر اپنے گھر چلے گئے تھے!۔ ناصیہ اور شارق رعنا کو دوا خانے لے گئے تھے۔
بلا عیدن باورچی خانے میں بیٹھی تمبا کو کھا رہی تھیں
ہو کے عالم سے گھبرا کر ایزد نے چیخ کر پکارا۔

ان کی جگہ آپ ہیں۔ بھیا کے ہاتھ سے ان کے نام سے عود جلا دیجئے گا۔ بس یوں بھی پرائے گھر کی ہوں۔ فاتحہ میں شامل ہونا یا نہ ہونا ایسا ضروری نہیں ہے۔ امی تو گزر گئیں۔ ان کی بجائے ہمیں اس کی فکر کرنی چاہیئے۔ جو زندہ ہے مگر زندہ در گور ہے۔ اس پر افسوس کرنے والا بھی کوئی نہیں۔ کیا گھٹتا ہوگا اس کا دل۔؟"

ارے بھئی ایسی باتیں نہ کرو: خرم نے جلدی سے کہا: یہ ہمارے حالات دھوپ چھاؤں کی کیفیت رکھتے ہیں کبھی دھوپ تو کبھی سایہ۔ انشاءاللہ ایک دن سب ٹھیک ہو جائے گا۔!

بوا عیدن وہاں آئیں۔ اور غمگین آواز میں بولیں: دلھین بٹیا۔ کھانا ہم نے پکا دیا۔ کیا اللہ کی شان ہے۔ مرنے والا مر گیا۔ پیر زندوں کا ہنسنا بہرے بغیر تنک چین نہیں مٹی پڑ جائے۔ ہماری صورت! تمہارا پناہ دوزخ پاٹ رہن ـ! وہ رونے لگیں۔

کھانا پینا کس سے چھوٹا ہے بوا: خرم نے انھیں تسلی دی: آپ صبر کیجئے۔ کہاں تک روئیے گا اب تو آپ ہی ہم سب کی بزرگ ہیں آپ ہمارے کھانے پینے کی فکر نہ کریں گی تو پھر ہم تو بھوکے ہی رہ جائیں گے۔ کیا کھانا لگا دیا آنے؟

زینو نیا سے کہہ آئے تھے کو نکالے کھانا: بوا عیدن کی سچ مچ تسلی ہوگئی بلکہ انھوں نے کچھ فخر سمجھا کہ انھیں یہ لوگ ماں کا درجہ دے رہے ہیں۔ آنسو پونچھ لیے اور آہیں بھرتی چلی گئیں۔

چلو بھئی۔ اس فرض سے بھی ادا ہوئیں: کفیل اٹھ کھڑے ہوئے۔!

کہ ان دونوں کا حال تھا۔! بڑی دیر بعد ناصیہ نے جی کو سنبھال کر پوچھا۔ کون سے زچگی خانے میں ہیں حنا؟"

میں کچھ نہیں جانتی بوا: رابعہ نے پناہ مانگنے کے انداز سے کان پر ہاتھ رکھ کر کہا: زچگی خانے لے گئے کہ اسپتال۔ مجھ سے اچھی طرح تم جانتی ہوگی کہ ایسے لوگ کہاں لیے جاتے ہیں۔ وہ تو کچھ کہہ کے گئے تھے کہ جنسی وارڈ۔ جنسی وارڈ۔

کہاں غارت ہوا ہے یہ جنسی وارڈ۔ میں کیا جانوں"

اے جنسی وارڈ کہا ہوگا: ناصیہ نے نگار سے کہا: چلو دیر نہ کرو۔ پہلے گھر چل کر تمھارے بھائی سے سب کچھ کہیں گے اس کے بعد"

چلیے بھابی۔ میرا دل تو خود رکنے کے قریب ہے: نگار نے کہا۔

رابعہ آپا۔ ہم بچے کو لیے جاتے ہیں: ناصیہ نے کہا۔

احسان کر دو مجھ پر: رابعہ نے سخت طنز اور حقارت سے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا: نازک تن ماں کا داغ دار بیٹا۔ مجھ سے کہاں سنبھلے گا۔ ناشتہ میں گڑ گڑا بڑا سا پراٹھا اور انڈے کا چلّہ تل کے دیا تھا۔ آخر ہمارے بچے بھی تو گزر تے ہیں ایسے کھانوں پر۔ اس نخرے پیٹے نے ادھر دیکھا بھی نہیں۔ حلق پھاڑے گیا۔ انگریزی ناموں کے ناشتے مانگے گیا۔ میں نے بھی کہا کہ اب چاہے پھیپھڑے پھاڑ ڈال چلاتے چلاتے۔ ہرگز ایک دانہ نہ دوں گی"

آپ نے بہت اچھا کیا۔ اس بدقسمت کی یہی سزا ہے: ناصیہ نے دانت پیس کر کہا اور نگار کو اشارہ کر کے باہر نکل گئیں۔

راستہ کاٹنا ان سے دشوار ہو گیا۔! گھر پہنچ کر دونوں نے کفیل اور خرم سے الگ جا کے ساری داستان کہہ دی شعیب صاحب سے تذکرہ نہیں کیا گیا ویسے وہ اپنے کمرے میں جا کے سو گئے تھے۔! شارق کو منع کر دیا گیا کہ کسی سے کچھ نہ کہنے

کفیل اور خرم بے حد پریشان ہو گئے۔ کفیل نے کہا: کیا خدا نخواستہ اب کوئی نئی مصیبت آنے کو ہے۔ خداوند کریم۔ حنا کو زندہ رکھے۔ رحمن صاحب یقیناً حشر اٹھائے بغیر نہ مانیں گے۔ ایزد کو تو نہ چھوڑیں گے۔ اور۔"

ہاں یہ تو صاف ظاہر ہے کہ ایزد کی سنگدلی سے دل شکستہ ہو کر حنا نے یہ اقدام کیا ہے": خرم نے جواب دیا: میں کہتا ہوں کفیل بھائی کہ فوراً ٹرنک کال کر کے ایزد کو بلوایئے۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں بالا بالا رحمن صاحب وہیں پہونچ کر کوئی کارروائی کر گزاریں جہاں ایزد ہیں۔ وہ یہاں آئیں گے تو ہم کم از کم ان کا بچاؤ اور اپنی مدافعت تو کر سکیں گے!"

تم جاؤ کفیل نے مضطرب لہجے میں کہا: جیسا کہ تم نے رات کو کہا تھا کمپنی سے معلوم کر لو کہ ایزد کہاں ہیں پھر امی کے انتقال کی خبر سنا کر انہیں تاکید کر دو کہ جس حال میں ہوں فوراً چلے آئیں۔ فی الحال حنا کا واقعہ نہ کہنا۔ اندیشہ ہے کہ وہ شہر سے کہیں اور نہ چل دیں"

کیسا تنگ کیا ہے اس جنم جلے نامراد نے": نگار نے ایزد کو کوستے ہوئے کہا: یہی باجی، کمینہ شریف انسانوں کی طرح زندگی بسر کرتا تو آج یہ انہونی آفتیں کیوں سب پر نازل ہوتیں۔ اسی ناشاد مرید نے امی کی جان لی۔ اب یہی سنگدل ظالم بہن بھائیوں کے گھروں میں بھی آگ لگائے گا۔ پیدا ہوتے ہی فنا ہو جاتا یا سنپولیا تو اچھا ہوتا۔

اب اس قسم کی باتیں کرنے سے کیا فائدہ": خرم نے بے چارگی سے کہا: ہمیں تو یہ سوچنا ہے کہ اب ہم کریں تو کیا کریں"

میرا سارا دم حنا میں پڑا ہے": ناصیہ نے مردہ آواز میں کہا: ان بیوی کو اسپتال کا نام پتہ معلوم نہ تھا۔ ورنہ میں تو یہاں آنے کی بجائے سیدھی

تو ادھر کہاں جاتی۔؟

کفیل نے گھر جا کر سارا قصہ بیوی بہن اور بہنوئی کو سنا دیا۔ خرم نے خبر دی کہ ٹرنک کال پاتے ہی ایزد کے حواس گم ہو گئے۔ لہجہ بدل گیا اور وہ سخت پریشان معلوم ہونے لگا۔ رات تک اس کی آمد متوقع ہے! کفیل سے رحمان کی باتیں سن کر ناصیہ اور نگار کو اطمینان ہو گیا تھا کہ رابعہ نے محض دھمکی دی تھی۔! رحمان کا قطعی ارادہ تھا نہ چوکی کرنے کا نہ تھا بلکہ وہ تو ایسے سنگدل بھائی تھے کہ مظلوم بہن کو جلد سے جلد ایک بوجھ کی طرح کندھوں سے اتار پھینکنا چاہتے تھے۔!

تو پھر کہیئے کہ۔ اگر ڈاکٹر صاحب نے اجازت دے دی تو ہم حنا کو اپنے ساتھ لے آئیں": نگار نے کفیل اور خرم سے پوچھا۔

قطعی" خرم نے کہا: یہ بھی کوئی پوچھنے کی بات ہے۔ بلکہ ڈاکٹر اجازت نہ بھی دے تو تم ڈاکٹر کی منت سماجت کر کے انہیں اپنے ساتھ لے آؤ کہ ہم زخم کی مرہم پٹی اپنے طور سے کرا لیں گے!"

لیکن وہ خبیث جورات کو آ رہا ہے": کفیل نے کہا۔

کفیل بھائی۔ اس تمام جھگڑے سے بہتر یہ ہے کہ حنا کو ہم اپنے گھر لے جائیں": خرم نے کہا: یقیناً وہ ہم میں بہت خوش رہیں گی۔ جب آپ کے یہاں کے حالات درست ہو جائیں تو آ جائیں گی یہاں"

یہ بہت بہترین تدبیر ہے": کفیل نے کہا: میں یہ چاہتا ہوں کہ اسپتال سے اسے تم اپنے گھر لے جاؤ۔!"

مگر کل تو امی کا تیجہ ہے۔ ناصیہ نے دبی زبان سے کہا۔

آہ، امی کا تیجہ: نگار نے آبدیدہ ہو کر کہا: بھابی۔ اب امی کے بعد

گھر لے جانا اس لیے مناسب نہیں سمجھتا کہ بھیا میری بیوی واقع ہوئی ہیں
ان پڑھ اور تیز مزاج۔ وہ تعلیم یافتہ لوگوں کے شعور اور سمجھ بوجھ تک ان
کی دماغی نزاکتوں تک نہیں پہنچ سکتیں۔ حنا سے ان کی نبھتی بھی نہیں
میرے لیے یہ مشکل ہے کہ میں نہ بیوی کی طرف بول سکتا ہوں نہ بہن کی
طرف۔ مزید برآں۔ جیسا کہ میرا نظریہ ہے۔ آپ کا بھی ہوگا کہ شوہر والی عورت کو
کبھی میکے میں پناہ نہیں ڈھونڈنی چاہیئے۔ دوہری ذلت ہوتی ہے۔
میرا خیال معاف کیجئے آپ کے خلاف ہے۔ جناب عالی۔ لڑکی کو اگر سسرال
میں دکھ ہو تو وہ آخر کہاں پناہ لے۔ میاں بیوی کا رشتہ خون کا رشتہ نہیں ہوتا
توڑا جا سکتا ہے۔ لیکن ماں باپ اور بہن بھائی کے رشتے خون کے ہوتے ہیں
وہ مرنے کے بعد بھی نہیں ٹوٹتے۔ میں اگر اس صورت حال سے دوچار ہوتا تو
ہرگز ہرگز اپنی بہن کو یوں بے سہارا چھوڑنا پسند نہ کرتا" کفیل نے کہا۔
خیر صاحب! اپنا اپنا خیال ہے: رحمان کچھ برہم سے ہو گئے تھے۔ اپنا اسکوٹر
اسٹارٹ کرتے ہوئے بولے: "میں تو جا رہا ہوں۔ ہاں دیکھئے میں بتانا بھول جاتا
حنا کا پتہ ہے۔ سکنڈ فلور، وارڈ نمبر بائیس بستر نمبر اٹھارہ۔ میں شاید شام
کو آؤں۔ اگر فرصت ملے! خدا حافظ"
کفیل کھڑے ہی رہ گئے اور رحمان صاحب اسکوٹر پر بیٹھ کر ہوا ہو گئے
ان کے جاہلانہ نظریات سے کفیل کو بہت افسوس ہوا۔ انھیں حنا پر واقعی
ترس آ رہا تھا۔ بے چاری کم نصیب لڑکی۔ یہ نہ کرتی تو پھر کیا کرتی؟۔ ماں باپ
ناز اٹھانے کو رہ نہیں گئے۔ بھائی بھاوج اس درجے کے ہیں۔ شوہر صاحب
تو نور علیٰ نور۔ کہیں کوئی پناہ غریب کے لیے نہیں ہے۔ طعنے تشنیع تہمتیں بہتان
اور شرمناک الزامات مستزاد ہیں۔ ان حالات میں موت میں پناہ تلاش نہ کرتی

حنا کے پاس ہی جاتی!۔
ایمرجنسی وارڈ تو تقریباً ہر ہسپتال میں ہوتے ہیں۔ ہمیں یہ معلوم کرنا
ہے کہ رحمن کے مکان سے نزدیک کون سا ہسپتال پڑتا ہے۔ عجلت اور گھبراہٹ
کے عالم میں وہ نزدیک ہی کے اسپتال گئے ہوں گے تاکہ فوری طبی امداد ملے!
کفیل نے کہا۔
بالکل صحیح۔ خرم نے کہا: اچھا اب میں تو جاتا ہوں۔ کمپنی۔ اپنا کام کر
کے آؤں گا۔ اور آپ جائیے اسپتال۔ ان کی خیر خبر لینی بہت ضروری ہے۔
رحمن صاحب اگر ملیں تو انھیں بھی ہمراہ لیجئے گا۔ خدا کرے کہ حنا زندہ سلامت
رہیں اور ایزد پر کوئی ناگہانی مصیبت نہ آئے:
پھر ایک ایک پیالی چائے پی کر اپنے اپنے راستوں پر ہو لیے!۔
خرم نسبتاً جلد اپنا کام کر کے واپس آ گئے۔ کفیل کو دشواری پیش آئی۔
جنرل اسپتال پہنچ کر انھیں ایمرجنسی وارڈ میں حنا کو تلاش کرنا بڑا مشکل معلوم
ہوا۔ ایک ذرا سی نیچی سی محراب میں کھڑے وہ دور دور تک نظریں دوڑا رہے
تھے۔ یہاں سے وہاں تک بیماروں کے بستر بچھے تھے۔ عجیب عجیب مریض دکھائی
دے رہے تھے۔ چونکہ ایمرجنسی وارڈ تھا لہٰذا زیادہ تر بیمار موت وحیات کی
کشمکش میں گرفتار یا دم توڑتے ہانپتے یا آخری سانسیں لیتے نظر آ رہے۔!
کفیل کے جسم کے سارے رونگٹے کھڑے تھے۔ اور وہ خدا سے پناہ مانگ
رہے تھے۔ حنا انھیں کہیں دکھائی نہیں دی۔
وہ دماغ میں ایک ہیجان لیے واپس پلٹے۔ کہیں وہ ختم تو نہیں ہو گئی۔
رحمن لاش لے گئے۔ اس کی حالت نازک تو نہیں ہو گئی کہ ایمرجنسی سے ہٹا
کر کسی اور جگہ رکھا گیا ہے۔

دفعتہً نیم کے پیڑ کے نیچے انھیں رحمان دکھائی دیئے۔ وہ خود انھیں اپنی طرف بلا رہے تھے۔ کفیل اللہ سے مدد مانگتے ادھر جھپٹے۔

"کیوں جناب آپ ادھر نظر آ رہے ہیں؟" رحمان صاحب نے پوچھا۔ ان کے لہجے سے کوئی ہراس، پریشانی یا دہشت واضح نہیں تھی!۔

"کیا قصہ ہوا جناب گھر میں؟" کفیل نے پوچھا۔ "عورتوں نے مجھے ڈرا دیا کہ بس خیریت ہی کے واپس آؤ۔ بڑی دیر سے آپ کی تلاش میں تھا!"

"عورتوں ہی کی ساری کارستانی ہے۔!" رحمان نے کہا: "مجھے دیکھئے کہ آدھی رات سے پریشان پھر رہا ہوں۔ نہ ناشتہ کر سکا۔ نہ دکان پر گیا۔ اس کمبخت نے ایسا قدم اٹھایا ہے۔"

"کیا خدا نخواستہ بچہ ضائع ہو گیا؟" کفیل نے پوچھا۔

"اس بدبخت چھوکری نے اپنی طرف سے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی تھی۔" رحمان نے غصیلے لہجے میں کہا: "لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عین وقت پر ہاتھ جھجکتا ہوا پڑا۔ صرف پسلی کے نیچے ایک گہری سی خراش آئی ہے۔ وہ تو خدا کا شکر ہے کہ بالکل کند چھری اٹھا لائی تھی جسے اس کی بھاوج نے بیکار سمجھ کے الگ رکھ دی تھی۔ اگر وہ تیز چھرا اٹھا لاتی تو واقعی جو نہ ہونا تھا وہ ہو چکا ہوتا۔"

"محترمہ بھاوج صاحبہ نے فرمایا تھا کہ خون بہت ضائع ہو گیا ہے۔" کفیل نے ڈرتے ڈرتے کہا۔ "ان ناقص العقول کی بکواس۔" رحمان نے چھوٹا سا قہقہہ لگایا۔ "چیونٹی کا ہاتھی بناتی ہیں۔ جناب خون تو بس اتنا نکلا کہ اس کے لباس پر تھوڑا سا چھر چھرا کے رہ گیا۔ ڈاکٹر صاحب سے میں نے کہہ دیا تھا کہ چاقو کی غلطی سے یہ ہوا ہے۔ لیکن ہاں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا تھا آپ سے کہ یہ کیا جھگڑا ہوا ہے ان میاں بیوی میں۔ شادی کے ابھی چھ مہینے بھی نہیں ہوئے۔"

"کیا عرض کروں جناب۔ غلطی میرے بھائی ہی کی ہے۔ وہ شروع سے تیز مزاج، غصہ ور ہے۔ والدین اور بہن بھائیوں ہی سے اس کی نہیں بنتی۔ عقل چکر میں ہے کہ کون سا علاج اختیار کیا جائے۔ کہہ کہہ کے ہار گئے بھائی صاحب۔ واقعہ یہ ہے کہ والدین اور ہم سب اسے بہر حال انگیز کر لیتے ہیں۔ لیکن کوئی نئی ہستی جب تک اس کے مزاج کو پوری طرح سمجھ نہ لے۔ اس کی فضول حرکتیں اور باتیں برداشت نہیں کر سکتی۔ ہم سب نے بہن حنا کو سمجھایا تھا۔ ورنہ بڈکو تو بس مار نے پیٹنے کی کسر رہ گئی۔ شاید آپ کو اطلاع نہیں ہے کہ محض اسکی بدافعالی نے اس کی ماں کی جان لی۔ کل رات ان کا انتقال ہو گیا۔"

"انتقال۔ کس کا؟... آپ کی والدہ محترمہ کا۔ ہیں۔؟ کیا واقعی۔" رحمان نے بے حد تعجب سے پوچھا۔

"اندازہ لگائیے۔ ہم کتنے پریشان ہیں۔ ادھر یہ مصیبتیں:" کفیل نے کہا۔

"خدا رحم کرے۔" رحمان نے کہا: "مجھے افسوس ہے۔ ہمیں خبر نہ کی آپ نے؟"

"آپ کے دولت خانے کا پتہ معلوم نہیں تھا جناب!" کفیل نے کہا۔

"دیکھئے گا نہیں حنا کو؟" رحمان نے پوچھا: "آیئے میرے ساتھ اور پوچھئے کہ یہ آخر اس کی کیا حماقت تھی۔"

"آج تک ایسا موقعہ نہیں آیا بھائی صاحب کہ میں ان سے بات کرتا۔" کفیل نے کہا: "بہرکیف اب اطمینان ہو گیا ہے۔ میں ابھی جا کے بیوی اور بہن کو بھیجتا ہوں۔ وہ مجھ سے بہتر طریقے پر سمجھائیں گی۔"

"اور دیکھئے قبلہ۔" رحمان نے کہا: "تکلف برطرف۔ میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ اس ناسمجھ لڑکی کو آپ کی بیگم صاحبہ اور ہمشیرہ صاحبہ اپنے گھر لے جائیں۔ امروز و فردا میں ڈسچارج کر دی جائے گی۔ میں اپنے

THE HAREEM

Rs. 1-20

ایڈیٹر

ٹیلیفون نمبر رہائش ۵۳۲۲۰
ٹیلیفون نمبر آفس ۲۲۵۵۹

گذشتہ ۵۸ سال سے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے۔ اور
اردو میں ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

جلد ۵۸ نمبر (۶)
ماہنامہ حریم لکھنؤ

ایڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم غزالہ
جانی بیگم ردولوی

بیادگار
سید محمد سلیم انہونوی مرحوم
و
شفیق النساء
بیگم سلیم انہونوی مرحوم

فہرست مضامین ماہ جون ۱۹۸۰ء

قیمت سالانہ

(حیات طیبہ کا تعارفی [illegible] کی [illegible] قسط)

باب پنجم

کیا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو اتنی شادیاں کرنے کی اجازت تھی ؟

بیشک اہل تنقید پوچھ سکتے ہیں :-

(۱) اگر قرآن پاک نے بیویوں کی بیک وقت زیادہ سے زیادہ تعداد چار مقرر کی ہے ، تو پھر حضور رسالت مآبؐ اس حد سے آگے کیوں بڑھ گئے ؟ ——— اور وہ بھی اتنا آگے ۔ !

(۲) کیا بیویوں کی تعداد کے معاملہ میں بھی ایک مسلمان پابند ہے حضورؐ کے نقش قدم پر چلنے کا ——؟

اس کے جواب میں ہم مندرجہ ذیل حقائق پیش کرتے ہیں :-

(۱) زمانہ جاہلیت کے عربوں میں بیویوں کی تعداد پر کوئی حد بندی نہ تھی۔ بعض لوگوں کے پاس بیویوں کی تعداد بہت زیادہ تھی ———

(۲) اس رسم درواج کی بڑی واضح مخالفت میں پیغمبر اسلامؐ نے جوانی کے پچیس سال ایک اور صرف ایک بیوی ، حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے ساتھ گزارے جو آپؐ سے عمر میں پندرہ سال زیادہ تھیں اور پہلے ہی سے چار بچوں کی ماں تھیں ، دو دفعہ بیوہ بھی ہو چکی تھیں۔ جب تک وہ زندہ رہیں ، حضورؐ نے کوئی دوسری شادی نہ کی۔

(۳) حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد آپؐ نے سودہؓ سے شادی کی اور پھر

(۴) اس کے چند ماہ بعد آپؐ نے عائشہؓ سے شادی کی ۔

(۵) جنگ احد کے چند ماہ بعد آپؐ نے حفصہؓ سے شادی کی جن کے شوہر [illegible] نے جنگ بدر میں شہادت پائی تھی۔

(۶) آپؐ کی پانچویں بیوی حضرت زینب بنت خزیمہؓ تھیں جو شادی کے بعد صرف [illegible] زندہ رہیں۔

(۷) زینب بنت خزیمہؓ کی وفات کے بعد آپؐ نے [illegible] میں اُم سلمہؓ سے شادی کی ۔

(۸) اس وقت تک بیویوں کی تعداد کے متعلق وحی قرآنیہ خاموش تھی لیکن ۵ھ میں جبکہ حضورؐ کی شادی اُم سلمہؓ سے ہو چکی تھی مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی :-

" اگر تم ڈرتے ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف کا سلوک نہیں کر سکو گے تو شادی کرلو عورتوں سے اپنی پسند کی دو یا تین یا چار لیکن اگر تم ڈرتے ہو . . . . . . کہ تم اُن (بیویوں) کے ساتھ انصاف کا سلوک نہیں کر سکو گے تب ایک ہی (بیوی) کرلو یا پھر ہے جو تمہارے داہنے ہاتھ کے تحت ہے (یعنی باندی) یہ تمہارے لئے زیادہ موزوں ہوگا تمہیں ناانصافی سے بچانے کے لئے " (سورہ نساء/۳)

اس آیت سے بیویوں کی انتہائی تعداد چار مقرر ہو گئی ۔ اس کا اثر حضورؐ پر نہیں پڑا کیونکہ آپ کے پاس اس وقت چار بیویاں تھیں۔ سودہؓ ، عائشہؓ ، حفصہؓ ، اور اُم سلمہؓ ۔

(۹) لیکن تقریباً ایک سال کے بعد مندرجہ ذیل آیت کا نزول ہوا جس کا خطاب سراسر حضورؐ کی طرف ہے :-

" ہاں تم نے ایک ایسے شخص سے جسے اللہ کی نعمت اور تمہاری مہربانی مل چکی تھی کہا تھا کہ قائم رکھو اپنی بیوی کو (رشتہ نکاح میں) اور اللہ سے ڈرو ۔ لیکن تم نے اپنے دل میں چھپایا وہ راز جو اللہ اب ظاہر کرنے والا ہی تھا ۔ تم لوگوں سے ڈرتے تھے حالانکہ حق ہے تم اللہ ہی سے ڈرو ۔ اور جب زید اپنا کام اس سے پورا کر چکا (یعنی طلاق ہو گئی) ضروری تھی [illegible] کے ساتھ ، تو ہم نے اسے تمہارے نکاح میں دے دیا تاکہ آئندہ ایمان والوں کو کوئی مشکل درپیش نہ ہو شادی کرنے میں بیویوں سے اپنے منہ بولے بیٹوں کی ، جبکہ انہوں نے ان کے ساتھ رشتہ توڑ دیا ہو [illegible] کے ساتھ اور حکم الٰہی کی تعمیل لازمی ہے " (احزاب/۳۷)

اس آیت میں ہم نے (اللہ تعالیٰ نے) اسے تمہارے نکاح میں دیدیا حسب ذیل معنی رکھتا ہے:۔

ا۔ حضور کے لئے اور صرف حضورؐ ہی کے لئے اللہ تعالیٰ نے بنفسِ نفیس چار بیویوں کی شرط اٹھالی۔ اس آیت کے نزول کے وقت آپ کے پاس چار بیویاں پہلے ہی سے موجود تھیں اور اب اس آیت کا رخ پانچویں بیوی ـــــ حضرت زینبؓ بنت جحش کی طرف تھا۔

ب۔ چونکہ یہ شرط صرف حضورؐ کے لئے اٹھالی گئی تھی، اس لئے یہ پابندی اُمت مسلمہ پر لگی رہ گئی۔

ج۔ چونکہ حضورؐ کا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے آسمان پر کر دیا تھا (آیت کے الفاظ ہیں) تمہارے نکاح میں دیدیا" یعنی نکاح ہوچکا۔ اس لئے زمین پر رسم نکاح کی ضرورت نہیں تھی۔ اور آپؐ بلا اجازت حضرت زینبؓ کے گھر داخل ہوگئے۔

مولانا سعید انصاری اپنی مشہور تصنیف "سیر الصحابیات" میں فرماتے ہیں:۔

"آنحضرتؐ نے حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم زینبؓ کے پاس میرا پیغام لے کر جاؤ۔ زید ان کے گھر آئے، وہ آٹا گوندھنے میں تھیں۔ چاہا ان کی طرف دیکھیں پھر کچھ سوچ کر منہ پھیر لیا اور کہا۔ "زینب! رسول اللہ کا پیغام لایا ہوں"۔ جواب ملا "میں بغیر استخارہ کئے بغیر کوئی رائے نہیں قائم کرسکتی"۔ یہ کہا اور مصلے پر کھڑی ہوگئیں۔ ادھر رسول اللہ پر وحی آئی۔ (احزاب/۳۷) اور نکاح ہوگیا ـــــ

آنحضرتؐ حضرت زینبؓ کے مکان پر تشریف لائے اور بلا استیذان اندر چلے گئے۔ دن چڑھے دعوت ولیمہ ہوئی۔ اس میں روٹی سالن اور مالیدہ تھا۔ تین سو آدمی شریک ہوئے"

مفتی سید شجاعت علی صاحب قادری مسلم شریف اور نسائی شریف کے حوالے سے لکھتے ہیں:۔

جب زیدؓ نے طلاق دیدی اور عدت گذر گئی (جیسا کہ مسلم شریف میں بروایت انسؓ ہے) تو رسول اللہ نے زیدؓ ہی سے (جو زینب کو طلاق دے چکے تھے) فرمایا "میں تم سے زیادہ کسی کو ثقہ نہیں پاتا ہوں جاؤ زینب کو میرے نکاح کا پیغام دے دو"۔ زید کہتے ہیں جب میں آیا تو زینب آٹا گوندھ رہی تھیں۔ میری نگاہ ان پر پڑی مگر نگاہ کا انداز بدل چکا تھا۔ اب وہ میری نگاہوں میں ایک [illegible]

اور پُر وقار خاتون تھیں، کیونکہ رسول اللہؐ نے ان کو پیغام بھیجا تھا۔ میں نے پیٹھ موڑلی اور پلٹ کر کھڑا ہوگیا۔ اور اسی طرح ان سے مخاطب ہوکر رسول اللہ کا پیغام ان تک پہنچایا۔ وہ کہنے لگیں کہ میں اپنے رب سے مشورہ (استخارہ) کئے بغیر کچھ نہیں کرسکتی ہوں۔ اور پھر وہ فوراً ہی مصلے بچھا کر نماز کو کھڑی ہوگئیں۔

ادھر رسول اکرم پر یہ آیت نازل ہوگئی جس میں بتایا گیا ہے "ہم نے آپؐ کا نکاح زینب سے کردیا"۔ اس لئے رسول اکرم زینب سے اجازت لئے بغیر اور مہر مقرر کئے بغیر ان کے پاس آگئے۔ حضرت زینب رسول اکرم کی دیگر ازواج مطہرات سے فخریہ کہا کرتی تھیں تمہاری شادیاں تمہارے والدین نے کیں اور میری شادی اللہ نے کی"

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودی صاحب تفہیم القرآن میں اسی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں:۔

"یہ الفاظ (ہم نے اس کا نکاح تم سے کردیا) اس باب میں صریح ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نکاح خود اپنی خواہش کی بنا پر نہیں کیا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی بنا پر کیا تھا۔ یہ آیت اس بات کی صراحت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام حضورؐ سے ایک ایسی ضرورت اور مصلحت کی خاطر کرایا تھا جو اس تدبیر کے سوا کسی دوسرے ذریعے سے پوری نہ ہوسکتی تھی۔ عرب میں منہ بولے رشتوں کے بارے میں جو غلط رسوم رائج ہوگئی تھیں ان کے توڑنے کی کوئی صورت اس کے سوا نہ تھی کہ اللہ کا رسولؐ خود آگے بڑھ کر ان کو توڑ ڈالے لہٰذا یہ نکاح اللہ تعالیٰ نے محض نبی کے گھر میں ایک بیوی کا اضافہ کرنے کی خاطر نہیں بلکہ ایک اہم ضرورت کی خاطر کروایا۔ اس آیت سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ دوسرے مسلمانوں کے لئے تو اس طرح کا نکاح محض مباح ہے مگر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایک فرض تھا جو اللہ نے آپ پر عائد کیا تھا"

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی اردو تفسیر قرآن مجید میں اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:۔

"صحیح مسلم میں حضرت انسؓ کی روایت سے اس کی تصریح موجود ہے کہ جب عدت ختم ہوگئی تو رسول اللہ نے [illegible] کا پیغام بھی حضرت زیدؓ ہی کی معرفت بھیجا تھا [illegible]

بیانے پر ہوئی۔ حضرت انسؓ بن مالک کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور کسی بیوی صاحبہ کا ولیمہ اس پیمانہ پر اور اتنا اچھا نہیں کیا۔ "ہم نے اس کا نکاح تم سے کر دیا" کے مقدس ترین اعلان نکاح کے بعد حقیقتاً کسی ظاہری عقد کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی تھی۔ لیکن اس کے باوجود اس عالم ظاہری میں بھی نکاح ہوا۔ یہ نکاح خود حضرت زینبؓ کے بھائی ابو احمد بن جحشؓ نے پڑھایا اور رسول اللہ صلعم نے مہر چار سو درہم کا رکھا۔"

بہرکیف یہ نکاح اللہ تعالیٰ نے خود کیا اور آیت کے الفاظ بہت زیادہ واضح ہیں۔ کوئی گنجائش بحث کی نہیں۔

اسی سورۂ احزاب کی آیت ۳۸ میں ہے۔

"پیغمبر کے لئے اس کام میں کوئی رکاوٹ نہیں ہونا چاہیئے جسے اللہ نے اس پر فرض کر دیا ہے۔"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بحرین شادی آپؐ کے لئے بدرجہ فرض تھی۔ اسی سورہ کی آیت ۴۰ کہتی ہے:-

"محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن اللہ کے رسول ہیں۔ اور نبیوں میں آخری ہیں۔ اور اللہ ہر بات کا علم رکھتا ہے۔"

اس سے ظاہر ہے کہ ان کے منہ بولے بیٹے زیدؓ کی وہ حیثیت نہیں ہے جو ایک حقیقی بیٹے کی ہوتی ہے۔ اسی سورہ کی آیت پچاس میں ہے۔

"یہ صرف تمہارے لئے ہے، عام مومنین کے لئے نہیں ہے۔"

اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ زیادہ سے زیادہ چار بیویاں کی شرط صرف حضورؐ کے لئے اٹھائی گئی ہے۔ عام مومنین کے لئے نہیں۔

اس کے بعد حضورؐ نے مزید شادیاں کرنی شروع کر دیں۔ [illegible] میں جب آپ چودہ شادیاں کر چکے تھے حسب ذیل آیت نازل ہوئی:-

"اب اس کے بعد عورتیں [illegible] تمہارے لئے جائز نہیں ہیں۔ اور نہ یہ کہ ان کی جگہ دوسری بیویاں کر لو خواہ ان کا حسن تمہیں پسند ہو۔ البتہ وہ جو تمہارے ہاتھ کے تحت ہے [illegible] اور اللہ ہر چیز پر نگاہ رکھتا ہے۔"

(احزاب ۵۲)

پیش منظر سیرت

پیغمبر اسلام کی زندگی ایک سوانح عمری نہیں ہے خواہ کتنی ہی شاندار ہو۔ ایک تاریخ نہیں ہے خواہ کتنی ہی حیرت انگیز ہو۔ یہ وہ زندگی ہے جو اپنی ذات کے لئے نہ تھی، اپنے جاں نثاروں کے لئے تھی نہ اپنی ناپسند کے لئے۔ نہ اپنی پالیسی کے لئے نہ اپنے پروگرام کے لئے۔ اس زندگی کی تعمیر و تشکیل میں کوئی دخل نہیں ہے حالات زمانہ کا، وقت کا، مقام کا، رسم و رواج کا، فیشن کا، اقتصادیات کا، تاریخی یا معاشرتی یا سیاسی عوامل کا، یا اتفاقات کا، خوش قسمتی کا۔ درحقیقت یہ زندگی نہیں ہے یہ سیرت ہے۔

جدید تاریخ کی تمام روشنی میں صفحۂ ہستی میں پہلی بار اور آخری بار یہ واحد شخصیت ہے جو بولتی ضرور ہے لیکن اپنے الفاظ کا انتخاب خود نہیں کرتی۔ جو حرکتیں کرتی ہے لیکن اپنے مقصد کو دخل نہیں دیتی۔ اس کے الفاظ اور اس کے اعمال نہ اس کے ہیں نہ اس کے لئے ہیں۔ وہ تو اللہ رب العالمین کی طرف سے ہیں۔

ایک ہی مقصد تھا اور ایک ہی محور تھا ہر اس لفظ کا جو آپؐ کی زبان سے نکلا، ہر اس عمل کا جو آپؐ کے اعضاء سے صادر ہوا۔ ہر شعبہ میں، ہر سطح پر قرآن پاک کے اوامر و نواہی کو عملی اور مثالی طور پر پیش کرنا۔ اور وہ آپؐ نے بہترین کارکردگی پیش کی ہے معیار میں بھی اور مقدار میں بھی۔ اور آپؐ کی مثال واجب تقلید ہے ہر مومن کے لئے ہر زمان کے لئے۔ یہی وہ شے ہے جو اس زندگی کو سیرت بناتی ہے۔ آپؐ کے ہر قدم پر وحی الٰہی کی رہنمائی ہے اور نگرانی ہے۔ یہی وہ شے ہے جو اس زندگی کو سیرت کا درجہ بخشتی ہے۔

قرآن پاک کے بتائے ہوئے نقشہ پر مثالی اور معیاری شخصیت بن کر دکھانا ازل سے ابد تک سب سے مشکل کام تھا کیونکہ یہ تقاضا کرتا ہے سب سے اعلیٰ معیار کا۔ اخلاقی اور عقلی سطح پر۔ ہر میدان کے تمام [illegible] شہری یا دیہی، انفرادی یا بین الاقوامی۔ پیغمبر اسلام نے اپنے [illegible]

اور دنیا نے ایسا ہی پایا۔ اسلام کا پہلا دن ایک عورت اور
ایک مرد سے شروع ہوتا ہے۔ اور جب ۲۳ سال کے بعد حضورؐ
رسالتمآب کی آنکھیں بند ہوئیں تو اسلام دنیا کا سب سے مضبوط
اور مربوط اتحاد تھا۔ یہ سب سے اعلیٰ تنظیم تھی۔ یہ سب سے بڑی
تحریک تھی۔ تعمیر میں اس نے سب سے کم وقت لیا۔ لیکن دلوں
کے تغیر اور تسخیر میں اس کا کوئی مدمقابل نہ ٹھہرا۔ ایسی مثال
اب تک دنیا پیش نہ کرسکے گی۔ اور ایسا پیغام اب کوئی پیش نہ کرسکے
گا کہ اللہ ایک ہے، حضورؐ سب سے آخری پیغمبر ہیں اور ایک انسان
دوسرے انسان کا بھائی ہے۔

اللہ کی کتاب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے سیرت کو ضرورت
تھی آیات کی تفسیر پیش کرنے کی، اصولوں کی تفصیلات مرتب کرنے
کی، انفرادی اور اجتماعی پیمانہ پر عملی مثال قائم کرنے کی ــ اس
وقت تک کے لئے کہ دنیا اور انسان کا رشتہ قائم ہے۔ ان تمام
دنیاؤں کے لئے جہاں انسان کا قدم پہنچ سکے بلا تفریق رنگ، جماعت،
ملک، زبان۔

کم سے کم وقت میں سیرت نے اعلیٰ سے اعلیٰ نتیجہ کر دکھایا۔ ماضی،
حال، مستقبل، سب کی سب خرابیوں کی یہ واحد دارو ئے شفا ثابت
ہوئی۔ یہ واحد حل ہے ہر مسئلہ کا خواہ اس کا تعلق اخلاقیات سے ہو یا
اقتصادیات سے، روحانیات سے ہو یا مادیات سے، فرد سے ہو
یا جماعت سے یہ واحد حل ہے ہر مسئلہ کا خواہ وہ کتنا ہی پیچیدہ ہو، کتنا
ہی پرانا ہو ...... کتنا ہی گہرا ہو، کتنا ہی بڑا ہو، جہاں
کہیں ہو، جب کبھی ہو۔ مومن کے لئے حضورؐ کے اسوۂ حسنہ پر چلنا نہ
صرف لازم ہے بلکہ واحد راستہ ہے جنت کا، اللہ کی خوشنودی کا،
اس کی رحمتوں کا یہاں بھی اور وہاں بھی۔ (باقی آئندہ)

کچھ اپنی صحت کے متعلق

خدا کا لاکھ لاکھ احسان ہے کہ اس نے مجھے ایک طویل اور
مسلسل علالت کے بعد پھر اس قابل کر دیا کہ میں اپنی حریمی بہنوں
[illegible] ہو رہا ہوں۔ صحت دینا اللہ پاک کے اختیار
میں ہے [illegible] کام آتے تھے۔ جن کا سہارا
[illegible] سہارا ہیں سے

جناب ڈاکٹر حلیم صاحب ہیں۔ جنہیں اللہ نے دست شفا عطا فرمایا ہے
اور یوں ڈاکٹر تو ہیں لیکن مجسمۂ اخلاق و محبت بھی ہیں اس لئے آپ
کے زیر علاج مریض علاج سے کچھ زیادہ ہی فائدہ محسوس کرتے ہیں۔

میرے علاج کے سلسلہ میں لکھنؤ کے نامور ڈاکٹر منصور صاحب سے
بھی اس مرتبہ محترم حلیم صاحب نے کئی بار مشورہ کیا اور اسی سلسلہ
میں محترم منصور صاحب نے ایک نئے انجکشن کا نام بتایا بلکہ ازراہ
کرم تین انجکشن، جو موصوف کے پاس تھے، عنایت فرمائے۔ یہ انجکشن
ہندوستان میں کمیاب ہیں، پھر بھی چند انجکشن میرے بھائی ہرون
سنگھ صاحب نے دہلی سے حاصل کرکے روانہ کئے اور چند قاسم بھائی
صاحب نے بمبئی سے لے کر بھیجے اور ان سے بھی زیادہ تعداد میں
برمنگھم (لندن) سے میرے مرحوم دوست ڈاکٹر محمد یار رحیم صاحب کی
بیٹی مسز عائشہ داؤد یار گوسلی نے خرید کر ہوائی ڈاک سے روانہ کئے۔ ان انجکشن نے
کافی سکون پہنچایا لیکن یہ سکون کتنے روز تک قائم رہ سکے گا اس کے متعلق کچھ
کہا نہیں جا سکتا اس لئے کہ کوئی تجربہ ابھی ان انجکشن کا کسی کو بھی نہیں
ہے۔ اس عرصہ میں حریمی بہنوں اور بھائیوں کی جانب سے صدہا
خطوط بدریافت خیریت وصول ہوتے رہے۔ میں ان سب بہنوں
اور بھائیوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

قصور وار کون

حریم فروری سنہ ۸۰ء میں "قصور وار کون" معلوم کرنے کے سلسلہ میں
ایک انعامی مقابلہ کا اعلان کیا گیا تھا۔ اس سلسلہ میں یہ بھی اعلان
کیا گیا تھا کہ مقابلہ میں شرکت کرنے والوں کے نام بھی شائع کئے جائیں
گے۔ غلطی سے یہ لکھنا رہ گیا تھا کہ نمبر خریداری لکھنا ضروری ہے، اس
لئے ایک ہزار سے زائد جوابات آگئے۔ نام وغیرہ شائع کرنے میں
حریم کے کئی صفحات صرف ہو جاتے اس لئے قرعہ اندازی کے ذریعہ
انعام حاصل کرنے والے ہی کا نام و پتہ شائع کیا جا رہا ہے۔ درست
یہ کہ اس سلسلہ میں قصور وار ٹھہرانے والے جواب ۹۰ فیصدی آئے۔
اس میں قرعہ اندازی کے ذریعہ جن بہن کا نام نکلا وہ حسب ذیل ہے۔
محترمہ بیگم صاحبہ [illegible]
[illegible] ضلع [illegible]
[illegible] میں روپیہ [illegible] کر لیں۔

نعت ختم المرسلین

از فیروز نظامی

حقیقت میں وہ لطف زندگی پایا نہیں کرتے
جو یاد مصطفےٰ میں اشک برسایا نہیں کرتے

سجالے دل کی دنیا داغہائے عشق احمد سے
یہ ایسے پھول ہیں جو کھل کے مرجھایا نہیں کرتے

ارے او نا سمجھ قربان ہو جا ان کے روضے پر
یہ لمحے زندگی میں بار بار آیا نہیں کرتے

محمد مصطفےٰ کی شانِ رحمت تو ذرا دیکھو
ستم سہتے تو ہیں لیکن ستم ڈھایا نہیں کرتے

خدا کے دوست، محبوبِ خدا کے چاہنے والے
خدا کی راہ میں مرنے سے گھبرایا نہیں کرتے

زمانہ جدت شق القمر کو کیسے سمجھے گا
یہ ایسے راز ہیں جو عقل میں آیا نہیں کرتے

اگر بوجہل بہرِ امتحاں آتا ہے آنے دو
رسول اللہ ان باتوں سے گھبرایا نہیں کرتے

انھیں فیروز، جینے کا مزا آ ہی نہیں سکتا
جو ان کی رہ گزر میں ٹھوکریں کھایا نہیں کرتے

حریمی دسترخوان

کرم کلے کے رول

سامان:- کرم کلا جسے بند گوبھی بھی کہتے ہیں ایک عدد جس کے اوپر کے پتوں کو نکال کر پھینک دیں اور اندر کے ملائم تازہ پتے استعمال کریں۔ ٹماٹر ۲ عدد، چاول چار ٹیبل اسپون، قیمہ باریک پسا ہوا ۶ ٹیبل اسپون۔ مکھن حسب ضرورت۔ پسی ہوئی سونف چائے کا ایک چمچہ۔ ولایتی گاجر چار عدد۔ گاجروں کی اندر والی سخت گٹھلی نکال کر کدوکش کرلیں۔ لہسن چار جوے پسا ہوا۔ نمک کالی مرچ حسب خواہش۔ ادرک پسی ہوئی ایک گرہ۔ پنیر کے باریک باریک ٹکڑے کرلیں ۔۔۔ اگرام پنیر کافی ہوگا سرخ مرچ ایک یا حسب خواہش۔

ترکیب:- چاولوں کے ساتھ نمک ڈال کر ابال لیں اور پیس لیں۔ قیمہ میں کالی مرچ ادرک لہسن سونف اور ذرا سا نمک ڈال کر تھوڑے مکھن میں بھونیں۔ گلابی ہو جانے پر اتار کر رکھ لیں۔ پھر گاجر کے ٹکڑوں کو جوش دے کر پانی نکال دیں۔

پانی جوش کرکے۔ کرم کلے کے تھوڑے پتوں کو اس میں ڈال کر نکال لیں۔ پھر چار پتوں کو تلے اوپر رکھ کر چاولوں کی پرت دیں۔ اس کے اوپر قیمہ کو پھیلا کر گاجر ٹماٹر کے قتلے اور پنیر کے ٹکڑوں کو چھڑک کر احتیاط کے ساتھ رول بنائیں اور باریک تاگے سے لپیٹ کر رکھ لیں۔ پھر ان رولس کو مکھن میں تل لیں۔ مکھن نہ ہو تو گھی یا ڈالڈا استعمال کریں۔

کھاتے وقت تیز چھری سے رول کے قتلے کریں اور نوش فرمائیں۔ قتلے کاٹنے سے پہلے تاگہ نکال دیں۔

مرسلہ:- فیروزی قسیم اشرفی

قیمہ پلاؤ

پلاؤ کئی طرح سے پکایا جاتا ہے۔ اور آپ کو ان میں سے اکثر طرح کے پلاؤ کھانے یا پکانے کا اتفاق ہوا بھی ہوگا۔ آج ہم آپ کو ایک طرح کے قیمہ پلاؤ پکانے کا طریقہ بتا رہے ہیں۔ پکائیے شاید پسند آئے۔

سامان:- قیمہ ...۵ گرام۔ چاول پرانے پلاؤ والے ایک کلو۔ ٹماٹر ۳ عدد بڑے۔ نمک حسب ضرورت۔ ادرک ایک بڑی گرہ پسی ہوئی لہسن ۱۰-۸ جوے پسے ہوئے۔ انڈے تین عدد۔ گھی ۵۰۰ گرام۔ کالی مرچ پسی ہوئی چائے کا چمچہ۔ ہری و سرخ مرچ حسب خواہش۔ پیاز دو بڑی، الائچی چھوٹی ۱۰ عدد۔ لونگ ۱۰ عدد۔ بادامی رنگ چائے کا ایک چمچہ۔ کیوڑہ ۵ گرام۔

ترکیب:- چاولوں کو چن کر پانی میں بھگو دیں۔ ایک پیاز کے قتلے کتر کر گھی میں ہلکی آنچ پر گلابی کرلیں۔ نصف گھی نکال کر علیحدہ کرلیں۔ بقیہ گھی میں پیاز کے لچھے رہنے دیں۔ قیمہ سرخ مرچ، لہسن ادرک، ہری مرچ کٹی ہوئی اور ٹماٹر کے ٹکڑے ڈال کر دھیمی آنچ پر پکائیں۔ قیمہ ڈالنے سے پہلے صاف پانی سے دو تین مرتبہ دھو کر نچوڑ کر نہ رکھیں۔

قیمہ بھون کر اتار لیں

انڈوں کی سفیدی و زردی میں ہلکا نمک اور کالی مرچ ڈال کر خوب پھینٹیں اور فرائی پین میں گھی ڈال کر آملیٹ بنالیں۔ ٹھنڈا ہونے پر تیز چھری سے اس کے باریک ٹکڑے کرلیں۔ چاولوں کو کسی کپڑے میں چھان کر، پانی جوش دے کر اس میں الائچی اور لونگ ڈال کر اس طرح ابالیں کہ نصف حد تک گل جائیں۔ اس کے بعد پانی بہا کر چاولوں کو پسالیں۔

کسی صاف قلعی دار پتیلی یا بڑے بھگونے میں تمام قیمہ پھیلا کر نصف چاول اسی پر ڈال دیں۔ اس کے بعد آملیٹ کے ٹکڑوں کو پھیلا کر بقیہ چاولوں کی تہہ لگا دیں۔ بادامی رنگ کو عرق کیوڑہ میں حل کرکے اس طرح چاولوں پر چھڑکیں کہ کچھ چاول رنگین ہو جائیں اور کچھ سادے رہیں۔

تھوڑا آٹا سخت قسم کا گوندھ کر پتیلی یا بھگونے کے سرپوش کو اس طرح چپکا دیں کہ اندر کی بھاپ نہ نکل سکے۔

تین اینٹوں پر پتیلی یا بھگونے کو رکھ کر اس کے نیچے انگارے دہکتے ہوئے پھیلا دیں اور کچھ انگارے سرپوش پر رکھ کر دم کریں۔ ۵ امنٹ بعد سرپوش کھول کر دیکھیں چاول ملائم ہو گئے ہوں تو ٹھیک، ورنہ دودھ کا تھوڑا چھینٹا دے کر پھر دم کریں اور اتار کر اس طرح نکالیں کہ قیمہ اور آملیٹ سب نظر آسکیں۔

مرسلہ:- [illegible]

خط و کتابت کرتے وقت نمبر خریداری ضرور لکھیں۔ جواب طلب امور کے لئے ٹکٹ یا لفافہ بھیجیں۔

عفت موہانی

روز کی جھک جھک سے تنگ آ کے بچی ماں نے طے کر لیا کہ بس اب دونوں کا آخری فیصلہ کر ہی دیا جائے۔ پہلے بھی وہی بیچ میں پڑی تھیں۔ اب بھی وہی نجات دہندہ بننے والی تھیں۔ مگر انھیں بے حد افسوس تھا۔ آخر کمال اور شہلا پر خدا کی کیا مار آئی تھی کہ شادی کے سال بھر بعد بھی دماغ درست نہیں ہو سکے، چھ ماہ بڑے سکون گزرے اور پھر دونوں نے ایک دوسرے میں کیڑے نکالنے لگے۔ اس کے بعد تو یہ ہوا کہ کوئی دن ایسا نہیں جاتا تھا جب کمال چیختا نہ ہو اور شہلا دھار دھار دروتی ہو۔

کمال کے ماں باپ نہیں تھے۔ وہ کبھی بچی ماں کے پاس آ کر دکھڑا روتا تھا۔ ادھر شہلا بھی انہی سے لپٹتی تھی۔ اس بے چاری کی بھی ماں نہیں تھیں۔ والد اس قدر سخت گیر تھے کہ ہرگز داماد کی برائی بیٹی کی زبان سے نہ سنتے، یہی کہتے کہ اس نے کچھ کہا ہوگا بھی تو وہ بھی آپے سے باہر ہو گیا۔ بہرحال جب پانی سر سے اونچا ہوا اور بچی ماں دونوں کی رام کہانی سنتے سنتے بور ہو گئیں تو کمال سے بولیں۔

"آخر تم اب کرنا کیا چاہتے ہو؟ کب تک تم یوں سر پھٹول کرو گے،"

"جان چھڑا دیجئے۔ اس سے، عمر بھر احسان مانوں گا!"

"آخر کیوں کیا کرتی ہے وہ بے چاری،؟"

"بچی ماں" کمال بسورا "یہ پوچھئے کہ کیا نہیں کرتی۔ ..... آپ نے کیسی عجیب لڑکی سر ماری ہے۔ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ اب زندگی جنت بن گئی ہے۔ یہ تو بعد کو پتہ چلا کہ میں دوزخ کی طرف ہانک دیا گیا ہوں۔

بچی ماں۔ وہ بیچ بیچ ہری مرچ ہے۔ اس قدر لڑاکا، بدزبان اور بدتمیز ہے کہ وہ سڑک چھاپ لفنگی عورتوں کو مات کر گئی ہے۔ برابر سے مجھے جواب دیتی ہے..... میں تو اس سے بات کرتے ڈرنے لگا ہوں"

"ماری پیٹتی تو نہیں نا"

"جی؟" کمال نے آنکھیں نکالیں۔

"میاں۔ اس کی ماں نہیں ہے۔ باپ اس قدر غصہ ور ہیں۔ انھوں نے اسے بس غصہ کرنا سکھا دیا ہے۔ ڈھنگ سے تربیت نہیں کی۔ برداشت کر لیا کرو"

"کیا کیا برداشت کیا کروں۔ ! دن چڑھے نواب زادیوں کی طرح سو کر اٹھتی ہے۔ اور مجھ سے پوچھتی ہے کہ چائے بھی نہیں بنائی، گھر پر وحشت طاری ہے۔ ذرا جھاڑو دے دیتے تو کیا غضب ہوتا۔

"اچھا؟"

جی ہاں" کمال اب زیادہ بسورنے لگا" نہ مجھے تو چائے بنانا آتی ہے نہ میں جھاڑو دے سکتا ہوں۔ کیا میں یہ بھی برداشت کرتا۔ پرسوں اس نے مجھ سے آملیٹ بنوایا۔ اور پھر کھانے بیٹھی تو بڑے بڑے منہ بنائے۔ ذرا پیندے سے میں آملیٹ جل گیا تھا۔ ... بچی ماں کیا میں باورچی ہوں؟ بتائیے نا!"

"سخت نالائق ہو گئی ہے۔ میں اس کے کان اینٹھوں گی۔ فکر نہ کرو"

"میں آفس سے تھکا ہارا آتا ہوں" کمال بچی ماں کو اپنی تائید میں دیکھ کر بولا "کیا دیکھتا ہوں کہ گھر میں نہ تو بیگم صاحبہ ہیں نہ چائے وائے تیار ہے۔ لڑکا اطلاع دیتا ہے کہ بیگم صاحب پڑوس میں گئی ہیں۔ چائے مجھے بنانا پڑتی ہے۔ اسے بلاتا ہوں تو دروازے ہی سے چلاتی ہوئی آتی ہے کہ گھر میں قید نہیں رہ سکتی۔ قسم خدا کی۔ جی چاہتا ہے کہ بس اٹھاؤں ڈنڈا اور دھنک کر رکھ دوں!"

"توبہ کرو بیٹا۔ بن ماں کی بچی ہے" "بہت سر چڑھ گئی ہے بچی ماں" کمال تنتنے لگا "کر بلاؤ بیگم صاحبہ کو گھر میں پکی کوئی چیز اچھی نہیں لگتی۔ روال آخر چکھیں گی بھی

نہیں۔ میں ہی کھا کھا کے ٹھکانے لگا دیتا ہوں۔ جھک مار کے کہتا ہوں کہ اچھا بھائی تم قورمہ یا پسندے پکا لو۔ تو مجھ سے کہتی ہے کہ آپ مصالحے پیس کے دیجئے۔ لاحول ولاقوۃ۔ اس نے مجھے گھر کا لونڈا مقرر کر رکھا ہے۔

"جی ہاں۔ ایک دن میں بڑے ہوٹل سے بریانی لایا تھا کہ بے چاری ترس رہی ہے"

"اچھا تو پھر۔ تم بریانی لائے؟"

جی ہاں" کمال نے کہا" وہ پورا ناشتہ دان اپنے سامنے رکھ کے بیٹھ گئی اور مزے میں بوٹیاں کھانے لگی مجھے پوچھا تک نہیں۔ حالانکہ بھوک کے مارے میرا دم بھی نکل رہا تھا!"

ارے میں کہتی ہوں۔ یہ چھوکری اس قدر کیوں شیطان ہو گئی ہے"

"چچی ماں نے سر پیٹ لیا۔

"چچی ماں اس نے حلق تک بریانی ٹھونس لی اور پھر یہ غضب کیا کہ فوراً ہی ساری اُگل بھی دی۔ اور پلنگ پر جا لیٹی۔ میرے پورے پچیس روپئے برباد کر دیئے!"

"توبہ"

"اور سنیئے۔ یہ تو خیر اعمال نامہ ہے ہی۔ پھوہڑ اتنی ہے کہ رومال کے کنارے تک نہیں سی سکتی، قمیص میں ایک کھونچہ بھی لگتا ہے تو میں درزی کے پاس بھاگتا ہوں —— اس دن مشین کی سوئی توڑ دی۔ پلنگ کی زانڈ میں جوڑ لگایا تھا۔ دوسری سوئی بھی نہیں لگائی۔ میں نے سوچا کر ایسی کی تیسی۔ میں سوئی لایا بھی نہیں مشین یونہی جھک مار رہی ہے۔ پتہ نہیں۔ بابا جان نے صاحبزادی کے سر پر مشین کیوں دے ماری ہے جب سینا پرونا ہی نہیں سکھایا۔!"

سیکھ لے گی بیٹے۔ آہستہ آہستہ۔ ابھی تھوڑی کی عمر ہی کیا ہے"

چچی ماں نے چمکارا۔ شائد کمال کا غصہ اسی طرح ٹھنڈا ہو جائے مگر وہ تو پھڑک اٹھا۔

مگر نہیں ہے؟ سترہ اٹھارہ برس کی دنیا بھر کی ہوشیار چالاک عورت ہے۔ آپ کہتی ہیں عمر کیا ہے۔ اچھا اور سنیئے۔ صاحبزادی آپ کی۔ ماشاءاللہ چور بھی ہیں۔

"اے ہٹو"

جھوٹ نہیں بولتا۔ ہمیشہ جیب سے دس پانچ غائب ملتے ہیں۔ کبھی کبھی رنگے ہاتھوں پکڑ لیتا ہوں۔ آئسفروٹ یا دہی بڑے کھاتے ہوئے۔ وہ مالن کا لڑکا ہے نا۔ انڈو۔ وہی سالا سب کچھ لا لا کے دیتا ہے"

"اچھا اب میں سب تصفیہ کر دوں گی۔ تمہارا منشا کیا ہے"

"علٰحدگی، چچی ماں۔ شرافت سے علٰحدگی!"

"بکواس مت کرو۔ شریفوں میں یہ نہیں ہوتا!"

شرافت سے نہ ہوگی۔ کمینے پن سے طلاق دوں گا!۔ وہ ادھر خوش۔ میں ادھر۔ آپ دیکھ ہی جو لیں گے"

"حسن میاں کیا کہیں گے۔ تمہاری نسبت تو وہ تمام میں کہتے پھرتے ہیں کہ مجھے ایسا داماد ملا ہے"

حسن ماموں تو یہی کہیں گے۔ ان کی ترچھی بدزبان بدلگام صاحبزادی کو مجھ جیسے ایسے داماد کے سوا اور کوئی عقل کا پورا ملتا بھی کہاں سے"

اچھی بات ہے۔ میں پھر سوچ کے کچھ کہوں گی۔ تم جلدی کا میں کام خراب نہ کرنا۔ شہلا کو اس کے گھر کیوں بھجوا دیا ہے؟"

"میں کیوں بھجواتا؟۔ میں تو روک رہا تھا۔ ان کی بچپن کی سہیلی گڑیا کا بیاہ کر رہی ہیں۔ شہلا صاحب کی شرکت ضروری تھی۔ خدا غارت کرے۔ میرے تن بدن میں آگ لگ گئی جب میں نے سنا کہ یہ بڑھی ردمیں اس عمر میں گڑیا گڈے کے کھیل کھیلتی ہیں"

عقل ماری گئی ہے چھوکری کی۔ میں سمجھاؤں گی!۔

"کچھ بھی نہیں۔ بس آپ مجھے نجات دلا دیجئے"

شہلا کو گھر کب لا رہے ہو؟۔

ہرگز نہیں لاؤں گا۔ جیسی گئی ہے ویسی آئے۔ ورنہ ——

اور اسی طرح خوب بک جھک کے کمال سدھارا۔ تو چچی ماں سوچ میں پڑ گئیں۔ بڑی نامناسب بات ہے کہ محض ان معمولی جھگڑوں کی بنیاد پر میاں بیوی میں علٰحدگی کرا دی جائے۔ انھوں نے ملازمہ کو بھیج کے شہلا کو بلایا۔ پندرہ منٹ بعد وہ آگئی۔ خوشنما پرنٹ کی ساڑی پہنے گلے میں ایک نازک سا ہار، گوری گوری، دبلی پتلی، صورت سے شریر لگ رہی تھی!۔ آئی اور چچی ماں کو سلام کئے بغیر ان کے گلے میں جھول گئی۔

"چچی ماں۔ پیا نے آج یہ ہار خرید دیا۔ اچھا ہے نا؟" آواز بچپن کی سی تھی۔ نرم نازک، معصوم۔

"دیکھوں؟"

"پورے دو ہزار کا ہے۔ پیا اب بہت محبت کرنے لگے ہیں۔

سچی چچی ماں" وہ بولی اور سیدھی ہو بیٹھی۔
"کیوں گئی تھیں اپنے گھر؟"

وہ جو زبیدہ ہے نا۔ چچی ماں۔ اس نے گڑیا کا بیاہ رچایا تھا۔ میں اس کی پرانی سہیلی ہوں۔ مجھے وہ کیسے نہ بلاتی۔ میں ہی نے تو لڑکی کا سارا جہیز جوڑا۔ مالوم!

ہاں معلوم ہے۔ مگر تم کو تو تمہارا میاں روک رہا تھا۔ اس کی مرضی کے خلاف کیسے چلی گئیں"

آپ سے کس نے کہا؟"

تم میری بات کا جواب دو۔

"چچی ماں" وہ "تو بس میرے حق میں ہٹلر ہیں۔ ہائے اللہ۔ گھر میں جیل خانہ کر دیا ہے میرے لئے۔ یہاں نہ کھڑی ہو۔ کھڑکی سے مت جھانکو۔ کوٹھے پر مت جاؤ۔ حد ہے کوئی۔ بیڑیاں ڈال دیں میرے پاؤں میں اور کھمبے سے باندھ دیں مجھے۔ کہیں نہ جاؤں گی۔ مالوم۔!

خوب تڑ تڑ زبان چلنے لگی ہے۔ میاں سے یونہی بولتی ہو کیا۔؟

میاں میاں۔ وہ کہاں کے ایسے دادا ابا ہیں" اس نے تنک کر کہا" میاں اگر بڈھا ہو جائے تو اس کا کہا مانا جاتا ہے۔ یہ اتنے چھوٹے سے میاں کا کہا کیا ماننا۔ میں بھی میٹرک تک پڑھی ہوں۔ کیا مجھے مذہبی باتیں نہیں مالوم۔ واہ چچی ماں"

" میں حسن میاں سے کہہ دوں گی۔ صاحبزادی کی خبر لیں۔ خوب ہٹ سے پاؤں نکالے ہیں!"

پیا سے کیوں کہیئے گا۔ کیا آپ کو اچھا لگتا ہے کہ وہ مجھے زندہ دفن کر دیں۔ ابھی خوب بگڑے تھے کہ کب تک گڑیاں کھیلو گی!"

اچھا کیا خفا ہوئے ....

مجھے تو سب خفا ہوتے ہیں۔ چچی ماں۔ ادھر پیا۔ اُدھر کمال"

"اری منہ پھٹ۔ کتنی صفائی سے میاں کا نام لیتی ہے۔ کچھ تو شرم کر"

کیا شرم کروں۔ مجھے وہ بالشت بھر کے آدمی میاں ہی نہیں لگتے!۔ نام کیوں نہ لوں؟"

کیا بکواس ہے!

اور پھر کیا۔!

کیا اسکا مطلب برابر سے زبان چلاتی ہے؟

زبان کیوں چلاؤں۔ ان کی جو عادتیں پسند نہیں ہیں۔ ان پر ٹوکتی رہتی ہوں۔

اچھا۔

میری تو مٹی ہی خراب ہوئی چچی ماں۔ نجانے آپ کو اور پپا کو ان میں کیا ہیرے جڑے نظر آئے۔ ایسے واہیات آدمی ہیں۔ پرلے سرے کے سنگدل، ڈھیٹ اور —

چپ رہ۔ بیہودہ کہیں کی۔ وہ تجھ سے چھ سات سال بڑا ہے"

تو کیا۔ میں بھی سترہ سال کی ہوں۔ میں نے بھی میٹرک پاس کیا ہے۔ مجھے بھی سب کچھ معلوم ہے"

سن، کان کھول کے۔ بقراط کی نانی۔ وہ تجھ سے بیزار ہو گیا ہے"

میں خود ان سے بیزار ہو گئی ہوں" شہلا کہاں ہار ماننے والی تھی" میں تو سوچے بیٹھی تھی کہ شادی ہو گی تو میں مزے کروں گی۔ اچھے اچھے کپڑے پہنوں گی، اچھے اچھے کھانے کھاؤں گی۔ یہاں وہاں تفریحیں کرتی پھروں گی۔ مگر وہ تو میرے حق میں ایسے یزید بنے کہ گھومنے کیا دیتے۔ مجھے چھت پر بھی جانے کو منع کرتے ہیں۔ بس اچاری میں بند کر کے رکھ دینے کی کسر ہے۔

لڑکیوں کی شادی اس لئے نہیں ہوتی کہ گھومیں پھریں۔ پہلے گھر کا سلیقہ کرتی ہیں۔

"چچی ماں۔ وہ عجیب آدمی ہیں۔ اٹھتے ہی نہیں صفائی والوں کی طرح جھاڑو کی دھن لگتی ہے۔ بس پیچھے پڑ جاتے ہیں کہ پہلے جھاڑو دو پھر کنگھی چوٹی کر کے باورچی خانے میں جاؤ۔ آپ ہی بتایئے۔ میں اگر سولہ سنگھار کر کے باورچی خانے میں گھسوں گی تو سارا سنگار پٹار پسینہ اور راکھ دھول میں ستیاناس ہو کر نہ رہ جائے گا۔ پھر بول بول کر کھانے دوڑتے ہیں کہ تم پھوہڑ ہو بد سلیقہ ہو۔ باپ نے تمیز نہیں سکھائی"

"بیٹی۔ صبح کو جلدی اٹھا کرو"

"مجھے کوئی سویرے سے سویا بھی نہ کرو" وہ تنک اٹھی "میرا تو چچی ماں ریڈیو بجتا رہتا [illegible] گیارہ بج جاتے ہیں۔ نیند آتے آتے بارہ بجتے ہیں۔ بتایئے۔ آپ ہی بتایئے۔ آپ ہی بتایئے۔ صبح کو جلدی کیسے اٹھوں"

"یہ سنا کرو شوار یڈیو ۔"

کہاں سنتی ہوں ۔ وہ سننے بھی تو دیں ۔

بس کرو میاں کی غیبت ۔

ایک دن میں گانے لگی تھی کہ کھائی کے پان بنارس والا ۔ اچھا بھلا گانا ہے ۔ ساری خلقت ہی گاتی ہے ۔ مگر وہ تو مجھے قتل کرنے دوڑے کہ اگر پھر کبھی میں نے یہ مکروہ گیت گایا تو دانت حلق میں اتار دیں گے ۔ ہنہ ۔ کوئی شریف آدمی بیوی سے ایسے لہجے میں بولتا ہے ۔

سچ مچ یہ گیت ہے تو نہایت مکروہ ۔ عجیب کرخت آواز ہے جیسے لوہے کی سلاخیں کانوں میں اترتی چلی جا رہی ہیں ۔ بیٹی شریف بچیاں ایسے واہیات گانے نہیں گاتیں ۔ تم اس کا کہا کیوں نہیں کرتیں ۔!

مجھے معلوم ہے چچی ماں ۔ انھوں نے میری خوب شکایتیں آپ سے کی ہیں ۔ ۔ ۔ اپنی کرنی بھول گئے ہیں ۔

"اس نے بریانی لا کے کھلائی تھی ۔ تم نے اکیلے اکیلے کھالی ۔ اسے نہیں نہیں دی ۔!"

وہ تو روز ہی کھاتے رہیں ۔ ایک دفعہ لا کے کھلا دی تو اخبار میں چھپ گیا ۔ ہنہ ! ۔ ایسے ہلکے پیٹ کے آدمی ہیں ۔ چچی ماں ۔ میں ان کے ساتھ نہیں رہنے کی ۔ میں پپا کے پاس جاؤں گی ۔ مجھے اتنی پابندیاں پسند نہیں ہیں ۔"

اچھی بات ہے اب تو ہو ہی جائے گا فیصلہ ۔ میں تمہارے باپ سے بات کروں گی ۔"

"کیجئے ۔"

کیا تم سے کمال محبت نہیں کرتا ؟

خاک کرتے ہیں محبت ۔ اٹھتے بیٹھتے تو آنکھیں نکالتے رہیں ۔ بات بات پر باپ کا طعنہ دیتے رہیں ۔

مٹھائی لا کے نہیں کھلاتا ۔ کپڑے نہیں خرید دیتا ؟ ؟ ۔ کیوں ۔"

ارے تو لائیں مٹھائی اور کپڑے ۔ کیا میں نے کبھی مٹھائی نہیں کھائی ۔ کپڑے نہیں پہنے ۔ اب مجھے کچھ بھی نہیں چاہیئے ۔ اگر وہ مجھ سے بیزار ہیں تو میں ان سے بیزار ہوں ۔ میں ہرگز ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی ۔ آج رات تک آپ کے پاس سوؤں گی اور صبح کو پپا کے پاس چلی جاؤں گی ۔

"ساری زندگی کیسے گزرے گی ! ۔"

گزرنے کو کیا ہوا ! ۔ چچی ماں ۔ مزے میں گزرے گی ! ۔

چچی ماں نے خوب بوجھ خالی کیا ۔ مگر وہ شہلا ہی کیا ہوئی جو کچھ سمجھ کے دیتی ۔ وہ تو باقاعدہ بسور بسور کے روئی ۔ کاجل لگی پیاری آنکھیں لال کر لیں ۔ اور ایسی ہچکیاں لیں کہ چچی ماں کو اس پر ترس آ گیا ۔ بڑبڑاتی ہوئی بولیں ۔ نگوڑی انگل بھر کی جان کے پیچھے حسن میاں نے کیا بکھیڑا لگا دیا ہے ۔ کم سے کم نگوڑی بیس سال کی تو ہو لینے دیتے ۔ میاں کی کہیت معلوم ہوتی ۔

دوسرے روز سہ پہر کو انھوں نے حسن صاحب کو بلوایا ۔ اور سارا مقدمہ ان کے سامنے رکھا ۔ وہ بڑے غصہ ور تھے ، سب کچھ سن کے غرّائے ۔

"بلوایئے دونوں کو ۔ چار چار تھپڑوں میں سیدھا کر دوں گا بدمعاش گھر بگاڑنے پر تلے ہوئے ہیں ۔"

کمال کو سمجھاؤ ۔ مگر بچی پر سختی نہ کرو ۔" چچی ماں نے سفارش کی ۔

"کمال کی کھال کھینچ کے رکھ دوں گا ۔ اور شہلا کی بچی کو بھی مزہ چکھاؤں گا ۔ لاحول ولا قوۃ ۔ اتنی لمبی زبان ۔ آپ بلوایئے نا بھلا دونوں بدبختوں کو ۔ کہاں ہیں ! ۔"

جیسے چور جج صاحب کے سامنے آتے ہیں اسی طرح دونوں بڑوں کی عدالت میں پیش ہوئے ۔ کمال کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں ۔ پتہ نہیں اس شیطان کی خالہ نے حسن ماموں سے کیا کیا کہا ہے ۔ اب وہ ڈنڈے کی زبان میں بات کریں گے ۔ تب کیا وقعت رہ جائے گی ، اس کی سانسیں رک رہی تھیں ۔ سر جھکا کے بیٹھ گیا ۔ شہلا کا چہرہ بھی دھواں دھواں تھا ۔ باپ کی آنکھوں میں قہر بھری چمک دیکھ لی تھی اور اس کے ہوش گم تھے ۔ کمال نے اس طرف دیکھنے کی بھی ہمت نہ کی ۔ اور خود شہلا تو چوہیا بنی چچی ماں کی پیٹھ کے پیچھے چھپی بیٹھی تھی ۔

اب کہو ۔ میرے سامنے ۔" حسن صاحب گرجے ۔" تم دونوں کو ایک دوسرے سے کیا کیا شکایتیں ہیں ۔ ابھی دور کر دوں گا ! ۔

کمال ؟ ؟ ۔" وہ گرجے

"ج ۔ جی ۔ ماموں جان ! ۔" وہ بے چارہ ہکلایا ۔

"شہلا ؟ ۔" وہ دہاڑ کر اس کی طرف مڑے ۔

"کوئی شکایت نہیں ہے پپا ۔" جھٹ سے وہ بولی ۔" میں نے کوئی شکایت نہیں کی ۔ جی ہاں ۔"

اس نے بھرپور نظروں سے کمال کی طرف دیکھا۔ اور پھر کرائی
"پیا۔ میں اب گھر جا رہی ہوں۔ جاؤں؟"
"جاؤ"
چلئے جی۔ اٹھئے!" اس نے کمال سے کہا اور کمرے سے نکل کر
چلی گئی۔
جاؤ۔ تم بھی جاؤ۔!" حسن صاحب نے کہا اور کمال بھی بھاگا!
"یہ کیا قصہ ہے بھائی" حسن صاحب ہنسنے لگے۔
بالکل بچے ہیں۔ اتنی سی بھی سمجھ نہیں" چچی ماں بھی کھلے دل
سے ہنس دیں "یہ خفائیں بھی محبت کا انداز ہے۔!"

لطیفے

• ایک ڈاکٹر اپنی بیوی کے ساتھ سیر کو نکلا۔ سامنے سے ایک خوبصورت لڑکی آرہی تھی۔ اس نے مسکرا کر ڈاکٹر کو سلام کیا۔ ڈاکٹر کی بیوی جل بھن کر کوئلہ ہو گئی۔
ان صاحبہ سے آپ کی جان پہچان کیسے ہوئی۔
"پیشے کے سلسلے میں" ڈاکٹر نے کہا
آپ کا پیشہ یا اس کا؟

• ایک خاتون نے اپنی کار سے ایک شخص کو ٹکر مار دی۔ زخمی راہگیر نیچے پڑا کراہ رہا تھا اور خاتون مسلسل اسے یہ باور کرانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ غلطی سراسر اس کی تھی۔ "تم بڑی بے احتیاطی سے سڑک پر چل رہے تھے میں ایک تجربہ کار ڈرائیور ہوں اور گزشتہ بارہ سال سے کار چلا رہی ہوں۔
زخمی نے جواب دیا "میڈم! میں بھی بیالیس سال سے پیدل چل رہا ہوں"

• ایک دوست نے دوسرے دوست کو بتایا کہ "میں اور میری بیوی بحر بلیں وغیرہ پھینک مارتی ہے لیکن اس سے ذرا بھی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اگر اس کا نشانہ چوک جاتا ہے تو میں خوش ہو جاتا ہوں۔

• "میری بیوی کو اپنے آپ سے باتیں کرنے کی عادت ہے" ایک صاحب نے اپنے دوست سے کہا۔
"میری بیوی کو بھی یہی عادت ہے" دوست نے جواب دیا "لیکن وہ سمجھتی ہے کہ میں اس کی تمام باتیں سن رہا ہوں۔

• ایک صاحب اپنی محبوبہ کے ڈرائنگ روم میں بیٹھے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ کہ اس کا چھوٹا بھائی آیا اور بولا "آپ کو معلوم ہے کہ میری بہن سے تین لڑکے اور بھی شادی کرنا چاہتے ہیں" ان صاحب نے تعجب اور حسرت کہا۔
"پتہ نہیں، مگر میں نے آج تک کسی اور کو نہیں دیکھا"
بھائی معصومیت سے بولا "دیکھا تو میں نے بھی نہیں مگر بہن نے مجھے پانچ روپے دے کر بھیجا ہے کہ آپ سے یہ بات کہہ دوں"

• ایک مرتبہ برنارڈ شا کو کسی معروف دولت مند خاتون نے ملاقات کے لئے دعوت نامہ بھیجا دعوت نامے کے الفاظ یوں تھے۔ "معزز میزبان خاتون کل شام پانچ بجے اپنے دولت خانے میں موجود ہوں گی۔ ان سے ملاقات کی جا سکتی ہے۔
شا نے دعوت نامے کی پشت پر یہ الفاظ لکھ کر واپس بھیج دیا۔
"یہی صورت عالی جناب حضرت مآب جارج برنارڈ شا کے ساتھ درپیش ہے۔ وہ کل آپ کو اپنے قصر خاص میں باریابی کا شرف بخش سکتے ہیں۔

• بیالوجی کے ایک استاد نے اپنی جماعت کا امتحان لیا۔ امتحان کا ایک سوال یہ تھا کہ "دو یا دو سے زیادہ اجسام باہمی مفاد کے لئے اکٹھے رہیں تو اسے کیا کہیں گے؟"
تقریباً آدھی جماعت نے جواب میں لکھا "شادی"

• فقیر نے اپنا ہاتھ کا کاسہ ایک راہگیر کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔ بابا۔ خدا کے نام پر ایک پیسہ دے جا۔ تیرے بچے جئیں، مکے حج نصیب ہو۔
راہگیر نے کاسہ میں رقم ڈالتے ہوئے کہا! یہ تم نے دو کاسے کیوں رکھ چھوڑے ہیں؟
کاروبار ترقی پر ہے۔ فقیر نے کہا! میں نے پچھلے ہفتے سے ایک برانچ آفس کھول لیا ہے۔

زہرخند

حیات فاطمہ رضوی (بلگرام)

میر صادق صاحب کے خستہ حال مکان کی طرف تجاہل عارفانہ کے ساتھ پشت کیے ہوئے میر تقی صاحب کی حویلی کو لگ بھگ سو برس ہو گئے تھے۔ حویلی کی مضبوط قلعہ نما دیوار کی پشت سے میر صادق صاحب کے مکان کی لونی کھائی ہوئی ککیا اینٹوں کی دیواریں دو طرف سے اس طرح سے جھکی ہوئی تھیں جیسے وہ دونوں ہاتھ پھیلائے اس کو اپنی آغوش محبت میں لینے کے لئے بے قرار ہوں! خدا بھلا کرے خاندانی شجرے کا جس کو میر صادق صاحب "سرکاری کاغذات کی طرح اپنے بکس میں محفوظ کئے ہوئے تھے ورنہ ابنائے وطن تو کب کا فراموش کر چکے تھے کہ ان کا اس حویلی یا حویلی والوں سے وہی تعلق ہے جو کسی درخت کی دو شاخوں کا ایک دوسرے سے ہوتا ہے۔ البتہ فرق صرف اتنا تھا۔ ایک سرسبز تھی اور دوسری خزاں رسیدہ!

"میر تقی صاحب" کی قسمت کا ستارہ بام عروج پر تھا۔ قصبہ کے اندر کوئی ان کا مدمقابل شخص نظر نہ آتا تھا۔ ایک دو ابھرے بھی تو وہ چڑھتے ہی ریٹ پڑے تھے! پورے قصبہ میں ان کے حسن اخلاق اور رواداری کا بہت گہرا اثر تھا۔ اپنی ذاتی خوبیوں کی بدولت میر صاحب اتنے ہر دلعزیز تھے کہ ہر سال بغیر مقابلہ ہی وہاں کے چیئرمین منتخب ہو جاتے تھے۔ وہ روز صبح کے وقت ہوا خوری کی غرض سے قصبہ کے باہر اپنے باغوں کی دیکھ بھال کرتے فٹن پر بیٹھ کر جایا کرتے تھے۔ ان کی فٹن "صادق میاں" کی گلی سے ان کی ڈیوڑھی کے سامنے سے ہو کر گذرتی تھی۔ صادق میاں کے معصوم بچے "مسعود اور زرینہ" ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز سنکر کھیل چھوڑ کر دروازے کی طرف دوڑ پڑتے اور جب تک فٹن نظر آتی رہتی اسے دیکھتے رہتے۔

مسعود کو "میر صاحب" کی سواری بہت اچھی معلوم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے ابلق گھوڑے جن کے سروں پر لال لال کلغی لگی ہوتی تھی۔ جس وقت سیدھی گردن کر کے دونوں کنوتیاں اٹھا کر مستانہ چال چلتے تو اس کا ننھا سا دل خوشی سے جھوم جھوم کر داد دینے لگتا۔ گھوڑوں کے سموں کی ٹپ ٹپ کی آواز اس کے کانوں کو بڑی سہانی معلوم ہوتی وہ دیر تک کان لگائے ان کے گلے میں پڑے ہوئے گھونگھرو کا ساز سنا کرتا۔ فٹن نکل جانے کے باوجود یہ نظر فریب نظارہ اس کے معصوم تصور پر چھایا رہتا۔ سرخ بجری پر دوڑتی ہوئی فٹن اور اس پر سوار سفید پگڑی باندھے ہوئے سائیس جس کی پگڑی کی چمکتی ہوئی سنہری پٹی پر دھوپ کی روشنی میں قوس قزح کے رنگین پھول بکھرانے بڑی حسین معلوم ہوتی تھی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں گھوڑوں کی لگام تھامے اس کو دھیرے دھیرے ہلاتا ہوا بیٹھا ہوتا اور پیچھے کے حصہ میں "میر صاحب" سبز رنگ کا بڑا سا صافہ باندھے دودھیا سفید کپڑے پہنے کڑک مرغی کی طرح پر پھلائے پیچھے ایک شان بے نیازی کے ساتھ ٹیکے ہوئے گذر جاتے۔ لیکن مسعود کے معصوم تصور میں دادی اماں کی کہی ہوئی "الف لیلیٰ" کی کہانیوں کا افسانوی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ اس کو "میر صاحب" کی سواری کسی بادشاہ کی سواری معلوم ہونے لگتی۔ اپنے بستر پر لیٹتا تو ان کی عالیشان حویلی کی قلعہ نما دیواروں پر کسی قلعہ کا دھوکا ہونے لگتا تھا۔ حویلی کی بلندی پر بنے ہوئے جھروکوں کے پیچھے سے ابھرتے ہوئے چاند کی روشنی دھیرے دھیرے اس کے صحن اور گھر کی دیواروں پر چاندی کے نکھ پارے سے پھیلا دیتی اور تب ہی اس کا معصوم تخیل "شہزادے تاج الملوک" کی طرح اس حویلی کے اندر گل بکاؤلی کا پھول تلاش کرتے کرتے غافل ہو جاتا کیونکہ اس سال عید کے موقع پر اس نے دیکھ لیا تھا کہ "میر صاحب" کے پاس حویلی کے اندر جو حوض ہے اس میں "گل بکاؤلی" کا پھول ہے! ہو نہ ہو شہزادی "گل بکاؤلی" بھی وہیں کسی گوشہ میں چھپی ہوئی ہوگی!!

عید والے دن جو چہل پہل میر صاحب کے یہاں نظر آتی تھی وہ قصبہ کے اندر کہیں دکھائی نہ دیتی تھی۔ جھاڑ فانوس سے بڑے بڑے ہال کافوری قمقموں کی روشنی سے جگمگایا کرتے تھے۔ عود و عنبر کی خوشبوئیں گوشہ گوشہ میں اڑی اڑی پھرتی تھیں۔ ایرانی قالین اندر سے باہر تک بچھے دکھائی دیتے تھے۔ دیوان خانہ کے وسیع صحن میں ایک بڑا سا حوض تھا۔ جس میں کئی فوارے پھولوں سی کھیلا کرتے

حوض کے اندر سرخ سبز اور سنہری مچھلیاں پانی کے اندر اچھل کود کر عید کی خوشیاں منایا کرتی تھیں۔ اور اسی حوض میں فواروں کے درمیان ایک بڑا سا گلاب کا پھول فواروں کی ہلکی ہلکی پھوار میں متحرک دکھائی دیتا تھا۔ فانوس میں جلنے والی کافوری شمعوں کی روشنی حوض کے پانی میں قوس قزح کے رنگ برنگے پھول بکھراتی ہوئی معلوم ہوتی تھیں جو نظروں کو سرود بخشنے والا نظر فریب منظر ہوتا تھا۔

مسعود نے اپنی زندگی میں پہلی بار یہ نظر فریب منظر دیکھا تھا۔ وہ معصومیت بھری پھیلی پھیلی آنکھوں میں مسرت کی اچھوتی خوشیاں لئے مبہوت بنا دیکھتا رہا۔ اچانک چلتے چلتے اس کی نظر اس پھول پہ پڑ گئی۔ وہ اپنی جگہ پر اچھل پڑا اس نے "گل بکاؤلی" کا پھول دیکھ لیا تھا! وہ معصوم قلقاری بھر کر چیخ پڑا: "وہ پھول!... "گل بکاؤلی" کا پھول!!"

عید ملنے جلنے والوں کے ہجوم میں گھبرا کر صادق میاں نے اس کو اپنی گود میں اٹھا لیا کہیں وہ مچل نہ جائے اور مسعود کی حیرت زدہ خوشی عید ملنے جلنے والوں کے ہجوم میں کھو گئی۔!

لیکن طلسماتی دنیا کے معصوم تصورات میں بسنے والے بچے کی تلاش و جستجو دن بدن بڑھتی گئی۔ اور رفتہ رفتہ اس کو یقین آ گیا کہ "گل بکاؤلی" کا پھول جس دیو کے قبضہ میں ہے وہ میر صاحب کے سوا کوئی نہیں! کیونکہ ایک دن وہ گھر کی نالی میں بیٹھا ہوا پیشاب کر رہا تھا کہ فٹن کی گھڑگھڑاہٹ کے ساتھ گھوڑے کے ٹاپوں کی آواز کان میں آئی۔

"زرینہ ڈیوڑھی سے چیخی۔ بھیا جلدی آؤ! جلدی آؤ!!"

مسعود پاجامے کا کمر بند باندھتا ہوا ڈیوڑھی کی طرف بھاگا ——— لیکن ڈیوڑھی کا دروازہ پھاندتے ہوئے اس کا پائنچا دروازے کی کنڈی میں الجھ گیا اور وہ سنبھلنے کی کوشش کرتے کرتے منھ کے بل دہلیز پر گر پڑا! اور ٹھیک اسی وقت میر صاحب کی فٹن دروازے کے قریب آ گئی۔ جلدی سے اٹھنے کی کوشش میں کنڈی سے الجھا ہوا پائنچا نیچے کی طرف کھنچ گیا اور وہ کمر تک برہنہ ہو گیا۔ "میر صاحب" کے سامنے گرنے کی خفت چھپے ہوئے شوق کا ان پہ عالم بے جا تھا وہ تھا اس پر یہ کہ وہ کمر تک برہنہ ہو گیا تھا۔ یہ تمام کیفیتیں ایک ساتھ میاں مسعود پر گذریں تو اس کا چہرا سرخ بھبھوکا ہو گیا! گھٹنوں کی چوٹ بھول بھال کر رونا دھونا بند کر کے اس نے ایک نظر "میر صاحب" پر ڈالی تو ان کا ہنستا ہوا چہرا اس کی نظر کے سامنے تھا۔ ان کی بڑی بڑی مونچھوں کے اندر سے مسکراتے ہوئے ہونٹ اس کا بے تحاشہ مذاق اڑاتے ہوئے معلوم ہوئے!! وہ گرتا پڑتا ہوا الٹے پیروں گھر کے اندر بھاگ گیا۔ لیکن ان کی خوفناک مسکراہٹ اس کا پیچھا کرتی رہی!!

رات کو جب قصبہ کے اندر سناٹا ہونے لگا گلیوں میں کتوں کے بھونکنے کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور دور کہیں سے گیدڑوں کی ہوا ہوا کی صدائیں بلند ہونے لگیں۔ اور ٹھیک اسی وقت میر صاحب کے بالائی پھاٹک پر سے پہریدار کی گرجتی ہوئی آواز خاموش فضا کا سینہ توڑتی ہوئی دور تک گنگناتی ہوئی نکل گئی تو چونک کر مسعود کی آنکھ کھل گئی۔ ایک آوارہ کتیا گلی کے نکڑ پر منھ اٹھائے رو رہی تھی! اس نے سہم کر "میر صاحب" کی حویلی کی طرف دیکھا! — میر صاحب کی حویلی اس وقت "گل بکاؤلی" کا طلسماتی قلعہ معلوم ہو رہی تھی دیو پہرا دے رہے تھے۔ طلسماتی حوض میں اچھلتی کودتی ہوئی سنہری مچھلیاں دکھائی دینے لگیں۔ لیکن اس کی نظریں تو شہزادی "گل بکاؤلی" پر پڑ رہی تھیں۔ سرخ سبز قمقموں کی روشنی میں اپنے پھول کو لینے کے لئے وہ بہت سی پریوں کے جھرمٹ میں آئی ہوئی تھی۔ اس کے سر پر سنہرا تاج تھا۔ بال بال موتی پروئے مگر جیسے ہی اس شہزادی نے چاہا کہ وہ پھول اٹھا لے! ویسے ہی یکدم بھونکتی روتی آوارہ کتیا کو کسی راہگیر نے زور سے لاٹھی ماری وہ چیں چیں کرتی ہوئی بھاگی! پریاں پھر پھر شہزادی کے ساتھ اڑ گئیں! مسعود کی آنکھوں کے سامنے دیو آ گیا بڑی بڑی مونچھوں کے اندر مسکراتا ہوا چہرا پر ہیبت چہرا!! "میر صاحب" اس کا مذاق اڑاتے ہوئے سامنے کھڑے تھے۔ مارے ڈر کے اس نے دادی اماں کے سینہ میں اپنا منھ چھپا لیا اور زور سے اپنی آنکھیں بھینچ لیں!!

آخر ایک دن اس سے صبر نہ ہو سکا وہ دادی اماں سے پوچھ بیٹھا۔

"دادی اماں! سفید دیو میر صاحب ہی تو ہیں حویلی والے"! کہانی کہتے کہتے دادی اماں نے ایک ٹھٹھا لگایا اور سب بھی ہنسنے لگے۔ مسعود نے کھسیا کر ان کے کپڑے نوچ لئے "آپ بتاتی کیوں نہیں ہیں"؟!

دادی اماں ہنستے ہنستے لوٹ گئیں لیکن جب مسعود کپڑے نوچتے نوچتے رونے پر آمادہ ہو گیا تو انھوں نے تنگ آ کر کہا: "ہاں بیٹا!

تم ٹھیک سمجھے!!

مسعود نے اطمینان کی سانس لے کر کہا: "تو پھر آپ منتی کیوں ہیں"! ہم نے تو ان کی حویلی میں حوض کے اندر گل بکاؤلی کا پھول دیکھا ہے"!!

مسعود بیچارہ کیا کرتا! میر صاحب کے گھر کی باتیں بھی تو دادی اماں قصہ کہانیوں کی طرح کیا کرتی تھیں کتنی اچھی تھیں دادی اماں! مسعود کو گھر بھر میں وہ سب سے پیاری تھیں اچھی اچھی کہانیاں جو کہتی تھیں وہ آندھی آئے یا پانی برسے وہ کہانیاں ضرور سنتا تھا۔ دادی اماں کی باتیں بھی تو قصہ کہانیوں کی طرح دلچسپ ہوتی تھیں!

ساون رُت تھی۔ رِم جھم رِم جھم پانی برس رہا تھا۔ اندھیرا چھایا ہوا تھا اس پر دھواں دھار پانی برسا کیا۔ سامنے آنگن میں تالاب سا بھر گیا تھا۔ اپنے گھر کی چھتوں کا پانی تو باہر گرتا تھا۔ لیکن میر صاحب کے گھر کے نابدانوں کا پانی انہی کے صحن میں گرتا تھا۔ دن کے وقت تو وہ اس میں ناؤ بنا بنا کر چھوڑتا تھا۔ لیکن اس وقت تو وہ اپنے ابا میاں کے ساتھ میر صاحب کے باغ کے قلمی آم چوس رہا تھا۔ ابا میاں آم کے چھلکے پانی میں پھینک رہے تھے۔ دالان میں جلنے والی لالٹین کی روشنی میں پانی جھلملا اٹھتا تھا۔ وہ امی سے کہہ رہے تھے۔

"میر صاحب کے باغوں کی آمدنی لاکھ دو لاکھ ہے"!

"ہاں بیٹا! دادی اماں نے اپنا پوپلا منہ چلا کر کہا: "[illegible] کی رات لکشمی دیوی نے جو گھی کے چراغ جلا کر [illegible] کے ہی گھر کے کونوں پر رکھے ہیں حویلی کے چار کونے ہیں اور چاروں روشن ہیں"!!

دادی اماں کی یہ بات مسعود کی سمجھ میں نہ آئی۔ اس نے دالان کے در سے جھانک کر حویلی کی بلند دیوار کو دیکھا جو اندھیری رات میں مشکل سے نظر آئی۔ کالی گھنگھور گھٹائیں اُمڈ اُمڈ کر چل رہی تھیں ایک کئے دیتی تھیں۔ البتہ دالان میں جلنے والی لالٹین کی روشنی حویلی سے گرنے والے نابدانوں کے گرتے ہوئے پانی میں جھلملا رہی تھی۔ وہ اس روشنی کو دیکھ کر چیخ اٹھا: "وہ چمک رہی ہے روشنی! کیے دادی اماں! یہی گھی کے چراغ کی روشنی ہے"!!

دادی اماں نے اپنی حسبِ عادت ایک ٹھٹھا لگایا۔ امی اور ابا میاں مسکرانے لگے۔ لیکن مسعود دادی اماں کے گھٹنوں پر بیٹھ کر سر ہو گیا "لکشمی دیوی نے ہمارے گھر کے کونوں پر گھی کے چراغ کیوں نہیں جلائے"!

اور اس کے جواب میں دادی اماں نے ایک سرد آہ بھر کر کہا "برسیں ہو گئیں وہ ہم سے روٹھی ہوئی بیٹا!"

"آپ ان کو مناتی کیوں نہیں ہیں"؟ مسعود نے اپنے ننھے ننھے ہاتھوں پر ان کا چہرہ اٹھا کر دیکھا۔

"پھر مجھ کو کہ جب تم سیانے ہو جاؤ گے، انشاء اللہ، تب وہ خود ہی من جائیں گی اور پھر اس گھر کے بھی کونے کونے میں روشنی پھیل جائے گی"! بوڑھی دادی کی ضعیف آنکھوں میں امید جھلکتی نظر آنے لگی۔

"اتنے سیانے جتنے ہمارے ابا میاں ہیں"؟ مسعود نے سوال کیا۔

"ہاں! دادی اماں نے اس کو بستر پر لٹا کر کہا: اب تم کہانی سن کر سو جاؤ"!!

اور مسعود کہانی سنتے وقت بھی بیچ بیچ میں سوچتا رہا پڑھ لکھ کر جب وہ بڑا ہو گا تب ہی اس کے گھر کے کونوں پر گھی کے چراغ جلا کر لکشمی دیوی روشنی کریں گی۔ وہ آئیں گی، ان کے ہاتھ میں چراغ ہو گا لال پری، سبز پری کی طرح ان کے بھی پر ہوں گے تب ہی تو وہ میر صاحب کی اتنی اونچی حویلی پر گھی کے چراغ رکھ پاتی ہوں گی ورنہ وہاں تک تو [illegible] کے اتنے لمبے آدمی بھی بغیر سیڑھی لگائے پہونچ نہیں پاتے ہیں۔

"گل بکاؤلی کے پھول" "گھی کے چراغ" اور "لکشمی دیوی" کی جستجو اکثر اس کو میر صاحب کے پھاٹک تک لے جانے لگی۔ اور اسی جستجو میں ایک دن وہ پھاٹک کی سلاخوں سے ان کے دیوان خانے کے صحن میں جھانک رہا تھا کہ میر صاحب کے شریر لڑکوں نے اس کو دیکھ لیا۔ گیند کھیلتے کھیلتے ان سب نے ایک شور مچا دیا۔ کچھ لڑکے گیند لے کر اس کی طرف دوڑ پڑے اور اس کی پشت پر گیند دھڑاکا شروع کر دیا۔ خلاف توقع وہ اس کے لئے تیار نہیں تھا۔ بوکھلا کر اس نے اپنی نیکر سنبھالی اور بھاگنے کی کوشش کی لیکن ہنسی کی پھوار چھوڑتے ہوئے بچوں میں سے کسی ایک نے تاک کر گیند اس کی پشت پر مار ہی دیا۔ مسعود نے ڈر کر ایک چیخ ماری! دروازے پر کھڑے ہوئے ملازمین بے ساختہ ہنس دیئے۔ بچوں میں شور کا نعرہ ہوا "جانے نہ پائے پکڑ لو"!

بدحواس ہو کر وہ ایک سیڑھی کے بجائے دو دو سیڑھیاں پھاندتا ہوا بھاگا۔ بھاگنے میں نیکر ڈھیلی ہو کر ٹانگوں میں پھنس گئی اور وہ الجھ کر نالی میں گر پڑا۔ [illegible] میں لت پت ہو گیا!

اس کو گرتے دیکھ کر میر صاحب کے شریر بچے شور مچاتے ہوئے پھاٹک کے اندر چلے گئے۔ پڑوس کی ایک عورت اس کو اٹھا کر

گھرائی۔ امی اور دادی اماں اس کے رونے کی آواز سنکر دوڑ آئیں۔ ابا میاں کمرے سے باہر نکل آئے "کیا ہوا؟ کہاں گرے؟" کی صدائیں ایک دوسرے میں ہم آواز ہو کر ٹکرائیں۔

ساتھ والی عورت نے تمام واقعہ نمک مرچ لگا کر سنایا "بڑے شریر بچے ہیں بی بی! تم اپنے بچے کو ان کے بچوں کے پاس مت جانے دیا کرو!"

اپنے بچے کی یہ توہین دیکھ کر امی نے ایک گھونسہ اور اس کی پشت پر لگا کر کہا "وہ بڑے آدمی ہیں تو اپنی گت بنوانے ادھر گیا کیوں تھا؟"

مسعود نے ایک فلک شگاف چیخ پھر ماری! اور یہ دیکھ کر دادی اماں بلبلا کر بولیں "واہ دولہن واہ! تم مرے پر سو درے لگانے لگیں۔ میر صاحب بڑے ہوں گے اپنے پاس رکھیں میں کسی کا شرمندہ احسان نہیں دیکھو میں جا کر میر صاحب سے شکایت کروں گا بڑی اچھی تربیت کر رہے ہیں وہ بچوں کی!!"

آمنے سامنے کی بات پر امی لرزاں ہو کر بولیں "بھئی رائی کو پربت نہ بناؤ! وہ بڑے آدمی ہیں تمہارا ان کا کیا مقابلہ ہے — !"

"ٹھیک کہتی ہو جی! وہ گرج کر بولے۔ تم ہی یہ بھول جاؤ گی تو یاد کس کو رہے ۔ ۔ ۔ ۔ قسم ہاؤ اٹھا کر دیکھ لیں جو میں وہ وہ ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ وہ غصہ میں ہکلانے لگے۔

لیکن امی نے ان کے غصہ پر پانی کا چھینٹا مارتے ہوئے کہا "یہ کب تک یوں ہی مارا مارا پھرتا رہے گا۔ اس کے لئے ماسٹر کا انتظام کرو!"

سب خاموش ہو گئے لیکن اتنی دیر میں کسی نے یہ نہ دیکھا کہ معصوم زرینہ نے غصہ میں آکر اپنی فراک کا گریبان پھاڑ ڈالا ہے

مسعود کی زندگی میں یہ حادثہ بہت سنگین نوعیت کا تھا جس نے گھر کے اندر ایک ہلچل مچا دی تھی۔ اس مدت کے بعد جب بھی میر صاحب کی نشست کی گھرگھراہٹ گلی میں سنائی دیتی دادی بیچاری بہت بے چین ہو کر پہلو بدلتے بہت صبر کے بعد زرینہ [illegible] کی طرح سمجھا [illegible] وہ اس کا اس بچے [illegible] کی طرف [illegible] جاؤ! اگر جو ہی گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز [illegible] گھوڑوں کے ساز بجے دل پہلو میں بے قرار ہوتا [illegible] چوروں کی طرح ڈیوڑھی میں آ جاتے۔ دروازہ بند کر کے اس کی درازوں

میں منہ ڈال کر منہ چڑاتے "ری ری ای ای !"

اور جب وہ دروازے کے سامنے سے گذر جاتے دونوں دروازے پر گھونسے مارنے میں مشغول ہو جاتے اور یہ تیس مار کی کر کے دونوں خوشی کے عالم میں قلقاریاں مار کر اچھلنے کودنے لگتے!!

مسعود میاں کی بسم اللہ کروا دی گئی۔ شروع شروع میں تو استاد اس کو بے حد ناپسند ہوئے مگر جب انھوں نے دادی اماں سے بھی زیادہ اچھی اچھی کہانیاں پڑھا کر اس کی خوشی پوری کرنا شروع کر دی تو وہ وقت سے پہلے ہی اُن کا منتظر رہنے لگا۔

مسعود میاں ذہن کے بڑے تیز نکلے کتابیں پڑھتے نہیں بلکہ یہ کہنا چاہیئے کہ پی جاتے تھے۔ وقت پر لگا کر پھر پھر اڑنے لگا اور اسی تیزی کے ساتھ مسعود کی تعلیمی پوزیشن بھی رہی۔ وہ اپنے سے ایک گنہ اونچے طالب علم پر سے فٹ بال کی طرح پر بیٹھے نظر آتے تھے۔ ایک تو تحیر ہی نے ستم ظریفی کی تھی کہ میانہ قد تھے جسمانی حیثیت سے ہیں میاں ہی کہنا درست ہے اس پر کمسنی کا بھولاپن قیامت ڈھایا کرتا! اتنے حقیر انسان پر عموماً لوگوں کی نظریں کم ہی پڑتی ہیں۔

استادوں میں وہ پہلے ہی ہر دلعزیز رہے ہوں لیکن خاص و عام میں ہفلٹ بن کر تب ہی پہونچے جب اے۔ آئی۔ ایس کا رزلٹ آوٹ ہوا!

البتہ ان کے سب سے چھوٹے لڑکے نقی میاں کا اور مسعود کا مقابلہ ساتھ ساتھ رہا ایک شہ سوار تھے اور دوسرے پاپیادہ! مگر مسعود نے زقند بھری تو نقی میاں کو پیچھے کی ہی سیٹ پر بیٹھنا نصیب ہوا۔ فسٹ رہوا۔ فسٹ پوزیشن مسعود ہی کی تھی!!

باہر کی خبر کو تو اللہ جانے! مگر اپنے قصبہ کے اندر واہ واہ کی دھوم مچ گئی!!! اخباروں میں تصویر نکلی تھی، گھر گھر ہونہاری کے کے چرچے ہوتے! —

اخبار میر تقی صاحب کے ہاتھ میں تھا۔ مبارکباد دینے والوں کا ایک سلسلہ تھا جو صبح سے ان کے دیوان خانے میں جاری تھا۔ لیکن جس وقت ان کے بے تکلف دوست حکیم صاحب نے [illegible] کو مبارکباد دی تو انھوں نے [illegible] اپنی بھوری مونچھوں کی نوکوں کو جھکا کر ماتھے پر چند شکن [illegible] پیشانی کے ساتھ کہا "حکیم صاحب! نقی میاں کی تعریف کیا کیجئے

ہو؟ تعریف تو اس لڑکے کی ہونہاری کی کرنا چاہیئے جس نے پوری بستی میں اپنے خاندان والوں کا نام روشن کیا۔ ! نہ معلوم کس خوش نصیب باپ کا بیٹا !! حکیم صاحب نے اپنے بڑے سے توند کو ہاتھ سے سہلاتے ہوئے ایک بھرپور قہقہہ لگایا اور بولے "قربان جائیں دوست تمہارے تجاہل پر ــــ ! تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہو ! اماں ! یہ بچہ آپ کی نشست پناہی میں رہنے والے صادق میاں ہی کا تو ہے !!

واللہ !" تقی میاں نے اپنی جھکی ہوئی مونچھوں کو اوپر کی طرف تاؤ دیتے ہوئے خوشی کا نعرہ لگایا۔ اور مسکراہٹ کے پھول بکھراتے ہوئے فرمایا "سمجھ گیا سمجھ گیا !! یہ وہی بچہ ہے جو فٹن کی آواز سن کر ڈیوڑھی پر دوڑ آتا تھا۔ وہ تو اپنا ہی خون جگر ہے" ! واہ بیٹا واہ ! خوب بزرگوں کا نام روشن کیا ! چلو حکیم صاحب ! صادق میاں کو مبارکباد دے آئیں" ــــ !

زندگی میں پہلی مرتبہ تقی میاں کی حویلی کی خمیدہ پشت پر یہ گھونسہ تھا جس نے "صادق میاں" کی طرف دیکھنے کو مجبور کر دیا !!

"میر صاحب" کو اپنے گھر آتے دیکھ کر صادق میاں کی آنکھوں میں چاندنی سی چمک آ گئی دونوں ایک دوسرے سے بغلگیر ہوئے تو آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔

"میر صاحب بہت دور اندیش اور موقع شناس بزرگ تھے۔ گھر میں خدا سلامت رکھے رانی بٹیا سیانی ہو گئی تھیں۔ خاندان باہر وہ ہاتھ پھیلانے تو نہ جاتے۔ چنانچہ اودھر عید زمانے بھر کی خوشیاں سمٹ کر مسکرائی اور ادھر میر صاحب نے صادق میاں کو گلے لگاتے ہوئے یہ بات کہہ ڈالی "میاں ! سال بھر میں کہیں ایک بار گلے ملتے ہو ! کیا اچھا معلوم ہوتا ہے ؟ کیوں نہ ہم تم زندگی بھر کو گلے لگ جائیں ؟ پرانی رشتہ داری نئی ہو جائے ! مسعود میاں ہمارے اور رانی بٹیا تمہاری ہو جائے !

ہونا کیا چاہیے دو آنکھیں ! صادق میاں کی زندگی میں بہار سمٹ آئی۔ اگرچہ مسعود ... نہیں تھا۔ لیکن میر صاحب کو شادی کے پورے اختیارات دیکر وہ خوشی خوشی گھر لوٹ آئے اور یہ خبر جانفزا سنکر گھر والوں کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ رہا۔ بادی اماں اور امی کی آنکھوں کے سامنے ساری رات حویلی کی پشت لوٹ کر

اس میں عید و الے بنے رہے۔ اور اس میں سے ایک نوخیز حسین دولہن جگمگاتے ہوئے کپڑوں میں ملبوس پائل کی جھنکار کے ساتھ ہولے ہولے شرماتی لجاتی نکلتی رہی !!

نئی نئی سروس کی وجہ سے عید کی چھٹیوں میں مسعود گھر نہیں آسکا تھا۔ لیکن پہلی فرصت ملتے ہی وہ روانہ ہو گیا۔ موٹر سے بس اسٹینڈ پر اترتے ہی مبارک سلامت کا شور چاروں طرف سنائی دینے لگا۔ اس مرتبہ اس کو اپنے وطن میں حسن اخلاق کی اچھی مثال ملی وہ کبھی مخاطب تھے جن سے جان پہچان ہوتے ہوئے کبھی صاحب سلامت نہ تھی۔ تقدیر کیا بدلی زمانہ بدل گیا ــــ !

گلی کے نکڑ تک آتے آتے مغرب کا وقت ہو گیا تھا میونسپلٹی کی لالٹین کی روشنی میں اس کا سایہ پھیلتے پھیلتے ایک دم سمٹ کر پیروں میں گم گیا۔ گلی میں کافی سناٹا تھا۔ صرف اس کے پیروں کے جوتوں کی بھاری بھاری چاپ سنائی دے رہی تھی۔ ادھر ڈھرتی ہوئی شفق اینٹوں کی عمارتوں کے اوپر پتلا سا چاند اس کے ہمراہ چلتا نظر آ رہا تھا۔ جس کی دھیمی دھیمی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ تمام دن کی شدید گرمی کے بعد اس وقت موسم ہلکی ہلکی ہواؤں سے بیحد سہانا ہو گیا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ دادی اماں نے لپک کر سر سے پیر تک کی بلائیں لے لیں امی چائے ناشتہ کی فکر میں باورچی خانے کی طرف دوڑیں۔ زرینہ نے لوٹے میں پانی بھر کر کھونٹیوں کی جگت پر رکھ دیا۔ صحن میں ہر طرف ہلکی ہلکی چاندنی چھٹک رہی تھی۔ وہ منہ دھونے جگت پر بیٹھا تو جگت پر رکھے ہوئے کورے گھڑوں کی سوندھی سوندھی خوشبو مہک رہی تھی۔ دن بھر کی تپش اور لو کے تھپیڑوں کے تھپیڑے کھائے ہوئے رخساروں پر ٹھنڈے ٹھنڈے پانی کے چھینٹے پڑے تو طبیعت کو اک گونہ سکون کا احساس ہوا ! خشک مٹی پر پانی پڑتے ہی مٹی کی سوندھی سوندھی خوشبو کا بھبکا اٹھ کر ناک میں پہونچ گیا۔ کہ اچانک حویلی کی بلند بالا دیوار کے تابدان سے قل قل کرتا ہوا پانی نیچے صحن کی طرف گرنے لگا۔

مسعود نے چونک کر دیوار کی بلندی کی طرف دیکھا۔ پتلا سا چاند چھوکلوں کے اوپر چمک رہا تھا۔ اور بادلوں نے کس صاحب کا جھاگ تیزی کے ساتھ رینگتا ہوا نیچے کی طرف بھاگا چلا آ رہا تھا۔

جس کی خوشبو سارے صحن میں پھیل رہی تھی۔

تیوری پر بل ڈال کر مسعود نے دادی اماں کی طرف دیکھا اور بیزاری کے لہجہ میں کہا۔

"نہ معلوم کتنے عقلمند ہمارے بزرگ تھے؟ جنھوں نے اپنے گھر کے اندر تابدان کرنے کی اجازت دے دی!!"

دادی اماں نے ذرا فخر کی ادا سے گردن اٹھا کر جواب دیا۔

"بیٹا! تمہارے ابا میاں اور میر صاحب کے دادا سگے بھائی تھے۔ بھائی کو بھائی کیسے منع کر دیتے!"

"ٹھیک ہے!" مسعود نے طنزیہ منہ بنا کر کہا۔ "تب ہی ابا میاں کے دادا کی اولاد کے ساتھ ان کے دادا کے یہ حسن سلوک ہیں؟ گلے لپٹ لپٹا کر ہم پر کیچڑ اچھالتے ہیں —!"

"آج کل رانی بٹیا کوٹھے پر رہتی ہیں بھائی جان!" زرینہ نے اس کے کندھے کی طرف جھک کر سرگوشی کی۔

"میر صاحب اور ابا میاں نے ان کے ساتھ آپ کی شادی طے کر دی ہے"!!

مسعود نے حیرت زدہ ہو کر اپنا چہرہ دیر اٹھایا تو امی اور دادی اماں کی خوشیوں میں ڈوبی ہوئی مسکراہٹ نے تمام راز افشا کر دیا۔ اور ابا میاں نے گھر میں داخل ہوتے ہی اس کو گلے لگاتے ہوئے کہہ دیا "صبح میر صاحب کے یہاں چل کر ان کو سلام کر آنا تمہاری آمد سن کر وہ بہت خوش ہیں!"

میر صاحب کا ذکر آتے ہی مسعود کے بدن میں ان کی مسکراہٹ کی سوئیاں سی چبھنے لگیں! اس نے کہنا چاہا کہ میں نہیں جاتا ان کے سلام کو بڑے ہوں گے اپنے لئے ہوں گے!!

لیکن یہ بات باپ کے ادب سے دل میں گھٹ کر رہ گئی۔

وہ سونے کے لئے بستر پر لیٹا تو نظروں کے سامنے حویلی کے اوپر بکھرے ہوئے ستارے ایک سنہرا طلسمی جال سا پھیلانے لگے۔ یہ حسین سنہرے جال بچپن کی طلسماتی کہانیوں میں مدغم ہوتے چلے گئے۔ تاج الملوک "گل بکاؤلی" کا پھول ... کی تلاش .... سلسلہ خیال حقیقت کی شکل میں حویلی کے اوپر چھٹکی ہوئی چاندنی میں جھروکے کے اندر ایک ماہتابی چہرہ جھلملاتے ہوئے ستاروں کی جھلمل میں چھپ چھپ کر کھیلنے لگا۔ بچپن کے ماحول کا اثر اب بھی ایک سہانے خواب کی طرح اس کو محسوس ہو رہا تھا۔

صبح کے ابھرتے سورج نے خوش آمدید کہہ کر مبارکباد دی! ابا میاں نے چائے ناشتہ سے فارغ ہوتے ہی فہمائش کی "چلو بیٹا! میر صاحب کے یہاں"!!

برخورداری اور وہ بھی سعادت مندی کی حالت میں مسعود تیار ہو کر بے چون چرا اس طرح ان کے پیچھے جا رہا تھا جیسے کسی ضدی اور ہٹیلے بچے کو استاد کے سامنے کان پکڑ کر لے جاتے ہیں۔ دل میں میر صاحب کی مسکراہٹ کی ہیبت اور چبھن! نہیں جانا چاہتا ہوں کی مسلسل تکرار بڑی مشکل کا سامنا تھا۔ مگر باوجود اس کے چور دروازے سے جھانکتی ہوئی شوق و اشتیاق کی حسین دیوی! ..... بچپن میں وہ اکثر ابا میاں کے ہمراہ گیا تھا۔ اس کے بعد تعلیمی سلسلہ شروع ہو گیا۔ اس کا شعور بیدار ہو چکا تھا۔ وہ سب کچھ برداشت کر سکتا تھا لیکن ان کی وہ معنی خیز مسکراہٹ ..... جو اس کے بدن میں سوئیاں سی چبھونے لگتی تھی۔ اس کی برداشت سے باہر تھی۔ نہ معلوم کیا سمجھتے ہیں اپنے آپ کو لاٹ صاحب!

میر صاحب کے دیوان خانے میں قدم رکھتے ہی پینے کی تمباکو کا خوشبودار دھواں ناک سے ٹکرایا! یہ ان کے دیوان خانے کی مخصوص خوشبو تھی وہ حقے کے بہت شوقین تھے۔ راستہ میں ملتے ہوئے ملازمین نے معنی خیز انداز میں مسکرا کر اور جھک جھک کر ادب سے سلام کئے۔ میر صاحب پر نظر پڑتے ہی فرش کی ریشمی زمین پر اس کے پیر دھنستے ہوئے محسوس ہونے لگے۔

علی گڑھ کٹ پائجامہ اور سرج کی سیاہ رنگ کی شیروانی میں جچتے ہوئے مسعود میاں نے ایک اچٹتی ہوئی گھبرائی نظر ان پر ڈالی سر جھکا کر ادب کے ساتھ سلام کیا لیکن اتنی دیر میں اس کے کانوں کی لویں سرخ ہو کر جلنے لگیں! وہی بڑی بڑی مونچھوں کے اندر مسکراتے ہوئے قیامت خیز لب! آنکھوں میں بھری ہوئی بے تحاشہ خوشی! جیسے ابھی ابھی وہ ایک فلک شگاف قہقہہ لگانے والے ہیں!

اس کو ایسا لگا زبان سنبھالنا مشکل ہو گیا تھا۔ ان کی زبان سے نکلے ہوئے ہر جملے کے بعد وہ نظر بچا بچا کر انکے چہرے کا

جائزہ لے لیتا لیکن ہر بار وہی........ وہی خونخوار ظالم
مسکراہٹ..... حد یہ کہ ملازمین کی نظریں معنی خیز تھیں اس
نے وہی مکروہ ہنسی اور شادابی ان کے چہرے پر دیکھی جس سے
وہ اپنے بچپن میں خائف سا تھا ۔! بات بات پر قدم قدم پر
وہی مسکراہٹ..... جیسے ببول کے کانٹوں میں وہ الجھ کر رہ گیا ہو!
کلائی کی گھڑی دیکھ دیکھ کر وقت کٹا۔ میر صاحب اپنی خوفناک
مسکراہٹ کے ساتھ اس سے تھوڑی دیر اور بیٹھنے کی فرمائش کرتے
رہے لیکن وہ ضروری کام کا بہانہ کرکے کھڑا ہو گیا۔

ہال سے نکل کر وہ دیوان خانے کے صحن میں آیا تو اس کو ایسا
محسوس ہو رہا تھا جیسے پھانسی کے تختہ پر سے اترا ہے! لیکن باوجود
اس اذیت بخش کیفیت کے صبح کا وقت حویلی اور دیوان خانے کے
باہر تک بڑا سحر انگیز معلوم ہو رہا تھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کے
جھونکے بڑے بھلے معلوم ہو رہے تھے۔ اس نے ایک اچٹتی ہوئی
چور نظر محل کی حرم سرا کی طرف ڈالی جہاں دروازوں اور کھڑکیوں
پر سبز ریشمی پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور ان پردوں کے پیچھے
کیا تھا۔ ایک طلسم تھا ۔! اس طلسم کی جستجو اس کو اپنے
بچپن ہی سے تھی۔ "گل بکاؤلی" تو اسی طلسماتی دنیا میں گم کسی
گوشہ میں..... اس کا شوق اشتیاق میر صاحب کی مسکراہٹ
کی اذیت بخش کیفیت کو چھوڑ کر تیز گام ہو گیا ۔ اکدم اچانک
ایک کھڑکی کے پردے کو حرکت ہوئی اور چند نقرئی قہقہوں کے دھیمے
دھیمے ساز بج اٹھے!

اس کے قدم لڑکھڑا گئے۔ اور پیشانی پر پسینہ کی بوندیں چھلک
آئیں۔ قدم اٹھانا مشکل ہو گئے تھے۔ اس نے گھبرا کر ابا میاں کی طرف
دیکھا۔ جو نہ معلوم کس ہوائی قلعہ کی سیر کر رہے تھے۔ ان کا چہرا دلی
طمانیت سے سرشار تھا۔ جیسے کوئی بات ہی نہیں سب ٹھیک
ہے ۔!

میر صاحب کی معنی خیز مسکراہٹ کی چبھن دل میں محسوس کرنے
کے باوجود وہ اس شادی سے انکار نہ کر سکا۔ حویلی کا سہانا
طلسم سنہرے جال پھینک کر اس کو بے بس کئے رہا۔ تیاریاں ہوتی
رہیں اور وہ خاموش رہا۔ یہاں تک کہ ایک دن وہ اس سنہرے
جال میں مقید ہو گیا۔ اس کے مکان کی کمزور دیواروں نے ہاتھ
پھیلائے اور حویلی معہ اپنی طلسماتی خوبیوں کے اس کی آغوش محبت
میں سما گئی ۔!

میر صادق صاحب کے پاس تھا ہی کیا؟ ایک ہونہار برخوردار
کے سوا! لیکن میر صاحب نے اپنی بیٹی کو چاندی سونے کا گنگا جمنی چھپر کھٹ
تک جہیز میں دیا تھا۔ سہاگ رات میں یہ چھپر کھٹ ہواؤں اور خوشبوؤں میں
ڈولتا معلوم ہو رہا تھا۔ ہر چیز پر قوس قزح کے حسین پھول بکھرے
ہوئے تھے۔ مسعود کی نظروں کے سامنے رنگین پردے کھنچے ہوئے تھے۔
اس کی دیرینہ آرزو پوری ہو رہی تھی۔ اس کی "گل بکاؤلی" جگمگاتے
ہوئے کپڑوں میں ملبوس سامنے سر جھکائے ہوئے بیٹھی تھی۔ لیکن جس
وقت اس نے گھونگھٹ کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو اس کو شاک سا لگا!!
حسین جمیل دولہن کے گلابی لبوں پر وہی مسکراہٹ رقصاں تھی جو اس
کے باپ کے ہونٹوں پر بجلی بن کر چمکا کرتی تھی! غضب کی چبھن! اس
کو بھی ہر وقت خواہ مخواہ ہی مسکراتے رہنے کی عادت تھی۔ لیکن یہ مسکراہٹ اس
کی چڑ تھی۔ یہ کھٹک دل میں لئے ہوئے اکثر اس نے جز بز ہو کر نرم لہجہ میں
بیوی کو تاکید بھی کی کہ بات بات پر مسکراتے رہنا بہت بد تہذیبی ہے"!

اور جواب میں رانی بٹیا نے پہلے تو ہکا بکا ہو کر شوہر کی طرف دیکھا
اور پھر ذرا ناز سے گردن جھٹک کر بولی " اے واہ! کہاں مسکراتی
رہتی ہوں میں"؟

اور جواب میں مسعود ایسا منہ بنا کر رہ جاتا گویا بیوی نے
اس کو کوئی بری سی گالی دے دی ہو!!

میر صاحب نے اپنے داماد کی خاطر تواضع میں دولت کا فراوانی
سے خرچ کیا لیکن وہ شاکی رہتا ہے جیسے کہ وہ اس کو خرید رہے ہوں!
ہر وقت موڈ خراب رہتا، جتنا ہی لوگ ہنس کر خوش اخلاقی کا ثبوت
دیتے، اتنا ہی زیادہ وہ سنجیدہ ہو جاتا۔ خوش ہونے والوں کے دل
بجھ سے گئے۔ رشتہ کی سالیاں دولھا بھائی سے مذاق کر کے محروم
ہو گئیں۔ بھئی کون کہے بد دماغ سے مذاق ہنسی مذاق سے ان کا موڈ بگڑ جاتا
ہے بیوی کے بھی سنبھالے نہیں سنبھلتے ہیں! اگر رانی بٹیا ہنسکر ٹالنے
کی کوشش کرتی ہیں ماش کے آٹے کی طرح ایسا اینٹھ جاتے ہیں کہ کئی
کئی دن منہ سے نہیں بولتے۔ بستر پر کروٹ لے کر جو لیٹتے ہیں تو سویرا
ہو جاتا ہے۔

ایک بار ایسا ہی واقعہ ہو گیا۔ نوکری پر سے چھٹی میں گھر آئے

تو بیوی کے لئے کئی اچھی اچھی قیمتی ساڑیاں لائے تھے۔ بیوی کو تکال کر دارطلب نظروں سے دیکھا۔

رانی بٹیا دل میں تو بہت خوش تھیں لیکن شوہر کی کفایت کے خیال سے مسکرا کر ناز سے بولیں "آپ خواہ مخواہ روپیہ برباد کر آئے! چار پانچ بکس تو کپڑوں سے بھرے ہوئے ہیں میں اکیلی اتنے کپڑے کیسے پہن سکوں گی"؟

دوہری خلش نے میاں مسعود کو پسینہ سے تر کر دیا اول تو بیوی کی دولت مندی کے گھمنڈ دوسری اس کی زہر میں بھری ہوئی مسکراہٹ جس پر وہ ہزار مرتبہ اعتراض کر چکا تھا۔ چہرا سرخ بھبھوکا ہو گیا اتنی زور سے گرجے کہ ساس کو دروازے میں کان لگانا پڑے۔ ساڑیوں کو دور پھینک کر بولے "جب دیکھو مسکرا کر میرا مذاق اڑایا کرتی ہو"

"ہائے اللہ قسم! میں تو بالکل نہیں ہنسی"! رانی بٹیا روہانسی ہو کر چپ ہو گئی۔ مگر مسعود میاں غصہ میں جو بھرے تو گھر بھر کو تگنی کا ناچ نچا دیا۔ روٹھ گئے اٹوائی کھٹوائی لے کر۔ رانی بٹیا مناتے مناتے تھک گئیں لیکن اس نے جو کروٹ بدلی تو سویرا کر دیا ایک کروٹ میں! اور پھر تو کئی دن گذر گئے اسی طرح — گھر میں عورتیں ایک دوسرے سے سرگوشی کرتی پھرتی تھیں "اوئی بیوی! یہ نئے مزاج کے داماد آئے ہیں گھر میں جو سب کے ہنسنے مسکرانے پر سنسر لگائے ہوئے ہیں"! آخر تھک ہار کر رانی بٹیا آنکھوں میں اشکوں کا طوفان لے کر خود بھی نڈھال ہو کر چپ ہو گئی۔

رات کو ساس اور ماں کے سمجھانے سے بیوی کے کمرہ میں آئے۔ لانج چکے تھے۔ رانی بٹیا انتظار کرتے کرتے تھک کر سو گئی تھی۔ غور سے صورت دیکھی سوتی ہے یا جاگ رہی ہے۔ اگرچہ وہ بے خبر پڑی ہوئی سو رہی تھی۔ کمرے کے جھروکے سے چاندنی اس کی صورت پر چھلکی ہوئی تھی۔ چاند سے چہرے پر شباب کا بھرپور نکھار تھا اور ہونٹ بڑی سندر مسکان میں ڈوبے ہوئے تھے۔ سوتی ہوئی نیم وا آنکھوں کی پلکوں کے سائے رخسار پر جھکے ہوئے تھے۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ جاگ رہی ہے اور آنے والے پر شرارت سے مسکرا رہی ہے۔

"بنی ہوئی سو رہی ہے وہ اپنی حرکتوں سے غافل نہیں ہے"! مسعود کے دل میں پھر خلش نے سر اٹھایا بے زاری سے منہ بنا کر وہ بستر پر پیر لٹکا کر بیٹھ گیا۔ اس نے ایک بار پھر اس پر بھرپور نظر ڈالی لیکن وہ اس حالت میں بھی بڑی حسین اور پرکشش نظر آ رہی تھی۔

سگریٹ نوشی حقائق کی روشنی میں

سگریٹ نوشی کے خلاف فیصلہ

طب اور سائنس دونوں کا یہ حتمی فیصلہ ہے کہ سگریٹ نوشی ہزاروں بے وقت اموات کا باعث ہے۔

سگریٹ نوشی سے امراض کے وہ سلسلے شروع ہو جاتے ہیں جن سے رفتہ رفتہ صحت کو ناقابل تلافی نقصانات پہنچتے ہیں۔ ایک شخص جتنی مدت تک سگریٹ نوشی کرتا ہے اس سے اتنا ہی زیادہ نقصان پہنچتا ہے۔

اعداد و شمار سے واضح ہوتا ہے کہ پھیپھڑے کے سرطان کی نوے ۹۰ فی صد اموات، شرائن قلب کے امراض سے ہونے والی پچیس (۲۵) فی صد اور پرانی کھانسی اور برونکائٹس سے واقع ہونے والی پچھتر (۷۵) فی صد اموات براہ راست سگریٹ نوشی کی وجہ سے واقع ہوتی ہیں۔ بہ الفاظ دیگر محتاط اندازہ کے مطابق کم از کم دس لاکھ مرد اور عورتیں صرف سگریٹ نوشی کی وجہ سے ہلاک ہوتے ہیں۔

اگر تمباکو دنیا میں آج کے دور میں استعمال کے لئے پیش کیا جاتا تو اکثریت اسے نقصان دہ شے قرار دے کر بالکل اسی طرح مسترد کر دیتی جس طرح وہ دیگر مضر صحت اور غیر محفوظ غذاؤں کو ٹھکرا دیتی ہے۔

اموات کے اعداد و شمار

سگریٹ نوشی کینیڈا میں سب سے بڑا صحتی خطرہ ہے حالانکہ اس کا تدارک ممکن ہے۔ اس کی وجہ سے اس ملک میں ہر سال ۳۵ ہزار جانیں بے وقت لقمۂ اجل بنتی ہیں۔

برطانیہ میں ۵۰ سے ۳۰ ہزار افراد ۶۰ سال کی عمر کو نہیں پہنچتے اور پہلے ہی موت کے گھاٹ اتر جاتے ہیں۔ امریکا کے صحت، تعلیم اور سماجی بہبود کے سکریٹری کے اندازے کے مطابق امریکا میں ہر سال سگریٹ نوشی کے ہاتھوں ساڑھے تین لاکھ افراد موت کی نیند سو جاتے ہیں۔

خواتین کے لئے سگریٹ نوشی کے خاص نقصانات

سگریٹ نوشی ان خواتین کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے جو مانع حمل دوائیں کھاتی ہیں۔ ضبط تولید کے لئے گولیاں کھانے والی خواتین کا پچاس سال کی عمر میں دورۂ قلب سے ہلاک ہونے کا خطرہ ساٹھ میں سے ایک ہوتا ہے۔

رائل کالج آف فزیشینز کی ایک رپورٹ کے مطابق "جو بھی خواتین دوران حمل میں سگریٹ نوشی ترک کر دیتی ہیں ان کے بچے کو نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے"۔ ایسی خواتین سگریٹ نوشی کی سزا خود بھگتتی ہی ہیں، ان کا معصوم بچہ بھی کوکھ کے پیٹ میں یا اس کے بعد نقصان اٹھاتا ہے۔

صحت مند طریقہ زندگی

برطانوی وزیر صحت نے حال ہی میں بڑی اچھی بات کہی تھی کہ موجودہ عظیم طبی مسائل کا حل ریسرچ لیبوریٹریوں یا ہسپتالوں میں نہیں بلکہ یہ ہماری بیماریوں اور خاندانوں میں پوشیدہ ہے۔ سینکڑوں کی تحقیقات کے بعد یہ حقیقت آپ پر واضح ہو جائے گی کہ ان کا سبب فطرت نہیں بلکہ ہمارا طرز زندگی ہے۔ ان میں سے بہت سے امراض قابل علاج ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جن کے معاملے میں علم طب بے بس ہے۔ ان امراض کا خاتمہ علاج سے نہیں صرف اور صرف احتیاط ہی سے ممکن ہے۔

غالباً ٹیکس ہی وہ واحد اور موثر ہتھیار ہے جس کے ذریعہ سے حکومتیں سگریٹوں کی فروخت کو کنٹرول کر سکتی ہیں۔ دوسرے ذرائع میں سگریٹوں کی تشہیر پر پابندی اور سگریٹ نوشی کرنے والوں کو مراعات سے محروم کرنا شامل ہے۔ ان تمام اقدامات کا مقصد ایک ایسی تبدیلی پیدا کرنا ہے کہ سگریٹ نوشی نہ کرنے کو ایک معاشرتی رویے کی حیثیت حاصل ہو جائے تو انسداد سگریٹ نوشی کے عالمی ادارہ صحت کے اہداف حاصل ہو سکیں گے۔

اقلیت کی عادت

اب یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سگریٹ نوشی [illegible] ہوتی جا رہی ہے۔ [illegible] سگریٹ نوشی سے [illegible] جا رہے ہیں اس طرح سگریٹ نوشی [illegible] کو ترک کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

اس بات کی تصدیق صرف برطانیہ کے اعداد و شمار سے کی جا سکتی ہے۔ برطانیہ میں سگریٹ نوشی کرنے والے معالجین افراد میں سے بعض نے خود ہی یہ عادت ترک کر دی ہے۔

امریکا میں سابق سگریٹ نوشوں کی تعداد ۳۰ ملین تک پہنچ چکی ہے اور بڑی عمر والوں میں سے سگریٹ نوشی اب کم ہوتی جا رہی ہے۔

(ہمدرد فاؤنڈیشن کے ادارے انسٹی ٹیوٹ اوف ہیلتھ اینڈ ٹبی ریسرچ نے ترجمہ کر کے صحت عامہ کے مفاد میں جاری کیا)

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ ہلکے سٹے سے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہو گئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا لچکا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہو جاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں۔ خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں ہلکے گلے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سورتی بیلیں اور چھپا چھلکی وغیرہ لگا کر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ کبھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے یا خراب ہو جائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو مات کرتے ہیں۔ یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولہ میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان آپکو

انیس حسنین (کانپور)
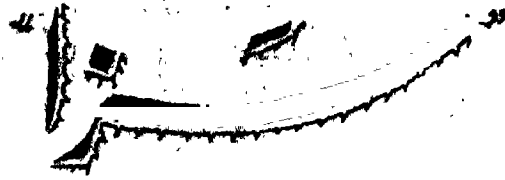
وہ بڑی دیر سے اداس و مضمحل ایک مجرم کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں الجھ الجھ کر اس کے ذہنی انتشار کا پتہ دے رہی تھیں اور ٹانگیں۔ وہ تو ڈیسک کے نیچے سمٹ سکڑ کر ایک دوسرے سے اس طرح چپکی ہوئی تھیں جیسے اپنے وجود کو دوسروں کی نظروں سے بچانے کے لئے کم سے کم جگہ کی متلاشی ہوں۔

اس نے ذرا سا سر اٹھا کر نیچی نظروں سے آج ہی کلاس میں داخل ہونے والی نئی لڑکی کی جانب دیکھا جو کلاس کی تقریباً سبھی لڑکیوں کے بیچ گھری ہوئی بے حد خوش نظر آ رہی تھی۔ سب لڑکیوں کو اس طرف مشغول پا کر اس نے ایک بھرپور نظر تسلیم پر ڈالی اور اس کی نظریں گویا اس کے خوبصورت پیکر میں الجھ کر رہ گئیں۔ تبھی تو تسلیم نے آج ہی کلاس میں داخل ہو کر کتنے پرستاروں کا جھرمٹ اپنے چاروں طرف یکجا کر لیا تھا اور کیوں نہ ہوتا۔ اس میں کمی بھی کس بات کی تھی۔ گورا رنگ، خوبصورت چہرے پر دو بولتی ہوئی خوشنما آنکھیں اور سیاہ گھنگرالے بال جو گول خوبصورت چہرے کا چاروں طرف سے حلقہ کئے ہوئے اس کی معصومیت میں گویا اضافہ کر رہے تھے۔ اور پھر یکایک اس کو اپنی محرومیوں کا خیال آ گیا۔ اسے خدا نے کیا کیا دیا تھا۔ کالا رنگ، بھدے نقش و نگار یا اور اس پر چیچک کے بدنما داغ۔ جنھوں نے ان کی تمام اچھائیوں کو چھپا کر [illegible] بنا کر رکھ دیا تھا۔

لڑکیاں غول بنائے تسلیم کو گھیرے کھڑی تھیں [illegible] ایک لڑکی کی نظر اس طرف اٹھ گئی اور دوسرے ہی لمحہ اس کے چہرے پر شرارت سے بھرپور ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ پھر غول کی طرف متوجہ ہو کر کچھ کہہ رہی تھی اور پھر یکایک بہت سی نظریں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ شرارت و تمسخر سے بھرپور نظریں۔ اس نے دیکھا وہ سب تسلیم سے کچھ بتا رہی تھیں اور دوسرے ہی لمحہ ساری لڑکیاں [illegible] مار کر اس کی سیٹ پر پہنچ چکی تھیں۔ اس کا رواں رواں کسی خوف سے کانپ اٹھا۔ اسے اپنی پچھلی تمام ذلتیں، اپنی تمام رسوائیاں، لڑکیوں کے ذہن میں کبھی باتوں کے وہ تمام نشتر ایک کے بعد ایک یاد آ گئے جو وقتاً فوقتاً چل کر اس کے سینے میں ایک ناسور بنا چکے تھے۔ ایک ایسا ناسور جس کا اس کے پاس کوئی مداوا نہ تھا۔

"ان سے ملو تسلیم، یہ ہیں ہماری کلاس کی چاند۔" ایک لڑکی کا طنز سے پھینکا ہوا نشتر اس کے سینے کے زخم کو ادھیڑ گیا اور درد کی ٹیسوں سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ آج شاید آنسوؤں نے بھی بغاوت کر دی تھی اور ہمیشہ کی طرح حلق میں گھٹنے کی بجائے چھلک پڑنے کو بیتاب تھے۔ اس نے گھبرا کر سر جھکا لیا۔ "لو چاند تو شرما گیا۔" ایک تیر اور چلا۔ اور ایک زوردار قہقہہ کے درمیان وہ اپنی سسکی روکنے میں کامیاب ہو گئی۔ اسی وقت کچھ لڑکیاں اپنی اپنی سیٹ پر جا [illegible]۔ ٹیچر کلاس میں پیریڈ لینے آ گئی تھیں۔ کلاس میں ایک دم سناٹا تھا۔ سب کو صرف اپنی اپنی دھڑکنیں سنائی دے رہی تھیں لیکن چاند۔ وہ اپنی دل کی دھڑکن کے علاوہ کچھ اور بھی سن رہی تھی، ......

...... یہ کیسی آواز تھی جو اس کی روح تک کو کھرچے دے رہی تھی۔ شاید اس کا دل رو رہا تھا پھوٹ پھوٹ کر۔

"چاند" "چاند" ٹیچر حاضری میں اس کا نام پکار رہی تھیں اور اس کے حلق سے آواز ہی نہیں نکل رہی تھی۔ بڑی مشکل سے تیسری مرتبہ نام پکارنے پر وہ یس میڈم بول سکی۔ ٹیچر نے سر اٹھا کر غور سے اس کی جانب دیکھا۔ "ذرا زور سے بولا کرو بیٹے، تمہاری غیر حاضری لگ گئی تھی۔" ٹیچر کے نرم اور پیار بھرے لہجے نے گویا گرم لوہے پر ہتھوڑے کا کام کیا اور اس کی آنکھوں میں رکا ہوا طوفان بڑی روانی کے ساتھ گالوں پر بہنے لگا۔ ٹیچر تو کام سے مشغول ہو چکی تھیں لیکن اس کے پاس بیٹھی لڑکیوں کی معنی خیز مسکراہٹ اس سے پوشیدہ نہ رہی تھی۔

وہ ہمیشہ سے کلاس کی ایک ہونہار طالب علم رہی تھی۔ ٹیچروں کو اس سے بڑی بڑی امیدیں تھیں۔ ہر مضمون میں امتیازی

نمبر پانے کی وجہ سے وہ سبھی ٹیچروں کی منظورِ نظر بنی رہتی لیکن اسے قدرت کی ستم ظریفی کے علاوہ کیا کہا جائے کہ بظاہر اسے بدصورت بنا کر گویا خوبصورتی کی قطار میں سب سے پیچھے دھکیل دیا اور حاسد لڑکیوں کو دل کے پھپھولے پھوڑنے کا ایک اچھا موقعہ ہاتھ آگیا تھا۔ وہ مضحکہ خیز نظروں اور زہریلے فقروں کے لئے محض نشانہ بن کر رہ گئی تھی۔ اب حالت یہ تھی کہ جب دلچسپی کا اور کوئی مشغلہ نہ ہوتا تو لڑکیاں اس کی طرف رُخ کرتیں۔ طرح طرح کے جملے بولے جاتے، ہنسی کے فوارے چھوٹتے، اور وہ خدا سے اپنی بدصورتی کا شکوہ کرنے کے علاوہ کچھ نہ کرپاتی۔ کلاس میں جب کوئی نئی لڑکی آتی، وہ پرامید نظروں سے اسے دیکھتی۔ شاید یہ اس کی بدصورتی سے نفرت کرنے کے بجائے اسکے اوصاف دیکھے، اس کا دل دیکھے، جو ایک شیشے کی طرح بے داغ اور ایک ننھے بچے کی طرح معصوم تھا۔ لیکن اس نئی لڑکی پر بھی دو دن میں اکثریت کا انداز غالب آجاتا اور وہ اس لڑکی کی نگاہوں میں بھی اپنے لئے حقارت، اور سرد مہری کی پرچھائیاں دیکھنے لگتی۔

تسنیم ایک امیر باپ کی اکلوتی لڑکی تھی جو یہاں ہاسٹل میں رہ کر پڑھنے آئی تھی۔ کچھ تو امارت کی شان اور کچھ سہیلیوں کی ترغیب، ایسے موقعوں پر وہ پیش پیش رہتی جب چاند کو ستانے کا کوئی نیا پروگرام بنتا۔ جب سب لڑکیاں کافی تفریح لے کر چلی جاتیں تو اسے اپنے آپ سے نفرت ہونے لگتی۔ وہ سوچنے لگتی کہ اس کا وجود اس زمین پر محض ایک بوجھ ہی تو ہے۔ اس کے اندر ایسی کون سی کشش ہے جو کوئی دو گھڑی اس سے بات کرنا گوارا کرے۔ پھر اسے اپنی ماں پر غصہ آنے لگتا، جب وہ اتنی بدصورت تھی تو اس کا نام چاند کیوں رکھا؟ کیا اس کی زندگی میں خوشی کی کوئی کرن نہیں؟ اور وہ اپنے ہاتھ کی لکیروں کو دیکھنے لگتی۔ تبھی کسی خیال سے وہ چونک اٹھی۔ کل ہی کی تو بات ہے۔ کسی بات پر تسنیم سے اس نے شرط لگائی تھی اور جیسے ہی دونوں ہاتھ آپس میں ملے تھے تسنیم نے اپنے ہاتھ کھینچ لئے تھے، "افوہ کتنے کھردرے ہیں تمہارے ہاتھ جیسے ایک ساتھ بہت سے کانٹے چبھ گئے"۔

کتنی آسانی سے ادا ہو گئے تھے یہ الفاظ لیکن ان کی خلش۔۔۔ اس وقت سوچتے سوچتے اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ تسنیم کے اس ریمارک کے بعد تقریباً سبھی لڑکیوں نے باری باری اس کا ہاتھ چھو کر دیکھا تھا اور جھٹک دیا تھا۔ اس نے ایک دفعہ پھر سے اپنے دونوں پھیلے ہوئے ہاتھوں کی جانب دیکھا اور دو آنسو ٹپک کر اس کے ہاتھ کی لکیروں میں غائب ہو گئے اس وقت وہ ایسے کھڑی تھی جیسے کوئی فریادی ہاتھ اٹھائے خدا کے حضور میں رو رو کر اس کی ناانصافی کا گلہ کر رہا ہو۔

تین چار روز سے کلاس میں خاموشی کے ساتھ کچھ پروگرام بن رہے تھے۔ جب بھی پریڈ خالی ہوتا لڑکیاں کانا پھوسی کے انداز میں باتیں شروع کر دیتیں "وہاں چلیں تو کیسا رہے گا، وہاں گھومیں تو مزہ آئے گا۔" وہ سب کچھ سنتی اور دل مسوس کر رہ جاتی۔ کلاس کی تقریباً سبھی لڑکیاں اتوار کے دن کسی اچھے سے مقام پر پکنک منانے جا رہی تھیں۔ دو کاروں کا بھی انتظام کر لیا گیا تھا، کھانوں کی بھی فہرست بن چکی تھی۔ مختلف ڈشوں کی تقسیم بھی آپس میں ہو چکی تھی مگر اس سے کسی نے بھی نہ پوچھا تھا وہ ایک خاموش تماشائی کی طرح ایک ایک لڑکی کے کھلے ہوئے چہرے کو حسرت سے دیکھ کر رہ جاتی۔ سب نے اسے اس طرح نظر انداز کر دیا تھا گویا سب کے لئے اس کا عدم وجود ہی برابر ہو۔

ابھی ابھی تسنیم اس کے پاس آئی تھی۔ اس سے معذرت کرنے۔ کار میں جگہ نہ ہونے کی وجہ سے اسے نہیں لے جا سکتی۔ وہ سب کچھ سمجھنے کے باوجود خوش تھی، تسنیم نے اس سے کہا تو، معذرت تو کی، اسے اس کا خیال تو آیا مگر تبھی ایک لڑکی تسنیم کو کھینچ لے گئی، "چلو تسنیم ابھی بہت سی تیاریاں کرنی ہیں کہاں تم اپنا وقت بیکار باتوں میں ضائع کرتی پھر رہی ہو"۔ لمحہ بھر پہلے کی خوشی پر اچانک اوس پڑ گئی اور وہ تھکے تھکے قدموں سے گھر کی طرف چل پڑی۔

رات کو سونے لیٹی تو نیند نہ آئی رہ رہ کر اسے تمام لڑکیوں کے کھلے ہوئے چہرے یاد آتے۔ پھر اس کے تصور میں ایک کار آگئی اس کی سہیلیوں سے بھری ہوئی کار، ایک کے اوپر ایک لدی ہوئی لڑکیاں، شرارتیں کرتی، چیختی چلاتی، مسرت و شادمانی سے کھلے سب کے چہرے اور اس کے چہرے پر بھی خود بخود ایک مسکراہٹ سی دوڑ گئی۔ سہیلیوں کی خوشی سے لمحہ بھر کو وہ بھی اپنے اندر ایک خوشی سی محسوس کرنے لگی۔ کار شور مچاتی اس کے پاس سے گزر گئی۔ اور وہ اپنے خیالات سے چونک اٹھی۔ اسے یاد آیا کہ وہ سب منہ اندھیرے ہی چل پڑیں گی اور اس کی گلی کی نکڑ پر سے ان کی کار گزرے گی۔ اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ وہاں کھڑے ہو کر انھیں جاتے ہوئے ضرور دیکھے گی ....
انھیں ہاتھ ہلا کر خدا حافظ ضرور کہے گی۔ کیا ہوا اگر وہ خود نہ گئی۔ وہ

سہیلیوں کو خوش دیکھکر ہی خوش ہولے گی۔

وہ منھ اندھیرے ہی اٹھ کھڑی ہوئی منھ پر جلدی جلدی پانی کے دو چار چھینٹے مارے اور نکل پڑی۔ باہر نکل کر آہستہ سے دروازہ بند کیا۔ ماں ابھی سو رہی تھی۔ ان کے جاگنے سے پہلے ہی وہ لوٹ آئے گی۔ یہی سوچتی ہوئی وہ تیزی سے راستہ طے کرنے لگی تبھی دور سے کسی کار کے ہارن سنائی دیئے اور وہ ایک طرف ہٹ گئی۔ اس کی سہیلیاں کھڑکی سے ٹک ٹک کر ہاتھ ہلا ہلا کر اسے پکار رہی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ انسان خوشی کے موقعہ پر تمام عداوتیں بھلا دیتا ہے۔ شاید یہی حال ان لڑکیوں کا بھی تھا، اور چاند — اسے تو اپنی سہیلیوں کے اتنے سے التفات پر گویا دو جہاں مل گئے تھے خوشی سے بے خود ہوتے ہوئے اس نے بھی اپنا ہاتھ ہوا میں لہرایا اور تبھی ایک چیخ نے تمام فضا کو لرزا دیا۔

تسنیم نے آنکھیں کھولکر چاروں طرف دیکھا اور پھر نقاہت سے اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔ اس کا سر پھٹا جا رہا تھا۔ ہاتھ اٹھا کر سر تک لے جانا چاہا مگر ہاتھ اٹھ نہ سکے۔ اس نے ایک مرتبہ پھر آنکھ کھولکر اپنے سراپا پر نظر ڈالی۔ ارے!!! اس کا تمام جسم پٹیوں سے کیسے جکڑ گیا۔ اس کا دل ڈوبنے لگا تبھی ماتھے پر ایک مانوس سا لمس محسوس کرکے اس نے نظریں اوپر اٹھائیں۔ ارے ماں یہاں کیسے آگئی۔ ماں کی آنکھوں میں ٹھہرے آنسوؤں کو وہ کوئی معنی نہ پہنا سکی تبھی ان کی آواز پر چونک اٹھی۔ تمہیں دو دن بعد ہوش آیا ہے بیٹے شاید یہ میری دعاؤں کا اثر تھا یا پھر اس غریب لڑکی کی دوڑ دھوپ کا، جو خدا نے ہماری سن لی۔

ڈاکٹروں سے چھٹی پاکر ماں پھر اس کے پاس آبیٹھی اور انھیں سے اسے پتہ چلا کر کار کا دروازہ اچانک کھل گیا تھا اور اس سے پہلے کہ پیچھے آنے والی کار اسے کچلتی ہوئی نکل جاتی اس کی ایک سہیلی اسے آگے ڈھکیل لے جانے میں کامیاب ہوگئی تھی مگر اس کوشش میں اس کے اپنے ایک پیر میں گہرا زخم آگیا تھا۔ اس کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہ اسے اسپتال تک لائی تھی جہاں وقت پر طبی امداد ہوجانے پر اس کی جان بچ گئی تھی ورنہ اس کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہ بچا تھا جس پر خراش نہ آئی ہو۔ ماں سے پوچھنے پر اسے پتہ چلا تھا کہ تین چار سہیلیاں اس بیچ اسے دیکھنے آئی تھیں اور تھوڑی تھوڑی دیر بیٹھ کر لوٹ گئی تھیں مگر وہ سہیلی تین روز سے برابر بیٹھی رہی ہے۔ ماں کافی متاثر نظر آرہی تھی مگر وہ، وہ سوچ رہی تھی کہ اس کی کون سی سہیلی یہ سب کر گزری ہے۔ یقیناً یہ کام نغمہ کے علاوہ کون کرسکتا ہے۔ وہی اس کو سب سے زیادہ چاہتی ہے۔ کیا نغمہ کا یہ احسان وہ زندگی بھر اتار سکے گی؟ تبھی دروازہ کے باہر کوئی آہٹ سن کر ماں ادھر لپکی اور پھر ہنستی ہوئی پلٹ آئی، تمہاری وہی سہیلی تھی، ابھی ڈاکٹر کی طرف گئی ہے۔ ماں پھر اس کی مدح سرائی میں مشغول ہوگئی تھی مگر اس کی پر اشتیاق نظریں دروازہ سے چپک گئیں، وہ نظریں جنمیں اپنی اس سہیلی کے لئے محبت کے ہزاروں دریا موجیں مار رہے تھے۔ جس نے اس کی جان بچالی تھی۔ اور تبھی اس کی نگاہیں جیسے پتھرا سی گئیں۔ وہ نگاہیں۔ جن میں کچھ دیر پہلے محبت کے دریا موجزن تھے، حیرتوں کے سمندر میں غوطے کھانے لگیں — تم؟ تم؟ تم نے مجھے بچایا ہے؟ تم نے اسے بچایا جس نے تمہیں ہمیشہ ذلیل کیا، جس نے دنیا کی تمام رسوائیاں تمہاری جھولی میں ڈالدیں۔ تم نے اس کے لئے چوٹ کھائی جو کبھی تم سے ایک میٹھا بول بھی نہ بولی۔ ایسی سزا تم نے مجھے کیوں دی؟ کیوں مجھے شرمندگیوں کے اندھے کنویں میں ڈھکیل دیا۔ میں وہاں سے کبھی نہ نکل سکوں گی چاند، کبھی نہیں۔ اس کا تمام چہرہ آنسوؤں سے تر ہوگیا۔ چاند کے ہاتھ اٹھے اور خاموشی سے اس کے آنسو پونچھ ڈالے مگر فوراً ہی ایک آنسوؤں میں ڈوبی آواز اس نے سنی" معاف کرنا تسنیم، میرے ہاتھ تمہیں چبھ گئے ہوں گے"۔ اس نے اپنے ہاتھ ہٹالئے اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ تسنیم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی اور بے اختیار اس کی نظریں کھڑکی کے جانب اٹھ گئیں۔ دور ایک سایہ لڑکھڑاتا ہوا تیزی سے چلا جا رہا تھا۔

نمونہ

ترجمہ:۔ محمد طارق جاوید

"سب سے بھاری بوجھ جو انسان اٹھائے ہوئے ہیں وہ خود انسان کے اپنے وجود کا بوجھ ہے" وہ بڑی مشکل سے اور تقریباً اپنے جسم کو آگے کی طرف گھسیٹتے ہوئے بڑبڑایا۔ کاریں اس کے نزدیک سے گذر رہی تھیں اور وہ اس شور سے بے نیاز اپنی سوچوں میں غرق تھا۔

"جتنی زندگی بڑھتی جاتی ہے یہ بوجھ بھی بڑھتا ہی جاتا ہے کیا عجیب تضاد ہے" وہ کسی گاڑی والے سے لفٹ لینے کی امید میں منہ میں بولا "میرا وزن تو محض ۵۰ کلوگرام ہی تو ہے۔ ان گاڑیوں کو دیکھو کتنے ٹنوں اور ڈیڑھ ٹنوں کی ہیں، شاید میرا وزن اس سے بھی کم ہی ہوگا"

وہ سوچوں میں گم چلا جا رہا تھا۔ اپنے آپ سے سوالات کرتے ہوئے اور خود ہی ان کے جواب دیتے ہوئے اس کی سوچ کے تسلسل کو اس کی کھانسی بار بار توڑ دیتی "کیا میں ہمیشہ اپنے آپ کو ایسی ہی بری حالت میں پاؤں گا؟ جی چاہتا ہے کہ اپنے لئے ایک روٹی خرید سکوں اور ساتھ ہی اگر گرم گرم چائے بھی ہو تو مزہ آ جائے۔

کاریں اس کے پاس سے فراٹے بھرتی گذرتی رہیں دفعتاً اس کی نظر ایک بالکل نئی اور گہرے نیلے رنگ کی کار پر پڑی۔ جونہی یہ اس کے پاس سے گذری اسے ایسا محسوس ہوا جیسے اس کی رفتار دھیمی ہوگئی ہو۔

ایک خاتون۔ اتنی خوبصورت جیسے کسی شاعر کا تخیل ہو۔ کار ڈرائیو کر رہی تھی۔ ان کی سیاہ ریشمیں زلفیں ہوا کی سرسراہٹ سے لہرا لہرا جاتی تھیں۔ ہڈیوں کا ڈھانچہ بوڑھے آدمی نے محسوس کیا کہ گاڑی آہستہ ہوگئی ہے اور وہ خوبصورت اور نوجوان عورت اسے گھور رہی ہے۔

وہ مسکرایا۔ مسکراتے ہوئے اس کے رخساروں کے گڑھے کچھ اور گہرے ہوگئے۔ اس نے اپنے آپ سے کہا "آخر کار نگاہ حسن کا انتخاب میں ہی ٹھہرا۔ لیکن افسوس کس مقام پر آکر زندگی رک گئی ہے۔

نیلی چمکیلی کار کی رفتار بڑھی اور بمشکل ۵ میٹر آگے جا کر پھر آہستہ آہستہ رک گئی۔ بیچارگی اور تھکاوٹ کے احساس سے بوڑھا نڈھال تھا لیکن وہ اپنے وجود کو کسی امید پر گھسیٹے جا رہا تھا۔ جونہی وہ کار کے پاس پہنچا۔ نوجوان عورت اسے دیکھنے کے لئے باہر جھانکی۔ اب بوڑھے کے ذہن میں کوئی شک باقی نہ رہا۔

یہ یقیناً وہی تھا جس پر نگاہ ناز کا پہنچنا بوڑھے کے نزدیک یہ خیال حقیقت کی طرح خوشگوار تھا۔ پھر اس نے سوچا شاید بھوکا پیٹ ہونے کی وجہ سے وہ توہمات کے زیر اثر دن میں کوئی خواب دیکھ رہا ہے۔ نیلی کار پھر چل پڑی اور کچھ آگے بڑھ کر پھر رک گئی۔ اب وہ عورت ٹکٹکی باندھے اسے تکے جا رہی تھی۔ بوڑھے آدمی نے اپنے آپ سے کہا "جناب وہ آپ کو دل دے بیٹھی ہے"

نیلی کار نے پھر حرکت کی اور کچھ فاصلے پر جا کر پھر رک گئی۔ عورت کی نگاہیں اب اسی پر مرکوز تھیں۔ "وہ شاید شکار کو دانے کا چکمہ دے رہی تھی۔ اس نے گاڑی کو پھر حرکت دی تھوڑی دور جا کر رک کر اسے غور سے دیکھنے لگی۔ بوڑھے نے اپنی جانب اس طرح ٹکٹکی بندھے دیکھ کر کچھ بے چینی سی محسوس کی۔ وہ یہ جاننے کے لئے بیتاب تھا کہ اس کی تجسس آمیز نگاہوں میں کیا دعوت ہے کیا وہ حقیقت میں مجھ سے متاثر ہوگئی ہے نہیں نہیں یہ کوئی دوسرا معاملہ ہے، جسے میں نہیں بھانپ سکتا"

اسی حیرانی کے عالم میں اس نے سامنے فٹ پاتھ پر جانے کے لئے سڑک پار کی۔ اس کے شکوک یقین میں بدلنے لگے "آخر جو کچھ بھی ہو جوانی میں میں اتنا بھدا بھی تو نہ تھا۔ وہ بڑی سڑک کو چھوڑ کر ساتھ والی گلی میں مڑ گیا کار اس کے تعاقب میں تھی۔

اس دفعہ خاتون نے اس کے قریب لا کر گاڑی کھڑی کی اور دروازہ کھول کر اسے بیٹھنے کی دعوت دی "بیٹھئے" وہ بولی

خوشی اور گھبراہٹ کا ملا جلا احساس لئے پہلے تو بوڑھا کچھ ہچکچایا لیکن خاتون کی ایک دلکش مسکراہٹ نے جیسے اسے اندر دھکیل دیا۔ گاڑی چل پڑی۔ راستے بھر دونوں میں کسی نے بھی بات نہ کی۔

گاڑی ایک بڑی عمارت کے سامنے آ کر رک گئی۔ خوبصورت عورت اسے اندر لے گئی۔ اس نے بوڑھے کو تجسس نگاہوں سے دیکھتے ہوئے

سے بیٹھنے کا موقع دیئے بغیر تحکمانہ انداز میں مخاطب ہوئی "کپڑے اتار دو"۔

"جی ــ یہ..... آپ کیا..."

"میں کہتی ہوں اپنے کپڑے اتار دو" اور اس نے اپنے بدن سے خستہ حال قمیض اتار دی۔

"پتلون بھی اتار دو" وہ گرجی۔

اس کی تھکاوٹ اور بھوک عود کر آئی "عورت آخر عورت ہوتی ہے" وہ اپنے آپ سے بولا۔ کسی کو کسی کے دل کا کیا پتہ اور پھر ایک عورت نے آخر کونسی حسین چیز مجھ میں دیکھ لی ہے جس کا مجھے پتہ نہیں؟۔

اس نے اپنی پتلون بھی اتار دی۔ اب اس کے بدن پر صرف زیر جامہ تھا۔ عورت نے ایک بٹن دبایا۔ ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔ وہ خادمہ تھی اور بہت خوبصورت تھی۔

"یہ تو بڑے شرم کی بات ہے" بوڑھے نے دل ہی دل میں کہا۔ یہ ایک شریف النفس انسان کے لئے بڑی بے شرمی کی بات ہے کہ دو نوں عورتوں کے درمیان اس طرح عریاں کھڑا ہو۔

خوبصورت عورت نے ملازمہ کو حکم دیا کہ آیا سے کہو بچوں کو اندر لے آئے" لڑکی باہر چلی گئی۔ بیچارہ بوڑھا زیر جامے میں سکڑا لرز رہا تھا۔ ایسا سردی کی وجہ سے تھا یا جذبات کی وجہ سے اسے اس کا علم نہیں تھا۔

اسے اچانک اس عورت کا خیال آیا جس نے ایک اجنبی سے اس لئے تعلقات پیدا کر لئے تھے کہ اپنے خاوند کے ظلم کا بدلہ لے سکے" اس نے سوچا۔ شاید یہ بھی اسی جذبے سے مجھے اپنا آلہ کار بنانا چاہتی ہے۔

"کسی نے بھی آیا اور لڑکی کی موجودگی میں اتنی ذلت نہ اٹھائی ہوگی" لیکن کیا یہ مناسب ہوگا کہ ان معصوم فرشتوں کو اس نیم عریاں آدمی کے سامنے لایا جائے۔

اس کی سوکھی ٹانگیں بانس کی طرح لمبی اور پتلی تھیں اس کی گردن نلی کی طرح بہت کمزور تھی۔ کوئی بھی دور سے اسکی پسلیاں گن سکتا تھا۔ وہ ایک ڈھانچے کی مانند تھا جس پر چمڑا منڈھ دیا گیا ہو۔

خوبصورت عورت نے آیا سے پوچھا "کیا آج نرگس نے کھانا کھایا ہے؟"

"بہت تھوڑا بیگم صاحبہ!" آیا نے جواب دیا۔

"اور خالد نے؟" مالکن نے پوچھا "اس کو تو بالکل بھوک لگتی ہی نہیں" آیا نے جواب دیا۔

"اور طارق نے؟" اس نے پھر پوچھا۔

"اس نے کچھ چاکلیٹیں لی تھیں اور کچھ نہیں۔ اس کو تو بالکل بھوک لگتی ہی نہیں"

عورت نے بچوں کی طرف منہ پھیرا اور انگلی سے اس ڈھانچہ نما نیم عریاں بوڑھے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے گرجی۔

"کیا تم اس بوڑھے کی باہر نکلی ہوئی ہڈیوں کو دیکھ رہے ہو۔ یاد رکھو اگر تم ٹھیک طرح سے کھانا نہیں کھاؤ گے تو تمہاری بھی ایسی ہی حالت ہو جائے گی" ننھے ننھے فرشتے آنکھوں کے کونوں سے ماں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ سہمے ہوئے تھے۔

پھر وہ بوڑھے کی طرف مڑی اور کرخت لہجے میں جلدی سے بولی۔

"جلدی سے کپڑے پہن لو اب تم جا سکتے ہو"۔

• پرچہ نہ ملنے کی شکایت ۲۰ تاریخ کے بعد اور مہینے سے پہلے لکھیں۔ مہینے کے بعد کی شکایتوں پر غور نہیں کیا جائے گا اس لئے کہ محکمہ ڈاک اب بالکل آزاد ہو گیا ہے۔

بزمِ حریم

اس عنوان کے تحت حریم کی سالانہ خریدار بہنوں کی مرسلہ، ہر ماہ صرف ایک ایسی خبر شائع کی جاتی ہے، جو ولادت، شادی یا غمی سے متعلق ہو۔ خبر مختصر الفاظ میں اور صاف صاف لکھی جائے۔ ساتھ ہی پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ اور نمبر خریداری کے ساتھ اس طرح بھیجی جائے کہ ۲۰ تاریخ تک دفتر میں پہنچ جائے۔ اس کے بعد آنے والی خبریں ایک ماہ کی تاخیر سے شائع کی جاتی ہیں۔ خبر شائع ہونے میں کوئی غلطی ہو جائے تو ادارہ اس کا ذمہ دار نہ ہوگا، البتہ اطلاع ملنے پر اس کی صحت شائع کر دی جائے گی ——— (ادارہ)

ولادت اطفال کی خبریں

• زوبیہ ذکریا (اوٹاکنڈ) میرے عزیز بھائی محمد صدیق اور عابدہ بھابی کے گلشن حیات میں پہلی بار، ۲ مئی سنہ ۸۰ء بروز چہار شنبہ بوقت ۴½ بجے ایک ننھا پھول کھلا۔ نام محمد ابراہیم قرار پایا۔ میری دعا ہے کہ اللہ پاک اس پھول کو عمر طویل عطا فرمائے، اقبال مند بنائے اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھائے

• سید احمد (لکھنؤ) محمد الطاف سلمہ اور رضیہ سلمہا (دختر سید عبد الرشید صاحب۔ ٹریژری افسر لکھنؤ) کے گلشن حیات میں ۲۴ ستمبر سنہ ۷۹ء بروز دوشنبہ بوقت، ۴½ بجے صبح ایک پھول کھلا۔ نام اُسامہ الطاف قرار پایا۔ دعا ہے کہ نومولود اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے اور فخر خاندان بنے۔

• پروین فاطمہ لاری (جاجمئو۔ کانپور) میرے بھائی نفیس احمد اور بھابی تمنا پروین جہاں کے گلشن حیات کو پر بہار بنانے کے لئے ۲۵ مارچ سنہ ۸۰ء بوقت دو بجے شب پہلی بار ایک خوشنما پھول کھلا۔ دعا ہے کہ یہ ننھا شہزادہ عمر طویل پائے۔ اقبال مند ہو اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھ کر فخر خاندان بنے۔

• حور لقا (گورکھپور) میری چھوٹی بہن عزیزی ارجمند بانو اور بہنوئی اعجاز احمد (کانپور) کے چمن حیات میں اللہ کے فضل و کرم سے پہلی بار ایک ننھا سا حسین و جمیل پھول کھلا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک عمر دراز عطا کرے اور عافیت دے۔

• مس ریحانہ طلعت عثمانی (دیوبند) میری باجی حسانہ احمد اور بھائی ڈاکٹر ارشاد احمد کے چمن حیات میں یکم اپریل سنہ ۸۰ء بروز منگل بوقت دس بجے شب بمقام بلیا ایک کلی عالم وجود میں آئی۔ نام لبنیٰ نگار رکھا گیا۔ اللہ سے دعا ہے کہ صحت و سلامتی کے ساتھ والدین کے زیر سایہ پروان چڑھ کر بلند اقبال بنے۔

• ایم۔ اے۔ خان (بجنور) اللہ تعالیٰ کا فضل اور احسان ہے کہ اس نے برخورداری عاصمہ خاتون لودھی کو بتاریخ ۲ فروری سنہ ۸۰ء بروز سنیچر ایک چاند سا بیٹا مرحمت فرمایا۔ نام احمد جمال خاں کاشف تجویز ہوا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک نومولود کو والدین اور بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھائے اور صاحب و نصیب فرمائے۔

• امین تنویر اقبال (دانماڈی) میری بہن امین حرمت افضل اور بہنوئی اے۔ ایس محمد افضل کے گلشن حیات کو پر بہار بنانے کے لئے اللہ پاک نے ۳ مارچ سنہ ۸۰ء بروز پیر بوقت ایک بجکر ۳۵ منٹ پر ایک خوبصورت فرزند عطا فرمایا۔ نام منزہ کاشف رکھا گیا۔ اللہ پاک سے دعا ہے نومولود عمر طویل پائے اور دین و دنیا میں سرخرو رہے۔

• چیا۔ شاہ ضیاء آفریں (آسبور) میری پیاری دیدی شمیم آرا اور جیجا سلیم باشاہ کے گلشن حیات میں، پہلی بار ۱۶ اپریل سنہ ۸۰ء بروز چہار شنبہ، اللہ پاک نے ایک گڑیا عطا فرمائی۔ نام "صاعقہ سیمین" رکھا گیا۔ اللہ پاک عمر دراز دے اور بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

پیغامات نشاط

• سید محمد نعیم اشرفی (الیولی) کی پوتی اور سید محمد شمیم اشرفی کی بیٹی عزیزی مہر افروز سلمہا کا عقد سعید سید غنی اظہر سلمہ پسر جناب سید شمس الحق۔ لکھنؤ) کے ساتھ ۲۵ مئی سنہ ۸۰ء کی شب میں بمقام مشرف منزل۔ کوٹھی اہونہ۔ لکھنؤ میں بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک دلہا دلہن کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔ نسیم اہنوری

• نوشابہ اختر (سگولی شگر فیکٹری۔ چمپارن) میری پیاری باجی کہکشاں اختر صاحبہ دختر جناب محمد اختر صاحب (سگولی کی شادی تبریز جمال صدیقی (فرزند محی الدین صدیقی صاحب۔ ڈالٹن گنج۔ پلامو کے ساتھ ۲۳ اپریل سنہ ۸۰ء بروز جمعہ بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ

پاک سے دعا ہے کہ میری بہن اور بھائی صاحب ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

• دلاویز سعید خاں۔ بی۔ بی (تاتارپور) میری بہن ناصحہ سعید خاں صوفی (بنت ابوسعید خاں صاحب ایڈوکیٹ) کی شادی شاہد اقبال خاں ڈپٹی کلکٹر (پسر جناب مقصود احمد خاں۔ موتیہاری کے ساتھ ۱۷ر اپریل سنہ۸۰ء کو تاتارپور میں اور چھوٹے بھائی ڈاکٹر مسعود احمد خاں کی شادی شیریں جمال (دختر مقصود احمد خاں صاحب۔ موتیہاری کے ساتھ ۲۰ر اپریل سنہ۸۰ء کو بمقام موتیہاری بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ پاک دونوں جوڑیوں کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔

• صورتی صبیحہ عاشی (آمبور) میری خالہ زاد بہن ام نفیس جہاں۔ بی۔ ایس۔ سی (دختر جناب مولوی حبیب خاں مرحوم۔ ایم۔ اے۔ بی ایڈ مدراس) ڈاکٹر احمد پاشا۔ ایم۔ بی۔ بی ایس ڈی اے ایم ڈی۔ ایران (ابن جناب عبد الحمید صاحب آرکی مرحوم) ۶ر اپریل سنہ۸۰ء بوقت ۱۱ بجے دن رشتۂ ازدواج میں منسلک ہوگئے۔ اللہ پاک انھیں ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔

• رابعہ ممتاز۔ انگول، اڑیسہ "میرے چھوٹے بھیا محمد عتیق الرب (فرزند جناب محمد عبد الرؤف مرحوم) کی شادی خانہ آبادی سیما سلمہا (بنت جناب عبد الودود) کے ساتھ ۲۹ر فروری سنہ۸۰ء بروز جمعہ بخیر و خوبی انجام پائی۔ اس سلسلہ میں ایک شاندار دعوت ولیمہ یکم مارچ کو دی گئی۔ اللہ پاک اس جوڑی کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے

• مسعود اختر (سکندرپور، بلیا) "میری ماموں زاد بہن کہکشاں اختر بنت محمد اختر خاں) کی شادی نیر جمال صدیقی (پسر محی الدین صدیقی۔ ڈالٹن گنج کے ساتھ ۲۴ر اپریل سنہ۸۰ء بمقام سگولی بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ ان کی ازدواجی زندگی کو مسرت و شادمانیوں سے بھر دے۔

• مسز فاطمہ الیاس (کلکتہ) "میری چھوٹی بہن شہناز بانو۔ بی۔ اے (بنت پیغمبر الحق) کی شادی آفتاب عالم۔ ایم۔ ایس۔ سی۔ بی ایڈ کے ساتھ ۱۳ر اپریل سنہ۸۰ء بروز اتوار بوقت ۷ بجے شام بمقام مٹیا برج بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کی نئی زندگی مسرتوں میں گذرے۔ آمین۔

• درِ شہوار صدیقی۔ پیش امام (باندرہ) "میرے حقیقی چھوٹے بھائی ممتاز احمد کی شادی اختری بیگم (دختر جناب اسماعیل قریشی) کے ساتھ چودہ مارچ سنہ۸۰ء بمقام پنویل بحسن و خوبی انجام پائی۔ خداوند کریم سے دعاگو ہوں کہ اس جوڑی میں ہمیشہ اتفاق و محبت قائم رکھے۔

• عذرا رمزی، اسما رمزی، سارہ رمزی (مختیار نگر۔ فتح آباد۔ لکھنؤ) "میرے بھائی ادیس رمزی خاں (ابن عزیز علوی خاں صاحب) کا عقد سید غزالہ ناز (بنت محمد عرفان خاں صاحب ایڈوکیٹ۔ اعظم گڈھ کے ساتھ ۱۱ر مئی سنہ۸۰ء بروز اتوار بمقام اوری۔ اعظم گڈھ میں بحسن و خوبی انجام پائی۔ دعا ہے کہ دولہا دلہن ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔

• غلام غوث دولارے صاحب مرحوم کی صاحبزادی خورشید سلمہا کی شادی شبیر سلمہ (فرزند محمد یوسف ٹھوئے۔ نظام پور کے ساتھ ۱۱ر مئی سنہ۸۰ء بمقام کلیان بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔
نسیم انہونوی

• توحید الحق صاحب پوسٹ ماسٹر یو۔ پی گورنرس کیمپ کی دختر نیک اختر تنویر عذرا سلمہا کی شادی منظر صدیقی سلمہ بی۔ ایس۔ سی۔ بی۔ ای۔ سول (فرزند حکیم محمد مختار صدیقی) کے ساتھ ۲۳ر مئی سنہ۸۰ء بمقام راج بھون لکھنؤ بوقت سہ پہر بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔
نسیم انہونوی

• میرے مرحوم کرم فرما ڈاکٹر میجر ایم اکرام صاحب کی صاحبزادی فہمیدہ عظمت بی۔ ایس سی کی شادی جمیل حسین شریف۔ بی ٹیک اسسٹنٹ پروجکٹ انجینیر (فرزند مسٹر آئی محبوب شریف، ریٹائرڈ ڈسٹرکٹ جج و اڈیشنل لا سکریٹری) کے ساتھ ۱۷ر مئی سنہ۸۰ء بمقام تھیلے نگر۔ ترچراپلی بحسن و خوبی انجام پائی۔ بہن عظیمہ اکرم صاحبہ کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔
نسیم انہونوی

• ڈاکٹر امداد حسین مرحوم کے فرزند عزیز حیدر سلمہ ایم۔ اے (پی۔ ایچ۔ ڈی) کی شادی کے سلسلہ میں ۲۳ر مئی سنہ۸۰ء کو پٹھانی ٹولہ۔ بنارس میں ایک شاندار دعوت ولیمہ دی گئی۔ بیگم صاحبہ ڈاکٹر امداد حسین کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ نسیم انہونوی

انتقالِ پرملال کی خبریں

• مہرالنساء ایم۔ اے (منصور۔ میسور) بڑے ہی دکھ سے کہہ رہی ہوں کہ میری بزرگ نانی رحیم النساء بیگم صاحبہ (دختر سید شاہ [illegible] مرحوم۔ ریٹائرڈ کلکٹر) وزوجہ جناب عبد الرزاق مرحوم [illegible]

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریم کی خریدار بہنوں کا مرسلہ ایک شعر ہر ماہ شائع کیا جاتا ہے، بشرطیکہ شعر موزوں، سنجیدہ اور پاکیزہ ہو۔ ساتھ ہی ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو۔ جولائی کے لئے عنوان ہے "دعا" اور اگست کے لئے "ہمت"۔ ۲۰ تاریخ کے بعد وصول ہونے والے اشعار شائع نہیں ہوتے ——— ادارہ

دیکھئے کب تک جواب خط سے آنکھیں شاد ہوں
راستہ دیکھا نہیں، قاصد بھٹکتا جائے گا

مرسلہ:- صوفیہ مظفر (ملکو۔ جمشید پور)

کیا جانے لکھ دیا اسے کیا اضطراب میں
قاصد کی لاش آئی ہے، خط کے جواب میں

مرسلہ:- نجم النسا (کھنڈکل)

ہر مصیبت کا دیا ایک تبسم سے جواب
یوں بھی پوچھا ہے مزاج غم دوراں ہم نے

مرسلہ:- مہ شہناز بیگم (بنگارا پیٹ)

نامہ بر تو ہی بتا، تو نے تو دیکھے ہوں گے
کیسے ہوتے ہیں وہ خط، جن کا جواب آتا ہے

مرسلہ:- سہیل ادیب شمسی (کلکتہ)

خون جگر سے کیوں نہ لکھوں میں جواب خط
وہ مانگتے ہیں خون کے آنسو جواب میں

مرسلہ:- منصور نیازی (کلکتہ)

۹۱۵۰- آپ کے شعر پر مہر لگ گئی۔ پڑھا نہیں جاسکا۔

وہاں گیا بھی میں تو ان کی گالیوں کا کیا جواب
یاد تھیں جتنی دعائیں، صرف درباں ہو گئیں

مرسلہ:- نجم السحر (کرنول)

قضا کردہ بتوں سے اگر سوال کیا
تو محشر میں خدا کو بھی جواب کیا ہوگا

مرسلہ:- تسنیم بیگم (دنیم پاڈی)

قاصد کے آتے آتے خط ایک اور لکھ رکھوں
میں جانتا ہوں جو وہ لکھیں گے جواب میں

مرسلہ:- انیس قادر (مدراس)

کیا فرض ہے کہ سب کو ملے ایک سا جواب
آؤ نا ہم بھی سیر کریں کوہ طور کی

مرسلہ:- ہلال فاطمہ (تاتارپور۔ بھاگلپور)

بقیہ بزم حریم صفحہ ۳۱ کا

۱۱ مئی سنہ ء بوقت شام ۶ بجکر ۴۰ منٹ پر مختصر سی علالت و ضعیفی کے باعث ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس جہان فانی سے رحلت فرمائیں۔ مرحوم بڑی خوبیوں کی بزرگ اور پابند صوم صلوٰۃ تھیں۔ اللہ پاک انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• ربیعہ نثار (جیراج نگر) افسوس صد افسوس کہ میرے خالہ زاد بہنوئی خالق شریف ۲ اپریل سنہ ء بروز اتوار بمقام میسور اس دار فانی سے رحلت فرما گئے دعا ہے کہ اللہ پاک مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے۔

• بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر شائع کی جارہی ہے کہ یکم جون سنہ ء کو خواجہ قمرالدین صاحب مرحوم کی اہلیہ محترمہ کا بعارضہ کینسر انتقال ہوگیا۔ مرحومہ ایک عرصہ سے علیل تھیں اتفاق سے تھوڑا عرصہ گذرا ہے کہ آپکے فرزند اکبر خواجہ نور الدین صاحب کا انتقال اسی موذی مرض میں ہوگیا تھا۔ یہ صدمہ ایک ضعیف ماں کے لئے یوں بھی ایسا تھا کہ اسے برداشت کرنا دشوار تھا۔ اللہ پاک مرحومہ کو اپنے دیار رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ نسیم امروہوی

• ابھی ابھی یہ افسوسناک خبر ملی ہے کہ اردو کے شہرۂ آفاق مصنف و مترجم جناب منظر الحق علوی صاحب (احمد آباد) کی والدہ محترمہ کا ۲۸ مئی سنہ ء کی شب میں دو بجے ایک طویل علالت کے بعد انتقال ہوگیا۔ موصوفہ نہایت نیک، پارسا اور عبادت گذار خاتون تھیں۔ راقم الحروف کو ان سے ملنے کا اکثر اتفاق ہوا تھا۔ اللہ پاک انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

نسیم امروہوی

میں پڑا ہے۔ بھوکا پیاسا بھی ہوگا۔ اسے تو کسی بات کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔
جی ہاں۔ جی ہاں: کفیل نے اخلاق سے دانتوں کی نمائش کرتے ہوئے
آپا کا تذکرہ ہے کیا پھر بے حد سنجیدہ ہو کر بولے: تم گئی تھیں۔ نگار کے ساتھ ۔
ہسپتال؟ کیا ہوا؟ -

بہت سانحے نگار اور فرحانہ کو اپنے گھر لے کر چلے گئے۔ پھر میں ادھر ہی سے
رعنا کو ڈاکٹر سید چچا کے پاس لے گئی۔ وہاں کا بھی عجیب رنگ ہے۔ خدا رحم
کرے۔ یہ کیسی تباہیاں سب پر آ رہی ہیں۔ میرے تو اللہ قسم ہوش گم ہیں بھئی۔
تم یہ بتاؤ۔ رعنا کا زخم اب کیسا ہے۔ ڈاکٹروں نے انہیں لے جانے پر کوئی
اعتراض تو نہیں کیا:

وہ تو کہتے تھے کہ انہوں نے اسی رات زخم پر پٹی کس کے رحمان صاحب
سے کہا تھا کہ حالت اچھی ہے۔ لڑکی کو گھر لے جائیے لیکن وہ صاحب اس
لڑکی کے ساتھ تھے۔ انہوں نے اصرار کیا کہ وہ ایک دن ہسپتال ہی میں اپنے
دیکھئے:

کیسے سنگدل بھائی ہیں۔ لاحول ولا قوۃ: کفیل بولے: ہاں سعید صاحب
کے گھر کا کیا حال ہے؟ تم کسی تباہی کا تذکرہ کر رہی تھیں!:
ناصیہ نے کہا: پھر کہوں گی۔ ذرا رعنا کو خوراک دے آؤں۔ آج تو اسے
بخار نہیں ہے:

ایزد اور چہرے میں ڈوبے ہوئے زینے کچھ دور تک اترا اور وہیں کھڑا
رہا۔ اس کا دل نہیں لگ رہا تھا عقل حیران تھی کہ کیا کرے کہاں جائے کس
سے مدد مانگے کون ہے جو اس کے الٹے خیالات کو دماغ سے نکال کر ان کی
جگہ سپرد کرے:

کا ہاتھ مس ہوتا۔ ایک بار میں نے آپ کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔ آپ کو یقیناً
برا لگا ہوگا۔ لیکن میں مجبور تھی اس وقت۔ میں نے [illegible] کو خود نفرت،
گریز اور مردوں کے نام سے بیزاری اور گوشہ نشینی کے [illegible] میں چھپا لیا
ورنہ۔ میرا۔ خوفناک قرب۔ آپ کو کبھی کچھ نہ کچھ ضرور دیتا تر کرتا اور یہ مجھے
کسی حال میں گوارا نہ تھا۔ ایزد صاحب۔ اپنے آپ سے جنگ کرتے ہوئے
میں کتنی بار خود سے ہاری ہوں۔ یہ میں خود نہیں جانتی۔ میں لمحہ لمحہ کی موت
مری ہوں۔ مجھے اپنے آپ پر ترس آیا ہے۔ میں نے اپنی آرزوؤں کا مزار
بنایا ہے اور اس پر آنسو بہاتی رہی ہوں۔ مجھے خیال آتا تھا کیا میں تمام
ازل سے اپنے لیے کچھ بھی نہیں لائی؟؟

مہ وش ...: وحشت سے پاگل ہو کر ایزد نے کہا: تم کسی بڑی غلط فہمی
کا شکار ہو۔ معلوم نہیں کون سے احمق ڈاکٹر نے تمہیں اس مرض کا خوف
دلا دیا ہے اور تم یہاں تک دوڑی آئی ہو۔ میرے ساتھ گھر چلو۔ سید صاحب
سے سارے حالات کہہ کے اپنے وہم و خفقان کا علاج کراؤ:
نہیں ایزد نہیں: مہ وش نے کہا: جو کچھ مجھے کہنا تھا میں کہہ چکی۔ میں نے
بڑے ڈاکٹروں سے تصدیق کرائی ہے۔ سب کا متفقہ فیصلہ ہے کہ میرے
خون میں اب اتنا زہر پھیل گیا ہے کہ مجھ پر کوئی دوا کارگر نہیں ہو سکے گی
میرے حوصلے کی داد دو۔ ایزد۔ کہ میں یہ فیصلہ سن کر مر نہیں گئی۔ میں
نے بڑی بہادری کی ہے نا۔ صبر و سکون سے اپنا مقدر برداشت کر لیا۔!
ایزد کوئی بات تھی کہ میں نے تمہیں خط لکھا۔ اور بڑی کشمکش میں پڑی رہی
کہ تمہیں لکھوں کہ نہ لکھوں۔! پھر میرا دل نہ مانا اور پھر میں چلی آئی [illegible]

ہو گا تبھی تو اس کے ساتھ بھاگی ہے۔ اکیلے بھاگ کے کیا کرتی" ناہید نے کہا: "اللہ توبہ" بے شرم کے کوڑے برس گئے جب یہ سنا میں نے:

"واقعی بڑے افسوس کا مقام ہے شریف گھرانوں کی لڑکیوں کا یہ حال ہے۔ خدا رحم کرے۔ دراصل سینما بازی کی بڑھی ہوئی آزادی۔ مردوں کی برابری کا زعم۔ بُرو غلط قسم کی سہیلیوں کی ہم نشینی۔ یہ سب اسباب ہیں لڑکیوں کی اس تباہی و بربادی کے۔ سچ کہتا ہوں ناہید۔ بر امت [illegible] جیسی لڑکی کا مرجانا بھلا ... ابھی تو سعید چچا بھی کہہ رہے تھے کہ خدا کرے کسی کنوئیں تالاب میں اس کی لاش ملے۔ نیاز دلائیں گے بڑے پیر صاحب کی۔ چچی کی حالت تو [illegible] دیکھی نہیں جا رہی تھی:"

"خیر۔ خدا ان پہ بھی رحم کرے۔ تم یہ کہو کہ حنا سے تو انی کی رخصت کا تذکرہ نہیں کیا؟"

ایزد اچھل پڑا۔ "ارے۔ تو کیا حنا تک پہونچ گئی خبر [illegible]۔ مہوش پر لعنت ملامت کے ڈونگرے برس رہے ہیں۔ لیکن حنا کی بد افعالی پر کوئی [illegible] نہیں کہہ رہا ہے۔ کیا انصاف ہے صاحب؟"

"خرم نے منع کر دیا تھا" ناہید بولیں۔

"یہ دوسری ہوئی۔ بھلا خرم صاحب کیوں ان کے [illegible] بن بیٹھے ہیں"

ایزد نے سر ہلایا۔

"[illegible] چلو۔ کیا کرے گی ہو جائے" ناہید نے اپنی کریہہ آواز میں ہانک لگائی۔ دونوں [illegible] کھیل جانتے جانتے ہوئے۔ "ناہید۔ برائے خدا۔ ایزد کے پاس جاؤ۔ وہ سب سے زیادہ تمہیں کو مانتا ہے۔ وہ کہہ دے تو بہتر ہو گا۔ [illegible] کیا اسے نہ جانا ہو گا۔ یہ تو ہماری بڑی سنگدلی ہے کہ ہم سب نے اسے ایک بڑے غم کے ساتھ اکیلا

نہیں ہے۔ پیدائش کی اولیں ساعت سے لے کے دم واپسیں تک کتنے ابواب بند ہوئے ہیں اس زندگی کی ضخیم کتاب میں۔!"

"لیکن" ایزد نے کچھ کہنا چاہا۔

"اسی طرح وہ عوارض، صحت مندی، یا پھر دکھ سکھ سب ایک جسم کی محدود دنیا کے اندر موجود ہوتے ہیں۔ آدمی اپنے کھال سے باہر نہیں نکل سکتا۔ یہ کتنا بڑا المیہ ہے۔ اسے اپنے جذبات سے بہر حال سمجھوتہ کر لینا پڑتا ہے۔ ہے نا؟"

"لیکن میں یہ پوچھ رہا تھا کہ آپ کا یہ فرار"

مہوش نے پھر قطع کلام کر کے کہا: "ہاں۔ لوگ چہ میگوئیاں کر رہے ہوں گے۔ میں نے ایک شرمناک قدم اٹھایا ہے۔ میں کسی آدمی کے ساتھ کہیں بھاگ گئی ہوں۔ لیکن ایسا نہیں ہے کیونکہ جیسا آپ دیکھ رہے ہیں! میں بہت بیمار ہوں:"

"بیمار۔!" ایزد چونک کر اسے گھورنے لگا: "لیکن میں آپ کو سرخ و سفید اور صحت مند دیکھ رہا ہوں:"

مہوش کا چہرہ بھیانک ہو گیا۔

"ایزد صاحب۔ میں اپنے آپ کو دھوکے میں رکھنا نہیں چاہتی۔ نہ میں یہ چاہتی ہوں کہ میں کسی اور کو دھوکے میں رکھوں۔ شاید آپ نہیں جانتے کہ یہ سرخی اور چہرے کی صحت مندی اس بھیانک بیماری کی علامتیں ہیں جسے لوگ بڑا برا مرض سمجھتے ہیں۔ جسے تین بانسوں کے فاصلے سے کھلایا جاتا ہے:"

"کیا!" حیرت و خوف سے ایزد کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔

مہوش سسکیاں لینے لگی: "آدمی بعض اپنے راز اپنے ماں باپ بھائی

"ایسی کوئی بات نہیں": ایزد بولا۔ وہ ابھی تک دروازے میں کھڑا تھا اور مہوش بالکنی کے دھندلکے میں بت کی طرح ایستادہ تھی۔

"یہاں کی فضا آپ کو زہریلی معلوم ہو رہی ہے۔ چلئے تو پھر چلیں۔ پارک میں:

"اچھا ہاں۔ آئیے":

جب وہ باہر نکلے تو مہوش اس سے تقریباً دو فٹ کا فصل دے کر چل رہی تھی [illegible] دل [illegible] ہو رہا تھا۔ وہ پوشی کے لیے محترمہ نے اچھی جگہ چنی ہے۔ وہ [illegible] کے افراد دیوانے سر پیچ کر رہ جائیں گے یا پھر یہ سوچ کر دل کو سمجھا لیں گے کہ وہ کسی بد معاش کے ساتھ کہیں اور چل دی ہے۔ اس مقام کا تو کبھی کسی کو دھیان تک نہ آسکے گا!۔

"بیٹھئے": مہوش کی آواز سن کر وہ چونکا اور اس کا شکریہ ادا کر کے پتھر کی بنچ پر بیٹھ گیا۔ دوسری بنچ جو ایک گز کے فاصلے پر نصب تھی۔ مہوش اس [illegible] گئی!۔

پھر کسی تمہید کے بغیر ایزد نے کہا: "میری سمجھ میں ابھی تک نہیں آیا کہ آپ نے کیا تہیہ کر لیا ہے۔ آپ کے عزائم کیا ہیں اور ---"

مہوش کا چہرہ [illegible] گوشت کا سا سرخ ہو گیا۔ اس نے ہاتھ اٹھا کر ایزد کو روک دیا پھر کسی قدر [illegible] میں بولی۔

"[illegible] صاحب۔ جب آدمی یہ سوچ لیتا ہے کہ اب ایک مقررہ وقت کے اندر [illegible] ہے چاہے وہ وقت میں بائیس سال کے اندر ہو چاہے سو برس تک [illegible]۔ آپ ایک مکمل کتاب پہلے صفحے سے کھولتے ہیں۔ اور آپ کو خیال آتا ہے کہ اس [illegible] ایک [illegible] ہے۔ لیکن [illegible] اب اس کتاب کو آپ [illegible] دیتے ہیں۔ انسانی زندگی کیا ہے۔ ایسی ہی

چھوڑ دیا ہے":

"میں تو اسے کھینچ لاتی پر ابا جان کا ڈر لگا ہے کہیں وہ کچھ جل بھن نہ جائیں": ناصیہ نے کہا۔ ایزد کو اندازہ ہوا کہ یہ دونوں اس سے کتنی سچی محبت کرتے تھے۔ اس کا دل بھر آیا۔

"میں ابا جان کے ساتھ کھائے لیتا ہوں": کفیل نے کہا: "تم اپنا اور اس کا کھانا اوپر لے کر چلی جاؤ۔ تمہارے ساتھ شاید پیٹ بھر کھا سکے گا وہ۔ ابا جان کے سامنے تو بھئی میں بھی دو نوالوں کی گنجائش چھوڑ کے اٹھ جاتا ہوں":

"آپ جائیے۔ میں کھانا لے کر اوپر جاتی ہوں":

ایزد واپس پلٹا اور اوپر چڑھ گیا!۔

جب اس نے ناصیہ کے قدموں کی آہٹ سنی تو بجلی جلائی [illegible]

انھوں نے کھانے سے لبریز کشتی میز پر رکھ دی۔ "اور آؤ بھیا کھا لیں۔ آؤ۔ ایزد۔ کچھ کھا لو۔ یہ تو سانس کے ساتھ کی پیڑ ہے۔ آخر کار دم تک آدمی کے منہ میں شربت پانی ٹپکایا جاتا ہے۔ کب تک روؤ گے۔ اب تو کچھ فائدہ نہیں":

"عمر بھر روتا رہوں گا بھابی": اس نے بھاری آواز میں کہا: "ایسا لگتا ہے جیسے اپنے جینے میں کبھی کچھ لذت نہیں ملتی۔ یوں بھی کیسی عبوری زندگانی تھی میری۔ نہ ٹھکانہ گھاٹ کا۔ کبھی یہاں ہوں تو کبھی وہاں۔ چین کی ایک سانس نہ لے سکا کبھی۔ اب تو میں زیادہ الجھنوں کا شکار ہو کر رہ گیا ہوں۔ بھابی مجھے بھوک کا پیاسا مر جانے دیجئے": اور وہ چھوٹے بچے کی طرح آواز سے رو دیا۔

"بھیا تم بے حد پریشان ہو گئے ہو": ناصیہ نے اپنے آنچل میں اس کے آنسو پونچھے: "میری جان کی قسم اب دل بھاری نہ کرو۔ ایک وقت آئے گا کہ جب تم

دواخانہ ہے۔ معلوم کیوں نہ ہو گا۔ صاحب۔ آتے ہی جاتے رہتے ہیں ادھر۔ ڈرائیور بولا پھر حاست کے کچھ قریب پہنچ کر بڑی کراہت سے بولا: میں تو آگے نہیں جاؤں گا جناب۔ آپ یہیں اتر جائیے:

پھر وہ اپنا کرایہ گننے لگا اور زیر لب بولا: پورے چار روپے:

ایزد نے نہ جانے کون سا نوٹ نکال کر اسے تھما دیا۔ اس نے اسٹارٹ کی اور زنانے بھرتا ہوا نکلا چلا گیا۔ وہ بہت اداس بجھا سا ایک درخت کے نیچے کھڑا ادھر ادھر دیکھ رہا تھا! بڑی حماقت کی تھی اس نے یہاں آ کر۔ ہو سکتا ہے کہ وہ یہاں سے چلی بھی گئی ہو۔ اس نے تو ہمیشہ ہی اپنے مذاق کی سان پر اسے کسا تھا۔ یہ بھی اس کا مذاق ہو بھیانک خوفناک مذاق۔ وہ چاہتی تھی کہ ایک بھیک اور گھناؤنی بیماری میں ایزد بھی مبتلا ہو جائے۔ ساری دنیا کے مردوں کا اس نے ایک مرد سے انتقام لیا تھا! اس کا ذہن جیسا دھواں سا بھرنے لگا۔!

اگر یہ مردش کا مذاق ہے تو پھر ایزد اسے بھی نہیں چھوڑے گا۔ پاتال سے نکال کر اسے یوں بخشی دے گا کہ پھر عمر بھر۔ دفعتاً ایک لڑکا اس کے سامنے آ کھڑا ہوا۔ ایزد چونک کر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

آپ کا نام ایزد صاحب ہے: لڑکے نے پوچھا۔

ہاں۔! اس نے لڑکے کو پیار کیا اور اسے گھورنے لگا!۔

ادھر دیکھئے۔ لڑکے کے ہاتھ کے اشارے پر ایزد نے بھی نظریں گھمائیں:

وہ کھڑکی ہے نا۔ اس میں کوئی ہے آپ کو بلایا ہے شاب!:

عورت کہ مرد: ایزد نے پکار کر پوچھا۔

عورت ہی ہے صاب۔! لڑکا بولا اور اپنا ٹکڑا اٹھا کر ایک طرف چل دیا۔ بھونچکا سا رہ گیا تھا۔ ادھر جائے کہ نہ جائے لیکن مردش سے ملے اور اس بیہودہ مذاق

دوڑ بھاگتی تھی۔ بھلا اب یہ کون سے ٹوٹے ہوئے پیمانے سے توبہ ٹوٹی ہے۔ کیونکر باجی کے پاس پہنچی۔ کیا وہ اتنی ڈھیٹ ہے کہ باوصف اپنی بہنا کے غم کے باجی اور خرم بھائی سے آنکھیں چار کرنے کی جسارت کر سکتی ہے۔ باجی نے کیوں پناہ دی۔ کاش۔ مردش کے خیال سے جا کی وابستگی سے میرا پیچھا چھوٹ جاتا۔ میں بھی بھائی جان کی طرح ایک شریف نا شعار لڑکی سے شادی کر کے پرسرت زندگی گزار سکتا!!۔

برسات کا موسم تھا۔ دیر سے آسمان پر گھنگھور بادل گھرا ہوا رہے تھے۔ افق میں بجلیاں تڑپ رہی تھیں۔ وہ برآمدے میں آ کھڑا ہوا۔ نیچے دالان میں سناٹا تھا!۔ صرف صحن میں جلنے والا بلب آن تھا اس کی زرد بیمار روشنی ماحول کا نوحہ بنا رہی تھی۔!

ایزد کے ذہن میں چند ماہ پہلے کی بات تازہ ہو گئی۔ جب اس طرح اس نے جھانک کر دیکھا تھا۔ دالان میں ایک طرف ماں کہ بیگم بیٹھی تھیں ان کے سامنے ان کا خاص لکھنوی پاندان کھلا رکھا تھا۔ آپا ذاکرہ اور بوا جیون گیت گا رہی تھیں۔ بچے شور مچا رہے تھے!۔ فرش پر رنگ برنگی قیمتی ملبوسات بکھرے پڑے تھے! کفیل اور خرم کے قہقہوں سے دالان گونج رہا تھا!۔

اور اب۔!

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے!

کہاں گیا وہ منور دبستم پاکیزہ چہرہ۔ اگر ہوتا ہمیشہ کے لیے خاک کے تاریک پردوں میں حسرتوں اور آرزوؤں کا انبوہ لے گئی اپنے ساتھ۔ میں نے بھی کوئی گلہ نہیں پہنچایا انہیں نہیں جانتا تھا کہ وہ اس قدر جلد ہم سے بچھڑ جانے والی ہیں۔

THE HAREE
July 80
Rs.1-20
ایڈیٹر

ٹیلیفون نمبر آفس ۲۵۳۴۴

ٹیلیفون نمبر آفس ۲۴۵۵۹

[illegible] اور
اردو میں ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے۔

جلد ۵۸ — نمبر (۷)

ماہنامہ حریم لکھنؤ

بیادگار
سید محمد سلیم انہونوی مرحوم
و
شفیق النساء
بیگم سلیم انہونوی مرحوم

اڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم غزالہ
جانی بیگم ردولوی

فہرست مضامین ماہ جولائی سنہ ۱۹۸۰ء

قیمت سالانہ

اعزازی۔ منی آرڈر سے تیئیس روپیہ۔ مخصوص خریداری۔ منی آرڈر سے اکیس روپیہ۔ معمولی خریداری منی آرڈر سے اٹھارہ روپیہ۔ وی
پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ زائد فی پرچہ ایک روپیہ بیس پیسے۔ غیر ممالک سے ۴۰ روپیہ یا اس کے بقدر غیر ملکی سکہ برائے سی میل۔
ایر میل سے مختلف ممالک کے لئے مختلف شرحیں۔ آفس اور ترسیل زر کا پتہ نسیم بکڈپو۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ
نسیم انہونوی مالک و ناشر، پرنٹر سرفراز قومی پریس لکھنؤ

(حیات طیبہ کا ازدواجی شعبہ کی چوتھی قسط)

باب ہفتم آپ کی گھریلو زندگی

پیغمبر اسلام کی زندگی دو الگ الگ خانوں میں تقسیم نہ تھی۔ پرائیویٹ اور پبلک۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کی پرائیویٹ لائف زیادہ پبلک تھی دوسروں کی پبلک لائف سے۔

نبوت سے پہلے بھی ان سے کوئی ایسا فعل سرزد نہیں ہوا جسے خلاف شریعت کہا جا سکے۔ لیکن نبوت کے تئیس سال کے ہر تین سو پینسٹھ دن اور ہر دن کے چوبیس گھنٹے اسلام اور صرف اسلام کے لئے وقف تھے۔ وہ ہر لمحہ ڈیوٹی پر تھے۔ ان کا ایک ہی مقصد حیات تھا — اسلام کو عملی نمونہ کے قالب میں پیش کرنا تاکہ رہتی دنیا تک انسان کی رہنمائی ہو سکے۔ خواہ وہ کچھ کر رہا ہو، کسی ملک میں ہو، کسی زمانے میں ہو۔

اگر کسی کی اندرونی شخصیت کو دیکھنا ہے تو اس کی پرائیویٹ لائف کو دیکھو جہاں وہ اپنے فطری رنگ میں پایا جاتا ہے — بلا رنگ و روغن۔ کاشانۂ نبی کیا تھا؟ ایک کھلی کتاب۔ جس کا جب جی چاہے اور جہاں سے جی چاہے دیکھ لے۔ اپنی ازواج مطہرات کے ذریعہ وہ دنیا والوں کو براڈ کاسٹ کرتے تھے کہ آؤ دیکھو کہ یہاں کیا ہو رہا ہے — اور کیا نہیں ہو رہا ہے۔؟

انھوں نے بتایا کہ جس لائحۂ عمل کو وہ دنیا کے سامنے اتنے شد و مد سے پیش کرتے تھے اس پر گھر کی چار دیواری کے اندر وہ خود کتنا عمل کرتے تھے۔ انھوں نے بتایا کہ ہر عمل کی ابتدا ان کی ذات سے اور ان کے گھر سے ہوتی تھی۔ انصاف، ایمانداری، محبت، قناعت، قربانی، خلوص، عزت، نیکی، عصمت شعاری، — جن عظیم الشان اصولوں کے ماننے کا تقاضا وہ دوسروں سے کرتے تھے ان پر سب سے پہلے وہ خود اور ان کے گھر والے عمل کرتے تھے۔ یہ ازواج مطہرات ہی تھیں جنھوں نے ان کی پرائیویٹ لائف کو پبلک لائف کی طرح کھول کھول کر دنیا والوں کے سامنے پیش کیا تھا۔ جنھوں نے ہر خاص و عام کو علی الاعلان دعوت دی کہ آؤ۔ اس پرائیویٹ لائف کی ہر طرح جانچ پڑتال کرو — اور اس میں اگر کہیں کوئی کمزوری ہے تو اس کی نشاندہی کرو۔ اور اگر کوئی کمزوری نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہے تو پھر اس اسوۂ حسنہ کی پیروی کرو۔

دس بیویاں ایک وقت میں، ایک چھت کے نیچے۔ سب کا الگ الگ شوق و ذوق۔ حضورؐ سے شادی کے وقت عمروں کا تفاوت چھ سے پچاس تک۔ معیار و مقدار میں علم اور علم کی روشنی سب کے پاس الگ الگ۔ خاندانی، سماجی اور سیاسی پس منظر سب کا جدا جدا۔ اگر کوئی راز رہتا تو اس ماحول میں افشا ہو چکا ہوتا۔ لیکن کوئی راز تھا ہی کہاں؟ پیغمبر اسلام کے اس دار فانی سے گزر جانے کے قرنوں بعد بھی کسی راز کا پتہ نہ چلا ازواج مطہرات سمیت کسی نے کبھی نہیں بتایا کہ کسی موقع پر تصویر کا کوئی اور رخ بھی تھا۔

دس بیویاں ایک ہی وقت میں ایک ہی چھت کے نیچے ایک ہی احاطہ میں۔ ان میں سے چند ضرورت مند اور معاشی بدحال، چند سابق جنگی قیدی، چند خاندان اور مرتبہ میں اعلیٰ ترین کنبوں سے متعلق۔ چند کی صورتیں معمولی اور چند بہت حسین۔ چند لاولد۔ دو چند کے پاس پہلے شوہروں سے اولادیں۔ یہ تھا کاشانۂ رسولؐ۔

اگر ازواج مطہرات تعداد میں کم ہوتیں یا ان میں باہمی اتنا فرق نہ ہوتا تو کسی نہ کسی مخالف اسلام کو یہ شگوفہ چھوڑنے کا موقع ملتا کہ تاریک پہلو پیش کرنے سے ان کو روک دیا گیا تھا۔ مگر ازواج مطہرات کی اتنی تعداد کو کس طرح روک دیا جا سکتا تھا۔ خصوصاً جبکہ ان میں سے بعض نے بیوگی میں بیسیوں سال گزارے۔

حقیقت یہ ہے کہ ازواج کی کمتر تعداد ہرگز کافی نہ ہوتی اسلام کے اتنے احکام اور اتنی تفصیلات کے ساتھ دنیا والوں تک پہنچانے کے لئے۔ یاد رہے کہ پیغمبر اسلام نے زور دے کر اپنی تمام ازواج کو حکم دے رکھا تھا کہ گفتگو سے لے کر عمل تک جو کچھ گھر کے اندر ہوتا ہے اسے باہر

پھیلاؤ اور اس ذیلی کو انھوں نے ساری طاقت اور شفقت سے انجام دیا ہے۔

یہ دین اسلام ہی ہے کہ اس شعبۂ حیات میں بھی رہنمائی پیش کرتا ہے۔ جسے پرائیویٹ کہا جاتا ہے۔ دوسرے انسانوں کے لئے خواہ وہ روحانی پیشوا ہوں یا مادی اپنی پرائیویٹ زندگی کو ظاہر کرنا ضروری نہیں لیکن سرور کونین رحمتِ عالم کے لئے یہ ضروری تھا کیونکہ ان کے سامنے ایک ہی مقصد تھا۔ اسلام کے ہر شعبۂ حیات کو عملی طور پر کر کے دکھانا خواہ اندرون خانہ ہو یا بیرون خانہ۔

باب ہشتم کیا آپ کی شادیاں جنس اور محبت کے لئے تھیں؟

کیا آپؐ نے جنس کے لئے شادیاں کیں؟

فیصلہ کرنے سے پہلے ہمیں چند حقیقتوں کو پیش نظر رکھنا چاہیئے :۔

(۱) دشمنانِ اسلام تک یہ تسلیم کرتے ہیں کہ بچپن، جوانی، ضعیفی ہر دور تھا، ہر عمر میں حضورؐ کا چال چلن بے نظیر حد تک پاک اور صاف رہا ہے۔

(۲) پیغمبرِ اسلام اس خاندان کے فرد تھے جو عرب میں سب سے دولتمند اور سب سے اعلیٰ تھا۔ اور اس خاندان کا تعلق اس قبیلۂ قریش سے تھا جو تمام عرب میں سب سے دولت مند اور سب سے اعلیٰ مانا جاتا تھا۔ دورِ جاہلیت میں شادی کرنے کے لئے اس سے بہتر صفات اور کیا ہو سکتی تھیں؟ حضورؐ جس سے اور جتنی سے چاہتے شادی فرما سکتے تھے۔

(۳) آپ کی صحت ہمیشہ اعلیٰ ترین رہی اور آپ مردانہ حسن و جمال میں بھی یکتا تھے۔

(۴) دورِ جاہلیت میں کوئی پابندی بیویوں کی تعداد پر نہ تھی آپؐ جس سے چاہتے اور جس جس سے چاہتے شادی کر سکتے تھے۔

(۵) قبیلہ قریش نے آپؐ کو پیشکش کر دی تھی کہ جس سے چاہیں شادی کریں بشرطیکہ آپؐ بتوں کے خلاف تبلیغ بند کر دیں۔

لیکن ہوا کیا؟ ہم دیکھتے ہیں :

(۱) آپؐ نے رشوت اور لالچ کی ہر پیشکش ٹھکرا دی۔

(۲) ساری زندگی آپؐ نے دامنِ عصمت پر کوئی داغ نہ آنے دیا۔

(۳) ان دنوں بھی جبکہ آپ کی جوانی انتہائی بلوغ پر تھی آپؐ دنوں ہفتوں اور مہینوں غارِ حرا کے اندر عبادتِ الٰہی میں غرق رہا کرتے تھے ——— دنیا کی تمام کشش اور ہنگامہ سے دور

(۴) اور جب آپؐ نے پہلی شادی کی تو شادی کی تحریک فریقِ ثانی کی طرف سے آئی تھی۔

(۵) اور جب آپؐ نے پہلی شادی کی تو حضرت خدیجہؓ کی عمر آپ سے پندرہ سال زیادہ تھی۔ اس کے علاوہ وہ دو دفعہ بیوہ ہو چکی تھیں اور ان کے بچے بھی تھے۔

(۶) ۲۵ سال کی عمر تک جو زندگی کا سب سے ہیجان انگیز زمانہ ہوتا ہے آپؐ نے ایک ہی بیوی کے ساتھ انتہائی محبت اور خدمت کے ساتھ گذارا۔ سوائے حضرت ابراہیم کے آپؐ کی ساری اولادیں حضرت خدیجہؓ سے ہی ہوئی ہیں۔ ان کی حیات میں آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔

(۷) اس کے بعد آپؐ نے حضرت سودہؓ سے شادی کی جو پچاس سال کی بیوہ تھیں اور جن کے پاس نہ خاص صحت تھی نہ دولت نہ حسن۔

(۸) اس کے بعد آپؐ نے حضرت عائشہؓ سے شادی کی جو اس وقت چھ سال کی تھیں۔

(۹) پھر آپؐ نے حضرت حفصہؓ سے شادی کی جو ایک بیوہ تھیں اور حسن یا دولت میں ممتاز نہ تھیں۔

(۱۰) پھر آپ نے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے شادی کی۔ وہ بھی بیوہ تھیں۔ اس کے علاوہ حسن میں ممتاز تھیں نہ دولت میں۔ اور وہ شادی کے تین ماہ بعد ہی وفات پا گئیں۔

ان حالات و واقعات کے تحت کیا کوئی تصور کر سکتا ہے کہ حضورؐ جنسی خواہشات کے لئے شادیاں کرتے تھے۔

اس کے علاوہ آپؐ نے خود فرمایا ہے :۔

"مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں" (دارمی بروایت سہیل بن سعدؓ)

کیا آپؐ نے محبت کے لئے شادیاں کیں؟

شادی سے قبل آپؐ نے ازواج مطہرات میں سے کسی کو نہیں دیکھا تھا سوائے عائشہؓ اور زینبؓ بنت جحش کے بہت سی ازواج مطہرات بیوہ تھیں، چند بچوں والی تھیں، چند ضعیف تھیں، کمزور تھیں اور صورت شکل میں ہرگز ممتاز نہ تھیں۔ پھر کون کہہ سکتا ہے کہ آپؐ نے شادیاں رومانی جذبات کی خاطر کی ہیں؟

جہاں تک حضرت عائشہ کا تعلق ہے شادی کے وقت وہ صرف چھ سال کی تھیں اگرچہ رخصتی تین سال بعد ہوئی اس قدر کم سن لڑکی سے محبت کی خاطر شادی کس طرح ممکن ہے؟ بہرحال یہ سوال اپنی جگہ قائم ہے کہ پھر آپؐ نے عائشہؓ سے شادی کیوں کی؟

ہم سمجھتے ہیں کہ آپ نے پیغمبرانہ بصیرت سے دیکھ لیا ہوگا کہ تبلیغ اسلام کے لئے عائشہؓ کی فطری صلاحیتیں کتنی زیادہ مفید ثابت ہوں گی۔ آپؐ نے ضرور اندازہ کر لیا ہوگا کہ اگر ان کی شادی کسی اور سے ہو جائے تو ان کی صلاحیتیں اسلام کے لئے زیادہ استعمال نہ ہو سکیں گی اور ان کی صلاحیتوں کی بہترین تربیت کے لئے آپؐ کی سرپرستی عین مناسب ہے۔

وقت نے ثابت کر دیا کہ آپؐ کا اندازہ کتنا صحیح تھا۔ ازواج مطہراتؓ میں حضرت عائشہؓ سب سے لائق فائق، عالمہ فاضلہ بلکہ اعلیٰ ترین محدثہ اور مجتہد ثابت ہوئیں۔ پھر ان کی مثال دنیا نے پیش نہ کی۔ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ جیسے ممتاز صحابہ ان کی فضیلت علمی اور بصیرت اجتہادی کے معترف تھے اور مشکل مسائل میں ان کی رائے دریافت کرتے تھے۔ مورخ اور مفکر کی حیثیت سے وہ اب تک ایک روشن مینار ہیں۔ انھوں نے جنگِ احد میں حصّہ لیا اور جنگِ جمل میں فوج کی قیادت کی۔ احادیث کی سب سے زیادہ تعداد انھوں نے ہی چھوڑی ہے۔

جہاں تک حضرت زینبؓ بنت جحش کا تعلق ہے، وہ آپ کی حقیقی پھوپھی کی بیٹی تھیں۔ حضورؐ نے یقیناً انھیں ہزاروں ہزار دفعہ دیکھا ہوگا۔ اگر وہ خود ان سے شادی کرنا چاہتے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ ان کا نکاح اپنے غلام اور منھ بولے بیٹے حضرت زیدؓ بن حارثہ سے کر دیتے ——— حضرت زینب اور ان کے سارے رشتہ دار اس نسبت سے خوش نہیں تھے۔ انھیں بہرحال سرِ تسلیم خم کرنا پڑا جبکہ حسب ذیل آیت نازل ہوئی :-

"یہ موزوں نہیں ہے ایک مومن یا ایک مومنہ کے لئے کہ جب کسی معاملہ کا فیصلہ اللہ اور رسولؐ نے کر دیا ہو تو وہ ان کے حکم میں اپنا دخل دیں۔ اگر کوئی شخص اللہ اور رسولؐ کی نافرمانی کرتا ہے تو کھلم کھلا غلط راستہ پر ہے (احزاب/۳۶)

ایک سال کے بعد زید نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی۔ پھر بھی حضورؐ نے آخر وقت تک زید کو ترغیب دینے کے لئے بہتیری کوشش کی کہ وہ اس رشتہ کو قائم رکھیں۔ قرآن پاک خود شاہد ہے:-

"ہاں! تم نے ضرور کہا تھا اس شخص کو جس نے پائی تھی اللہ کی رحمت اور تمہاری عنایت (یعنی زید کو) کہ اپنی بیوی سے رشتہ قائم رکھو....."

(احزاب/۳۷)

اس کے علاوہ حضرت زینبؓ سے حضورؐ کا نکاح خود اللہ تعالیٰ نے کر دیا تھا۔ (احزاب/۳۷) پھر کس طرح کوئی کہہ سکتا ہے کہ آنحضرتؐ جناب زینبؓ کے متعلق رومانوی خیال رکھتے تھے۔ (نعوذ باللہ)

پیغمبر اسلام تمام اہل ایمان سے محبت کرتے تھے خصوصاً ایمان والوں سے یعنی اپنے صحابہ کرام (رضی اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سے، جو شب و روز آپ کی صحبت میں رہتے تھے اور جنھوں نے اسلام کی خدمت میں تن من دھن ایک کر دیا تھا لیکن جہاں تک شادی سے پہلے اس محبت کا تعلق ہے جو ان دنوں یورپ اور امریکہ میں وبائے عام ہے، حضور اس کے وہم و تصور سے بھی ہزاروں فرسنگ دور تھے۔

اپنی تمام زندگی میں خاندان کے اندر محرم رشتہ والیوں کے علاوہ آپؐ نے کسی بالغ عورت سے ملاقات نہ کی۔ آپ حیا اور شرم کے پتلے تھے۔ ہر عورت کے پردہ کے سب ... ہمارے آپؐ خود تھے۔ آپؐ کو ساری دنیا کے لئے نمونہ بننا تھا پھر آپؐ ایسا کیوں کرتے؟

باب ۸ کیا آپ نے اقتدار، دولت یا اولادِ نرینہ کی خاطر شادیاں کیں؟

کیا آپؐ نے اقتدار کے لئے شادی کی؟

یہ سوال شہر مدینہ کے متعلق نہیں اٹھایا جا سکتا جہاں حضورؐ نے بیشتر شادیاں کی ہیں۔ وہاں آپ خود سربراہ مملکت تھے۔ جہاں تک شہر مکہ کا تعلق ہے قبیلہ قریش نے آپؐ کو بار بار اقتدار کے اعلیٰ ترین مسند کی پیش کش کی بشرطیکہ آپؐ بتوں کے خلاف تبلیغ نہ کریں۔

اگر آپ کو سیاسی اقتدار کی ہوس ہوتی تو آپ اس موقع سے ضرور فائدہ اٹھاتے۔ کوئی شخص ایک لمحہ کے لئے بھی یہ تصور نہیں کر سکتا کہ آپ مکہ میں شادیوں کے ذریعہ سیاسی اقتدار حاصل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

مکہ میں آپؐ نے تین شادیاں کی ہیں ——— خدیجہؓ، سودہؓ اور عائشہؓ سے۔ بیشک حضرت خدیجہؓ اپنے ساتھ دولت بھی لائی تھیں اور سماجی سربلندی بھی لیکن ان کی وفات کے بعد آپ نے حضرت سودہؓ سے کی جن کے پاس کوئی دولت نہ تھی۔ اور جو قبیلہ قریش کی ایک فرد ہونے کے باوجود کوئی خاص اثر نہیں رکھتی تھیں بلکہ حلقہ اسلام میں آجانے سے رہا سہا اثر بھی کھو بیٹھی تھیں۔ جہاں تک حضرت عائشہؓ کا سوال ہے ان کے والدین اسلام کے حلقہ بگوش تھے ہی۔

کیا آپؐ نے دولت کے لئے شادی کی؟

حضرت خدیجہؓ کے سوا ازواج مطہرات میں کوئی بھی دولتمند نہ تھیں۔ لیکن کیا خدیجہؓ کی دولت ان پر یا آپ پر خرچ ہوئی؟ نہیں سب کی

[illegible] ہوئی۔ شادی کے [illegible] دولت ختم ہو چکی تھی۔ بقیہ زمانہ [illegible] حضرت نے گزارا۔

یہ وہ دن تھے جبکہ مکہ میں آپؐ کو اہلِ قریش کی طرف سے بڑی دولت پیش کی جا رہی تھی اس شرط پر کہ آپ بتوں کی مخالفت نہ کریں۔ اگر حضورؐ کو دولت سے دلچسپی ہوتی تو اس قیمت پر بڑی سے بڑی رقم حاضر تھی۔

بہت سی ازواج مطہرات وہ تھیں جن سے آپؐ نے ـــ دیگر مصلحتوں کے سوا ـــ اس لئے شادی کی تھی کہ وہ بہت پریشان حال تھیں اور آپؐ ان کی مدد کرنا چاہتے تھے۔ اور وہ کسی دوسری صورت سے مدد لینے کو تیار نہ تھیں۔ ان میں سودہؓ، زینبؓ بنت خزیمہ، حفصہؓ، ام سلمہؓ، ام حبیبہؓ اور میمونہؓ شامل ہیں۔

تین ازواج مطہرات وہ تھیں جو جنگی قیدی اور باندی ہو کر آئی تھیں، جن کا فدیہ حضورؐ نے ادا کیا ـــ یعنی جویریہؓ، صفیہؓ اور ریحانہؓ اسی طرح ماریہؓ قبطیہ کے پاس بھی کوئی دولت نہ تھی وہ باندی تھیں جنھیں مقوقس مصر نے سربراہِ مدینہ کو تحفہ بھیجا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ عائشہؓ بنت ابوبکرؓ اپنے ساتھ کچھ جہیز لیکر آئی تھیں۔ وہ اس باپ کی بیٹی تھیں جو اپنی دولت کا تنکا تنکا راہ مولیٰ میں لٹا دیا کرتا تھا۔ پھر وہ کتنا جہیز لے کر آئی ہوں گی۔ کہا جاتا ہے کہ صفیہؓ نے جن کی وفات سنہ ۵۰ھ میں ہوئی اپنے پیچھے ایک لاکھ درہم نقد و جائداد کی صورت میں چھوڑا تھا۔ لیکن یہ دولت انھوں نے زمانہ بیوگی میں اپنی محنت سے حاصل کی تھی۔

کیا آپ نے اولاد نرینہ کے لئے شادی کی؟

حضرت خدیجہؓ سے آپؐ کی چھ اولادیں تھیں۔

(۱) قاسمؓ، (۲) زینبؓ (۳) عبد اللہؓ (۴) رقیہؓ (۵) ام کلثومؓ (۶) فاطمۃ الزہراؓ۔ حضرت ماریہ سے آپؐ کی ایک اولاد تھی:۔ ابراہیمؓ۔ اگرچہ چاروں صاحبزادیاں بلوغت کو پہنچیں لیکن تینوں صاحبزادوں کا انتقال شیر خوارگی ہی میں ہو گیا۔

ضرور کوئی سر پھرا [illegible] کہہ سکتا ہے کہ تینوں صاحبزادوں کے انتقال کے بعد حضورؐ کو اولاد نرینہ کی خواہش ہوگی اور وہ اس لئے شادی کر رہے تھے۔ لیکن یہ اعتراض سر نہیں اٹھا سکتا جب ہم دیکھتے ہیں [illegible] کو دو انھیں پہلے شوہر سے اولاد ہوئی تھی [illegible] آپ سے [illegible]

اور پھر پیغمبر اسلام کو اولاد نرینہ کی ضرورت کیا ہو سکتی تھی سورۂ کوثر نے تو صاف صاف کہہ ہی دیا تھا کہ بیشتر کفار کے بیٹے اسلام کے حلقہ میں آجائیں گے اور اسلام کا جھنڈا بلند کریں گے۔ (باقی آئندہ)

کچھ اپنی صحت کے متعلق

گزشتہ اشاعت میں، میں نے لکھا تھا کہ فارن کے انجکشن سے کافی سکون ہوا، لیکن یہ سکون کب تک رہتا ہے، یہ دیکھنا۔ تقریباً ۲۰، ۲۵ روز میں بالکل ٹھیک رہا۔ کسی طرح کی کوئی تکلیف کمزوری کے سوا نہ رہ گئی تھی، لیکن اب پھر تکالیف شروع ہو گئی ہیں۔ ابھی تک کسی طرح دو تین گھنٹوں کے لئے دفتر بھی آ رہا ہوں۔ لیکن کب تک یہ نہیں کہہ سکتا۔ فارن والے انجکشن پھر لگ رہے ہیں۔ دیکھوں اس بار ان کا اثر کتنے روز رہتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ انجکشن بھی سکون ہی پہنچاتے ہیں۔ مرض کا علاج نہیں۔

عزیزی بہنوں اور بھانجیوں کے خطوط برابر آتے رہتے ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ سب کو جواب دینا ممکن نہیں رہ گیا ہے۔ دل سے دعا دے کر رہ جاتا ہوں۔

نسیم انہونوی

۸ جون ۸۰ء

شکایات

پرچہ نہ ملنے کے سلسلہ میں شکایات کا سلسلہ برسوں سے جاری ہے۔ اس لئے کہ محکمہ ڈاک کا یہ عالم ہے کہ ٹکٹ تک لکھنؤ جیسے شہر کے ڈاکخانوں میں نہیں ملتے۔ دیہاتوں اور قصبات کا تو نہ معلوم کیا حال ہوگا۔ دو پیسے والے ٹکٹ جو حریم پر لگتے ہیں۔ مہینوں سے نہیں آئے۔ بمبئی یا دہلی وغیرہ سے انھیں منگایا جاتا ہے۔ ایک وی۔پی پر دو تین ٹکٹ لگنا چاہئیں، لیکن دس پندرہ لگانا پڑتے ہیں اس لئے کہ دو روپیہ، ایک روپیہ وغیرہ کے ٹکٹ بھی دستیاب نہیں ہوتے۔ ان کے بجائے پچیس پچیس، دس دس اور پانچ پانچ کے ٹکٹ لگانا پڑتے ہیں۔

خیال تھا کہ جنتا راج کی لعنت دور ہوتے ہی محکمہ ڈاک کا انتظام درست ہو جائے گا، لیکن سنٹر میں کانگریس آئی کی حکومت ہو جانے کے بعد محکمۂ ڈاک میں کوئی سدھار نہیں ہوا۔ حالانکہ اس محکمہ کا تعلق سنٹر ہی

سے ہے حالت ... جو ... سے چلے ...

جو دوسرے ... ہیں تقسیم ہو جاتا ہیں ، ...
روز تک وصول نہیں ہوتیں۔ جو وی۔ پی بھیجے جاتے ہیں ان کے اکثر کی
قیمیں خریدار سے تو وصول کرلی جاتی ہیں ، لیکن ہمیں وصول نہیں ہوتیں
اور ان کے لئے لکھا پڑھی کی جاتی ہے تو برسوں ادائی نہیں ہوتی۔
اس وقت بھی پچاسوں وی پیوں کی رقوم باقی ہیں ، جن کے بعض
وی۔ پی برسوں پرانے ہیں۔ خطوط کے جواب تک محکمہ نہیں دیتا۔
ہر ماہ حریم کے تقریباً ڈیڑھ سو پرچے غائب ہو جاتے ہیں اور
ہمیں دوبارہ اور سہ بارہ بھیجنا پڑتے ہیں۔ اس پر طرہ یہ کہ حریمی
بہنوں کی باتیں سننا پڑتی ہیں۔ بعض نادان بہنیں سمجھتی ہیں
کہ دفتر ہی سے پرچے بھیجے نہیں جاتے ، حالانکہ انھیں سوچنا چاہیے
کہ پرچہ نہ چھپے تو دوسری بات ہے ، لیکن چھپنے کے بعد دیکھا جائے
اور شکایت آنے پر بھیجا جائے۔ یہ کتنی بے تکی بات ہے۔ اکثر بہنیں
لکھتی ہیں کہ ہمارے یہاں کا پوسٹ مین بہت ایماندار ہے۔ وہ ہمارا
پرچہ غائب نہیں کرسکتا۔ کاش ایسی سادہ لوح بہنیں یہ بھی سمجھ
سکتیں کہ حریم کے دفتر سے حریم اڑ کر انھیں کے مقامی پوسٹ مین کے
پاس نہیں پہنچ جاتا۔ روانگی کے بعد نہ جانے کتنے ہاتھوں سے کتنی
منزلوں کے ذریعہ ان تک پہنچتا ہے۔ کہاں کون غائب کر دیتا ہے۔
کون جانے۔

ہمارے ملک کے لئے محکمہ ڈاک کی یہ بدنظمی شرمناک ہے۔ کسی
زمانے میں اس سے زیادہ دیانتدار اور پابند کارکوئی اور محکمہ نہ
تھا۔ اب کہاں تک اور کیا کیا باتیں لکھی جائیں۔ اکثر باتیں ایسی ہیں
کہ انھیں لکھا جائے تو محکمہ ثبوت مانگے گا ، لیکن ہر بات کا ثبوت فراہم
کرنا آسان تو نہیں ہوتا اس لئے ہم بہت سی شرمناک باتوں کو
لکھنا مناسب نہیں سمجھتے۔

—— مینیجر

(بقیہ تبصرات صفحہ ۱۲۸ کا)

ہیں کہ اپنے مفہوم کا اظہار کرسکیں اور عربی بولنے والوں کی باتیں کسی حد تک سمجھ
سکیں۔

اگر آپ تھوڑی بہت عربی سیکھنے کا شوق رکھتے ہوں تو اس کتاب کا
مطالعہ آپ کے لئے بہت ضروری ہے۔

ماہِ رمضان آگیا

محمد ثانی حسنی

آگیا ماہ صیام لے کے رحمت کا پیام
روح پرور روز و شب برکتوں کے صبح و شام
اک بہار جاں فزا آگئی مست خرام
رحمتیں ہی رحمتیں مغفرت کا اذن عام
وا ہوئے جنت کے در آتش دوزخ حرام
شر ذلیل و خوار ہے ہیں شیاطین زیر دام
دل میں مستی جذب شوق لب پہ پاکیزہ کلام
دن میں روزہ کا عمل رات کو ذکر و قیام
سحری و افطار کا انتظام و اہتمام
روزہ داروں کا یہی مشغلہ ہے صبح و شام
اک سراپا خیر شب ہے شب قدر اس کا نام
لیلتہ عفو و کرم فجر تک امن و سلام
مژدۂ رحمت لئے برکتوں کے لے کے جام
صف بصف روح ملک ہوتے ہیں نازل تمام
طالب خیر و کرم اٹھ کے لے کاس الکرام
کرلے اپنی آج تو مغفرت کا انتظام

لے کے رحمت کی بہار
آگیا ماہ صیام

بشکریہ رضوان۔ لکھنؤ

۱۔ گلاس

تبصرا

(ریویو کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں آنا ضروری ہوتا ہے)

"ایک سوبلین کی سرگذشت"

از سید اطہر حسین (آئی۔اے۔ایس)

سائز ۲۲ × ۱۸ صفحات ۳۲۰۔ کاغذ طباعت اور جلد وغیرہ موجودہ دور کے اعتبار سے بہتر قیمت بیس روپیہ۔ ملنے کا پتہ۔ سید اطہر حسین آئی۔اے ایس۔ سول لائن فیض آباد۔

سرگذشت کسی کی بھی ہو، دلچسپ ہوتی ہے اس لئے کہ اس میں ایسے ایسے واقعات ہوتے ہیں جن سے ہر شخص واقف نہیں ہوتا۔ اردو میں اس بحث پر زیادہ کتب شائع نہیں ہوئیں، لیکن جو بھی چھپیں، انھیں سنجیدہ طبقوں میں پسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔

سید اطہر حسین صاحب کو حالیہ چند برسوں میں لکھنؤ اور اس کے قرب جوار میں ایک شاعر، نعت گو اور ملی کارکن کی حیثیت سے بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی۔ بہت ہی قلیل مدت میں آپ کے مجموعہ کلام جام شعور "متاع زندگی" اور "حریم رسالت" شائع ہو کر مقبول ہوئی۔ سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اطہر صاحب نے مشاعروں میں اپنی شرکت سے نئی جان ڈالدی اور جتنے لوگ موصوف کو ایک آئی۔اے۔ایس افسر کی حیثیت سے جانتے تھے، ان سے کہیں زیادہ آپ کی اردو دوستی اور شعری دلچسپی سے بہت ہی مختصر مدت میں واقف ہو گئے سید اطہر حسین صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ جو چند سال کے اندر ہی اندر پایۂ تکمیل کو پہنچا مسلم مسافر خانہ ہے، جو چار باغ لکھنؤ اسٹیشن کے بالکل قریب اور لکھنؤ جیسے شہر کے شایان شان ہے۔ میں جانتا ہوں کہ ایسے کارنامے کسی تنہا شخصیت کے ہی رہین منت نہیں ہوا کرتے۔ مسلم مسافر خانہ کی تعمیر میں بیشتر درد مند اور حوصلہ مند شخصیتوں کا اشتراک شامل رہا ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر سید اطہر حسین صاحب نے دلچسپی نہ لی ہوتی تو شاید یہ کام اس خوبصورتی کے ساتھ انجام کو نہ پہنچ سکتا۔

ایک سوبلین کی سرگذشت سید اطہر حسین صاحب کی سوانح حیات ہے جسے موصوف نے اپنی یادداشت کی بنیاد پر مرتب کیا ہے۔

[illegible] میں موصوف نے سرکاری ملازمت اختیار کی [illegible] جنگ عظیم کا زمانہ تھا۔ ہندوستان میں انگریزوں کے خلاف جذبات ابھر کا شروع ہو گئے تھے اور پھر وہ دور آیا کہ برٹش حکومت ہندوستان کو آزاد کرنے پر مجبور ہو گئی۔

اطہر صاحب نے یہ ذکر کتاب میں نہیں فرمایا کہ حکومت سے ان کا رشتہ کب منقطع ہوا۔ لیکن یہ سلسلہ دو ایک سال قبل تک قائم تھا۔

اپنی سرگذشت حیات میں اطہر صاحب نے اپنی پیدائش سے لے کر خاندانی اور تعلیمی حالات و واقعات کا ذکر اختصار، لیکن دلچسپی کے ساتھ کرتے ہوئے اپنی سرکاری ذمہ داریوں کی جو روداد بیان کی ہے وہ کسی طرح ناول سے کم دلچسپ نہیں، بشرطیکہ اسے پڑھنے کی زحمت گوارا کی جائے۔

فرائض کی انجام دہی کے سلسلہ میں حکومت قاہرہ مصر میں چند دن، سرزمین حجاز پاک اور سفر امریکہ کے دلچسپ ابواب بھی شامل ہیں، جن سے وہاں کے تاریخی اور معاشی حالات پر دلچسپ روشنی پڑتی ہے۔

اطہر حسین صاحب کی سرگذشت حیات کا مطالعہ بتاتا ہے کہ موصوف نے ہمیشہ انصاف پسندی کو مد نظر رکھا۔ وہ کبھی کسی بڑے حاکم سے بھی مرعوب نہیں ہوئے۔

بظاہر لوگ سمجھتے ہیں کہ ایک تحصیلدار، ڈپٹی کمشنر یا کمشنر کی زندگی بڑے رعب و داب کے ساتھ گذرتی ہے لیکن اطہر صاحب کی سرگذشت ہمیں بتاتی ہے کہ یہ مناصب کتنے پر خار ہوتے ہیں اور ان سے ایمانداری صداقت اور انصاف کے تحت گذرنا کتنا دشوار ہوتا ہے۔

عربی کلام (حصہ اول)

مؤلفہ قاضی زین العابدین صاحب میرٹھی۔

سائز ۳۰ × ۲۰ / ۱۶ صفحات ۱۲۰۔ قیمت چار روپیہ۔ ملنے کا پتہ۔ مکتبہ علیہ۔ میرٹھ۔ کتاب مذکور کا یہ ساتواں اڈیشن ہے جو [illegible] میں شائع ہوا ہے۔ اس دور میں جبکہ اردو کی کتب بھی آسانی سے فروخت نہیں ہوتیں۔ عربی سیکھنے کی کسی کتاب کے اتنے اڈیشن کی فروخت، خود اس بات کی ضمانت ہے کہ کتاب ہماری یعنی مسلم زندگی کے لئے کتنی ضروری ہوگی۔

عربی گرامر اور طرز ترجمہ کو مولف نے آسان ترین بنا کر ایک اہم علمی خدمت انجام دی ہے۔ تھوڑے وقت میں تھوڑی توجہ دے کر اردو داں بوڑھے، جوان اور بچے اس کتاب کی مدد سے اتنی عربی سیکھ سکتے

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

روزہ

مولانا عبدالماجد دریابادی مرحوم

کھانا انسان کی زندگی قائم رکھنے کے لئے ہے، یا انسان کی زندگی اس لئے ہے کہ اسے کھانے پینے کی لذتوں میں بسر کیا جائے؟ موجودہ مادّی دنیا نے شق دوم کو اختیار کیا ہے اور اپنے پیرؤوں کو اس پر عمل کی ہدایت کی ہے

اسلام دین فطرت کا دوسرا نام ہے۔ اس میں کوئی شئے فطرت انسان و فطرت کائنات کے مخالف ہو نہیں سکتی۔ وہ ایک طرف اپنے پیرؤوں کو جائز لذتوں سے لطف اٹھانے کی بارہا دعوت دیتا ہے اور دوسری طرف قدم قدم پر لاتسرفوا! دائرہ اعتدال سے قدم باہر نہ رکھو۔ کی بھی تاکید کرتا جاتا ہے۔ لذتوں پر جھک پڑنے کا نام فسق ہے اور لذتوں سے بالکل کنارہ کش ہو جانے کو رہبانیت کہتے ہیں۔ اسلام نے جو شاہراہ ہدایت دنیا کے سامنے پیش کی ہے وہ فسق و رہبانیت دونوں سے بچ کر درمیانی راہ ہے۔

خواص جب گمراہ ہوتے ہیں تو رہبانیت کے ڈھرے پر پڑ جاتے ہیں عوام کی گمراہی کا نام فسق ہے۔ نفس انسانی میں لذتوں پر جھک پڑنے کا قدرتی میلان موجود ہے۔ انسان اکثر انھیں لذتوں پر گرتا ہے اور ایسا گرتا ہے کہ انسانیت سے گزر کر بہیمیت کے غار تک پہونچ جاتا ہے۔ روح کو چاہئے کہ روز بروز لطافت کی جانب ترقی کرتی جائے تاکہ جب جسم سے جدا ہونے کا وقت آئے تو اپنے مرکز اصلی کی جانب پرواز کر کے جو از سرتا پا نور و لطافت ہے۔ وصل و وصال کا وہ انتہائی لطف و سرور حاصل کرے جس کا نام مذہب کی اصطلاح میں جنت ہے۔ لیکن انسان جب فسق میں مبتلا ہو جاتا ہے تو ان مادی لذتوں میں پڑ جاتا ہے جو اس کی روحانی صحت کے حق میں مضر ہیں تو رفتہ رفتہ اس کی روح کثافت و گندگی میں آلودہ رہنے لگتی ہے یہاں تک کہ جسم سے جدا ہونے کے بعد اس میں اپنے مرکز اصلی کی جانب پرواز کی صلاحیت نہیں باقی رہتی اور مجبوراً اسے تنزل کر کے مادہ کی کثافتوں اور آلائشوں کے مرکز سے آمیز ہونا پڑتا ہے۔ جو اس سے کوئی بھی طبعی و ذاتی مناسبت نہیں رکھتے۔ اس لئے اسے انتہائی اذیت و تکلیف کا سامنا ہوتا ہے اور اس کو مذہب کی اصطلاح میں دوزخ کہتے ہیں۔

اسلام خلق اللہ کو راحت و سرور کی انتہائی منزل تک پہنچانے کا بہترین راہبر ہے۔ اس نے چن چن کر اپنے نظام و آئین میں وہی باتیں رکھی ہیں جو روح کی فطری صلاحیت کو بڑھائیں اور گندگی و کثافت میں آلودہ ہونے سے اسے محفوظ رکھیں۔ ان سب تدبیروں میں سے ایک اہم تدبیر کا نام "روزہ" ہے۔ محض بھوکا اور پیاسا رہنا یا خواہ مخواہ کسی کا اپنے تئیں گرسنگی و تشنگی کی تکلیف میں مبتلا کرنا ہرگز روزہ کا مدعا نہیں روزہ کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ انسان کچھ دیر کے لئے تمام اہم لذات مادی کی طرف سے بے توجہ ہو کر روح کو اپنی صفائی و پاکیزگی کی جانب متوجہ ہونے کا موقع دے قرآن پاک میں روزہ کی غایت دو لفظوں میں فرما دی ہے۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ) تقویٰ کے معنی بچنے کے ہیں بچنا کس شے سے؟ ہر اس شے سے جو روح کی پرواز کی ترقی میں حائل ہوتی ہے ہر اس شے سے جو روح کے جوہر لطیف کے حق میں زہر کا اثر رکھتی ہے۔ ہر اس شے سے جو روح کو کثافتوں اور آلائشوں کی دلدل میں پھنسائے رکھتی ہے۔ قرآنی بلاغت کا یہ معجزہ ہے کہ اس سارے مفہوم کو ایک لفظ "تتقون" کے ذریعہ سے ادا کر دیا۔

نماز اور روزہ اپنی حقیقت کے لحاظ سے دو جداگانہ چیزیں نہیں بلکہ ایک ہی حقیقت کے ایجابی و سلبی، مثبت و منفی دو پہلو ہیں نماز کی حیثیت فاعلی ہے یعنی دربار خداوندی میں حاضری دو اپنا روح جزئی کا براہ راست تعلق روح کلی سے پیدا کرو، روزہ کی حیثیت انفعالی ہے یعنی ان چیزوں سے بچو جو اس راہ میں حائل ہوتی ہیں، جو روح کو اس رفتار ترقی کے ناقابل بناتی ہیں۔ طبیب حاذق بھی علاج کرتا ہے اور پرہیز بھی بتاتا ہے۔ شفا اسی وقت ممکن ہے جب مریض دونوں ہدایتوں پر عمل کرے نماز بمنزلہ دوا ہے اور روزہ بمنزلہ پرہیز دوا اور پرہیز دونوں کی اہمیت اپنی اپنی جگہ پر ظاہر ہے۔

دنیا کے کامل ترین انسان کو نماز کے بعد جو عبادت سب سے زیادہ محبوب تھی وہ روزہ تھا، رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اس کثرت سے روزہ رکھا کرتے تھے کہ اہل خاندان و اصحاب بعض اوقات دنگ رہ جاتے۔ وجہ کھلی ہوئی ہے۔ اعلیٰ ترین روح کو روحانی پاکیزگی و صفائی کے نمونے بھی بہترین و کامل ترین دکھانے تھے۔ دیکھنے والوں

نے سمجھا جس نے عمل کیا وہ اپنی مراد کو پہنچ کر رہا۔

کھانے پینے میں زیادتی کرنا۔ عورت سے میل ملاپ پر حریص ہونا جھوٹ بولنا، سخت کلامی کرنا، کسی کا دل دکھانا، کسی کے پیچھے اس کا برائی سے ذکر کرنا، مال و دولت کی ہمکا کرنا، یہ سب چیزیں ایسی ہیں جو روح کی لطافت کو صدمہ پہنچاتی ہیں۔ اس کی بالیدگی کو روک دیتی ہیں۔ اس میں تازگی کے بجائے پژمردگی پیدا کرتی ہیں اور جسم مادہ کی کثافتوں کو بڑھا دیتی ہیں۔ اس قسم کی تمام چیزوں سے بچنے اور پرہیز کرنے کا نام روزہ ہے اور روزہ دار کے لئے یہ سب امور ممنوع ہیں۔

انسان اگر اپنی عمر کا بیشتر حصہ ان پابندیوں کے ساتھ گزار سکے تو اس کے مرتبہ کا کیا پوچھنا لیکن کم از کم سال کا بارہواں حصہ تو اس طرح گزارنا اپنے لئے لازمی سمجھے۔ اور اگر بہت سے بندے مل کر ایک خاص زمانہ اس کے لئے مقرر کر لیں جس میں وہ سب شریک ہوں تو شرکت و اجتماع کی بنا پر نفس روزہ کی برکتیں بدرجہا بڑھ سکتی ہیں مگر سب کا اپنے ارادہ سے ایک خاص زمانہ مقرر کرنا ممکن نہیں کسی کو کبھی سہولت ہوگی کسی کو کبھی اس لئے خود شریعت نے (راحت و سرور راہ ہدی کی منزل کے بہترین ہموار ترین و محفوظ ترین راستہ کا نام شریعت ہے) ایک خاص مہینہ کا تعین کر دیا جسے رمضان سے موسوم کرتے ہیں۔

خدائے اسلام جس طرح ہمارے رکوع و سجود ہماری تکبیر و تسبیح سے بے نیاز ہے اسی طرح اسے ہمارے بھوکے اور پیاسے رہنے ہمارے روزہ و تراویح۔ ہماری سحری و افطار کی بھی حاجت نہیں یہ تمام امور صرف ہمارے نفع و فائدے کے لئے ہیں۔ ہماری طبیعتیں اور سرشتیں چونکہ شیطانی شرارت سے مسخ ہو چکی ہیں۔ اس لئے آج بہتوں کو روزہ کی پابندی ایک بار معلوم ہوتی ہے لیکن کل جب حجابات دور ہو جائیں گے جب آنکھیں کھل جائیں گی۔ اس وقت اندازہ ہو سکے گا کہ روح میں اعلیٰ صلاحیتیں پیدا کرنے کے لئے روزہ کتنا سہل آسان مفید، موثر نسخہ تھا۔ کاش ہمارے سب بھائیوں کی آنکھیں آج ہی کھل جائیں

(منقول از سچ لکھنؤ ۱۹۲۵ء)

خط و کتابت کرتے وقت اپنا نمبر خریداری ضرور لکھیں جواب طلب امور کے لئے ٹکٹ یا لفافہ روانہ کریں۔

اقوالِ زرّیں

۱۔ خدا تمہارے جسموں اور مال کو نہیں، تمہارے دلوں اور عمل کے خلوص کو دیکھتا ہے۔
۲۔ جھوٹ ایمان کو زائل کر دیتا ہے۔ سچ کہو چاہے وہ کڑوا ہی ہو
۳۔ گناہ کسی نہ کسی طرح دل کو بے چین رکھتا ہے۔

مرسلہ:۔ نسیم فروزی (میسور)

۱۔ قرض نہ لو اور نہ دو، کیونکہ ایسا کرنے سے اکثر اچھے تعلقات بھی ختم ہو جاتے ہیں۔
۲۔ جو کام تم دوسروں کے سامنے کرنا مناسب نہیں سمجھتے، اسے چھپ کر بھی نہ کرو۔ خدا ہر حال دیکھتا ہے۔
۳۔ سفر کے راستے سے پہلے ساتھی کو اور مکان لینے سے پہلے پڑوسی کو دیکھ لینا ضروری ہوتا ہے۔

مرسلہ:۔ شکیلہ پروین۔ بلند شہر

۱۔ سلوک اور احسان کرتے وقت اہل و نااہل دیکھنے کی ضرورت نہیں۔
۲۔ جاہلوں کی صحبت میں رہنا، کانٹوں میں رہنا ہے۔

مرسلہ:۔ پی عقیلہ، نجم واحلہ (پرنام بٹ)

۱۔ جو خدا کی محبت کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن اپنے بھائی سے نفرت کرتا ہے۔ اس کا دعویٰ سچا نہیں ہو سکتا۔
۲۔ خدا کا نیک بندہ وہ ہے جو اس کے بندوں سے محبت کرتا ہے۔
۳۔ انسان کا ظاہر نہیں باطن دیکھنا چاہیئے۔

مرسلہ:۔ ایم۔ اے رحمٰن خاں (وجے واڑہ)

۱۔ حقیقی راحت کے متلاشی ہو تو دل کو نیک خیالات کا نشیمن بناؤ۔
۲۔ فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں۔
۳۔ جس سے نفرت کرتے ہو اس سے ہوشیار رہو۔

مرسلہ:۔ شاہین خاں (یوت مل)

۱۔ جو یہ سمجھتا ہے کہ دنیا کے بغیر وہ اپنا کام چلالے گا، وہ خود کو دھوکا دیتا ہے اور جو یہ سمجھتا ہے کہ اس کے بغیر دنیا کے کام نہیں چل سکتے، وہ اور زیادہ دھوکے میں ہوتا ہے۔
۲۔ ہر انسان کو ترقی کرنے کا موقع ملتا ہے جو اس موقع کا استقبال کرتا ہے، ترقی حاصل کرتا ہے، جو نہیں کرتا، وہ کچھ نہیں پاتا۔
۳۔ دور اندیش پیش آنے والے حالات کا اندازہ پہلے ہی لگالیتے ہیں۔

مرسلہ:۔ عالیہ نشاط (برہانپور)

۱۔ حسین عورت ہیرا ہوتی ہے لیکن نیک عورت جواہرات کا خزانہ ہوتی ہے۔ ۲۔ عورت کی حکمت گھر کو آباد کرتی ہے۔
۳۔ ایمان کے بعد نیک عورت سے اچھی کوئی چیز نہیں۔

مرسلہ:۔ ناہید مرزا (امشٹہ)

نعت آقائے نامدار

فیروز نظامی

ہاں ذکرِ شہنشاہ کرام اچھا لگے ہے
اے دل تو لئے جا کہ یہ نام اچھا لگے ہے

طیبہ میں بلا لیجئے یا شاہ مدینہ
آقا کی حضوری میں غلام اچھا لگے ہے

ہم، خوگر آداب محبت ہیں، ہمیں تو
جو ان کو پسند آئے وہ کام اچھا لگے ہے

کیونکر نہ کریں ذکر، سرِ عرش فرشتے
اللہ کو محبوبؐ کا نام اچھا لگے ہے

کی جس نے سرِ عرش رسولوں کی امامت
سب کو وہ اماموں کا امام اچھا لگے ہے

ہر چیز محبت کے قرینے میں ڈھلی ہے
دربار محمدؐ کا نظام اچھا لگے ہے

طٰہٰ ہو کہ لیٰسین ہو احمدؐ ہو کہ محمودؐ
جو نام بھی ان کا ہے وہ نام اچھا لگے ہے

جنت میں بلالؓ آئے تو کہنے لگیں حوریں
شاہوں سے محمدؐ کا غلام اچھا لگے ہے

یہ محفلِ سلطانِ دو عالمؐ ہے یہاں پر
ہر لب پہ درود اور سلام اچھا لگے ہے

ہر شعر میں نعت شہؐ والا کی ہے خوشبو
فیروزؔ نظامی کا کلام اچھا لگے ہے

"شرمِ گناہ"

عفت موہانی

تاریک رات کا بھیانک اژدھا اپنا زبردست منہ پھیلائے ہوئے دن کی دم توڑتی روشنی کو نگلنے کے لئے آہستہ آہستہ آگے سرک رہا تھا!۔ رات غیر معمولی ویران اور اُداس تھی۔ بند کھڑکیوں کے پیچھے مدھم ہوائیں چپکے چپکے سسک رہی تھیں۔ چاند کی تاریخیں تھیں لیکن کالے ابر کے دبیز نقاب نے چاند کا چہرہ دنیا والوں کی نظروں سے پوشیدہ کر دیا تھا اور یہ پتہ چلانا دشوار تھا کہ آسمان کی بسیط پنہائیوں میں چاند کدھر چھپا ہے!۔ کبھی کبھار ہوا کے جھکڑ سے ابر میں باریک سا رخنہ نمودار ہوتا اور ایک تنہا تارہ اپنی سہمی ہوئی جھلک دکھا کے فوراً غائب ہو جاتا!۔

دروازہ بند تھا!۔ بند دروازوں سے ہوائیں سر ٹکرا رہی تھیں۔ دریچے کے پاس بچھے ہوئے پلنگ پر لیٹے بیمار کا حال غیر یقینی سا نظر آرہا تھا۔ آنکھیں بند۔ لب نیم وا، چہرہ زرد، اور ہاتھ جسم سے علٰحدہ بے جان سے آس پاس پڑے ہوئے۔ منظر ویران اور ہولناک تھا۔ طوفانی موسم میں آنے والی موت کا خیال ان سب کے لئے دہشت ناک تھا!

دیر سے وہ سب متوقع موت کا استقبال کرنے کے لئے آمادہ و تیار بیٹھے تھے۔ دیر ہو چکی تھی۔ بیمار کی حالت میں کوئی تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ اور وہ سب۔ جو بیمار کے قریبی عزیز تھے۔ بیٹے تھے، داماد تھے۔ بہوٹیاں تھے۔ ایک ایک کرکے کمرے سے نکل گئے۔ جلد ہی آنے کا وعدہ کرکے، انھیں تو دنیا میں کام تھا۔ کہاں تک اور کب تک وہ موت کے فرشتے کا انتظار کئے جاتے!۔

لیکن وہ ہستی۔ جو شریک حیات تھی، زندگی کے سفر کی ساتھی تھی، بیمار کے سرہانے بیٹھی رہ گئی۔ اس کا اب کوئی کام اس دنیا میں نہیں تھا۔ انتظار اور صرف انتظار، شوہر کی موت کے بعد اپنے آخری انجام کا انتظار ـــ اس بوڑھی غمزدہ خاتون کو موسم کی تندی اور ویرانی کا بھی چنداں احساس نہ تھا، وہ ماحول سے الگ اپنے ماضی کے خول میں محصور تھی۔ یادوں میں غرق، شوہر کے زرد نیم مردہ چہرے پر خالی خالی نظریں جمائے۔ نجانے کیا سوچ رہی تھیں۔ خاموش، گم صم، رنجیدہ۔

آہستہ آہستہ موسم تبدیل ہوا۔ ہواؤں کی تندی نرمی میں بدلی، بادل پھٹے، ڈرتے ڈرتے چاند نے زمین پر جھانکا۔ ایک پھیکی افسردہ چاندنی میلی چادر کی طرح پرانی زمین کے فرش پر بچھ گئی۔

مریض کی پلکیں جھپکیں۔

بیگم؟ ـــ" لرزتے کانپتے لبوں سے ایک لفظ نکلا اور مایوس بیوی کے سامنے روشنی کا مینار بن کر کھڑا ہو گیا۔ وہ جلدی سے ان پر جھکیں۔

"اللہ کا شکر ہے۔ آپ کو ہوش تو آیا۔ کچھ پینے کے لئے لاؤں؟"

نہیں!۔

پی لیجئے۔ ذرا سی طاقت آئے بدن میں!۔

کب سے یہاں بیٹھی ہو۔ بیگم؟۔

آپ اس کی فکر کیوں کرتے ہیں۔ یہ بتائیے۔ اب اندر سے جی کیسا ہے؟۔

تم نہیں جانتیں بیگم، مرنے والوں کو موت افاقہ بھی تو دیتی ہے۔

"خدا نہ کرے۔ ایسی بد فالی نہ کیجئے۔ میں تو اللہ کی لاکھ لاکھ شکر گزار ہوں۔ آپ نے آنکھیں تو کھولیں"

بیگم؟؟!

"جی۔!"

میرے بعد۔ بدحواس نہ ہو جانا، ہم تم۔ بہت عرصہ ساتھ رہے ہیں شاید چالیس سال۔ اتنی طویل رفاقت کے بعد۔ ابدی

مفارقت قدرت کی ناانصافی نہیں ہے۔ تم دل کو مضبوط کیے رہنا۔ خدا کا شکر ہے کہ تمہارے آذوقے کا بند وبست ہو چکا ہے۔ پریشانی کی کوئی بات نہیں!۔

کیوں خواہ مخواہ ایسی باتیں کر کے بیماری بڑھا رہے ہیں آپ۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا تھا کہ جہاں تک ہو سکے زیادہ سے زیادہ آرام کیجئے!۔

آرام ہوا چاہتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی مرضی پوری ہو گی۔ مگر۔

آپ باتیں نہ کیجئے۔ تکلیف بڑھ نہ جائے۔

بیگم۔ تم نے بہتوں کو مرتے دیکھا ہے۔ تمہیں اب بھی اندازہ نہیں ہوا کہ یہ افاقۃ الموت ہے۔ یہ موقع مجھے خدا نے دیا ہے۔ جتنے گناہ میں نے کیے ہیں۔ ان سے توبہ کر لوں۔ خدا سے معافی مانگ لوں۔ اس کے بعد پھر روز حشر تک موقع نہیں ملے گا۔!

اللہ نہ کرے۔ میں کہتی ہوں۔ آپ نے زندگی میں گناہ ہی کون سے کیے ہیں۔ آپ کا سا نیک متقی پرہیزگار اور ایماندار آدمی اس زمانے میں دوسرا کوئی نہ ملے گا۔

کاش۔ کاش ایسا ہوتا۔ بیگم۔

ایسا ہی ہے۔ آپ خواہ مخواہ دل بھاری کر رہے ہیں!۔

کیا یہ سب۔ کمرے سے چلے گئے۔ تمہیں اکیلے میرے پاس چھوڑ کے؟

ان کے بچے رونے لگے تھے۔ انھیں سلانے چلے گئے ہیں کہ ان کے رونے سے آپ کے آرام میں خلل نہ پڑے۔!

یہ بہت اچھا ہوا۔ میں بھی یہی چاہتا تھا کہ۔ تھوڑی دیر کے لئے تم میرے پاس تنہا ہو۔ پھر کہاں۔ تم۔ اور کہاں میں۔ اللہ اللہ۔

ہائے اللہ۔ کیا آپ رو رہے ہیں؟"

بیگم۔ دروازہ بند کر دو۔ اور میرے پاس آ کے بیٹھ جاؤ۔!

لیجئے۔ بند کر دیا میں نے دروازہ۔ کہئے!۔

اچھا کیا۔ بہت سی باتیں ہیں جو ——— جن کا اعتراف میں تمہارے سامنے کر سکتا ہوں۔ تم مجھے معاف کر دو گی۔

خواہ مخواہ دل بھاری کر رہے ہیں آپ۔

ہلکے پھلکے ہو کر خدا کے دربار میں حاضر ہونا بدرجہا بہتر ہے۔ کہ۔ گناہوں کا بوجھل پشتارہ کندھوں پر لاد کے لے جاؤں۔!"

گناہ کس نے نہیں کیے۔ اللہ سب کو معاف کر دیتا ہے۔

مگر جس نے بگلا بھگت بن کے اندر اندر خسارہ کیا ہو۔ میں نہیں سمجھتا کہ خدا اسے بھی معاف کر دیتا ہے۔ میں نے بہت سے گناہ کیے ہیں۔ بیگم! جن کی یاد اب میرا دم گھونٹے دیتی ہے۔ کسی پہلو چین نہیں ہے۔ کوئی غیبی ہاتھ ضمیر پر آتشی کوڑے برسا رہا ہے۔ تمہیں بے چارہ اسد یاد ہے؟۔

ہاں۔ آپ کے چھوٹے بھائی؟؟۔

"بے چارہ۔ بہت معصوم، بے حد نیک دل تھا۔ ہم دونوں کے لئے والد مرحوم آدھا آدھا ترکہ چھوڑ گئے تھے۔ اسد کو معلوم تھا۔ مگر اس نے اپنا ترکہ مجھ سے نہیں مانگا، میں نے اس کا حصّہ اسے نہیں دیا۔ سب کچھ خود رکھ لیا۔ اس ناجائز دولت سے اپنا کاروبار بڑھایا پھیلایا۔ اور مالا مال ہو گیا۔ اسے پوچھا تک نہیں کہ اس کا کیا حال تھا۔ وہ سدا غریب رہا۔ مگر خوددار اور غیرت مند انسان نے اپنا ترکہ مجھ سے نہیں مانگا۔ مفلسی، ناداری اور تنگدستی میں ساری زندگی گزار دی۔ بالآخر کسمپرسی کی موت مر گیا ——— ہائے میرا کرب ——— مجھ سے خدا حساب لے گا!۔ یہ گناہ۔ تمہیں کیا خبر تھی اس کی؟؟!"

"تھی۔ سب خبر تھی۔ اللہ جانتا ہے۔ میں نے اسد بھیا کی بیوی کی چپکے چپکے بہت مدد کی۔ لڑکی کے بیاہ کے لئے بہت پریشان تھیں۔ میں نے اپنا گلوبند انھیں دے دیا تھا کہ اسے بیچ کے بیاہ کر دیں۔ آپ سے کہا نہیں تھا۔ ان دنوں آپ اسد بھائی سے خفا تھے!۔"

اللہ اللہ۔ تمہیں۔ وہ ادارہ بھی یاد ہو گا ——— ادارۂ فیض الاسلام۔ یتیم بچے پڑھتے تھے وہاں۔!

ہاں ہاں۔ یاد ہے۔

"میں اس ادارے کا منتظم تھا۔ بہت ایماندار معاملہ کا پکا اور سارے محلے کا باپ مشہور تھا۔ مجھ پر مکمل اعتماد کر کے بڑے بڑے مخیر حضرات امداد دیتے تھے۔ مگر میں۔ بدنصیب، غاصب، خائن۔ میں نے کبھی پوری رقم یتیم بچوں کی فلاح و بہبود، لباس اور خوراک یا رہائش پر خرچ نہ کی۔ انھیں بد سے بدتر رکھ دیا اور جو تھائی حصّہ رقموں کا خود ہڑپ کیا۔ کیا اللہ مجھ سے حساب نہ لے گا۔ کچھ کہو بیگم۔ پڑھو کوئی آیت۔ مجھے سکون ہو ——— !"

"اللہ آپ کی مدد کرے۔ اس کی رحمت سے مایوس نہ ہوئیے!"

"نہیں ہوتی تسکین نہیں ہوتی۔ موت کا گجر بج رہا ہے۔ کوئی گھڑی پل میں آ رہی گی کیا صورت لے کے جاؤں گا خدا کے سامنے!۔ ہائے ہائے۔؟

"اللہ کو آپ کے منفعل آنسوؤں پر ضرور رحم آ جائے گا!"

"کاش۔ میں نے۔ توبہ کر لی ہوتی۔ اپنے سیاہ کرتوتوں پر پچھتایا ہوتا۔ اپنے آنسوؤں سے اپنے حصے کی آگ بجھالی ہوتی۔ آہ۔ میرے پروردگار۔ میرے آس پاس تو اب بھی دوزخ بھڑک رہی ہے"

"آدمی خطاؤں سے مرکب ہے۔ اس قدر نہ گھبرایئے!۔

"بیگم۔ میں۔ میں۔ تو تمہارا بھی گناہ گار ہوں۔ سب سے زیادہ گناہ گار۔ اتنا بڑا گناہ کیا ہے میں نے۔ جو کبھی نہ بخشا جائے گا۔ چاہے میں دس جنم اور لے لوں اور ہر جنم میں خدا سے معافی مانگتا رہوں۔ تب بھی۔ تب یہ گناہ معاف نہ ہوگا!۔

"آپ کی یہ بے چینی ضرور اللہ کے رحم و کرم کا باعث بن جائے گی"

"بیگم۔ تمہاری۔ چھوٹی بہن رضوانہ نے خودکشی کیوں کر لی تھی؟؟؟"

"اللہ ہی جانے۔ کسی پر اس کی خودکشی کا راز ہی نہ کھلا۔ ایسی اچھی بچی تھی!۔ اسے کیا ہو گیا تھا کہ اس نے خواہ مخواہ کانچ پیس کے پی لی تھی"

بیگم۔ ان دنوں تمہارے یہاں لڑکا ہوا تھا۔ یاد آیا تمہیں؟۔

ہاں۔ کل کی سی بات ہے۔ میں نجانے کیا بیمار ہو گئی تھی کہ بچے کے سنبھالنے کی خاطر اماں کی خوشامد کر کے رضوانہ کو بلا لیا تھا"

رضوانہ غریب نہ صرف تمہاری خدمت کرتی تھی ــ بچے کی دیکھ بھال کرتی تھی۔ بلکہ سارے گھر کا کام بھی وہی کرتی تھی۔۔۔ یاد آیا تم کو۔ ایک رات۔ بیگم۔ ایک رات وہ۔ کھانے کے بعد۔ میرے [illegible]ں۔ میرے لئے چائے لے کے آئی تھی۔ اسے معلوم نہیں تھا کہ۔ میں اس رات شیطان بن چکا تھا۔ بڑی مدت کی تم سے دوری نے مجھے بیتاب کر رکھا تھا۔ اور۔ میں نے اسے کمرے سے جانے نہیں دیا۔ وہ روئی۔ گڑگڑاتی رہی۔ مگر۔ میں نے اس کی ایک نہ سنی۔ وہ۔ اپنی بے آبروئی کا غم [illegible] نہ کر سکی۔ اس نے چوڑیاں پیس کے پی لیں۔ اور میرا گناہ ظاہر [illegible] سے چلی گئی۔ میں نے۔ اس کے مر جانے پر۔ اطمینان کی سانس لی تھی۔ آج تک کسی کو پتہ نہیں چلا۔ مگر۔ میں اپنے حال میں مگن رہا۔۔۔۔ اور خیال تک نہ کیا کہ۔ اس بڑی آنکھ نے میرا یہ بھیانک گناہ دیکھا ہوگا جو سب ظاہر و باطن کی گہرائی تک دیکھ لیتی ہے!۔ آج۔ وہ زبردست آنکھ [illegible] غضب سے مجھے گھور رہی ہے۔ وہاں۔ وہاں۔ خدا کے سامنے۔ رضوانہ کھڑی ہوگی اور میرا گریبان پکڑ لے گی! میرے اللہ۔ میرے اللہ ــ مجھے بچا ان آتشیں گرزوں سے!۔"

مجھے یہ بھی معلوم تھا۔ رضوانہ نے اسی رات مجھ سے کہہ دیا تھا مگر مجھے خبر نہ تھی کہ وہ ناشاد اپنی جان دے دے گی۔

"مگر تم نے تو ابھی کہا تھا کہ۔ تمہیں اس کی خودکشی کی وجہ معلوم نہیں تھی!!"

"آپ کے پچھتاؤوں میں اور کتنا اضافہ کرتی۔؟؟"

بیگم؟؟"

نہ رویئے۔ خدا کے لئے۔ آپ کی حالت غیر ہو رہی ہے۔ آپ نے اتنی بہت سی باتیں کر ڈالیں۔ یہ آپ کو کیا ہو رہا ہے۔ ہائے۔ ان سب باتوں سے میں نے اپنی واقفی کا اظہار کیوں نہ کر دیا۔ کچھ تو آپ کی ندامت کم ہوتی۔ میرے اللہ۔ آپ نے تو ہمیشہ کے لئے آنکھیں بند کر لیں"

ہوا کے جھکڑ سے دروازہ کھل گیا۔ بیمار کے رشتے دار کمرے میں آ گئے۔ اب وہاں کچھ نہ تھا۔ ایک بے حد نیک، فیاض، مخیر اور فرشتہ خصلت" انسان اپنے پیچھے بہتیروں کو روتا بلکتا چھوڑ کے خالقِ حقیقی کے دربار میں پہنچ چکا تھا!!!۔

ہندوستان کو ناقابلِ تلافی نقصان

ہندوستان ہی نہیں ساری دنیا کے لوگوں نے سنجے گاندھی کی حادثاتی موت کی خبر سنی جو ۲۳ جون کی صبح اس وقت ہوئی جب آنجہانی سنجے گاندھی ایک چھوٹے ہوائی جہاز پر پریکٹس کر رہے تھے۔ اس خبر نے کروڑوں انسانوں کو آبدیدہ کر دیا۔ لاکھوں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اس لئے کہ سنجے کی شخصیت ایسی تھی جس پر ہندوستان کے روشن مستقبل کا انحصار تھا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ سنجے گاندھی نے اپنی مختصر سی سیاسی زندگی ہی میں یہ ثابت کر دیا تھا کہ ہندوستان کو ایسے ہی [illegible] مرد کی ضرورت تھی۔

۲۴ کی شام کو آخری رسوم ادا کئے گئے۔ شاید دنیا کے اس دور میں کسی بھی ایسے شخص کے آخری رسوم اس ہمہ گیری کے ساتھ ادا نہیں ہوئے جو صرف ممبر پارلیامنٹ رہا ہو۔ یہی سنجے کی ہردل عزیزی کا ثبوت ہے۔

خزاں کے بعد بہار

جہاں آرا بہار الدین

مقدر کبھی کبھی ایسی ستم ظریفی کرتا ہے کہ اللہ پر بھروسہ کرنے والے بھی حیران رہ جاتے ہیں کہ ایسا ظلم پیدا کرنے والا کیوں کرتا ہے، لیکن اس دنیا میں آئے دن ایسا ہوتا رہتا ہے۔ شمایل بھی انہیں میں سے ایک تھی، جس نے پیدا ہوتے ہی مصائب جھیلے۔ ماں اسپتال ہی میں مر گئی تھی۔ باپ کے غم والم کا اس وقت جو عالم تھا وہ دیکھا نہ جا سکتا تھا۔ انھوں نے بیٹی کو منحوس تو نہ سمجھا، اس لئے کہ پڑھے لکھے انسان تھے لیکن بیوی کی دائمی جدائی نے ان کی تمام مسرتیں چھین لی تھیں۔ بچی کو کیسے پالیں گے، ان کی سمجھ میں نہ آ رہا تھا۔ باپ مر جائے تو زیادہ دشواری نہیں ہوتی، ماں ہر حال میں بچے کی پرورش کر لیتی ہے۔ اس کے لئے اپنا سکھ چین برباد کر دیتی ہے۔ خود فاقے کرتی ہے لیکن بچے کو تکلیف نہیں ہونے دیتی۔ لیکن مرد یہ نہیں کر پاتا۔ اسے ملازمت یا کاروبار کی فکر بھی ہوتی ہے۔ شیر خوار بچے کے کھیلے کر وہ اپنے فرائض ادا نہیں کر پاتا۔

ناصر کی ایک رشتے کی بیوہ بہن تھیں۔ انھوں نے انھیں لکھا اور درخواست کی کہ وہ آکر ان کے ساتھ رہیں۔ وہ بھی بے سہارا تھیں اس لئے ازراہ ہمدردی انھوں نے بھائی کی بات مان لی۔ لیکن ان کی زندگی نے بھی وفا نہ کی، آٹھ سال بعد وہ بھی شمائل کی ماں کے پاس چلی گئیں۔

لوگوں نے مشورہ دیا کہ ناصر دوسری شادی کر لیں لیکن انھوں نے ایسا نہیں کیا کہ مبادا سوتیلی ماں کے ہاتھوں شمائل کو تکلیف پہنچے لیکن شمائل کی دیکھ بھال کیسے ہوتی۔ وہ دنیا تج کر اس کے ساتھ ہمہ وقت تو نہ رہ سکتے تھے۔ آخرکار مجبور ہو کر انھوں نے اپنے سگے بھائی کو لکھا کہ وہ شمایل کو اپنے ساتھ رکھیں۔ بھائی نے بخوشی یہ درخواست منظور کر لی اور ناصر شمایل کو ساتھ لے کر بھائی کے گھر گئے۔ بھاوج نے بھی بڑی خندہ پیشانی سے ان کا خیر مقدم کیا اور شمایل کو لپٹا کر بڑی محبت جتائی لیکن ناصر کے لئے شمایل کی جدائی بڑی ہی تکلیف دہ تھی۔ بظاہر انھیں اطمینان ہو گیا تھا، لیکن دل میں ایک کسک سی محسوس کرنے لگے اور نتیجہ یہ ہوا کہ غم والم نے ان کی صحت خراب کر دی اور چند ہی سال بعد وہ بھی راہی عدم ہو گئے!

"اری او مردار کہاں ہے تو۔ ابھی تک چولہا نہیں جلا۔ میں کہتی ہوں کہ کھانا کب تیار ہوگا۔"

سہمے لہجہ میں شمایل نے کہا "آئی چچی جان۔ قمیص میں پیوند لگا رہی تھی۔"

"یہ چونچلے یہاں نہ چلیں گے۔ قمیص میں پیوند لگانا ضروری ہے یا کھانا پکانا۔ چل اٹھ نہیں تو چوٹیا مونڈ دوں گی۔ تجھے معلوم ہے کہ آج کچھ لوگ آ رہے ہیں۔ ابھی تک کمرے کی صفائی بھی نہیں ہوئی ہے کہتی ہوں کر تو نہ کام کی نہ کاج کی دشمن اناج کی۔ منحوس کہاں کی مجھے ڈر رہتا ہے، خدا نہ کرے، کہیں اس منحوس کا سایہ میرے گھر والوں پر پڑ گیا تو کیا ہوتا ہے۔ خرم کے ابا نے بیکار یہ جنجال پالا ہے۔

خرم اپنے کمرے سے، ماں کی باتیں سن رہا تھا۔ وہ اپنے باپ ہی کی طرح نیک اور مخلص تھا۔ اسے شمایل سے دلی ہمدردی تھی لیکن ماں کی باتیں سنکر وہ خاموش رہتا، اس لئے کئی بار اس نے ماں کو یہ کہتے بھی سنا تھا کہ موئی میرے بیٹے پر ڈورے ڈال رہی ہے۔ یہ منہ اور مسور کی دال۔

خرم اس طرح کی باتیں سنتا تو اس کا خون کھولنے لگتا۔ اس لئے کہ شمایل نے کبھی ایسی کوئی بات نہ کی تھی جس سے کوئی یہ اندازہ کر سکتا کہ اسے خرم سے دلچسپی ہے وہ تو خرم کے سائے سے بھی دور رہنے کی کوشش کرتی تھی لیکن خود خرم اس کا غم غلط کرنے کے لئے اسے تسلی دیتا رہتا تھا۔ کئی بار ماں نے اس کی باتیں سن لی تھیں۔ بیٹے سے کچھ نہ کہا مگر شمایل کو سرزنش کرتی رہتی تاکہ وہ خرم سے دور ہی دور رہے۔

شمایل سچ مچ شمایل تھی اور خرم کو بیحد پسند تھی۔ اس کی شادی بھی ہو سکتی تھی اس سے، لیکن وہ جانتا تھا کہ اگر ایسا ہوا تو ماں شمایل کو زندہ نہ رہنے دے گی، اس لئے اس نے اپنی محبت کو سگے بھائی

ہی کی محبت تک محدود رکھا اور اس کوشش میں لگا رہا کہ کسی طرح شمایل کو اس جہنم سے دور پہنچا دے۔

آفاق خرم کا جگری دوست تھا۔ اس کی شادی نہیں ہوئی تھی اس لئے خرم نے ایک روز شمایل کے سلسلے میں اسے حالات سے آگاہ کرکے درخواست کی وہ اس سے شادی کرلے۔

آفاق نے کہا "تم خود ہی کیوں نہیں کرلیتے۔"

خرم نے کہا۔ میں اپنی بہن کی زندگی چاہتا ہوں۔ بہو بنا کر رکھنا تو دور رہا میری ظالم ماں تو اسے خادمہ کی حیثیت سے بھی رکھنا پسند نہیں کرتی۔ یہ دشواری نہ ہوتی تو میں قطعی اسے اپنا بنالیتا، لیکن میں جانتا ہوں کہ ماں کسی قیمت پر یہ پسند نہ کریں گی اور میں ماں سے اس سلسلہ میں مخالفت کرنا پسند نہیں کرتا۔

آفاق نے کہا میں اپنی ماں سے کہوں گا۔ میں بھی اپنی ماں کا فرماں بردار ہوں۔ ان کی مرضی بغیر کچھ نہیں کرسکتا۔

خرم نے کہا "مجھے یقین ہے کہ چچی جان شمایل کو ضرور پسند کریں گی۔ البتہ جہیز زیادہ نہ مل سکے گا۔ شمایل کے باپ کا جو فنڈ ملا تھا اسے ان کی ہدایت کے بموجب شمایل کے نام پر ابا جان نے بینک میں محفوظ کردیا تھا۔ چند زیور بھی شمایل کی ماں کے تھے جنھیں ابا جان نے محفوظ رکھا۔"

آفاق نے کہا "مجھے جہیز کی ضرورت نہیں، میں ایک ایسی رفیق حیات چاہتا ہوں جو میری ماں کی خدمت کرسکے اور میرے گھر کو اپنا گھر سمجھے۔"

خرم نے کہا "اس نقطۂ نظر سے شمایل جیسی لڑکی ملنا مشکل ہے ۱۸ سال تک وہ ماں کی محبت کو ترستی رہی ہے۔ اگر تمہاری ماں نے اسے بیٹی سمجھا تو مجھے یقین ہے کہ انھیں شمایل بہو سے زیادہ بیٹی ہی محسوس ہوگی۔

خرم کی بہن نازوں میں پلی تھی، نام بھی نازو تھا۔ لاڈ پیار میں تعلیم بھی واجبی ہی ہوسکی۔ ماں کو اس کی شادی کی فکر تھی۔ کئی پیام آئے تھے۔ ایک گھر کی عورتیں اس روز نازو کو دیکھنے آنے والی تھیں۔ صبح ہی سے غریب شمایل پر سختیاں ہو رہی تھیں کہ سارا گھر صاف کرے۔ کھانے بھی عمدہ پکائے۔ بیچاری کو کوسنے اور گالیاں سن سن کر رونا آرہا تھا، لیکن بے عذر سارے کام کر رہی تھی۔ شام ہوتے ہی چند خواتین آ گئیں۔ نازو کو خوب میک اپ کرایا گیا تھا۔ کپڑے بھی زرنگار پہنائے گئے تھے۔ خرم کی ماں نے چیخ کر کہا اری شمو ناشتہ وغیرہ کیوں نہیں لاتی۔ کہاں مرگئی۔

شمایل پیوند لگا لباس پہنے تھی۔ صبح سے گھر کی صفائی اور پکوان وغیرہ تیار کرنے میں لباس اور گندہ ہوگیا تھا لیکن اس کا چہرہ گندے پانی میں کنول کی طرح کھلا ہوا تھا۔ اسی حالت میں شمایل نے پلیٹیں لا لاکر دسترخوان سجایا۔ اس کے کام سے سلیقہ عیاں تھا۔

ایک بی بی نے خرم کی ماں سے کہا "تمہاری ماما کسی شریف گھرانے کی معلوم ہوتی ہے۔"

خرم کی ماں نے کہا "ہاں بی بی اسے لئے تو میں نے رحم کھا کر اسے رکھ لیا ہے۔"

پھر بات کا رخ بدلتے ہوئے خرم کی ماں نے کہا "آپ لوگ ناشتہ کریں۔"

ایک بی بی نے کہا "آپ کی صاحبزادی صاحبہ کہاں ہیں۔ انھیں بھی بلا لیجئے نا۔"

خرم کی ماں نے آواز دی ارے نازو آجاؤ بیٹی۔ شرمانے کی ضرورت نہیں۔ یہ تو رسم دنیا ہے۔

نازو بڑے سج دھج سے آکر ماں کے برابر بیٹھ گئی۔ سب حیران ہو کر اس کو دیکھنے لگیں۔ ماں نے کہا "ارے بیٹی تو نے سلام بھی نہیں کیا۔" "پھر بی بیوں سے مخاطب ہو کر بولیں معاف کیجئے گا بڑی شرمیلی ہے میری بیٹی۔"

ایک بی بی نے طنز کیا "وہ تو ظاہر ہی ہے۔"

لڑکے کی ماں نے پوچھا "بیٹی کہاں تک پڑھا ہے تم نے"

نازو نے کہا "آٹھویں تک"

بس آٹھویں تک

نازو کی ماں نے کہا "باپ کے لاڈ پیار میں تعلیم ادھوری رہ گئی اور پھر کون نوکری کرنا ہے ہمیں۔ لڑکیوں کو زیادہ پڑھانا اچھا نہیں ہوتا۔ بے نکیل ہو جاتی ہیں۔"

لڑکے کی ماں نے نازو سے پوچھا "پڑھنے میں تمہارا دل نہ لگتا ہو تو اور شوق ہوں گے۔ سلائی، کڑھائی۔ بنائی اور اچھے کھانے پکانے میں ضرور ماہر ہوگی۔"

نازو نے کہا "جی نہیں۔ مجھے سیر تفریح اور فلم دیکھنے کا شوق ہے۔"

یہ سارے کام امی اور شمو کرتی ہیں۔

بہت خوب۔ بڑی صاف بات کرتی ہے بیٹی۔ معاف کرنا بہن میرے گھر میں ایسی لڑکی کی گذر نہیں ہو سکتی۔

اور لڑکے کی ماں کے اشارے پر سب اٹھ کھڑی ہوئیں۔ ناشتہ بھی نہیں کیا۔

نازو کی ماں حیران پریشان ان سب کو واپس جاتے دیکھتی رہیں اور جب وہ چلی گئیں تو نازو کی ماں نے بیٹی کو بہت سخت سست کہا۔ ایسا اچھا رشتہ تیری باتوں سے ٹوٹ گیا۔

نازو نے ماں کی باتوں کا برا نہیں مانا مسکراتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

دوسرے ہی دن آفاق کی ماں اچانک آ گئیں۔

میں خرم کے دوست آفاق کی ماں ہوں۔ آفاق کو تو آپ لوگ جانتی ہی ہوں گی۔ بڑی تعریف کرتا ہے آپ سب کی میں نے سوچا کہ آپ سے ملوں۔ اور آپ پسند کریں تو آفاق کو آپ کی غلامی میں دے دوں۔

نازو کی ماں کی باچھیں کھل گئیں۔ کل کے حادثہ نے انھیں جس کرب میں ڈال رکھا تھا وہ کچھ ہلکا ہو گیا تھا۔ انھوں نے کہا "اس سے بڑھ کر اور کیا بات ہو گی ہم نے اس کے لئے شاندار جہیز تیار کر رکھا ہے۔

اسی وقت خرم کی ماں نے فرط مسرت سے نازو کو آواز دی "اری نازو یہاں آؤ بیٹی۔

آفاق کی ماں نے کہا "بہن میں غریب ہوں۔ آپ کی نازو کے لئے تو میں سوچ بھی نہیں سکتی۔ چھوٹا منہ بڑی بات ہو گی۔ میں تو آپ کی بھتیجی سے اپنے بیٹے کا رشتہ کرنا چاہتی ہوں۔ اسے بلائیے تاکہ میں ایک نظر اسے دیکھ لوں۔

نازو کی ماں کا چہرہ اتر گیا لیکن کچھ کہتے نہ بنا۔ اور پھر وہ چاہتی بھی تھیں کہ شمائل اس گھر سے چلی جائے۔ انھیں ڈر تھا کہ خرم کہیں اس سے شادی کرنے پر اڑ نہ جائے۔ انھوں نے آواز دی "شمو یہاں آ"

اور شمو سمجھی کہ شاید کوئی غلطی اس سے ہو گئی ہے۔ ڈری سہمی بھاگی تو یہ بھی خیال نہ رہا کہ کفگیر باورچی خانے میں رکھ دیتی۔

آفاق کی ماں نے دیکھا کہ پھٹے پرانے اور گندے لباس میں بھی شمائل کا حسن چمک رہا تھا۔ تمتمایا ہوا چہرہ کندن کی طرح دمک رہا تھا۔

"جی چچی جان"

نازو کی ماں کچھ کہہ بھی نہ پائی تھیں کہ آفاق کی ماں نے شمائل کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب کر لیا۔

حیران نظروں سے شمائل نے آفاق کی ماں کو دیکھا اور اچانک ہی آفاق کی ماں نے اپنے پرس سے ایک انگشتری نکال کر شمائل کی انگلی میں پہنا دی۔

بات پکی ہو گئی بہن" اطمینان رکھو تمہاری بھتیجی کو کوئی تکلیف نہ ہو گی۔ میں اسے بہو نہیں بیٹی بنا کر رکھوں گی۔

نازو کی ماں پریشان تھیں کہ رشتہ ان کی نازو کے بجائے شمائل کا ہو گیا تھا اور خوش بھی تھیں کہ اب ان کا بیٹا شمائل سے شادی نہ کر سکے گا۔

اور شمائل نظریں زمین میں گڑوئے اس طرح کھڑی تھی جیسے کہ وہ پتھر کی کوئی مورتی ہو۔ جو کچھ ہوا تھا وہ خواب سا معلوم ہوتا تھا۔

آفاق کی ماں نے انگشتری پہنانے کے بعد اسے اپنے سے قریب کر کے اس کی پیشانی چوم لی۔ پھر شمائل تیزی کے ساتھ بھاگ کر باورچی خانے میں جا گھسی۔ اس کا سینہ دھونکنی کی طرح پھول رہا تھا۔

ادھر آفاق کی ماں نے کہا "بہن مجھے کچھ لینا دینا نہیں ہے۔ سادگی سے اپنے بیٹے کا بیاہ کرنا چاہتی ہوں اس لئے آج ہی کے دن اگلے ہفتے آفاق دولہا بنکر آئے گا۔

شادی کے بعد شمائل کو ایک ماں مل گئی تھی اور آفاق کی ماں کی یہ تمنا پوری ہو گئی تھی کہ اللہ نے انھیں بیٹی سے محروم رکھا تھا۔ آفاق شمائل کو جی جان سے چاہتا تھا۔ خرم اب اپنی بہن کے لئے وہ سب کچھ کر سکتا تھا جو پہلے ممکن نہ تھا۔

شمائل کی زندگی میں بہار آ گئی تھی۔ زندگی کی سابقہ تلخیاں اب وہ دل سے بھول گئی تھی۔ نازو کی ماں خوش بھی تھیں اور جل بھن کر کباب بھی ہوتی رہتی تھیں۔

یہ فاصلے کیسے

مس انجم بہار شمسی (بی۔اے)

قابلِ صد احترام ابّی ! السّلام علیکم

اس طرزِ تخاطب پر آپ حیران ہو رہے ہوں گے ۔ ابّی ! بھلے ہی آپ نے ہمیں فراموش کر دیا ہو مگر ہم بلکہ میں تو کبھی بھی آپ کو نہیں بھول سکتی آپ کو غائبانہ طور پر میرا ذہن عالمِ طفلی سے ہی جانتا ہے ۔ مگر پچھلے دنوں آپ کو اتنے قریب سے دیکھ کر بیحد خوشی ہوئی اگرچہ اس وقت تک میں یہ نہیں جانتی تھی کہ آپ میرے والد محترم ہیں ۔ یہ تو میں ابھی پچھلے ہفتہ ہی جان پائی ہوں کہ کالج میں شعبۂ اردو کے افتتاح کے وقت مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے آنے والے ڈاکٹر آفاق احمد ہی میرے والد ہیں ۔ کتنا عجیب اتفاق تھا ابّی کہ میں نے اپنا افسانہ "زخمی روح" جس نے افسانوی مقابلہ میں پہلا انعام حاصل کیا تھا پڑھ کر سنایا تھا ۔۔۔ اس افسانے سے آپ کتنے متاثر ہوئے تھے آپ میری بے انتہا تعریف کر رہے تھے ۔
"بہت اچھی اور قابل بچی ہے بڑی ذہین معلوم ہوتی ہے ۔ امید ہے کہ آئندہ ملک کی مایۂ ناز ادیبہ بنے گی ۔۔۔ آہ ۔ آپ کو کیا خبر جس کی آپ اتنی تعریف کر رہے ہیں وہ آپ ہی کی لختِ جگر ہے جو تقریباً سولہ سال آپ سے جدا ہے ۔

ابّی ! آج جبکہ یہ حقیقت مجھ پر واضح ہو چکی ہے کہ آپ ہی میرے والد محترم ہیں اب بھی میں آپ سے ذریعہ تحریر گفتگو نہ کرتی ۔ اگر مجھے یہ معلوم نہ ہوتا کہ آپ امروز فردا میں میرے غریب خانے پر احمر کا رشتہ لے کر آنے والے ہیں ۔ احمر ۔ جو کہ مجھ سے سینیر ہیں ۔ وہ ہمارے کالج کی روح ہیں ۔ وہ بہت بلند ہیں ۔ انسانیت و اخلاق کا مجسمہ ۔۔۔ ! ان کی آنکھوں میں میں نے اپنے لئے ایک انوکھا جذبہ پوشیدہ پایا ہے ۔۔۔ مگر ابّی ۔ ! میں نے ان کے اس جذبے کی توہین کی ہے ۔۔۔ میں ان سے انکار کر چکی ہوں ۔ گستاخی معاف ابّی ! اس معاملے میں میں نے بے باک ہی ہوں ۔۔۔ وقت اور حالات نے مجھے سب کچھ سکھا دیا ہے ۔ یہ میرا عہد ہے ؛ میں شادی نہیں کروں گی اگر میرا شادی کرنے کا ارادہ ہوتا تو میں احمر کو کبھی نہ ٹھکراتی احمر جو کہ آپ کے بھانجے ہیں ۔ آپ کی چھیتی بہن کے فرزند ارجمند ۔ سچ ہے ۔ احمر مجھے بہت پسند ہیں ان کی صاف گوئی قابلیت اور محبت کی قدر کرتی ہوں ۔ مگر ابّی میرا دل چھوٹی سی عمر سے ہی اتنا دکھی ہے کہ میں مردزات سے نفرت کرتی ہوں ۔ ابّی ! یہ مانا سچ کڑوا ہوتا ہے ۔ اور سب سے بڑا سچ یہ ہے کہ آپ میرے والد محترم ہیں ۔ مگر یہاں یہ بات کہتے ہوئے ذرا بھی نہیں ہچکچاؤں گی کہ وقت اور حالات نے میرے ذہن میں آپ کی طرف سے کچھ اچھے تاثرات ثبت نہیں کئے ہیں ۔ اور میرے شادی سے انکار کی سب سے بڑی وجہ یہی ہے اگرچہ امّی سے میں نے ابھی کھل کر بات نہیں کی ہے ۔ مگر جب سے میں نے سنا ہے کہ آپ جس کی بیٹی کا ہاتھ مانگنے آ رہے ہیں وہ آپ کی اپنی بیوی ہے اور وہ بیٹی آپ کی اپنی بیٹی ہے جس کو آپ نے غلط فہمیوں کی وجہ سے عرصہ سے چھوڑ رکھا ہے ۔

ابّی ! ۔۔۔ آپ شاید سمجھ بھی نہیں سکتے کہ ایک بچے کے لئے باپ کی شفقت و محبت کتنی ضروری ہوتی ہے اگر خدانخواستہ کوئی یتیم ہو جائے تو مشیت ایزدی میں کسی کا کیا چارہ مگر ۔۔۔ جس کا اس دنیا میں وجود ہو اور پھر بھی اس کی بچی بغیر باپ کی سرپرستی کے زمانہ کی ٹھوکروں میں حالات کے تیز و تند موجوں کے تھپیڑے برداشت کرے تو اس کی بدقسمتی ہی تو ہے ۔ ابّی ۔ امّی بہت عظیم ہیں ۔ ان کی عظمت کا اعتراف تو ایک وقت آئے گا یا شاید اس خط کے ملنے کے بعد آپ کے ذہن کے کسی گوشہ میں بھی جاگ اٹھے اف ! ۔ کتنی عظیم ہیں امّی ۔ جنہوں نے مصائب کا اس جوانمردی اور حوصلہ سے مقابلہ کیا ۔ اور کبھی کوئی شکوہ لب پر نہیں لائیں ۔ ابّی اس وقت کے تصور سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں جب امّی نے ہم کو تنگدستی میں اپنا خون جگر پلا کر پروان چڑھایا ۔ انھیں کی کوششوں سے آج میں اس مقام پر پہنچی ہوں امی نے خود روکھی سوکھی کھائی

اور مجھ کو اچھے سے اچھا کھلانے پلانے کی کوشش کی ٹیوشن کرکے میری فیس ادا کی ۔ اس کا اندازہ تو آپ کو خود بھی ہوگا کہ سائنس سائڈ کی طالبہ کی حیثیت سے میری پڑھائی کے کتنے زبردست مصارف ہوں گے ۔ ابی ! انھوں نے میری خاطر اپنے وجود کو برباد کر ڈالا ۔

ان کا حسن اب بھی کچھ کم نہیں ۔ ابی ! کینوس پر بنے رنگوں کی تصویر اگرچہ امتداد زمانہ سے ڈھل کر اپنا رنگ و روپ کھو دیتی ہے مگر اسکیچنگ تو باقی رہتی ہے نا ؟ ۔ ابی امی کبھی لب سے شکوہ نہیں کرتیں ، لیکن ان کی حسین آنکھوں میں درد و غم کی ہزار داستانیں پوشیدہ ہیں ——— اکثر میں نے انھیں گنگناتے سنا ہے ۔ ؎

تمام عمر خوشی کی تلاش میں گذری
تمام عمر ترستے رہے خوشی کے لئے

ابی ! قدرت کی ستم ظریفی دیکھئے کہ آج آپ معزز ہستیوں میں شمار کیے جاتے ہیں آپ کے پاس کوٹھی ہے کار ہے ۔ بینک بیلنس ہے ۔ مگر آہ آپ کی بیوی اور بیٹی آپ سے کتنی دور تنگدستی میں اپنی زندگی گذار رہی ہیں ۔

ابی آج قسمت نے مجھے افسانہ نگار بنایا ہے ——— میرے اندر اخذ کرنے اور اظہار کرنے کا مادّہ ہے میں جو کچھ سماج سے لیتی ہوں اس کو اپنی کہانی میں رنگ دے کر پیش کرتی ہوں مجھے رومانی کہانیوں سے سخت نفرت ہے ۔ سماج کے ناسور اور زخموں پر ہر وقت میری نظر رہتی ہے ۔ ابی مجھے اتنی سی عمر میں وقت نے عجیب و غریب فکریں بخشی ہیں ۔ طرح طرح کے سوالات ذہن میں گھومتے رہتے ہیں ۔ یہ زمین یہ آسمان کیا ہے ، یہ کائنات کیسے عالم وجود میں آئی ، یہاں کے انسان اتنے خود غرض کیوں ہیں ۔ اخلاص وفا جیسے الفاظ نایاب کیوں ہوتے جا رہے ہیں ۔

ابی یہ خود غرض لوگ ۔ جو اپنے ہی خون پر اپنی ہی ممتا پر ظلم کرتے ہیں ——— اور خود کیف و انبساط میں اپنی زندگی کے سنہرے ایام گذارتے ہیں ۔

ابی ——— انسان اتنا تنگ نظر اور خود غرض کیوں ہے ؟ کتنی آسانی سے ایک دوسرے پر تہمت لگا لیتا ہے ۔ الزام تراش لیتا ہے ۔ اور پھر اس کو طرح طرح کے الزام دے کر زمانہ میں رسوا و بدنام کر دیتا ہے وہ نہیں سوچتا ہے کہ اگر اس دنیا میں ہم جھوٹی تہمت کسی پر لگا کر بدنام و رسوا کر لیں گے تو دوسرے جہاں میں کیا ہوگا ——— وہ خالق حقیقی ، وہ منصف ۔ وہ تو حق و باطل کا فیصلہ کرنے والا ہے ۔ حشر کے دن تو آخر مظلوم کو اپنی داد فریاد کرنے کا موقع مل ہی جائے گا ۔

آہ ابی ——— اس وقت میرے دل کی جو کیفیت ہو رہی ہے وہ بیان سے باہر ہے ——— آہ میری صابر و شاکر امی ۔ انھوں نے یہ حقیقت مجھ سے پوشیدہ رکھی وہ مجھے معلوم ہے اور میرا بس نہیں چلتا کہ میں کیا کروں ۔ ابی رضیہ پھوپھی نے امی پر کتنی زبردست تہمت لگا کر انھیں بدنام اور رسوا کر کے گھر نکل جانے پر مجبور کیا ہے ——— ابی ! ۔ میں صنف نازک ہوں اسی لئے اپنے دل سے اور اپنی جنس کے دل سے اور ان جذبات سے بھی واقف ہوں ——— کیا کوئی بھی شریک حیات کوئی بھی بیوی ——— اور بیوی بھی ایسی وفا کی پتلی ـ خلوص کا مجسمہ اپنے شریک حیات کو اپنے ہاتھوں سے زہر دے گی ۔ ؟ نہیں کبھی نہیں دے سکتی ۔ ابی ۔ !

آہ رضیہ پھوپی نے کتنے وثوق کے ساتھ سب کو یقین دلایا اور ساتھ ہی آپ کو بڑھا چڑھا کر ۔ ان کی طرف سے بدگمان کیا ۔ ۔ کہ امی نے آپ کے دودھ کی پیالی میں زہر ڈالا ہے ——— ابی میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں کہ یہ سب سوچی سمجھی اسکیم تھی ——— مجھے یہ سب کیسے معلوم ہوا ۔ جب کہ امی نے مجھ سے کبھی کوئی بات نہیں کی ـ ؟ ۔ ضرور آپ کے ذہن میں یہ سوال گونج رہا ہوگا ۔ سنئے ، امی کی ایک ڈائری ہے جس میں ان کے خون دل کی داستان پوشیدہ ہے ۔ جس کو وہ اپنے سینے سے لگا کر رکھتی ہیں اور اسی ڈائری کی وجہ سے وہ الماری میں ہر وقت تالا ڈالے رہتی ہیں ـ ایک دن موقعہ پا کر میں نے امی کی وہ ڈائری پڑھ لی ۔ تجسس اور کھوج انسان کی فطرت ہے مجھے بھی اتنی احتیاط سے رکھے جانے والی ڈائری کو دیکھنے کی جستجو تھی ۔

ابی ۔ میں کیا بتاؤں کہ اس ڈائری کا ایک ایک لفظ میرے دل کے ٹکڑے ٹکڑے کر رہا تھا ——— جی چاہ رہا تھا چیخیں مار مار کر روؤں ——— مگر میں نے بہت ضبط سے کام لیا ۔ میرا جی چاہ رہا تھا کہ میں اسی وقت رضیہ پھوپھی کے پاس جاؤں ——— امی پر ڈھائے جانے والے ایک ایک ظلم کا حساب لوں ان پر ان کی حقیقت واضح کر دوں گنہگار عورت ـ کسی کے گلشن دل کو تباہ و برباد کرنے سے کیا ملا

اتنی بڑی سازش کی کیا ضرورت تھی ـــــ ابّی میں بتاؤں ـــــ وہ سازش یہ تھی ۔ امی کی ڈائری کے مطابق ۔ جب آپ نے رات کو پینے کے لئے دودھ مانگا تو امّی تپائی پر پیالی رکھ کر باتھ روم میں چلی گئیں ۔ اور رضیہ پھوپی نے چپکے سے اس پیالی میں کچھ ڈال دیا۔ جب امّی نے پیالی آپ کو اٹھا کر دینا چاہی تو فوراً ہی رضیہ پھوپی نے پیالی آپ کے ہاتھ سے چھین لی ۔ اور کہا کہ ذرا مجھے دینا ۔ اور پھر وہ پیالی اور اس کا دودھ زمین پر پھینک دیا۔ آپ کے پوچھنے پر انھوں نے کہا کہ مجھے شک تھا کہ اس پیالی کا دودھ ٹھیک نہیں ہے ـــــ اور تھوڑی دیر کے بعد گھر کی بالتو بلّی جب زمین پر گرے ہوئے دودھ کو پی کر مر گئی تو رضیہ پھوپی نے شور مچا دیا کہ ۔ "ڈائن میرے بھائی کو مارنا چاہ رہی تھی "۔ اور اس طرح ۔ آپ کا دل بھی امّی کی طرف سے بدگمان ہو گیا ـــــ ابّی حالات ہی ایسے تھے کہ اپنی بریت میں کچھ بھی نہیں کہہ سکیں ـــــ دوسرے دن صبح ہی آپ کے حکم سے امّی اپنی ایک سالہ بچی (مجھکو) لیکر اس گھر میں آگئیں ۔ میں نے بارہا نماز کے بعد ان کے منہ سے اس طرح کی دعا سنی ہے "یا اللہ تجھ پر خوب واضح ہے میں بے قصور ہوں میری بریت ظاہر کر دے "

اکثر امی سورۂ نور کا ترجمہ اپنی پرسوز آواز میں پڑھتی ہیں ۔ واقعہ افک پڑھ کر غالباً ان کو کچھ تسکین ہوتی ہو گی کہ لوگوں نے امہات المؤمنین کو بھی نہیں بخشا تو وہ تو اللہ کی عام اور گنہگار بندی ہیں ۔

ابّی تو یہ بات آپ کے گھر کی نصیبن بوا سے معلوم ہوئی کہ رضیہ پھوپی نے اس پیالی میں اپنے ہاتھ سے کچھ ڈالا ہے ـــــ اتفاق سے نصیبن بوا دیکھ رہی تھیں ـــــ چونکہ وہ امی سے بہت محبت کرتی تھیں اسی لئے انھوں نے امّی سے آکر اصل بات کہہ دی مگر آپ سے اصل بات کہنے کی ان میں ہمت نہیں تھی ۔

رضیہ پھوپی نے ایسا کیوں کیا اس کے دو وجوہ تھے ۔ سب سے بڑی وجہ تو یہ تھی کہ ان کے شوہر نے انھیں طلاق دے دی تھی اور وہ احمر کے ساتھ آپ کے پاس رہتی تھیں ـــــ اس لئے وہ نہیں چاہتی تھیں کہ آپ کی دولت آپ کی اولاد کے ہی لئے ہو ۔

دوسری سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ آپ نے اپنی پسند سے امّی سے شادی کی تھی صرف اس لئے وہ بے حد حسین تھیں ۔ امّی چونکہ بہت سا جہیز نہیں لائی تھیں ۔ اس لئے رضیہ پھوپی کے لئے یہ بات بہت تکلیف دہ تھی ـــــ وہ اکثر کہتی تھیں کہ میرے بھائی کو لاکھوں والی لڑکیاں مل جاتیں ۔ جو جہیز میں اسکوٹر اور کار لاتیں ۔

ابّی اگر ہو سکے تو اپنی بیٹی کو معاف کر دیں در اصل اس وقت میرا قلم رک نہ سکا اور دل کے زخم کا غذ پر الفاظ کی صورت میں بہنے لگے ہیں ۔ میں آپ سے معافی چاہتی ہوں ـــــ اگر آپ کے جذبات کو ٹھیس لگی ہو تو درگذر کر دیں ـــــ میں اتنی غمزدہ اور پریشان ہوں کہ بعض اوقات بڑی تلخ باتیں کہہ جاتی ہوں ـــــ

ابّی یہی باتیں ہیں جن کی وجہ سے میں شادی کرنا نہیں چاہتی ۔ اور پھر احمر بھی تو ان ہی رضیہ پھوپی کے لڑکے ہیں نا ؟ ـــــ غالباً رضیہ پھوپی کو یہ پتہ نہیں ہے کہ میں کون ہوں حقیقت کا علم ہو جانے پر شاید وہ خود بھی اس رشتے کو پسند نہ کریں گی ۔

آپ کی حرماں نصیب بیٹی

شمائلہ صدف

سہارا

نوشر انجم

"بیگم یہ کوکا کولا کی بوتلیں تم نے منگوائی تھیں۔" اماں بی جائے نماز سے چلائیں۔

"جی اماں۔" اماں کی آواز سن کر تیزی سے باہر نکل آئی۔

"کون آیا تھا۔"

"جی میری وہ ایک سہیلی تھی شادی کے بعد ڈھاکہ چلی گئی تھی پورے پانچ سال بعد واپس آنے میں کامیاب ہوئی ہے۔" اس نے نہایت سعادت مندی سے کہا۔

"ہوں۔" اماں بی نے ایک لمبی سی ہوں بھرتے ہوئے کہا "یہ گھر نہ ہوا کوئی سرائے ہوگئی جس کا دل چاہتا ہے منہ اٹھائے چلا آتا ہے۔ میرا معصوم سا بچہ ہے اور تمہاری سہیلیوں اور ملنے والوں کے خرچ نے تو اس کے ہوش اڑا دئے ہیں۔۔ اگر تمہاری سہیلیاں تمہارے لئے اتنی ہی اداس ہیں تو چلی جاؤ ان کے پاس ہمیشہ کے لئے۔"

اماں بی چیختی رہیں اور سیما برآمدے کے ستون سے ٹیک لگائے اماں بی کے اس رد عمل کو سمجھنے کی سوچ میں پڑ گئی۔ اماں بی اندر چلی گئیں تو اس کا دل چاہا ان خالی بوتلوں کو دیوار سے دے مارے جن کی وجہ سے آج پھر اس کی بے عزتی ہوئی لیکن وہ ایسا نہ کر سکی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے بوتلیں توڑ دیں تو پھر دل بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ٹوٹ جائے گا اور پھر کبھی بھی جڑ نہ سکے گا بوتلوں کو ہاتھ میں تھامے وہ اپنے کمرے میں چلی آئی ٹرنک کا ڈھکنا دیوار کے سہارے کھڑا اس کا منہ چڑا رہا تھا۔ استری شدہ کچھ کپڑے باہر ٹرنک سے لٹکے اور کچھ ٹیپو کی دسترس سے محفوظ انار ہی پڑے تھے۔ کونے میں بے بی کے نیڈر پر مکھیاں سر جوڑے کوئی گیت الاپ رہی تھیں۔ بان کی کھردری چارپائی پر ہی بیٹھ گئی جس پر بستر کی میلی سی چادر بچھی تھی۔

"کیا یہی میرے خوابوں کی تعبیر ہے اماں بی؟ آپ کڑوی کسیلی باتوں سے میرا دل کیوں جلاتی ہیں" وہ سوچتی رہی اور سوچوں کے یہ دائرے اس کی روح کے گرد تنگ ہونے لگے غموں کے اظہار کو وہ بزدلی سمجھتی تھی اور آنسو بہانے کو حقیقت سے فرار کا نام دیتی تھی۔ مگر آج نجانے کیوں وہ اپنے آپ کو سہارا نہ دے سکی، اپنے ذہن کو مصنوعی سکون کے پنجرے میں بند نہ کر سکی۔ اس کا دل چاہا وہ اپنی زبان سے سارے پہرے ہٹا کر اماں بی سے چیخ چیخ کے کہہ دے: "اماں بی آپ آخر ہم لڑکیوں کو سمجھتی کیا ہیں؟ آپ جب مجھے بیاہ کر لائی تھیں تو آپ نے یہ نہیں دیکھا کہ میرے دل میں کیسے ارمان ہیں کون سی خواہشیں بے قرار ہیں۔ کیا آپ کا گھر میرے مطابق ہے۔ نہیں۔۔۔ نہیں اماں جی کبھی نہیں سوچ سکتیں۔ آپ میں اتنی جرأت کہاں وہ میں ہی تھی جس نے اپنے سب خوابوں پر اپنی خودداری پر اپنی شوہر پرستی کا خول چڑھا دیا کبھی آپ کو محسوس نہ ہونے دیا کہ میں کیا چاہتی ہوں ہر رشد کے معمولی عہدے کے باوجود میں اسے بولتی رہی تھی صرف اس لئے کہ کہیں میری تعلیم پر الزام نہ آئے۔ کہیں میری وفاداری اور خودداری کے خوبصورت چہرے پر طعنوں کی کالک نہ مل دی جائے پھر بھی آپ مجھ سے شاکی رہتی ہیں کبھی کبھی میری ملنے والیاں آجاتی ہیں اور میں اپنی عادت سے مجبور ہو کر ان کی تواضع کر دیتی ہوں کاش اماں بی آپ مجھے۔۔۔۔"

آنسوں گالوں سے لڑھک کر بوسیدہ میلی چادر کو بھگونے لگے۔ آنسو کے دبیز پردے کے پیچھے اسے شکلیں کھائی دکھائی دینے لگے۔

"کیا ہوا پھوٹو؟" شکیل نے اسے چارپائی پر دیکھ کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" وہ منہ موڑے سوتی رہی۔

"بولو گی نہیں۔"

شکیل نے چٹیا پکڑلی۔

"چھوڑئیے شکیل بھائی۔"

"نہیں چھوڑتا پہلے بات بتاؤ۔" شکیل بھی اڑ گیا۔

"وہ پتہ ہے ماں جی کہہ رہی تھیں اب تم کالج نہیں جاؤ گی۔" وہ ہچکیاں لیتے ہوئے بولی آنسو اور تیزی سے بہنے لگے۔

"میں پوچھتا ہوں اماں جی سے۔" وہ پریشان سے ہو کر کمرے سے باہر نکل آئے۔

کیوں بھاگ گئے ادھر؟" شکیل نے پیچھے سے ہانک لگائی۔

"پینیٹ دینیٹ مجھ سے استری نہیں ہوگی شکیل بھائی" وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی

"تم سدا کی نکمی رہیں۔ کام چھوڑو تمھارے لئے ایک بات ہے" شکیل بھائی بستر سے اٹھ بیٹھے۔

"کیوں کوئی لڑکی پسند کرلی" وہ برجستہ بولی۔

"ارے یار کوئی ایسا گیا پڑا ہوں جو لڑکیوں کو پسند کرتا پھروں جناب لڑکیاں مجھے پسند کرتی ہیں سمجھیں" شکیل نے اسے قریب ہی کرسی پر بٹھا لیا۔

"شکیل بھائی اب اصل بات بھی تو بتائیے نا" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا

"تمھارے داخلے کے لئے اماں بی کو راضی کر لیا ہے"

"سچ شکیل بھائی" اس نے شکیل بھائی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔

"یہ خوشامد کسی اور وقت کے لئے اٹھا رکھو اور اب بھاگو کمرے سے مجھے امتحان کی تیاری کرنا ہے" شکیل نے اسے باہر دھکیل دیا۔

سیما جانتی تھی کہ یہ شکیل بھائی کا ہی کام تھا جو اماں بی کو کالج میں داخلے کے لئے راضی کر لیا ورنہ اماں جی کسی اور کے قابو میں آنے والی نہ تھیں فوزیہ آپی نے جب سے شادی کرلی اماں بی نے گویا نرمی اور محبت کا دامن بالکل ہی چھوڑ دیا۔ وہ تو صباحت اور سارہ آپی کی قسمت اچھی تھی جو فوزیہ آپی کی شادی سے پہلے ہی کالج میں پڑھ لیا ورنہ وہ بھی داخلے کے لئے روتی رہتیں۔ فوزیہ اور جاوید بھائی کے معاشقے نے تو اماں جی کو جھنجھوڑ دیا۔ گھر میں ہنگامہ سا بپا ہوگیا سب سہم گئے لیکن فوزیہ آپی سب کے سامنے یوں دیدہ دلیری سے پھر رہی تھیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔ شکیل بھائی نے دور اندیشی سے کام لے کر اماں جی کی مخالفت کے باوجود فوزیہ آپی اور جاوید بھائی کی شادی کردی۔ فوزیہ آپی کے اس اقدام کے لئے اماں جی کالج کو ہی ذمہ دار ٹھہراتی تھیں۔ یہی وجہ تھی اب کے میٹرک کے بعد اسے کالج میں داخل کرانے کی سخت مخالفت کر رہی تھیں سیما اکثر سوچتی کہ وہ اماں جی سے کہہ دے کہ ہر لڑکی فوزیہ آپی نہیں ہے۔ اعتماد اور محبت کے رشتے کو شکوک و شبہات سے مت توڑیے۔

سیما کالج میں داخل ہوگئی مگر اماں جی کا مزاج کسی طور درست ہی نہ رہتا کالج میں وقت تو خوب اچھی طرح گزر جاتا۔ ایک دن پریکٹیکل کرتے ہوئے زیبا نے سرگوشی کی "سیمی مجھے سخت بھوک لگی ہے"

"تو پھر میں کیا کروں" سیما ٹیسٹ ٹیوب میں کیمیکل ملاتے ہوئے بولی

"ایمان سے اس بیچاری کا بھی برا حال ہو جاتا ہے۔"

"کیوں؟"

"میرے انتظار میں کھانا نہیں کھاتیں"

"اچھا" رشک اور حسرت کے ملے جلے جذبات سے اس کے منہ سے زور سے آواز نکلی "سیما اینڈ زیبا یو شٹ اپ اینڈ پلیز" مس کی آواز گونجی اور وہ دونوں پریکٹیکل کی طرف متوجہ ہوگئیں۔

گھر میں داخل ہوئی تو سب اپنے کمروں میں دبکے پڑے تھے۔ آج گرمی کچھ زیادہ ہی ہوگئی تھی۔ صباحت اور سارہ آپا بھی سو رہی تھیں۔ اماں جی کی سوئی محبت کو آزمانے وہ ان کے کمرے کی طرف چل دی۔ زیبا کے الفاظ کی گونج اس کے دل و دماغ پر ٹکرا رہی تھی اماں جی کمرے میں اپنی چارپائی پر نیم دراز تھیں۔ وہ پائنتی پر بیٹھ گئی۔

"اماں جانی کھانا دیں"

"تمیز نہیں تھی کچھ۔ پہلے اپنا یونیفارم اتارو اور باورچی خانے میں جا کر کھا لو۔ جاؤ۔۔۔ آرام کرو اپنے کمرے میں" اماں جی کی تیز نگاہوں سے بچنے کے لئے وہ تیزی سے باہر نکل آئی۔

آپ کو کیا ہو گیا ہے اماں جی" آنسو اس کی سالن کی کٹوری میں گرنے لگے۔ "آپ مجھے محبت دیں اماں جی۔ اگر آپ کے گھر لڑکیاں ہی پیدا ہوئیں تو ہمارا کیا قصور؟ ابا جی نے ذمہ داریوں سے پہلو تہی کی تو ہم پر اس کا ستم کیوں؟ خدا کے لئے مجھے اپنی محبت کے سائبان تلے پناہ دیجئے۔ میں شکیل بھائی کا بازو ہوں گی۔ ساری عمر شادی نہیں کروں گی آپ صرف محبت اور پیار کی جوت اپنی نگاہوں میں جگا لیجئے۔ اماں جانی"

"سیما" اماں جی کی آواز آئی اور اس کے خیالات کا سلسلہ ٹوٹ گیا۔ شاید اماں جی کے غرور و تکبر کو میری محبت نے مات دے دی ہو۔ یہی سوچ کر وہ ننگے پاؤں ہی بھاگی۔

"جی اماں جی"

"یہ خط تمھارا ہے"

"جی ہاں" اس نے لرزتے ہاتھوں سے خط پکڑا

"ہم تمھاری خط و کتابت بالکل پسند نہیں کرتے۔ اپنے گھر کی ہوگی تو جو جی چاہے کرنا۔ کان کھول کر سن لو تم لوگوں کو کالج کی ہوا کیا لگی ہے بس پر پرزے نکالنے شروع کر دیتی ہو" اماں جانی کی آواز تیز ہونے لگی تو صباحت اور سارہ آپی کی طنز بھری نظروں سے بچنے کی خاطر وہ آنسو

بھری آنکھوں سے جو بہت اچھا کہہ کر باہر نکل آئی۔

"چھوٹی پڑھ رہی ہے یا سوچ رہی ہے" شکیل بھائی بتی جلتی دیکھ کر اندر ہی آ گئے۔

"یہ فزکس کا پرابلم ہے حل ہی نہیں ہو رہا" سیما نے زچ ہو کر کہا۔

"ایف ایس سی کے بعد کیا ارادہ ہے" شکیل بھائی نے فزکس کی کتاب ہاتھ سے لی۔

"نمبر اچھے آئے تو میڈیکل ورنہ۔۔۔"

"ورنہ شادی کر لو گی" شکیل بھائی نے بیچ میں ہی فقرہ اچک لیا۔

"شکیل بھائی آپ بڑے گندے ہیں۔"

"سچ سچ" شکیل بھائی ناراض ہونے لگے تو وہ بے اختیار کہنے لگی۔ شکیل بھائی اس گھر میں صرف آپ ہی تو ہیں جو محبت کا مفہوم سمجھتے ہیں۔ آپ نہ ہوتے تو میں مر گئی ہوتی۔

"نہ۔۔۔نہ۔۔۔نہ۔۔۔ ایسی باتیں نہیں کرتے۔ دیکھو تم دھیان سے پوری توجہ پڑھائی کی طرف دو" شکیل بھائی کو اس کی جذباتی طبیعت کا پتہ تھا اس لئے جلدی ہی دوسرا موضوع ڈھونڈ لیا۔

"شکیل بھائی میں آپ کو کیسی لگتی ہوں" اس نے اچانک ہی سوال کر دیا۔

"ہاں کیوں نہیں تم ہی تو میری سوہنی کی بہنا ہو اور پتہ ہے یہ تمہاری آنکھوں میں سوچ کی لکیریں بڑی پیاری ہیں۔"

"شکیل بھائی میں ان سوچوں سے فرار چاہتی ہوں" سیما نے التجا کی۔

"میڈیکل جوائن کرنا ہے تو پڑھو، خوب توجہ سے" شکیل بھائی فزکس کی کتاب اس کے ہاتھ میں تھما کر چلے گئے اور وہ سب سوچوں کو جھٹلا کر فزکس کا پرابلم حل کرنے بیٹھ گئی۔

"یہ نیوٹن نے بھی پتہ نہیں کیا مصیبت ڈال دی ہے کشش ثقل کا ہی یہ تو پرابلم ہے جو حل نہیں ہوا ہے۔ ایمان سے اس وقت نیوٹن سامنے ہوتا تو کتاب دے مارتی اسے کیا خشک باتیں سوجھتی تھیں" وہ خود بخود ہی بڑبڑانے لگی۔

"مگر وہ ڈاکٹر بنے گی اماں جانی" شکیل بھائی کی آواز گونجی۔

"نہیں یہ میرا آخری فیصلہ ہے" اماں نے جواب دیا۔

فیصلے کا اعلان سننے کے لئے وہ دبے پاؤں اپنے کمرے سے باہر آ گئی۔

"آپ اپنے فیصلے میں لچک پیدا کریں اماں جی" شکیل بھائی نے التجا کی۔

"مگر بیٹے ہمارے کوئی رشتہ نہیں اتنا شکیل۔ گھرانہ اچھا ہے۔ ڈاکٹر سے کم نہ ہو گی اس کی شان میں نے خوب اچھی طرح دیکھ بھال لیا ہے۔"

اس نے اماں جانی کی زندگی میں پہلی مرتبہ ملتاسی بھرے لہجے میں شکیل بھائی کو قائل کرتے دیکھا۔ شکیل بھائی کو بھی اماں جانی کی یہ بات مناسب لگی۔ اپنی زندگی کے بارے میں اتنا بڑا فیصلہ سن کر اس کا چیخنے کو دل چاہا۔ لڑکھڑاتے قدموں سے کمرے میں داخل ہوئی تو پیچھے ہی شکیل بھائی چلے آئے۔

"تم کہاں گئی تھیں سیما" انہیں شاید معلوم ہو گیا تھا کہ سیما نے باتیں سن لی ہیں۔

"آپ۔۔۔۔ آپ نے بھی شکیل بھائی اتنا بڑا فیصلہ آسانی سے مان لیا آپ مجھے زہر دے کر مار دیں اگر میں آپ پر بوجھ ہوں" شکیل بھائی کے سینے سے لگی وہ سسکتی رہی۔

"آخر ہر لڑکی کو اپنے گھر جانا ہوتا ہے سیما" شکیل بھائی سمجھانے لگے۔

"یہ رو رہی ہے شکیل تو اس سے کہہ دو" یہ بھی فوزیہ کی طرح دفع ہو جائے جس کے ساتھ جانا چاہتی ہے" اماں نے کمرے میں داخل ہوتے کہا۔

"اماں جی آپ ایسی باتیں نہ کہیں" وہ التجا کرنے لگی۔

"تو پھر روتی کیوں ہو۔ کیوں نہیں کرتی شادی کا جیسا ہم کہتے ہیں" اماں جی نے آخری وار کیا۔

اماں جی میں راضی ہوں آپ کر دیجئے ہاں۔ اگر فوزیہ آپی نے ہمارے لئے راہیں بند کر دی تھیں تو میں آج یہ راہیں کھول رہی ہوں" "مجھے منظور ہے سب منظور ہے" وہ لڑکھڑا کر گر پڑی لیکن اماں جی اپنے اس حربے کو کامیاب دیکھ کر کمرے سے باہر آ گئیں۔

قدموں کی آہٹ ہوئی تو وہ کچھ اور سمٹ کر بیٹھ گئی۔

"مجھے راشد کہتے ہیں" اس نے گھونگھٹ اٹھا دیا۔

"سیما آپ کے گھر والوں کو جو جائیداد اور مکان وغیرہ دکھایا گیا تھا وہ اصل میں میری خالہ کا تھا۔ میرا خیال ہے تمہیں اس بات کا افسوس نہیں ہو گا" راشد علی نے نیا انکشاف کیا۔

من کے اندر کرچیاں چبھتی رہیں مگر وہ خاموش رہی راشد علی کی اس کمینی حرکت پر اس کا دل چاہا کہ اس کے منہ پر تھپڑ مار دے لیکن اماں جی کے استوار کئے ہوئے رشتے پر دیا تو لینا تھا وہ دھیرے دھیرے زخمی مسکراہٹ سے راشد علی کی باتیں سنتی رہی۔

راشد کی ماں جی اس کی اماں جان سے کوئی دو قدم آگے تھیں۔ سیما

بھولیں جیسے ہاتھوں کھلونا بن چکی تھی۔ راشد ماں کے ہاتھوں کٹھ پتلی تھا۔ وہ احتجاج کر سکتی نہ فریاد جاتی تو کس کے پاس۔ راتوں کو جب چاند مدہوں سے آنکھ مچولی کھیلنے لگتا تو وہ بڑی چاہت سے تصورات کے ایوان سجاتے لگتی اور اپنے آپ سے عہد کرتی کہ وہ اپنی بیٹی فریحہ اور عامر بیٹے سے کبھی اماں جان جیسا سلوک نہ کرے گی۔ اپنی بہو کے جذبات کو اپنے جذبات کی کسوٹی پر پرکھے گی۔ اپنی ساری ناکام حسرتوں اور بکھری امنگوں کو اپنی بہو کو آسائش دے کر پورا کرے گی۔ وہ یونہی منصوبے بناتی رہتی اور وقت کروٹیں بدلتا رہا۔ فریحہ کلی سے پھول بن چکی تھی اور عامر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو چکا تھا۔ اماں جی کا غرور و تکبر بڑھاپے نے کچھ کم کر دیا لیکن وہ زیادہ تر اپنے کمرے میں ہی بند رہتیں۔ راشد علی ایکسیڈنٹ میں چل بسے تو وہ کچھ بے چین سی ہو گئی۔

امی آپ پریشان کیوں رہتی ہیں کمپنی کی طرف سے مجھے مکان مل گیا ہے ہم وہاں چلے جائیں گے۔" عامر اس کی سوچوں سے بے نیاز اسے طفل تسلیاں دیتا۔

اسی نئے مکان میں عامر تمہارا بیاہ کریں گے۔" فریحہ بیچ میں ٹپک پڑی۔

اور تمہاری منگنی" عامر نے برجستہ کہا۔

بہو بیگم اماں بی بی کی کانپتی آواز آئی۔

"بھاگ گیا عامر" وہ پریشان ہو کر عامر کے پیچھے چلیں۔ دادی اماں کے سر کو گود میں رکھے عامر رو رہا تھا۔

اماں جی بھی رخصت ہو گئیں اور انہوں نے بھی اس گھر کو ہمیشہ کے لئے خیرباد کہہ دیا۔

"تم نے پھر کیا سوچا ہے فری" سیما نے پیار سے اسے دیکھا

امی آپ یہ کیوں سمجھتی ہیں کہ اگر میں نے یونیورسٹی میں تعلیم لی ہے تو آپ کی شخصیت اور آپ کے فیصلے کو کوئی اہمیت نہیں دوں گی۔ آپ کا ہر فیصلہ یقیناً میرے حق میں بہتر ہو گا امی" وہ ماں کے قدموں میں بیٹھ گئی

"فری میری جان تم نے میری تربیت، میری عزت کی لاج رکھ لی۔ سیما کو اپنی اماں بی یاد آنے لگیں جو اسے ایسے ہی موقع پر بے ہوش چھوڑ کر چلی گئی تھیں۔ اس نے بے اختیار ہو کر فری کو سینے سے لپٹا لیا۔

"ڈھیر ساری مبارکباد ہو رہی ہیں" عامر نے کاریڈور سے گزرتے ہوئے چوٹ کی "اس کی شادی کی تاریخ جلد ہی مقرر کر دو عامر" امی نے کہا تو عامر گئے

جاتا ہوا واپس پلٹ آیا۔

" امی ہمارا ابھی کچھ سوچ لیں" عامر نے مسکین سی صورت بنائی۔

" امی یہ بکواس کرتا ہے کل ہی اس نے مجھے ایک لڑکی کی فوٹو دکھائی تھی جس سے یہ شادی کرنا چاہتا ہے۔

فری نے سارا راز کھول دیا۔

عامر تم نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی" اس نے مصنوعی غصہ دکھایا

لیجئے اب دیکھ لیجئے حاضر خدمت ہے" عامر نے جیب سے پرس نکال کر ایک پاسپورٹ سائز تصویر امی کے آگے کر دی۔

ایمان سے کیا مجنوں کی طرح تصویریں لئے پھرتا ہے" فریحہ نے چوٹ کی

" میں بھی دیکھوں گا جب تم اپنے اس لندن پلٹ جواد کے پیچھے ہیر کی طرح باؤلی ہوتی نہ پھرو گی" عامر بھلا کب بخشنے والا تھا۔

" امی دیکھیے کیا بکواس کر رہا ہے" فریحہ نے شکایت کی "کیا کہا بکواس؟ ادھر آؤ ذرا" عامر اس کے پیچھے لپکا تو وہ بھاگ گئی۔

فریحہ شادی کے بعد جواد کے ساتھ لندن چلی گئی تو گھر میں اداسیوں کے سائے لہرانے لگے۔ عامر سارا دن آفس ہوتا یا پھر دوستوں کے ساتھ رہتا۔ سیما سارا دن گھر میں تنہا بیٹھی سوچوں کا شکار رہتی۔ اپنی تنہائی کو دور کرنے کے لئے اس نے عامر کی دلہن لانے کا فیصلہ کیا اور پھر ان باتوں کو پورا کرنے کا وقت بھی آ گیا تھا۔ جب اس نے اپنے آپ کو ایک مثالی ساس اور شفیق ماں ثابت کرنے کے ارادے کئے تھے۔ عامر کی پسند سے شادی کر دی تو وہ بھی مطمئن سی ہو گئی۔

عامر کیسی لگی تمہیں اپنی دلہن۔ دلہن کے کمرے سے نکلتے ہوئے عامر سے امی نے پوچھا۔

ماں جی میری تو پہلے ہی دیکھی ہوئی تھی آپ بتائیے آپ کو کیسی لگی؟ عامر نے ماں کے شانے پکڑ لئے۔

" بڑی اچھی ہے عامر بہت ہی اچھی" وہ اس کے ماتھے کو چومتی ہوئی بولیں۔

عامر ماں کو چھوڑ کر دوسری طرف چلا گیا مگر اسے خوشیاں اپنے سنگ سنگ مسکراہٹیں اور ادائیں دکھاتی محسوس ہوئیں۔ وہ تصورات میں ہی اپنے پوتے پوتیوں کو گود کھلاتے دیکھنے لگیں۔

" عامر ہم علیحدہ گھر لے لیتے ہیں" دلہن عامر کے ساتھ سارا دن سنبھالتی

ہوئی فرمائش کر رہی تھی۔

"امی آپ ابھی تک نہیں کھڑی ہیں" عامر نے پہلو بچانا چاہا۔

"دلہن کیوں کوئی تنگی ہے یہاں؟" سیما نے پوچھا۔

"عامر دیکھو نا۔ اماں تو بوڑھے ذہن کی مالک ہیں ہمارا آزادی سے گھومنا پھرنا ایک آنکھ نہ بھائے گا۔ یہی بہتر ہے ہم اپنا علیحدہ گھر لے لیں تاکہ تعلقات خوشگوار رہیں" دلہن سیما کی بجائے عامر سے مخاطب ہوئی۔

عامر خاموش کھڑا رہا۔ ایک طرف ماں تھی اور دوسری طرف وہ ہستی تھی جس کے ساتھ اس نے اس کی ہر خواہش پر اپنی جان وارنے کی قسمیں کھائی تھیں۔

"ہاں عامر اپنی دلہن کی خواہش پوری کر دو۔ اسے نیا گھر لے کر دو — اسے خوشیاں دو عامر محبتیں اور چاہتیں اس پر نچھاور کر دو۔ اسے کوئی دکھ نہ دینا عامر اس کی خواہشوں کا احترام کرنا۔ اسے کوئی تکلیف نہ ہونے دینا" سیما تھکے تھکے لہجے میں عامر سے کہہ رہی تھی اور ان کی روح اندر ہی اندر گھائل ہو رہی تھی۔

"جاؤ بیٹے تم دونوں جہاں تفاوے جانے کا پروگرام ہے۔ مجھے علیحدہ گھر بسانے پر کوئی اعتراض نہیں ہے" وہ ان دونوں کو اپنے دونوں ہاتھوں سے تھام کر دروازے تک رخصت کرنے آئی۔

عامر نے علیحدہ ہونے پر کچھ لیں) دہشت کی لیکن ماں کے آگے اس کی ایک نہ چل سکی۔ عامر دلہن کو لے کر چلا گیا اور سیما تنہائی میں ساتھ چھوڑ دالے سہاروں کے تمام خالی پلنگوں کو دیکھ کر دھاڑیں دینے لگی۔

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہوگیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ لچکے پٹھے سے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہوگئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا لچکا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہوجاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں۔ خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں لچکے لگے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سورتی بیلیں اور چھپا چٹکی وغیرہ لگاکر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑجائے یا خراب ہوجائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو ماند کرتے ہیں۔ یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولہ میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان آپ کو.....

• بزم حریم کی خبریں اور پسندیدہ اشعار الگ الگ کاغذوں پر لکھیں۔ ایک کاغذ پر ایک خبر اور دوسرے کاغذ پر شعر۔ دو یاد کے لئے ہوں تو چار کاغذ استعمال کریں۔ اور کسی طرح کی شکایت یا اور بات لکھنا ہو تو علاحدہ لکھیں۔

مسائل کے حل کے لئے کمربستہ اتر پردیش

ضروری اشیائے صرف کی فراہمی کا یقینی بندوبست

عوامی نظام تقسیم میں بڑے پیمانے پر سدھار کرنے، برسات میں پانی سے گھر جانے والے علاقوں میں پہلے ہی سے ضروری اشیائے صرف کا کافی ذخیرہ رکھنے اور ترقیاتی بلاک اور پنچایت کی سطح پر دیہی باشندوں کو ضروری اشیائے صرف فراہم کرنے کی غرض سے خردہ دکانیں کھولنے کے لئے اقدامات کئے جارہے ہیں۔

صنعتوں کو پہلے سے زیادہ بجلی

صنعتی پیداوار بڑھانے اور روزگار کی صورت حال کو بہتر بنانے کے لئے صنعتوں کو فراہم کی جانے والی بجلی میں ۶۶۶۶۶ فیصد کٹوتی کو کم کرکے ۵۰ فی صد کرنے اور بجلی کی پیداوار میں اضافہ کے لئے قلیل مدتی اقدامات کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

سماجی تحفظ کا ماحول

مجرموں اور سماج دشمن عناصر سے مؤثر طور پر نپٹنے کے لئے پولیس فورس کی جدید کاری اور ڈاکوؤں کی سرکوبی کے لئے مناسب اقدامات کیے جارہے ہیں۔

ریاست کی تعمیر میں آپ کا سرگرم تعاون ضروری ہے۔

جاری کردہ:۔ محکمۂ اطلاعات و رابطہ عامہ اترپردیش

انکار کے جواب میں

مس فاطمہ

"آخر وہی ہوا نا جس کا مجھے ڈر تھا اور چڑھاؤ۔ اپنی بیٹی کو مجھے تو ہمیشہ سے اس کے لچھن ایسے لگتے تھے۔" اماں بیگم نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے تیز آواز میں کہا تو ابا میاں نے اخبار سے نظریں اٹھائے بغیر ہی پوچھا۔ "کچھ مجھ سے کہا۔"

"اے ہنہ تم سے کیسا کہوں گی۔ دیوار، پنکھوں سے باتیں کر رہی ہوں۔ میرا تو دماغ خراب ہوا ہے نا تم نے کبھی کہتی ہوں کہ کچھ فکر بھی ہے تمھیں۔ ...... یہ موا اخبار نہ ہوا میری سوکن ہو گیا جب دیکھو ہاتھ میں ہے گھر میں میری تو کوئی حیثیت ہی نہیں۔" کہتے ہوئے اماں بیگم نے اخبار ابا میاں کے ہاتھ سے لے کر پرے پھینکا۔ "میں کہتی ہوں مجھے تھوڑا سا زہر لا دو۔"

"ارے ارے بیگم یہ خدانخواستہ آج آپ کو کیا ہو گیا۔" ابا میاں نے ان کے لہجے کی سنجیدگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا تو اماں بیگم کے جیسے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ "تم تو بس اخبار پڑھتے رہا کرو اور کس بات سے تو مطلب ہے نہیں پتہ بھی ہے وہ تمھاری لاڈلی بیگم کیا فرماتی ہیں۔" اب کے اماں بیگم کا لہجہ اتنا تیز تھا کہ دوسرے کمرے میں کتاب پڑھتی سلوی اپنے ذکر پر چونک پڑیں جلدی سے کتاب پرے پھینک دروازے سے لگ گئیں۔ ابا میاں کی آواز صاف سنائی دے رہی تھی۔ "کیا ہوا اگر اس نے انکار کر دیا کوئی معقول وجہ ہی ہوگی ورنہ وہ ایسی بیوقوف لڑکی نہیں ہے مجھے اس پر پورا اعتماد ہے۔"

"اے ہے میں کہوں یہ تمھاری عقل کو ہوا کیا ہے آخر یہی ہمارا تجربہ اور عمر تو بیکار گئی۔ نہ شہزادی دو حرف کیا پڑھ گئیں وہ افلاطون ہی ہو گئیں۔"

"لیکن بیگم آپ نے وجہ پوچھی تھی اس سے۔" ابا میاں نے قدرے لاپرواہی سے کہا تو اماں بیگم بھڑک اٹھیں۔ "وہ تمھاری چہیتی مجھ سے بات کرنا کب پسند کرتی ہیں۔ انھوں نے تو صغو سے کہہ دیا تھا کہ اگر اس کی مرضی کے خلاف کوئی فیصلہ ہوا تو وہ زہر کھا لے گی اور صغرا آپا کی تجویز اسے بالکل پسند نہیں ہے۔"

"ہوں تو یہ بات ہے میں خود سلو سے بات کر دوں گا وہ بہت سمجھدار لڑکی ہے کسی وجہ سے ہی اس نے ایسا کیا ہوگا۔ اب آپ بالکل بے فکر ہو جائیے اور پان کھائیے بہت دیر سے آپ کا منہ سونا سونا لگ رہا ہے۔" کہتے ہوئے ابا میاں دوبارہ پھر جما دیئے اور کمرے میں سلوی نے سکون کا سانس لیا۔ ایک ابا میاں ہی تو ہیں جو میری طبیعت کو جانتے ہیں ورنہ تو سب ہی اس گھر میں مجھے باغی کہتے ہیں جیسے میں کوئی انوکھی مخلوق ہوں اب اپنی فطرت کو کیا کروں رضو آپا کی طرح اللہ میاں کی گائے نہیں کہ جس نے چاہا ہانک کر لیا نہ دیا بند ہو گئی آخر انسان ہوں میری اپنی شخصیت ہے میرے احساسات ہیں۔ میرا اماں بیگم کو یہ سب کون سمجھائے ان کے خیال کے مطابق تو لڑکیوں کو موم کا بنا ہونا چاہیئے جس نے جدھر چاہا موڑ دیا جب دل چاہا توڑ دیا۔ وہ سمجھتی ہیں شاید پڑھ لکھ کر میرا دماغ خراب ہو گیا ہے یا لٹریچر کے چکر میں پڑ گئی ہوں گی مگر میں انھیں کیسے بتاؤں کہ مجھے کچھ نہیں ہوا ہے۔ سوائے اس کے کہ میں سیدھی سادی حقیقت پسند لڑکی ہوں تصنع بناوٹ اور ظاہر داری سے نفرت ہے مجھے مگر لوگ مجھے مجبور کرتے ہیں کہ میں دکھاوا کروں جو مجھ سے نہیں ہو سکتا نہ ہی میں کوئی بے جان شے ہوں جسے ہر کوئی اپنی مرضی سے اپنی پسند کی جگہ پر سجا دے مگر مسئلہ تو سارا یہ ہے کہ میری یہ باتیں سوائے ابا میاں کے کوئی سمجھتا نہیں ہے اور تب ہی تو مجھے سب ان کی لاڈلی کہتے ہیں حالانکہ بیچارے ابا میاں تو اتنے اچھے ہیں اتنے سویٹ کہ سب کو ایک جیسا پیار کرتے ہیں پھر بھی رضو آپی، شفو اور گوگا یہی سمجھتے ہیں کہ بس لے دے کر میاں ایک میں ہی ہوں ابا میاں کی منظور نظر اور بیچاری اماں بیگم خود تو نیک دل ہیں بھولی بھالی کہ دوسروں کی باتوں میں آجاتی ہیں۔ اور یہ صغرا خالہ تو مجھے ہمیشہ سے زہر لگتی ہیں چاپلوس کہیں کی، انہیں کبھی کہوں یہ ہمیشہ مجھ پر ہی نظر عنایت رکھا کرتی تھیں۔ اور اماں بیگم اسی خوش فہمی میں رہیں کہ رضو آپا بچپن کی مانگ ہیں صغرا خالہ اس سے کب انکار کریں گی۔ اب پتہ چل گئی نا اصلیت مگر اماں بیگم کیسی بھولی ہیں کہ آگئیں ان کی باتوں میں جیسے خوشامد کرتی

قسمت میں ہوتی تو کبھی انکار نہ کرتی مگر میرا شاید تو لگتا کلوتا ہے اس کی ابن کہتی ہیں کہ اگر اس کی کہا کبھی تو اس کے جوڑ کی ہوتا ..... دیکھو نا رضو کا قد بھی چھوٹا ہے اور رنگ بھی صاف نہیں۔ میری خوشی سلو کے لئے ہے یوں تو یہ دونوں ہی میری بیٹیاں ہیں پھر یہ کرا فراسما کی بھی تو مجھے فکر کرنا تھا ہے۔ اللہ رضو کی بھی قسمت اچھی کرے ماشاءاللہ سگھڑ تو بہت ہے ....." ہونہہ چالاک بڑھیا۔ اور اماں بیگم کو جلنے شاید میں کیا سر خاب کے پر نظر آ گئے ہیں۔ کہ ایک نہ سہی دوسری قربان کر دو جو فوراً حامی بھر لی۔ اور وہ چاپلوس کیسی خوش خوش پان چبا رہی تھیں یہ کبھی تو نہ سوچا کہ کوئی ان کی بیٹیوں کے ساتھ یہ سلوک کرے تو ان پر کیا گزرے گی۔

"سلو بیٹے کہاں ہو ذرا ادھر تو آنا" ابا میاں کی آواز پر وہ اُبھر گئی جیسے اس کی سوچ کسی نے پڑھ لی ہو آہستہ آہستہ وہ ان کے کمرے میں گئی۔

"جی ابا میاں"

"بیٹھو بیٹے۔ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا"

"جی ابا میاں بالکل ٹھیک ہوں" وہ سر جھکا کر بیٹھ گئی۔

بیٹے آپ کی اماں بیگم کیوں ناراض ہیں آپ سے"

اس سوال پر وہ کچھ سنبھل گئی" ابا میاں وہ آپ کو تو پتہ ہے نا کہ اماں بیگم کو میں اچھی نہیں لگتی ہوں" ہکلاتے ہوئے جملہ مکمل کیا۔

ارے ارے بیٹے یہ خیال آپ کو کیسے آیا۔ اماں بیگم تو آپ کو بہت چاہتی ہیں۔ اسی لئے تو ان کی خواہش ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ ابا میاں نے جملہ ختم کر کے اس کی طرف دیکھا تو وہ باقاعدہ رو رہی تھی "سلو بیٹے دیکھو مجھے تم پر بڑا اعتماد ہے۔ مجھے ساری بات بتا دو مجھے یقین ہے میں تمہاری مدد کر سکوں گا۔

"ابا میاں اگر اماں بیگم مجھے خوش دیکھنا چاہتی ہیں تو رہنے دیں مجھے ان کا فیصلہ منظور نہیں ہے۔ اس نے رک رک کر نگلتے ہوئے بات مکمل کی اور آنسو پونچھ ڈالے۔

"لیکن بیٹیا ہر بات کی کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوتی ہے نا" ابا میاں نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا "میں وجہ نہیں بتاؤں گی۔

"ابا میاں گھر میں آپ ہی تو مجھے سمجھتے ہیں پھر بھلا آپ کو..... کیوں نہیں بتاؤں گی۔ بس ایک دو دن بعد"

"اچھا بیٹے یہ بات ہے تو ٹھیک ہے تم اچھی طرح سوچ سمجھ کے جواب دینا۔

"اب میں جاؤں ابا میاں" سلو بی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا تو ابا میاں ہنس دیئے "ہاں بیٹے مگر یہ یاد رکھنا کہ آپ کی اماں بیگم آپ کو بہت چاہتی ہیں" اور وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے نکل گئی۔ اس کے ذہن کا آدھا بوجھ اتر چکا تھا۔ بہت سوچ بچار کے بعد اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی اس نے قلم اور پیڈ اٹھا کر ابا میاں کو خط لکھنا شروع کیا۔

پیارے ابا میاں۔ السلام علیکم۔

آپ نے مجھ سے اماں بیگم کی ناراضگی کی وجہ پوچھی ہے جو آپ کو خود بھی معلوم ہوگی۔ مگر آپ مجھ سے سننا چاہتے ہیں اس لئے بتائے دیتی ہوں۔ پرسوں صغرا خالہ آئی تھیں وہ کہہ رہی تھیں کہ انھیں رضوآپی جیسی سگھڑ بیٹی کے بجائے ایک شو پیس کی ضرورت ہے۔ کم از کم ان کی بات سے میں نے یہی اندازہ لگایا ہے انھیں آپی کے سلیقے اور ہنرمندی سے زیادہ ظاہری حسن اور خوبصورتی کی تلاش ہے۔ جبکہ آپ کو معلوم ہے کہ میں نے ہمیشہ انسان کی حیثیت انسان قدر کی ہے۔ اس کی صلاحیتوں کو سراہا ہے۔ میرے نزدیک شکل و صورت روپیہ پیسہ اور ظاہری ٹھاٹ باٹ بے کار ہیں۔ اگر انسان میں حسن کردار نہ ہو تو وہ میرے نزدیک انسان نہیں۔ بدقسمتی سے اگر مجھے اللہ نے اچھی شکل جو دے دی ہے تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ مجھے صرف ظاہری صورت سے دیکھا جائے۔ انھوں نے یہ کیوں نہ سوچا کہ حسن صورت سدا ساتھ نہیں رہتا جبکہ حسن سیرت زندگی بھر کا ساتھی ہے۔ خالہ نے تو اتنی سی بات کہہ دی یہ نہ سوچا کہ آپی کے کان تک اگر بات چلی گئی تو ان کے دل کو کتنی تکلیف ہوگی ابا میاں آپ مجھے بتائیں کہ کیا لڑکیوں کی اپنی کوئی حیثیت نہیں ہوتی۔ کیا انھیں صرف اسی پیمانے سے ناپا جاتا ہے کہ وہ کتنے امیر باپ کی بیٹی ہیں یا کتنی خوبصورت ہیں اگر ایسا ہے تو مجھے افسوس ہے کہ میں اس ذہنیت کا ساتھ نہیں دے سکتی۔ اگر اماں بیگم مجھے اجازت دیتیں تو میں صغرا خالہ کو خود ہی جواب دے دیتی۔ آخر انھوں نے کیا سوچ کر یہ بات کی آپی میری پیاری آپی ہیں۔ ان کی جگہ کوئی اور لڑکی بھی ہوتی تب بھی میرا فیصلہ یہی ہوتا جو آج ہے۔ مجھے ایسے خود غرض اور ظاہر دار لوگ بالکل پسند نہیں ہیں۔ اگر ہمارے معاشرے کے قلعے کی دیوار دراڑیں پڑنے کا

خطرہ نہ ہوتا تو میں خود صغرا خالہ سے کہہ دیتی کہ ان کو میری سگھڑ اور سلیقہ مند بہن کے رنگ روپ اور قد پر اعتراض ہے تو مجھے ان کے صاحبزادے ناپسند ہیں اگر وہ کہتی ہیں کہ پسند و ناپسند کا حق صرف لڑکوں اور ان کے گھر والوں کو ہوتا ہے تو انھیں بتا دیں کہ لڑکیاں بھی انسان ہوتی ہیں جانور نہیں جیسا ان جی چاہا باندھ دیا۔ شکل و صورت تو اللہ نے بنائی ہے جس کو چاہے پل میں کچھ سے کچھ کر دے۔ جس طرح ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی اسی طرح ہر خوبصورت لڑکی میری آپا جیسی حسن سیرت کی مالک نہیں ہو سکتی۔

ابا میاں مجھے افسوس ہے میرا لہجہ شاید تلخ ہو گیا ہے مگر اس عرصہ سے مجھ پر جو کچھ گزری ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ مجھے امید ہے آپ میری بات سے اتفاق کریں گے اور اماں بیگم بھی غصہ تھوک دیں گی اور پیارے ابا میاں میری آپ سے گزارش ہے کہ آپ آئندہ بھی کبھی میری اچھی بہن اور پیاری سی آپا پر مجھ کو ترجیح نہ دیں۔ اماں بیگم شاید میری اس گستاخی پر خفا ہوں گی مگر ان سے کہیں مجھے معاف کر دیں میں اپنی آپا کو کبھی کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی۔

فقط آپ کی بیٹی۔ سلو۔

ابا میاں کو دفتر میں سلوی کا خط ملا تو انھوں نے اسے کئی بار پڑھا گھر آ کر انھوں نے خط اماں بیگم کو پکڑا دیا

"سلو کہتی تو ٹھیک ہے" اماں بیگم نے خط تہہ کرتے ہوئے کہا۔ تو ابا میاں مسکرائے۔ "پھر کیا خیال ہے آپ کا۔"

"مگر صغرا آپا سے کیا کہوں گی" "بھئی اس میں پریشانی کی کیا بات ہے" ہمیں سلو کی سمجھداری اور اس کے جذبات کا احترام کرنا چاہئے۔ اسے اپنی بہن کا کتنا خیال ہے۔ میں کہتا ہوں تم ان سے صاف کہہ دینا کہ سلو نے ان کے بیٹے کے لئے انکار کر دیا ہے۔ انھیں پتہ چلے کہ ان کے صاحبزادے کوئی ایسے دنیا سے نرالے نہیں ہیں اگر انھیں انکار کا حق ہے تو ہم بھی یہ حق رکھتے ہیں

اماں بیگم خاموشی سے اٹھ کر اسی وقت صغرا بیگم کی طرف چلی گئیں جب وہ واپس آئیں تو نماز سے فارغ ہو کر جائے نماز تہہ کر رہی تھی کہ انھوں نے اسے پکارا اور وہ سہمی سہمی سی ان کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ "میری بیٹی مجھے اندازہ ہوا ہے تو کتنی سمجھدار ہے۔ بہت اچھی اور پیاری بیٹی ہے خدا تجھے ہمیشہ خوش رکھے۔

"اماں بیگم..... کیا..... آپ سچ مچ..... مجھ سے خوش ہیں" سلو نے بمشکل اٹک اٹک کر بے یقینی سے اماں بیگم کی طرف دیکھا تو انھوں نے جھٹ سے اسے گلے لگا لیا اور سلو کی آنکھوں میں مارے خوشی کے آنسو لرز رہے تھے۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ اماں بیگم کا رویہ یوں بدل جائے گا۔

"بھئی اب تو اندازہ ہو گیا کہ تمہاری بیٹی باغی نہیں ہے۔" ابا میاں نے ہنستے ہوئے جملہ کسا تو اماں بیگم بھی ہنس دیں "افوہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے نماز تو پڑھ لوں"

بقیہ پسندیدہ اشعار بسلسلہ صفحہ ۳۲

دل میں کوئی امید نہ حسرت نہ تمنا
کیا سوچ کے جینے کی دعا مانگ رہے ہیں

مرسلہ:- سہیل ادیب شمسی (کلکتہ)

ہاتھ اٹھے تو ادا حرف تمنا نہ ہوا
اس دعا گو کو دعا کا بھی سلیقہ نہ ہوا

مرسلہ:- زھیدہ فضلی (رامپور)

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے
رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو

مرسلہ:- ڈی عرفانہ منظور۔ فرحانہ پروین (آبور)

ہے دعا اور دوا فرض دے حکم خدا
ٹل سکے یہ کسی بندے کا بھی مقدور نہیں

مرسلہ:- انیس قادر (مدراس)

ہزار بار جو مانگا کرو تو کیا حاصل
دعا وہی ہے جو دل سے کبھی نکلتی ہے

مرسلہ:- نازش ہدی (دھنباد)

فاکہہ

وہ ناول جسے مکمل کیے بغیر اے۔ آر خاتون صاحبہ کا انتقال ہو گیا جسے ان کی صاحبزادی زبیدہ خاتون صاحبہ نے مکمل کیا۔ یہ ناول ایک عرصہ سے ختم تھا اب مل سکتا ہے۔ قیمت سولہ روپیہ

بزم حریم

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کی مرسلہ صرف ایک ایسی خبر شائع کی جاتی ہے جو ولادت، شادی یا انتقال سے متعلق ہو۔ خبر صاف صاف اور پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ کے ساتھ بھیجی جائے۔ خبر کی وضاحت میں کسی غلطی کا ذمہ دار ادارہ نہ ہوگا۔ البتہ اطلاع ملنے پر اس کی تصحیح شائع کردی جائے گی۔ ایک سے زائد خبر بھیجتے وقت، ہر خبر علیحدہ علیحدہ کاغذ پر لکھیں اور یہ بھی لکھ دیں کہ کون خبر پہلے شائع کی جائے

ادارہ

ولادت انتقال کی خبریں

- [illegible] خبر کے ساتھ ٹکٹ پچاس پیسے کے نہیں ملے۔
- مسز نسیمہ عزیز" میرے چھوٹے بھیا محمد جلیل الرحمٰن اور پیاری بھابھی یاسمین رحمٰن (برہ پورہ۔ بھاگلپور) کو اللہ رب العزت نے ۳۰ رمئی [illegible] بروز سنیچر بوقت تین بجے صبح ایک حسین شہزادہ عطا کیا۔ نام محمد لئیق الرحمٰن قرار پایا۔ دعا ہے کہ نومولود اپنے والدین کے زیر سایہ جلا پائے اور دینی و دنیوی زندگی میں سرخرو ہو۔
- ناہید ضیا وارثی (رکلیا) میری چچا زاد بہن فرحت وارثی اور بہنوئی حلیم وارثی کے [illegible] اللہ تعالیٰ نے دوسری بار بتاریخ یکم جون [illegible] بروز اتوار بمقام رانچی ایک نیا پھول کھلایا۔ میں دور ہی سے مبارکباد دیتی ہوں دعا ہے کہ بچے عمر طویل پائیں اور پروان چڑھیں۔
- مہ ناز فریدی (مراد آباد) میرے خالہ زاد بھائی اور شابانہ بھابی کے گلشن حیات کو اللہ تعالیٰ نے پہلی بار ۱۵ رمئی [illegible] بروز جمعرات، بوقت [illegible] ایک خوبصورت کنول سے معطر کردیا۔ اللہ [illegible] ہے کہ یہ پھول اپنے بزرگوں کے سائے میں پرورش پائے۔ آمین

پیغامات نشاط

- عزیزی شمیمہ خاتون نشاط سلمہا دختر نیک اختر و مرتضیٰ حسن سلمہ فرزند جناب ایم حسن ریٹائرڈ ڈپٹی کلکٹر (واسع پور دھنباد) کی شادیاں، جناب انصار الحق صاحب۔ ڈملا۔ مدھوبنی) کے فرزند اجمال الحق سلمہ و دختر فرحت آرا سلمہا کے ساتھ بالترتیب ۷ رجون و ۱۰ رجون [illegible] کو بحسن و خوبی بمقام دھنباد ڈملا انجام پائیں۔ اللہ مبارک کرے۔ مجھے تمنا تھی کہ میں شمیمہ خاتون نشاط سلمہا کی شادی میں شرکت کروں، لیکن افسوس کہ اب میرے لئے مقامی شادیوں میں شرکت کرنا بھی ممکن نہیں رہ گیا۔ بہر حال میری دعا ہے کہ اللہ پاک شمیمہ نشاط کو ہمیشہ مسرتوں اور شادمانیوں سے ہمکنار رکھے۔ نسیم اہتوئی
- انجم ناز۔ کلکتہ میرے پیارے بھائی کلیم الدین کی شادی۔ شہانہ بیگم کے ساتھ بمقام بلدوانی، بتاریخ ۸۔ جون [illegible] بخیر و خوبی انجام پائی۔ دعا ہے کہ اللہ پاک دونوں کو دائمی مسرت بخشے۔
- نمبر ۴۶۰۴۹ خبر بلا ٹکٹ آئی۔ دوسرے سالگرہ کی خبر نہیں چھپتی۔
- میری خالہ زاد بہن زینب سلمہا کی بیٹیوں ضیا بانو اور طلعت بانو سلمہا اللہ تعالیٰ، دختران عبدالعلیم سلمہ کی شادیاں، عزیزی عتیق احمد قدوائی سلمہ (ابن شاہد علی صاحب قدوائی۔ غولی۔ بارہ بنکی) اور امام الدین عرف حیدر علوی (فرزند متین الدین علوی صاحب۔ کاکوری شریف) کے ساتھ بمقام خوش گنج ضلع لکھنؤ بتاریخ ۹ رجون [illegible] بروز دوشنبہ بحسن و خوبی انجام پائیں۔ اللہ مبارک کرے۔ نسیم اہتوئی
- وکیل کلام بلیادی (مظفر پور) میری چھوٹی بہن شکیلہ بانو کی شادی نسیم ضیا (فرزند ضیاء الرحمٰن سردار۔ مونا تھ بھنجن) کے ساتھ ۲۴ رمئی [illegible] بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ اس جوڑی کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔
- نمبر خریداری ۸۷۰۹۱۔ خبر بلا ٹکٹ وصول ہوئی۔ یہ چھپ سکی۔
- اوڈلی شمع (پٹنہ) "میری چھوٹی بہن آرزو فاطمہ سلمہا (بنت سید محمد شہاب الدین صاحب مرحوم) کی شادی جناب سید کاظم حسین کے صاحبزادے سید مطلوب احمد کے ساتھ ۱۹ رمئی [illegible] بروز سوموار بحسن و خوبی انجام پائی۔ خدا سے دعا ہے کہ دولہا دلہن شاد و خرم رہیں۔

• رفعت انوار عباسی (بھوپال) میرے منجھلے ماموں جناب انوار الحق (چیف اکاؤنٹ افسر پاکستان ٹوبیکو کمپنی۔ کراچی) کی صاحبزادی شائستہ عذرا کی شادی ابراہیم احمد ولد جناب عارف احمد زبیری۔ مرحوم کے ساتھ ۱۹ر جون ۸۵ء بروز جمعرات بمقام کراچی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔

انتقال پرملال کی خبریں

• ۵ر جون کی منحوس شام کو جمیل صاحب نے دفتر سے فون پر یہ اطلاع دی کہ بمبئی میں بہن سلطان جہاں، بیگم منظور الزماں صاحب عرشی وجلالی کا ہارٹ فیل ہو جانے سے انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم منظور صاحب اور بہن سلطان جہاں سے ہمارے تعلقات ۱۹۳۲ء سے تھے۔ کوئی عزیزداری یا قرابت نہ تھی۔ لیکن عزیزوں سے زیادہ عزیز تھے اور ہمیں اسی طرح سمجھتے بھی تھے۔ خبر نے دل پر ایسا اثر کیا کہ میں چند منٹ تک والدہ کو بھی یہ خبر نہ سنا سکا۔ گذشتہ اپریل میں مرحومہ اپنے بیٹوں منظر جلالی اور بدر جلالی کے ساتھ طویل سفر کرتی ہوئی لکھنؤ میرے پاس آئیں اور صرف چند گھنٹے رہ کر اسی شام واپس بمبئی چلی گئیں۔ اس طرح انتقال سے کچھ ہی دن پہلے ان کا دیدار ہو گیا۔ کن الفاظ میں لکھوں کہ وہ ہمیں کتنا چاہتی تھیں۔ بھابی بننے کے بجائے انھوں نے مجھے بھائی بنا لیا تھا اور واقعی ایک بہن ہی کی طرح چاہتی بھی تھیں۔

بچپن لکھنؤ کی سرزمین پر گذرا، جوانی کے بھی چند سال یہیں بسر ہوئے، اس لئے مرحومہ کے اخلاق۔ آداب کا کیا کہنا۔ جس سے ملتیں، اس کا دل موہ لیتیں۔ اپنے اور پرائے سب ہی ان کے مداح تھے۔ کئی حج کئے۔ کار خیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی تھیں۔ اللہ مغفرت کرے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے، اس دعا کے بعد خصوصیت سے عزیزی منظر، مناظر اور بدر جو ان کے فرزند ہیں اور اکبر جہاں سلمہا جو ان کی بیٹی ہے انھیں، بہوؤں اور ان سب کے بچوں کے لئے بھی دعا کرتا ہوں کہ اللہ پاک انھیں صبر جمیل دے۔

افسوس کہ میں بد قسمتی سے [illegible] منظور بھائی مرحوم کے انتقال کی رسوم میں شریک ہو سکا اور نہ بہن سلطان جہاں مرحومہ کے

سلطنہ میں جا سکا۔ زبردستی عزالہ کو بھیج رہا ہوں کہ وہ میری اور اپنی جانب سے تعزیت کریں۔ مجھے اس حالت میں [illegible] وہ بھی جانا نہ چاہتی تھیں۔ میری طبیعت تو ماشاء اللہ [illegible] ہے۔ کوئی ٹھیک نہیں رہتا کہ کس وقت بگڑ جائے۔

نسیم انہونوی

• یہ خبر افسوس کے ساتھ سنی گئی کہ ۲۹ر مئی ۸۵ء کی شام کو پونے سات بجے جناب کوثر چاند پوری کے برادر اکبر حکیم [illegible] صاحب کا انتقال ہو گیا۔ مرحوم باوضو بیٹھے نماز مغرب کا انتظار کر رہے تھے کہ دو ہچکیاں آئیں اور دار البقا کو سدھار گئے۔ تجہیز و تکفین مرحوم کے وطن چاند پور میں ہوئی۔ خدا مغفرت کرے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ نسیم انہونوی

• ثریا سلیم (دوآبہ ڈی) بڑے غم کے ساتھ اطلاع دیتی ہیں کہ ہماری والدہ محترمہ صفورہ عزیز صاحبہ (دیرینہ خریدار حریم) ۱۱ر مئی ۸۵ء بروز اتوار بوقت ساڑھے دس بجے دن اس دار فانی سے رحلت فرما گئیں اور ان کے شفیق سائے سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو گئے۔ خدا سے دعا ہے کہ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم سب بہن بھائیوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (صفورہ بہن صاحبہ کے انتقال کی خبر سے دلی صدمہ ہوا واقعی وہ حریم کی قدیم پرستار تھیں۔ اللہ پاک انھیں جنت الفردوس میں جگہ دے۔ شریک غم۔ نسیم انہونوی)

• نزاکت النساء شمسی و فضال تبسم شمسی (آنولہ) ہماری [illegible] محترمہ جبکہ وہ نماز عصر کا اہتمام فرما رہی تھیں اچانک ۲۲ [illegible] ۸۵ء بروز جمعرات اس عالم فانی سے رحلت فرما گئیں۔ خدا مغفرت کرے۔ بڑی نیک اور پابند صوم و صلوٰۃ تھیں۔ [illegible] پاک ہمارے والد الحاج منظور الحق صاحب و پھوپھی صاحبہ کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

• شمع پروین (رامپور) بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہیں کہ میری چچازاد بہن گلریز کلیم کا ۱۵ر جون ۸۵ء بروز [illegible] دہلی اسپتال میں ۱۲ بجے شب میں انتقال ہو گیا۔ مرحومہ کی [illegible] ایک سال ہی ہوا تھا۔ اللہ سے دعا ہے کہ [illegible] کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کا مرسلہ صرف ایک شعر شائع کیا جاتا ہے بشرطیکہ وہ ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو، موزوں، سنجیدہ اور معیاری ہو۔ ساتھ ہی نمبر خریداری کے ساتھ بھیجا گیا ہو۔ اگست کے لئے عنوان ہے "ہمت" اور ستمبر کے لئے "مدینہ" جو اشعار ۱۰ تاریخ تک دفتر میں وصول ہو جاتے ہیں، وہی شائع ہوتے ہیں ـــــ ادارہ

سحر کے وقت ابراہیم نے اٹھکر دعا مانگی
سکون قلب مانگا، خوئے تسلیم و رضا مانگی

مرسلہ :۔ پروین فاطمہ لاری (رجا جمو۔ کانپور)

سب کچھ خدا سے مانگ لیا، تجھ کو مانگ کر
اب کیا اٹھیں گے ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

مرسلہ :۔ نجمہ حافظ (شمکور)

مرسلہ :۔ مسز نیہہ عزیز (رہ پورہ۔ بھاگلپور)

مرسلہ :۔ بی حمیرہ تسنیم۔ (آمبور)

لمحات یاد دوست کو صرف دعا نہ کر
آتے ہیں زندگی میں یہ عالم کبھی کبھی

مرسلہ :۔ کہکشاں اختر (سوگولی۔ چمپارن)

اک بار تجھے دیکھا، سو بار دعا دی ہے
ہم نے ترے جلوؤں کی قیمت بھی چکادی ہے

مرسلہ :۔ افشاں جبیں (پاکڑ)

مرادوں کے خزانے بھی دعا کی دسترس میں ہیں
دعا اٹھے اگر دل سے، دعا نکلے اگر دل سے

مرسلہ :۔ قمر لطیف نگار سلطانہ جلیلی (آمبور)

اک تیری تمنا نے کچھ ایسا نوازا ہے
مانگی ہی نہیں جاتی اب کوئی دعا ہم سے

مرسلہ :۔ عذرا کلام روحی
(آغا پور۔ بیگو سرائے)

شاکی ہوں کے نہیں، وہ دعا کے قابل ہیں
جنھیں رفیق، جنھیں غمگسار کہتے رہیں

مرسلہ :۔ شہناز بیگم (بنگاراپٹ)

نہ تھا دن کو تو کیوں رات کو یوں بے خبر سوتا
رہا کھٹکا نہ چوری کا، دعا دیتا ہوں رہزن کو

مرسلہ :۔ نجم السحر (کرنول)

بات بے جا بھی محبت میں بجا ہوتی ہے
لب پہ آتی ہے شکایت تو دعا ہوتی ہے

مرسلہ :۔ نجمہ انصار۔ (بھٹکل)

ہم راتوں کو اٹھ اٹھ کر روتے ہیں، رو رو کر یہ دعا کرتے ہیں
آنکھوں میں تصور، دل میں خلش، سر دھنتے ہیں، آہیں بھرتے ہیں

مرسلہ :۔ عشرت بانو (سوانگڑ۔ گیا)

مجھے زندگی کی دعا دینے والے
ہنسی آرہی ہے تری سادگی پر

مرسلہ :۔ سہیلہ اختر ملک (مظفر پور)

جس دن سے دعا میں نے ختم مشق کردی ہے
اس دن سے مجھے میری قضا ڈھونڈ رہی ہے

مرسلہ :۔ عفت یاسمین (پیران کلیر شریف)

مانگا کریں گے اب سے دعا ہجر یار کی
آخر تو دشمنی ہے دعا کو اثر کے ساتھ

مرسلہ :۔ مہ ناز فریدی (مراد آباد)
عادل جمال شمسی (کلکتہ)

تمہارے درد سے دل کو سکون ملتا ہے
دعائیں کیوں کروں میں درد کی کمی کے لئے

مرسلہ :۔ شبنم فاطمہ (کانپور)

بد دعا لوگوں کی بن بن کے دعا لگتی ہے
زندگی ہو نہ ہو کچھ ہم سے خفا لگتی ہے

مرسلہ :۔ منصور احمد نیازی (کلکتہ)

اے دعا ہاں عرض کر عرش الٰہی تھام کر
اے خدا اب پھیر دے رخ گردش ایام کے

مرسلہ :۔ صوفیہ مظفر (جمشید پور)

بقیہ صفحہ ۲۶ پر

داتوں سے خون ٹپک رہا ہے کہ نہیں۔ پھر ناصیہ کو دیکھتا ہوا بولا: "مطمئن رہیے مجھے خود بھی ایک فیصلہ پر پہونچنے کی جلدی ہے"۔

کفیل نے تنہائی میں ناصیہ سے کہا: "آخر یہ معاملہ کب تک طول کھینچے گا۔ تم نے جن واقعات کا تذکرہ مجھ سے کیا تھا۔ وہ ایزد سے دہرا کیوں نہیں دیتیں"۔

"چلیئے ہٹیئے۔" تیوری بدل کے ناصیہ نے کہا: "میں اب یہ بے شرمی کی باتیں اُس سے کہنے بیٹھوں گی"۔

"زندگی کا سوال آپڑا ہے۔ ناصیہ:" کفیل نے سنجیدگی سے کہا: "اب نہ اباجان کو کچھ ورغلایا جاسکتا ہے نہ ایزد کو۔ اگر تمھاری زبان یونہی بند رہی تو یقین کرو کہ تین چار زندگیاں برباد ہوجائیں گی۔ حنا کو بے گناہی کے باوجود طلاق کی سزا ملے گی۔ اس بھوت سے کیا بعید ہے کہ جوش میں آکر تین مرتبہ طلاق کے لفظ بک دے۔ سمجھیں تم اس کے بعد اباجان قطعی اسے گھر سے بھی نکال دیں گے اور وہ کپنی سے بھی نکلے گا یہ تو ہوئیں دو برباد زندگیاں۔ اب کاشف اور نازائیدہ بچے کے متعلق سوچو۔ خود اباجان کے متعلق سوچو کہ وہ بھی اس تباہی کے بعد صحیح الحواس نہ رہیں گے"۔

"ان تمام بربادیوں کا اثر ہم سب پر بھی پڑے گا:" ناصیہ نے ہاں میں ہاں ملاکر کہا اور ان کے خیالوں کی رَو دور تک پہونچی تو وہ نمایاں کانپ گئیں۔

"اچھا۔ اس نے شام کو بلایا ہے مجھے اوپر۔ اب کیا کروں۔ مجھی کو کہنا پڑے گا سب:" وہ کچھ سرخ ہوکر بولیں۔ کفیل مسکرائے . . .

"میں سمجھتا ہوں کہ تمھیں کچھ ارمان ہی تھا۔ دولھا دلھن کو دیکھنے کا۔ ورنہ تم چائے زیتون کے ہاتھ سے بھی بھجوا سکتی تھیں"۔

ناصیہ کسی خیال میں گم تھیں۔ وہ کفیل کا مذاق سنے بغیر بولیں: "میں تو کہتی ہوں کہ اللہ کی مصلحت بھی کیا چیز ہے! میں نہ پہنچتی چائے لیکر تو آج کے دن پیچ آنے والی تباہی کو کون روک سکتا"

لیکن مہ وش نے اپنے ہاتھ پیچھے کرلیے۔ ایزد نے پھر کہا: "اور تمھاری اس دیوانگی کو میں بالکل اہمیت نہیں دیتا۔ مجھے یقین ہی نہیں آرہا۔ جو کچھ تم نے کہا ہے وہ واقعی سچ ہے۔ اچھا اگر سچ ہو بھی تو کون سا ایسا مرض دنیا میں ہے جو دوا علاج سے دور نہ ہو جاتا ہو۔ تم سمجھتی ہو مہ وش کہ میں اس خوفناک ویرانے میں تمھیں لمحہ لمحہ کی موت مرنے کے لیے چھوڑ جاؤں گا۔ نہیں مہ وش۔ میں ٹیکسی لاتا ہوں۔ تمھیں لے چلوں گا میں۔ الگ رکھوں گا سب سے۔ اچھے فزیشین سے تمھارا علاج کراؤں گا۔ تم اچھی ہوجاؤ گی!۔ اور پھر میرا وہ خواب پورا ہوگا جو میں نے ہمیشہ دیکھا ہے۔ ایک پرسکون گھر کا خواب جس میں تم ہوگی۔ میں ہوں گا۔ ہمارے بچے ہوں گے۔!"

"ایزد۔ کیا تم مجھے بے وقوف تو نہیں بنا رہے ہو:" مہ وش نے حیرت سے کہا "میں نے سب کچھ سچ سچ کہہ دیا ہے تم سے۔ لیکن تم۔ ایزد تم۔ بالکل اہمیت نہیں دے رہے ہو میرے مرض کو"۔

"مرض کوئی ہو کبھی تو مہ وش۔ میں تو یہ سوچ کر خوش ہو رہا ہوں کہ تم نے اپنے عزیزوں کو پس پشت ڈالا اور مجھے اپنا ہمراز بنانا پسند کیا ہے۔ آج مجھے تمھاری محبت کا اندازہ ہوا ہے اس محبت کو ثمر آور ہونا چاہیئے۔ مہ وش۔ ایسے سسک سسک کر مرنا نہیں چاہیئے"۔

"کیا تم سب سے کہہ دوگے کہ۔ میں یہاں ہوں:" مہ وش نے پوچھا۔

"نہیں۔ جب تمھاری مرضی نہیں ہے تو میں نہیں کہوں گا۔ حالانکہ مجھے یہ سننا پسند نہیں ہے کہ تم کسی مرد کے ساتھ بھاگ گئی ہو۔ یہ ایک تہمت ہے تم پر۔ تم اگر چاہو تو میں اس کا ازالہ کرسکتا ہوں۔!"

"تم بہت کچھ سن چکے ہو ایزد۔ اب کچھ دیکھنا پسند کروگے؟"

کیے اور پھر بوکھلائے ہوئے انداز میں ادھر ادھر دیکھنے لگے۔ پھر کفیں نماز شادت لینے کے لیے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔

کھئی میں نے کہا کہ: وہ کچھ بولنے چلے تھے ناصیہ نے کہا: میں کھنئی عصر کی اذان ہو چکی ہے۔ نماز کی دیر نہ ہو جائے۔ آپ جائیے۔"

اچھا اچھا۔ کفیں بہت بھرنے بھالے سیدھے سادے انسان تھے۔ انھوں نے کھسک جانے ہی میں اپنی عافیت جانی۔ بولے: ہاں ہاں۔ اذان تو کب کی ہو چکی ہے اور وہاں سے چلے آئے۔!

ایزد: پیار سے ناصیہ نے اس کا سر اپنے سینے سے لگا لیا: اتنی سی بات پڑ رہے ہو تم۔ بالکل ننھے سے بچے بن گئے ہو۔ ہمارے بھائی جان کو دیکھو کہ ابھی تک امی کی مار کھاتے ہیں تمھیں بھی ابا جان سے یوں نہیں کہنا چاہیے تھا!

چلو بس اب جی کو سنبھالو۔!

دونوں بزرگ خواتین بھی غل غپاڑہ سن کر وہاں آ گئی تھیں۔ چنانچہ آپا ذاکرہ جوش کے مارے محاوروں کی ندیاں بہا رہی تھیں۔ اماعیلن اپنی پوربی بولی میں فصیح و بلیغ تقریر ارشاد فرما رہی تھیں۔ ناصیہ کے بچے الگ کانوں کے پردے کھائے لیتے تھے۔ ایک قیامت سی اٹھ گئی تھی دالان میں۔ ناصیہ کی بڑی کی پاگل پنے سے کچھ ہی درجے کم تھی! ایزد بھی اسی نوبت پر پہنچ گیا تھا۔ وہ گھبرا کر کھڑا ہو گیا۔

"آپ کو فرصت ہو تو ادھر آ جائیے! اباجان نے آخری فیصلہ طلب کیا ہے خود میں بھی یہی چاہتا ہوں۔ اس میدانِ حشر میں بات کرنی آسان نہیں ہے۔"

"قسم کھاؤ کہ کہیں جاؤ گے نہیں۔ دیکھو ایزد۔ مجھے ماں کہا ہے تم نے خبردار مجھے دغا نہ دینا۔ وہ حسرت سے سکرایا۔ ہونٹوں پر اپنا رومال رکھ کر دیکھا کہ اب

تم کھتی ہو۔ میں تمھاری باتیں سن کر ڈر گیا ہوں اب کچھ دیکھ کر سہم جاؤں گا۔"

یقیناً ایسا ہی ہوگا۔!

ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔

تو پھر۔ دیکھو ایزد۔ میرے ہاتھوں کی طرف دیکھو۔!

ایزد نے دیکھا اور کانپ گیا۔ ہاتھ خاصے متورم تھے۔ جلد سرخ اور اتنی چکنی جیسے اس پر چربی ملی ہو۔ پور پھولے ہوئے تھے۔ اور گھائیوں میں سے کچی رس رہی تھی!

ایزد کا چہرہ زرد ہوتے دیکھ کر مہوش ہنسنے لگی!۔

اب تو تم نہیں کہو گے کہ پھر کوئی خواب تمھارا تعبیر کے لیے مچل رہا ہے: وہ ہنستی چلی گئی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے: نہیں ایزد۔ اب میں خواب تعبیر کی بھول بھلیاں سے نکل آئی ہوں۔ جب اپنے خوابوں کی اتنی دہشت ناک تعبیر میرے سامنے ہے تو مجھے ۔"

میں ڈاکٹروں سے ملتا ہوں۔ ان سے میں کہوں گا کہ جس قیمت پر بھی ہو سکے۔ جتنی محنت سے ہو سکے تمھارا علاج کریں۔!"

ہنستے ہنستے مہوش پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی!۔

ایزد کے پاؤں تلے اب تو آگ لگی تھی۔ اس کی آنتوں میں اینٹھن سی ہو رہی تھی۔ اب تو کوئی شک و شبہ نہ رہ گیا تھا کہ یقیناً مہوش کو یہی مرض تھا!! ۔۔ وہ بڑے ڈاکٹر سے ملا اور اس سے مہوش کے متعلق پوچھا۔ ڈاکٹر کا جواب مایوس کن تھا میں اگر انھیں الگ رکھوں اور وہاں بڑے پیمانے پر ٹریٹ منٹ کراؤں تو کیا؟

جہاں سے زیادہ مناسب اور موثر علاج کہیں اور نہیں ہو سکتا! اس کے علاوہ ہم اجازت بھی نہیں دے سکتے کہ ایک ایسا بیمار کسی اور جگہ جائے جس کی بیماری متعدی ہو اور وہ صحت مندوں کو بھی لگ جائے۔ آئی ایم سوری مسٹر۔"

تو کیا جانتا ہے کہ بدچلن کس کو کہتے ہیں ؟"

"ابا جان ۔ آپ کو کیا ہوگیا ہے" کفیل نے کہا "آپ ایک ناسمجھ لڑکے کے منہ لگ رہے ہیں ۔ ہم اسے سمجھا لیں گے ۔ ناحق آپ اپنی طبیعت خراب کرلیں گے اس کی مجال نہیں کہ یہ حنا کو طلاق دے ۔ وہ تو نگار کے پاس آرام سے ہے ۔ ہم اسے سمجھائیں گے ۔ یہ جا کے اسے لے آئے گا"

"نہیں ۔ مجھے اس کی زبانی سننا ہے" شعیب صاحب نے بدستور خراب لہجے میں کہا "میں اچھی طرح جانتا ہوں کہ میری پسندیدہ لڑکی میں کیڑے ڈالنے اور مجھے سزا دینے کی خاطر اس نے اب تک کیا بداعمالی کی ہے ۔ نہ ایک گھڑی خود سکون لیا نہ ایک لمحہ کا سکون کسی کو دیا ۔ یہ پھر وہی حرکت کرے گا ۔ تم لوگوں کے دباؤ میں آکر اگر حنا کو لے بھی آیا تو دیکھ لینا کہ وہی حشر کرے گا اس کا جو اس بدبخت ازلی نے اپنی ماں کا کیا ہے"

"نہیں نہیں" کفیل نے خوشامد کی گڑگڑائے "نہیں ابا جان ۔ آپ صحیح نہیں سوچ رہے ہیں ۔ اگر اسے چند غلط فہمیاں ہوگئی ہیں تو ۔ ناصیہ" وہ گڑبڑا گئے کہ ناصیہ کا نام باپ کے سامنے کیسے لے دیا پھر سنبھل کر بولے "میرا مطلب ہے کہ یہ 'ان' سے زیادہ بے تکلف ہے" وہ اس کی تمام غلط فہمیاں رفع کردیں گی ۔"

"اور اگر ان سارے آثار جوال عمر کی بھیانک غلط فہمیاں رفع نہ ہو سکیں تو پھر میرا بھی پہلا اور آخری فیصلہ سن لو کہ ۔ یہ میرے گھر میں پھر نہ آنے پائے ۔ میں اسے عاق کردوں گا نہ میں اس کا باپ ہوں اور نہ یہ میرا بیٹا ہے"

اتنا کہہ کر شعیب صاحب زمین کے بدن کو اپنے وزنی قدموں سے روندتے کچلتے چلے گئے ۔ ایزد بدستور اپنے گال پر ہاتھ رکھے سر جھکائے بیٹھا تھا ! ۔ ان کے جانے کے [illegible] بے حد ناگوار سناٹا چھایا رہا ۔ دونوں [illegible] الجھن میں تھے

ایزد واپس آیا تو مہ وش پارک میں نہیں تھی ۔ اس کی بیچ پر دو آدمی بیٹھے تھے جن کی جسمانی حالت ایسی تھی کہ ایزد کے رونگٹے کھڑے ہوگئے ۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ سارے ہسپتال میں مہ وش کو تلاش کرتا ۔ اس نے اس کے کمرے میں البتہ جھانک کے دیکھا ۔ وہ وہاں بھی نہیں تھی ۔

جب دوپہر کے قریب وہ گھر واپس آیا تو اسے معلوم ہو رہا تھا جیسے سارے بدن پر نظر نہ آنے والے جراثیم رینگ رہے ہوں ! ۔ رہ رہ کر اس کے رونگٹے کھڑے ہوجاتے ! ۔

اسے یقین نہ تھا کہ مہ وش واقعی ایک گندے اور بھیانک مرض میں مبتلا تھی ۔ اس کا دل سوس رہا تھا ! اب اسے پتہ چل گیا تھا ۔ مہ وش کا مردوں سے گریز اجتناب کا بہانہ کس لیے تھا ۔ وہ آدم بیزار کیوں تھی ۔ گوشہ نشینی اس کا نصیب کیوں بن کر رہ گئی تھی ۔ آہ ۔ بے چاری ۔ کم القسمت ناشاد و نامراد ! ۔

وہ باہر برآمدے میں پڑی کرسی پر بیٹھ گیا ۔ اگر وہ پیش کا کوئی احساس نہیں تھا اسے ۔ شارق نے اس کی آمد کی خبر ناصیہ کو پہنچائی ۔

وہ باہر آئیں ۔ پہلے تو آہستہ سے آواز دی ۔ وہ تب بھی نہ چونکا تو اس کی پیٹھ پر ہاتھ رکھ دیا ۔ ایزد نے سر اٹھایا ۔ اس کا چہرہ اتنا ویران اور اداس تھا کہ ناصیہ کا دل بھر آیا ۔ آدمی پتھر نہیں ہوتا ۔ اسے حادثے متاثر کرتے ہیں ۔ خوشیاں آمادہ بہ تبسم کرتی ہیں ۔ غم رلاتے ہیں ۔

"ایزد ۔ تمہیں میری قسم ۔ اب دل سنبھالو"

"بھابی ۔ میں آپ کو اپنی ماں سمجھتا ہوں" ایزد نے کسی جذبے سے مغلوب ہوکر کہا "اس رشتے کے تقدس کا واسطہ آپ کو بھابی ۔ ایک معاملہ میں میری ہمراز بن جائیے"

نصب العین کیا ہے۔؟"

"اباجان۔ بھابی جانتی ہیں کہ۔ خان صاحب کی۔ صاحب۔ صاحبزادی کا چال چلن کیسا ہے۔ ایزد نے جارحانہ انداز میں کہا۔ آپ کا یہ منشا ہے کہ میں ان کے ساتھ زندگی گزاروں تو یہ قطعی ناممکن ہے۔ کیونکہ میں آنکھوں دیکھی مکھی نہیں نگل سکتا!"

اچھا: شعیب صاحب کی آنکھوں میں خون اترنے لگا: تو پھر کیا سوچا ہے کیا کرے گی وہ۔؟"

"آپ کو وہ بہت محبوب ہیں تو ان کے مستقبل کے متعلق آپ ہی سوچیئے۔ یہ بلا آپ ہی نے میرے گلے لگائی ہے۔ میں تو انہیں یکقلم طلاق دے دوں گا!"

تڑاخ کی آواز کے ساتھ ہی سب کی نظریں پل بھر کے لیے جھپک گئیں۔ اچانک کر پھر کفیل نے دیکھا کہ شعیب صاحب دوسرا تھپڑ تانے ہوئے ہیں۔ ایزد اپنے داہنے گال پر ہاتھ رکھے سر جھکائے خون تھوکتا نظر آیا۔

"اباجان۔ آپ کو خدا کا واسطہ۔ یہ کیا کر رہے ہیں آپ: ناصیہ نے جھپٹ کر ان کا ہاتھ پکڑ لیا۔ کفیل نے جلدی سے ایزد کو اپنی طرف گھسیٹ لیا۔

ناہنجار، ناشدنی، بدتمیز: شعیب صاحب دہاڑ رہے تھے:۔ تیری یہ زبان درازی۔ میرے منہ پر ایسی بے حیائی کی بکواس کر رہا ہے۔ گستاخ۔ ذلیل مجھ سے کہتا ہے کہ وہ میری محبوب ہے۔! زبان کھینچ لوں گا جڑ سے۔ سمجھتا ہے کہ باپ کچھ کہتا نہیں ہے۔ لہٰذا اس کے مقابلے میں شیر ہو جاؤ۔ بدمعاش عاق کر دوں گا تجھے۔ نکال باہر کروں گا گھر سے۔ کمپنی میں جا کر کہہ دوں گا اس نالائق کو ملازمت سے علیحدہ کر دیں۔ پھر۔ پھر دیکھتا ہوں۔ کہاں کہاں کی ٹھوکریں کھانا پڑتا ہے بدبخت۔ کہتا ہے کہ وہ بدچلن ہے۔ انہیں ملوث

ناصیہ کے دل سے شہد کا چشمہ بہہ نکلا۔

کہو ایزد۔ تمہاری کوئی بات میں نے کبھی ٹالی نہیں۔

اور پھر اس نے دل کا بوجھ ہلکا کر ڈالا۔ جو کچھ دیکھا اور سنا تھا سب کچھ ناصیہ سے کہہ دیا۔

ان کے چہرے پر ایک الگ رنگ آ رہا تھا دوسرا جا رہا تھا! پھر انھوں نے زندھے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

ایزد تمہیں یقین ہے کہ وہ مہوش ہی تھی؟

کاش۔ نہ ہوتی بھابی۔

میں جا کے سعید چچا سے کیا کہوں گی۔ وہ پوچھیں گے کہ تمہیں کیسے معلوم ہوا اب یہ آپ سوچ لیجیئے۔ میں یہ گوارا نہیں کر سکتا بھابی کہ وہ اتنی کسمپرسی کے عالم میں مر جائے۔ کیا شان تھی بھابی اس کی۔ مرد اس سے گفتگو کرتے ہوئے گھبراتے تھے۔ اس کا یہ حال ہوا ہے:

میں چاہے جو بھی بہانہ بناؤں۔ لیکن مہوش تو سمجھ جائے گی کہ تم نے مجھ سے اور میں نے اس کے والد سے کہا ہے۔"

اس سے ہم پر کیا اثر پڑے گا۔ مہوش تو اپنوں میں پہنچ جائے گی۔ بہرحال آپ دیر نہ کیجئے۔ میں رکشا بلوائے دیتا ہوں۔ شیخ صاحب کے ساتھ چلی جائیے اور ہاں۔ بھابی۔ ڈاکٹر صاحب کو تاکید کر دیجئے کہ وہ مہوش کے عارضہ کا چرچا نہ کریں۔ وہ اسی بات سے بہت گھبراتی ہے:

ناصیہ کے جانے کے بعد وہ اٹھا غسل کر کے کچن میں آیا تا کہ اپنا دل بہلا سکے! وحشت سی سمائی تھی اسے:۔ خیالات ایک مرکز پر جمع نہیں ہو رہے تھے! ابا اماں اور آپا آگرہ نے گھر میں باتیں چھیڑیں اور وہ بھی ان میں شریک

نہیں ہے تو پھر اس بدنصیب شخص کا کیا ردعمل ہوگا۔؟

"یہ کھلا ہوا بہتان ہے" بے ساختہ کفیل کے منھ سے نکلا۔

"میں آپ سے کہہ نہیں سکتا۔ بھابی سے کہوں گا کیا لائحۂ عمل میں نے بتایا ہے؟

بھائی اور بھاوج سے نہیں بلکہ مجھ سے کہنا پڑے گا کہ تم نے کیا لائحۂ عمل بنایا ہے" شعیب صاحب کی گرجدار آواز سن کر وہ چونک پڑے۔

"ہم پوچھ کے آپ سے کیک کہہ دوں گی ابا جان" ناصیہ ڈر گئیں کہ اب قطعی طور پر گھر جتنے کے بعد شعیب صاحب پر سنے بھی لگیں گے۔ کیونکہ ان کا شمار ان آدمیوں میں تھا جنھیں اول تو غصہ آتا نہیں اور اگر آتا ہے تو پھر وہ اگلی پچھلی ساری کسر نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ ہوا بھی یہی۔ قہر آلود نظروں سے ناصیہ کو گھور کر وہ بولے۔

"اس تمام جھنجھٹ میں شروع سے آخر تک میرا ہاتھ رہا ہے۔ لہٰذا اس معاملہ سے تم بھی کو نپٹ لینے دو بیٹی۔ براہ کرم نہ تم اس میں دخل دو نہ تم کفیل میاں ہاں! برخوردار آپ مجھ سے فرمائیے کہ جناب نے کون سا لائحۂ عمل مرتب فرمایا ہے"

"ابا جان۔ آپ کو معلوم ہے کہ میں شروع ہی سے اس رشتے کی مخالفت کرتا رہا ہوں" کسی قسم کا رعب مانے بغیر ایزد نے کہا۔

"جی ہاں۔ اور میں نے آپ کی مرضی کے خلاف جو حماقت کی ہے۔ اس کا بھگتان میں نے اور تمھاری مرحوم بدنصیب ماں نے اچھی طرح بھگت لیا۔ وہ غیرت دار تھیں کہ دنیا سے پردہ کیا۔ میں بے حیا ہوں کہ ہم چشموں کی انگشت نمائی کا نشانہ بننے کے لیے ابھی زندہ ہوں اور ماشاء اللہ تمھاری سعادت مندیوں سے محفوظ ہونے کے لیے اور زندہ رہوں گا" شعیب صاحب بولے چلے گئے "خیر تم اس کی فکر مت کرو۔ مجھے کب تک جینا اور کب مرنا ہے۔ تم مجھے یہ بتاؤ کہ وہ ...

ہو گیا۔ رعنا وہیں بیٹھی تھی۔ چار روز کے بخار نے اسے بے حد کمزور کر دیا تھا۔ ایزد نے اس کی خیریت پوچھی۔ جواب میں رعنا یوں سسک پڑی جیسے اس کا موقعہ ہی ڈھونڈ رہی ہو۔

"اچھے بھیا۔ مجھے امی یاد آتی ہیں۔ ان کا پلنگ ان کا کمرہ خالی ہے بھابی نے ان کے تمام کپڑے بڑے صندوق میں بھر کے مقفل کر دیئے۔ اب کون پہنے گا وہ کپڑے۔ اچھے بھیا۔ امی کو زمین پر لٹا کے ان پر مٹی ڈال دی ہے سب نے۔ کیسے سانس لیتی ہوں گی کیسی تیز تیز ہوائیں چلتی ہیں۔ اتنا بہت سارا پانی برستا ہے۔ یہ سب امی پر بھی برستا ہوگا... اچھے بھیا۔ ابا جان کہہ رہے تھے کہ امی جان کو جگہ بڑی دور ملی ہے۔ اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا سب نے مل کر امی کو بڑی دور لے جا کے ڈال دیا ہے۔ اگر انھیں کبھی ہوش آ گیا انھوں نے کسی کو پکارا تو اندھیری رات میں اتنی دور ہم تک ان کی آواز کیسے آئے گی۔ اچھے بھیا۔؟"

"یہ کیا باتیں کرتی ہو بیٹیا۔" بوا عیدن بولیں: "ارے وہ ایسی نیک بی بی تھیں تبرا تھوڑی ہیں۔ ان کا تو فرشتہ لوگ آسمان پر اٹھا لے گئے ہوئیں۔ اب تم ان کا یاد نہ کرو بیٹیا۔ ان کی روحانی کا چین نہ ملیئے۔ بس اللہ کی کتاب پڑھو اور بخش دیو اماں کے نام پر۔ کیوں نہ بڑی اماں:"

"وہ بھی تو آخر بچی ہے۔ بوا" آپا ذاکرہ ٹھنڈی ترین سانس لے کے بولیں "جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیدائش اب وہ گہری باتیں کیا جانے۔ اس کی عمر کتنی ہے۔ عقل کتنی۔"

"انسان کو ہمیشہ صبر کرنا چاہیے۔ رعنا" ایزد بولا "کسی کے ماں باپ ہمیشہ زندہ نہیں رہتے۔ دوسروں کے لیے آدمی جگہ خالی کرتا ہے۔ دنیا کا چکر یوں ہی چلتا

ہے۔ ہمارے بڑے مرگئے۔ ایک دن ہم بھی مرجائیں گے۔ ہمارے بعد ہمارے چھوٹے آ پڑیں گے۔ اور یہ تم جو کہہ رہی ہو کہ وہ ہمیں پکاریں گے تو ایسا نہیں ہوگا۔ رعنا مرنے والے کبھی واپس نہیں آتے نہ کسی کو آواز دیتے ہیں۔ چاہے ہم پر کچھ بھی گزر جائے۔ اب ہمیں دل کو بہلانا اور یونہی رہنا ہے ان کے بغیر۔

لیکن رعنا سسک رہی تھی۔ "گھر میں میرا دل نہیں لگتا۔ اماں مر گئیں۔ چھوٹی بھابی چلی گئیں۔ اچھے بھیا انھیں بلا لیجیے۔ وہ بہت اچھی ہیں۔ مجھ سے بہت محبت کرتی تھیں۔ وہ۔ میں اتنی بڑی ہو گئی ہوں۔ مگر وہ میری چوٹیاں تک گوندھ دیتی تھیں اچھے بھیا۔ وہ ہمیشہ آپ کی باتیں کرتی رہتی تھیں کہ تمھارے بھیا کون سے کھانا پسند کرتے ہیں۔ انھیں سب سے زیادہ محبت کس سے ہے۔ وہ کتنے دن باہر رہتے ہیں۔ وہ مجھ سے کیوں خفا رہتے ہیں۔ میں ان سے کہتی تھی کہ چھوٹی بھابی وہ کسی سے خفا نہیں رہتے بلکہ امی کہتی ہیں کہ وہ ہیں ہی ایسے۔ پتہ نہیں انھیں کیا غم تھا۔ اچھے بھیا۔ وہ بہت روتی تھیں۔ آپ انھیں بلا کیوں نہیں لیتے۔ مجھے تو ان کا منو بھی بہت یاد آتا ہے"

رعنا۔ میں ایک بات پوچھوں تم سے!۔

پوچھیے۔

اچھی طرح یاد کر کے بتاؤ۔ کیا کبھی کوئی آدمی ان سے ملنے آیا تھا۔؟

نہیں اچھے بھیا۔ نہیں۔ ان بے چاری کی ایک بہن تھیں وہ کہیں چلی گئیں ایک بھائی ہیں وہ ان سے ملنے بھی نہیں۔ لیکن میں نے بھائی سے سنا ہے کہ جب چھا بھابی نے اپنے چھرا مارا ہے تو وہ انھیں بہت خفا ہوئے تھے۔

کیا کیا۔ چھرا مارا ہے۔ کیا مطلب؟ ایزد نے گھبرا کر پوچھا۔ پوا خیدن اور وہ کسی کی طرف متوجہ ہو گئے!

جنا کا نصہ نہیں ہے"۔ ناجیہ نے طویل سانس لی اور پھر سارے واقعات کفیل کے سامنے دہرا دیے اس کے بعد بولیں: "وہ تو پاگل ہو گئی ہے۔ سید چچا کے پہنچتے ہی اول فول بکنے لگی۔ پھر بے ہوش ہو کر گر پڑی۔ بڑی مشکل سے اسے گھر لائے۔ چچی نے الگ کمرہ دیا۔ کر دیا تھا۔ ہوش میں آتے ہی ایسی بکواس کرنے لگی جیسے کہ نظام دماغ سے دماغ خراب ہو گیا ہو۔ کہنے لگی کہ پھینک دیا! مجھے الگ اب تم لوگ مجھ سے گھن کھاؤ گے۔ اور بڑی دیر تک اسی قسم کی باتیں کیا کی۔ سید چچا مایوس ہیں۔ گھر والے بے انتہا خوفزدہ۔!

بہر حال مرض کو ہوا کیسے۔ کیا تمھارے گھر میں کسی اور کو بھی تھا؟ کفیل نے پوچھا۔ انھیں بھی نہایت تشویش تھا۔

نہیں تو۔ خدانخواستہ کسی کو نہیں ہے یہ مرض۔ اب وہ دشمنا اپنے حواسوں میں نہیں کہ اس سے کچھ پوچھا جائے۔ چچی تو بڑا ماتم کیا کرتی ہیں اللہ کرے اسے اچھا کر دے۔ سارا چچا یہ چاہتے ہیں کہ جس قدر جلد وہ ختم ہو جائے اتنا ہی اچھا ہے"۔

اللہ ہی رحم کرے۔ کفیل بولے!

میں ذرا نہا لوں تو پھر۔ ناجیہ یہ کہہ کر چلی گئیں۔

دونوں بھائی بڑی تکلیف دہ خیالات میں گم بیٹھے رہے۔

ناجیہ جب نہا دھو کر آئیں تو ان میں پھر باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

کفیل نے کہا: "ایزد۔ میں تم سے سنجیدگی سے پوچھ رہا ہوں۔ مجھے بھی تم آخری مرتبہ بتا دو کہ تم نے اپنے متعلق کیا سوچا ہے۔؟

ایزد نے طویل سانس لی۔ اور نہایت بے بسی سے بولا۔ آپ کیا کہتا ہے کہ اگر کسی آدمی کو معلوم ہو جائے اس کی بیوی کے عمل میں جو کچھ ہوا اس کا

کو تک نہیں پوچھتے۔ اچھے بھیا نے یوں۔ لاوارثوں کی طرح انھیں اور کاشی کو چھوڑ رکھا ہے۔ پھر وہ خود کو چھرا گھونپ کر نہ مر جائیں تو کیا کریں"

دور پار مدعی: بوا عیدن بولیں۔ پھر آنکھیں نکالیں۔ ہٹیے ہٹیے غضب خدا کا۔ ہم کاشن رہیں۔ نوج۔ اس کے دشمن چھرا بھونک کے مریں۔ ارے ہم پوچھتے ہیں چھوٹی بھوا ب ہے کہاں؟"

انھیں تو ہسپتال سے باجی اپنے گھر لے گئیں: رعنا بولی۔

کیوں؟ یہاں کیوں نہ آگئیں دلھن۔؟" آپا ذاکرہ نے وحشت سے کہا" اللہ بچائے۔ یہ انھیں سوجھی کیا۔ مارے چھرا گھونپتیں اپنے دشمنوں کے۔ یہ نہیں سوچا کہ عیال والی عورت ہے۔ ایسے اندھیر پر میاں ایک حشر اٹھا دے گا۔ واہ۔ میں کہوں۔ ہمارے یہاں تو ہماری بے محل بات پر بھی یوں ہمارے آڑے آجاتے تھے کہ کسی کی مجال نہ ہوتی تھی پھر کیسے بڑھ کی آنکھ سے دیکھ تو لے۔ دیدے نکال دیئے!

بڑی اماں۔ جان پر سے وہی لوٹتے ہیں۔ جن کا کوئی اور چھور نہیں ہوتا ہے" بوا نے ایک اور تیر مار دیا ایزد کے کلیجے پر۔ "تم ہم سو جھکے کی زندگی گزار آئے ہیں۔ کا کہیں۔ آج کل کے دلوں کی۔ آدمی یوں ہی جان سے نہیں گزرتا۔!"

اب کیا حال ہے۔ کچھ تم نے سنا؟" بہت چپکے سے ایزد نے رعنا سے پوچھا۔

معلوم نہیں اچھے بھیا: رعنا بولی: بھابی سے میں نے کہا تھا کہ باجی کے پاس مجھے بھی لے چلیئے۔ مگر وہ اتنی جلدی معلوم نہیں کہاں چلی گئیں؟"

بیٹا تم جا کے پوچھ آتے: آپا ذاکرہ نے کہا" واہ۔ میں کہوں۔ یہ بھی کوئی بات ہے۔ ایسا بڑا خوش خشی کا واقعہ۔ اور یہاں کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ مونہہ کی ناس لیے بیٹھے رہے تھے۔ ایسا سانپ سونگھ گیا سب کو۔ اللہ رکھے کل کلاں کو کوئی اور سنگین حادثات ہو جائے تو پھر سر پہ ہاتھ رکھ

رونا پڑے گا آٹھ آٹھ آنسو" آپا ذاکرہ نے مارے جوش کے الٹی سیدھی زبان میں محاوروں کے دریا بہاتے ہوئے کہا۔ پھر ایزد کا کندھا جھنجھوڑ دیا: آخر بیٹا کب تک اس جانہار کی چھاتی پر کودو دلو گے۔ جا کے اسے لاتے کیوں نہیں۔ واہ میں کہوں۔ اللہ کا غضب ہے کہ میاں کے گھر بار ہوتے ہوئے وہ اغیار کے ہاں پڑی ہے۔ ارے ہو ہی جاتی ہے میاں بی بی میں کھٹ پٹ۔ چار برتن جہاں ہوتے ہیں بج ہی اٹھتے ہیں۔ یہ کیا نگوڑا بغض معاذیہ کہ بس دل میں گرہ باندھ کے بیٹھ رہے!۔ واہ۔!"

کیسی کھانے میں کیا دیر ہے۔ بوا جی: کفیل کچن میں آئے۔ ایزد اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ دو دن میں پہلی مرتبہ ان کا سامنا ہوا تھا۔ کفیل گڑبڑا گئے۔ ایزد خجل ہو گیا۔

اوہو۔ تم یہاں ہو" کفیل نے کہا: کچھ عجیب روح فرسا سا ہو گیا ہے گھر میں دل ہی نہیں لگتا:

امی کی قبر کہاں ہے۔ بھائی جان۔ میں جاؤں گا فاتحہ پڑھنے: ایزد نے کہا۔

دادی اماں والے قبرستان ہی میں ہیں۔ لیکن انھیں بڑی دور جا کے ملی ہے" کفیل بولے: میں تو روز جاتا ہوں۔ آج میرے ساتھ چلو۔!"

کھانا دالان میں لگا دوں؟" آپا ذاکرہ بولیں۔

آپ جائیے۔ میں یہیں کھاؤں گا: ایزد بولا۔

کیوں؟" کفیل نے پوچھا۔

آپ جائیے۔ میں نہیں کھاؤں گا: ایزد بولا۔

کیوں؟" کفیل نے پوچھا

ابا جان میری شکل دیکھنا پسند نہیں کرتے۔

کچھ باتیں ایسی دل آزار ہو گئی ہیں: کفیل نے افسردہ لہجے میں کہا: "ا

THE AREEM
Aug. 80
ایڈیٹر

ٹیلیفون نمبر آفس ۲۲۵۵۹

ٹیلیفون نمبر رہائش ۲۵۲۳۴

گذشتہ ۴۹ سال سے پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور اردو میں ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

عید مبارک

جلد (۵۸) نمبر (۸)

ماہنامہ حریم لکھنؤ

ایڈیٹر و نگراں

نسیم انہونوی

معاونین

شوکت جہاں بیگم عشرالہ

جانی بیگم ردولوی

بیادگار

سید محمد سلیم انہونوی مرحوم

و

شفیق النساء

بیگم سلیم انہونوی مرحوم

فہرست مضامین

ماہ اگست سنہ ۱۹۸۰ء

قیمت سالانہ

اعزازی۔ منی آرڈر سے۔ تیئیس روپیہ مخصوص خریداری۔ منی آرڈر سے، اکیس روپیہ۔ معمولی خریداری منی آرڈر سے

مختلف شہروں میں ایجنسی اور ترسیل زر کا پتہ :- نسیم بک ڈپو — لاٹوش روڈ لکھنؤ

نسیم انہونوی مالک و ناشر پرنٹر نے نظامی پریس۔ لکھنؤ

(حیات طیبہ کا ازدواجی شعبہ کی پانچویں قسط)

باب دہم ازواج مطہرات اور تبلیغ اسلام

پیغمبر اسلام کا ہر کام ایک ہی مقصد رکھتا تھا۔ اسلام کی تبلیغ اور ترقی۔ آپ کی ازواج صرف شریک حیات نہ تھیں بلکہ شریک مقصد حیات بھی تھیں۔ اسلام کیا ہے؟ اس علم کو اس پیغام کو دور و نزدیک خاص و عام تک پہنچانے میں انھوں نے بڑا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے۔ تفصیل میں بھی اور اجمال میں بھی، زبان سے بھی اور مثال سے بھی۔ ان امور کے متعلق بھی جو مردوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور جو مردوں اور عورتوں دونوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اپنے شوہر نامدار کی نفس ناطقہ تھیں، دست راست تھیں، زبان حال تھیں۔ ان کا کہنا آپؐ کا کہنا تھا، ان کا کرنا آپ کا کرنا تھا۔

اور انہیں بڑی ہی سنگلاخ زمین در پیش تھی۔ اسلام کی پہلی روشنی اس جگہ پھوٹی تھی جہاں جاہلیت کی تاریکیاں سب سے گہری تھیں۔ جہاں انسان ہی انسان کا گلا کاٹتا تھا۔ جہاں درندگی ہی تہذیب تھی۔ قبیلے قبیلے کا بت الگ جدا تھا۔ اور ہر بت کے ماننے والے اپنے اپنے رسم و رواج الگ رکھتے تھے اصول اور قانون ـــــ کسی نے صدیوں سے ان کا نام بھی نہیں سنا تھا۔

اس کے باوجود مختصر ترین عرصہ میں کایا پلٹ ہو گئی۔ امن انصاف اور اخوت کا دور دورہ آ گیا۔ ہر شعبہ حیات نے ایک واضح شکل اختیار کر لی۔ اب حکم تھا تو صرف ایک ہی بس احکم الحاکمین کا۔ ایک ہی صحیفۂ مقدس کا، ایک ہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا۔

اور اس انقلاب اور اس ارتقاء کو لانے میں ازواج مطہرات نے نمایاں کردار انجام دیا ہے۔ انہیں خوب معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خصوصی ذمہ داریاں عطا کی ہیں۔ انھوں نے ان ذمہ داریوں کو انجام دینے میں تن من دھن کی بازی لگا دی۔ انھوں نے کاشانۂ نبوت کے شب و روز کے واقعات اپنی تمام ضروری تفصیلات کے ساتھ خاص و عام تک پہنچائے اور رہتی دنیا کے لئے قرآن پاک کے بعد سب سے بیش قیمت سرمایہ چھوڑا۔ انھوں نے حضورؐ کی زندگی کا وہ پہلو اجاگر کیا جس کی خبر ان کے بغیر دنیا کو نہ ہوتی وہ خوب جانتی تھیں کہ وہ صرف ازواج مطہرات نہیں ہیں بلکہ امہات المومنین بھی ہیں۔ وہ خوب جانتی تھیں کہ جس فرض کی امانت ان کے سپرد تھی اس کی ادائیگی میں انعام الٰہی بھی دگنا ہے اور اس کی کوتاہی میں عذاب الٰہی بھی دگنا۔ قرآن پاک یوں انھیں مخاطب کرتا ہے۔

"اے نبیؐ کی بیویو! اگر تم میں کوئی بھی خطا وار ہوگی ظاہری غلط حرکت کی، تو اس کے لئے سزا دگنی کر دی جائے گی۔ اور یہ اللہ کے لئے آسان ہے۔ لیکن جو تم میں اللہ اور اس کے رسولؐ کی فرمانبرداری میں محنت کرے گی اور صالحیت اختیار کرے گی۔ اسے ہم انعام دگنا دیں گے۔ اور ہم نے اس کے لئے بہت بھلائیاں رکھی ہیں۔

(احزاب/ ۳۰-۳۱)

امہات المومنین نے اپنے فرض کی انجام دہی میں کوئی دوسرا جذبہ حائل ہونے نہ دیا۔ انھوں نے کمال فرض شناسی سے وہ ساری باتیں دنیا والوں کے سامنے پیش کر دیں جو گھر کی چار دیواری کے اندر واقع ہوئیں۔ اور ان میں وہ باتیں بھی شامل ہیں جن میں خود وہ رسول اللہ کے زیر عتاب آئی تھیں۔ ان میں وہ باتیں بھی شامل ہیں جو در حقیقت تنقیدیں ہیں ان کے چند قول و عمل پر بارگاہ رسالت کی طرف سے۔ ان باتوں کے پیش کرنے میں انھوں نے اپنی جھوٹی عزت کا کوئی پاس نہیں کیا۔ جن حدیثوں کی انھوں نے روایت کی ان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ جناب رسالت مآبؐ ان خطاؤں اور کمزوریوں کی کوئی پروا نہ کرتے تھے جن کا معاملہ ان کی اپنی ذات سے تھا۔

لیکن ان غلطیوں اور قصوروں پر حسب ضرورت سرزنش کرنا لازم سمجھتے تھے جن کا تعلق دین اسلام سے تھا۔

امہات المومنین نے خصوصی طور پر اپنی تعلیم و تبلیغ کا رُخ طبقۂ نسواں کی طرف پھیر دیا۔ ہر سوسائٹی میں عورت تقریباً نصف ہے۔ شریعت اسلامیہ کے بہت سے معاملات کا تعلق عورت سے بھی ہے اور مرد سے بھی۔ اور اکثر یکساں۔ لیکن بہت سے معاملات کا تعلق صرف عورت سے ہے۔ مثلاً حیض، حمل، شادی، طلاق، خانہ داری، پرورش اطفال، بیوگی، عدت وغیرہ وغیرہ

لا محالہ عورت کی بہترین معلم عورت ہی ہو سکتی ہے اور خاص طور پر ان مسائل کے متعلق۔

ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں اسلام کے بتائے ہوئے اصول معاشرت کے تحت مردوں اور عورتوں کے درمیان حجاب اور پردہ ہو وہاں عورتوں کی تعلیم کے لئے سب سے موزوں عورت ہی ہو سکتی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ عصمت والیاں، حیا والیاں اور پردہ والیاں اپنی ماؤں اور بہنوں کے سوا کسی اور سے وہ میل ملاقات نہیں رکھ سکتیں جو علم سیکھنے کے لئے ضروری ہے۔ یہی وہ کام تھا جو ازواج مطہرات نے خصوصی طور پر انجام دیا۔ اسلام نے کس بات کا حکم دیا ہے، کس بات کی سفارش کی ہے کس بات کو قطعی منع کر دیا ہے ــــ اور کیوں؟ اس کو سمجھانے کے لئے چند خواتین کی ایک ٹیم کی ضرورت تھی۔ سوسائٹی بڑی تیزی سے جاہلیت سے اسلام کی طرف بدل رہی تھی۔ ازواج مطہرات کے فرائض میں صرف علم سکھانا ہی نہ تھا بلکہ خود کو ان تعلیمات کا مثالی نمونہ بنا کر پیش کرنا بھی تھا۔ ان تعلیمات کے مختلف پہلوؤں کو پیش کرنے کے لئے مختلف ہستیوں کی ضرورت تھی ــــ ہر ایک اپنی اپنی الگ صلاحیت، الگ ذہنیت اور الگ طاقت کے ساتھ ــــ

تب ہی کہیں جا کر اسلام اپنی تمام روشنی کے ساتھ ہم اور آپ تک پہنچ سکا ــــ

باب یازدہم حضورؐ نے ان شادیوں سے کیا کام لیا؟

(۱) تبلیغ کے لئے نیا نیا میدان فراہم کرنا

متفرق کنبوں میں متفرق قبیلوں میں متفرق جگہوں میں، شادیاں کرنے سے حضورؐ نے اسلام کا جھنڈا دور و نزدیک گاڑ دیا۔ تبلیغ کے لئے نئے نئے دروازے کھولے، نئی نئی آسانیاں فراہم کیں۔ ان میں چند خاندان وہ تھے جو اپنے اپنے قبیلوں کے سردار اور حکمران تھے۔ ان میں چند قبیلے وہ تھے جن کا اثر و رسوخ سرزمین عرب میں سب سے زیادہ تھا، شادی نے ان کی دشمنی کو دوستی میں تبدیل کر دیا۔ کون نہیں جانتا کہ ایک اجنبی کے مقابلہ میں ایک رشتہ دار کو دوسرے افراد خاندان سے زیادہ ملنے جلنے کا موقع ہے، خلوت میں بھی اور جلوت میں بھی، زیادہ سکون اور بے تکلفی کے ساتھ، بار بار، صبح و شام۔ اور صرف افراد خاندان ہی سے نہیں بلکہ ان کے دوستوں اور ان کے پڑوسیوں کے ساتھ بھی۔ پیغمبر اسلام نے تبلیغ کو زیادہ وسیع اور زیادہ کامیاب کرنے کے لئے شادی کی حکمت عملی اختیار کی۔ اور ان کی دیکھا دیکھی یہی سلسلہ صحابہ کرامؓ نے بھی جاری کر دیا اور اس طرح خموشی کے ساتھ سکون کے ساتھ دشمنوں کو دوست بناتے رہے، اور اسلام کا پیغام نفسیاتی مہارت سے گھر گھر پہنچاتے رہے۔

(۲) اسلام کے دشمنوں کو رام کرنا

ا۔ حضرت صفیہؓ بیٹی تھیں حی بن اخطب کی جو سردار تھا قبیلہ بنو نضیر کا۔ حضرت موسیٰؑ کے بھائی حضرت ہارونؑ سے اس کا نسب جا ملتا تھا۔ حضرت صفیہؓ کی ماں کا نام ضرّہ تھا جو سموال کی بیٹی تھیں۔ سموال سردار تھا قبیلہ بنو قریظہ کا۔ ان یہودی قبائل کے درمیان جو عرب کے شمال میں بستے تھے بنو نضیر اور بنی قریظہ سب سے ممتاز تھے۔

اس شادی سے قبل سلطنت مدینہ کے خلاف ہر جنگ میں یہودی پیش پیش تھے، پوشیدہ یا علی الاعلان۔ وہ ہمیشہ کفار اور منافقین کو بھڑکاتے رہتے تھے اور ہمیشہ ان کا ساتھ دیتے تھے۔ اس شادی کے بعد مسلمانوں کے خلاف یہودیوں نے کھلم کھلا یا خفیہ کسی جنگ میں حصہ نہیں لیا۔ اس طرح ایک شادی نے وہ مقصد حاصل کر لیا جو ایک درجن جنگوں سے بھی حاصل ہونا مشکل تھا۔

ب۔ حضرت ام حبیبہؓ قریش مکہ کے سردار ابوسفیان کی بیٹی تھیں ــــ وہ قریش جو اسلام کے سب سے بڑے دشمن تھے اور وہ ابوسفیان جو جنگ احد اور جنگ احزاب میں دشمنان اسلام کی فوجوں کا کمانڈر تھا اور جو بیس سال تک حضورؐ کا سب سے جانی دشمن رہا ہے۔ لیکن اس شادی کے بعد جو سنہ ۶ھ میں انجام پائی ابوسفیان

نے مدینہ کے خلاف کسی جنگ میں حصّہ نہیں لیا کھلم کھلا یا پوشیدہ۔ بلکہ دو سال بعد فتح مکہ کے موقع پر ابوسفیان ایمان لائے، صحابہ کرامؓ کے زمرے میں شریک ہوئے اور ان کے ساتھ قریش کا سارا قبیلہ بھی۔

ج۔ اسی طرح حضرت جویریہؓ کا باپ حارث بن ابی ضرار قبیلہ بنو مصطلق کا سردار تھا۔ حارث اور مسافع بن صفوان (جویریہؓ کا پہلا شوہر) دونوں اسلام کے کٹر دشمن تھے۔ اہل قریش کے بھڑکانے پر بنو مصطلق نے مدینہ کے خلاف جنگ کرنے کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضورؐ نے بریدہ بن حصیب اسلمی کو واقعات کی تحقیقات کرنے بھیجا۔ حصیب نے خبر کی تصدیق کر دی۔ اس پر حضورؐ نے ۲ شوال ۵ھ کو مدینہ سے ایک فوج روانہ کی۔ حارث اور اس کی فوج کی ہمت میدان جنگ میں کودنے کی نہ پڑی لیکن اس علاقہ کے لوگ لڑنے کو تیار ہو گئے۔ انھیں شکست ہو گئی۔ جنگی قیدیوں میں ایک جویریہؓ بھی تھیں۔

جویریہؓ سے حضورؐ کی شادی کے بعد حارث نے مدینہ کے خلاف کسی جنگ یا جنگی تیاری میں کوئی حصّہ نہیں لیا۔ آگے چل کر اس نے اسلام قبول کیا۔ پھر اس کا شمار صحابہ کرام میں ہوا۔ یہی تبدیلی ان کے قبیلہ بنو مصطلق میں بھی آ گئی۔ یہ قبیلہ جو کبھی بدترین دشمن تھا فضلِ خداوندی سے بہترین دوستوں میں شامل ہو گیا۔

د۔ حضرت میمونہ کی ایک بہن کی شادی سردار نجد سے ہوئی تھی۔ حضورؐ سے میمونہ کی شادی کے بعد اہل نجد نے تبلیغ اسلام کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے۔ اس شادی نے باہمی نفرت کی فضا کو باہمی خیر سگالی کی فضا میں تبدیل کر دیا ـــــ اہل نجد اور اہل مدینہ کے درمیان۔

یاد رہے کہ اس شادی سے قبل یہ وہی اہل نجد تھے جنھوں نے ایک سازش کے تحت ستر مبلغین اسلام کو اپنے یہاں آنے کی دعوت دی۔ اور جب وہ آ گئے تو سب کو شہید کر ڈالا۔ یہ وہی باشندگان نجد تھے جو اس شادی سے قبل ہمیشہ لوٹ مار کیا کرتے تھے۔ لیکن اس شادی کے بعد قانون کے تحت امن و انصاف کی زندگی بسر کرنے لگے۔

(۳) سفارتی تعلقات کو مضبوط کر لیا

ا۔ حضرت ام حبیبہؓ اسلام لانے والوں میں اولین سابقین میں ہیں۔ وہ پہلی ہجرت میں اپنے پہلے شوہر عبداللہ بن جحش (جو حضرت زینب بنت جحش کا حقیقی بھائی تھا) کے ساتھ حبشہ چلی گئی تھیں۔ وہاں جا کر عبداللہ عیسائی ہو گیا اور کچھ دنوں بعد مر گیا۔ لیکن ام حبیبہ اسلام پر قائم رہیں۔ اگرچہ وہاں انھیں سخت مالی مشکلات پیش آتی رہیں۔

ان حالات کی خبر پا کر حضورؐ نے عمرو بن امیہ الضمریؓ اور [illegible] کو شاہ حبشہ نجاشی کے پاس بھیجا آپؐ کا رشتہ لے کر ام حبیبہؓ کے ساتھ۔ اس سلسلہ میں حضورؐ نے نجاشی کو اپنا وکیل مقرر کر دیا تھا۔ نجاشی نے اپنی ایک خاص کنیز ابرہہ کو اس پیغام کو دے کر ام حبیبہ کے پاس بھیجا۔ وہ یہ پیغام پا کر اتنا خوش ہوئیں کہ اپنا سارا زیور کنیز کو دے دیا اور منظوری کی اطلاع بھجوا دی۔

دوسری شام کو نکاح کی تقریب انجام پا گئی۔ خود نجاشی نے خطبہ نکاح پڑھا۔ دلہن کی طرف سے خالد بن سعید اموی وکیل تھے۔ حاضرین میں جعفر ابن ابوطالب اور دیگر مہاجرین مکہ موجود تھے۔ پیغمبروں کی سنت کے مطابق نکاح کے بعد مہمانوں کے لئے کھانے کا انتظام تھا ـــــ نجاشی کی طرف سے۔

نجاشی کو اس تقریب سعید میں اتنا اہم کردار عطا کرنے سے، پیغمبر اسلام نے ایک طرف تقریب کی اور دوسری طرف نجاشی کی اہمیت بڑھائی۔ نجاشی کی شرکت سے اس تقریب نکاح کی تمام حبشہ میں شہرت ہو گئی اور ہر مرد و زن نے جانا کہ نکاح کیا ہے اور پیغمبر اسلام کون ہیں؟ ـــــ کیا ہوا کیونکر ہوا، کیسے ہوا، یہ خاموش تبلیغ تھی۔

اس کے علاوہ مدینہ کے سفارتی تعلقات حبشہ سے مضبوط تر ہو گئے۔

ب۔ جنگ خیبر اور صلح حدیبیہ کے بعد پیغمبر اسلام نے بہت سے ممالک میں اپنے سفرا کو بھیجا۔ جن میں حبشہ، روم، مصر، ایران وغیرہ خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔ حضورؐ کا مراسلہ جریج بن متی، مقوقس (گورنر) مصر کے نام حسب ذیل ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خدا کے بندے اور اس کے رسول محمد کی جانب سے مقوقس بادشاہ قبط کی طرف۔ سلام ہو اس پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔ اما بعد پس میں تم کو دعوت اسلام دیتا ہوں۔ اسلام لے آؤ۔ سلامت رہو گے اور اللہ تعالیٰ تمہیں دوہرا ثواب دے گا۔ اور اگر اسلام

دے تو ... گے تو تمہارے اوپر اور تمام قبط کے اوپر وہ پڑنے والی مصیبت ہوگی۔

اے اہل کتاب آؤ اس کی طرف جو ہم میں تم میں برابر مشترک ہیں۔ وہ یہ کہ سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کریں اور آپس میں ایک دوسرے کو رب نہ بنائیں سوائے اللہ کے۔ پس اگر اہل کتاب گواہ رہو۔ ہم تو مسلمان ہیں۔

محمدؐ رسول اللہ

حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ اس خط کو لے کر مقوقس مصر کے پاس گئے تھے۔ مقوقس نے حسب ذیل جواب لکھ بھیجا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محمد بن عبداللہ کے نام مقوقس عظیم قبط کی طرف سے۔ آپ پر سلامتی ہو۔ اس کے بعد واضح ہو کہ میں نے آپ کا خط پڑھا اور اس میں جو کچھ آپؐ نے بیان کیا ہے اور جس چیز کی طرف آپؐ بلاتے ہیں اس کو میں نے سمجھا بیشک مجھے ... تھا کہ ایک نبی باقی ہے۔ مگر میں سمجھتا تھا کہ وہ شام سے ظہور کرے گا۔ میں نے آپؐ کے ایلچی کا اکرام کیا ہے۔ اور دو لڑکیاں آپ کے پاس بھیجی ہیں جن کا مرتبہ قبطیوں میں عظیم ہے۔ اور کچھ کپڑے بھی ارسال کئے ہیں اور ایک خچر بھی آپ کی خدمت میں ہدیہ کیا ہے تاکہ اس پر آپؐ سواری کریں۔

والسلام

اگرچہ مقوقس نے بہت کم لکھا ہے لیکن مورخوں نے ایک طویل فہرست محفوظ کر لی ہے "ان تحائف کی" اس نے حضورؐ کو بھیجے۔ ان تحائف میں دو سفید فام لڑکیاں جن کا نام ماریہ اور سیرین ہے۔ دو سیاہ فام لڑکیاں ... کا نام ... اور ... ہے، ایک حبشی غلام جس کا نام مابور ہے، ایک شہباء خچر جس کا نام دلدل ہے، ایک سرخ گدھا جس کا نام یعفور ہے شامل ہیں۔ اس کے علاوہ ایک ہزار مثقال سونا، بیس تھان قباطیٔ مصر، عود، مشک، اور عطریات، ایک جام ... وغیرہ بھی۔

لڑکیوں کو لطور تحفہ بھیجنا ان دنوں سفارتی تعلقات میں ایک اہم معنی رکھتا تھا۔ یہ نشانی تھی ایک پختہ وعدے کی، باہمی امن و امان، خیر سگالی، اور دوستانہ تعلقات کے متعلق۔ چونکہ مصر کی بحالی، ایران کے قبضہ سے پھر واپس روم کے قبضہ میں آگیا تھا اور چونکہ مصر کی جنگ جیتنے کے بعد روم کے شہنشاہ نے بغاوت کا الزام لگا کر اہل مصر سے بہت ہی ظالمانہ سلوک کیا تھا، اس لئے اس قسم کا تحفہ مقوقس مصر کی طرف سے جو خود بھی ایک قبطی تھا ایک خاص معنی و مطلب کا حامل تھا۔ قیصر روم نے اس کے معنی یوں لئے کہ مصر کے پرانے اصلی باشندوں نے اب سلطنت مدینہ کی نئی طاقت سے مدد مانگی ہے کہ ہمیں روم کے قبضہ سے چھڑاؤ۔ چنانچہ قیصر روم نے اپنے مصر کے قبطی گورنر جریج بن متیٰ کو اس الزام میں عہدے سے الگ کر دیا کہ وہ مسلمانوں کا طرفدار ہو گیا ہے۔ یہ بات بھی واضح رہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے ان الفاظ میں فتح مصر کی پیشگوئی کر دی تھی:۔

"بہت جلد تم لوگ مصر فتح کرو گے اور یہ وہ سرزمین ہے جہاں کا قیراط مشہور ہے۔ میری بات مانو اور اس کے باشندوں سے نیک سلوک کرو۔ ان سے نسب اور مصاہرت کا رشتہ ہے۔"

اگرچہ حضرت ماریہؓ قبطیہ ایک باندی تھیں لیکن وہ جنگی قیدی بن کر نہیں آئی تھیں۔ پیغمبر اسلام نے ان تحائف کو قبول کر لیا جس کے معنی یہ ہیں کہ ملک عرب اور ملک مصر میں اچھے تعلقات رہیں گے۔ آپؐ نے ماریہؓ کو ازواج مطہرات میں شامل کر لیا اور ان کے ساتھ اسی عزت اور مرتبت کا سلوک کیا جو آپ دوسری ازواج کے ساتھ کرتے تھے۔ ٹھیک جس طرح آپؐ کی دیگر ازواج پردے میں رکھی گئی تھیں حضرت ماریہؓ بھی پردے میں رکھی گئیں (اس زمانہ میں باندیوں کو پردے میں رکھنے کا رواج نہ تھا۔ اس سے آزاد عورت اور باندی کے درمیان فرق ظاہر کرنا مقصود تھا) بلکہ ماریہؓ کے لئے مدینہ سے چند میل دور مقام عالیہ (یا عوالی) میں ایک مکان کا انتظام کر دیا گیا تھا جس میں ایک باغ بھی تھا۔ یہ مقام آج تک مشربۂ ام ابراہیم کے نام سے باقی ہے۔ یہاں ایک مسجد بنا رہی ہے جس میں رسول اکرمؐ نے صلوٰۃ ادا کی تھی۔ ان سے حضورؐ کے بیٹے ابراہیم پیدا ہوئے جو اٹھارہ ماہ کی عمر میں انتقال کر گئے۔ شریعت اسلامیہ کے مطابق اولاد پیدا ہونے کے ساتھ ہی وہ آزاد ہو گئی تھیں بعد اس آزادی کا اعلان حضورؐ نے فرما دیا تھا۔

(باقی آئندہ)

جولائی کا حریم

پریس کی مشین اور بجلی کی خرابی کے باعث جولائی کا حریم ورکے بجائے اور جولائی کو روانا ہو سکا۔ حریم بجلی کی دشواریوں کے باعث کئی ماہ سے دو چار روز کی تاخیر سے نکل رہا تھا لیکن جولائی کا حریم غیر معمولی تاخیر سے نکلا۔ گذشتہ پچاس سال میں حریم کبھی اتنی تاخیر سے شائع نہیں ہوا۔ دراصل لیتھو کی مشینیں، استاں پرانی ہیں اس لئے روز ہی خراب ہوتی رہتی ہیں۔ ولایت میں ایسے جھگڑے بنتے نہیں اور یہاں اردو رسم الخط کے تحت لیتھو مشینیں بنائی نہیں جا رہی ہیں ورنہ ہمارے ملک میں اب نہایت اعلیٰ درجہ کی دوسری مشینیں تیار کی جا رہی ہیں۔ کاتبوں کے قحط اور لیتھو کی نئی مشینیں نہ بننے کے باعث اردو کو غیر معمولی نقصان اٹھانا پڑ رہا ہے۔ اگر ہماری حکومت لیتھو کی مشینیں بنوانے کی طرف توجہ نہ کرے گی تو کچھ دنوں بعد یہ دشواریاں اور زیادہ ہو جائیں گی۔ حریمی بہنوں کو جو زحمت اس سلسلہ میں ہو رہی ہے اس کے لئے میں معذرت خواہ ہوں

اغوا کرنے اور عصمت لوٹنے والوں کے لئے نیا قانون

اخبارات میں آجکل ایسی خبریں بہت زیادہ آنے لگی ہیں جو اغوا اور زنا بالجبر سے متعلق ہوتی ہیں اس لئے حکومت اس سلسلہ میں ایسا قانون بنانے کا ارادہ کر رہی ہے جو موجودہ قانون کے مقابلہ میں سخت ہو تاکہ ان باتوں کا سدباب ہو سکے۔ یہ خبر بڑی ہی مبارک ہے اور خدا کرے ہماری حکومت جس کی وزیر اعظم ایک خاتون ہی ہیں ایسا سخت قانون بنا دیں کہ اس طرح کے جرائم کرنے والے مردوں کی ہمت ہی نہ پڑ سکے کہ وہ کسی لڑکی یا عورت کا اغوا کر سکیں یا اس کی آبرو لوٹ سکیں بلاشبہ اس وقت تو یہ حالت ہے کہ اکثر پولیس والے بھی ایسے ہی جرائم میں ملوث پائے جا رہے ہیں اور ان کے خلاف کافی اشتعال پایا جا رہا ہے، اس لئے کہ اگر رکھوالے ہی چوری کرنے لگیں تو پھر حفاظت کی کیا صورت ہو سکتی ہے اور کون ہے جو ان درندوں سے لڑکیوں اور عورتوں کو بچا سکے گا۔ ایسے پولیس والوں کو بشرطیکہ وہ واقعی مجرم ہوں غیر معمولی سزا ملنی چاہیئے۔

اس سلسلہ میں بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں، حالانکہ موجودہ دور کے ترقی پسند لوگ اس پر توجہ نہ دیں گے۔ اس وقت تو آنکھیں بند کر کے

مغرب کی نقالی ہو رہی ہے۔ ترقی کے لئے یہ ضروری سمجھا جاتا ہے کہ عورتیں مردوں کے ساتھ ساتھ کام کریں۔ اس لئے کہ آدھی آبادی کا نکموں پر بوجھ رہا تو ملک پس ماندہ رہے گا اور دنیا کے ترقی یافتہ ملکوں کی برابری نہ کر سکے گا۔ حالانکہ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جس ملک میں لاکھوں سے بھی زیادہ مرد بے روزگاری کا شکار ہوں وہاں عورتوں کے ان کاموں میں دخیل ہونے سے کیا فائدہ ہوگا جو مرد بھی کر سکتے ہیں۔ یہ نظریہ تو ان ممالک کے لئے مناسب ہو سکتا ہے جہاں کام زیادہ ہو اور آبادی کم۔ لیکن ہندوستان تو ایسا ملک ہے جہاں آبادی زیادہ ہے اور کام کم، اس لئے مناسب بات یہی تھی کہ خواتین کو مردوں کے کرنے والے کام اسی وقت دیئے جاتے جب کوئی مرد بیکار نظر نہ آتا۔ خواتین کے کام کرنے سے ایسا بھی دیکھا گیا ہے اکثر گھرانوں میں شوہر اور بیوی دونوں ہی برسرکار ہیں اور بہت سے مردوں کو کبھی ملازمت نہیں ملتی۔ یہ عدم مساوات کچھ مناسب نہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابل غور ہے کہ کیا مردوں اور عورتوں کا اختلاط یعنی ایک ساتھ رہ کر کام کرنا کیا مناسب ہو سکتا ہے۔

حال ہی میں لکھنؤ ٹی۔ وی اسٹیشن سے ایک ڈرامہ نشر کیا گیا تھا جس کا نام تھا "اوور ٹائم" یعنی وقت مقررہ کے بعد کا کام۔ قابل ڈرامہ نگار نے یہ دکھایا ہے کہ ایک آفس میں لڑکیاں بھی کام کرتی ہیں اور مرد بھی۔ بڑے بابو صاحب اپنی ملازمت برقرار رکھنے کے لئے مالک کی اس فرمائش کو ٹال نہیں سکتے کہ وہ نئی آنے والی لڑکی کو کسی نہ کسی روز یہ کہکر روکیں کہ اسے اوور ٹائم کرنے کے لئے رکنا پڑے گا۔ اور یہ اوور ٹائم اس وقت شروع ہوتا تھا جب دفتر کے تمام متعلقین چلے جاتے تھے۔ بڑے بابو نے اپنے اس فرض کو ادا کرنے کے لئے نہ جانے کتنی لڑکیوں کو مالک کی ہوس رانی پر قربان کر دیا تھا۔ اس کے عوض انھیں ریٹائر ہونے کے بعد بھی تین سو روپیہ ماہوار کی پنشن مل گئی تھی، لیکن ایک جوان بیٹے اور بیٹی کے ساتھ ہوتے یہ رقم پوری نہ پڑتی تھی۔ بیٹا ملازمت کے لئے سرگرداں رہتے رہتے چڑچڑا ہو گیا تھا۔ مجبوراً باپ نے بیٹی کو ایک خط لکھکر اسی فرم کے پاس .... بھیجا تاکہ اسے ملازمت مل جائے لیکن یہ کہہ ہدایت بھی کر دی کہ وہ کبھی اوور ٹائم نہیں کرے گی۔ اسے ملازمت مل گئی، بھائی بیکار رہا، باپ جانتا تھا کہ اس کی

ملازمت مل سکتی ہے ، اس کو سروس مل سکتی تھی۔ لیکن انہیں۔ نئے نئے بڑے باپ کے بیٹے ۔۔۔ باپ کی لڑکی کو بھی اوور ٹائم کرنے کا حکم دیا لیکن دوسری کام کرنے والی لڑکیوں سے سن چکی تھی کہ اوور ٹائم کرنے کا کیا مقصد ہوتا ہے۔ وہ اس کے لئے راضی نہیں ہوئی، لیکن جب اس نے دیکھا، اس کا بھائی سروس نہ ملنے کے باعث غیر معمولی الجھن کا شکار ہے اور اس کی وجہ سے گھر کی فضا سنگین ہوتی جا رہی ہے تو اس نے مالک فرم کے پاس جا کر اس روز خود اپنے بھائی کو ملازمت دینے کی درخواست کی۔ مالک نے کہا۔ میں اسے ضرور ملازم رکھ لوں گا، لیکن میری ایک شرط ہے۔

پریشان حال لڑکی نے کہا میں آپ کی ہر شرط ماننے کو تیار ہوں۔ "تمہیں دس روز اوور ٹائم کرنا ہوگا" مالک نے جواب دیا۔ اور لڑکی نے اسے منظور کر کے اپنی عزت کے عوض بھائی کے لئے پروانۂ تقرری حاصل کر لیا۔

یہ ایک غیر سرکاری فرم کی کہانی تھی، لیکن سرکاری ادارے بھی ایسی بدعنوانیوں سے پاک و صاف نہیں اور نہ رہ ہی سکتے ہیں۔ آگ اور پھوس یکجا ہوں اور آگ نہ لگے ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے اختلاط مرد و زن کی سختی سے ممانعت کی۔ ایسی تمام راہوں کو مسدود کرنے کی کوشش کی جن سے عورتوں کی عزت و آبرو کی پامالی کا احتمال ہو سکے۔ —— اس کے باوجود بشریت کے تقاضے کبھی کبھی ایسے جرائم کرا سکتے تھے، اس لئے ایسی سخت سزائیں ان مجرموں کے لئے مقرر کیں جن کو سن کر ہی پتہ پانی ہو جاتا ہے۔ اس وقت سب سے بڑی سزا پھانسی کے ذریعہ دی جاتی ہے (حالانکہ اس کا عمل بھی رفتہ رفتہ ختم کر کے عمر قید کی سزا دی جانے لگی ہے، جو عموماً کچھ ہی برسوں بعد ختم ہو جاتی ہے اور مجرم پھر سے چھوٹ کر دندناتے نظر آنے لگتے ہیں) لیکن پھانسی کی سزا عبرت ناک نہیں ہوتی۔ صرف مجرم چند لمحے تکلیف اٹھا کر مر جاتا ہے۔ دوسروں کو صرف اخبارات سے علم ہو جاتا ہے کہ فلاں شخص کو فلاں جرم میں پھانسی ہو گئی، اور خبر پڑھ کر وہ تاثر نہیں ہو سکتا ہے جو کسی سزا یافتہ کو تڑپتے اور چیختے دیکھ کر ہو سکتا ہے۔

دیکھئے اسلام نے ایسی سزائیں منظر عام پر دینے کا حکم دیا تھا تاکہ عوام اس سے عبرت حاصل کریں۔ زنا کی سزا سنگساری تھی۔ مجرم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا جاتا تھا۔ اس کے بعد پتھر مار مار کر ختم کر دیا جاتا تھا۔

غور طلب بات یہ ہے کہ اس دور میں عورتیں اس طرح بیباکی اور بے حیائی کے ساتھ پھر نا در کنار نکلتی ہی نہیں ضرورت کے تحت تھیں شرعی پردے کا رواج تھا۔ سگے خالہ زاد، چچا زاد، ماموں زاد، اور پھوپھی زاد جوان بھائیوں کے سامنے بھی نوجوان لڑکیاں نہ آ سکتی تھیں۔ نامحرموں سے پردہ کیا جاتا تھا۔ آرائش و زیبائش کر کے کوئی عورت اس طرح نکل ہی نہ سکتی تھی کہ مردوں کے لئے باعث ترغیب ہوتی، لیکن اس کے باوجود اسلام نے اس کے سدباب کے لئے اتنا سخت قانون کیوں وضع کیا تھا۔ اسی لئے تاکہ نفس انسانی شیطانی قوت رکھتا ہے۔ اسے کسی معمولی سزا کے قانون سے دبایا نہ جا سکتا تھا اور یہ بھی ضروری تھا کہ ایسے مواقع ہی فراہم نہ ہونے پائیں کہ ایسے جرائم کا ارتکاب ہو سکے۔ اس کے برخلاف اب ذرا اپنے معاشرے پر نظر ڈالئے ہماری خواتین زندگی کے ہر شعبے میں دخیل ہیں اور ڈیوٹی پر جانے سے پہلے پوری طرح میک اپ کرتی ہیں۔ دلکش لباس پہنتی ہیں۔ بیشتر ایسے ملبوس استعمال کرتی ہیں جن سے ادپری جسم کا بس برائے نام ہی حصہ پوشیدہ رہتا ہے اور اس پوشیدگی میں بھی کشش کے سامان ہوتے ہیں۔ سینٹ اور لونڈر کی روح پرور خوشبویات سے پھولوں سے لدے ہوئے چمن کی سی خوشبو لئے نکلتی ہیں۔ صرف محکمہ تعلیم کے زنانہ مدارس اور کالجوں کے سوا ہر جگہ انہیں مردوں کے شانہ بشانہ بیٹھ کر کام کرنا پڑتا ہے۔ اسٹینو ٹائپسٹ یا سکریٹری وغیرہ کی ڈیوٹی انجام دینے والی لڑکیاں یا خواتین افسران کے کمروں میں جا کر کام کرنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ یہ افسر بیشتر مرد ہی ہوتے ہیں اور صاحب اقتدار ہوتے ہیں۔ ان کا ادب کرنا اور ان کے احکام بجا لانے ہی پر ترقیوں کا دار و مدار ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صاحبوں کو خوش کر کے ترقی پانے کا جذبہ سب ہی میں ہوتا ہے اور وہ اس کے لئے ہر قربانی گوارہ کر لیتی ہیں لیکن کچھ تو ایسی ہوتی ہی ہیں جو اپنے حالات سے مجبور ہو کر یا جذبات سے شکست کھا کر وہ سب کچھ کر بیٹھتی ہیں جو نہ ہونا چاہیئے۔

کون نہیں جانتا کہ شوہر شکی ہوا کرتے ہیں اور اکثر اپنی ان بیویوں کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھنے کے عادی ہوتے ہیں جو گھروں سے باہر کمتر ہی نکلتی ہیں۔ پھر ایسی بیویوں پر شک کرنا تو معمولی بات ہے جو آفسوں میں کام کرتی ہیں۔ مرد کی ذات اس

ابھی ۔ ڈومنٹ

عفت موہانی

شاہینہ ۔ (خوش ہوکر) اُف فوہ ۔ جمیل بھائی ۔ آئیے آئیے ۔ خوش آمدید بہت دنوں بعد آپ نے شکل دکھائی ۔ [illegible] کہاں تھے ۔ ؟"

جمیل ۔ کیا بتاؤں بھابی، ایک بکھیڑا ہے میرے پاؤں میں زنجیر نہیں۔ دوکان کے لئے سامان لانا پڑتا ہے اتنے دنوں سے کلکتہ میں تھا۔ بمبئی گیا اور واپس آیا تو ہفتہ بھر تھکن نہیں اُتری، اُدھر آیا جان ہیں کہ اطمینان کی ایک سانس لینے نہیں دیتے ۔ ہاں ۔ یہ شاہد صاحب کہاں اُڑنچھو ہوگئے ، اتوار کے دن بھی ملنا نصیب نہیں ہوتا ۔

شاہینہ ۔ ارے اتوار تو ان کے لئے روز عید بن کر آتا ہے ۔ بڑی مشکل سے خدا خدا کر کے دن کے دس بجے سو کر اُٹھے ۔ اب نہا رہے ہیں ۔ دن کے بارہ بجے ناشتہ کریں گے ، اور پھر ——— "

شاہد ۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میرے پیٹھ پیچھے ایسی غیبتیں ہوتی ہیں ۔ لو آگیا ۔ نہا دھو کے ۔ یار ۔ جمیل ۔ کہاں غائب تھے ۔ روز یاد کرتا تھا ۔

جمیل ۔ سیٹھ صاحب بن گیا ہوں ۔ بہت مصروف رہتا ہوں ۔

شاہد ۔ (ہنستا ہے) اچھا اچھا ۔ یار شاہینہ ۔ اب لے آؤ ناشتہ پھر کوئی پروگرام بنائیں گے کہ اتوار کہاں گزارا جائے ۔ آج جمیل بھی آگیا ہے ۔ کوئی زوردار پروگرام ہو تو یادگار رہے ! "

شاہینہ ۔ آپ لوگ بنائیے پروگرام ۔ میں ناشتہ لے کے ابھی آئی ۔

شاہد ۔ میاں میں کہتا ہوں ۔ اب تم بھی شادی کر ڈالو ، چھڑے دوڑے گھومتے اچھے نہیں لگتے ، چچی جان نے کوئی لڑکی نہیں دیکھی ۔ ؟

جمیل ۔ ایسی ویسی کہاں ۔ بہنوں نے پتہ نہیں کہاں ہم چھانٹ رکھی ہے ۔ میں تو ابھی [illegible] نہیں چاہتا ۔

شاہد ۔ کیوں بھئی ۔

جمیل ۔ ارے کیا بھائی ۔ جب تک اپنی ذاتی مالی حیثیت مضبوط نہ ہو جائے کہاں کی شادی وادی ۔ ۔ ۔ دوکان ابا جان کی ہے ۔ [illegible]

شاہینہ ۔ لیجئے ۔ ناشتہ کر لیجئے ۔ آئیے جمیل بھیا ۔

جمیل ۔ بھابی ۔ میں تو خوب ڈٹ کے ناشتہ کر کے چلا ہوں ۔

شاہینہ ۔ آئیے بھی ۔ آپ نے پھر غیروں کا سا تکلف شروع کر دیا ۔ چکھئے ۔ قیمہ اور مٹر بھر کے پکائی ہیں بوا نانی نے ۔ بہت مزے کی ہیں ۔ ! ہاں ۔ تو کیا پروگرام بنایا ؟

شاہد ۔ اپنے جمیل بھائی سے پوچھو ۔ پکچر ، آؤٹنگ ، ان ڈور گیم ، پکنک کیا پسند فرماتے ہیں ؟ ۔

شاہینہ ۔ بولئے ۔ جمیل بھائی ۔

جمیل ۔ بس سیدھا سادا پکچر ، اور کیا ۔ اب پکنک کا وقت ہی کہاں ہے ؟ ۔ اس کے علاوہ جب تک کئی ساتھی نہ ہوں ۔ پکنک اور آؤٹنگ کا لطف نہیں آتا ۔ ۔ ۔ بتائیے بھابی کون سا فلم اچھا چل رہا ہے ؟ ؟ "

شاہینہ ۔ آج کا اخبار دیکھے لیتے ہیں ۔

شاہد ۔ میرے خیال میں یہ فلم اچھا رہے گا ۔ کیا نام ۔ گرم ہوا ۔ عصمت چغتائی کی کہانی ہے ۔

جمیل ۔ بس ۔ یہی دیکھ لیتے ہیں ۔ ! کیوں بھابی ؟

شاہینہ ۔ بالکل ۔ عصمت آپا کی تحریر مجھے بے حد اچھی لگتی ہے ۔ ان کی سب کتابیں میں نے پڑھی ہیں ۔ ٹیڑھی لکیر تو بہت [illegible]

شاہد ۔ ابھی تو پکچر شو میں کافی وقت ہے ۔ شاہینہ ۔ تم جب تک [illegible] کھانا دیکھ لو ۔ ہم باہر گھوم [illegible]

(ٹہلتا ہے)

شاہینہ ۔ کیا کھائیے گا ۔ بتائیے ۔ [illegible]

جمیل ۔ بھابی ۔ [illegible] بلکہ اللہ کے نام پر [illegible]

[illegible]

شاہد ۔ [illegible]

[illegible]

شاہینہ۔ بے حد منتی ہے۔ جمیل بھائی۔ دعا اچھی اچھی دعائیں دیکئے گا۔
جمیل۔ (قہقہہ لگاتا ہے۔) ابھی دوں۔ یا کھانے کے بعد؟ "
شاہینہ۔ بعد کو۔ ابھی اثر نہیں ہوگا۔
شاہد۔ (ہنستے ہوئے) اچھا بھائی۔ اب تم چلو۔ ایسا نہ ہو کہ کہیں کھانے میں دیر ہو جائے اور ہمارا پروگرام یونہی رہ جائے!۔
شاہینہ۔ اچھا میں چلی۔

تین چار گھنٹے فضول گپ شپ، لمبے لمبے بے فکر قہقہوں اور سگریٹ کے دھوئیں میں گزر جاتے ہیں!۔ اور پھر پاس کے کمرے میں میز کرسیوں کے سرکانے، پلیٹوں، چمچوں کے رکھنے اٹھانے کی آواز گونجتی ہیں۔ چند لمحوں بعد شاہینہ کی آواز پردے کے پاس سنائی دیتی ہے۔

شاہینہ۔ آئیے۔ کھانا لگا دیا۔ پراٹھے ٹھنڈے ہو کر خراب جائیں گے۔

قدموں کی آہٹیں سنائی دیتی ہیں۔ پردہ سرکنے کی سرسراہٹ۔

جمیل۔ اُف۔ بھابی۔ یہ نوابی انداز میں سجی ہوئی میز۔ یہ تلے ہوئے چوزے اور ایسے عمدہ پراٹھے، واللہ بھابی۔ آپ نے دعاؤں کے قابل کھانا کھلایا مگر نہ نیت بھری ہے نہ پیٹ بھرا ہے۔ اچھا سنئے۔ جب میں چلنے لگوں تو مجھے بقایا بچا ہوا کھانا باندھ کے دے دیجئے گا۔ رات کو کھالوں گا!۔

شاہد۔ ابے چپ۔ ندیدے۔!
جمیل۔ نہیں بھائی۔ سچ کہتا ہوں۔ دوکان پر سہ پہر جو آتا ہے۔ وہ بس، ٹھنڈی سخت روٹیاں۔ یا ٹھنڈے جمے ہوئے چاول۔ اور سالن کے نام پر بُھتان۔ پانی میں نمک مرچ گھلا ہوا۔ لاحول ولا قوۃ۔ اچھے کھانوں کو تو ترس گیا ہوں۔
شاہینہ۔ ہائے ہائے ایسا بھی کیا۔ چچی جان ایسا غلط سلط کھانا آپ کو کھلاتی رہیں؟۔
جمیل۔ اماں کہاں پکاتی ہیں۔ بلڈ پریشر نے انھیں کونے میں بٹھال دیا ہے۔ یہ شکیلہ اور ذکیہ جو کچھ تھوپ دیتی ہیں۔ جھک مار کے زہر مار کرنا پڑتا ہے۔
شاہد۔ کیا پرواہ ہے۔ دوپہر اور رات کو یہاں آجایا کرو۔ ہمارے ساتھ کھالیا کرو۔
جمیل۔ بڑی مسافت پڑجائے گی۔ آتے ہی جاتے سارا کھایا پیا ہضم ہو جائے گا!۔

شاہد۔ شاہینہ۔ یہ جانے لگے تو ٹفن ساتھ کر دینا۔
شاہینہ۔ (مسکراتی ہے) بہت اچھا۔
جمیل۔ (دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے۔) خدا آپ کو سلامت رکھے، آپ کا سہاگ بنا رہے۔ اللہ صاحب آپ کو چاند سے سات بیٹے دیں۔ دودھوں نہایئے پوتوں نواسوں پھلیئے اور سدا اپنے میاں کی کھوپڑی پر راج کیجئے۔
شاہینہ۔ چلئے ہٹئے جمیل بھائی۔ یہ نگوڑی دعائیں۔ آپ نے تو ہماری بوا نانی کو بھی مات دے دی۔
جمیل۔ ارے بھابی۔ ایسی ہی دعائیں تو میں بڑی بوڑھیوں سے سنتا ہوں۔ جو وہ آپ خواتین کو دیتی ہیں۔
شاہینہ۔ اچھا بس۔ بڑے آئے بڑی بوڑھی بن کے — یہ کہئے۔ پکچر کا وقت ہوا کہ نہیں۔
شاہد۔ ہو رہا ہے۔ تم جلدی کرو۔ ڈھائی بج رہے ہیں ہمیں تین بجے نکل چلنا ہے۔ ٹکٹ کا لینا بھی ایک پرابلم ہے۔
شاہینہ۔ بس میں ابھی تیار ہو جاتی ہوں۔ ہاں۔ یہ تو بتایئے۔ کونسی ساڑھی پہنوں؟۔ وہ گلابی وائل جو آپ نے پچھلے ہفتہ کو خریدی تھی۔ مگر اس کا میچنگ بلاؤز تو ابھی درزی نے دیا ہی نہیں۔
شاہد۔ تو پھر وہ سرمئی پہن لو۔ جس پر سفید پھول کڑھے ہیں۔
شاہینہ۔ واہ۔ آپ کو تو یاد ہی نہیں رہتا۔ ابھی پچھلے اتوار کو وہی ساڑھی پہن کے تو خالہ امی کے یہاں گئی تھی۔ مارے شکنیں پڑی ہیں۔ اس میں "
شاہد۔ ایک ساڑھی تمہارے پاس نیلے رنگ کی بھی تو تھی۔ وہی پہن لو۔
جمیل۔ (سر پکڑ لیتا ہے۔)۔ بھابی۔ اسی لئے میں شادی نہیں کرتا۔ اب دیکھیئے کہ ساڑی پہننا آپ کو ہے مگر آپ نے بے چارے یتیم شوہر کو کیسے جانکنی کے عالم میں مبتلا کر دیا ہے۔ رو دیتا ہے غریب۔ جانیئے بھابی۔ جو آپ کا جی چاہے۔ پہن لیجے۔ اس کی جان چھوڑ دیجئے "
شاہینہ۔ (جل جاتی ہے) اچھا اچھا۔ میں بھی چچی جان سے کہہ کے ایسی شیطان چھوکری سے آپ کی شادی کراؤں گی کہ آپ چوبیس گھنٹے لبورتے دکھائی دیں "

جمیل۔ میں احتجاج کے طور پر اپنی تمام دعائیں واپس لے لوں گا۔
شاہد۔ بیگم۔ پھر دکھنا کہ پھر وقت پر نہ پہونچے ٹکٹ نہیں ملے گا۔ بس پون گھنٹہ رہ گیا ہے۔ جلدی کرو۔ جلدی۔
شاہینہ۔ (بھاگتی ہے)
شاہد۔ (کنکھیاں) دبا جاہے غلطی میری ہی ہے۔ دو تین ساڑیاں ہوتیں تو یہ مسئلہ کھڑا نہ ہوتا۔ حال یہ ہے کہ الماری ساڑیوں سے پٹی پڑی ہے۔ گھنٹوں انتخاب ہی میں لگ جاتے ہیں۔ لاحول ولاقوۃ۔ اب بس چھ مہینے میں ایک ساڑی لاؤں گا!"
شاہینہ (اندر سے چیخ کر کہتی ہے) اجی۔ آپ سن رہے ہیں۔ میں یہ نارنجی ساڑی پہن رہی ہوں۔ جس پر کالے پھول ٹنکے ہیں۔
شاہد۔ ہاں ہاں۔ اس میں بہت خوبصورت لگوگی۔ وہی پہن لو۔ مگر جلدی کرو۔!
شاہینہ۔ (چیخ کر) بس۔ ابھی۔ دو منٹ ۔۔"
دونوں دوست پھر گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ کچھ دیر بعد شاہد پھر چونک کر بیوی کو آواز دیتا ہے۔
شاہد۔ ارے بھئی۔ ہو چکی تیاری ؟۔
شاہینہ۔ (مستعد لہجے میں بولتی ہے۔) ہو چکی۔ ہو چکی۔ ابھی آئی۔ دو منٹ'
جمیل۔ اگر اسی طرح بھابی کی تیاری ہوتی رہی تو مجھے یقین ہے کہ اُدھر فلم شروع ہو کے ختم بھی ہو چکے گا!
شاہد۔ دیکھو یار۔ فقط بیس منٹ رہ گئے ہیں۔
جمیل۔ گھر سے نکلنا، سواری کا ملنا، ٹکٹ خریدنا۔ اتنے سائل ہیں اور ادھر یہ عالم ہے کہ تمہاری بیگم کے لباس کا سلکشن ہی نہیں ہو چکتا۔! مارے جائیں گے۔
شاہد۔ (شرارت بھرے لہجے میں کہتا ہے) اسے سنگھار بناؤ کرنے دو۔ چلو ہم تم دونوں اکیلے چلے چلیں۔
جمیل۔ ارے بابا۔ مرواؤ گے کیا۔ بھابی میرا مرڈر کر دیں گی، دوبارہ گھر میں گھسنے نہ دیں گی۔
شاہد۔ تو پھر اگلے جنم پر ہمیں سڑا کرو۔ ان محترمہ کا میک اپ اتنی جلدی ختم ہونے والا نہیں!۔
جمیل (چیخ کر) بھابی۔ میں نے کہا او بھا آآ آبی، آپ آ رہی ہیں کہ نہیں ؟"

شاہینہ۔ ہائے پھری تلے دم لیجئے۔ بھلا آپ تو ہاتھ پاؤں پھلائے دیتے ہیں۔ کہہ تو رہی ہوں کہ بس ابھی آئی۔ کپڑے بدل لئے ہیں۔ ذرا کاجل اور سرخی ۔۔۔"
شاہد۔ (چلا کر) تم کاجل اور سرخی کے بغیر ہی اچھی ہو۔ جلدی آؤ۔ وقت بالکل کم رہ گیا ہے۔
شاہینہ۔ آئی۔ آئی۔ ایک دو منٹ۔
جمیل۔ (بے چینی سے) کل دس منٹ۔ ارے چلو نا میرے یار ہمت کرو۔ ہم پروٹسٹ کر دیں۔
شاہد۔ کاہے کا پروٹسٹ ؟۔
جمیل۔ فلم سے بائیکاٹ!۔
شاہد۔ احمق ہو۔ کہہ تو رہا ہوں کہ چلو ہم اکیلے ہی چلیں۔
جمیل۔ بھابی تمہیں قتل کر دیں گی۔
شاہد۔ (اٹھتا ہے) میں اکیلا ہی جا تا ہوں۔ پروگرام کے بننے کے بعد کینسل کرنے سے سخت غصہ آتا ہے۔ (چلا کر) شاہینہ۔ ہو چکا کہ نہیں تمہارا میک اپ ؟"
شاہینہ۔ آ رہی ہوں۔ ایسا بھی کیا۔ سانس لینے نہیں دیتے۔ ذرا نیکلس اور بندے پہن لوں۔
شاہد۔ (زبردستی جمیل کو اٹھاتا ہے) چل بے۔ اتوار یونہی گذرا جاتا ہے اکیلا بیٹھے بیٹھے سچ کہتا ہوں کہ آدھا دھڑ شل ہو گیا ہے۔ اگر تجھے میرے ساتھ نہیں چلنا ہے تو تو اپنے رستے جا۔ میں تو جا رہا ہوں پکچر۔"
جمیل۔ اچھا چل۔ جیسی مرضی مرے یار کی۔
دونوں چلے جاتے ہیں۔
وقت بدستور گذرتا جا رہا ہے۔ شاہینہ اپنے کمرے میں مصروف ہے۔ حتیٰ کہ سائے ڈھل جاتے ہیں اور پکچر کے خاتمہ پر دونوں دوست گھر میں داخل ہوتے ہیں!۔ جمیل خوفزدہ ہے مگر شاہد اٹھک لگاتا ہے
شاہد۔ میں نے کہا بیگم اب بھی ختم ہوئی آپ کی تیاری۔ آپ کا میک اپ۔ آپ آ رہی ہیں کہ نہیں ؟۔
شاہینہ۔ بس ابھی آئی۔ دو منٹ۔ نیکلس کا ہک نہیں لگ رہا ہے۔ بس ہک لگایا اور آئی۔!!
دونوں بے ساختہ ہنس پڑتے ہیں۔!!!

حریمی دسترخوان

نان خطائی بنائیے

نان خطائی ایک لذیذ مٹھائی یا بسکٹ کی قسم ہے جو عام طور پر بازاروں میں دستیاب ہوتی ہے، لیکن آپ خود بھی اسے بنا سکتی ہیں۔ ایک بار تجربہ کیجئے۔ ٹھیک نہ بنے تو دوبارہ کوشش کیجئے۔

سامان:- میدہ عمدہ قسم کا ۲۵۰ گرام۔ شکر ۲۵۰ گرام۔ گھی ۲۵۰ گرام۔ الائچی خورد چھ عدد۔ بیکنگ پوڈر چائے کا ایک چمچہ۔ دودھ ۱۰۰ گرام۔

ترکیب:- شکر کو الائچی کے دانوں کے ساتھ باریک پیس لیں۔ میدہ میں بیکنگ پوڈر اچھی طرح ملا لیں۔ گھی کو کسی کشادہ برتن میں رکھ کر پھینٹیں۔ جب گھی مکھن کی طرح ہو جائے تو شکر ملا کر پھر پھینٹیں۔ اس کے بعد میدہ کو تھوڑا تھوڑا ڈال کر ملائیں۔ جب سب میدہ مل جائے تو ہاتھ سے گھی اور میدے کو خوب ملائیں، اس کے بعد چھوٹے چھوٹے پیڑے کاٹ کر انھیں گول کر لیں۔ پھر کسی ٹرے میں ان پیڑوں کو ذرا فاصلے سے پیچھے دودھ لگا کر رکھیں اور ٹرے اوون میں رکھ دیں۔ اگر آپ کے پاس اوون نہیں ہے تو آپ کسی ٹین کے کنستر کو اس کے اوپری حصے کو تین جانب سے کاٹ لیں۔ ایک جانب جڑا رہے۔ پھر کنستر کو پٹ رکھ کر اس میں کوئلے سلگا کر پھیلا دیں اور ٹرے انھیں کوئلوں پر رکھ دیں۔ ڈھکن کو بند کر دیں، لیکن اس طرح کہ کچھ ہوا جاتی رہے تاکہ انگارے بجھ نہ جائیں۔

دس پندرہ منٹ بعد دیکھئے اگر نان خطائیاں پھول گئی ہوں تو ٹرے کو نکال لیجئے۔

نان خطائیاں اس وقت تک نہ نکالیں جب تک کہ ٹرے ٹھنڈی نہ ہو جائے۔ کسی چھری سے آہستہ آہستہ نان خطائیوں کو چھڑائیے تاکہ ٹوٹنے نہ پائیں۔

مرسلہ:- زہرہ اختر (کلکتہ)

میدے کا حلوہ

میدے کا حلوہ بہت لذیذ ہوتا ہے لیکن اس کا بنانا دشوار ہے۔ اس کے قوام کا خاص طور پر خیال رکھنا پڑتا ہے۔

سامان:- میدہ ۲۵۰ گرام۔ شکر ۳۰۰ گرام۔ گھی ۲۵۰ گرام۔ عطر کیوڑہ چند قطرے۔ بادام و پستے کی ہوائی حسب خواہش۔ الائچی خورد ۲۔ لونگ ۵۔

ترکیب:- گھی کو کسی قلعی دار پتیلی میں کڑکڑائیں۔ لونگ الائچی ڈالدیں اور میدے کو صاف کر کے یا چھان کر گھی میں بھونیں۔ جب میدہ خوشبو دینے لگے تو اتار لیں۔ شکر میں چار کی ڈیڑھ پیالی پانی ڈالکر قوام بنائیں۔ جب قوام جوش مارنے لگے تو دو چمچے دودھ ڈالدیں۔ شکر کا میل کٹ جائے گا اسے چمچے سے نکال لیں۔ قوام جب کافی گاڑھا ہو جائے تو اسے اس پتیلی میں ڈالدیں جس میں میدہ ہو اور ہلکی آنچ پر پکائیں۔ جب گھی چھوٹنے لگے تو کیوڑے کا عطر ملا کر اتار لیں اور کسی ٹرے یا سینی میں پھیلا کر جما دیں۔ چاندی کے ورق لگائیں اور تیز چھری سے قتلے کاٹ لیں۔

اگر قوام میں پانی زیادہ ہو جائے گا اور قوام زیادہ سخت نہ ہوگا تو میدہ پھول جائے گا۔ اس کا خیال رکھنا ضروری ہے۔ میدہ پھول جانے سے حلوہ خراب ہو جاتا ہے۔

غزالہ بیگم نسیم انہونوی

دعا عبادت کی روح ہے!

نسیم شمس ....

انسان احتیاجات اور خواہشات کا پتلا ہے اپنی ضروریات کی تکمیل کے لئے وہ خدائے عز و جل کا محتاج ہے جس کی قدرت میں یہ نظام کائنات ہے اگر کوئی شخص اپنی ضرورت کے لئے دوسروں کا دروازہ کھٹکھٹاتا ہے اور بار بار دست سوال دراز کرتا ہے تو اس مانگنے والے سے سب بیزار ہو کر ناراض ہو جاتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ اس انسان سے ناراض ہوتا ہے جو اپنی حاجتیں اللہ سے نہیں مانگتا وہ طلب گاروں کے لئے اپنی رحمت کے دروازے ہر وقت کھلا رکھتا ہے اور سائل سے خوش ہوتا ہے قرآن کریم میں ایک جگہ ارشاد ہے۔

وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُونِي أَسْتَجِبْ لَكُمْ

ترجمہ:۔ اور فرمایا تمہارے رب نے کہ مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا۔

ہم جب اس قادر مطلق سے کچھ طلب کرتے ہیں تو وہ اس ادا کو پسند کرتا ہے کہ اس بندے نے اپنی عبدیت کا اظہار کیا خدا انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے وہ انسان کی ہر بات سنتا ہے اور دعاؤں کو قبول کرتا ہے۔ ارشاد ربانی ہے

نحن اقرب الیہ من حبل الورید

ترجمہ۔ ہم اس کی رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہیں —

جب وہ قادر مطلق ہماری رگ جاں سے بھی زیادہ قریب ہے تو ہم اسی کے آگے کیوں دست سوال دراز کریں جو کچھ مانگنا ہو اسی سے کیوں نہ مانگیں۔ ایک اور جگہ ارشاد ہوا

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ

ترجمہ:۔ اے رسول! جب تم سے میرے بندے میرے متعلق پوچھیں تو (انہیں بتاؤ) کہ میں ان سے قریب ہوں پکارنے والا جب مجھے پکارے تو میں اس کی پکار سنتا ہوں۔

دعا ایک اعلیٰ و ارفع عبادت ہے۔ عبادت کا درجہ اس لئے ہے کہ اس میں عجز، اخلاص، یکسوئی سے دعا مانگنے سے بندگی کا بھرپور اظہار ہوتا ہے۔ دعا سے گریز کرنے کو عبادت سے سرتابی قرار دیا ہے۔ دعا عبادت کی روح ہے اور اللہ تعالیٰ کے یہاں دعا سب سے افضل ہے۔ ایک حدیث شریف میں آیا ہے "اللہ کے یہاں دعا سے زیادہ کسی چیز کا درجہ نہیں" رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا کہ دعا مومن کا ہتھیار ہے۔ دین کا ستون ہے اور آسمان و زمین کا نور ہے۔

دعا کرنے کے کچھ آداب و شرائط ہیں۔ دعا کسی بھی مقصد کے پیش نظر کی جائے۔ خواہ وہ دینی ہو یا دنیوی لیکن کسی ناجائز اور بیجا کام کے لئے نہ ہو۔ کسی تخریبی کام کے لئے دعا کرنا گناہ ہو ایک اور حدیث میں فرمایا گیا۔ الدعاء مخ العبادۃ۔ (دعا عبادت کا مغز ہے)

یعنی جس طرح مغز کے بغیر انسان بے عقل ہے اسی طرح دعا کے بغیر عبادت بے روح ہو کر رہ جاتی ہے۔ دعا بندے کو اللہ سے قریب تر کرتی ہے۔

اسلام نے دنیوی زندگی گذارنے کے لئے جو صراط مستقیم کی ہدایت کی ہے اس راہ پر چلتے ہوئے حرام چیزوں سے پرہیز کرنا چاہیئے۔ اللہ سے حاجت روائی کے لئے راست بازی اور حلال کمائی بھی ضروری ہے۔ دعا جتنی خشوع و خضوع اور دل کی گہرائی کے ساتھ کی جائے گی اسی قدر قبولیت پائے گی۔ اللہ کی عظمت و کبریائی پر یقین کامل ہونا چاہیئے اللہ ارحم الراحمین ہے وہ اپنے گنہگار بندوں کی بھی دعا قبول

کرتا ہے۔ اچھے اور نیک بندوں کی دعائیں زیادہ اور جلد مقبول ہوتی ہیں لیکن وہ اپنے فضل و کرم سے کسی کو محروم نہیں رکھتا دعا کرنے کا ثواب تو ہر صورت میں ملتا ہے اگر انسان قبولیت دعا کے لئے جلد بازی سے کام نہ لے تو اس کی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ انسان کو رحمت خداوندی سے مایوس ہو کر دعا ترک نہیں کرنا چاہیئے ہم اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کو سمجھنے سے قاصر ہیں دیر سے قبول ہونے کی کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اسی میں اسکی بھلائی ہوتی ہے۔ ہر گنہگار سے مستقل دعا مانگنا چاہیے نہ جانے کون سی گھڑی ایسی ہو جس میں واللہ اس کی سن لے رسول کریمؐ نے فرمایا۔

انسان کی دعا کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ دعا قبول ہونے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں بندہ جس چیز کا طالب ہوتا ہے وہ اسے مل جاتی ہے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مناسب نہیں سمجھتا کہ اس کو وہ مطلوبہ چیز دی جائے تو اس کے بدلے کوئی اور نعمت عطا کی جاتی ہے یا تو اس دعا سے آنے والی بلا کو ٹال دیا جاتا ہے یا پھر اس کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا جاتا ہے۔ بندہ اس راز سے بے خبر ہے یا پھر یہ صورت ہوتی ہے کہ انسان جو دعا کرتا ہے تو خدا اس دنیا میں مطلوبہ شے عطا نہیں دیتا لیکن آخرت کے ثواب میں اس کو حصہ دار بنا دیا جاتا ہے۔ اس لئے دعا کی قبولیت میں انسان کو رنجیدہ اور بے صبر اور شکستہ نہیں ہونا چاہیئے اور نہ مایوس ہو کر دعا ترک کرنی چاہیئے۔

دعا باعث خیر و برکت ہے اس عبادت سے ذہنی اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو مسلمان اپنے کسی مسلمان بھائی کے لئے غائبانہ دعا مانگتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے کہ اچھا دعا ہے جو کچھ اپنے مسلمان بھائی کے لئے مانگتا ہے وہ تجھے بھی ملے گا۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اکرمؐ [illegible] ایک قوم [illegible] بیمار [illegible] کو مصیبت و عذاب میں [illegible] [illegible] آپ نے فرمایا کیا یہ لوگ اللہ سے عافیت کی دعا نہیں مانگا کرتے تھے

دعا کی اہمیت اور فضیلت اس سے بڑھ کر اور کیا ہوگی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور پیغمبران اسلام نے بھی مصیبت و تکلیف میں اللہ سے دعا فرمائی ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں اللہ کو پکارا تھا۔ یہ دعا بے حد موثر ہے اور دعائے ذوالنون کہلاتی ہے۔ حدیث میں ہے لَا يَرُدُّ الْقَضَاءَ إِلَّا الدُّعَاءُ۔ ترجمہ:- دعا قضا و قدر کو بدل ڈالتی ہے۔

رضائے الٰہی اور خوشنودی کے لئے ہم سب کو اجتماعی طور سے بھی دعا کرنی چاہیئے تاکہ ملت اسلامیہ جس آزمائشی دور سے گذر رہی ہے اس میں کامیابی و سرخروئی حاصل ہو اور دنیا میں اسلام سربلند ہے۔ اس دعا کی قبولیت کے لئے ہر مسلمان کو اپنے اعمال کی درستی اور اصلاح کرنا چاہیئے۔

ماہ رمضان المبارک میں پیش آنے والے واقعات

(۱) اسی ماہ مبارک میں رسول اللہ صلعم پر وحی کے اثرات شروع ہوئے اور غار حرا میں نزول قرآن پاک شروع ہوا۔

۲- بعثت کے دسویں سال اسی ماہ مبارک میں آپ کے چچا ابوطالب کا انتقال ہوا اس حادثہ پر رسول اکرم صلعم کو بیحد رنج ہوا تھا۔

۳- ہجرت کے بعد ۱۷ رمضان المبارک کو غزوہ بدر پیش آیا جس میں کافروں کی اس تعداد کو شکست ہوئی اور اللہ تعالیٰ کی کھلی ہوئی نصرت نازل ہوئی۔

۴- اسی ماہ مقدس میں ہر مسلمانوں پر صدقہ فطر واجب ہوا۔

۵- ہجرت کے تیسرے سال اسی ماہ مبارک میں بدر کے شکست خوردہ مشرکین نے تمام قبائل کو مسلمانوں سے جنگ کرنے کی دعوت دی عہد و پیمان کئے اور جنگ کرنے کی تیاری شروع کر دی جس کے نتیجے میں ۷ شوال المکرم کو غزوہ احد پیش آیا۔

۶- ہجرت کے پانچویں سال اسی ماہ مقدس میں غزوہ خندق کی تیاریاں شروع ہوئیں جو ماہ شوال میں پیش آیا اور جس نے مشرکین کی متحدہ سیاست کو پارہ پارہ کر دیا اور کفر کی کمر ٹوٹ گئی۔

۷- ہجرت کے آٹھویں سال اسی رمضان المبارک کو اس فتح کی نعمت سے سرفراز فرمایا جب سے خانہ کعبہ شرک سے پاک ہو گیا اور عرب جوق در جوق دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے

[illegible] (باقی [illegible])

بچوں کے احساسات

مناظر عاشق ہرگانوی
صدر شعبۂ اردو، مارکھم کالج
ہزاری باغ (بہار)

بچے کی عمر جوں جوں بڑھتی ہے، اس کے ماحول میں بھی اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ اسکول پہنچتا ہے تو والدین کے علاوہ استاد بھی اس کی زندگی میں شریک ہو جاتے ہیں۔ بچے کے احساسات اور جذبات کی نشوونما میں ماحول کا بہت حصّہ ہے۔ ماحول کا معمولی سا واقعہ ان کے ذہن پر نقش ہو کر رہ جاتا ہے۔ اگر والدین بچے کے ساتھ ہمدردانہ رویّہ رکھیں اور اس کے ساتھ نرمی اور مروّت سے پیش آئیں تو اس میں بھی نرمی اور ہمدردی کے احساسات ابھرتے ہیں اور وہ والدین کے ساتھ ہمیشہ خندہ پیشانی سے پیش آتا ہے۔ اس کے برعکس اگر والدین بچے کے ساتھ بے جا سختی کا برتاؤ کریں تو وہ ان کی ہر خواہش کو ٹھکرانے کا عادی بن جاتا ہے۔ اور ان کے کسی حکم کی بھی تعمیل نہیں کرتا۔ بچے کے ساتھ ہمیشہ نرمی اور مروّت کا برتاؤ ہی بہتر رہتا ہے۔

والدین کو چاہئے کہ وہ ایک دوسرے سے بھی خوش خلقی اور محبت سے پیش آئیں۔ اخلاق و آداب کا اعلیٰ معیار پیش کریں۔ اگر وہ بچے کے ساتھ غیر شستہ طور طریقے روا رکھیں گے، نرمی اور مروّت کا برتاؤ نہیں کریں گے تو بچے کی شخصیت بھی اسی طرح پروان چڑھے گی۔ اس کا دل گھر سے اچاٹ رہے گا اور وہ باہر کی دنیا میں رہنا پسند کرے گا۔ اساتذہ کا بھی اہم فریضہ یہ ہے کہ وہ بچوں کے ساتھ نرمی اور الفت کا سلوک کریں تاکہ وہ اپنا وقار بھی قائم رکھ سکیں اور بچوں کی بھی دل شکنی نہ ہو۔ بچوں کی تعلیمی کمزوریوں کو دور کرنے کا یہی ایک واحد ذریعہ ہے۔

سخت کلامی اور بے جا نکتہ چینی بعض والدین کی عادت بن جاتی ہے۔ بچے نے جو بات کہی اسے رد کر کے رکھ دیا۔ جو کام اس نے کرنا چاہا اس کی مخالفت کی۔ اس رویے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بچے میں خود اعتمادی مفقود ہو جاتی ہے۔ والدین کا فرض ہے کہ وہ بچوں کے خیالات اور جذبات کی قدر کریں۔ وہ جو کچھ کہیں اسے غور سے سنیں، جو کام کرنے کی آزادی بھی دے دی جائے تو کوئی حرج نہیں تاکہ بچے میں اپنی ذات کا احساس برقرار رہے اور وہ اپنے بل بوتے پر کھڑے ہونے کا عادی بن سکے۔ اگر کبھی کبھار بچوں سے کسی معاملہ میں مشورہ بھی لے لیا جائے تو اس سے بچہ میں خود اعتمادی اور ذمہ داری کا احساس پیدا ہوتا ہے۔

درشتی اور بے جا سختی سے بچے میں احساس کمتری ابھرتا ہے وہ اپنے آپ کو اور لوگوں کے مقابلے میں کمتر اور حقیر خیال کرنے لگتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ احساس کمتری کا بچوں میں پایا جانا ایک فطری امر ہے لیکن کمتری کا شدید احساس ذہنی الجھنوں کا باعث بنتا ہے، جو بچوں کی نشوونما کے لئے مضر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ ہر معاملے میں اپنی ذات کو حقیر خیال کرنے لگتے ہیں۔ اور زندگی کی کش مکش کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔

دوسرے لوگوں کے روبرو بچوں کو برا بھلا کہنا اور انھیں کوسنا بھی احساس کمتری کو دعوت دیتا ہے۔ یہ بات صحیح ہے کہ بچوں میں بعض کمزوریاں ہوتی ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جا سکتا لیکن ایسی کمزوریوں کو دور کرنے کا یہ طریقہ درست نہیں کہ انھیں دوسرے لوگوں کے سامنے منظر عام پر لایا جائے۔ اگر علیحدگی میں ہی بچے کی کمزوریوں کو دور کرنے کی کوشش کی جائے تو بہتر ہے۔ اس کے علاوہ اگر موقع محل دیکھتے ہوئے ان کمزوریوں کو دور کرنے کی تلقین کی جائے تو زیادہ موثر ثابت ہوگی۔ والدین کو اس بات کی بالکل خبر نہیں ہوتی کہ ایسا کرنا بچوں میں کمتری کا شدید احساس ابھارتا ہے اور بسا اوقات بچہ خود سر اور ضدی بن جاتا ہے۔ اور وہ انتقاماً وہی کام کرتا ہے جس کام سے اسے منع کیا جائے۔ تعلیمی لحاظ سے بھی یہ چیز سودمند ہے۔ اگر اساتذہ بھی بچوں کی تعلیمی کمزوریوں کو منظر عام پر لانے اور انھیں دوسرے لوگوں کے روبرو پیش کرنے کی بجائے علیحدگی میں ہی موقع محل کے مطابق اصلاح کر دیا کریں تو زیادہ بہتر ہے۔ بچوں کی حوصلہ افزائی سے ہی ان کی داخلی صلاحیتوں کو ابھارا جا سکتا ہے۔ اگر ہم بچے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتے تو یہ سمجھ لیجئے کہ بچہ کبھی زندگی میں کامیاب نہیں ہوگا۔

افراد کے ساتھ ساتھ گھر کی چار دیواری کا اثر بھی بچے کے احساسات

برگہرا اثر پڑتا ہے۔ مگر خوش قسمتی سے بچے کو پاک صاف اور خوبصورت ماحول میں رہنے کا موقع ملے تو نتیجے میں پاکیزگی اور نفاست پسندی آتی ہے۔ اس کے برعکس اگر بچے کو گندے اور غلیظ قسم کے ماحول سے واسطہ پڑے تو اس میں نفاست اور پاکیزگی کا شائبہ تک بھی نظر نہیں آتا۔ خود والدین کا بھی صاف ستھرا اور خوش پوش ہونا لازمی ہے۔ گھر میں مختلف قسم کی تصاویر آویزاں کی جائیں تو بہتر ہے۔ تاکہ مجموعی طور پر ان چیزوں کا خوش گوار اثر پڑے۔ اسی طرح بچے کے اسکول کے ماحول کا بھی خوبصورت اور دل کش ہونا ضروری ہے۔ اسکول کی خوبصورت عمارت کے علاوہ اس کے اندر صفائی بھی بیحد ضروری ہے۔ اس کے علاوہ خوبصورت اشیاء کی موجودگی بھی لازمی ہے تاکہ بچہ ان تمام چیزوں کے مجموعی اثرات سے متاثر ہو اور اس میں نفاست اور خوبصورتی کا شوق پیدا ہو۔

عمر کے بڑھنے کے ساتھ ماحول کی وساطت سے بچے کے احساسات بڑھتے پھولتے ہیں اور شخصیت بھی پروان چڑھتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ بہتر تعمیر میں والدین اور استاد کا بہت بڑا حصہ ہے۔ اگر والدین اور استاد احساسات کی آزمائش سے بچوں کے حسی تفاوت کا پتہ چلائیں تو یہ بہت بڑا کام ہو، کیونکہ یہ بات مسلم ہے کہ احساسات کے لحاظ سے بچے مختلف ہوتے ہیں۔ مثلاً بعض بچے رنگوں میں بڑی دلچسپی لیتے ہیں اور مختلف رنگوں میں بہ آسانی تمیز کر سکتے ہیں یہاں تک کہ وہ ایک رنگ کے کم و بیش فرق کا بھی پتہ چلا لیتے ہیں۔ اسی طرح بعض بچوں کی حس شامہ اتنی اچھی ہوتی ہے کہ وہ اچھی اور بری خوشبو کی بہ آسانی تمیز کر سکتے ہیں، تعلیمی لحاظ سے ان کا یہ تفاوت اہم اور مفید ہے۔ ایک بچہ جو رنگوں میں بہ آسانی تمیز کر سکتا ہے عین ممکن ہے کہ اس میں ایک مصور یا نقاش بننے کی قدرتی صلاحیت موجود ہو۔ اگر والدین اور استاد بچے کے اس احساس کو زیادہ قوی کر دیں تو کوئی عجب نہیں کہ وہ ایک اعلیٰ [illegible] اور مصور ثابت ہو۔ اسی طرح جس بچے کی قوت سامعہ اچھی ہو تو اس کو مختلف قسم کے [illegible]وں کے زیر و بم سمجھانا اور سکھانے کا ماہر بنا دینا کوئی زیادہ مشکل کام نہیں

چونکہ علم کی بنیاد ان احساسات پر منحصر ہے یہی وجہ ہے کہ بعض ماہرین تعلیم، تعلیم و تدریس کے سلسلے میں احساسات پر زور دیتے ہیں۔

پرچہ نہ ملنے کی شکایت ۲۰ تاریخ کے بعد اور ۳۰ سے پہلے لکھیں۔ ۳۰ سے پہلے کی شکایتوں پر غور نہیں کیا جاتا اس لئے کہ محکمہ ڈاک اب بالکل آزاد ہو گیا ہے۔

لڑکی کا دل

فرخندہ شمیم

وہ کلاس روم سے باہر نکلی تو لان میں پھیلے گلابوں کے کنج میں دوستوں کا گروپ حسب معمول چہلوں میں مصروف تھا۔ وہی فلک شگاف قہقہے۔ وہی لن ترانیاں۔ سونیا پریشان سی ہو گئی "یا اللہ کیا ان لوگوں کو حلق پھاڑ پھاڑ کر ہنسنے کے سوا اور کوئی کام نہیں یا پھر قسمت ان کے لئے خوشیاں تھالی میں لئے کھڑی رہتی ہے۔ اس کے چہرے پر موہوم سا دکھ پھیل گیا۔ اسے اپنی ماں یاد آ گئی جو چھوٹی بہن کی اٹکھیلیاں دیکھ کر کہتی ہے۔ یہی تو عمر طوفان ڈھانے کی ہے بچیاں اس عمر میں اچھل کود نہ کریں تو کیا قبر کے کنارے جاکر کریں۔ وہ ماں کے الفاظ سن کر چپ ہو جاتی۔ ذہن اپنے آپ میں بھٹکنے لگتا "میں بھی تو ایک لڑکی ہوں۔ ایک عام سی جذباتی لڑکی میری بھی تو یہ عمر طوفان خیز ہے۔ پھر کیا بات ہے کہ کبھی بھولے سے بھی ننھی ننھی تمناؤں کی جبر اندر خوشیوں کے غنچے کبھی کھلنے کی ضد نہیں کرتے۔ ادھر ماں بھی مجھے نہیں ٹوکتیں کہ میں اتنی خاموش کیوں رہتی ہوں۔ وہ تو اپنی ہر ملنے والی سے یہی کہتی ہے کہ میری سونیا لاکھوں میں ایک ہے نہ آج کل کی لڑکیوں جیسے چھل بل اور نہ ان جیسی طراری ہے اس میں میری بیٹی جس گھر جائے گی اسے چار چاند لگا دے گی۔

ماں کے یہ الفاظ اسے خود بخود شبستان تصور میں لے جاتے اور وہ سوچنے لگتی "میں بھی ایک دوسرے گھر جاؤں گی بہت سی دوسری لڑکیوں کی طرح میری اپنی ایک راجدھانی ہوگی جس کی واحد ملکہ میں خود ہوں گی۔ خود مختاری کا ایک لطیف سا احساس اس کی رگوں میں دوڑ گیا وہ آپ ہی آپ مسکرا دی اور شریر ہرنی کی طرح قلانچیں بھرتی اپنے گروپ سے جا ملی جہاں چنچل لڑکیاں موسم کا پورا پورا لطف اٹھا رہی تھیں وہ نسرین کے پہلو میں آ بیٹھی جو شاہی کو اس کے ہینڈسم منگیتر کے نام سے بار بار چھیڑ رہی تھی "جی تو شاہی جاد صاحب "آپ کے" وہ "کیسے ہیں۔" نسرین نے غالباً پندرہویں بار شاہی کے چٹکی لی۔

"بہت اچھے۔ بہت ہی اچھے" وہ بھی بدذاتی سے ہنس دی۔

"اللہ مبارک کرے" نسرین نے بوڑھوں کی طرح دعا دی۔

تبھی یہ پورا گروپ گلا پھاڑ کر ہنس دیا جس میں شاہی کا قہقہہ سب سے نمایاں تھا۔ سونیا جانے کیوں حیران سی رہ گئی۔

"تم نے شاہی کو مبارکباد نہیں چپ چاپ سی کیوں ہو یار کبھی تو کچھ بول لیا کرو" واثقی نے اس کے شانے پر ہاتھ مارا تو وہ چونک پڑی۔

"کبھی سونیا حمید تم اتنی سنجیدہ رہیں تو وہ بھی تمہاری منگنی پر ممیں کانگریچولیٹ نہیں کرے گی۔" رافعی نے جیسے اسے متوجہ کیا۔ وہ خفیف سی ہو گئی۔

"نہیں ایسی تو کوئی بات نہیں" اس نے بمشکل کہا۔

"ارے ہاں سونیا تمہاری منگنی تو ابھی نہیں ہوئی نا" نسرین نے اچانک پوچھا۔

"نہیں" وہ بارہویں صدی کی کسی لڑکی کی طرح شرما گئی۔

"اور ہوگی بھی نہیں" ناہید نے بڑی بے رحمی سے فقرہ پھینکا۔

"کیوں؟" سونیا کے ساتھ ہی ارم بھی جیسے تڑپ گئی تھی۔

"وجہ ظاہر ہے" ناہید نے بڑی ڈھٹائی سے کہا "سونیا بیگم جیسی محترمہ جس گھر جائیں گی وہاں قبر کی سی خاموشی چھا جائے گی" وہ بلاتامل کہہ گئی۔

"چھوڑو یار۔ کیوں بھولی بھالی لڑکی کو ستا رہی ہو" نغمہ نے ہمدردی کی اداکاری کی۔

"ویسے سونیا تمہارے لئے شادی کے پیام تو آتے رہتے ہوں گے" شگفتہ نے دوستوں کی طرف آنکھ دباتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں ابھی نہیں۔ وہ طرار لڑکی کے طنز کو محسوس کئے بغیر بڑی سچائی سے کہہ گئی۔

"ابھی اس کی عمر ہی کیا ہے" غازیہ نے ہانک لگائی۔

"لیکن ہمارے بیچ والوں تو بچپن ہی میں آنا شروع ہو گئے تھے" ارم اٹھلا کر بولی۔

"تمہارے تو آنے ہی کے صورت جو اتنی ہوشربا ہے۔ نسرین نے جل کر اعتراف کیا۔

"تم میری صورت سے جلتی کیوں ہو۔ ارم اداسے بولی۔

اس لئے کہ جن کی اپنی صورت بری ہو وہ اچھی صورت سے حسد کرتے ہیں۔ ناہیدہ کا واضح اشارہ سونیا کی طرف تھا۔ [illegible] سے اڑ گئی۔ آئینہ دل جسے برسوں سے سینت سینت کر رکھا تھا۔ ایک ہی ساعت میں چکنا چور ہو گیا۔ اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔ کیا میں بدصورت ہوں؟ اس کے ذہن میں سوال ابھرا "نہیں نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا۔ امی اور خالہ بیگم بارہا میری صورت کی تعریف کر چکی ہیں۔ پروفیسر شکیلہ نے ایک بار مجھے عنابی سوٹ میں دیکھ کر بڑا پرستائش جائزہ لیا تھا۔ اور پھر ایک مرتبہ تو پھوپھی زاد ندیم نے بھی میری گہری سیاہ آنکھوں کی تعریف کی تھی۔ پھر بھلا میں کیسے بدصورت ہو سکتی ہوں۔ وہ اپنے آپ سے لڑنے لگی۔

"تو بھئی سونیا بیگم تو گئیں کام سے" نگہت نے اس کے خوابیدہ سراپے پر تمسخرانہ نگاہ ڈالی۔ اور وہ سب ہنستی ہوئی کیفے ٹیریا کی طرف بھاگ گئیں۔ ان سب کے جاتے ہی سلیم نے اس کے خوب لتے لیا کہ وہ اتنی چنٹ لڑکیوں کے درمیان ننکو کیوں بن جاتی ہے حالانکہ اس میں ایک اچھی شخصیت کی تمام خوبیاں یکجا ہیں۔ وہ ایک ذہین طالبہ ہے اس کا لباس نفیس اور اطوار مہذبانہ ہیں۔ وہ قبول صورت بھی ہے۔ رنگت سانولی ہے تو کیا ہوا نقش کتنے تیکھے اور جاذب نظر ہیں۔

"تو پھر لڑکیاں مجھے دیکھ کر ہنستی کیوں ہیں؟" وہ روہانسی ہو گئی۔

اس لئے کہ تم ایک غیر حاضر دماغ اور فلسفی قسم کی لڑکی نظر آتی ہو اور آج کل کی طرار لڑکیاں تم جیسوں کو بے وقوف سمجھتی ہیں" سلیم نے اسے سمجھایا۔

"اور ہاں یہ جو بوائے فرینڈز کی بات ہے نا، اس میں بھی ننانوے فیصد جھوٹ کا دخل ہے۔ تم جانتی ہو کہ یہ لڑکیاں جو ہر اور بے شمار ڈاکٹرز، پروفیسرز اور پائلٹس کا ذکر کرتی ہیں سراسر گپ ہے۔

"گپ ہے" سونیا نے چونک کر دہرایا۔

اور کیا لڑکیاں صرف اپنی اہمیت جتانے اور خود کو تسلی دینے کے لئے ایسے من گھڑت افسانے سنایا کرتے ہیں یہ ان لڑکیوں کا کام ہے جن کا حقیقی دنیا سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ سلیم کی بات میں بڑا وزن تھا۔

تو کیا ان سے مرعوب نہ ہوا جائے؟" سونیا نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہرگز نہیں۔ ایسی لڑکیوں کی لن ترانیاں سے متاثر ہو کر اپنی شخصیت کو بگاڑ ڈالنا نہایت کم عقلی ہے۔ اپنی ذات اور کردار پر بھروسہ رکھو۔ دیکھتی نہیں رشیدہ ہمدانی جیسی بے حد کم صورت لڑکی محض اپنی قوت ارادی کے بل پر مستحکم نظر آتی ہے" سلیم نے اسے بتایا۔ وہ خاموشی سے سب کچھ سنتی رہی اور پھر کچھ دیر بعد جب دونوں گھنٹی کی آواز سن کر الٹیں تو [illegible] سونیا کی بے حد ہلکی پھلکی سی تھی۔

اس جلتی دوپہر میں جب وہ کالج سے گھر لوٹی تو چند اجنبی چہروں کو دیکھ کر ٹھٹھک گئی۔ یہ چند بارعب خواتین تھیں جو بیش قیمت ملبوسات میں لپٹی بیٹھی تھیں۔ "یا اللہ ہمارے چھوٹے سے گھر میں اتنے بڑے لوگ" وہ بھول سی گئی تبھی ایک باوقار سی خاتون نے بڑے ناقدانہ انداز سے اس کا جائزہ لیا وہ پوری کی پوری جان سے کانپ گئی سلونی رنگت خوف کے مارے کچھ اور سانولا گئی۔ وہ جلدی سے آگے بڑھ گئی۔ دالان میں [illegible] نے اس کی کتابیں لیں اور اسے کچن میں دھکیل دیا۔ وہ کانپتے ہاتھوں سے سامان تیار کرنے لگی کچھ دیر بعد جب سب کام ہو گیا تو اس [illegible] بہن اٹھلاتی ہوئی چائے کے لوازمات میز پر لگانے لگی۔ آج وہ بلا کی دلکش نظر آ رہی تھی چمپئی رنگت پر شفون کی لال بوٹی بکھری پڑ رہی تھی جیسے دھوپ پر شبنم اندیلی [illegible] سونیا حیران رہ گئی۔ واقعی فرح بہت حسین ہے۔ اس نے سوچا۔

چائے کے بعد مہمان خواتین رخصت ہو گئیں اور وہ یہی سوچتی رہ گئی کہ وہ عورتیں کیوں آئی تھیں۔ کیا مجھے دیکھنے کیا میرا رشتہ مانگنے نہیں ایسا نہیں ہوا۔ اس سے پہلے بھی کبھی ایسا نہیں ہوا پھر آج کیسے ہو سکتا ہے؟ اس نے خود سے جرح کی اور بھیگی پلکوں کے ساتھ اوپر پڑھنے کو چل دی۔ ابھی دہلیز تک ہی پہنچی تھی کہ فرح کی آواز سن کر رک گئی۔ وہ منڈیر پر کسی پڑوسی لڑکی سے باتیں کر رہی تھی "ارے سنیا [illegible] وہ لوگ باجی کو دیکھنے تھوڑی آئی تھیں۔ وہ تو میرا رشتہ مانگ رہی تھیں" فرح کے انداز میں ذرہ بھر بھی لگاوٹ نہیں تھی۔ دہلیز پر کھڑی سونیا نے یہ آخری فقرہ سنا تو وہ سن ہو کر رہ گئی۔ نرگسیت گھٹا دن کی طرح ٹوٹ کر آ برسی۔ کیا اس گھر میں میرا کوئی مقام نہیں۔ کیا تمام خوشیاں کاتب تقدیر نے میرے علاوہ ہر ایک کے لئے لکھ رکھی ہیں کیا میں کوئی بے حیثیت چیز ہوں جس پر کسی کی توجہ نہیں کیا اس دنیا میں میرا کوئی۔

طلب گار نہیں کیا کسی انسان کو میری ضرورت نہیں ؟؟ وہ چکرانے لگا۔ سوچتے سوچتے دماغ ماؤف ہو گیا۔ ذہن دھیرے دھیرے تاریکی میں ڈوبنے لگا وہ کائنات اور اس کے ہر قوع سے بے نیاز ہوتی گئی اور پھر یکایک ایک دھکے کے ساتھ پختہ فرش پر آ گری دو گھنٹے گزر گئے کسی کو اس واقعہ کی خبر نہ ہوئی کچھ دیر بعد جب بھائی میاں کسی کام سے ادھر گئے تو اسے بے دم سا پڑا دیکھ کے بوکھلا گئے۔ انھوں نے زور زور سے واویلا مچایا اور آن واحد میں گھر میں ہنگامہ بپا ہو گیا۔ "سونیا کو کیا ہوا۔ سونیا کو کیا ہوا۔ سب کے لبوں پر ایک ہی سوال تھا فی الفور ڈاکٹر کو بلایا گیا جس نے تفتیش کے بعد بتایا کہ اسے کوئی بڑا ذہنی صدمہ پہنچا ہے۔ کوئی ناخوشگوار واقعہ اسے مضطرب کر گیا ہے۔ گھر والے حیران تھے کہ آخر کیا بات ہوئی جو اتنی حوصلہ مند لڑکی کو منتشر کر گئی ہے ؟۔ ڈیڑھ گھنٹہ گزر گیا۔ ڈاکٹر سمیت سبھی اس کے ہوش میں آنے کے منتظر تھے۔ بہت دیر بعد اس کے ذہن میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔ دھیرے دھیرے ہوش میں آتے ہوئے اس نے ڈاکٹر کی پرشفقت آواز سنی۔

"آپ کی بچی تنہائیوں کا شکار ہے بی بی۔ آپ اس کی شادی کیوں نہیں کر دیتیں ؟ ڈاکٹر نے پوچھا۔

ابھی پڑھ رہی ہے ڈاکٹر۔ رشتے تو بے حساب آ رہے ہیں سب ہی اس کی معصومیت اور سادگی کو پسند کرتے ہیں لیکن اس کے ابا ابھی صرف اسے پڑھانا چاہتے ہیں اسکالئے میں نے اسے ایسی باتوں سے دور رکھا ہے یہاں تک کہ اسے کبھی یہ تک نہیں بتایا کہ لوگ اسے دیکھنے کے لیے آنے والے ہیں "۔ ماں جانے اور کیا کچھ کہتی رہی لیکن وہ تو بس اسی قدر سن کر پھر سے جی اٹھی اس کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور اس نے بڑے ارمان سے بند پلکیں پٹ سے کھول دیں۔

عفت موہانی

کا مشہور اور پسندیدہ ناول جو عرصہ سے ختم تھا دوبارہ شائع ہو گیا ہے۔

آخری تحفہ

قیمت۔ چودہ روپیہ

لطیفے

• ریہرسل کا آخری دن تھا۔ اگلے روز سے ڈرامہ تماشائیوں کے سامنے پیش کیا جانے والا تھا۔ ریہرسل ختم ہونے کے بعد ڈائریکٹر نے ایک اداکار کو بلایا جس نے اپنا رول بہت خراب کیا تھا اور کہا۔ میں نے ڈرامہ میں کچھ ترمیم کی ہے۔ کل سے تم پہلے ہی ایکٹ میں مر جاؤ گے۔

کیوں ؟ اداکار نے حیرت سے پوچھا۔

اس میں تمہاری بھلائی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ تمہیں بعد میں تماشائیوں کے ہاتھوں جان دینی پڑے۔

• ایک شخص کتابوں کی دکان میں داخل ہوا اور کتب فروش سے بولا !

پانچ سال پرانے رسالے ہوں گے آپ کے پاس ؟

جی ہاں ! مل جائیں گے۔ کیا آپ کو کسی خاص مضمون کی تلاش ہے ؟

نہیں۔ میں نے اس سال ایم، بی، بی، ایس کیا ہے اور اپنا کلینک کھول رہا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ ویٹنگ روم میں بیٹھے ہوئے مریض مجھے نیا ڈاکٹر سمجھیں۔

• ایک امیر آدمی جو بہت کنجوس تھا۔ جب وہ مرنے کے قریب تھا تو اس کے نوکر نے کہا کہ آپ تو مر رہے ہیں اس لئے خدا کی راہ میں کچھ دیتے جائیں۔

امیر آدمی نے آنکھیں کھولیں اور اپنے نوکر پر گرجتے ہوئے بولا۔ جان تو دے رہا ہوں اب اور کیا دوں ؟

• ایک مرتبہ معروف شعلہ بیان مقرر لارڈ جارج تقریر کر رہے تھے کہ یکایک پنڈال کے باہر گدھے کے ہینکنے کی منحوس آواز سنائی دی۔ لارڈ جارج نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور تقریر جاری رکھی۔ اتنی دیر میں پچھلی صفوں سے آواز آئی "ون ایٹ اے ٹائم پلیز !"

(ایک وقت میں ایک، جناب)

نکہت شاہجہانپوری کا نیا ناول

کنوارا دامن۔ نیا رنگ۔ نیا پلاٹ۔ نیا انداز۔ قیمت نو روپیہ

گھی ایک دوست نما دشمن

حکیم انور سعید قریشی

اللہ جانے وہ کون سا عیار گھی فروش تھا جس نے گھی کی فروخت کو بڑھانے کے لئے یہ مقولہ ایجاد کیا گھی سنوارے سالن اور بڑی بہو کا نام اب حال ہر گھر کا یہ ہے کہ گھی آیا نہیں۔ اور کسی بڑی بہو کے رتبے چڑھا نہیں اور کھانا کے سے ختم ہوا نہیں۔ لیکن بڑی بہو کے عہدہ جلیلہ پر فائز ہونے کی خواہش مند بہوؤں کو چاہئے کہ مندرجہ ذیل باتوں پر ضرور غور کریں۔ گھی اور تمام روغنی اجزا کی اصل بنیاد کاربن ہے جو جسم میں جل کر قوت اور حرارت پیدا کرتی ہے۔ فاضل حرارت چربی میں تبدیل ہو کر جسم کے مختلف حصوں میں جمع رہتی ہے اور اس چربی کے جمع ہونے سے جسم کے وزن میں بتدریج اضافہ ہوتا رہتا ہے اس اضافی چربی میں فی پونڈ وزن کے حساب سے کئی سو فٹ نئی رگیں (خون کی رگیں) دوران خون کے نظام کو پیدا کرنی پڑتی ہیں نئی رگوں کی پیدائش سے دل پر کام کا بوجھ بڑھتا چلا جاتا ہے۔ گویا جتنے پونڈ وزن کا جسم میں اضافہ ہوگا۔ اسی کے حساب سے خون کی ہزاروں فیٹ رگیں بڑھیں گی اور اسی قدر دل کو زیادہ قوت سے خون دھکیلنا پڑے گا۔ ایک اندازے کے مطابق ہر عمر یا قد و قامت کا جو وزن ان کے حساب سے مقرر ہے اس میں ہر دو کیلوگرام وزن کا اضافہ زندگی کا ایک سال کم کرنے کا باعث بنتا ہے یقیناً یہ ایک تشویش ناک بات ہے۔

شہری زندگی میں ذرائع آمد و رفت کی آسانیوں اور دیگر سہولتوں کی بنا پر جسمانی ورزش کے مواقع بہت کم ملتے ہیں۔ اس لئے دفتری اور کاروباری لوگوں کی غذا میں روغنیات کی مقدار ایک جسمانی مشقت کرنے والے آدمی کی نسبت کم ہونی چاہیئے۔ اسی طرح سردی کے موسم کی نسبت گرمیوں میں چکنائی کی ضرورت کم ہوتی ہے۔

روغنیات اور چکنائی کی کثرت خصوصاً سردی سے جم جانے والے روغنیات خون میں کولسٹرول کا اضافہ کرتے ہیں۔ خون کو گاڑھا کرتے ہیں۔ خون کی رگوں میں سختی پیدا ہو جاتی ہے جس سے خون کا دباؤ بڑھ جاتا ہے اور قلب پر بوجھ پڑتا ہے۔ بعض اوقات خون کے منجمد لوتھڑے چھوٹی رگوں میں پھنس کر مختلف خرابیوں کا باعث بنتے ہیں۔ اگر اسی قسم کا کوئی لوتھڑا دل کی پرورش کرنے والی رگوں میں پھنس جائے تو درد دل کا شدید اور جان لیوا دورہ پڑ سکتا ہے۔ اگر ایسا ہی کوئی خون کا منجمد لوتھڑا دماغ کی رگوں میں اٹک جائے یا رگ کے پھٹنے کا موجب بن جائے تو فالج واقع ہو سکتا ہے۔

ہم جس قدر چکنائی روزمرہ غذا میں استعمال کرتے ہیں اس کا تین چوتھائی حصہ غیر ہضم شدہ حالت میں اجابت کے ساتھ خارج ہو جاتا ہے روغنی اجزا کی زیادتی نہ صرف بدہضمی بلکہ بے شمار بیماریوں کا باعث بن جاتی ہے مثلاً بھوک کی کمی۔ پیٹ کا اپھارہ۔ سینہ کی جلن۔ معدہ میں تیزابیت کی زیادتی۔ معدہ کی سوزش یا زخم معدہ۔ جگر کی خرابی۔ پتے کی پتھری۔ یرقان۔ خون کی کمی۔ خون کی رگوں میں سختی۔ خون کے دباؤ میں زیادتی خون کا رگوں میں جم جانا اور دورۂ قلب اس طرح غذا میں روغنیات کی زیادتی روزمرہ کی زندگی کے معمولات میں رکاوٹ اور تکلیف کا باعث بن جاتی ہے۔ روغنیات کی زیادتی سے بچے غبی (کند ذہن) ہو جاتے ہیں۔ تعلیم اور کھیلوں میں پیچھے رہ جاتے ہیں۔ دست۔ نزلہ زکام۔ گلے کے ورم۔ پیٹ کے کیڑوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وزن بڑھ جانے سے بے ڈھنگے اور بد وضع ہو جاتے ہیں اور صحیح نشو و نما حاصل نہیں کر سکتے۔

عورتوں میں مذکورہ امراض اور تکالیف پیدا ہونے کے علاوہ ان کا جسمانی تناسب بری طرح سے متاثر ہوتا ہے جسم بد وضع اور بھدا ہو جاتا ہے پیٹ بڑھ جاتا ہے جسم بد وضع ہو جاتا ہے، قوت برداشت جواب دے جاتی ہے سینہ کی جلن۔ بھوک کی کمی۔ سستی۔ کاہلی۔ گھریلو کام کاج سے جلد تکان محسوس کرتا۔ سانس کا پھولنا۔ دل کی تیز دھڑکن اس قسم کی شکایات کے علاوہ بانجھ پن بھی پیدا ہوتا ہے۔ اکثر عورتیں بوجہ چربی کی زیادتی کے اولاد سے محروم ہو جاتی ہیں۔

آپ سے کیا پردہ

ارشاد احمد خاں

تبصرہ نگاری کے سلسلہ میں ہمارا ہمیشہ یہ اصول رہا ہے کہ غیروں سے دو اور احباب سے کتاب کی تین جلدیں منگاتے ہیں لیکن اس کے باوجود تبصرہ کرکے نہیں دیتے کیونکہ تینوں جلدیں ایک ایک کرکے بیوی کی سہیلیاں اور ہماری "کزن" لے جاتی ہیں اور جب یہ کتابیں مختلف ہاتھوں سے گذرنے کے بعد ہم تک پہنچتی ہیں تو ان میں تبصرہ کرنے کیلئے کچھ باقی نہیں بچتا۔ البتہ ہمیں صرف ایک بار صحیح سالم کتاب واپس ملی، ہم اس پر بھی تبصرہ نہ کرسکے۔ کیونکہ گرد پوش میں کوئی دوسری کتاب چھپی ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ ہمیں جو آدھی اور پوری کتابیں ملیں ان پر تبصرہ اس لئے نہیں ہو سکا کہ کتاب کی بجائے باذوق خواتین پر تبصرہ ہونے لگتا، مثال کے طور پر ایک صاف ستھری کتاب پر سالن کے تیکھے تیکھے نقوش ابھرے دیکھ کر ہم نے یہ تبصرہ کیا تھا "خاتون ڈنر اور مطالعہ ایک ساتھ کرتی ہیں" اسی طرح ایک کتاب کا کونا دانتوں سے کٹا دیکھ کر ہم نے کہا تھا "یہ کتاب ناشتے کی میز پر بطور مکھن ٹوسٹ کھائی گئی ہے" ایک روپے کا نوٹ برآمد ہوا تو ہم یہ کہنے میں حق بجانب تھے کہ اسے پڑھا کم اور بطور پرس زیادہ استعمال کیا گیا ہے۔"

ہمیں بیوی کی سہیلیوں سے کچھ ایسی کتابیں بھی واپس ملیں جن کی چند روز میں جنس تبدیل ہو گئی تھی، مثال کے طور پر ہمیں تبصرے کے لئے ایک ضخیم ناول موصول ہوا تھا لیکن جب واپس آیا تو وہ ناول کم اور نئے سال کی ڈائری زیادہ نظر آرہا تھا کیونکہ اس کے گرد پوش پر موصوفہ نے دھوبی کے کپڑوں سے لے کر روزانہ خرچ کا حساب تک بڑی تفصیل سے درج کیا تھا۔

لیکن گذشتہ دنوں ہماری نظر سے کتابوں کے علاوہ کچھ ایسے ملبوسات بھی گذرے جن پر فیشن کی زبان میں برائے تبصرہ درج تھا، مثال کے طور پر ہم نے نرسری کمرشیل ایریا کے فیشن اسٹال پر ایک ایسا بیل باٹم پاجامہ رواں دواں دیکھا۔ جس کی موریاں تو حسن زمانہ پھیلی ہوئی تھیں لیکن پائنچوں کے بعد یہ عالم تھا۔ جیسے بندوق کی دو نالیوں میں کسی نے غرارے کے پائنچے سی دیئے ہوں۔ اس لباس کو ناقدین نے دور جدید کا شاہکار قرار دیا ہے، لیکن ملبوسات کی قدیم تاریخ پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اب سے کئی سو برس پہلے اس قسم کے ملبوسات صرف جوکر پہنا کرتے تھے۔ لیکن جب سے اس پاجامے کو مہذب اور تعلیم یافتہ خواتین نے زینت بخشی ہے اس کا وقار اس حد تک بلند ہو گیا ہے کہ اگر نوشکی کا کوئی جوکر اسے پہن کر سامنے آجائے تو بے اختیار اس کا احترام کرنے کو جی چاہتا ہے۔

ان دنوں کچھ ایسے پاجامے بھی دیکھے گئے جنھیں عرف عام میں پی۔ آئی۔ اے کٹ کہا جاتا ہے۔ حالانکہ یہ لباس بھی اس زمانے کی ایجاد ہے۔ جب انسان نے اڑنا تک نہیں سیکھا تھا، البتہ اس دور میں ایسے پاجامے سڈول پنڈلیوں کو پہنائے جاتے تھے۔ لیکن آج کل یہ امتیاز نہیں برتا جاتا۔ اب چست پاجامے کے لئے سڈول کیا سرے سے پنڈلیوں کی بھی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ بقول ہمارے دوست فرقان کے "اب گیارہ کا ہندسہ بھی چست پاجامہ پہننے لگا ہے"

شلوار کی موریوں کی تلون مزاجی پر ہمیں اعتراض نہیں۔ کیونکہ کراچی کے موسم، محبوب کے مزاج اور شلوار کی موریوں پر ہم اعتماد نہیں کرتے۔ البتہ ان شلواروں کو دیکھ کر الف لیلیٰ کا زمانہ یاد آجاتا ہے بعض اوقات تو کچھ یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم علی بابا کے محل سرا میں گھوم رہے ہیں۔

پچھلے دنوں ایک تقریب میں ایسی خاتون دیکھی گئیں جن کے بارے میں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ انھوں نے ساڑھی پہنی ہے یا ساڑھی نے انھیں پہن رکھا ہے۔ اگر ساڑھی نے انھیں پہن رکھا تھا تو ساڑھی سے خاتون کو یہ گلہ کرنا چاہئے تھا۔ کہ اس نے انھیں سلیقے سے کیوں نہیں پہنا۔ ہمیں خواتین کے بیل باٹم پاجاموں پر بھی اعتراض نہیں۔ اس لئے بھی کہ مرد بیل باٹم تلیں رکھ سکتے ہیں تو خواتین بیل باٹم پاجامے کیوں نہ پہنیں۔ البتہ یہ ڈرم باٹم پاجامے صرف اس صورت میں بھلے معلوم ہوتے ہیں جب انھیں ڈرم زیب تن کریں۔ ان ڈیزائنوں پر بھی معترض نہیں جو ان دنوں عورتوں کے حلقے میں زیادہ مقبول ہیں لیکن بیل باٹم سوٹ کے لئے کپڑے کا انتخاب کرتے وقت اس واقعہ کو ضرور ملحوظ رکھنا چاہیئے جو کچھ یوں ہے کہ ایک دوست سونے سے پہلے بستر پر دراز ہو گئے۔

پوچھا "کیا بہت تھک گئے ہو"

فرمایا "نہیں"

وضاحت چاہی "پھر کپڑے کیوں تبدیل نہیں کرتے"

جواب ملا "کس طرح کروں، بیگم میرا سلیپنگ سوٹ پہن کر پارٹی میں چلی گئی ہیں"

ہمارے یہ دوست تھوڑے سے دقیانوسی ہیں، ورنہ آج کل اگر شوہر کا سلیپنگ سوٹ پہن کر بیگم پارٹی میں چلی جائیں تو انتقامی کاروائی کے طور پر بیگم کی فرسٹ پہن کر شوہر بھی شاپنگ کے لئے جا سکتے ہیں، بلکہ ان دنوں تو کچھ زیادہ ہی انتقامی کاروائی ہو رہی ہے کیونکہ ہمیں بے شمار مرد حضرات کی ایسی بوشرٹیں پہنے نظر آئے جو یقیناً ان کی بیگمات کی ہوں گی۔ مرد کتنا ہی چنچل اور وحید مراد کیوں نہ ہو لیکن ملبوسات کے انتخاب میں نسوانی کے کچھ نہ کچھ جوہر ضرور دکھاتا ہے۔

رنگ اور ڈیزائن کے سلسلے میں خواتین کی پسند کیا ہے۔ اس بارے میں اس کے سوا کچھ اور نہیں کہا جا سکتا کہ "پسند اپنی اپنی رنگ اپنا اپنا" البتہ پچھلے دنوں بازار سے گزرتے ہوئے ہمارے ایک دوست نے سرد آہ بھری، سبب پوچھا، تو ایک خاتون کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولے "افسوس بھی سے بوڑھی ہو رہی ہیں"

وضاحت کہا "آپ نے کیسے پہچانا"

برملا بولے "شوخ رنگ کے ملبوسات خریدتے دیکھ کر"

فیشن کی بات آئی ہے تو کچھ احوال زلفوں کا بھی ملاحظہ ہو!

ایک زمانے میں زلفیں اتنی لمبی ہوتی تھیں کہ باذوق حضرات زلفوں کی چھاؤں میں بیٹھتے بلکہ پکنک مناتے تھے جس کی تصدیق قدیم کہانی کے اس جملے سے بھی ہوتی ہے "اکبری کی زلفوں کی چھاؤں اتنی ٹھنڈی تھی جیسے برگد کے درخت کا سایہ" ان دنوں ایسی سایہ دار گھنی زلفیں کہیں دستیاب نہیں، البتہ سائے کے شائقین کو ہم نے زلفوں کی دھوپ کھاتے ضرور دیکھا ہے اور وہ اس لئے کہ زلفیں غائب ہو چکی ہیں صرف تکلف باقی رہ گیا ہے۔ شعرائے کرام کو اگر زلفوں کے موضوع پر کوئی شعر کہنا ہوتا ہے تو وہ چغتائی کے شاہکار یا عمر خیام بالتصویر کا مطالعہ کرتے ہیں۔

بالوں کے اس فیشن کو ہم نے اس لئے پسند کیا تھا کہ اس میں وگ استعمال کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ کیسی ہی کم گیسو خاتون کیوں نہ ہوں لیکن چند یا پانچ بال ضرور ہوتے ہیں جنھیں سنوار کر گھنی گیسو والے جا سکتے ہیں لیکن گذشتہ دنوں ہم نے ایک خاتون کو بھری محفل میں پریشان دیکھ کر سبب پوچھا تو پتہ چلا کہ ان کی وگ گر گئی ہے۔ یہ وگ ملی تو یہ دیکھ کر مزید حیران ہوئے کہ وہ اپنی دراز زلفوں کو چھپانے کے لئے چھوٹی سی وگ استعمال کرتی ہیں۔

ہاں صاحب آج بات ہو رہی تھی "نئے فیشن کے ملبوسات پر تبصرے کی" اور ہم محترمہ ناز رحمٰن صاحبہ سے یہ گلہ کرنا چاہتے تھے کہ انھوں نے نئے فیشن کے ملبوسات پر اچھا خاصا طویل تبصرہ اخبار خواتین میں لکھ دیا۔ جو تبصرہ نگاری کی صریح خلاف ورزی ہے۔ کیونکہ جب تبصرے کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہوتا ہے تو آخر ملبوسات پر تبصرے کے لئے انھوں نے دو جوڑے کیوں نہیں منگائے؟ جب ہم اپنی الماری تبصرے کے لئے آئی ہوئی کتابوں سے بھر سکتے ہیں تو آخر محترمہ ناز رحمٰن صاحبہ کی الماری میں رنگ برنگے جوڑے کیوں نہ ہوں۔

درونِ خانہ سے بیرونِ خانہ تک

"چادر مردہ باد"

الحاج برق آسیتانوی

ہمیں یہ جان کر مسرت ہوئی کہ ہمارے پڑوسی ملک میں خواتین کے لئے چادر کا استعمال لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔ مسرت اس لئے ہوئی کہ ہم ادھر برقعہ کا ماتم کر رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت چادر کی صورت میں نازل ہو گئی۔ لیکن یہ مسئلہ تشنہ رہ گیا ہے کہ چادر کا سائز کیا ہوگا کیونکہ جب تک سائز کی صراحت نہ کی جائے ہمیں دراصل چادر اوڑھنے کی پابندی کے مفید نتائج کی توقع نہیں کی جا سکتی۔ چونکہ آئے دن ہر شے کا سائز گھٹتا جا رہا ہے اس لئے چادر کے سائز کی صراحت ضروری ہے۔ مثال کے طور پر صابن کی ٹکیہ جو آج سے چند ماہ پہلے کافی بڑی تھی اب گھٹ کر ایک چوتھائی رہ گئی ہے اور اس کے دام میں چار گنا اضافہ ہو گیا ہے۔ کسی زمانے میں خواتین پورے چھ گز کی ساری پہنا کرتی تھیں لیکن آج کل صرف چار گز کی رہ گئی ہے۔ چائے کی پیالی کسی زمانے میں پاؤ لیٹر کی ہوا کرتی لیکن اب ایک بٹا دس ۱/۱۰ لیٹر کی رہ گئی ہے اس سے کفایت شعار میزبانوں کو بڑی سہولت اور مفت خور مہمانوں کے لئے آفت ہو گئی ہے۔ چائے کا ایک گھونٹ لینے کے بعد پیالی میں صرف آدھا گھونٹ بچا رہ جاتا ہے۔ کرتے یا قمیص کی جگہ جمپر نے لے لی تھی جو کرتے کا نصف بہتر ہوتا تھا۔ رفتہ رفتہ یہ جمپر بھی جسم پر سے غائب ہو گیا۔ آخر میں قمیص رہی نہ جمپر بلکہ ایک مختصر سی چیز دیکھنے میں آئی ہے جس کا نام بلاؤز ہے یہ بھی روز بروز مختصر سے مختصر ہوتا جا رہا ہے۔ نہ معلوم کب یہ بھی غائب ہو جائے۔ کسی زمانے میں ایک دوپٹہ ہوا کرتا تھا۔ جس کا نام آج کل کی نسل کے سامنے لیا جائے تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کسی چڑیا کا نام ہے۔ چڑیا کا نام اس لئے ذہن میں آتا ہے کہ ریڈیو پر ایک قدیم فلمی گانا سننے میں آتا ہے جس کے بول ہیں۔

> پھر پھر۔ پھر پھر ہوا میں اڑتا جائے
> مرا لال دوپٹہ ململ کا

اس گانے میں دوپٹہ کا نام سن کر آج کل کی لڑکیاں یہی مطلب نکالتی ہیں کہ فلم کی ہیروئن نے ایک چڑیا پال رکھی تھی جس کا نام "دوپٹہ" تھا۔ مثلاً طوطا، مینا، کبوتر وغیرہ — ایک روز دوپٹہ نام کی چڑیا پنجرے میں سے اڑ گیا تو ہیروئن کف افسوس ملتی رہ گئی اور رفتہ رفتہ یہ گانا گانا شروع کر دیا۔ فلموں میں یہ عام روایت ہے کہ جب کبھی کف افسوس ملنے کی نوبت آتی ہے تو ایک گانا شروع ہو جاتا ہے۔ ہمارے پرانے دوست ملا مجرا لیھودی نے یہ بات سن کر کہا: "میاں تم صرف کف افسوس ملنے کی بات کرتے ہو ہم نے ایسے ایسے موقعوں پر بے موقع گانے سنے ہیں کہ تم معلوم کر کے حیران رہ جاؤ گے۔ تم تو جانتے ہی ہو کہ ہم اپنے مریدوں کی نظر بچا کر کبھی کبھی ایسی فلمیں دیکھ لیتے ہیں جو صرف "بالغوں کے لئے" ہوتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جیسے بلی آنکھ بند کر کے دودھ پیتی ہے اور یہ سمجھتی ہے کہ کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب ہم ایک فلم دیکھ رہے تھے تو ہماری سیٹ کے بالکل پیچھے ہمارا ایک نہایت ہی معتقد مرید بیٹھا تھا جس نے ہمیں ایک رنگین فلم دیکھتے ہوئے رنگے ہاتوں پکڑ لیا اور ظالم نے ہماری پیٹھ میں ٹھوکا مار کر پورے ادب و احترام کے ساتھ کہا "قدم بوسی عرض کرتا ہوں" شیطان پکڑ نہ بولے تو ہم شرم کے مارے سیٹ ہی میں گڑ گئے۔ ہم نے کف خجالت ملتے ہوئے جواب دیا: "جیتے رہو بیٹا" کیونکہ فلم دیکھنے والا ہمارے بیٹے کا دوست تھا۔ پھر دیکھنے میں مصروف ہو گئے۔ غرض ہم نے جو فلم دیکھی اس میں ایک شہزادہ سخت بیمار دکھایا گیا تھا۔ اس کے باپ نے کمال شفقت کے ساتھ شہزادے کی چارپائی کے اطراف ایک غمگین گانا گاتے ہوئے تین چکر لگائے۔ گانے کی آخری تان کے ساتھ باپ گر پڑا اور اس دارِ فانی سے رخصت ہو گیا۔ ساتھ ہی شہزادہ اس فرشِ صحت یاب ہو کر اٹھ بیٹھا جیسے ہمارے تعویذ سے کوئی آسیب زدہ

شخص بھلا چنگا بھلا آدمی ہو جاتا ہے۔ اب شہزادے کی باری آتی ہے تو باپ کی میت کے سرہانے بیٹھ کر روتا ہوا ایک نہایت ہی درد بھرا گیت گانے لگتا ہے۔ جس کو سن کر لوگ رونے کی بجائے سر دھننے لگتے ہیں بعض وقت تو کسی موقع و محل کی بھی ضرورت نہیں ہوتی۔ بے موقع و بے محل گانا بھی فلم کی ضروریات میں داخل ہے۔

بات کہاں سے کہاں پہنچ گئی۔ ہم ذکر کر رہے تھے ڈوپٹے اور چادر کا اور پہنچ گئے فلمی گانوں پر۔ لیکن کیا کیا جائے کہ دورِ حاضر کی زندگی میں فلم کا اتنا گہرا اثر ہو گیا ہے کہ آج فلم میں ایک فیشن نظر آیا۔ اور کل وہ زندگی کا جزو بن گیا چاہے اس میں عزت سادات ہی کیوں نہ جاتی رہے۔ بہرحال چادر کا ذکر کرتے ہوئے ہم اتنی دور نکل گئے جیسے چادر سے باہر پاؤں پھیلا رہے ہوں۔ حالانکہ بزرگوں نے کہا ہے کہ جتنی چادر ہو اتنا ہی پاؤں پھیلانا چاہیئے۔ اس ضرب المثل سے ایک بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس زمانے میں چادر اوڑھنے کا رواج تھا چادر کا سائز اتنا ہوا کرتا تھا کہ اس میں بہ آسانی ہاتھ پاؤں پھیلائے جا سکتے تھے اگر کسی ناگزیر وجہ کی بنا پر چادر سائز سے کچھ چھوٹی ہو جاتی تو اس کے اندر ہی پاؤں پھیلائے جاتے۔ اس کے باہر پاؤں پھیلانا بہت ہی نادانی کی بات سمجھی جاتی تھی۔ ایک خاص نکتہ اس محاورے کا یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ چادر مختصر بھی ہو تو اس میں پاؤں پھیلانے کی گنجائش ضرور ہوتی جس کا انحصار چادر کے سائز پر ہوتا۔

اب جو ہمارے پڑوسی ملک نے چادر کے استعمال کو لازمی قرار دے دیا ہے جس کا اطلاق نہ صرف عام خواتین کی حد تک محدود ہے بلکہ طالبات بھی اس کی زد میں آ گئی ہیں اور ان پر بھی یہ پابندی لگا دی گئی ہے کہ وہ اسکولوں کو چادر اوڑھ کر جایا کریں تو اس میں ایک مسئلہ حل طلب رہ جاتا ہے ہم نے پہلے ہی یہ سوال اٹھایا ہے کہ چادر کا سائز مقرر نہیں کیا گیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ چادر کے استعمال کی پابندی تو کر لی جائے گی لیکن سائز مقرر نہ ہونے کی وجہ سے جس کے جی میں جو سائز آئے وہی چادر اوڑھ لی جائے گی۔ برقعہ کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ برقعہ کا کوئی سائز مقرر نہیں تھا جس کی وجہ سے ابتدا میں تو برقعہ سر سے پاؤں تک پہنا جاتا تھا لیکن رفتہ رفتہ یہ اوپر اور نیچے ہر دو سمتوں سے سمٹ کر مختصر ہونے لگا۔ اور اب جو برقعہ پہنا جاتا ہے وہ ٹخنوں سے اوپر ہوتا ہوا گھٹنوں تک پہنچ گیا ہے اور سر سے

اتر کر گردن پر آ ٹک گیا ہے۔ اسی طرح چادر کا سائز مقرر نہ ہونے سے سر پہ چار گرہ کا ایک ٹکڑا ڈال لیا جائے گا جو چوٹی سے شروع ہو کر شانوں پر ختم ہو جائے گا چوٹی پہ سے ایک بات یاد آ گئی کہ اب فیشن ایبل خواتین کی چوٹی بھی کٹ گئی ہے (غنیمت ہے کہ ناک باقی ہے بلکہ اونچی ہو گئی ہے) بعض پرانے خیال کی خواتین اس بات سے خوش ہو کر چلو اپنا پرانا زمانہ پھر آ گیا ہے۔ تین گز لمبی اور ڈھائی گز چوڑی چادر اوڑھنا شروع کر دیں گی جن کو دیکھ کر وہ فیشن ایبل خواتین جو صرف چار گرہ کی چادر استعمال کریں گی ان پرانے خیال کی خواتین کا مذاق اڑائیں گی۔ اعتدال پسند خواتین ایسی چادر استعمال کریں گی جو سر سے اتر کر کمر سے اوپر تک آئے گی اور وہ ہاف ہالٹ (HALT) ہو جائے گی۔

غرض پڑوسی ملک کے احکام میں جو خامی رہ گئی ہے۔ اس کو دور کرنے کے لئے ہم اپنی تجاویز پیش کرتے ہیں جو پڑوسی ملک تک پہنچ جائیں تو ان پر ہمدردانہ غور کر کے آزادانہ استعمال کیا جا سکتا ہے۔ چادر کا کوئی خاص سائز لمبائی اور چوڑائی کے لحاظ سے مقرر کر دینا کافی نہ ہوگا کیونکہ بعض خواتین کا قد چھ فٹ یا اس سے بھی زیادہ ہوتا ہے اور بعض خواتین کا قد چار فٹ یا اس سے بھی کم ہوتا ہے۔ اس لئے کچھ اس طرح کا حکم جاری کیا جائے کہ چادر اوپر سے پورے سر پر ہو اور نیچے ٹخنوں کے برابر ہو۔ بعض خواتین اپنے ٹخنے دکھانا بھی پسند نہیں کرتیں جب کہ بعض خواتین اپنا پورا جسم دکھانے کو فیشن سمجھتی ہیں۔ اگرچہ اس جسم پر فیشن کے مطابق کم سے کم لباس ہو جو خواتین اپنے ٹخنے دکھانا پسند نہیں کرتیں انھیں ٹخنوں سے نیچے تک چادر استعمال کرنے کی آزادی رہے چادر کے رنگ کے بارے میں عرض ہے کہ چادر کا کوئی خاص رنگ مقرر نہ کیا جائے۔ تاہم سفید رنگ مقرر ہو تو بہتر ہے۔ لیکن پرانے خیال کی سہاگن خواتین یہ اعتراض کریں گی کہ سفید رنگ تو بیواؤں کا لباس ہے ہم تو سہاگن ہیں۔ ایسی صورت میں سہاگن خواتین کو ان کی پسند کے رنگ کی چادر اوڑھنے کی اجازت دے دی جائے۔ بیوہ خواتین تو احکام معاشرت (شرعیہ) کے تحت سفید چادر ہی اوڑھا کریں گی۔ جہاں تک اسکولوں کی طالبات کا سوال ہے چادر کا رنگ متعلقہ اسکول کے یونیفارم کے لحاظ سے مقرر کیا جائے البتہ ان مشنری اسکولوں میں پڑھنے والی طالبات کو جہاں شلوار تک پہننے کی اجازت نہیں ہے اور شلوار کی جگہ اسکرٹ بلکہ منی اسکرٹ

پہننے کا لزوم ہے چادر کے استعمال سے مستثنیٰ قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ ابھی فیشن اسکولوں کے اصول سے انحراف کرنے کی جرأت نہ تو پڑوسی ملک میں ہے اور نہ خود ہمارے ملک میں ہے۔

آخر میں ہم ایک اہم نکتہ بیان کرتے ہیں جو خاص بلکہ خاص الخاص توجہ کا محتاج ہے چادر کا دور گذرا تو برقعہ کا زمانہ آیا۔ پھر ایک عرصہ گذر گیا کہ برقعہ بھی پارینہ داستان ہو گیا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ خواتین کو رفتہ رفتہ آزادی دی گئی تھی اور وہ آزاد پرندوں کی مانند پھر پھراتی پھر رہی تھیں۔ اگر انہیں پھر سے چادر کی قید میں بند کر دیا جائے تو کہیں ایسا نہ ہو کہ چادر کے خلاف احتجاج شروع ہو جائے اور خواتین کا ایک ایسا جلوس نکلے جو سب بغیر چادر کے ہوں اور ان کے ہاتھوں میں ایسے بینرز (BANERS) ہوں جن پر چادر ہو اور اس پر ایسے نعرے لکھے ہوئے ہوں "چادر کو برخاست کرو"، "ہم چادر نہیں اوڑھیں گی"، "چادر مردہ باد" وغیرہ وغیرہ۔ نتیجہ احتجاج شدت پکڑے اور چادر تو چادر موجودہ لباس سے بھی کچھ اجزا کم کر دیئے جانے کا مطالبہ ہو۔ چنانچہ ہمارے خیال میں چادر کے استعمال کی پابندی کا لزوم ذرا سوچ سمجھ کر نافذ کیا جائے۔ کیونکہ یہ مسئلہ دورِ حاضر میں نہایت ہی نازک بلکہ نازک ترین قسم کا ہے کیونکہ اس کا تعلق "صنفِ نازک" سے ہے۔

لطیفے

- بچی (ماں سے): میں بھی آنٹی کے ساتھ ہسپتال جاؤں گی۔
  ماں: وہ تو دانت نکلوانے جا رہی ہیں۔ تم کیا کرو گی جا کر؟
  آنٹی کو روتا دیکھوں گی۔
- ایک شخص جس کی شادی کو دس سال ہو چکے تھے۔ اپنے مشیر سے کہہ رہا تھا: جب میری شادی ہوئی تھی۔ میں بہت خوش تھا۔ میں دکان سے دن بھر کی محنت کے بعد تھکا ماندہ گھر واپس آتا۔ تو میرا کتا بھونکتا ہوا میری طرف دوڑتا اور میری بیوی چپل لے کر آتی۔ لیکن اب ہر چیز بدل گئی ہے۔ اب جب واپس آتا ہوں تو میرا کتا چپل لے کر آتا ہے اور میری بیوی مجھ پر بھونکنا شروع کر دیتی ہے۔
  "سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کس چیز کی شکایت کر رہے ہیں" مشیر نے کہا "جب کہ آپ کو وہی سروس اب بھی میسر ہے۔"

تبصرہ

ریویو کے لئے ہر کتاب کی دو جلدیں بذریعہ رجسٹری آنا چاہئیں۔ ادارہ

شبابت ـ مجموعہ کلام محبوب راہی۔ صفحات ۱۳۶۔ سائز ۲۲×۱۸۔ قیمت دس روپے۔ ملنے کا پتہ۔ حنیف بکڈپو۔ مومن پورہ ناگپور۔

کتاب مہاراشٹر اردو اکیڈمی کے مالی تعاون سے شائع ہوئی ہے۔ کتابت طباعت صاف ستھری اور کاغذ اعلیٰ استعمال کیا گیا ہے۔

محبوب راہی گو مہاراشٹر کے ہیں، لیکن ان کی زبان نہایت سلیس اور صاف ستھری ہے۔ ان کا مذاق سخن عام پسند ہے۔ زندگی کے تاثرات کو راہی صاحب بہت ہی سیدھے سادے انداز میں اشعار کی شکل میں پیش کرنے پر کمال رکھتے ہیں۔

ڈاکٹر منظر حنفی نے اس کا مقدمہ لکھتے ہوئے لکھا ہے۔

"محبوب راہی اپنے ہم عصروں میں سب سے نمایاں ہیں۔ اس کی ایک وجہ میرے خیال میں یہ ہے کہ وہ بڑے شہروں اور ادبی مراکز سے دور ایک ایسے قصبے میں زندگی گذار رہے ہیں، جہاں دوسروں کی عینک سے دیکھنے اور دوسروں کے دماغ سے سوچنے کی بجائے اپنی کھلی آنکھوں کو استعمال کرنے اور اپنے ذہن کو کشادہ رکھنے کے زیادہ مواقع دستیاب ہیں۔

چند اشعار نمونتاً ذیل میں دیئے جا رہے ہیں، جن سے راہی صاحب کے کلام کی خوبیوں کا اندازہ آپ کو بھی ہو سکے گا۔

راہ لطف کے شہر میں بے سود ہے۔ رام، سیتا اور لچھمن کی تلاش

میں خود اپنے آپ کو کروں تلاش — ابھی تو مہلت ... فکر معاش
زندگی راستہ ہے شعلوں کا — دامن عافیت بچا کر چل
سینے میں وہ کبھی سنائی ہوگا — تھا ابھی جو صداقت آشنا
مجھ سے وابستہ ہے ہر کرب حیات — میں ازل سے ہوں اذیت آشنا
حیات اک رہگزر منزل بہ منزل — نصیب دہر حیطۂ منزل بہ منزل
عمر بھر وہ مجھ میں پوشیدہ رہا — میں جسے کرتا رہا اکثر تلاش
پہلے اپنی آنکھ کا شہتیر دیکھ — پھر ہماری آنکھ میں کنکر تلاش
پیرہن ... کی نذر دیکھئے — جو میرا مکان ... کے پیچھے تلاش
شہر تھا مہمان کا تھا وہ عالم — کہ جیسے صاحب املاک تھا

ہے کتاب زندگی کا ہر ورق — جس قدر آسان اتنا ہی دق
خواہشوں کا ہے ایک نام بدن — نفس کا اپنے ہے غلام بدن
ہم نہ سمجھے کہ زندگی کیا ہے — جرم ہے یا ثواب، کیا ہے
دل کو بخشی گئی ہیں سوغاتیں — درد، غم، سوز، بے کلی، الجھن

شبابت اس قابل ہے کہ ہر لائبریری کی زینت بنے اور شعر و شاعری سے لطف اندوز ہونے والے اسے پڑھ کر محظوظ ہوں۔

خریف کی فصل میں زیادہ اناج پیدا کیجئے

اتر پردیش سرکار کے ذریعہ کسانوں کیلئے

۱- بیج کی آسانیاں

خریف کی فصل کے لئے ۱۰،۶۸،۵۷۷ کوئنٹل بیج تقسیم کیا جا رہا ہے جس میں دھان کے لئے ۲۸٫۱۱ لاکھ کوئنٹل بیج ہے —

۲- کیمیکل کھاد کی آسانیاں

سب ہی اداروں کے ذریعہ ۱۳٫۴ لاکھ کیمیکل کھاد تقسیم کرنے کا نشانہ مقرر کیا گیا ہے، جس میں ۵۰٫۲۱ لاکھ ٹن نائٹروجن، ۲۰۴ ہزار ٹن فاسفیٹ اور ۲۱ ہزار ٹن پوٹاش شامل ہے اور

۳- تین قرضوں کی آسانی

مختلف اداروں سے قرض فراہم کرائے جا رہے ہیں اور ۲۶ ضلعوں میں چھوٹے پیمانے پر کسانوں کی ترقی کے منصوبے چل رہے ہیں۔

ہمارا نشانہ ۹۰ لاکھ ٹن خریف اناجوں کی پیداوار

خریف پروگرام کی کامیابی کسانوں کی کامیابی ہے

بزمِ حریم

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کی مرسلہ ہر ماہ صرف ایک ایسی خبر شائع کی جاتی ہے جو ولادت، شادی یا غمی سے تعلق ہو۔ خبر مختصر ترین الفاظ میں صاف صاف لکھی گئی اور پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ کے ساتھ روانہ کی گئی ہو جو خبریں ۲۰ تاریخ کے بعد وصول ہوتی ہیں وہ ایک ماہ تاخیر سے چھپتی ہیں ہر خبر علٰحدہ کاغذ پر لکھی جانا ضروری ہے۔ خبر کی اشاعت میں کتابت کی غلطی کا دفتر ذمہ دار نہ ہوگا۔ البتہ اطلاع ملنے پر اس کی تصحیح شائع کر دی جاتی ہے۔

(ادارہ)

ولادت اطفال کی خبریں

• 8365 دو بار خبر ملی مگر ٹکٹ نہیں ملے۔

• عنبر فاطمہ (آرہ۔ بھوجپور) میری سہیلی ناز فاطمہ اور دولہا بھائی محمد شمیم کے چمن حیات میں اللہ تعالیٰ نے ۲ مئی سنہ بوقت ۵ بجے شام پہلی بار ایک کلی کھلائی۔ عقیقہ۔ زریں ناز۔ کے نام پر ہوا اور پیار کا نام ثوبیہ قرار پایا۔ اللہ سے دعا ہے کہ عمر طویل پائے اور والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

• درسلا تنعیرہ تبسم عطیہ سلطانہ (آمبور) میری آپا، وی احمدی ناز صاحبہ اور بہنوئی حاجی محمد عظمت اللہ کے چمن حیات میں پہلی بار ۱۲ جون سنہ بروز جمعرات بوقت ۴ بجے شام اللہ پاک نے ایک مسکراتی گڑیا عطا فرمائی۔ نام واصفہ عرشی رکھا گیا۔ اللہ پاک نومولود کو اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھائے۔

• ن فرحانہ پروین۔ میری آپا عرفانہ منظور اور بھائی منظور احمد کے گلشن حیات میں دوسری بار ۲۹ جون سنہ بروز اتوار بوقت صبح سات بج کر ۲۰ منٹ پر اللہ پاک نے ایک چاند سی گڑیا عطا فرمائی۔ نام رابعہ صدف قرار پایا۔ رب العزت سے دعا ہے کہ اسے صحت و سلامتی کے ساتھ والدین اور بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھائے۔

• زینب اقبال (سکندر آباد): میرے ماموں اور عزیز آدم اور بھابی خدیجہ آدم کے گلشن حیات میں ۳۰ جون سنہ بروز پیر بوقت شب دوسری بار ایک پھول کھلا۔ نام زین الدین عرف شہاب قرار پایا۔ پروردگار عالم اسے اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پروان چڑھائے۔ نیک اور صالح بنائے۔

پیغامات شادی

• شمس النساء (ہمیرپور) میرے چھوٹے بھائی محمد شفیق حیدر (فرزند جناب بابو بخش) کی شادی خانہ آبادی آمنہ خاتون سلمہا (بنت محمد ابراہیم کانپور) کے ساتھ ۱۳ مارچ سنہ بروز جمعرات بخیر و خوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ ان کی ازدواجی زندگی مسرتوں اور شادمانیوں سے بھر دے۔

• صوانی صبیحہ عاشی (آمبور) میری بہن رفیعہ صوانی (بنت مجاہد آزادی حضرت مولانا فضل الرحمٰن صوانی علیہ الرحمۃ آمبور) کا عقد نکاح حافظ غلام علی سلمہٗ مقیم مکہ (خلف جناب میاں احمد دین۔ گوندل۔ پاکستان) سے ۲۲ جون سنہ بروز یکشنبہ بمقام آمبور بحسن و خوبی عمل میں آیا اللہ پاک میری بہن و بہنوئی کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔

• زرینہ ابوبکر (سکندر آباد) میرے بھائی محمد اسحٰق ابوبکر عرف اقبال کی شادی خانہ آبادی نور زینب (مدراس) کے ساتھ ۲۵ مئی سنہ بروز اتوار بمقام مدراس بخیر و خوبی انجام پائی۔ پروردگار عالم بھائی اور بھابی کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔

• حریم جولائی میں رفعت انوار عباسی صاحبہ بھوپال کی مرسلہ جو خبر چھپی ہے اس میں کتابت کی غلطی سے انور کے بجائے انوار چھپ گیا ہے جس کا مجھے افسوس ہے۔

• ہاجرہ بی آسما جمال (کلکتہ) میری پیاری سہیلی تبسم سحر کی شادی محمد آباد صاحب (پسر جناب محمد مہربان صاحب خلد آشیاں) کے ساتھ ۹ جون سنہ کو بمقام آنولہ بخیر و خوبی انجام پائی۔ دعا ہے کہ دونوں دائمی مسرت پائیں۔

انتقال پر ملال کی خبریں

• مہ ناز فریدی (مراد آباد) میری ننھی بھانجی فہمیدہ فریدی جس کی عمر صرف چھ ماہ کی تھی۔ ۱۳؍ جون ۸۶ء بروز جمعرات بوقت پونے سات بجے اچانک ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اللہ کو پیاری ہو گئی ؎ حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔
اللہ پاک میری بہن شہناز اور بہنوئی اخلاص فریدی کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• انیس نادر (مدراس) افسوس صد افسوس کہ میرے بزرگ تایا احمد زکریا سیٹھ عرف دادا سیٹھ (بنگلور) ۱۱؍ جولائی ۸۵ء بروز جمعہ بوقت ۱ بجے صبح اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم بڑے پابند صوم و صلوٰۃ تھے۔ سادہ اور قناعت پسند زندگی بسر کرتے تھے۔ آج اپنی رحلت سے ہم سبھوں کے دلوں میں ایک کبھی نہ مٹنے والی خلش چھوڑ گئے۔ اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم سب پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

• آمنہ خاتون زیدی (نئی دہلی) میرے چچیرے چچا کے لڑکے سید قمر الحسن عمر ۱۷ سال کا اچانک اسکوپ پھٹ جانے سے ۱۲؍ جون ۸۶ء کو فیض آباد اسپتال میں انتقال ہو گیا خدا سب کو خصوصاً افن چچا و افن چچی صاحبہ کو صبر جمیل عطا کرے (چچیرے چچا سمجھ میں نہیں آسکا)

• درخشندہ جبیں شکیل ۔ حسن جبیں شکیل (کھاگل پور) بڑے رنج و غم کے ساتھ یہ خبر سپرد قلم کر رہی ہوں کہ ہمارے والد جناب محمد شکیل احمد ۷ جولائی ۸۶ء بوقت ۳ بجے دن اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ حریمی بہنیں مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔ اللہ پاک میرے والد کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور ہم سب کو صبر عطا فرمائے۔ (میں بھی آپ کا شریک غم ہوں۔ نسیم انہونوی)

• 9867۔ نمبر بلا ٹکٹ ملی۔ اس لئے شائع نہ ہو سکی۔
• مسز نسیمہ عزیز بھاگلپور کے سلسلے میں جو خبر آئی ہے اس میں نہ خبر بھیجنے والے کا نام ہے نہ نمبر خریداری اس لئے شائع نہ ہو سکی۔

دوراہا ختم پچھتاوے شروع

انشاء اللہ ستمبر میں عفت موہانی کا قسط وار ناول دوراہا ختم ہو جائیگا اور ستمبر ہی کے پرچہ میں دوسرا قسط وار ناول "پچھتاوے" شروع ہو جائے گا۔
جو بہنیں اب تک حریم کی خریدار نہ ہوں اور نیا ناول شروع سے پڑھنا چاہیں وہ ستمبر سے خریدار بن جائیں۔

چند نئے پاکستانی ناول

• شبینہ	رضیہ بٹ	15/-
• عذرا	عابدہ نسرین	30/-
• نقش قدم	فردوس حیدر	10/-
• سوز جاوداں	بیگم رقیہ سلیم	14/-
• ہالہ	اے آر۔ خاتون	30/-
• سونا سونا آنگن	عابدہ خاتون	25/-
• خوشبو	مینا ناز	20/-
• ابر بہاراں	زبیدہ سلطان	25/-
• شبو	رضیہ بٹ	7/50
ساحل کی تمنا	وحیدہ نسیم	35/-

چند نئے اڈیشن

• روپ	12/-
• آگ میں پھول	8/-
• ناہید	13/50

عادل رشید کے تین ناول

• سرتاج	مجلد	18/-
• ایک دل ہزار غم	(پاکٹ بک)	5/-
• بے نام رشتہ	مجلد	6/-

پسندیدہ اشعار

(اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کا مرسلہ ایک شعر ہر ماہ چھپ سکتا ہے، بشرطیکہ شعر سنجیدہ، موزوں اور پاکیزہ ہو ساتھ ہی ہمارے مقررہ عنوان کے تحت روانہ کیا گیا ہو۔ اور نمبر خریداری بھی لکھا گیا ہو جو اشعار ۱۰ تاریخ کے بعد وصول ہوتے ہیں وہ شائع نہیں کئے جاتے ستمبر کیلئے عنوان ہے "مدینہ" اور اکتوبر کے لئے "روشنی" ——— ادارہ

آدمی کو سوز و ساز آدمیت چاہیئے
زندگی مشکل نہیں، جینے کی ہمت چاہیئے

مرسلہ:۔ مسز آمنہ دلشاد (سکندرآباد)

ان کی ہمت کا کیا کرتی ہیں موجیں ماتم
جان دیتے ہیں جو ہنستے ہوئے طوفانوں میں

مرسلہ مس زبیدہ فضلی (رام پور)

کچھ اور بڑھا اب تو مشعلِ ہمت کی
منزل کے قریب آ کے بڑھتی ہے تھکن یارو

مرسلہ:۔ کہکشاں نیّر (سگولی)

کانٹوں کی کیا بساط جو رکھیں سفر سے باز
ہمت بڑھی ہے منزل دشوار دیکھ کر

مرسلہ:۔ ورسلا احمدی عظمت (آبور)

اے دل تجھے قسم ہے ہمت نہ ہارنا
دن زندگی کے جیسے بھی گذریں گذارنا

مرسلہ:۔ شاہدہ تبسم یوسفی (بنگلور)

ہے ارادہ لینا ہمت دشوار پسند
سخت مشکل ہے کہ یہ کام بھی آساں نکلا

مرسلہ:۔ نجم السحر (کرنول)

نئے شاخِ گل ہی اونچی ہے نہ دیوارِ چمن بلبل
تیری ہمت کی کوتاہی تری قسمت کی پستی ہے

مرسلہ:۔ شہناز بیگم (بنگا ماپیٹ)

ہمت ہی بنا دیتی ہے انساں کو تونگر
ہمت کے سفینے کا اٹھا دیجئے لنگر

مرسلہ:۔ نجم حافظ (امکور)

تدبیر کے دستِ رنگیں سے تقدیر درخشاں ہوتی ہے
قدرت بھی مہرباں ہوتی ہے جب ہمت انساں ہوتی ہے

مرسلہ:۔ نجم النساشا (بھٹکل)

خواتین کے لئے خواتین کے لکھے ہوئے ناول

ناول		مصنفہ		قیمت
نورین	..	"	..	پچیس روپیہ
صنم	..	مینا ناز	..	بارہ روپیہ
آنکھ مچولی	..	دیبا خانم	.	پندرہ روپیہ
آگ	..	شمیم نقوی	..	بیس روپیہ
شعاع	.	نادرہ خاتون	..	تیس روپیہ
فرینہ	..	فریدہ نصرت	.	دس روپیہ
رنگین کانٹے	.	نورجہاں سلیم	.	بارہ روپیہ
نفرت	.	مینا ناز	.	بارہ روپیہ
زندگی مسکرائی	..	زلیخا حسین	.	بارہ روپیہ
بہاروں سے تک	..	مینا ناز	..	پندرہ روپیہ
سوکھا ساحل	.	زریدہ ایس	.	بارہ روپیہ
پیار کا خواب	..	نورجہاں سلیم	.	بارہ روپیہ
غنیمت	..	زبیدہ خاتون	.	بیس روپیہ

• فلسفے کے ایک پروفیسر طالب علموں کو اپنا خواب سنا رہے تھے کہنے لگے:۔ "ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں کلاس میں کھڑا ہوں اور لیکچر دے رہا ہوں۔ آنکھ کھلی تو دیکھتا ہوں کہ....."
سب نے بیک وقت اشتیاق سے پوچھا "کیا دیکھتے ہیں؟"
بولے "جب آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں واقعی کلاس میں کھڑا ہوں اور لیکچر دے رہا ہوں۔"

زیر طبع ناول

خواب و سراب	. . .	عفت موہانی
شعلہ تھی شامِ غم	. . .	عطیہ پروین

نگار کی لاگ ڈانٹ محبت بھری تھی۔ وہ جھپٹیں۔ بچوں کے درمیان سے ہوتے ہوئے کاشف کو گودی میں اٹھایا اور ایزد کی گود میں تھما دیا۔ پھر وہ بھی بے اختیار پھوٹ پڑیں۔

شرمندگی کے مارے ایزد نے بچے کو اپنے سینے سے بھینچا اور زینے چڑھتا چلا گیا۔ اس نے یہ بھی نہیں دیکھا کہ کفیل اور خرم کی آنکھوں میں آنسو چمکنے لگے تھے۔

وہ رات ایزد کی شب برات تھی۔ مگر صبح۔ صبح عید نہ بن سکی!۔

ابھی وہ ڈھنگ سے خوش بھی نہ ہو سکا تھا کہ ڈاکٹر سعید کا ملازم ناصیہ اور ماہ نند کو بلانے آپہونچا۔ اس نے خبر دی کہ مہ وش کی طبیعت رات ہی سے بگڑ گئی تھی۔

ایزد کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

خدا بھیا اس بے چاری کے حال پر رحم کرے۔ کفیل نے کہا۔ وہ سب یکبارگی خاموش ہو کر رہ گئے۔ ناصیہ بے حد اداس لگ رہی تھیں۔ مدھم لہجے میں بولیں۔

چلو ایزد۔ چلیں وہ ناشاد۔ تم سے بھی بہت قریب تھی:

چلیے:

نگار نے بڑی جلدی میں ناشتہ تیار کر دیا۔ اور دونوں چلنے کے لیے کپاؤنڈ میں آئے۔

لوگ کیا کہیں گے۔ ہمارے اس طرح روانہ ہو جانے پر: ناصیہ بولیں

بھائی جان کو سب معلوم ہو گیا ہے: ایزد بولا: اور سب لوگوں کو اس سے کیا غرض کہ ہم کہاں جا رہے ہیں:

لہٰذا تم ہو جاؤ گے۔ ہو گے وہی لکڑی کا کمان کا تیر۔ ناصیہ بگڑ گئیں:

اچھی بات ہے۔ آپ حنا سے کہلوا دیجئے کہ میں آپ کے ساتھ جا رہا ہوں:

(باقی آئندہ)

اتنے میں خرم آگئے۔ ناصیہ کچن میں چلی آئیں۔ کفیل ان سے باتیں کرنے بیٹھ گئے۔

کیا حال احوال ہیں سب کے؟: کفیل نے پوچھا۔

الحمدللہ۔ سب خیریت ہے: خرم نے کہا: تین روز سے حنا کو حرارت ہو رہی تھی اب کم ہے۔ کاشف میاں بھی اچھے ہیں یہاں کی خبریں کیا ہیں؟

اشا پہ پریس کی خبر یہ ہے کہ آخر ابا جان نے ایزد صاحب کو آخری تصفیہ کا الٹی میٹم دے ہی دیا ہے۔ رات کو ان کی اور محترمہ ناصیہ صاحبہ کی گفتگو ہو گی: کفیل صاحب نے ہنستے ہوئے کہا۔

یار اپنے کفیل بھائی: خرم نے تشویش سے کہا: ایسا نہ ہو کہ کہیں ایزد صاحب بالکل آخری تصفیہ فرما دیں۔ بھابھی کو ابھی طرح سمجھا دیجئے کہ ہرگز کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے وہ مشتعل ہو جائیں۔ کیا آ کے بیچ پڑا ہے۔ توبہ توبہ:

سمجھا دوں گا: کفیل نے کہا۔

آپ بہت دنوں سے نہیں آئے ہمارے یہاں۔: خرم نے کہا۔

بھائی پرانے خیالات کا آدمی ہوں۔ جس محلّے میں بہن بیاہی ہو۔ ادھر کا راستہ چلنا بھی غیرت کے منافی سمجھتا ہوں: کفیل نے مودبانہ لہجے میں جواب دیا۔

نگار آپ کی سخت شکایت کر رہی تھیں کہ بھولے سے بھی بھائی جان نے یاد کرنا چھوڑ رکھا ہے اور اب میں بھی ان کے یہاں نہ جاؤں گی: خرم بولے۔

تم البتہ موڈرن ہو کر بیوی کا نام اپنے بزرگ کے سامنے بے محابا لیتے ہو: بزرگ صاحب مالے: خرم نے کہا۔

شش۔ ابا جان: کفیل نے جلدی سے کہا۔ شعیب صاحب کو آتا دیکھ کر خرم اٹھا اور بڑے ادب سے انھیں سلام کیا۔ شعیب صاحب ان سے سب کی خیریت پوچھتے رہے! رات کے کھانے کے بعد ناصیہ کو ہم سر کرنی تھی۔ وہ بچوں کو سلا کر کمرے میں آئیں

کچھ کاجو نمک لگا کے تلے۔ چائے بنائی اور ننھی سی ٹرے میں سب چیزیں قرینہ سے رکھ کر اوپر پہونچیں

ایزد برآمدے میں کھڑا آسمان کو دیکھ رہا تھا کئی روز کے بعد بادل چھٹے تھے اور چاند کا چاند سا چہرہ کھلے آسمان کے دریچے سے جھانکتا نظر آرہا تھا۔ موسم خنک تھا مگر ناگوار نہیں۔! منڈیر کے نیچے جوہی کی بیل پھیلی تھی۔ سارے منڈوے پر تارے کھلے تھے!

ایزد: ناصیہ نے آواز دی۔

آج بہت دنوں بعد چاند نکلا ہے۔ بھابی: اس نے کہا۔

ہاں۔ اب تمام میں روشنی ہی روشنی پھیل جائے گی۔

ایزد کرسی پر آ بیٹھا۔ ناصیہ سہری پر ٹک گئیں۔

دکھاؤ۔ تمہارے لیے خاص طور پر اس وقت چولھا جلایا ہے۔

کیوں۔

تمھیں نمک لگے کاجو پسند ہیں۔ تمہارے بھیا آج بہت سے کاجو تمہارے لیے لے آئے تھے۔ میں نے کہا کہ اب تل ہی دوں:

اچھا کیا آپ نے۔ خاطر کردی۔ شاید کل موقعہ نہ ملتا۔! اس نے بہت سے کاجو مٹھی میں لے لیے۔ پھر دل دکھانے والی باتیں شروع کردیں۔

حقیقت عرض کررہا ہوں۔ کاجو بہت مزے کے بنے ہیں۔

بکواس کر رہے ہو۔

• بکواس میں نے کبھی نہیں کی بھابی۔ میری سچی ہی باتیں سب کو کڑوی لگتی ہیں۔ چنانچہ دیکھ لیجیے کہ اسی وجہ سے عمر بھر میں پہلی بار ماما جان کی مار کھائی ہے۔

تو پھر بھابی۔ آج سے میرا بچہ۔ مجھے دے دیجیے!

کیا مطلب؟

میں آپ کے پاس سے اسے اپنے پاس لے جانے کے لیے آیا ہوں۔ آپ کے کرے میں سب بیٹھے ہیں۔ مجھے شرم آتی ہے، آپ کاشف کو لائیے اور مجھے دے دیجیے:

ایزد۔ ؟: خوشی کے مارے گلوگیر لہجے میں ناصیہ بولیں۔

امی کی عزت نے اور آپ کی بے پناہ محبت نے مجھے انسان بنا دیا ہے بھابی"

ایزد۔ ؟ ؟

بھابی۔ میری ماں:

یہ جھک کر ان کے سینے سے چمٹ گیا۔

ایزد ایزد۔ ایزد۔ ناصیہ اس کی پیٹھ تھپکتے تھپکتے خود بھی رو پڑی تھیں۔ خرم کو چین کہاں تھا وہ سارا تماشہ دیکھ رہے تھے۔ اس کی پوری کنٹری سب کو سنا دی۔ کفیل تو آبدیدہ ہو کے خاموش ہوگئے۔ مگر نگار باہر نکلیں اور ایک زبان میں دس ہزار باتیں ایزد کو سنا کر رکھ دیں۔ پیٹھ پر ایک دو ہتڑ الگ رسید کیا۔

• لے جا اپنا بچہ۔ ابھی فوراً۔ اور اتنے دنوں تک جو بھابی نے تیرا بچہ سنبھالا ہے اس کا معاوضہ رکھ دے۔ آیا وہاں سے نخرہ لے کر۔!"

ارے ارے نگار۔ کفیل بولے۔

بھئی یہ کیا زیادتی ہے: خرم نے کہا۔

حد کرتی ہو: ناصیہ نے احتجاج کیا۔

باجی۔ باجی سنیے تو: ایزد کھسیایا جارہا تھا۔

مارنو تم نے کھائی ہے اپنی بیہودگی کی وجہ سے ۔!
آپ بھی یہی کہتی ہیں ؟ ۔
ہاں ۔ کیونکہ میں نے تمہاری بدمعاشیاں اپنی آنکھ سے دیکھی ہیں ۔
بھائی : وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگا ! ۔ مگر ناصیہ کی تیز نظروں کی تاب نہ لاسکا ۔
" سنو ایزد ۔ حضرت عیسیٰ کا قول ہے کہ گناہ گار پر پہلا پتھر وہ چلائے جس نے خود عمر بھر کوئی گناہ نہ کیا ہو ۔!
گناہ ؟ : اس نے نچلا لب دانتوں میں جکڑ لیا ۔
کوئی نہیں کہہ سکتا کہ وہ بے گناہ ۔ بے خطا ہے ۔ ہے نا ۔
لیکن مرد اور عورت کے گناہوں میں فرق ہوتا ہے ۔!
مرد جواز تلاش کر لیتے ہیں ۔ بے گناہی کا ۔ عورت کا گناہ سامنے آجاتا ہے ۔ ویسے اگر تمہاری نظروں میں کوئی نادیل اس قسم کی ہو کہ خدا نے صرف عورت ہی کو سزا کا مستوجب سمجھا ہے تو یہ تمہاری غلطی ہے ۔!
آپ میرا آخری فیصلہ سننے آئی ہیں نا ۔
پہلے تم میری بات تو سن لو ۔ پھر حاکم اعلیٰ کا فیصلہ میں بھی سن لوں گی ۔!
ایزد ۔ کیا تم اللہ کی کتاب پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتے ہو کہ تم نے عمر بھر کوئی گناہ نہیں کیا ہے ۔!" ناصیہ کو غصہ آنے لگا تھا لیکن کفیل اور خرم کی ہدایت پر انہوں نے اپنا اشتعال تھاما اور بڑی سنجیدگی سے بولیں : تم سچ سچ کہہ دو کہ عمر بھر میں کبھی تم نے شراب نہیں پی اور بری صحبت اختیار نہیں کی ۔ پھر میں تمہارا فیصلہ بھی سن لوں گی :
ایک بات اس کے ذہن میں انگڑائی لے کے جاگی :

بھائی : ایزد ہکلایا : آپ الگ چل کے ۔ میری ایک بات سن لیجئے :
کفیل کو ہنسی آگئی ۔
ناصیہ اٹھتی ہوئی بولیں : سن تو لیتی ہوں مگر وعدہ کرو کہ کوئی بے تکی بات نہ کرو گے "
ایزد نے سر اٹھا کر دیکھ لیا تھا کہ ان کے دونوں بچوں شکیل اور شرجیل کے درمیان کاشف بھی پڑا سو رہا تھا ۔ بیخود ہو کر بولا : ہمیشہ کے لیے وعدہ کرتا ہوں کہ اب عمر بھر کوئی بے تکی بات نہیں کروں گا :
" ہم سے نہ کسی اور سے ؟ : خرم نے معنی خیز لہجے میں پوچھا ۔
جی ہاں ۔ نہ آپ سب سے نہ کسی اور سے : ایزد بولا ۔
خواہ مخواہ اسے کیوں شرمندہ کر رہے ہو ؟ : ناصیہ کو اس پر ترس آنے لگا ۔
اس نے کیا کم مصیبتیں نہ جھیلی تھیں ۔ انہیں آں کہہ چکا تھا ۔
اچھا بھائی جائیے ۔ ان کی بات سن آئیے : نگار نے کہا ۔
ناصیہ ایزد کے ساتھ باہر آئیں ۔ وہ کچھ شرمایا سا تھا ۔ ناصیہ کو ہنسی ضبط کرنے میں دشواری ہو رہی تھی ۔
ایزد خواہ مخواہ کھانسا ۔
" کہو ۔ میں سن رہی ہوں : ناصیہ بھی ہنسی چھپانے کو کھانسنے لگیں ۔
بھائی ۔ ؟ ۔
" ہاں :
آپ میری بات سن کر ہنسیے گا نہیں ؟ :
" بالکل نہیں :
بھائی آپ ہمیشہ کہا کی تھیں نا کہ ۔ خدا کے بچے کو اپنا بچہ سمجھو ۔
یہ تو سمجھنے کی بات ہی ہے بھیا ۔!

جی۔

تم بہت پیاری ہو!

اس نے سر جھکا لیا۔

کاشف کہاں ہے؟ ایزد نے پوچھا۔

کاشف؟ حنا چپکے سے بولی: بھابی اسے اپنے پاس سُلا لیتی ہیں۔

کیوں۔؟

یہاں وہ روتا۔ آپ کی نیند خراب ہو جاتی۔

میں اسے اپنے پاس سُلایا کروں گا۔ لے آؤں؟

لے آیئے۔

آج تم مجھے بہت اچھی لگ رہی ہو: وہ مسکرایا۔ اور جانے کے لیے مڑ گیا۔

حنا زیرِ لب بولی: بے نصیب:

نیچے بڑے کمرے میں سب اکٹھا تھے۔ خرم کی کسی بات پر سب ہنس رہے تھے یکایک ایزد کو وہاں دیکھ کر سب چپ ہو گئے۔ نامیہ بی اس سے اتنا چھوٹی تھیں۔ اس لیے گھور کر اسے دیکھا۔ اور تیوری بدل کے بولیں۔

پھر کوئی کیڑا رینگا ہے دماغ میں!:

آپ کے لہجے سے لگتا ہے بھابی کہ آپ انھیں ماریں گی بھی: خرم بولے۔

تنہائی میں مارنے سے کچھ مزہ نہیں: نامیہ نے کہا: جب ان کے بچے بڑے ہو جائیں گے تب ان کے سامنے بیچ صحن میں پیٹوں گی:

ائے ہائے سب الٹ پڑے اس پر: نگار نے پھڑپھڑا کر کہا: پوچھ تو لیجئے کیا بات ہے۔ کس لیے آدھی رات کو اوپر سے اتر کے نیچے آئے:

کہو: نامیہ نے کہا:

اس نے سر جھکا لیا: بھابی: شراب تو میں نے عمر بھر نہیں پی۔ میں جانتا بھی نہیں کہ شراب کیسی ہوتی ہے۔ البتہ ایک دفعہ۔ خواب آور گولیوں کے زیادہ ہو جانے سے۔ مجھ پر تیز نشہ سا چھا گیا تھا۔ اور تب... بھابی۔ تب میں اس۔ کوچے میں جا نکلا تھا۔ جہاں گھنگھرو چھنک رہے تھے۔ ساز چھنک رہے تھے۔ اور کسی نے۔ دلھنوں کا سا لباس پہن کر مجھے ترغیب دی تھی گناہ کی! اس وقت میں نے اپنے آپ سے۔ حنا سے۔ آپ سب سے بدلہ لینے کی خاطر۔ خود کو گناہ کے حوالے کر دیا تھا!:

وہ رات تمھارے ولیمے کی رات تھی نا:

جی ہاں۔!

تم نے خواب آور گولیاں کہاں سے پائی تھیں۔

ابا جان کے کمرے سے!۔

کیوں کھائی تھیں۔

بہت سے جذبے مجھے پریشان کر رہے تھے۔ میں بہت گہری نیند سو جانا چاہتا تھا۔

اس رات بارہ بجے نے میں تمھارے بھائی نے شب نغمہ آراستہ کی تھی۔ کچھ یاد ہے؟!:

اچھی طرح:

ایزد یقین کرو کہ جب خواب آور گولیوں کی نیند تم پر حاوی ہونے لگی تو تم بے خبری میں باہر نہیں گئے۔ بلکہ اوپر اپنے کمرے میں پہونچ گئے تھے تمھارے نیم غنودہ ذہن اور الجھے ہوئے خیالات نے شاید تمھیں باور کرا دیا کہ تم غلط جگہ چلے آئے ہو۔ تمھارے کمرے میں حنا دلہن بنی بیٹھی تھی۔ نگار اور ملا

حنا نے یہ نہیں کہا کہ اس کے ظلم ہی نے اسے اس اقدام پر ابھارا تھا۔ وہ اپنی دلنشیں شیریں آواز میں بولی۔

"میں پریشان ہو گئی تھی:"

"مجھ سے؟ حالات سے؟؟:"

"نہیں:" حنا نے کہا: "میں پچھتانے لگی تھی کہ میں آپ کے گھر سے کیوں نکل گئی تھی؟!۔ اس خیال سے دہشت ہونے لگی تھی کہ پھر سب کو کیا صورت دکھاؤں گی۔ اس لیے گھبرا کر میں نے:"

"اب تمھارا زخم کیسا ہے؟:"

حنا سر جھکا کر ہولے سے مسکرائی: "آپ کون سے زخم کو پوچھ رہے ہیں؟:"

ایزد تلملا گیا: "میں نے تمھارے دل پر بہت سے زخم لگائے ہیں۔ حنا۔"
"نہیں نہیں:" حنا گھبرا گئی۔ بے اختیار اس کا چہرہ اوپر اٹھ گیا۔ بڑا پیارا چہرہ تھا عصمت و حیا کے نور سے منور، حیا آلود۔ ایزد دنگ ہونے لگا۔ حنا نے پھر سر جھکانا چاہا تھا لیکن بے اختیار ایزد نے اس کا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔ حنا پُرنم آنکھوں سے اسے تکنے لگی۔

"حنا:" ایزد کے لب کپکپانے لگے: "مجھے معاف کر دو۔ اگر معاف کر سکتی ہو تو۔ میں سب سمجھتا ہوں۔ تم نے میری زیادتی سے گھبرا کر اپنی زندگی کا خاتمہ کرنا چاہا تھا مگر۔ میں۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔ حنا۔ میں۔ اب موم ہو جاؤں گا۔ شہد بن جاؤں گا۔ کبھی تمھاری دل شکنی کا باعث نہیں بنوں گا:"

"اللہ کی قسم۔ میں آپ سے خفا نہیں تھی۔ مجھے تو صرف اپنی تقدیر سے شکایت تھی کہ میں آپ کو خوش نہ رکھ سکی!:"

"حنا!"

عیدن نے مل کر اس کا سنگار کیا تھا۔ وہ سرخ کپڑے پہنی تھی۔ پور پور حنا سے رنگی تھی۔ جوڑ جوڑ پر اس کے گہنے تھے۔ تم اسے دیکھ کر یہ سمجھے کہ وہ خدانخواستہ کوئی بری عورت ہے۔ ایزد۔ تم نے اس کے سامنے اسی قسم کی بکواس بھی کی تھی۔ حنا نے مجھ سے رو رو کر کہا تھا کہ تم اس سے کہہ رہے تھے: "دو ٹکے کی طوائف ہو تم۔ میں اسی کی کوئی اوقات نہیں سمجھتا جو جھوٹے گلاس کی مانند ہے بھلا تمھارا کیا حقیقت سمجھوں گا۔ تمھارے بھائی بند مجھے ورغلا کر اس کوچے میں لے آئے ہیں۔ جہاں مجرا ہو رہا ہے۔ میں اس لڑکی سے بدلہ لینے چلا آیا تھا۔ میرے پاس دام نہیں ہیں:" اور پتہ نہیں تم نے کیا کچھ بکواس کی تھی اس سے۔ اور پھر ایزد۔ پھر۔ تم سو گئے تھے۔ گہری نیند تم پر بیہوشی کی طرح مسلط ہو گئی تھی۔ ہم لوگ حنا کے لیے خود جائے لے کر پہونچے۔ تب وہ اندر سے نکلی اور۔ مجھ سے لپٹ گئی۔ ایزد حنا کا خیال۔ میرا منہ کھلوا رہا ہے۔ ورنہ میں بے شرمی لاد کر ہرگز تم سے یہ کہتی کہ میں اسے دیکھ کر دنگ رہ گئی۔ اس کا لباس تار تار تھا جیسے وہ کسی درندے کے چنگل سے نکل کر آ رہی ہو۔ تمھارا شرمناک سلوک داغ داغ بن کر اس کے جسم پر ابھر آیا تھا۔!

"بھابی۔ بس کیجیے۔ بس کیجیے:" وہ کان بند کر کے چیخ اٹھا۔

"یاد کرو۔ ایزد۔ کہ اس صبح کو جب تم دیر تک سوتے رہے تھے تو ہمیں گھبرا کر ڈاکٹر کو بلانا پڑا تھا۔ جب تم انگڑائی لے کر اٹھے تھے تو تمھیں تعجب تھا کہ کس لیے ڈاکٹر کو بلایا گیا ہے۔ ہماری پریشانی بھی تمھیں یاد ہو گی:"

اور دفعتہً ایزد کو سب کچھ یاد آ گیا۔ اس نے ہوش میں آ کر خود پر کتنی نفرین کی تھی اور ابھی تک پچھتا رہا تھا۔!

"اب حنا کا اپنا فیصلہ ایزد:" نامیہ کو آخر غصہ آ ہی گیا: "پہلے [illegible]"

اپنی بے زبان، مظلوم بے بس بیوی کے خلاف۔ ہیں سب کچھ گوارا ہے۔ ہم تمھیں چھوڑ سکتے ہیں۔ مگر اسے نہیں۔ کیونکہ وہ بے گناہ ہے۔ اس کا بچہ تمھارا بچہ ہے۔"

ایزد کے جسم پر پسینے کے دھارے بہہ رہے تھے۔ شرم و ندامت۔ اپنی جلد بازی، زبان درازی اور گستاخی کا ایسا احساس اسے تھا کہ اس کا تعلق ہی سلب ہو کر رہ گیا تھا۔

ناصیہ ٹرے اٹھا کر کھڑی ہو گئیں۔

"ابا جان میرے منتظر ہوں گے۔ کیا کہوں ان سے جا کے!" انھوں نے پوچھا۔

دفعتہ ایزد اپنی جگہ سے اٹھا۔ ٹرے ان کے ہاتھوں سے لے کر میز پر رکھ دی اور ان کے ہاتھوں کو تھام کر ان پر سر جھکا دیا۔

"ابا جان سے کہہ دو۔ میری ماں۔ کہ میں ابھی اور اسی وقت حنا اور اپنے بچے کو لینے جا رہا ہوں۔"

ناصیہ فرط مسرت سے رو پڑیں۔

جب وہ نیچے اتریں تو اتنی خوش تھیں کہ ان کے منھ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ انھوں نے ایک ایک بات کفیل سے کہہ دی۔

شعیب صاحب نے جب سنا کہ ناصیہ نے اسے قائل کر دیا اور وہ حنا کو لینے جا رہا ہے تو بولے "بیٹی مجبوری کی بات تو نہیں ہے۔"

"اباجان اب ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" کفیل بولے۔

اتنے میں ایزد نیچے اترا۔ شعیب صاحب سے نظر بچا رہا ہوئیں۔!

"کہاں۔؟" کفیل نے پوچھا۔

"خدا۔ باجی کے گھر تک۔ جاؤں گا۔" وہ شرما گیا۔

الحمد اللہ شعیب صاحب بولے۔

شل ہو چکے تھے۔ اب نہ اس پر نیکی کے جذبات مسلط تھے نہ برائی کے عجیب سا بے حس ہو کر رہ گیا تھا۔ اس نے حالات کے سامنے سپر ڈال دی تھی۔ بہت تھک گیا تھا لیکن یہ احساس اسے آمادہ بہ تبسم کر رہا تھا کہ وہ کم از کم اس ذہنی کشمکش سے آزاد ہو چکا ہے جس کی اسے وحشت تھی کہ وہ حنا سے نگاہیں چار نہ کر سکے گا۔ ناصیہ نے اسے ہوش دلایا تھا۔ اور وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ اس نے درحقیقت کوئی گناہ ایسا نہیں کیا جس پر شرمندہ ہو سکتا۔!

اب ایزد بے چینی سے حنا کا منتظر تھا!۔ وہ آئی۔ اور ایزد نے کمرے کی روشنی گل کر دی۔ معطر چاندنی یکبارگی تیز ہو گئی۔ ہواؤں کا ارغنونِ سحر کن تھا اور خنک موسم دلآویز ہو گیا تھا۔ حنا پر کپکپی طاری تھی۔ معلوم نہیں وہ کیا کہے گا لیکن ایزد نے اسے سنبھلنے کا موقع دیے بغیر اپنی طرف سمیٹ لیا۔ اور اس کے گھنے گھنے بالوں میں اپنے ہونٹ چھپا کر سسکتا ہوا بولا۔

"حنا"

وہ گم صم ننھی ننھی سی ادھوری سانسیں لیتی رہی۔

"آج میرے لیے کتنی روشنیاں اپنے جلو میں لے آئی ہو۔ کون سا چاند تمھارے آنچل میں چھپا ہے؟" وہ مدہوش ہو رہا تھا۔

حنا اتنی بے لوث اور معصوم تھی کہ اس نے ایزد کی تمام زیادتیاں معاف کر دی تھیں۔ اسے ہمیشہ سے یقین تھا کہ ایک دن اس کی تقدیر ضرور مسکرائے گی۔ اس نے ایزد سے اس کی کوئی شکایت نہیں کی۔ بلکہ وہ ایزد سے اس کی الٹی الٹی شکائتیں سنتی رہی۔!

"تم نے اپنی جان پر کھیل جانے کی کوشش کیوں کی تھی؟" وہ پوچھ رہا تھا۔ "تم مجھے بھی بھول گئیں کہ اگر خدانخواستہ تمھیں کچھ ہو جاتا تو پھر میں کیا کرتا؟"

حنا سے کچھ مت کہنا۔ ایزد خود ہی سمجھ لے گا۔"

"اچھا اچھا۔"

بوا عیدن اور آپا ذاکرہ صحیح معنوں میں کھل پڑ رہی تھیں۔

"آج شبو سبو ہماری اٹھی آنکھ پھڑکی تھی۔" بوا عیدن نے زبان سے رنگے دانت نکالے "تبھی ہمارا ماتھا ٹھنکا تھا کہ ضرور آج کچھ ہوئیے گا۔ نیب پر کوا بھی بولا تھا ہم اس سے کہن تھا کہ بھیا کوئی آوت ہو تو اُڑ جاؤ۔ تم کا دودھ روٹی کھلیبا۔ سو وہ اُڑ گیا۔ دیکھ لیو خوب بھیا۔ پرانے وقت کے شگون سبھی جو ہو وت ہیں۔ تم کا یقین تو آوت نہیں ہم تو فقط ایمان لائے رہن۔"

"ٹھیک کہتی ہیں آپ بوا عیدن۔" شیب صاحب نے ہنس کر جواب دیا۔

"اسے صبح کا بھولا شام کو گھر آیا ہے۔" آپا ذاکرہ نے برمحل محاورہ ارشاد فرمایا۔ "میں کہوں بہت دن بعد آج مجھے ہنسی آئی ہے۔ اللہ پاک۔ میری ماں کا چمن ہمیشہ ہرا بھرا رکھے۔ اب اس پر خزاں کا پرچھاواں بھی نہ پڑنے پروردگارا!"

"آمین۔ آمین۔" خرم نے بڑے عقیدے سے ان کی تائید کی۔ وہ لوگ وہیں بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ نگار اپنے ساتھ حنا کو لے گئیں۔ اسے قیمتی سرخ لباس پہنایا۔ اس کا سنگھار کیا۔ اور اس کے کمرے میں اسے پہنچا دیا۔ حنا تو بس ایک زندہ مورتی تھی۔ ہر آہ اور واہ سے بیگانہ۔ گم صم سی وہ اوپر پہنچی اور مسہری کی پائنتی ٹک گئی۔

ایزد کے ذہن میں نیکی اور بدی کے کئی شیطان دست و گریباں ہو چکے

وہ پاس آیا۔ شیب صاحب نے اسے سینے سے لگا کر اسی گال پر اپنے لب رکھ دیے جہاں تھپڑ مارا تھا۔

"ابا جان۔ مجھے معاف کر دیجئے۔" اس نے ضبط کر کے کہا۔

"جاؤ۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔" شیب صاحب کا گلا رندھ گیا۔

صحن میں بھیگی بھیگی چاندنی پھیلی ہوئی تھی۔ نگار بچوں کو جن اماموں کی کہانی سنا رہی تھیں۔ خرم پیش دالان میں کرسیاں ڈالے بیٹھے ادھر ادھر کی باتیں کر رہے تھے۔

دفعتہً دروازے پر دستک ہوئی۔

"کون؟" خرم نے ہانک لگائی۔

"میں ہوں۔ ایزد۔" باہر سے آواز آئی۔

"اللہ رحم کرے۔ یہ کدھر بھول پڑے۔" نگار سہم گئیں۔

"آجاؤ بھئی۔ خوش آمدید۔" خرم بولے اور اس کی پیشوائی کو دوڑے۔

"آداب عرض۔" ایزد نے کہا۔

جواب میں خرم نے اوپر سے نیچے تک اسے گھورا۔

"کیا دیکھ رہے ہیں آپ اس طرح؟" ایزد مسکرا دیا

"دیکھ رہا ہوں کہ میری آنکھیں مجھے دھوکا تو نہیں دے رہی ہیں۔" خرم بولے۔

"ایزد۔ ارے آؤ نا اندر۔ سب خیریت تو ہے۔ تمہارے یہاں۔" نگار نے گھبرا کر پوچھا۔

خرم اس کا ہاتھ تھام کر اندر لائے۔ حنا پہلے ہی اٹھ کر اندر چلی گئی تھی۔ اس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا۔ اب قسمت کیا دکھانے والی ہے۔ الحمد کرتا اس نے دو چار سجدے کے انداز سے سر ٹیک دیا۔

ابا جان نے آپ سب کو ابھی اور اسی وقت بلایا ہے: ایزد بولا۔

ہائے اللہ۔ خیریت تو ہے نا؟: نگار نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

کیوں۔ خیریت۔ ابھی ابھی تو میں وہاں سے واپس آیا ہوں: خرم نے کہا۔

بھائی جان اور بھابی میں کچھ چل گئی ہیں۔ بھابی میکے جا رہی تھیں: ایزد نے کہا: ابا جان نے مجھے بھیجا ہے کہ فوراً آپ سب کو لے کر پہنچوں:

چل جھوٹے: نگار ہنس پڑیں: دنیا ادھر سے ادھر ہو جائے۔ میرے بھائی بھابی نہ لڑیں۔ ناممکن بالکل:

اللہ کی قسم۔ بھابی میرے سینے سے لگ کر رو رہی تھیں: ایزد نے کہا۔

چلنا چاہیے آپی: خرم نے بیوی سے کہا: اللہ کی قسم یہ جھوٹی نہیں کھا سکتے:

م۔ مگر۔ حنا: نگار ہکلا کر بولیں۔

لے چلیئے انہیں بھی: ایزد نے مسکرا کر کہا۔

سچ: نگار کھل اٹھیں۔

بالکل سچ۔ باجی: وہ ہنسنے لگا۔

پتہ نہیں۔ کیا بات ہے۔ میرے تو ہاتھوں کے طوطے اڑے جا رہے ہیں: نگار اسے گھور کر بولیں۔

یہ وہیں چل کر معلوم کر لینا: خرم بھی کچھ نروس ہو رہے تھے۔ جلدی سے جا کے رکشہ لائے۔ دس بجے رات کو یہ سب کے سب شعیب صاحب کے گھر جا پہنچے تو ان سب کی حیرت کی حد نہ رہی۔ کیفی نے حیرت سے اس قافلہ کو دیکھ کر پوچھا۔

کیوں بھئی یہ ہمارا کس سلسلے میں کیا گیا ہے؟:

آؤ آؤ: شعیب صاحب بیحد خوش ہوئے: بڑا سکون ملا تم سب کے آنے سے حنا۔ میری بچی میرے پاس آؤ:

انھوں نے اسے سینے سے لگا لیا۔ حنا سکڑی سمٹی شرمائی سی ان کے پاس بیٹھ گئی۔

یہ آپ لوگوں میں کیا لڑائی ہو گئی۔ خواہی نخواہی: نگار نے ناصیہ سے پوچھا۔

لڑائی۔ کن میں؟: ناصیہ نے چونک کر پوچھا۔

بھائی جان اور آپ کیوں لڑے تھے۔ ایزد کہہ رہا تھا کہ آپ میکے جا رہی تھیں:

کیفی ہنس دیے۔ ناصیہ مسکرائیں: اللہ وہ گھڑی نہ لائے۔ بہن۔ ہم کیوں لڑتے۔ ہم نے تو لڑاکوں میں آج صلح کرا دی ہے:

اور تم نے اللہ کی قسم کھائی تھی کہ تمھارے سینے سے لگ کر بھابی رو رہی تھیں:

خرم نے گھونسہ تان کر ایزد سے کہا۔

یہ تو سچ کہا ہے اس نے۔ اسے سینے سے لگا کر میں سچ مچ رو دی تھی۔" ناصیہ بولیں۔

ہائے اللہ۔ کیوں بھابی۔؟: نگار نے پوچھا۔

اس نے مجھے اپنی ماں کہا تھا۔ بس خوشی کے مارے میرے آنسو نکل آئے: ناصیہ نے کہا۔

اللہ اکبر: خرم سر سہلانے لگے۔

ناصیہ نگار کو آنکھ سے اشارہ کر کے اٹھ گئیں۔ پھر تنہائی میں بلا کر دکھ بھری ساری باتیں ان سے کہہ دیں۔

نگار کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ فرط مسرت سے گلوگیر لہجے میں بولیں:

اللہ حنا کے صبر کا پھل دے رہا ہے بھابی۔ کوئی دن نہ جاتا تھا جب وہ رو رو کر مجھ سے نہ کہتی ہو کہ باجی میں بے گناہ ہوں۔

ایزد بہت خوش ہے:

میں تو آج ہی حنا کو دلہن بنا دوں گی:

ٹیلیفون نمبر رہائش ۲۵۳۲۲

ٹیلیفون نمبر آفس ۲۲۵۵۹

گزشتہ ۴۹ سال سے پابندی وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور اردو میں ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے۔

جلد ۵۸ — نمبر ۹

ماہنامہ

حریم

لکھنؤ

بیادگار
سید محمد سلیم اہنوی مرحوم
و
شفیق النساء
بیگم سلیم اہنوی مرحوم

اڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم، غزالہ
جانی بیگم ردولوی

فہرست مضامین ماہ ستمبر سنہ ۱۹۸۰ء

قیمت ... منی آرڈر سے تیئیس روپیہ مخصوص خریداری۔ منی آرڈر سے اکیس روپیہ۔ تحریکی خریداری منی آرڈر سے اٹھارہ روپیہ۔ وی پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ زائد۔ فی پرچہ ایک روپیہ بیس پیسے۔ غیر ممالک سے ۴۰ روپیہ یا اس کے برابر غیر ملکی سکہ برائے سی میل۔ ایر میل سے مختلف ممالک کے لئے مختلف شرحیں۔ آفس اور ترسیل زر کا پتہ۔ نسیم بکڈپو۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ۔

نسیم انہونوی۔ مالک و ناشر و پرنٹر سرفراز قومی پریس لکھنؤ

("حیات طیبہ کا ازدواجی شعبہ" کی چھٹی قسط)

(۴) جنگی قیدیوں غلاموں اور باندیوں کے درجہ کو بلند کرنا

اسلام نے جہاں دوسری بے شمار رسوم جاہلیہ کی تنسیخ یا اصلاح کی، وہاں غلام بنانے اور لونڈیاں رکھنے کے اس دستور کو بھی ختم کیا جو صرف عرب ہی کا نہیں بلکہ ساری دنیا میں وبا کی طرح عام تھا۔ ہزاروں اور لاکھوں کی تعداد میں غلاموں اور لونڈیوں کی ایک مستقل نسل آزاد انسانوں سے الگ پائی جاتی تھی۔ اُن کی زندگی کا مقصد ہی مالکوں کی تسکین (جنسی) یا منفعت (تجارتی) تھا

اسلام نے غلامی کو یک قلم منسوخ کرکے زندگی کو درہم برہم نہیں کیا لیکن تدریجی انقلاب کی ایک مستحکم بنیاد رکھ دی جس کی اہمیت کو ماہرین علم معاشرہ ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اسلام نے ذہن و فکر کو صاف کیا اور حکم دیا کہ کوئی مالک اپنے غلاموں اور باندیوں کو "عبدی" (میرا غلام) اور "اَمتی" (میری باندی) کہہ کر نہ پکارے۔ بلکہ "فتائی" (میرا لڑکا) اور "فتاتی" (میری لڑکی) کہہ کر مخاطب کرے اس طرح اسلام نے عملاً تمام غلاموں اور لونڈیوں کو گھر کا فرد بنا دیا۔ حقوق اور فرائض اور ورثے تک میں حصہ دار قرار دے دیا اور ان کی تعلیم و تربیت اور اصلاح حال کا حکم دیا آزاد کرنے کا حکم دیا۔ یہ بھی کہا کہ چاہے تم کسی دوسرے سے شادی کرا دو چاہے خود کر لو مگر شادی ضرور ہونی چاہیئے۔ اسلام نے غلاموں کو آزاد کرانے کی ایسی زبردست تحریک چلا دی کہ تنہا عبدالرحمن بن عوف نے تیس ہزار غلام آزاد کئے۔ مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض ہوئی۔ قرآن مجید نے اس کی وصولی اور مصارف کی آٹھ مدیں وضاحت کے ساتھ متعین کیں۔ ان آٹھ مدوں میں ایک اہم مد گردن چھڑانے اور غلامی ختم کروانے کی بھی رکھی گئی۔

(از مولانا سید حسن مثنیٰ ندوی، مضمون ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہ)

حضورؐ نے نہ صرف آزاد کردہ غلام سے اپنی پھوپھی بہن کی شادی کرا دی بلکہ خود اپنی چند شادیاں بھی آزاد کردہ باندیوں سے کیں۔ اس طرح انھوں نے غلاموں اور باندیوں کے درجہ کو بلند کیا۔ اس طرح انھوں نے تمام دنیا کے غلاموں اور باندیوں کے دل کو جیت لیا۔

پیغمبرؐ اسلام نے باندیوں سے شادیاں دو طرح کیں (۱) پہلے انھیں آزاد کرکے اور (۲) انھیں آزاد نہ کرکے۔ آپ نے حضرت صفیہؓ، حضرت جویریہؓ اور حضرت ریحانہؓ کو پہلے آزاد کیا اور پھر شادی کا پیغام دیا۔ لیکن آپ نے ماریہؓ کو آزاد نہیں کیا جو ماں بننے سے خود بخود آزاد ہو گئیں کیونکہ شریعت اسلامیہ کے تحت ایک باندی ماں بننے سے یا بیوہ ہو جانے سے خود بخود آزاد ہو جاتی ہے۔

جہاں تک جنگی قیدیوں کا تعلق ہے اسلام تین راستے پیش کرتا ہے:۔

(۱) انھیں آزاد کرکے وطن جانے کی اجازت دے دی جائے۔

(۲) ان کا تبادلہ ان مسلم جنگی قیدیوں سے کیا جائے جو دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے ہیں۔ لیکن اس میں مجبوری یہ ہے کہ دشمن حکومت راضی ہو۔

(۳) بہ حالت مجبوری تمام جنگی قیدیوں کو مسلم ریاست کی ملکیت بنا دیا جائے اور مسلم ریاست انھیں فرداً فرداً اپنے شہریوں اور سپاہیوں میں تقسیم کر دے۔

اس طرح جب کسی شہری کے پاس غلام یا باندی آ جائے تو شہری کو حق ہے کہ (۱) اسے آزاد کر دے (۲) اسے تحفہ میں دیدے یا فروخت کر دے (۳) اگر اپنے پاس رکھے تو اس کی شادی کرا دے

یا خود اس سے شادی کرلے۔ باندیوں سے شادی کرنے پر (۱) تعداد کی کوئی قید نہیں ہے اور (۲) رسم نکاح کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ پیغمبر اسلام نے جتنی شادیاں (سابق) باندیوں سے کیں وہاں رسم نکاح کی ضرورت محسوس نہیں کی۔

باندی سے شادی کے سلسلے میں شریعت اسلامیہ کا حکم ہے کہ اُسے بھی وہ سارے حقوق برابر کے ملیں گے جو آزاد عورت کو ملتے ہیں۔ مثلاً مہر، خلع، نان نفقہ وغیرہ۔ اور اس کے بچوں کو بھی وہ سارے حقوق برابر کے ملیں گے جو آزاد عورت کے بچوں کو ملتے ہیں۔ اور کسی صورت میں غلام یا باندی کے بچے غلام یا باندی نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ بچے کی پیدائش کے ساتھ ہی ماں آزاد ہو جاتی ہے۔

شادی کے لئے رشتہ تلاش کرنے میں قرآن پاک سارا زور ایمان پر ڈالتا ہے اور اس طرح صاف الفاظ میں غلام باندی کو آزاد مرد عورت پر ترجیح دیکر سوسائٹی میں غلاموں اور باندیوں کا مقام بلند کر دیتا ہے۔

"مت شادی کرو مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک ایمان والی باندی بہتر ہے ایک بغیر ایمان والی (آزاد) عورت سے۔ خواہ وہ تمہیں کتنی ہی اچھی لگے۔ اور مت شادی کرو (اپنی لڑکیوں کی) مشرک مردوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں۔ ایک ایمان والا غلام بہتر ہے ایک مشرک (آزاد) مرد سے، خواہ وہ تمہیں کتنا ہی اچھا لگے" (بقرہ/۲۲۱)

ایک مثال پیش کی جاتی ہے کہ کس طرح پیغمبر اسلام کی شادیوں نے جنگی قیدیوں کی آزادی کا دروازہ کھولا۔ جس وقت حضرت جویریہؓ حضور کی زوجیت میں داخل ہوئیں تمام صحابۂ کرام نے بنی مصطلق کے جنگی اسیروں کو آزاد کر دیا یہ کہہ کر کہ اب ان سب کا رشتہ حضورؐ سے ہو چکا ہے۔ اور جس کا رشتہ حضورؐ سے ہو جائے وہ غلام نہیں رہ سکتا۔ اس طرح وہ فقط ایک ہی دن میں نہ صرف تمام اسیران بنی مصطلق آزاد ہو گئے تھے۔ بلکہ دولت اسلام سے مالا مال بھی ہو گئے۔ حضرت عائشہؓ کہا کرتی تھیں:-

"جویریہؓ اس نکاح سے اپنی قوم کے لئے بہت بابرکت ثابت ہوئیں کہ ایک ہی دن میں ان کی تمام قوم غلامی سے آزاد ہو گئی۔ میں نہیں جانتی کہ کوئی دوسری عورت اپنی قوم کے لئے اتنی مفید ثابت ہوئی ہو"

---

(۵) بُرے رسم و رواج کی جڑ کاٹنا

حضرت عائشہؓ صاحبزادی تھیں حضرت ابوبکرؓ کی، جنہیں حضورؐ "میرے بھائی" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے۔ صدیوں سے زمانۂ جاہلیت میں یہ رواج چلا آرہا تھا کہ منہ بولے باپ یا ماں یا بھائی یا بہن کے رشتہ داروں سے شادی ممنوع تھی۔ جب پیغمبر اسلام نے شادی کا پیغام عائشہ کے لئے بھیجا تو ان کے والد نے بتایا کہ اس نسبت کی راہ میں منہ بولا رشتہ حائل ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عائشہ کی شادی کے موضوع پر لکھا ہوا ہے:

"حضرت عروہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکرؓ کو عائشہ کے لئے پیغام دیا تو ابوبکرؓ بولے میں تو آپ کا بھائی ہوں۔ آپ نے فرمایا اللہ کے دین اور اس کی کتاب کے اعتبار سے تم میرے بھائی ہو اور وہ (عائشہ) میرے لئے حلال ہیں"

عائشہؓ کی شادی کے بعد نسبت کے سلسلے میں منہ بولے رشتوں کی اہمیت ختم ہو گئی۔

اسی طرح جب حضورؐ نے زینبؓ بنت جحش سے شادی کرلی، جنہیں آپ کے منہ بولے بیٹے زیدؓ بن حارثہ نے طلاق دے دی تھی تو وہ پرانا رواج بھی ختم ہو گیا جس سے منہ بولے بیٹے کی طلاق یافتہ بیوی سے شادی ممنوع تھی۔

حقیقت میں یہ رواج بہت بُرے تھے۔ جس کو بھی منہ بولا رشتہ دار بنالیا جاتا تھا، وہ کنبہ کے حقیقی رشتہ داروں سے درجہ اور ترکہ میں برابر ہو جاتا تھا۔ وہ فیملی کے حلقے میں بے تکلف آتا جاتا تھا (یا آتی جاتی تھی) ہر نا محرم محرم بن جاتا تھا اور اس طرح آوارگی پھیلتی تھی کیونکہ منہ بولا رشتہ دار اپنے جذبات اور احساسات میں حقیقی رشتہ داروں کی طرح پاک صاف نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ترکہ میں مصنوعی بھائی یا بیٹے بھی حقیقی بھائی اور بیٹے کے ساتھ حصہ دار بن جاتے تھے۔ اس طرح جھوٹے والا مصنوعی رشتہ دار بنا کر حقیقی رشتہ داروں کا حق مارا کرتا تھا۔

ایک اور قباحت تھی کوئی مصنوعی رشتہ داروں سے شادی کر نہیں سکتا تھا۔ عورتوں کے لئے نسبت کا حلقہ مختصر ہوتا جاتا تھا

اچھا رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے انھیں کمتر درجہ کے مردوں سے شادی کرنی پڑتی تھی یا شادی سے ہاتھ دھونا پڑتا تھا۔

عائشہؓ سے اور زینبؓ بنت جحش سے حضورؐ کی شادیوں نے رسم و رواج کے ان بتوں کو توڑا۔ اس کے علاوہ ماہ شوال میں نکاح اور رخصتی نہ کرنے کی غلط رسم عرصۂ دراز سے چلی آرہی تھی۔ اس کو توڑنے کا سہرا بھی حضورؐ ہی کے سر ہے۔ کیونکہ شوال ہی میں عائشہؓ کا نکاح بھی ہوا تھا اور رخصتی بھی۔

حضورؐ کی ازواج مطہرات میں صرف عائشہؓ اور ماریہ قبطیہ کنواری تھیں۔ بقیہ سب بیوہ یا طلاق یافتہ تھیں۔ چند جنگی قیدی تھیں اور باندی۔ حضورؐ کی شادیوں نے ان سماجی پابندیوں کو توڑا جو اب تک بے سہارا بیواؤں، طلاق پانے والیوں، کم صحت یا کم صورت والیوں اور جنگی قیدیوں اور باندیوں کی راہ میں حائل تھیں۔

خدیجہؓ حضورؐ سے پندرہ سال عمر میں زائد تھیں۔ اس شادی نے اس بات کی وضاحت کر دی کہ نسبت ناطے میں کم عمری کوئی خاص صفت نہیں ہے اور اس پر زیادہ زور دینا مناسب نہیں۔ تلاش رشتہ میں ہمیشہ اسلام کا فائدہ پیش نظر رکھنا چاہیئے۔

(۶) عورتوں کی پریشانیوں کو دور کرنا

پیغمبرِ اسلام نے مثالیں قائم کر کر کے دکھایا ہے کہ شادی میں کس قسم کی سماجی قانونی اور رسمی پابندیاں ضروری ہیں اور شریعت اسلامیہ اسے کن بنیادوں پر مضبوط ترین قائم کرنا چاہتی ہے۔ کس طرح زن و شو کے باہمی حقوق و فرائض کا تعین ہو، کس طرح اولادوں اور دیگر وارثوں کے حقوق کا تحفظ ہو۔ شرعی شادی نے عورتوں کو آزاد فریق کی حیثیت دی کہ رشتہ کرنے یا نہ کرنے میں ان کی خوشی لازمی تھی۔ اس طرح عورت کو ایک عزت اور اہمیت بخشی۔ شادی کے معاہدے میں وہ بھی ایک برابر فریق قرار پائی۔ اپنے تمام حقوق اور فرائض کے ساتھ۔ اس سے پہلے عورتیں مویشیوں کی طرح استعمال کی جاتی تھیں۔ کھلے بازار خریدی اور بیچی جاتی تھیں، زبردستی حرم میں داخل کر لی جاتی تھیں۔ جب تک مالک چاہے رکھی جاتی تھیں اور جب چاہے نکال باہر کی جاتی تھیں۔ نہ ان کا کوئی سماجی حق تھا نہ مالی حق تھا۔ نہ انھیں کوئی ترکہ ملتا تھا، نہ ان کی کوئی خودداری تھی، نہ خود اعتمادی اور ان کی اولاد بھی ان کی قسمت میں شریک تھی۔

پیغمبرِ اسلام کی شادیوں نے نہ صرف آزاد عورتوں بلکہ باندیوں اور جنگی قیدیوں کے لئے اعلیٰ سے اعلیٰ رشتہ کرنے کی راہ ہموار کی۔ اب وہ سربراہ سلطنت سے بھی رشتہ کر سکتی تھیں۔ حضورؐ کی شادیوں نے یہ موقع عنایت کیا طلاق یافتگان اور بیوگان کو، ان کو بھی جن کے پہلے شوہر سے بچے تھے۔ حضورؐ کی شادیوں نے یہ موقع عنایت کیا، بوڑھی، بیمار، کم صورت، کم دولت — بے کس، بے بس، لاوارث عورتوں کو بھی۔ حضورؐ نے اپنی شادیوں میں کبھی یہ سوال اٹھنے نہ دیا کہ کون کس نسل کا ہے کس قبیلہ کا ہے، کس ملک کا ہے، کس مالی یا معاشرتی طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، کس زبان سے تعلق ہے۔ آپ کے سامنے صرف ایک ہی سوال تھا — کس کے پاس کتنا ایمان ہے۔

آپ نے اپنی شادیوں کے سلسلے میں نسبی رشتوں کو حائل ہونے نہ دیا۔

آپ نے رشتے ڈھونڈھے بین القبائل، بین الممالک، بین الاقوام کی بنیاد پر وطنی، نسلی، لسانی اور دیگر مصنوعی بنیادوں پر نہیں۔

کاشانۂ نبوت نے ہر شوہر کو بتایا کہ اگر چند بیویاں ہوں تو ان کے درمیان عدل و مساوات، برابری، اخوت، یک رنگی، محبت اور خلوص، محنت اور خدمت کیسے قائم رکھنا چاہیئے۔ کاشانۂ نبوت نے ہر بیوی کو بتایا کہ شوہر کے ساتھ اور سوکنوں کے ساتھ کس عزت محبت اور قربانی کے ساتھ پیش آنا چاہیئے۔

کاشانۂ نبوت نے دکھایا کہ اتنی ازواج مطہرات کے درمیان اللہ کی بندگی اور عبادت کس طرح قائم و دائم رہنا چاہیئے۔

(۷) بیکسوں کو سہارا دینا

(۱) میمونہؓ پریشان حال تھیں اور بیوہ بھی۔
(۲) یہی حال زینبؓ بنت خزیمہ کا بھی تھا۔
(۳) یہی حال سودہؓ کا بھی تھا۔
(۴) یہی صورت حفصہؓ کے ساتھ بھی تھی۔
(۵) یہی صورت ام سلمہؓ کے ساتھ بھی تھی۔ پہلے شوہر سے ان کے پاس چند اولادیں بھی تھیں۔
(۶) یہی کیفیت ام حبیبہؓ کے ساتھ بھی تھی۔ پہلے شوہر سے ان کے

پاس ایک اولاد تھی۔

(ص) شادی کے وقت جویریہؓ بھی بیوہ تھیں، مفلس تھیں، اور جنگی قیدی تھیں۔

لیکن ان ساری ازواج مطہرات نے اسلام کی وفاداری میں بڑے بڑے مصیبتیں جھیلیں۔ ان سے شادی کرنے میں پیغمبر اسلام کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ نہ صرف ان کی ہمت اور ایمان کو مزید طاقت پہونچائی جائے بلکہ ان کو حفاظت، عزت اور کفالت بھی عطا کی جائے۔ ان کی خودداری اجازت نہ دیتی تھی کہ اس صورت کے سوا کسی اور ذریعہ سے مدد لیں۔

(۸) دینی تعلقات کو استوار کرنا

بے شک بہت سی مصلحتیں تھیں کہ کیوں پیغمبرؐ اسلام نے عائشہؓ سے شادی کی۔ لیکن ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ حضرت ابوبکرؓ سے ـــــ جو دین اسلام کے ایک مضبوط ستون تھے ـــــ تعلقات زیادہ استوار کئے جائیں۔

اسی طرح بے شک بہت سی مصلحتیں تھیں کہ کیوں پیغمبرؐ اسلام نے حفصہؓ سے شادی کی۔ لیکن ایک مصلحت یہ بھی تھی کہ حضرت عمرؓ سے ـــــ جو دین اسلام کے ایک مضبوط ستون تھے ـــــ تعلقات زیادہ استوار کئے جائیں۔

(باقی آئندہ)

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے

میری صحت و تندرستی کے لئے صرف دعا کرنے والی ہی بہنیں نہیں ہیں ایسی بھی بہنیں ہیں جو دعاؤں کے ساتھ ہی دواؤں کا بھی انتظام کرتی ہیں ناشکرا ہوں گا اگر میں حریم کی پرستار بہن محترمہ بیوہ جی۔ ایم۔ سرکوت صاحب مغربی افریقہ کا شکریہ ادا نہ کروں جنہوں نے حال ہی میں تقریباً ایک ہزار روپیہ صرف اس لئے عطا فرمایا ہے کہ میں اپنے علاج کے سلسلے میں اسے صرف کروں۔ میں ہمہ وقت دل کی گہرائیوں سے بہن موصوفہ ان کے شوہر محترم اور ان کی اولادوں کے لئے اللہ پاک سے دعا کرتا رہتا ہوں۔ نسیم انہونوی

ناخوشگوار واقعات

عید کے روز مرادآباد میں جو کچھ ہوا اور اس کے بعد ہی چند دیگر شہروں میں جو رد عمل ہوا، وہ انتہائی افسوسناک ہے۔ ان واقعات کی خبریں اخبارات ریڈیو اور ٹی وی کے ذریعہ سب ہی کو معلوم ہو چکی ہیں۔ اس لئے ہم ان کی تفصیل لکھنا پسند نہیں کرتے۔ البتہ مسلمانوں کو یہ مشورہ ضرور دیں گے کہ وہ ضبط و صبر سے کام لیں۔ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ پر آپ کا ایمان و اعتقاد ہے تو یقین کریں کہ مفسدوں کو ایک دن ضرور شکست ہوگی۔ خصوصیت سے ایسی حالت میں جبکہ ہندوستان کی باگ ڈور مسز اندرا گاندھی جیسی مدبر اور جمہوریت نواز کے ہاتھوں میں ہے اور خوش قسمتی سے یو۔ پی کی وزارت اعلیٰ وشوناتھ پرتاب سنگھ جیسے مرد آہن اور شریف النفس کے ہاتھوں میں ہے، ہم کو یہ کہنے میں ذرا بھی تکلف نہیں کہ ۱۹۴۷ء سے اب تک ایسا فرض شناس کوئی وزیر اعلیٰ اب تک یو۔ پی میں نہیں ملا تھوڑی ہی مدت میں موصوف نے جو کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں وہ لائق ستائش ہیں۔

میری صحت

عید کے چند روز بعد دفتر آنے کے قابل ہو گیا تھا اچانک ۲۵ر اگست سے لیٹ گیا۔ تنفس اور کھانسی کے ساتھ ہی اس مرتبہ بخار بھی رہنے لگا ہے۔ دفتر جانے کے قابل نہیں ہوتا۔

(۲۶ر اگست ۸۰ء) نسیم انہونوی

ترقی اور سماجی انصاف کیلئے مؤثر اقدامات

اتر پردیش پیش رفت

۱۔ ۲۳۲ لاکھ ٹن اناج کی پیداوار کا بھرپور پروگرام شروع کیا گیا۔
۲۔ کسانوں کو ۲۵۰ کروڑ روپیہ کے قلیل مدتی امداد باہمی قرضے فراہم کیے گئے۔
۳۔ کیمیاوی کھاد پر اقوام متحدہ کی مندرجہ فہرست کو ۵۰ فیصد، مارجنل کسانوں کو ۳۳½ فیصد اور چھوٹے کسانوں کو ۲۵ فیصد تک امدادی رقم فراہم کی گئی۔
۴۔ سیلاب اور خشک سالی کے سبب پریشانیاں دور کرنے کے لئے مالگذاری اور دیگر واجبات کی وصولی روک دی گئی۔
۵۔ اس سال ۵۰۰۰ ٹیوب ویلوں کو بجلی پہونچائی جا رہی ہے۔
۶۔ سیلاب کے سلسلے میں راحت پہونچانے کی غرض سے پیشگی منصوبہ بندی کے لئے ضلع مجسٹریٹوں کو ۱۰ لاکھ روپیہ پیشگی دیا گیا۔ متاثرہ لوگوں کی مدد کے لئے مجموعی طور پر چھ کروڑ روپیہ فراہم کیا گیا۔
۷۔ کچے مکانات کی مرمت کے لئے امدادی رقم ۳۰۰ روپیہ سے بڑھا کر ۵۰۰ روپیہ اور پختہ مکانات کے لئے ۴۰۰ روپیہ سے بڑھا کر ۸۰۰ روپیہ کر دی گئی۔
۸۔ ایک ماہ میں ۳۰۳۰۳ شکایتوں میں سے ۲۶۵۷۲ ہریجن اور کمزور طبقوں کے افراد کا الاٹ شدہ زمین پر قبضہ بحال کیا گیا۔
۹۔ بجلی کی پیداوار بڑھانے کے لئے یوپی راجیہ ودیت اتپادن کمپنی قائم کی جا رہی ہے۔
۱۰۔ دن بدن بڑھتی ہوئی مانگ پوری کرنے کے لئے کیمیاوی کھاد کے پلانٹ لگائے جا رہے ہیں۔
۱۱۔ پیداوار بڑھانے کے لئے بنکروں کو دو کروڑ روپیہ کی امداد فراہم کی گئی۔
۔ سوت کی پیداوار بڑھانے کے لئے روئی کتائی ملیں قائم کی جا رہی ہیں اور دیگر ملوں کی صلاحیت بڑھانے کا منصوبہ ہے۔
۔ انتظامیہ میں مزدوروں کو شامل کرنے کیلئے اقدامات شروع کئے گئے۔
۔ یونیورسٹیوں میں امن و امان قائم ہے اور امتحانات مقررہ وقت پر ہو رہے ہیں۔
۔ بھرپور انسداد جرائم مہم کے نتیجے میں جرائم کی تعداد خاصی کم ہوئی ہے۔ ہر طرف ترقی کا دور شروع ہو رہا ہے۔

جاری کردہ محکمہ اطلاعات و رابطہ عامہ اتر پردیش

پھیلا ہیں۔ اب ان کی نظروں کے سامنے وسیع آسمان تھا — ستاروں سے جگمگاتا سیاہ آسمان —

ٹھنڈی ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے انہیں اس تین کمروں کے مختصر سے کوارٹر میں لے گئے جہاں انھوں نے آنکھیں کھولیں تو آپا کے وجود کو آنگن میں کھڑے اونچے گھنے ٹھنڈی ہوا دیتے نیم کی مانند سارے گھر پر محیط پایا۔

آپا!! پیاری آپا جان ...... ان کا ذہن بچوں کی مانند بلک اٹھا۔

جلتی تپتی آنکھیں بند کیں تو آپا سفید لٹھے کی شلوار، پاچین کی زرد و سیاہ پھولوں والی قمیص پہنے اور سفید دوپٹہ اوڑھے ملیح و صبیح چہرے پر پرشفقت مسکراہٹ سجائے آ کھڑی ہوئیں اور آپا کا پاکیزہ آنچل تھامے وہ بڑی آپا [illegible] ان کی لمبی [illegible] کے قریب آ کھڑے ہوئے

یہاں ...... یہی تو ہے شبو — شبیر احمد صدیقی۔ تینوں بہنوں کا لاڈلا۔ بڑی آپا کی آنکھوں کا تارا — ہاں ...... کیا دن تھے وہ بھی جن کا تصور ہی ذہن میں خوشگوار ہی بکھیر دیتا ہے — ہونٹوں پر مسکراہٹوں کی [illegible] پھوٹتی ہیں — ایک وہ شبیر احمد تھا ...... جو بہنوں کے ہاتھوں میں آبگینے کی مانند رہتا تھا۔ تینوں بہنیں، آپا، فوزی آپا، ننھی باجی اس کے پیچھے آگے پیچھے پھرتیں جیسے وہ کہیں سے قطرہ ہی تو ہو۔

ابو، مرحومہ بیوی کا غم شبو کی پیاری باتوں میں بھلانے کی کوشش کرتے۔ گھر میں شبو بیٹا۔ شبو بھیا کی ہی آوازیں ہر دم گونجا کرتیں اور — ایک وہ ہے آج کا شبیر — شبیر احمد... ایک بڑے گھر دیران سے بنگلے کا مالک ...... جو آج تنہائیوں میں بیٹھا ماضی کے ورق پر [illegible] اور ایک ایک موتی، اک اک دانہ کیسا آبدار [illegible] [illegible]۔

شبیر احمد جو [illegible] [illegible] میں بیٹھے تین کمروں کے اس گھر کی روشنیاں یاد کر رہے تھے جہاں صبح آپا کی مشفق آنکھوں کے لمس سے ہوتی تھی۔ آنکھ کھلتی تو سفید دوپٹے کے ہالے میں آپا کا مسکراتا چہرہ نظر آتا۔ سب سے پہلے [illegible] اللہ کا نام دیا ہوتا۔ فوزی آپا، ننھی باجی وہ سب [illegible] ہی تازہ [illegible]

سے فارغ ہو کر ناشتہ، گھر کی صفائی اور دوپہر کے کھانے کی تیاری میں مگن ہوتیں مگر اب بھی اتنا وقت ضرور ہوتا کہ وہ وضو کر کے خدا کے حضور سربسجود ہو جاتے۔

امی تو اس وقت ہی انتقال کر گئی تھیں جب شبو میاں چھ سال کے ہی تھے۔ یوں شبو میاں کی ذمہ داری تینوں بہنوں پر آ پڑی جو اس وقت خاصی سمجھدار تھیں آپا جو اس وقت [illegible] تھیں ان کی فہم و فراست سے گھر کا کاروبار چند دھچکوں کے بعد خیر و خوبی سے چل پڑا تھا

خیر خواہوں نے حسب عادت مشورہ دینا ضروری جانا اور ابو پر دوسری شادی کے لئے دباؤ ڈالا گیا مگر ابو ایسے ہر مشورے کو مسکرا کر ٹال گئے۔

اب گھر کے کاموں کی ترتیب یوں ہو گئی تھی کہ کوئی دشواری نہ ہوتی تھی۔ صبح منہ اندھیرے اٹھنا، ناشتہ اور دوپہر کا کھانا ایک ساتھ بنانا۔ آپا کا کام، گھر کی صفائی ستھرائی فوزی آپا کے ذمہ۔ برتن دھونا ننھی باجی کے سر تھا جن کو چھوٹی ہونے کے ناطے بہت چھوٹ حاصل تھی ناشتہ تیار کر کے شبو کو اٹھانا — اسکول کے لئے تیار کرانا آپا کا کام تھا۔ ابو اپنے سب کام خود کرنے کے عادی ہو گئے تھے۔ زندگی اسی ڈھرے کے سہارے آگے بڑھتی رہی اور شبو میاں آپا کے پیار و محبت کا آنچل تھامے عمر اور تعلیم کے مدارج طے کرتے رہے۔

ان کے ذہن میں فوزی آپا اور ننھی باجی کی شادیاں آج بھی تازہ تھیں وہ آٹھویں میں تھے جب فوزی آپا بیاہی گئیں اس وقت پہلی بار انھوں نے آپا کو بے تحاشا روتے دیکھا تھا۔ اس وقت وہ چھوٹے تھے۔ کھیلنے کھانے اور پڑھنے کے علاوہ کسی چیز سے دلچسپی نہ تھی۔ شادی کیسے طے پائی، تیاریاں کس نے کیں؟ کچھ پتہ نہیں، ہاں البتہ ایک فقرہ جو ایک مہمان خاتون نے آپا کو دیکھ کر کہا تھا اب بھی ذہن میں تازہ ہے وہ بڑے پرتجسس انداز میں کہہ رہی تھیں۔ ایسی بھی تو کوئی لڑکی ہو جو اپنے آنے والے رشتے سے بہن بیاہ دے ...... واقعی ماں بن کر دکھا دیا اس نے تو۔

اس دن چرخی کی مانند گھومتی آپا کے لئے اتنے ترقی [illegible]

تہنیت اور شبو کی شادی آپا کی شدید خواہش وارمان تھے یہ وہ ہزار انجان بنتے ہوئے بھی جانتے تھے اور ایسے موقع پر مائیں کیسے حربوں سے اپنی بات منواتی ہیں۔ وہ جانتے تھے۔ آپا ان کی ماں ہی تو تھیں ——— اور وہ اپنی بات منوانے کا حوصلہ یک جا کر ہی رہے تھے کہ حیرانگی کا یہ باب آکھلا — آپا یوں آسانی سے سر تسلیم خم کر دیں گی۔ ان کو امید نہ تھی مگر آپا بڑے حوصلے سے مسکرا رہی تھیں ... یوں کہ شبو کے درشتی سے انکار سے ان کا مان کیسے بکھرا ہے۔ کچھ اندازہ ہی نہ ہوتا تھا۔ وہ شبو کی خوشی پر مسکراتی ہوئی منور کے گھر گئیں اور ہنستے ہوئے اسے خوش خبری سنائی اور پھر آپا بڑی چاہت سے شبو کی محبت منور کو بیاہ لائیں یوں لگتا تھا کہ منور سلطانہ اپنے لونتا ر آنچل میں آپا کے لئے مسرتوں قہقہوں مسکراہٹوں کی سوغات لے کر آئی ہیں۔ ہر دم کام کام اور کام میں گھری آپا ایکدم سوشل ہو گئیں۔ منور کو لیئے لیئے سب اعزا و احباب سے ملواتی پھرتیں۔ کبھی منور کو ذرا چپ دیکھتیں تو خود اصرار کر کر کے شبو کے ساتھ اس کو سیر کے لئے بھیجتیں۔

"جانان! ذرا فلم دکھالاؤ۔ بے چاری بور ہو گئی سارا دن اکیلے بیٹھے بیٹھے۔"

اور بستر پر اوندھے پڑے، اخبار پڑھتے شبو چلاتے۔

"تو آپا! اب چھوڑو نا یہ نوکری، ٹیچری۔ آدھا بھیجا تو قوم کے نونہالوں کو کھلا دیا۔ اب کچھ اس منور بیگم کو بھی نوش جان کرا دو ———"

اور آپا برا مان جاتیں ——— "اچھا اب زیادہ بک بک نہ کرو۔ میری نوکری کے دشمن کیوں بنے ہو۔ اب تو زندگی کا ایک حصہ بن گئی ہے۔ نہ رہی تو مجھے ہی چین نہ آئے گا۔ اور تم سے جو کہا ہے وہ کرو ———"

"بہت بہتر باس!!" شبو جھٹ بستر سے اٹھ کھڑا ہوتا زندگی کیسی خوبصورت ہو گئی ہے ——— اگر یہ شبو سوچتا تو بجا تھا کہ اس نے جس کو چاہا بنا کسی رکاوٹ کے پا لیا مگر آپا بھی تو کیسی مگن تھیں ——— اب منور کی پازیب اور چوڑیوں کی گنگناہٹ جو سارے گھر میں دھیرے دھیرے گونجتی رہتیں۔ اور آپا شبو کو خوش دیکھ کر سمجھتیں کہ ان کی زندگی کا اب کوئی مقصد ہی نہیں رہا ... نظمی، فوزی اپنے گھروں میں خوش ہیں۔ شبو کی دلہن بھی گھر آ گئی ہے۔ اب مجھے اور کیا کرنا ہے؟ کچھ بھی تو نہیں ——— بس ——— زندگی سے مصائب، مشکلات، جدوجہد کی کشاکش دھل چکی ہیں اور اب شبو منور کے دم سے۔ بکھری چاندنی ٹھنڈی اور سکون آسا چاندنی میں زندگی کتنے آرام سے بیتے گی .... مگر آپا کیسی نادان تھیں نہیں جانتی تھیں کہ چاندنی چند روزہ ہوتی ہے

آپا کے بے پناہ پیار و محبت سے منور کا دم گھٹنے لگا۔ کیسا عجیب اتفاق تھا کہ جو بات آپا کو پسند ہوتی وہ منور کی چڑ ہوتی۔

آپا نے انتہائی چاؤ سے جو پازیب خریدی تھی وہ منور نے جلد ہی اتار دی کہ "گنوار پن ہے یہ تو۔" آپا چپ رہیں۔ منور کی کلائیوں میں محض سونے کی دو چوڑیاں دیکھ کر آپا پوچھ بیٹھیں کہ کانچ کی چوڑیاں کیا ہوئیں؟ وہ بھی تو پہنو۔ منور ناک چڑھا کر رہ گئیں شبو نے ہزار سمجھایا کہ آپا کا دل رکھنے کو ہی پہن لو۔ انھوں نے کبھی نہیں پہنیں اب تم کو پہنے دیکھ کر۔ تم کو پہنا اوڑھا کر خوش ہوتی ہیں تو کیا ہرج ہے ... اور منور بیگم کی ایک ہی رٹ تھی "ماڈرن ہوں۔ مجھے نہیں اچھی لگتی نا ہر وقت چھن چھن ۔"

اور پھر۔ جانے کیسے۔ جانے کب، جانے کیوں آپا اور شبو کی مثالی محبت کے درمیان ایک دیوار آہستہ آہستہ اٹھتی گئی۔ آپا صبح جس وقت اسکول جاتیں۔ شبو دفتر کے لئے تیار ہو رہے ہوتے نیم وا دروازے کے اس پار سے ہنسی اور باتوں کی مدھم مدھم آوازیں آ رہی ہوتیں اور آپا دروازے تک جا کر پھر لوٹ آتیں اور چپکے سے پرس اٹھا کر باہر نکل جاتیں۔

دوپہر کو آتیں تو منور اپنے کمرے میں محو استراحت ہوتیں۔ آپا کپڑے تبدیل کرتیں۔ نماز پڑھ کر میز پر آ بیٹھتیں ... ملازمہ کھانا گرم کر کے رکھ دیتی اور آپا تنہا بیٹھ کر کھا لیتیں پھر اپنے کمرے میں لیٹ رہتیں اور یہ سوچتے سوچتے سو جاتیں کہ اب گھر میں ایک فرد کا اضافہ ہو گیا ہے لیکن اب تنہائی کا احساس دو چند کیوں ہوتا جا رہا ہے؟

جب اپنا وجود، اپنی ذات، اپنا مان۔ اپنی چاہت ساتھ چھوڑ جائے، تب کیسی جان لیوا تنہائی آ گھیرتی ہے؟ اس کا اندازہ

آپا کو نہیں تھا۔ (وہ تو شبو میں اپنا آپ گم کر چکی تھیں) مگر جلد ہی کا ہو گیا۔ تب، جب۔ ایک دن رات کو کھانا کھاتے ہوئے شبو نے اپنی پلیٹ میں سالن ڈالتے ہوئے نہایت سرسری سے لہجے میں کہا

" آپا! میں نے گھر خرید لیا ہے سوسائٹی میں۔"

" اچھا! مبارک ہو۔ کیسا ہے؟ کتنے کمرے ہیں...؟ کرائے پر اٹھا دو گے مگر ذرا دیکھ بھال کے ___ آج کل کرایہ داروں کا کوئی اعتبار نہیں۔"

آپا مارے خوشی کے ایک ہی سانس میں بہت سی باتیں کہہ گئیں۔ منور سر جھکائے کھانا کھاتی رہیں۔ شبو لمحہ بھر کو جھجکے پھر ان کے سوالات نظر انداز کرتے ہوئے دھیرے سے بولے۔

" دسمبر ہو رہا ہے اس پر۔ اگلے ماہ ہم لوگ شفٹ ہو جائیں گے۔"

آپا چونک اٹھیں۔ ہاتھ کا نوالہ پلیٹ میں گر گیا۔ شبو کو دیکھا وہ سر جھکائے ہوئے تھا۔ منور کی طرف نگاہ کی وہ بہار اپنیل کی سی شان سے گردن اونچی کئے ان کو ہی دیکھ رہی تھی اپنی طرف دیکھتا پا کر جلدی سے بولی۔

" آپ چاہیں تو آپ بھی ہمارے ساتھ چلیں آپا۔"

" چاہیں تو۔" آپا کے لہجے میں کڑواہٹ گھل گئی۔

" دیکھیں نا آپا!" شبو جلدی سے بولا۔ " یہاں سوسائٹی اچھی نہیں ہے گھر عجیب بے تکا بنا ہوا ہے۔ ہمارے دوست آتے ہیں تو ___"

" تو..... اس گھر میں بلاتے ہوئے تم لوگوں کو شرم آتی ہے۔ اس گھر میں۔ اس ماحول میں۔ اس سوسائٹی میں جہاں شبو، میری جان! تو پل بڑھ کر جوان ہوا۔ اس گھر میں جہاں تیری ماں نے تجھے جنم دیا۔ آپا نے پالا پوسا تو پل کر جوان ہوا۔ زندگی کا ایک طویل دور جہاں گزارا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس گھر میں رہ کر تو اس قابل ہوا کہ منور سلطانہ جیسی حسین و دولت مند لڑکی نے تجھے زندگی کا رفیق منتخب کرنا فخر سمجھا... آج کیا ہوا اس گھر کو؟ یہاں کے ماحول کو؟ تم چاہتے تو اس گھر میں حسب دلخواہ ردو بدل کرا سکتے تھے۔"

شبو، آپا کو پہلی مرتبہ جلال میں دیکھ کر بوکھلا گئے۔

" آپا۔ آپا ___" وہ کھانا چھوڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر وہ جھکے ___ " آپا جان!..... آپ ___"

وہ کیا جانے کیا کہنا چاہتے تھے کہ منور کی رعونت زدہ آواز بلند ہوئی

" آپا۔ آپ نہیں سمجھ پائیں گی ہمارا پرابلم "

شبو نے منور کو دیکھا۔ اور پھر ___ گہری سانس لے کر سیدھے ہو گئے۔

" آپا! آپ ہماری بات سمجھنے کی کوشش کیجئے ___ آپ بھی چلیں گی ہمارے ساتھ۔ آپ کا کمرہ ___"

اور اس سے پہلے کہ شبو کی بات مکمل ہو آپا اٹھیں اور برآمدے میں لگے واش بیسن سے ہاتھ دھو کر اپنے کمرے میں چلی گئیں۔ شبو سر پکڑ کر بیٹھ گئے منور بڑے اطمینان سے کھانے میں مشغول تھیں۔

اور اندر آپا حدت سے پھٹتی کنپٹیاں دبائے یہ سوچ رہی تھیں کہ۔ اے خدا! میرے ریاض میں کیا کمی رہ گئی تھی قربانیاں دیتے ہوئے مجھ سے کیا کوتاہی ہوئی؟ اے رحیم و کریم پروردگار! یہ کس گناہ کی سزا ہے؟

آپا کی ان لامتناہی سوچوں کو ایک تازیانہ اس دن لگا جس دن وہ اسکول سے آئیں تو باہر کھڑے ٹرک پر شبو کو سامان لدواتے دیکھا۔ وہ لگا ہیں چرا گیا۔ آپا خاموشی سے اندر آئیں انھوں نے اتنی مشکلات کا مقابلہ کیا تھا کہ اب لفظ "مشکل" ان کی لغت سے خارج ہو چکا تھا اور یہ مشکل مرحلہ بھی ان کو انتہائی سہولت سے طے کرنا تھا۔ انھوں نے اپنے معمول کے مطابق سب کام کئے۔

منور کا سارا جہیز کا فرنیچر، برتن وغیرہ بندھے ہوئے ٹرک پر رکھے جا چکے تھے۔ رکھے جا رہے تھے۔ گھر بھائیں بھائیں کرتا محسوس ہوا۔ دل میں ٹیس سی اٹھی ___ آشیانے یوں بھی بکھرا کرتے ہیں؟ وہ اپنے کمرے میں سرہانے رکھا اخبار لے کر لیٹ گئیں۔ اخبار ___ جس کی شاہ سرخیاں چیخ چیخ کر کہہ رہی تھیں کہ دنیا تیسری عالمگیر جنگ کے دہانے پر کھڑی ہے ___ ہوس، عداوت، تعصب کے شعلے اونچے اور اونچے ہوتے جا رہے ہیں اندرونی صفحات پر چھوٹی چھوٹی خبریں تھیں

کسی کی مٹھاس، کسی کی خاموشی کی، کسی کی بیکراں کے انتظار کی۔ کسی دیہات کسی محبت کے منتظر ہو سکے، بھائی سے بابا کی جھوٹی قسم ڈلانے کی، آہ بیٹی بدنصیبی کی۔ آہ ـــــ شبو بھی بے سکون۔ بکھرے ہوئے کہیں عافیت نہیں۔ ہر سو انتشار ہے ـــــ انھوں نے ابد تک کو آنکھیں بند کر لیں ـــــ دنیا میں ہر طرف ہوس و انتشار کے شعلوں نے ہمارے سکون کو بھی لپیٹ میں لے لیا ہے ـــــ میرا سکون جو کل تک سکون، راحت و سکون تھا آج کے بعد سکون تنہائی میں جانے کہاں بھی کبھی ملے گا ـــــ

"آپا جان ـــــ" دھیمی سی، سہمی سی، پیاری سی آواز آئی۔ آنکھوں پر سے ہاتھ اٹھا کر انھوں نے دیکھا۔ ان کا شبو سر جھکائے کھڑا تھا ـــــ آپا کو بے ساختہ دس بارہ برس قبل کا شبو یاد آگیا۔ جو کوئی بھی شرارت کر کے آتا تو آپا کی ڈانٹ یونہی سر جھکا کر سنا کرتا اور آئندہ کسی ایسی حرکت سے توبہ کرتا ـــــ جی چاہا اس معصوم شریر بچے کو دل میں چھپا لیں۔

آنکھوں سے امنڈتے آنسوؤں کو انھوں نے پلکیں جھپک کر بے قابو ہونے سے روکا۔ گہری سانس لے کر اٹھ بیٹھیں اور نہایت تحمل سے بولیں۔ "کہو۔"

"آپا کتنا اچھا ہوتا کہ آپ بھی ہمارے ساتھ چلتیں۔ میری بات مان لیجئے نا۔ آپا!! وہ گھر بھی پسند آئے گا آپ کو ـــــ آپ چلیے تو سہی ـــــ" شبو زمین پر دو زانو بیٹھے ان کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھے ملتجی لہجے میں کہہ رہے تھے۔

آپا نے لاکھ ضبط کیا مگر آنکھیں چھلک اٹھیں۔ آواز رندھ گئی۔ انھوں نے دھیرے سے شبو کے سر پر ہاتھ رکھا۔ "نہ میری جان! تم جاؤ خوش رہو۔ آباد رہو۔ مسرتوں اور کامیابیوں کے پھول سدا تمہارے آنگن میں مہکیں۔ بہاریں چاندنی کی طرح تمہارے آنگن میں اتریں۔"

پرفیوم کی مہک کمرے میں بکھر گئی۔ سنہری چپلوں میں جکڑے گلابی گلابی پاؤں شبو کے عقب میں آ کھڑے ہوئے تو انھوں نے نگاہ اوپر کی۔ گہری نیلی ساڑی میں منور کا گلابی رنگ دمک رہا تھا۔ وہ خاموش تھی مگر اس کا انگ انگ مسکرا رہا تھا۔ آپا کی آنکھوں سے دو آنسو ڈھلک کر شبو کے سیاہ بالوں میں گم ہو گئے۔

پھول جیسے ٹوٹ کر رات کے اندھیرے میں معدوم ہو جائے۔

میں تو منور کو [illegible] کی سی چاہت اور محبت بہن کے ارمانوں سے بیاہ کر لائی تھی کہ یہاں اس آنگن میں اس برآمدے میں ان کمروں میں اس کے رنگین آنچل کی مہک پھیلے گی۔ اس کی ہنسی کے جلترنگ بجیں گے۔ اس آنگن میں ننھے منے گڑیا گڈے جیسے بچے کھیلیں گے تو یہی میری ریاضت کا ثمر ہوگا۔ اب تم لوگ ایسا نہیں چاہتے تو نہ سہی۔

اور شبو کو وہ وقت یاد آگیا جب ثمینہ سے ان کی شادی کی بات ہوئی تھی اور ان کے چڑنے اور خفا ہونے پر آپا نے کہا تھا "مرد ہو کر روتا ہے دیوانے! تیری مرضی نہیں تو نہ سہی۔"

"آپا! آپ بھی چلیے" منور سلطانہ منمنائیں۔

"نہیں۔" آپا کا لہجہ فیصلہ کن تھا۔ "میں فوزی، ننھی۔ فوزی کا میکہ آباد رکھوں گی۔ اماں ابا نہ رہے، میں تو ہوں وہ مجھ سے بڑے ان سے پوچھیں گی کہ میکے کب آؤں؟ تو میں کہوں گی کہ جب تم ـــــ جب تم اپنے شوہر، اس کے متعلقین کے حقوق ادا کرنے میں ان کو مطمئن کر لو ـــــ جب وہ خود تم کو کہیں کہ... جاؤ تمہارے میکے کا آنگن بلاتا ہوگا۔ یاد کرتا ہوگا۔ جب۔"

"وہ میرے گھر آئیں گی آپا۔ میرے دروازے ان کے لئے کھلے رہیں گے" شبو بے صبری سے بولے۔

"تمہارے گھر؟" آپا ہنسیں۔

باہر کار کا ہارن چلایا ـــــ منور سلطانہ کے میکے سے کار آگئی تھی۔ آپا اٹھ کھڑی ہوئیں۔

"جاؤ ـــــ نیا گھر تمہارا منتظر ہے۔ خوشیاں مبارک ہوں میں تم لوگوں سے کوئی گلہ نہیں کروں گی ہاں میری صرف یہ دعا ہوگی کہ ـــــ کہ ـــــ شبو! خدا تجھے بیٹی دے دے۔"

آپا رو پڑیں۔ "بیٹی خدا کی بہت بڑی نعمت ہوتی ہے بہت عظیم رحمت ہوتی ہے شبو۔ وہ خدمت و محبت کی مورت ہوتی ہے۔ بیٹی بے لوث خدمت، بے لوث محبت کرتی ہے اور تو اس نعمت کا قدر شناس نہیں ثابت ہو سکے گا شبو۔ میری دعا ہے کہ تو کبھی اس نعمت کے لطف۔ اس محبت کی راحت سے آشنا نہ ہو ـــــ"

بیٹیاں بھاگی آئیں۔ شبیر احمد نے اپنے لان میں بیٹھ کر دیکھا تھا پہلے افشاں اور پھر درخشاں آئی تھی۔ دونوں کے بچے اور دولہا ساتھ تھے اور ..... اعجاز صاحب میں آج کیسی طاقت آگئی تھی کہ بیٹیوں کے استقبال کو دوڑ کر لان تک آئے تھے۔ بیٹیوں نے باپ کو اس قدر لاغر دیکھا تو دونوں باپ سے لپٹ کر رو دی تھیں۔ اور دور بیٹھے شبیر احمد صاحب حسرت سے اتنی دور سے نظر نہ آنے والے آنسوؤں کو دیکھا کئے جو بے لوث محبت کی علامت تھے۔

آج اعجاز صاحب کا گھر کیسا جگمگا رہا ہے۔ تینوں بیٹیوں کے دم سے رونقوں کے فوارے چھوٹ رہے ہیں۔ اور شبیر احمد آسمان پر جگمگ کرتے تاروں کے اس پار۔ کہیں دور .... آپا کا مشفق وجود تلاش کر رہے ہیں — اس تمنا کے ساتھ کہ وقت کا پہیہ ایک مرتبہ الٹا گھوم جائے۔ بشکریہ پاکیزہ۔ کراچی

خواتین کے لئے خواتین کے لکھے ہوئے ناول

ناول	مصنفہ	قیمت
دوریاں	"	پچیس روپیہ
گیلا پادامن	نکہت شاہجہانپوری	نو روپیہ
قافلہ	زبیدہ خاتون	سولہ روپیہ
آگ	تسنیم نقوی	بیس روپیہ
روپ	رضیہ بٹ	بارہ روپیہ
ناہید	"	تیرہ روپیہ پچاس پیسے
کرشمہ	فریدہ نصرت	دس روپیہ
رنگین کانٹے	نورجہاں سلیم	بارہ روپیہ
نقش	مینا ناز	بارہ روپیہ
زندگی مسکرائی	زلیخا حسین	بارہ روپیہ
بہار آنے تک	مینا ناز	پندرہ روپیہ
سوکھا ساحل	فریدہ انیس	بارہ روپیہ
پیار کا خون	نورجہاں سلیم	بارہ روپیہ
عینی	زبیدہ خاتون	بیس روپیہ
عفراز	عابدہ نسرین	تیس روپیہ
ابر باراں	زبیدہ سلطان	پچیس روپیہ
شبنم	رضیہ بٹ	سات روپیہ پچاس پیسے

لکھنؤ اپنی تہذیب و تمدن

کے لئے سارے ہندوستان ہی میں نہیں ساری دنیا میں مشہور تھا افسوس کہ انقلابات زمانہ نے لکھنؤ کی تہذیب و تمدن کو خاک میں ملا دیا۔ آج اس تہذیب کا ذکر صرف کتابوں میں ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ لوگ آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس تہذیب و تمدن کو دیکھیں اور لکھنوی لوگوں کی شیریں زبانی سے لطف اندوز ہوں۔ لیکن اب اس زبان کے بولنے والے بھی نظر نہیں آتے جو "حضرت پہلے آپ" "پہلے آپ" کہا کرتے تھے۔ اور اس مٹی ہوئی تہذیب و تمدن کے علمبردار کچھ رہ بھی گئے ہیں تو وہ گوشہ نشین ہیں اور ان تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ اپنا سب کچھ کھو کر اب وہ باہر نکلتے بھی شرماتے ہیں۔ کیسا عروج اور اب کیسا زوال ہے۔

لیکن لکھنؤ میں جو چیزیں فنا ہو سکیں وہ ہیں شاہی امام باڑے اور اور وہ کاریگر اور ہنرمند جو آج بھی اپنی کاریگری اور دستکاری کے ایسے شاہکار پیش کر رہے ہیں جو آپ اپنی مثال ہیں۔

چکن، زردوزی، کامدانی اور بادلے وغیرہ کے کام یہاں کے کاریگر ایسا کرتے ہیں کہ دیکھنے والے محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ لچکہ، گوٹہ، ٹھپا، کرن اور ستارے وغیرہ کا کام بھی بیحد نفیس بنتا ہے۔

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں

(رخسانہ دل بنیر)

سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی ہم جیسے لوگوں کے لئے نمونۂ عمل اور زندگی کی بنیاد ہے۔ چاہے آپ کسی بڑی محفل میں تشریف لے جاتے یا کسی چھوٹی محفل میں شرکت کرتے آپ نے یہ کوشش نہیں کی کہ لوگوں کے اوپر سے پھلانگ کر آگے جائیں یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرائیں بلکہ جہاں بھی جگہ ملتی وہیں آرام سے بیٹھ جاتے۔ مجلس میں تمام لوگوں سے اس طرح بے تکلف ہو جاتے کہ ہر کوئی یہی سمجھتا ہے کہ آپ کی ساری توجہ اسی کی طرف ہے ہر ایک سے کوئی نہ کوئی بات ضرور کرتے اور دوسروں کو بھی یہ مشورہ ضرور دیتے کہ ہر ایک آپس میں بات چیت کرے کیونکہ اسی طرح پیار و محبت میں اضافہ ہوتا ہے۔

جب آپ گھر میں تشریف فرما ہوتے یا کہیں باہر گئے ہوتے آپ کی سادگی اور وقار ہر جگہ نمایاں ہوتا۔ جب باہر سے تشریف لاتے تو سلام ضرور کرتے۔ گھر کے دیگر کاموں میں گھر والوں کی پوری پوری مدد کرتے اور جو کچھ ہو سکتا انجام دیتے۔ بکریوں کا دودھ دوہتے اپنی جوتیاں سیتے۔ کپڑوں کی مرمت کر لیتے۔ گھر کی صفائی کر لیتے بازار سے سودا سلف لے آتے۔

گھر میں اپنے اوقات کچھ اس طرح تقسیم کئے ہوتے تھے کہ ایک وقت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے دوسرا حصہ اپنے گھر والوں کے ساتھ گزارتے اور تیسرے وقت آرام فرماتے باقی سارا وقت امت کی بھلائی کے لئے صرف کرتے اصحاب اکٹھے ہوتے اور آپ سے دین کی باتیں سن سن کر دوسرے لوگوں تک پہنچاتے۔

جب گھر سے باہر جاتے تو فضول باتیں کرنے یا سننے سے گریز فرماتے لوگوں کے دلوں کو صاف کرتے اور آپس میں لڑائی جھگڑا کرنے سے روکتے۔ مختلف معاملات میں لوگوں کو مختلف کام سونپتے اپنے ملنے جلنے والوں کی خیریت دریافت کرتے رہتے۔ لوگوں سے ملک میں ہونے والی باتوں کے بارے میں پوچھتے اور اچھی اور بری بات کا فرق سمجھاتے آپ ہمیشہ یہ کوشش کرتے کہ کسی قسم کی بدنظمی یا بے ترتیبی پیدا نہ ہو۔ اگر کوئی صلاح دینے والی بات ہوتی تو ضرور اچھی رائے دیتے۔ یہ نہیں کرتے کہ لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے بلکہ حق بات کہہ کر چھوڑتے۔ آپ کے پاس آنے والے لوگ اچھے کردار کے مالک ہوتے۔ آپ ان لوگوں کو عزیز جانتے جو دوسروں کا خیر خواہ ہو اور آپ کی نظر میں سب سے بلند مرتبہ اس شخص کا ہوتا جو لوگوں کی غمخواری کرتا اور ہر طرح سے ان کی مدد کرتا۔

آپ حاجت مند کی حاجت روائی فرماتے یا پھر نرمی سے معذرت کر لیتے کسی کو غصے سے مخاطب نہ کرتے حق بات کے لئے آپ سب کو برابر سمجھتے۔ آپ کی مجلس حلم۔ علم۔ حیا اور صبر و امانت کی مظہر ہوتی تھی نہ خود بلند آواز سے بات کرتے نہ کوئی دوسرا اتنی بات کرتا کہ اونچا ہو۔ کسی کی کمزوریوں اور غلطیوں کو ظاہر کرکے کبھی بھی اس کی دل شکنی نہ کرتے۔ اہل مجلس تقویٰ کی بنیاد پر ایک دوسرے کے ساتھ عزت و احترام سے پیش آتے تھے۔ اپنے بڑوں کی عزت کرتے اور چھوٹوں سے مہربانی کا برتاؤ کرتے اگر کوئی بیرونی آتا تو اس کے لئے مناسب بندوبست کرتے جب آپ بات فرمانا شروع کرتے تو مجلس کے تمام لوگ اس طرح دم سادھ کر بیٹھ جاتے جیسے کہ ان کے سروں پہ پرندے آکر بیٹھ گئے ہوں اور جب آپ خاموش ہوتے تو دوسرے لوگ بات کرتے۔ ایسا بھی نہیں کرتے کہ خود ہی بولتے جائیں اور دوسروں کو بات کرنے کا موقع ہی نہ دیں بلکہ انتہائی پیار سے ہر ایک کی بات سنتے اور اپنی کہتے۔

ہمسایوں کے بارے میں بہت فکر کرتے خود بھی ان کا بہت خیال رکھتے اور لوگوں کو بھی یہی تلقین کرتے فرماتے کہ وہ شخص مومن نہیں جو ہمسائے کا خیال نہیں کرتا۔ بیان فرماتے۔ اگر کوئی شخص ہمسائے کو تکلیف دے گا تو جنت میں داخل نہیں ہوگا۔

حریم کا دسترخوان

کھجور کا حلوہ:۔

سامان:۔ پیڈ کھجور ۲۵۰ گرام۔ گوند ۵۰ گرام۔ منائیں (کھوپرا) ۱۰۰ گرام۔ مکھن یا گھی ۵۰ گرام۔ بادام کی گری ۵۰ گرام یا جتنی آپ ڈال سکیں۔ زعفران ½ ماشہ یا جتنی ممکن ہو سکے۔

ترکیب:۔ کھجور کو اچھی طرح دھو کر صاف کر لیں اس کے بعد اس کے بیج نکال کر پھینک دیں۔ گوند کو بھی دھو کر کھٹا لیں اور گرم پانی میں بھگو لیں۔ بادام کی گری کو گرم پانی میں ایک جوش دے کر چھلکا علیحدہ کر دیں۔

بادام کی گری اور گوند کو صاف سل پر پیس کر رکھ لیں۔ پھر کھجور کو بھی سل پر پیس کر گھی یا مکھن اس میں شامل کر کے ایک جان کر لیں۔ اس کے بعد گوند و بادام کھجور کے مادے میں ملا کر ہلکی آنچ پر بھونیں۔ زعفران پیس کر ملا دیں اور کسی ہموار چیز پر جما کر قاشیں کاٹ لیں یہ حلوہ عرصہ تک خراب نہیں ہوتا اور بے حد مقوی بھی ہوتا ہے۔

چھوہارے کا حلوہ بھی اسی طرح بنتا ہے البتہ چھوہارا اور ان کی گٹھلی نکال کر انھیں دودھ میں اس طرح ابالیں کہ سارا دودھ ہضم ہو جائے اس کے بعد اسی طرح عمل کریں جس طرح کھجور کے حلوے میں بتایا گیا ہے۔

دونوں ہی حلوے بے حد مقوی ہوتے ہیں۔

مرسلہ:۔ فیروزی تسنیم اشرفی (لکھنؤ)

چنے کی دال کا حلوہ:۔

چنے کی دال کا حلوہ عموماً ہر گھر میں بنتا ہے لیکن اکثر بہنیں دال کے بجائے بیسن استعمال کر لیتی ہیں اس لئے کہ اس میں آسانی ہوتی ہے۔ دال پیسنے میں کافی وقت ہوتی ہے لیکن جو لذت دال کے حلوے میں ہوتی ہے وہ بیسن سے بنائے گئے حلوے میں نہیں ہوتی۔

چنے کی دال کا حلوہ بنانے کی کوئی خاص ترکیب نہیں۔ سب ہی بہنیں بنا لیتی ہیں پھر بھی کچھ اختلافات ہیں۔ میں جو ترکیب لکھ رہی ہوں اس کے مطابق بنائیں تو یقیناً بہتر بنے۔

اشیاء:۔ چنے کی دال ۵۰۰ گرام۔ شکر ۹۰۰ گرام۔ گھی ۲۵۰ گرام۔ کھوپرا (ناریل) ۱۰۰ گرام۔ چرونجی ۵۰ گرام۔ گری بادام ۱۰ گرام۔ پستہ کم سے کم ۵ گرام۔ عرق کیوڑہ عمدہ چار سے ۸ چمچے۔ زعفران کم سے کم ½ ماشہ۔ دودھ آدھا کلو۔ چھوٹی الائچی ۵۔ چاندی کے ورق ۴-۶۔

ترکیب:۔ چنے کی دال صاف کر لیں کوئی چھلکا لگا نہ رہ جائے دال کو صاف کر کے پانی سے دھو کر دودھ میں ابالیں۔ ککر ہو تو ککر میں ہی ابالیں۔ دال جلد اور اچھی طرح گل جائے گی۔ دال کو صاف سل پر جس پر مصالحہ نہ پیسا جاتا ہو باریک پیس لیں۔ ناریل کو چھیل کر قتلے کاٹ لیں پھر ان قتلوں کو سروتے سے باریک باریک کاٹ لیں۔ چرونجی صاف کر کے دھو ڈالیں بادام پستہ کی ہوائیاں کاٹ لیں (یعنی بادام کو کھولتے پانی میں ڈال کر نکال لیں تاکہ اس کا چھلکا آسانی سے اتر جائے) پھر چاقو سے اسے اس طرح تراشیں کہ باریک باریک لمبے ٹکڑے ہو جائیں اسی طرح پستے کو بھی صاف کر کے چاقو سے جس قدر باریک تراش سکیں تراش لیں۔

اب گھی کسی قلعی دار پتیلی میں ڈال کر کڑکڑائیں اور الائچی ڈال دیں پھر پسی ہوئی چنے کی دال کے ساتھ ناریل کے تراشے اور چرونجی ڈال کر بھونیں آنچ زیادہ تیز نہ رکھیں جب دال کا رنگ زردی کے بجائے بادامی ہو جائے تو شکر ڈال کر اتنی دیر تک بھونیں کہ شکر گل جائے اور گھی چھوڑنے لگے۔

سب سے آخر میں زعفران کیوڑے کے عرق میں کھرل کر کے یا پیس کر ملائیں اور کسی طباق یا سینی میں جما کر چاندی کے ورق لگا دیں اس کے اوپر سے پستے اور بادام کی ہوائیاں چھڑک دیں ٹھنڈا ہو جائے تو تیز چھری سے قاشیں کاٹ لیں۔

عزالدین نسیم الہ آبادی

بزمِ حریم

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کی مرسلہ صرف ایک ایسی خبر ہر ماہ شائع ہو سکتی ہے جو ولادت شادی یا انتقال سے متعلق ہو۔ خبر صاف صاف اور مختصر ترین الفاظ میں لکھی جائے۔ ساتھ ہی نمبر خریداری اور پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ کے ساتھ بھیجا جائے جو خبریں ۲۰ تاریخ کے بعد وصول ہوتی ہیں وہ ایک ماہ کی تاخیر سے شائع ہوتی ہیں۔ خبر کی اشاعت میں اگر کتابت کی غلطی ہو جائے تو ادارۂ حریم ذمہ دار نہیں ہوتا، البتہ اطلاع ملنے پر اس کی تصحیح شائع کر دی جاتی ہے۔ ایک سے زائد خبر بھیجیں تو علیحدہ علیحدہ کاغذ پر لکھیں۔ جس کاغذ پر خبر لکھی جائے اور کوئی بات نہ لکھی جائے۔ (ادارہ)

ولادتِ اطفال کی خبریں

- خریداری نمبر ۱۰۰۵۶ اور ۱۳۹۹ خبریں بلا ٹکٹ ہیں۔ دوبارہ ٹکٹ کے ساتھ روانہ کریں تاکہ شائع ہو سکیں۔
- ورسلا طاہرہ ترنم۔ بی سیکا ترنم (آمبور) ہماری خالہ شاکرہ بیگم اور خالو محمد شفیع اختر صاحب کی زندگی کو بہار بناتے ہوئے اللہ پاک نے تین لڑکیوں کے بعد ۱۳ جولائی ۸۲ء بروز پیر بوقت ۸ بجے دن ایک پھول کھلایا۔ نام محمد سرور حسن قرار پایا۔ اللہ پاک عمر طویل دے اور والدین کے زیر سایہ پھلے پھولے۔
- عفرا کلام روحی "میرے بھائی جان اور پیاری بھابی کے گلشنِ حیات میں دو کلیوں کے بعد ۱۸ جولائی ۸۲ء بروز جمعہ بوقت پانچ بجے صبح بمقام ڈالٹن گنج اللہ پاک نے ایک چاند سا بیٹا عطا فرمایا۔ میری دعا ہے کہ

ہو کر عمر طویل پائے اور فخرِ خاندان بنے۔

- آفتاب احمد سلیم الدین (چن پٹن) "میرے بڑے بھائی ایم آر فیض الدین احمد (پٹھوری) اور بھابی الماس بیگم بی اے کے گلشنِ حیات میں ۲۹ جولائی ۸۲ء کی شب میں ۲ بجے، دو کلیوں کے بعد ایک حسین پھول کھلا۔ نام ایم آر سلیم الدین فیضی قرار پایا۔ دعا ہے کہ ننھا شہزادہ والدین کے زیر سایہ پروان چڑھ کر فخرِ خاندان بنے۔

پیغاماتِ نشاط

- مہ جبین رعنا (بیگو سرائے) "میری بھتیجی زاہدہ مسرت رضوی کا عقد نکاح سید وزیر علی (فرزند سید قربان علی صاحب رانچی اسسٹنٹ) کے ساتھ ۲۸ جولائی ۸۲ء کو بمقام چین پور، سیوان بحسن و خوبی انجام پایا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس جوڑی کو ہمیشہ شاد و خرم رکھے۔
- فیضی ثمانہ (آمبور) "میرے چچیرے بھیا جناب ارشد حسین بی کام (فرزند جناب خطیب احمد حسین) کی شادی بہن فاطمہ نسیم صاحبہ (دختر جناب حاجی عبدالعزیز) کے ساتھ ۴ جولائی ۸۲ء بروز یکشنبہ بوقت صبح ۱۱ بجے بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ میرے بھیا اور بھابی ہمیشہ شاد و خرم رہیں۔
- تسنیم تیمو، ثمینہ سائرہ (دانیاڑی) "میری پیاری آپا خطیب بیدین، خریدار حریم (بنت جناب خطیب فضل الرحمٰن) کی شادی جناب ایس پی عبداللہ باشاہ کے ساتھ ۱۵ جون ۸۲ء بروز اتوار بوقت ۱۱ بجے بمقام مسجد قلعہ وانیاڑی بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ جوڑی ہمیشہ شاد و خرم رہے۔
- سیدہ فاطمہ بیگم (رنج گڈھ فرخ آباد) "میری چھوٹی بہن خریدار حریم نسیم فاطمہ کاظمی کی شادی ہمارے خالہ زاد بھائی قمر الحسن (ابن علی حسن صاحب اوناؤ) کے ساتھ

بہر کیف خدا خدا کر کے دونوں جب ڈاکٹر صاحب کے یہاں پہنچے تو ایزد کا دل اچھی جگہ پہ ڈوب چکا تھا۔ پتہ نہیں وہ کیا دیکھے۔ کیا نہ دیکھے؟ دل ہی دل میں دعائیں مانگنے لگا۔

ڈاکٹر سعید کے گھر کی حالت عبرتناک اور دہشت خیز تھی۔ سب لوگ سراسیمہ اور پریشان سے ایک جگہ جمع تھے۔

ایزد کے لب سوکھنے لگے۔

نامعلوم نے مہوش کی خیریت پوچھی۔ سب اس کے پاس جاتے کتراتے تھے۔

وہ ان کی منتظر ہے۔ بیٹی "سعید صاحب نے نہایت کربناک لہجے میں کہا اور ایزد کو دیکھنے لگے "مجھے معلوم نہیں ہے کہ کون سا تعلق خاطر اس بدنصیب کو ایزد میاں سے ہے کہ وہ رات سے بے چین ہے اور ملتجی ہے کہ کسی طرح آپ کو اس سے ملوایا جائے۔"

"تت۔ تشریف لے چلیے جناب" ایزد اب خوفزدہ تھا۔ مگر بجا کہا کہ بولا۔ "آپ نے رات ہی کو مجھے اطلاع نہ دی"

"آپ چلیں صاحبزادے اس کے پاس" سعید صاحب نے کہا۔ معلوم نہیں ان کے دل کا کیا حال تھا۔

"جی ہاں" ایزد نے کہا۔ وہ دفعتاً اپنے ماضی کے خارزار میں پہنچ گیا تھا۔ تلخ ترین یادوں کے کانٹے اس کے ذہن میں چبھنے لگے۔ اور یکبارگی بہت سا خون اس کی آنکھوں میں اکٹھا ہو گیا۔

ڈاکٹر سعید کے ساتھ وہ مہوش کے کمرے میں داخل ہوا۔ حالانکہ ڈاکٹر صاحب نے سخت ترین احتیاط کے تحت اس کا کمرہ کشادہ، ہوادار، اور صاف ستھرا رکھا تھا لیکن بیماری کے جراثیم ایزد کو سارے کمرے میں بکھرے نظر آ رہے تھے۔

ایزد بمشکل تمام اپنی چیخ روک سکا۔ وہ مہوش کو پہچان بھی نہ سکا۔ بالکل مردہ لگ رہی تھی۔ بستر پر آنکھیں بند کیے یوں پڑی تھی جیسے لاش میں صرف سانس کا

"جی" وہ چونک گیا۔

"بیٹا۔ نہا دھو لو"

"بہت اچھا" وہ غسل خانے کی طرف چلا گیا۔

کھانے پر سب اس کے منتظر تھے۔ کسی نے مہوش کا تذکرہ نہیں چھیڑا جیسے اس کا مرجانا سبھی بہتر سمجھتے ہوں۔ لیکن نے شعیب صاحب سے اس بزنس کی باتیں شروع کر دیں جو وہ اس روز سے فرما میں اسٹارٹ کرنے والے تھے۔!

دس بجے رات کو وہ اپنی خوابگاہ میں پہنچا۔ کاشف ساتھ تھا۔ ایزد کی تھوڑی سی محبت نے اسے نکھار سنوار دیا تھا۔ اس نے بڑے پیار سے ایزد کو مخاطب کیا

"سو جائیں؟ نیند آ رہی ہے"

اور تب اپنے کسی خوف سے یا جذبے سے یا تسلی حاصل کرنے کے خیال سے اس نے کاشف کو سینے سے چمٹا لیا۔ پھر اس کے گال پر اپنے لب رکھتا ہوا بولا۔

"بیٹے اب میں تمہارے سوا سب کچھ بھول جاؤں گا۔ سب کچھ۔ کیونکہ تم میرے دل کا قرار، زندگی کا سکون اور جینے کا بہانہ ہو"

پھر نجانے کیا ہوا۔ بہت دیر کا دکا ہوا لاوا پھوٹ پڑا۔ کاشف کو سینے سے لگائے وہ خود ایک چھوٹے سے بچے کی طرح چپکے چپکے سسکیاں لے لے کر رونے لگا۔

تمام شد

تانا بانا کہیں متوک ہوا اور بس۔ چہرہ سرخ تھا کپڑے میلے تھے۔ ہاتھوں پر دھجیاں لپیٹ دی گئی تھیں۔ بال پیچھے پر بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں گڑھوں میں اتر گئی تھیں بیٹی بسنو۔ آنکھیں کھولو۔ دیکھو۔ ایزد میاں آگئے ہیں!" سیدہ صاحب نے اس پر جھک کر کہا۔

ایزد۔ تم۔ تم آگئے؟" اس نے فوراً آنکھیں کھول دیں: "آؤ۔ ایزد۔ اگر مجھ سے گھن نہ لگے۔ نہیں۔ نہیں۔ تم مجھ سے دور نہیں رہ سکتے!" وہ ہنسی: "بھاگے بھاگے پھرتے تھے تم میرے پیچھے۔ تم بہت اچھے ہو۔ بہت اچھے ہو۔!"

ایزد اس کے پاس بیٹھنے کے لیے آگے بڑھا۔ مگر مہ وش نے ہاتھ اٹھا کر کہا: "نہیں نہیں۔ تمہیں وعدہ لاشریک کی قسم میرے قریب مت آنا۔ وہیں کھڑے رہو جہاں کھڑے ہو۔ میں نے بہت مجبور ہو کر تمہیں بلایا ہے۔ ایزد۔ ورنہ میں اب اس قابل بھی نہیں کہ تم ــــ"

لیکن ایزد اس کے پاس آبیٹھا۔ اس کے دل میں طوفان مچل رہے تھے۔ اس نے بہت پہلے ایک مزدور، سرکش اور صحت مند لڑکی دیکھی تھی۔ اور اب اس کا یہ المناک روپ بھی دیکھ رہا تھا۔! اس نے مہ وش کے بازو پر ہاتھ رکھ کر تقریباً گلوگیر لہجے میں کہا: "کہو۔ بے پروا نہ کرو۔ مہ وش۔ کہو۔ کیا کہنا چاہتی ہو۔ تم مجھ سے :"

زندگی۔ زندگی ایزد۔ وہ سسک اٹھی ؎

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

مہ وش۔ دل مضبوط کرو۔ تم اچھی ہو جاؤ گی۔ دنیا میں تمام بیماریوں کا علاج موجود ہے :

کچھ کہہ سکتی تھی۔!

اور پھر وہی ہوا جس کی وصیت مہ وش نے کی تھی۔

رات کے تاریک پردوں میں مہ وش کی ڈولی اٹھی۔ جس پر سرخ دوپٹہ چادر پڑی تھی۔ اسے جب گور کے سپرد کر کے ایزد اور سب لوگ واپس آئے تو بہت ملول و افسردہ اور پریشان تھے!

آج بھی چودھویں کا چاند سیدہ کے وسیع صحن میں اپنی چاندی لٹا رہا تھا۔ چار چھوٹے چھوٹے بچے آنگن میں کھیل رہے تھے۔ ان کے قہقہوں نے زندگی کا ابھرا اجالا چاروں طرف پھیلا رکھا تھا۔ کاشف اپنی ننھی ننھی آواز میں تالیاں بجا بجا کر گا رہا تھا ؎

چندا ماما دور کے ــــ بوئے پتا ئیں پھول کے

اور تب دفعتہ ایزد کو یوں محسوس ہوا کہ زندگی اتنی گراں بار نہیں ہے۔ زندگی ایک مدعا ہے۔ کون ہے۔ مسکراہٹ ہے۔ بچے کا معصوم قہقہہ ہے۔ اور خدا کا دیا ہوا عطیہ ہے۔ جسے بہر حال سنبھال کر رکھنا پڑتا ہے۔ زندگی ایسی چیز نہیں ہے جسے کسی کی موت سے متاثر ہو کر داسی کی نذر کر دی جائے۔

زندگی دھند نہیں ہے۔

زندگی جوت ہے۔ ایک خلش ہے۔!

ایک گہری سانس اس کے سینے سے نکلی!۔ اور وہ مطمئن انداز میں بچوں کو دیکھنے لگا!۔

دنیا اسی کا نام ہے۔ وہ اسی طرح چلتی رہے گی۔ ان گنت لوگ دنیا سے چلے گئے۔ ان گنت لوگ چلے جائیں گے۔ لیکن کوئی کسی کے ساتھ نہیں مرتا۔؟

ایزد! ناصیہ نے اسے آواز دی۔

اپنے گھر چلا آیا۔ اس کا دل بوجھل تھا اور قدم من من بھر کے ہو رہے تھے!

سب لوگ جا چکے تھے۔ دالان میں تنہا حنا تھی۔ اور تینوں بچے۔ اماں عیلانی بھی جا چکی تھیں۔ ایزد کو تباہ حال پریشان دیکھ کر حنا اس کا چہرہ تکنے لگی۔

وہ اس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ اور سر تھام لیا۔۔

"کون مر گیا؟" اس نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا: "باجی مجھے اپنے ساتھ نہیں لے گئیں کہہ رہی تھیں کہ۔۔!"

ایزد نے غیر محسوس سسکی لے کر کہا: "آدمی مرنے ہی کے لیے پیدا ہوتا ہے۔ حنا۔ وہ بھی مر گئی۔ مگر بہت حسرت نصیب مری۔ میں اس کی ان تکلیفوں کو زبان سے دہرا بھی نہیں سکتا جو اس نے اپنی ذات پر برداشت کی تھیں۔ خدا ہی جانے وہ اپنے بعض بندوں کو عبرت کا سامان بنا کر دنیا میں کیوں بھیجتا ہے۔ خدا کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے۔ لیکن اس کی پیدائش میں اور موت میں۔ کون سی ایسی مصلحت تھی۔ میری سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ جو کسی کی سمجھ میں نہیں آ سکتا!"

"کون لڑکی تھی؟" حنا نے پوچھا۔

"ہاں!" ایزد روتے ہوئے کہنے لگا: "لڑکی ہی تھی اور معصوم بھی۔ حنا۔ میں نے تم سے پرہیز کیا کہ تم کسی کی بیوہ تھیں۔ اب تم۔ مجھ سے نفرت کرو کہ میں نے تمہیں دھوکا دیا۔ میں بھی اسے چاہتا تھا جو آج میری محبت لے کر دنیا سے چلی گئی ہے!"

"بڑی خوش نصیب تھی کہ آپ کی محبت لیے دنیا سے چلی گئی" بے ساختہ حنا کی زبان سے نکلا: "جو لوگ محبت کرتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ وہ تو امر ہو جاتے ہیں۔ ہمیشہ زندہ رہتے ہیں اپنی یادوں میں۔ خلش بن جاتے ہیں۔ اور زندگی میں جو ناکام ہو تو وہ زندگی کس کام کی!"

ایزد حیرت سے دیکھنے لگا۔ جو کم سن تھی۔ بھولی بھالی تھی۔ وہ بھی یہ سب

"ایزد۔ میں بہت بے چین ہوں۔ کسی پل مجھے قرار نہیں ہے۔ میں نے سوچا تھا کہ تم آؤ گے تو قرار آئے گا۔ لیکن تمہارے قرب نے۔ آگ سی بھڑکا دی ہے میرے سینے میں۔ ایزد میں ناشاد۔ ناکام۔ نہیں جا رہی ہوں نا۔ دنیا سے۔ تم نے۔ تم نے ایک ارمغان الفت دیا تھا مجھے۔ یاد ہے تمہیں۔۔!"

"مہوش!" ایزد کے سارے جسم پر پسینے کی ٹھنڈی ٹھنڈی لکیریں بہہ رہی تھیں مہوش بہکنے لگی تھی۔

"میں نے اپنی بیماری چھپائی تھی تم سے۔ ایزد۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ تم میرے پاس بھی آؤ۔ مگر میں خوش ہوں بہت خوش۔ تم مجھ سے محبت کرتے ہو۔ میں نے بھی زندگی کے گلستاں سے چند پھول چن لیے ہیں۔ ایزد۔ مجھے بھول نہ جانا۔ بس۔ ایزد۔ بس ایک خلش کی طرح یاد رکھنا مجھے۔ اسے جان کا روگ زندگی کا عذاب نہ بنانا۔ وعدہ کرو۔ مجھ سے۔! اسی لیے تو میں نے خاص کر تمہیں بلایا تھا۔"

"مہوش!" ایزد نے پلکیں جھپکا کر اپنے آنسو پیے: "تم۔ اتنی مایوس کیوں ہو گئیں تم اچھی ہو جاؤ گی!"

وہ بے حد المناک ہنسی ہنسنے لگی: "کیا کروں گی۔ میں اچھی ہو کے۔ اب تو یہی بہتر ہے کہ میں سب سے ہمیشہ کے لیے الگ ہو جاؤں۔ میں یہ نہیں سہہ سکتی کہ لوگ مجھ سے کترائیں۔ بھاگیں۔ پرہیز کریں مجھ سے۔ اب تو دعا کرو۔ میرے لیے ایزد کہ سکون سے [illegible]۔ میں اپنی زندگی۔ زندگی دینے والے کو دے دوں۔ آج میں بہت خوش ہوں۔ تم۔ آئے ہو نا مجھ سے ملنے کے لیے۔ تم نے آنے سے انکار نہیں کیا۔ میں تو سمجھی تھی کہ۔ میں نے خواب میں تمہارا پیارا سا چہرہ دیکھا ہے!"

"ایسی مایوسی کی باتیں نہ کرو۔ مہوش۔ تمہارے ابا تو خود ڈاکٹر ہیں۔ وہ تمہارا علاج کریں گے!" ایزد کو اس پر اتنا ترس آیا تھا کہ وہ دعائیں مانگنے لگا۔ خدا تم

کرم آپ کا مطلق ہیں اسے آنا فانا پھر پہلی کی سی صحت مند اور تندرست کر دیجئے۔
لیکن معجزوں کا زمانہ گزر چکا۔ وہ تو کربناک حقیقت سے نپٹنے کے لیے وہاں خود کو بالکل
تنہا محسوس کر رہا تھا۔ حالانکہ کمرے میں سب ہی تھے اور آپس میں گفتگو بھی کر رہے تھے
مہ وش کو شاید یہ وہم کا انتظار تھا۔ کیونکہ اس کے سامنے دل کالا دانکال
پھینکنے کے صدمہ وہ اپنے ہوش سے بیگانہ ہونے لگی۔ انداز بدلنے لگے۔ ڈاکٹر سعید جو
ایک طرف کھڑے تھے۔ انھوں نے ایزد سے کہا۔
بیٹے۔ آپ اٹھ جائیے اس کے پاس سے۔ کیونکہ: ان کی آواز گھٹ گئی۔ ایزد
گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوا۔
مہ وش۔ انہیں پتھرائی ہوئی آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی تھی پھر ٹوٹے
ہوئے لہجے میں بولی:
سنو۔ میری اس کیفیت کو عام نہ کرنا۔ مجھے دن کے اجالے میں یہ لیے
نہ پھرنا۔ جب رات آ جائے تو چپکے سے۔ چپکے سے۔ میرا سنگھار کر دینا۔ تم میرے
گہوارے پر سرخ چادر ڈال دینا۔ میں سہاگن ہوں۔ میں نے۔ جب بیاہ
کیا تھا۔ اپنے خوابوں سے۔ ایک شہزادے سے۔ جس نے مجھ سے بے پناہ پیار کیا تھا
جس نے مجھے محبت کی رعنائی دکھائی تھی۔ تم۔ تم لوگ۔ مجھے رات کے اندھیرے میں
ایک دلہن کی طرح۔ چپکے گور میں اتار دینا۔!
ڈاکٹر صاحب: ایزد سراسیمہ ہو کر بولا: انہیں کوئی انجکشن دیجئے۔ کچھ کیجئے
ان کے لیے۔ یہ تکلیف کم ہو جائے:
انتہائے محبت نے اسے پاگل کر دیا تھا۔
اب کیا ہو سکتا ہے میاں۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ یہ کشمکش جسم و روح کی کڑی
ہے۔ بچانا ہے تک رہے گی: وہ گلوگیر آواز میں بولے: معلوم نہیں کب تک

میری بدنصیب بچی یہ اذیت برداشت کرتی رہے گی: ان کے بوڑھے چہرے پر آنسو
بہنے لگے۔
اب تو اس کی وصیت پوری کرنی ہوگی۔ ایزد میاں: وہ بدحال تھے۔
اسے ہچکیاں آنے لگی ہیں: مہ وش کی والدہ۔ جنہوں اور دوسرے عزیزوں
کی حالت ایسی تھی کہ ان کی طرف دیکھنا مشکل تھا۔
آہ۔ میرے خدا۔ میری بچی کا یہ انجام تو میں نے کبھی نہ سوچا تھا: ضعیف والدہ کی
حالت ایسی تھی کہ ان کی طرف دیکھنا مشکل تھا۔
ایزد عمر بھر میں پہلی مرتبہ کسی کی موت دیکھ رہا تھا۔ اس کی امی جب ختم ہوئی
تھیں تب وہ کہیں دور تھا۔ اس کے سارے بدن میں لرزہ طاری تھا۔ اس نے
دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا لیا۔
ڈاکٹر سعید نے سب کو کمرے سے نکال دیا۔ صرف مہ وش کی والدہ اور ایک طرف
کھڑے رہ گئے۔ سائرہ کانپتے وجود کو سنبھالے باہر آ گیا۔ اس کا دل حلق میں آیا جا
رہا تھا۔ ناصیہ نے اس کی کیفیت بھانپ لی اور چھپانے لگیں کہ ناحق اس نے یہ سب
دیکھا تھا۔ لیکن ناصیہ کی موجودگی سے ایزد کو بڑی تقویت اور تسکین ہوئی۔
انہیں کمرے سے باہر آئے بمشکل آدھا گھنٹہ گزرا ہوگا کہ گریہ و بکا کا طوفان سا
اٹھا۔ ایزد نے دھڑکتا دل سنبھالا اور دیواروں سے لگ گیا۔!
ڈاکٹر صاحب رومال سے آنکھیں پونچھتے کمرے سے نکل آئے:
ناصیہ بی بی۔ اس کی ساری تکلیفوں کا خاتمہ ہو گیا۔ کیا کرتی؟ کے قریب
بچی بیچاری کے جسم میں زہر پھیل گیا تھا۔!
وہ رونے لگے!
اور پھر جب کئی خاندان وہاں اکٹھا ہو گئے تو ایزد اپنے حواس مجتمع کرنے کے لیے

دیرینہ تعلقات تھے۔ اچانک حرکت قلب بند ہونے کی بنا پر ۸ اگست ۲۰۰۶ء بروز جمعہ صابر علی صاحب انتقال فرما گئے۔ نماز جنازہ نماز عشاء کے بعد ہوئی۔ جس میں کثیر تعداد نمازیوں نے شرکت کی۔ اللہ پاک ان کی مغفرت کرے اور ان کے پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ (نسیم انصاری)

- اردو دنیا میں یہ خبر افسوس کے ساتھ پڑھی جائے گی کہ آندھرا پردیش کے اخبار کے چیف ایڈیٹر مولوی عبدالرحیم صاحب کا اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے ۱۲ اگست ۲۰۰۶ء کو انتقال ہوگیا۔ مرحوم ایک اچھے ادیب، شاعر اور صحافی تھے۔ آندھرا پردیش کو بڑی کامیابی سے چلا رہے تھے۔ اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے (نسیم انصاری)

- کے محمد اقبال (کے۔ ایچ۔ کے۔ باچا میاں) بنگلور میرے خسر محترم جناب حاجی۔ ڈی۔ ایچ عبدالصمد صاحب مسجد جماعت خانہ، بنگلور، مختصر سی علالت کے بعد ۲۹ جون ۲۰۰۶ء بروز جمعرات بوقت صبح ۴ بجے اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم بہت نیک اور بے حد خلیق تھے۔ مسجد کی خدمات ۴۰ سال سے بحسن وخوبی انجام دے رہے تھے۔ نماز جنازہ میں کثیر التعداد لوگ شریک ہوئے۔ تدفین قبرستان جدید واقع میسور روڈ بنگلور میں ہوئی۔ اللہ پاک مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

ضرورت رشتہ

ایک سنی شریف اور اچھے خاندان کے برسر روزگار خوبصورت نوجوان (عمر ۳۲ سال) کے لئے اچھے گھرانے کی قبول صورت، سلیقہ شعار، امور خانہ داری سے واقف اور کم از کم ہائی اسکول تک تعلیم یافتہ لڑکی سے رشتہ مطلوب ہے۔ مفصل خطوط اس پتے پر ارسال فرمائیں۔

باکس نمبر ۱۰ معرفت ایڈیٹر ماہنامہ حرم
۲۵، لاٹوش روڈ لکھنؤ۔ ۲۲۶۰۰۱

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس مہنگائی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ ہلکے پھلکے سے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہو گئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا لچکا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہوجاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں۔ خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں ہلکے پھلکے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سورج بیلیں اور چمپا چکلی وغیرہ لگا کر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے یا خراب ہو جائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو ماند کرتے تھے۔ یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولہ میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے اس طرح کا تمام سامان آپ کو......

درشوول آرٹ زام اینڈ سنز گوٹے والے

راجا کلی ... بلڈنگ، امین آباد لکھنؤ سے مل سکتا ہے۔ مال وی۔ پی۔ سے منگائیں یا خود تشریف لا کر ملاحظہ فرمائیں۔

(فون نمبر ۲۲۲۲۲۳)

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کا مرسلہ ایک شعر شائع کیا جاتا ہے۔ بشرطیکہ شعر معیاری، پاکیزہ اور صحیح ہو، ساتھ ہی ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو اور نمبر خریداری کے ساتھ بھیجا گیا ہو۔ اکتوبر کے لئے عنوان ہے "روشنی" اور نومبر کے لئے "عمر"۔ ۲۰ تاریخ کے بعد وصول ہونے والے اشعار شائع نہیں کئے جاتے۔

تمنا ہے کہ اشرف میں مدینہ بار بار دیکھوں
دکھوں نظر منظر گلستان رسالت کا

مرسلہ:۔ سہیل اشرف (کلکتہ)

جنت بھی گوارا ہے مگر میرے لئے
اے کاتب تقدیر مدینہ لکھ دے

مرسلہ:۔ مرسلہ احمد عظمت (رامپور)

مکہ سے آرزو دل کی مدینے کی زیارت ہو
دم نکلے مرا سجدے میں کچھ ایسی عبادت ہو

مرسلہ:۔ عقدا کلام معیٰ دیگ سرایتی

دل سے ہوں میں بے قرار مدینہ
خدایا دکھا دے دیار مدینہ

مرسلہ:۔ حمیرہ تسنیم (رامپور)

وہ کیسے ہیں دیار مدینہ
ہم آنکھوں سے دیکھیں بہار مدینہ

مرسلہ:۔ شہناز بیگم (ہنگا راپٹ)

مرسلہ:۔ نجمہ حافظ (ٹمکور)

مدینے والے آقا یہ تو حسرت ہے کہ دم نکلے
تمہارا مدحت اور دیکھ کر آنکھ کام نکلے

مرسلہ:۔ کشور جہاں شمسی (دیوبند)

سنا ہے کیا تم کو جنت کی خبر ہی
مدینے سے بڑھ کر تھا رہ نہ ہوگا

مرسلہ:۔ مسز نسیم حق (ایچ پور)

آنکھیں مری وا ہیں اسی امید پہ یارب
پرشوق نگاہوں کو ہو دیدار مدینہ

مرسلہ:۔ زاہدہ خاتون (میسور)

دکھا دے یا الٰہی وہ مدینہ کیسی بستی ہے
جہاں پہ رات دن مولا تری رحمت برستی ہے

مرسلہ:۔ رضیہ فرحت (نامپلی گاؤں واری)

مجھے اس طرح موت آئے الٰہی
کہ ہوں سامنے شہر دیار مدینہ

مرسلہ:۔ نجم السحر (کرنول)

ملتی ہے محبت کی سوغات مدینے میں

جذبات سیفی سرونجی

ہوتی ہے محبت کی برسات مدینے میں
اے کاش کہ لے جائیں حالات مدینے میں
اس نور رسالت کا عالم تو کوئی دیکھے
ہر سمت چمکتے ہیں ذرات مدینے میں
کیا شان نرالی ہے گلزار محمدؐ کی
رہتی ہے بہاروں کی بارات مدینے میں
روکو نہ مجھے لوگو جانے دو اسی در پہ
جا کر میں سناؤں گا ہر بات مدینے میں
جنت کا مجھے ارماں ہرگز نہ کبھی ہوگا
گزریں جو مرے آقا دن رات مدینے میں
اے قافلے والو تم جلدی سے چلو طیبہ
ملتی ہے محبت کی سوغات مدینے میں
یہ حال ہوا اب تو سیفی ترے آقا کا
رہتا ہے تصور میں دن رات مدینے میں

وہ سب اس کے باپ ہیں۔! اس نے خود پر لعنت بھیجی۔!

دفعتہً پردہ ہٹا اور تین آدمی باہر نکلے!۔ ایک معمر اور سنجیدہ۔ دو ان کے بیٹے۔ رسمی علیک سلیک کے بعد منیجر صاحب نے ان کا تعارف کرایا۔ اور آمد کا مقصد بتایا۔

اچھا اچھا: وہ صاحب بولے: یہ کار چلا سکتے ہیں: اور ایک سرسری نظر اس پر ڈالی۔ پھر بلاوجہ کھنکارے! پھر بولے: خیر۔ احراز اور اعزاز صاحب سے بات کر لیں گے۔ میں تو جا رہا ہوں!! اور وہ ان سے مصافحہ کر کے چل دیے۔

اچھا تو پھر مجھے بھی اجازت دیجئے: منیجر صاحب نے کہا۔ اور پھر احراز صاحب کی طرف دیکھ کر بولے: "آپ کے اطمینان کے لیے اتنا اور کہہ سکتا ہوں کہ شائد ہفتہ عشرہ سے یہ میرے ہی گھر میں مقیم ہیں۔! بہت اچھے آدمی ہیں۔!"

ٹھیک ہے ٹھیک ہے: احراز نے مسکرا کر کہا: آپ کہہ رہے ہیں تو یہ بہت اچھے آدمی ہوں گے بھی بظاہر بھی ان کا چہرہ سفارش کر رہا ہے۔ اچھا تو۔ منیجر صاحب۔ میں چاہتا تھا کہ مشاہرہ وغیرہ کے بارے میں آپ ہی طے کر دیجئے میں اس سلسلہ میں کوئی تجربہ نہیں رکھتا۔ لہٰذا کچھ کہہ بھی نہیں سکتا!:

صاحبزادے: منیجر صاحب نے کہا: آپ اپنے سابقہ ڈرائیور کو جو دیتے تھے وہی انہیں بھی دے دیجیے۔

لیکن: دفعتاً کے چھوٹے بھائی اعزاز نے کہا: میں سوچ رہا تھا کہ یہ کیسے کار چلا سکیں گے!

کیوں: منیجر صاحب نے پوچھا۔

کیونکہ یہ شکل سے ڈرائیور نہیں لگتے: اعزاز نے کہا۔

احراز نے بھی چونک کر مکرم کی طرف دیکھا۔ وہ چپ چاپ کھڑا تھا۔ احراز سے نظریں ملیں اور سر جھکا لیا۔ (باقی آئندہ)

ضمیمہ حریم ستمبر ۸۳ء

پہلی قسط

پچھتاوے

عفت موہانی

جملہ حقوق اشاعت دائمی طور پر بحق
نسیم بکڈپو لکھنؤ محفوظ ہیں

قیمت

ناشر

نسیم بکڈپو ۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ

ٹیلیفون } آفس ۔ ۲۲۵۵۹
رہائش ۴۵۳۳۲

باہتمام عرفان الرحمٰن، سرفراز قومی پریس لکھنؤ میں چھپ کر شائع ہوئی

کا میں منیجر ہوں ۔ مجھ سے انھوں نے ڈرائیور کے سلسلے میں کہا تھا ۔ اگر آپ کو منظور ہو تو ۔ سہ پہر کو چلئے میرے ساتھ ۔!

وہ چپ رہا ۔ اسے گومگو میں دیکھ کر انھوں نے کہا ۔

فی الحال کوئی بڑی ملازمت ملنی محال ہے یہاں ۔ کیونکہ جیسا کہ تم نے کہا ہے ۔ تم پڑھے لکھے بھی نہیں ہو ۔ اور ویسے بھی ۔ پڑھے لکھوں کو آج کل گھاس کون ڈال رہا ہے ۔ جو نوکری مل جائے غنیمت سمجھو ۔ یوں بھی تم ایک جان کے لیے لمبی چوڑی ملازمت کیا ؟"

جی ہاں ۔ سہ پہر کو لے چلئے مجھے اپنے ساتھ !"

دل چھوٹا نہ کرو " انھوں نے بڑے خلوص سے سمجھایا ۔ "جب کبھی اچھی ملازمت ملے ۔ اسے چھوڑ کر وہ اختیار کر لینا ۔ میں بھی کوشش کرتا رہوں گا ۔ اگر اسی فیکٹری میں کوئی جگہ خالی ہوتی تو میں رکھوا دیتا ... مگر یہاں تو سنا ہے کہ تخفیف کا معاملہ درپیش ہے ۔"

"ایسی صورت میں نیا تقرر کیا ہو سکتا ہے جناب !"

"ہاں میاں ۔ یہی تو دشواری ہے ۔! خیر یہ نہیں اور سہی ۔!"

کرم نے بھی سوچا ۔ فی الحال یہی سہی ۔ ملازمتوں کا حال اسے معلوم تھا ۔ اگر وہ ساری کی حرص کرتا تو یہ آدھی بھی شاید چلی جاتی ۔

"مجھ ۔ بڑے باپ کا بیٹا !" ایک زہریلی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر ابھری
منیجر صاحب اسے اپنے ساتھ لے کر کوٹھی پر پہنچے ! ۔ اور اس کی آمد کی اطلاع کرا دی!
کرم کا دل دھڑکنے لگا تھا ۔ اور ہتھیلیاں پسیج رہی تھیں : "بڑا آدمی" ! ماں نے کہا تھا ۔ تمہارا باپ بڑا آدمی تھا ۔ تو کیا یہی آدمی میرا باپ ہوگا !" ۔ دوسرے لمحہ اس احمقانہ خیال پر اسے ہنسی آ گئی ۔ اس شہر میں جتنے بڑے آدمی ہیں

بعد اس کے پاس صرف ڈھائی سو روپے بچے تھے!۔ رہائش کا اہم مسئلہ یوں حل ہوا تھا کہ اسٹیشن پر ایک صاحب اس کے دوست بن گئے تھے جن سے تین دن کے سفر میں خاصی شناسائی ہو گئی تھی۔ مکرم نے انھیں صرف یہی بتایا تھا کہ ماں باپ کے انتقال کے بعد وہ اپنے ان عزیزوں سے ملنے لکھنؤ جا رہا تھا جن سے وہ کبھی ملا نہ تھا۔ اور یہ بھی کہا تھا کہ اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ اسکے وہ عزیز کہاں رہتے ہیں!۔ تب ان صاحب نے پیش کش کی تھی کہ وہ ان کے پاس ٹھہر جائے۔ ! لہٰذا وہ ٹھہر گیا تھا ان کے پاس۔ مگر اپنے کھانے پینے کا بار ان کے سر نہیں ڈالا۔ جب انھیں معلوم ہوا کہ وہ بے روزگار ہے تو انھوں نے اسے روزگار دلانے کا بھی وعدہ کیا!۔

مکرم کو وہ اپنا چھوٹا سا اسکول یاد آیا۔ جہاں وہ پڑھتا تھا! وہ بزنس مین صاحب یاد آئے۔ جن کی وہ گاڑی چلاتا تھا۔! اور اب یہاں تو اسے سوائے اس کے کہ اپنے گمشدہ عزیزوں کو تلاش کرنا تھا لہٰذا وہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کے آ گیا تھا!۔

ہوٹل سے واپس گھر پہونچا تو اس کے محسن نے اطلاع دی۔ فی الحال ایک صاحب کی کار چلانے کی اسے ملازمت مل سکتی تھی۔ جن کا ڈرائیور اپنے وطن چلا گیا تھا!۔

ایک چمک سی مکرم کے دل سے اٹھی۔!

"اس کے نصیب میں ڈرائیوری لکھی ہے۔" قسمت کیسے عجیب مذاق کرتی ہے۔ "کن صاحب کی موٹر چلانا ہے۔ جناب!" اس نے پوچھا۔

"صاحبزادے بڑے آدمی ہیں۔" وہ بولے "یہاں نادان محل میں کام کرتے ہیں۔ بہت شریف بہت بھلے آدمی۔ ان کی شیشہ سازی کی فیکٹری

گرمی کی وہ بڑی قہر انگیز دوپہر تھی۔ جب مکرم کلینک سے نکلا۔ اس کے ہاتھ میں دوا کی شیشی اور باسکٹ میں معمولی سے کچھ پھل تھے۔ جلد سے جلد گھر پہونچنے کی بے چینی میں وہ گرمی کے تپتے ہوئے موسم کو بھی فراموش کر گیا اور پیدل ہی چل پڑا کسی طرف توجہ دیے بغیر۔

راستے بھر اس کا دل خلش آمیز طریقے سے دھڑکتا رہا۔ معلوم نہیں اماں کی کیا حالت ہے۔ وہ رات ہی سے ہذیان بکنے لگی تھیں!۔ پہلے پہل وہ سمجھا تھا کہ جیسے اوروں کو فصلی بخار آ رہا ہے۔ اسی طرح اماں کو بھی آ گیا تھا۔ مگر جب ان کی بیماری کی شدت بڑھ گئی تو اسے فکر ستانے لگی!۔ اماں کے سوا اس کا کون تھا باپ مفلسی اور ناداری کے عالم میں دس سال پہلے ہی ان کا ساتھ چھوڑ چکا تھا۔ بہن بھائی کوئی تھا نہیں!۔ اماں کے دامن تلے ان کا آنچل پکڑے اس نے زندگی کے ان گنت شب و روز جھیلے تھے!۔ اور اب کوئی خطرے کی گھنٹی برابر اس کے کانوں میں بج رہی تھی۔! اماں کے آثار اچھے نہیں تھے!۔

اور گھر پہونچا تو تنور کے سے دہکتے ہوئے صحن میں قدم رکھتے ہی اسے چکر آ گیا۔ دھوپ کی تیزی نے آنکھیں بند کر دیں۔ اور اس کی حلق میں گھٹ گئی۔ اماں بے ترتیب سی اپنی چارپائی پر لیٹی تھیں۔ مکرم کے آواز دینے پر آنکھیں

کھولیں اور اسے یوں دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہی ہوں۔

اماں۔! اس کا دل رو پڑا۔

کرم ؟: اماں کے پژمردہ لبوں پر ایک سوگوار تبسم اُبھر کے مٹ گیا:

میرے لال تم آگئے۔ کہاں سے آ رہے ہو؟:

اماں۔ آپ کی دوا: اس نے آواز سنبھال لی۔

" اب مجھے دوا کی تکلیف نہ دے۔ بیٹے۔ رہنے دے مجھے یونہی:

پی لیجیے۔ اماں۔ بس: یہ گرمی کم ہو جائے تو خدا آپ کو اچھا کر دے گا۔

تم کہتے ہو تو پی لوں گی مگر۔ یہ خیال دل سے نکال دو کہ میں اب اچھی ہوں گی

اماں مجھے مت ڈرایئے۔

دل مضبوط کرو۔ کرم۔ یہ وقت جلد یا بدیر آنے ہی والا ہے۔

اماں:

وہ چپ چاپ گہری گہری سانسیں لیتی رہیں۔

کرم نے اماں کو دوا پلائی۔ سیب چھیل کے کھلایا۔ اور پاس بیٹھا باتیں کرتا رہا۔! وہ اس کی نا سمجھی کی باتوں پر مسکراتی رہیں۔ کرم نے انھیں کچھ ٹھیک دیکھ کر کہا۔

" اچھا اماں۔ میں ذرا خالہ کو بلا لاؤں۔ وہ آپ کے لیے کھچڑی پکا دیں:

" تم کیا کھاؤ گے ؟:

میرے لیے دوپہر کی ماش کی دال اور دو روٹیاں رکھی ہیں۔ کھا لوں گا۔

میری فکر مت کیجیے:

جاؤ کھا کے آجاؤ:

ابھی بھوک نہیں لگی۔ آپ کے حصے کا آدھا سیب کھا چکا ہوں:

ایک بیمار قریب المرگ ہذیان زدہ عورت نے کہا تھا۔ کیا وہ سچ مچ صحیح تھا وہ درحقیقت ایک بڑے باپ کا بیٹا تھا، مگر کہاں تھا وہ بڑا آدمی جس کا پتہ اسے معلوم نہیں۔ اس وسیع و عریض شہر میں ہزاروں بڑے آدمی ہیں! اس نے یہاں شاندار عمارتیں دیکھیں۔ تیزی سے گزرتی ہوئی کاریں دیکھیں ہر اس عمر رسیدہ مرد اور عورت کو بڑے غور سے گھورا جس پر اس کی عمر والے بیٹے کے ماں باپ ہونے کا شبہ ہوتا۔ مگر نہیں اسے اپنی دیوانگی پہ ہنسی آنے لگتی! اگر اماں نے سرسام میں کچھ غلط سلط نہ بک دیا تھا تو پھر اس بڑے شہر میں ماں باپ، چچا، پھوپھی اور ماموں کی تلاش گھاس کے گٹھے میں سوئی کی تلاش کرنے کے برابر ہے۔

تقدیر۔ تقدیر۔! وہ تھکا ہارا ایک ہوٹل میں آ بیٹھا۔

کاش اماں نے وہ سب کچھ نہ کہا ہوتا۔ پچیس برسوں تک جس راز کو سینے میں چھپائے رکھا تھا وہ آخر دم تک چھپائے رکھتیں۔ مگر نہیں۔ وہ اپنے ضمیر کا بار اتار کر چل دیں۔ اور اس کے سر پہ پہاڑ رکھ دیا۔ ایک خلش، تکلیف دکھ۔ الجھن۔ کرب۔ کیا کچھ نہ تھا اس کی ذات میں۔ کیسی عجیب و غریب سزا دے کے گئی تھیں۔

کیا چاہیے صاحب ؟: لڑکا اس سے پوچھ رہا تھا!۔

بسکٹ اور چائے: اس نے چونک کر کہا۔

بس؟!

بس!!!

لڑکا مسکراتا ہوا چلا گیا۔

اپنے پیسے وہ بڑی احتیاط سے خرچ کر رہا تھا۔ اماں کی آخری رسوم کے

میرے جگر کے ٹکڑے نہ رو۔ میرا دم آسانی سے نہیں نکلے گا! "

اماں۔ ایسی باتیں نہ کیجئے "

" اپنی گنہ گار اماں کو معاف کر دے۔ بیٹا۔ بڑے بھاری گناہوں کا بوجھ اُٹھائے چلی ہے۔ کہہ دے اپنی زبان سے۔ تونے مجھے۔ معاف کر دیا۔ بول دے نکرم۔ خدا کے واسطے۔!"

" اماں۔ میں آپ کو اپنی سگی ماں سمجھتا ہوں ... اماں۔ اماں۔ آپ سن رہی ہیں! "

" ہاں۔ سن رہی ہوں۔ خدا تمہارا حافظ و ناصر ہو۔ میرے بچے۔ تم سدا خوش رہو۔ پھولو پھلو۔ اپنوں میں پہونچ جاؤ۔ اللہ اللہ! "

" اماں۔ اماں "

" آ میرے بیٹے۔ میرے سینے سے لگ جا آخری دفعہ۔!"

وہ ماں کے ڈوبتے ابھرتے سینے سے لگ گیا۔ مگر آج اماں کے کمزور بازو اسے بھینچنے کے لیے نہیں اٹھے۔ بے جان ہو کر ادھر ادھر گر گئے۔!!!

شہر لکھنؤ۔! ہندوستان کا نرم و نازک دل لکھنؤ، نفاست پسند، تکلف، خوش مذاق باشندوں کا دماغ۔ لکھنؤ۔!

اور وہ مسلسل ہفتہ بھر سے لکھنؤ کے گلی کوچوں کی خاک چھان رہا تھا!۔ بے مقصد بے وجہ ادھر ادھر مارے مارے پھرتے ہوئے درحقیقت اس کے پاؤں میں آبلے پڑ گئے تھے۔ کبھی کبھار وہ خود کو پاگل سمجھنے لگتا! جو کچھ

" اچھا تو میرے پاس بیٹھے رہو۔ آج مجھے تم سے کچھ کہنا ہے! پھر شاید موقع نہ ملے "

پھر وہی بات " نکرم نے روٹھے ہوئے لہجہ میں کہا اور خوشامد سے اماں کا جھریوں پڑا چہرہ اپنے دونوں ہاتھوں میں دبا لیا۔ دفعتہً اس کے سارے جسم میں بھٹی سی دہک اٹھی۔ دوا جاری رہا ہے۔ بحران کا بخار کم نہیں ہوا وہ ڈر گیا۔

" بیٹے۔ میں جو کچھ کہوں گی۔ اسے میری بکواس یا سرسام نہ سمجھنا۔ بہت دنوں سے یہ بات میرے ہونٹوں تک آ آ کے رکی جا رہی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے تم سے کہوں گی۔ تم کیا سمجھو گے۔ میرے اس گناہ کو معاف بھی کرو گے کہ "

گناہ۔ آپ کا؟" وہ ہنس دیا ۔ " اماں آپ کو نیکی کی حور بنا کے خدا نے زمین پر اُتار دیا ہے۔ آپ کی سی متقی پرہیزگار ہستی میں نے کہیں نہیں دیکھی!"

بیٹا وہ سب گناہ کے داغ دھونے کے لیے میرا ایک ڈھونگ تھا۔ خدا نے ہرگز میرا گناہ معاف نہ کیا ہوگا۔ اور تم بھی معاف نہ کرو گے!۔

وہ ان کا چہرہ تکنے لگا کچھ بول نہ سکا۔! بول ہی نہیں سکتا تھا۔ ماں کا چہرہ کیا تھا۔ دکھ اور اداسی کا جیتا جاگتا مرقع تھا۔ کوکھی سہی، غربت زدہ، بھولے سے بھی اس نے کبھی انھیں کھلے دل سے ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ ہمیشہ وہ آہیں بھرا کرتیں چپکے چپکے رویا کرتیں۔ تنہائی میں توبہ کرتیں۔ کون سا ایسا گناہ ان سے سرزد ہو گیا تھا۔ جب تک ابا زندہ رہے۔ وہ بھی مجرموں کی سی زندگی گزارتے رہے۔ جیسے دونوں ایک دوسرے سے نظریں چار کرتے شرماتے تھے!۔ تو پھر۔ اس کے آگے وہ سوچ نہ سکا۔ کس کے مجرم تھے

اس کے والدین۔؟

مکرم؟:

جی: وہ چونک پڑا۔

بیٹے، میرے آگے پیچھے کیسی دوزخ بھڑک رہی ہے۔

موسم بہت گرم ہے اماں۔!

گناہوں کی گرمی ہے۔ بیٹے۔ موسم کی نہیں!۔

اماں آپ خواہ مخواہ دل بھاری کر رہی ہیں۔!

وقت مہلت نہیں دے گا: اماں کی سانسیں پھولنے لگیں: سن لو۔ میں جو کہنا چاہتی ہوں۔ اگر مجھے موت نے لے گئی۔ اور میں تم سے کچھ کہہ نہ سکی، تو پھر یقین کر لو کہ میری مٹی قبر میں نہ لگے گی۔ میری روح کو آسمان پر بھی قرار نہ آئے گی۔ میں بخشی نہ جاؤں گی، مکرم! جب تک میں اپنے گناہ کا اقرار تمہارے سامنے نہ کر لوں گی۔ اور تم مجھے معاف نہ کر دو گے!۔

ہذیان۔ مکرم کا دل رونے لگا۔ اماں کی بیداغ زندگی اس کے سامنے ہے پھر کون سا گناہ اماں نے کیا ہے۔ اس نے تو انہیں چھوٹی سی برائی میں بھی ملوث نہیں دیکھا تھا۔ عمر بھر نماز تلاوت اور روزے جن کا شعب المعین رہے تھے۔!

ان کی دھندلی بے نور آنکھوں سے ایک سیلاب اشک بہہ نکلا۔ دیر تک روتی رہیں۔ مکرم ششدر یا حیران سا ان کے آنسو پونچھتا رہا۔

جب ذرا ان کی طبیعت کچھ سنبھلی، تو دیوار کا سہارا لے کر اٹھ بیٹھیں۔ آنسو بہانے سے ان کے دل کا غبار کچھ دھل گیا تھا۔۔۔ ایک آہ بھر کر بولیں۔

"دنیا میں کسی کے ماں باپ سدا بیٹھے نہیں رہتے۔ سب انسان مرنے

یہ تو میں نے اپنے طور پر رکھ لیا تھا:

وہ پھر خاموش ہو گئیں۔ بجانے تھک گئی تھیں کہ شرم عصیاں نے طاقت گویائی سلب کر لی تھی۔ مکرم بھی چپ تھا۔ جن احساسات نے بیک وقت اس پر حملہ کر دیا تھا ان کا تجزیہ کرنے سے وہ قاصر تھا!۔

"مکرم؟"

"جی"!

بیٹے۔ دو گھونٹ پانی۔!

"ابھی لایا۔ اماں:"

اور جب وہ ان کے ہاتھ سے کٹورہ لے رہا تھا تب پوچھا۔

"اماں اب تو آپ کی طبیعت کچھ اچھی ہے نا؟":

اماں زار زار رونے لگیں۔ انہیں خوف تھا۔ مکرم انہیں لعنت ملامت کرے گا۔ شکایت کرے گا۔ مگر اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔ وہ بدستور سیدھا سادا تھا۔ نہ شکوہ نہ ملامت۔!

اماں کی سانسیں بگڑنے لگیں۔ اور مکرم نے محسوس کیا کہ اب ان کی آنکھیں بھی ایک مرکز پر قائم نہیں رہ گئی تھیں۔

دفعتاً ان کی سانس بے ترتیب ہو گئی۔ بڑی مشکل سے بولیں: مکرم۔ بیٹے سنو۔ اندر کوٹھری میں۔ بڑے صندوق کے نیچے۔ زمین میں۔ کچھ روپیہ میں نے۔ چھپا رکھا ہے۔ وہ تم۔ نکال لینا۔ مجھے میری بیٹی چوٹی سارہ لپیٹ کے دفن کر دینا۔ وہ بھی تمہاری ہی کمائی ہے۔ میرے بچے۔ جو تم نے ہاتھ پر لا دی تھی۔۔۔ کیا تو رو رہا ہے میرے بچے؟۔ تیری سسکیاں سنائی دے رہی ہیں مجھے۔ تیری چاند سی صورت دکھائی نہیں دے رہی۔ بڑا۔

بم پھینک مارا۔

مجھے ؟؟! وہ دھک سے رہ گیا۔

ہاں میرے بچے۔ تجھے۔ اٹھالائی میں۔ کسی سے نہیں کہا۔ کسی کو معلوم بھی نہیں ہوا کہ تم میرے بچے نہیں ہو۔ ہم پھر واپس۔ تمہارے وطن لکھنؤ نہیں گئے۔ نہیں وہاں سے یہاں۔ اس بڑے گنجان شہر حیدرآباد۔ میں کون آتا؟ یا اگر آیا بھی ہو تو۔ پتہ کیسے چلتا؟۔ ہم نہایت نادار لوگوں کی بستی میں رہتے تھے۔ تمہیں تلاش کرنے والے کب تک تلاش کرتے۔ پچیس سال کا عرصہ بہت ہوتا ہے۔ تھک ہار کے بے چارے خاموش بیٹھ گئے ہوں گے۔!

مکرم کے کانوں میں تیز ہوا سائیں سائیں کرنے لگی۔

گناہ ایک زہریلا کانٹا ہے۔ جو ہمیشہ گناہ کرنے والے کے دل میں کھٹکا کرتا ہے۔ ہماری خوشی میں زہر گھلا ہوا تھا۔ ہم ایک دوسرے سے چور بنے رہتے۔ میرے شوہر اسی غم میں گھل گھل کے دق میں مبتلا ہو گئے اور ختم ہو گئے۔! وہ ایک دفعہ لکھنؤ گئے تھے تاکہ تمہارے ماں باپ اور عزیزوں کا پتہ چلائیں لیکن وہ لوگ نہ ملے۔ پتہ نہیں کسی اور جگہ چلے گئے۔ یا غموں نے انہیں بھی جیتا سلامت نہ رکھا۔ خدا جانے۔

مکرم نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔ اسے اندیشہ تھا۔ یہ دھڑکتا ہوا دل پسلیاں چیر کر باہر نکل آئے۔ اس کا سارا جسم تپ رہا تھا۔!

تمہارے باپ چچا اور ماموں سب بڑے آدمی تھے: اماں نے سلسلۂ کلام جاری رکھا: تمہاری ایک پھوپھی بھی تھیں۔! ان سب کو تمہیں تلاش کرنا ہے۔ میرے مرنے کے بعد لکھنؤ چلے جانا۔ اے بیٹا۔ کاش مجھے تمہارے باپ کا پورا نام یاد ہوتا۔ احمد پر ختم ہوتا تھا۔ تمہارا نام بھی کچھ اور تھا۔

ہی کے لیے یہاں آئے ہیں۔ فنا کا چکر ازل سے چل رہا ہے۔ ابد تک چلتا رہے گا۔ تم سمجھدار ہو۔ پڑھے لکھے ہو۔ تمہیں اپنی پہاڑ سی زندگی کے نشیب و فراز سے گزرنا ہے۔ میں بوڑھی ہوں۔ بیمار ہوں۔ آج نہیں تو کل میرا جانا یقینی ہے۔ میری موت پر بزدل لڑکے کی طرح آنسو نہ بہانا۔ مکرم۔ بیٹے۔ مجھے بھول جانا۔ مگر میری باتیں یاد رکھنا۔ اور ان لوگوں کا کھوج لگانا جو تم سے بچھڑ گئے ہیں!!۔

سچ؟؟؟: وہ بس یہی کہہ سکا اور حیرت سے ان کی صورت تکنے لگا۔ زرد چہرہ۔ سرمئی حلقوں میں جلتی ہوئی آنکھیں۔!

میں بہک نہیں رہی بیٹا۔ میرے حواس قابو میں ہیں: وہ کچھ دیر خاموش رہ کر پھر بولیں: اور۔ اب۔ پچھلے پچیس برس کے ایک ایک لمحے میری یاد میں زندہ ہو رہے ہیں!۔ آج تمہاری عمر چھبیس سال ہے۔ اور جب تم صرف ایک سال کے تھے۔ تب!

تب؟...: مکرم دم بخود انہیں تکنے لگا۔

میں ایک معمولی سی ہستی ہوں۔ بیٹا۔ بڑے دولت مند گھرانے کی خادمہ ایک بچے کی گورنس تھی۔ میری مالکن کے بہت چھوٹے چھوٹے دو بچے تھے جنہیں وہ ڈھنگ سے سنبھال نہ سکتی تھیں۔ بچی دو سال کی تھی۔ وہ ماں کے پاس رہتی اور ایک سال کا بچہ میرے پاس۔ مجھ سے بہت مانوس تھا۔ میرے پاس رہتا میرے پاس سو جاتا۔ میرے ہاتھ سے کھانا کھاتا۔ میری گود سے اماں کی گود میں بھی نہ جاتا۔ کیا بتاؤں۔ وہ کیسا پیارا بچہ تھا۔ سفید ریشم کا ڈھیر، نرم و نازک، خوبصورت۔ بھولا بھالا، پیارا پیارا بچہ۔ میں نے اسے اپنا کر لیا مکرم۔ کیونکہ شادی کے دس سال ہو چکے تھے میں بے اولاد

تھی۔ اور اب میرے شوہر مجھ سے نفرت کرنے لگے تھے۔ ان کے صبر کی انتہا ہو چکی تھی۔

میں نے دعائیں مانگی تھیں۔ خدا میری گود میں ایک چاند اتار دے۔ خدا نے میری سن لی! وہ چاند جو دوسرے آنگن میں اجالا پھیلاتا۔ میری گود میں اتر آیا۔ میری تاریک زندگی میں روشنی پھیل گئی۔ میرے شوہر کو بھی اس بچے سے بے حد محبت تھی اور اسے پاکر وہ اپنی دوسری شادی کا خیال بھی بھول گئے تھے۔ اور میں خوش تھی کہ میرے سینے پر سوکن نہیں آئی۔!

میری مالکن جب بچے سے لاپرواہ ہو گئیں تو میرے دل میں ایک گناہ رینگ آیا۔ میں نے اپنے شوہر کو بھی اپنے پاپ میں شامل کر لیا۔ ایک روز جب میری بیگم کے بھائی بیمار تھے۔ وہ انہیں دیکھنے میکے گئی تھیں۔ اور بچے کو میرے پاس ہی چھوڑ گئی تھیں۔ ہم نے۔ میں نے اور میرے شوہر نے آپس میں مشورہ کرکے بچے کو اغوا کر لیا۔ اسے اپنے ساتھ لے آئے۔ راتوں رات اس طرح بھاگے کہ دھول بھی نہ چھوڑی۔!

بے خبر بچہ میرے پاس تھا! اسے حالات کی کچھ خبر ہی نہ تھی۔ اس پر کیا گزری؟ ہم نے امارت و تمول کی گود سے اٹھا کر اسے افلاس و غربت کے پاتال میں گرا دیا۔ وہ بدستور میرے سینے سے لگا رہا۔! نہ اسے ماں یاد آئی نہ باپ۔ وہ تو مجھ سے مانوس تھا... اپنی کوکھ سے پیدا کرنے والی ماؤں نے اپنے بچوں سے اتنی محبت نہ کی ہوگی، جتنی میں نے اس سے کی!۔

اماں نے ایک گہری سانس لی۔ اور دم لے کر پھر بولیں: اور اپنی خوشیوں میں ہم دو گناہ گاروں نے یہ نہیں سوچا کہ ان ماں باپ کا کیا حال ہوا ہوگا۔ جن کی گود ہم نے پل کی پل میں اجاڑ دی تھی!۔ آہ۔ بیٹے۔ ایک ایسی بیوی کو

میں نے دھوکا دیا جنھوں نے مجھ پر پورا اعتماد کیا تھا۔ اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک زندگی کی روشنی مجھے سونپ دی تھی۔ کیا حال ہوا ہوگا ان سب کا۔ کبھی نہیں سوچا:

اماں بولتے بولتے تھک گئیں اور دیوار سے سر ٹیک کر ہانپنے لگیں۔ تھوڑی دیر تک وہاں خاموشی چھائی رہی۔ اماں نجانے کہاں گم تھیں۔ مکرم متحیر اور مبہوت سا انھیں تک رہا تھا! یہ کہانی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔

دو تین منٹ بعد انھوں نے کہا: جا بیٹے۔ اب کھانا کھا لے۔ تجھے بھوک لگی ہوگی۔ صبح کا کھایا ہوا ہے:

مجھے بھوک نہیں لگی۔ اماں۔ مگر اب کچھ تھوڑا سا دودھ پی لیجئے۔ لاؤں؟:

مکرم نے کہا: پھر آپ کو دوا بھی پینا ہے۔

بیٹے یہ ساری دوائیں اٹھا کے اب گھورے پر پھینک دے۔ ان کا جھنجھٹ ختم کر۔ میں اپنی حالت جانتی ہوں۔ مکرم۔ یہ تو سنبھالا ہے۔ اللہ سے دعا کی تھی میں نے تجھے یہ سب کچھ بتائے بغیر میں نہ مروں۔ سو میرے مولیٰ نے میری سن لی۔ میں صبح نہ دیکھ سکوں گی بیٹا۔ تو اپنا دل مضبوط رکھ!:

مگر اماں۔ میں آپ کی یہ کہانی سننا نہیں چاہتا: مکرم بولا: جو کچھ آپ نے کہا ہے بس اسے وہیں ختم کر دیجئے۔ کسی کی کہانی میں آخر کیوں سنوں؟؟:

وہ ایک گہری آہ بھر کے بولیں۔ کاش یہ کسی اور کی کہانی ہوتی۔ بچے۔ اس سے تیرا یا میرا کوئی واسطہ نہ ہوتا۔ مگر یہ کہانی تیری بدنصیب گنہگار خادمہ کی ہے۔ جسے تو آج تک اپنی ماں سمجھتا رہا۔ ماں کہتا رہا! میرے لال۔ میرے بچے۔ بس سن لے۔ تھوڑا ہی سا فسانہ اور باقی ہے:

میں تجھے اٹھا لائی مکرم۔ تیری ماں کی گود اجاڑ کے: دفعتاً ماں نے اس پر

THE HAREEM

Oct. 80

Rs. 1-20

ایڈیٹر

ٹیلیفون نمبر آفس:۔ ۴۴۵۵۹

ٹیلیفون نمبر رہائش:۔ ۴۵۰

گذشتہ [illegible] سال سے پابندیٔ وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور اردو میں ہندوستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

جلد ۵۸ — نمبر ۱۰

ماہنامہ

حریم

لکھنؤ

اڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم غزالہ
حاجی بیگم ردولوی

بیادگار
سید محمد سلیم انہونوی مرحوم
و
شفیق النسا
بیگم سلیم انہونوی مرحوم

فہرست مضامین ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۸۰ء

چندہ سالانہ

اعزازی منی آرڈر سے تیئیس روپیہ۔ مخصوص خریداری منی آرڈر سے اکیس روپیہ۔ معمولی خریداری منی آرڈر سے اٹھارہ روپیہ۔ وی۔ پی کے ذریعہ منگانے پر تین روپیہ زائد فی پرچہ ایک روپیہ بیس پیسے۔ غیر ممالک سے ۴۰ روپیہ یا اس کے بقدر غیر ملکی سکہ برائے سی میل ایئر میل سے مختلف ممالک کے لئے مختلف شرحیں ہیں۔ آفس اور ترسیل زر کا پتہ۔ نسیم بکڈپو۔ لاٹوش روڈ۔ لکھنؤ۔

ایس۔ ایم فہیم انہونوی پبلشر نے سرفراز قومی پریس لکھنؤ میں باہتمام سید انصار حسین چھپوا کر دفتر حریم لاٹوش روڈ لکھنؤ سے شائع کیا۔

لمعات

"حیات طیبہ" کا ازدواجی شعبہ کی ساتویں قسط۔

(۹) شادی کے اخلاقی اور قانونی بندھنوں کو استوار کرنا

بیشک زمانۂ جاہلیت میں رسمِ نکاح رائج تھی۔ لیکن اس کے طریقے، اس کے لوازم، اس کے فرائض وحقوق ہر زمانہ، ہر علاقہ اور قبیلہ میں الگ الگ تھے۔ رسول اکرمؐ نے اپنی شادیوں سے رسمِ نکاح کو ایک ہی مستقل طریقہ پر استوار کیا۔ اس کی ناپاکیوں اور بے شرمیوں کو دور کیا۔ اسے سنجیدہ اور مقدس بنایا، زن وشو کے حقوق فرائض مقرر کئے، اسے ایک قانونی اور سماجی مضبوطی عنایت کی، خاموشی اور رازداری کی جگہ اسے شہرت اور عوامیت بخشی۔ اس سلسلہ میں آپؐ نے جو اصلاحات نافذ کیں ان میں چند حسب ذیل ہیں۔

(۱) آپؐ نے مقرر کیا کہ مہر معجل یا موجل بہر صورت بیوی اور صرف بیوی کا حق ہے۔ اس سے پہلے یہ بیوی کے والدین کا حق سمجھا جاتا تھا جس سے فروخت کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی۔

(۲) آپ نے صدق کو منسوخ کیا جو پہلے بیوی کو دیا جاتا تھا بشرطیکہ وہ آزاد عورت ہو۔

باندیوں کو اس کا حق نہ تھا۔ آپؐ نے صدق کو منسوخ کر کے آزاد عورتوں باندیوں اور جنگی قیدیوں کو ایک ہی سطح پر لا کھڑا کر دیا اور تمیز و تفریق اٹھا دی۔

(۳) آپؐ نے فریقین کی طرف سے وکیل اور گواہ کی شرط ضروری قرار دی۔ اور پھر نکاح پڑھانے کے لئے ایک نکاح خواں کی بھی۔

(۴) نکاح کے بعد تبرک تقسیم کرنا اور مہمانوں کی ضیافت وغیرہ حضرت خدیجہؓ کا دین مہر پانچ سو درم تھا حضرت سودہؓ کا چار سو درم اور حضرت عائشہؓ کا پانچسو درم۔

خطبۂ نکاح اور ایجاب وقبول باضابطہ ضروری ہیں۔ حضورؐ کا سب سے پہلا نکاح حضرت خدیجہؓ سے ہوا تھا۔ اس موقع پر جو خطبہ نکاح پڑھا گیا اور ایجاب وقبول ہوا وہ مورخوں نے محفوظ رکھا ہے۔ مقررہ تاریخ پر حضرت خدیجہؓ نے اپنے چچا عمرو بن اسد، چچازاد بھائی اور دیگر قریبی رشتہ داروں کو بلا بھیجا۔ حضورؐ بھی اپنے اقرباء کے ساتھ تشریف لائے۔ ابوطالب یعنی حضورؐ کے وکیل نے خطبہ نکاح یوں شروع کیا:۔

سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیمؑ کی ذریت، حضرت اسمٰعیل کی نسل ..... سے پیدا کیا اور ہمارے لئے ایسا گھر مقرر کیا جس کا قصد کر کے لوگ دور دور سے آتے ہیں اور اس کی چار دیواری کو امن والا بنایا۔ اور ہم کو اپنے اس گھر کا امین اور محافظ کیا، پھر ہم کو دوسرے لوگوں پر حاکم بنایا۔ بیشک میرا بھتیجا محمد بن عبداللہ ایک ایسا شخص ہے جس کی قرابت کو تم لوگ سب جانتے ہو۔ وہ صفات حسنہ ہیں جس شخص سے وزن کیا جائے اس سے بھاری اترے گا۔ اگرچہ مال اس کے پاس قلیل ہے، لیکن مال سایہ کی طرح ہے جو زائل ہو جاتا ہے۔ اس نے خدیجہؓ بنت خویلد سے رشتہ کیا ہے اور اس کا مہر معجل میرے مال میں سے ادا ہوگا۔"

ابوطالب کے خاموش ہوتے ہی حضرت خدیجہؓ کے عم زاد بھائی ورقہ بن نوفل اٹھے اور فریق ثانی کے وکیل کی حیثیت سے یوں گویا ہوئے

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے ہمیں ایسا ہی بنایا جیسا کہ آپ نے بیان کیا اور ایسی ہی فضیلتیں دیں جیسی آپ نے

بتائیں۔ ہم عرب کے سردار اور رہنما ہیں اور آپ سب بھی۔ کوئی قبیلہ اور کوئی شخص آپ کے فضائل اور فخر و شرف کا انکار نہیں کر سکتا۔ اور ہمیں آپ کی شرافت اور قومیت سے تعلق پیدا کرنے کی رغبت ہوئی۔ پس اے قبائل قریش گواہ رہو کہ میں نے خدیجہؓ بنت خویلد کا نکاح محمد بن عبداللہ سے کر دیا ہے۔"

جب ورقہ بن نوفل خاموش ہوئے تو ابوطالب کہنے لگے کہ بہتر ہے کہ عمرو بن اسد بھی اس کی توثیق کر دیں۔ اس پر عمرو گواہ کی حیثیت میں کہنے لگے:۔

اے قریش گواہ رہو کہ میں نے خدیجہ بنت خویلد کو محمد بن عبداللہ کے نکاح میں دیا ہے۔"

(۱۰) جرائم کی روک تھام کرنا اور امن و امان قائم کرنا

حضرت جویریہؓ کا باپ حارث بن ابو ضرار جنگ جو قبیلہ بنی مصطلق کا سردار تھا۔ اس قبیلہ کا کام ہی تھا تجارتی کاروانوں اور دیگر قافلوں کو لوٹنا ـــــ خصوصاً مسلمانوں کے قافلوں کو۔ لیکن حضورؐ سے جویریہؓ کی شادی کے بعد حارث مسلمان ہو گئے اور قبیلہ بنی مصطلق بھی آہستہ آہستہ لوٹ مار چھوڑ کر امن پسند بننے لگا اور بالآخر دولت اسلام سے مالا مال ہوا۔

(۱۱) گھر اور بچوں کی نگہداشت کرنا

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد حضورؐ نے حضرت سودہؓ سے شادی کر لی جو حسن، صحت، دولت، تعلیم وغیرہ میں ممتاز نہ تھیں۔ ان کا انتخاب محض اس لئے ہوا تھا کہ حضورؐ کو ایک ایسی ہستی کی ضرورت تھی جو خانہ داری چلائے اور بچوں کی دیکھ بھال کرے۔ اس لحاظ سے ان کا انتخاب بہت موزوں تھا۔

(۱۲) ازدواجی زندگی کا عملی نمونہ قائم کرنا

پیغمبر اسلام نے دکھایا ہے کہ ایک مثالی شوہر کیسا ہونا چاہئے جس طرح وہ مثالی شہری تھے، مثالی مبلغ تھے، مثالی ناظم تھے، فوجی کمانڈر تھے۔ یاد رہے کہ ان کی ازواج کی تعداد پندرہ ہے جن میں سے دس ان کی وفات کے بعد بھی زندہ رہیں۔ حضور سے شادی کے وقت ان کی عمریں مختلف تھیں، وہ مختلف قبیلوں سے آئی تھیں جن میں چند قبیلے شرافت، دولت، اقتدار وغیرہ میں بہت ممتاز تھے، وہ مختلف مقامات سے آئی تھیں، ان کا سابق مذہب الگ الگ تھا، چند دولتمند تھیں اور چند پریشان حال، چند حسن جوانی رکھتی تھیں اور چند محروم تھیں، دو کنواری تھیں، بقیہ سب بیوائیں یا طلاق یافتگان جن میں سے چند کے پاس سابق شوہروں سے اولادیں تھیں، سب کے مزاج جدا جدا تھے، پسند و ناپسند الگ الگ تھی، سب کی خواہشیں اپنی اپنی تھیں، سب کے مطالبات اپنے اپنے تھے، سب کے نقطہ ہائے نظر جدا جدا تھے، سب کی صلاحیتیں متفرق تھیں، یہ تھا حضورؐ کا کنبہ۔

اتنی قسم قسم کی ازواج کو خوش رکھنا، ان کی ضروریات زندگی کا لحاظ رکھنا، انھیں ایک ہی مقصد حیات عطا کرنا اور ان سے سب سے مشکل کام لینا آسان نہ تھا۔ اگر کبھی کسی کو کوئی ہلکی سی بھی شکایت ہوتی تو حضورؐ کی حیات میں یا حیات کے بعد زبان پر ضرور آجاتی۔ کیا کبھی کسی نے کوئی شکایت کی؟

اس سے بڑھ کر کیا ثبوت ہے آپؐ کے عدل و انصاف کا، مساوات محبت کا اور خدمت کا؟

باب دوازدہم اُمہات المومنینؓ کا مرتبہ

" قرآن پاک یوں مخاطب ہے:۔

" اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو جبکہ تم تقویٰ اختیار کر رکھو۔ تم بولی میں نزاکت مت اختیار کرو کہ (اس سے) ایسے شخص کو خیال (فاسد) پیدا ہونے لگتا ہے جس کے قلب میں خرابی ہے۔ اور قاعدے کے موافق بات کہا کرو۔ اور اپنے گھروں میں قرار سے رہو۔ اور قدیم جاہلیت کے مطابق اپنے کو دکھاتی مت پھرو۔ اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور اللہ کا اور اس کے رسول کا حکم مانو۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو۔ تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب نکھار دے۔ اور تم اللہ کی ان آیتوں اور علم کو یاد رکھو جو تمہارے گھروں میں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔ بیشک اللہ بڑا باریک بیں ہے اور پورا خبردار ہے۔ (احزاب/۳۲، ۳۳، ۳۴)

یہ آیات قرآنیہ ازواج النبی کو ایک خاص مرتبہ عنایت کرتی ہیں۔ یہ آیات نہ صرف انھیں خاص طور پر مخاطب کرتی ہیں بلکہ یہ بھی کہتی ہیں کہ تم دوسری عورتوں کی طرح نہیں ہو یہ چنانچہ ان کے خصوصی احکام و فرائض بتادیئے گئے ہیں اور یہ کہا گیا ہے کہ "اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے نبی کی گھر والیو۔ تم سے آلودگی کو دور رکھے اور تم کو خوب نکھار دے"۔

ان خصوصی احکام و فرائض کی بجا آوری کے لئے انھیں خصوصی یکسوئی کی ضرورت تھی۔ انھیں عام عورتوں کی طرح دنیاوی عیش و عشرت میں مبتلا ہو جانے کا موقع نہ تھا۔ سورہ احزاب کی چند ما سبق آیات ان کے سامنے دو راستے پیش کرتی ہیں۔ ایک راستہ دنیاوی عیش و عشرت کا، اور دوسرا راستہ اخروی انعام الٰہی کا۔ اور ان میں سے ایک راستہ چن لینے کا مکمل اختیار انھیں سپرد کرتی ہیں۔ بلا جبر و اکراہ

"اے نبی آپ اپنی بیویوں سے فرما دیجئے کہ اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار کو مقصود رکھتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال و متاع دیکر رخصت کر دوں خوبی کے ساتھ۔ اور اگر تم مقصود رکھتی ہو اللہ کو اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو۔ تو اللہ نے تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اجر عظیم تیار کر رکھا ہے"۔ (احزاب/۲۸، ۲۹)

ہاں پھر ازواج مطہرات نے کونسا راستہ پسند کیا؟ سب کی سب نے اللہ اور رسول اور عالم آخرت کے راستہ کا انتخاب کیا ان کے اس متفقہ فیصلہ نے منافقین کی ساری کوششوں پر پانی پھیر دیا جو ازواج مطہرات کو موقع پا کر اکسایا کرتے تھے کہ تم لوگ دولتمند اور ذی اقتدار خاندان کی لڑکیاں ہو، یہاں شادی کرکے تمہیں کیا ملا؟ سوائے تکلیف، مصیبت، فاقہ زندگی اور پریشاں حالی کے۔ اس لئے تم لوگ بغاوت کردو۔ اور عیش و عشرت سے زندگی گذارو

جب مندرجہ بالا آیات نازل ہوئیں تو حضورؐ نے سب سے پہلے انھیں عائشہؓ کے سامنے پیش کیا جو عمر میں سب سے کم تھیں اور جنھیں دنیا کی چمک دمک سے زیادہ دلچسپی ہو سکتی تھی۔ آپ نے عائشہ سے یہ بھی کہا کہ قطعی فیصلہ کرنے سے قبل تم اپنے والدین سے مشورہ کرلو۔

مگر پھر عائشہؓ نے کونسا راستہ پسند کیا؟ بغیر ایک لمحہ توقف کئے انھوں نے بے اختیار اور بے تکلف کہہ دیا کہ مجھے ماں باپ سے مشورہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں اپنی تمام دلجمعی کے ساتھ...... آخرت کی زندگی کو پسند کرتی ہوں جو اللہ اور رسول کا بتایا ہوا راستہ ہے اور آخرت کی نعمتوں کو دنیا کی تمام نعمتوں پر ترجیح دیتی ہوں۔

بقیہ ازواج مطہرات میں سے سب نے ایک ایک کرکے یہی فیصلہ کیا، اپنی تمام قوت ارادی کے ساتھ، بلا جھجک، بلا توقف۔

ان آیات کو اپنی ازواج مطہرات کے سامنے پیش کرنے سے اور پوری آزادی سے فیصلہ ان پر چھوڑ دینے سے پیغمبر اسلام نے ایک اور بات کا ثبوت فراہم کیا۔ یعنی وہ اسلام کے لئے اپنی کسی بیوی کو یا ساری بیویوں کو چھوڑ سکتے تھے۔ وہ بیویوں کے لئے اسلام نہیں چھوڑ سکتے تھے۔

پیغمبر اسلام کو اس کی اجازت نہ تھی کہ جتنی بیویوں سے چاہیں شادی کرلیں یا جس سے چاہیں شادی کرلیں۔ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

"ان عورتوں کے بعد آپؐ کے لئے اب کوئی جائز نہیں اور نہ یہی کہ آپ ان بیویوں کی جگہ دوسری کرلیں چاہے آپ کو ان کا حسن بھلا ہی لگے۔ مگر ہاں سوائے ان کے جو آپؐ کی باندیاں ہیں اور اللہ ہر بات کا نگراں ہے"۔ (احزاب/۵۲)

یہ آیت ۷ھ کے آخر میں اتری ہے جبکہ حضورؐ حضرت میمونہؓ سے شادی فرما چکے تھے۔ یہ آپؐ کا آخری نکاح تھا (اگرچہ شادی نہ تھی)۔ اگر آپ شادیوں کے پیچھے لگے ہوتے تو ۸ھ میں فتح مکہ نے جو مواقع فراہم کردیئے ان سے ضرور فائدہ اٹھاتے لیکن چونکہ آپ وحی قرآنیہ کے تابع تھے اس لئے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد آپؐ نے کوئی اور نکاح نہ کیا۔ اور چونکہ اس آیت نے یہ اجازت کی عملی مثال قائم کرنی تھی۔ اس لئے کچھ دنوں کے بعد آپؐ نے حضرت ریحانہ سے شادی کرلی جو باندی تھیں اور جنگی قیدی۔

ازواج مطہرات چونکہ تمام زمان و زمین کے مومنوں کی مائیں بھی تھیں، اس لئے ان کی عزت اور عظمت کے لئے قرآن پاک نے یہ حکم فرمایا:۔

اور جب تم (اے ایمان والو) ان ازواج رسولؐ سے کوئی چیز مانگو تو ان سے پردہ کے باہر سے مانگا کرو یہ تمہارے اور ان کے دلوں کے پاک رہنے کا عمدہ ذریعہ ہے۔ اور تمہیں جائز نہیں کہ تم رسول اللہ کو (کسی طرح بھی) تکلیف پہنچاؤ اور نہ یہ کہ آپؐ کے بعد آپؐ کی بیویوں سے کبھی بھی نکاح کرو۔ بیشک یہ اللہ کے نزدیک بہت بڑی بات ہے۔ (احزاب/۵۳)

ازواج مطہرات کی بلندی اور عظمت کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ انھوں نے ساری زندگی تنگی اور عسرت سے گزارا کیا۔ (جس میں زمانہ بیوگی بھی شامل ہے) لیکن کبھی بھول کر بھی نکاح ثانی کا خیال ذہن میں آنے نہ دیا۔ زمانۂ بیوگی کے طویل عرصوں میں بھی اگر کوئی ان کا مشغلہ اور مقصد تھا تو وہ ایک ہی تھا —— تبلیغ و تعلیم اسلام۔ (باقی آئندہ)

آبروریزی کی سزا

ایک مسودہ قانون مصری پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا ہے جس میں زبردستی آبروریزی کرنے کی سزا موت رکھی گئی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ انصاف کے ساتھ جرم کا ثبوت مل جائے تو یہ سزا بھی معمولی ہے۔ اس لئے کہ عورت کی عفت و عصمت اس کی زندگی جیسی قیمت رکھتی ہے اور جو لوگ اسے لوٹنے میں جبر سے کام لیتے ہیں، انھیں ایسی ہی سخت سزا ملنی چاہیئے۔ البتہ اس کے ساتھ ہی میں یہ بھی ضرور کہوں گا کہ اسلامی قانون شریعت میں اختلاط مرد و زن کے سلسلہ میں جو ہدایات دی گئی ہیں، ان پر بھی عمل ہونا ضروری ہے تاکہ خواتین کی بے راہ روی خواہشات نفسانی کے اشتعال کا سبب نہ بن سکے۔ اس حقیقت سے کوئی بھی ناواقف نہیں کہ مرد ہمیشہ سے عورت کے لئے ایک درندہ بنا رہا ہے اور عورت کو پردے میں رہنے کی ہدایت اسی باعث کی گئی ہے تاکہ وہ بڑی حد تک خود کو محفوظ رکھ سکے۔ بہرحال عبرتناک سزا، بڑی حد تک مردوں کو اس جرم سے خائف رکھ سکتی ہے۔

میری صحت

آج ۲۲ر ستمبر ۸۰ء ہے۔ میں ۲ر ستمبر سے گھر ہی پر پڑا ہوں۔ دفتر جانا یا کام کرنا ممکن نہیں رہ گیا۔ کھانسی کا دورہ ایک ماہ سے پریشان کئے ہے۔ ۵ر ستمبر تک کسی طرح کچھ دیر کے لئے دفتر آجایا کرتا تھا، اس کے بعد یہ بھی ممکن نہ ہو سکا۔ کمزوری حد درجہ بڑھ گئی۔ اسی حالت میں غزالہ ۸ر ستمبر کو اپنی بہن ناہید صاحبہ کے ساتھ برائے سفر حج بمبئی چلی گئیں اور وہاں سے ۱۵ر ستمبر کے ہوائی جہاز سے مقدس سرزمین عرب کے لئے روانہ ہو گئیں۔ گذشتہ ۲۰ سال سے حج کرنے کی تمنا انھیں پریشان کئے تھی لیکن وہ میرے ساتھ جانا چاہتی تھیں، جو رفتہ رفتہ ناممکن سا ہوتا گیا۔ میری علالت اور اس کے باعث کمزوری بڑھتی ہی گئی، اس لئے میں نے انھیں زبردستی بھیج دیا، تاکہ ان کی تمنا پوری ہو جائے۔ اسی جہاز سے عزیزم نسیم کلیم کے خسر قاسم بھائی صاحب، ان کی شریک حیات، بہن ساجدہ اور منظور صاحب مرحوم کے بیٹے، مظفر جلالی اور بدر جلالی بھی اپنی دلہنوں کے ساتھ گئے ہیں۔ مظفر سلمہ کی دلی تمنا تھی کہ میں اور غزالہ حج کر آئیں۔ انھیں نے بدرالزماں اور منظرالزماں کے ذریعہ فارم بھجوا کر بھروائے اور چند روز کے اندر یہ پروگرام بن گیا۔ اس سے بہتر ساتھی غزالہ کو کبھی نہ مل سکتے تھے، مجھے امید ہے کہ وہ بآسانی سب کے ساتھ حجن بن کر لوٹیں گی۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ مجھے اس وقت تک کے لئے زندہ رکھے، جب غزالہ حج کر کے واپس لکھنؤ آجائیں اور میں انھیں دیکھ لوں۔ — نسیم انہونوی

پانی

بچائیے

بہت سے

ابھی بھی

پیاسے ہیں

پانی ضرور بچائیں

لیکن پیاسے کیوں ؟

اترپردیش جل نگم

جب آپ کی خدمت میں لگا ہوا ہے

ہمیں خدمت کا موقع دیں

جل سنتھان یا لوکل باڈیز

کے ذریعہ تعاون کرکے

فی الحال پانی کا فضول صرف نہ کریں

اترپردیش جل نگم ۔ ۶ ۔ رانا پرتاپ مارگ لکھنؤ

فرقہ وارانہ ہم آہنگی خیرسگالی

ہماری ثقافتی وراثت

- اشوک نے بے رحمی ترک کرنے اور اعلا اخلاقی قدروں کو اپنانے پر زور دیا۔
- اکبر نے مذہبی رواداری کا پرچار کیا۔
- مہاتما گاندھی نے عدم تشدد کی تعلیم دی اور اس تاثر کا اظہار کیا۔
- ہندوستان کے مختلف مذاہب کو ماننے والے مختلف طبقوں اور فرقوں میں باہمی اتحاد نہایت ضروری ہے۔
- پنڈت جواہر لال نہرو نے باہمی تفریق و امتیاز کو فرقہ وارانہ بیزاری سے پاک سماج کی تشکیل کی حمایت کی تھی
- ہماری وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی فرقہ وارانہ کشیدگی ختم کرنے کا تہیہ کر چکی ہیں۔
- ہم سب کو مختلف فرقوں کے درمیان اتحاد پیدا کرنے اور باہمی اخوت و محبت کو یقینی بنانے کے لئے مذہبی رواداری کا راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔

گاندھی جینتی کے مبارک موقع پر

جاری کردہ:۔

محکمۂ اطلاعات و رابطہ عامہ اترپردیش

"وقت بھی زخموں کا مرہم کب بنا"

(اپنی باجی کے نام)

سکندر ظہیر، بھوپال

(۱)

میری باجی، میری رہبر، غمگسار
آہ تیری شفقتیں، تیرا دُلار
تیرے ممتا سے بھرے لمحات سب
بن گئے ہیں زندگی کی یادگار

(۲)

یوں گئی تو مڑ کے دیکھا بھی نہیں
مجھ پہ کیا گزرے گی سوچا بھی نہیں
کھل رہے ہیں زخم دل میں یاد کے
اور اب کوئی مسیحا بھی نہیں

(۳)

آ کے لیجا اپنی یادوں کے چراغ
جل رہی ہے روح جلتا ہے دماغ
اے بہن دل کو قرار آتا نہیں
جان لیوا ہے جدائی کا یہ داغ

(۴)

ماں کے جیسا تھا ترا سایہ مجھے
دھوپ نے غم کی نہ جھلسایا مجھے
تیرے آنچل کا سمٹنا تھا کہ پھر
آسماں نے رنگ دکھلایا مجھے

(۵)

سارے گھر کو پیار ہی بانٹا سدا
کرب میں ہنستی رہی با حوصلہ
پھول سی کھل کر گزاری زندگی
گو ترا سینہ تھا زخموں سے بھرا

(۶)

تیری شفقت کا ملے گا کیا بدل
تیرا ثانی آج پایا اور نہ کل
میری باجی زندگی تیرے بغیر
ایسی ہے جیسے کہ مرجھایا کنول

(۷)

"وقت بھی زخموں کا مرہم کب بنا"
شعلۂ غم اپنا، شبنم کب بنا
رہیں وہی یادیں وہی دل کی تڑپ
جامِ عشرت، ساغرِ غم کب بنا

"درونِ خانہ سے بیرونِ خانہ تک"

مردوں کا سال

برق آشیانوی

ایک انگریزی روزنامے میں کسی صاحب نے ایک مراسلہ کے ذریعہ مطالبہ کیا ہے کہ جس طرح پہلے ۱۹۷۵ء خواتین کا سال قرار دیا گیا اور بعد میں بچوں کا سال ۱۹۷۹ء کو قرار دیا گیا اسی طرح تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے ۱۹۸۰ء کو مردوں کا سال قرار دیا جانا چاہیے تھا لیکن افسوس ہے کہ سال ۱۹۸۰ء خالی ہی گزر گیا کم از کم ۱۹۸۱ء کو مردوں کا سال قرار دیا جائے۔

اس مراسلے کو پڑھ کر ہنسی آئی کہ اگر واقعی کوئی ایسا سال منانے کے لئے متحدہ طور سے سارے مرد مطالبہ کریں تو ایسا محسوس ہوگا کہ اب مرد مرد نہیں رہے بلکہ "نامرد" ہوگئے ہیں۔ مرد کی شان تو یہ ہے کہ وہ مردِ میدان بنے، مردِ آہن بنے، مردِ فولاد بنے بلکہ ایسا مرد بنے کہ خواتین کو ان کا سال منانے کا حق دے۔ بچوں کو ان کا سال منانے کا حق دے۔ لیکن جب وہ خود ایسا مطالبہ کرے کہ مردوں کا سال منایا جائے تو اس کی مردانگی پر حرف آئے گا۔ ابھی ہم اس انداز میں سوچ ہی رہے تھے کہ کچھ حقائق ہمارے ذہن میں ابھرنے لگے جس کے نتیجے میں مراسلہ نگار کی عقلمندی، دوربینی و دوراندیشی کی داد دینی پڑی کہ اس نے وقت کی نبض کو بغیر ٹٹولے ہی پہچان لیا ہے اور اس بات کا اندازہ لگا لیا ہے کہ نبض کی رفتار اس قدر مدھم ہو چکی ہے کہ اگر بروقت اس اہم مسئلے کی طرف توجہ نہ کی جائے تو نبض رک جائے گی اور ایک دن ایسا آئے کہ مردوں کا خاتمہ ہو جائے۔ کہیں ایسا وقت نہ آجائے کہ چن چن کر مردوں کو صفحۂ ہستی سے بغیر رکے مٹا دیا جائے۔ ایک تازہ مثال ہمارے سامنے مرغوں کی ہے۔ آج کل مرغیاں بغیر مرغ کے انڈے دینے لگی ہیں جس کی وجہ سے ابتداً تو مرغوں کی تعداد کم ہونے لگی۔ پھر جب مرغوں کا ایک مفید اور کارآمد مصرف دریافت کر لیا گیا تو ان کی پرورش و پرداخت مرغیوں سے علیحدہ رکھ کر کی جانے لگی۔ یعنی اب مرغوں کی پرورش اس مقصد سے کی جا رہی ہے کہ جیسے ہی وہ شباب کی منزل میں قدم رکھیں نہ صرف ان کی آرزوؤں اور ارمانوں کا بلکہ خود ان کا خون کر دیا جاتا ہے اور کاٹ کر کھایا جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ان کی بڑے پیمانے پر پرورش کرکے بیرونی ملکوں کو روانہ کیا جا رہا ہے۔ جہاں وہ ہوٹلوں میں گاہکوں کی لذتِ کام و دہن کے کام آتے ہیں۔ مرغوں کی اس المناک حالت کے پیش نظر ایک قطعہ عرض کیا ہے ملاحظہ ہو ؎

ہزاروں مرغ کٹ کر بن رہے ہیں زینتِ دستر
کہ اب دینے لگی ہیں مرغیاں بے مرغ کے انڈے
نہیں معلوم ہم مردوں کا کل انجام کیا ہوگا
اگر جننے لگیں گی عورتیں بے مرد کے بچے

ظاہر ہے کہ ایک آسان مصرف تو مردوں کا وہی ہوگا جو اب مرغوں کا ہو رہا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے ملک میں آدمی کا گوشت آدمی نہیں کھاتا البتہ خون کا آخری قطرہ چوس لینا اپنا پیدائشی حق سمجھتا ہے۔ لیکن جن ممالک میں مردم خوری کا رواج ہے ان ملکوں کو "مردوں" کو ذبح کرکے ان کا گوشت ڈبوں میں بھر کر روانہ کیا جائے گا یا پھر موٹے تازے توانا و تندرست جوان مردوں کو صحیح سالم سمندری جہازوں یا ہوائی جہازوں کے ذریعہ برآمد کیا جائے گا۔ غالباً یہ سب سے بڑا اندیشہ ان صاحب کو تھا جنھوں نے ایک اخبار میں مراسلہ کے ذریعہ "مردوں کا سال" منانے کا مطالبہ کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ وہ دن ابھی نہیں آیا ہے اور نہ معلوم وہ دن

آنے میں ابھی کافی عرصہ لگ جائے لیکن مردوں کا سال منا کر منجملہ دیگر مطالبات کے اس بات کا بھی تیقن حاصل کر لینا ضروری ہے کہ آنے والے برسوں میں اگر ایسا بُرا وقت آجائے تو مردوں کی جانوں کا تحفظ ہو جائے۔ جب یہ بات ہمارے ناقص ذہن میں آگئی تو مراسلہ نگار کو بے ساختہ بلکہ دل کھول کر داد دینے کو جی چاہتا ہے اور اگر وہ سامنے ہوتے تو جیب کھول کر دہش سے بھی کام لینے سے دریغ نہ کرتے۔ غنیمت ہے کہ وہ سامنے نہیں ہیں۔ اگرچہ یہ بات دور کی ہے اور مراسلہ نگار نے بہت دور کی کوڑی لائی ہے ویسے ہمارے ذہن میں کچھ نزدیک کی کوڑیاں ہیں جن کو لانا ہمارے خیال میں نہایت ضروری ہے۔ بعض کوڑیاں تو اتنی نزدیک ہیں جیسے کہ ہماری جیب میں ہی رکھے ہوئی ہیں۔ جن کو فوراً نکال کر پھینک دینا چاہیئے مطلب یہ کہ مردوں کے چند ایسے مسائل ہیں جو بالکل نظروں کے سامنے ہیں جن کا حل فوراً دریافت کیا جانا ضروری ہے۔

سب سے پہلا مسئلہ تعلیمی میدان کا ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا جا رہا ہے کہ تعلیم کے معاملے میں اسکولوں سے لے کر کالجوں کی سطح تک لڑکیاں، لڑکوں پر سبقت لے جا رہی ہیں۔ اسمیں شک نہیں کہ لڑکے چاقو دکھا کر امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہیں لیکن قابلیت میں صفر کے برابر ہوتے ہیں۔ البتہ لڑکیوں نے ابھی چاقو دکھانا شروع نہیں کیا ہے۔ ویسے دو ایک مثالیں ایسی ملتی ہیں جہاں لڑکیوں نے بھی کمرۂ امتحان میں "تشدد" کا مظاہرہ کیا ہے لیکن وہ "کلیہ" نہیں بنا۔ علم منطق کی رو سے کلیہ اسی وقت بنتا ہے جبکہ کئی ایک مثالیں سامنے ہوں مثلاً کوے کو کالا اس لئے قرار دیا گیا کہ ہزاروں کوے دیکھنے میں آئے جو سب کالے رہیں تو یہ کلیہ بن گیا کہ "کوے کالے ہوتے ہیں"۔ اسی طرح جب کئی مثالیں ایسی سامنے آئیں کہ لڑکوں نے کمرۂ امتحان میں چاقو دکھا کر نقل مارنا شروع کر دیا ہے تو منطق کی رو سے یہ کلیہ بن گیا کہ "لڑکے نقل مار کے امتحان میں کامیاب ہوتے ہیں"۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جہاں کہیں تعلیمی مسابقت کا موقع آجاتا ہے تو لڑکیاں لڑکوں پر فوقیت حاصل کر لیتی ہیں۔ چنانچہ مردوں کا سال منا کر اس بات کا مطالبہ کرنا چاہیئے کہ لڑکیوں کا اسکولوں میں داخلہ بند کر دیا جائے۔ اور انھیں تعلیم حاصل کرنے سے اسی طرح روک دیا جائے جیسے ایک یا نصف صدی پہلے لڑکیوں کے لئے تعلیمی دروازے بند تھے اس لئے کہ لڑکیوں کا تعلیم حاصل کرنا نہایت معیوب بلکہ نامعقول بات سمجھی جاتی تھی۔ ہم نے اپنے لڑکپن میں یہ اچنبھا کبھی نہیں دیکھا کہ لڑکوں کے اسکولوں اور کالجوں میں خواتین معلم ہیں یا لکچرار ہیں۔ اب کئی اسکولوں اور کالجوں میں خواتین اتنا اچھا پڑھاتی ہیں کہ خدانخواستہ اگر آج ہم لکچرار ہوتے تو ان کو دیکھ کر شرم کے مارے کالج میں گڑ جاتے۔

دوسرا مسئلہ اس سے کچھ زیادہ سنگین ہے۔ وہ یہ کہ آفسوں میں خواتین کو ملازمتیں دینے سے مردوں کا حق تلف ہو رہا ہے۔ (ویسے اس حقیقت کو ہم تسلیم کرتے ہیں کہ مرد اپنا حق حاصل کرنے میں خواتین کے مقابلے میں زیادہ ناکام ہوتے ہیں) صدیوں سے مرد ہی آفسوں میں کام کرتے آئے ہیں۔ اتنی قدیم روایت کو یک لخت بدل کر خواتین کے حق میں مردوں کو ان کے پرانے حق سے محروم کر دینا بڑی ناانصافی ہے۔ چنانچہ مردوں کا سال منا کر اس بات کا پرزور مطالبہ کرنا چاہیئے کہ خواتین کے لئے ملازمتوں کے دروازے فوراً بند کر دیئے جائیں یہ بات تو مردوں کے لئے ناقابل برداشت ہے کہ خواتین کو اعلیٰ عہدوں پر فائز کیا جا رہا ہے جن کی ماتحتی میں سینکڑوں مرد کام کرتے ہیں۔ یہ مردوں کی شان مردانہ کے خلاف بھی ہے۔ ہمارا ملک اپنی قدیم روایات کو برقرار رکھنے میں کئی ترقی یافتہ ممالک سے آگے ہے حتی کہ کہیں روایات ختم ہوتی دیکھتے ہیں تو فوراً ان کو زندہ کرنے میں اپنی پوری قوت صرف کر دیتا ہے۔ چنانچہ اس قدیم روایت کو بھی برقرار رکھا جائے کہ تمام خواتین کو دفاتر، اسکولوں اور کالجوں سے نکال کر پھر سے انھیں امور خانہ داری میں مصروف کر دیا جائے۔ اور مردوں کا حق مردوں کو دلا دیا جائے جن خواتین کو "امور" ہوتے ہیں اور "خانہ داری" ان کے لئے خاص خاص زنانہ ورزش گاہیں بنا دی جائیں۔ جہاں وہ مقررہ اوقات میں ورزش کرکے اپنے جسم کو انسانی جسم کے جیسا برقرار رکھنے کی کوشش میں مصروف رہیں۔ ویسے طبی طریقوں سے یہ مقصد پیدا ہو سکتا ہے۔ اس کے لئے۔

"ڈاکٹر گارن بیٹ" سے مشورہ لیا جائے جو ملا حجر الیہود کے فیملی ڈاکٹر ہیں۔

فلمی صنعت میں بھی خواتین نے مردوں کو عاجز کر کے رکھ دیا ہے۔ ہمیں اپنے لڑکپن کا زمانہ یاد ہے جب کہ فلمی صنعت نے اتنی ترقی نہیں کی تھی اور اسٹیج کے ڈراموں کا زیادہ رواج تھا۔ ان دنوں شریف زادیاں بھی اسٹیج پر اداکاری کرنے کو بے حرمتی یا یوں کہیے کہ اپنی صنف کی توہین سمجھتی تھیں اب نہ صرف اسٹیج پر بلکہ فلموں میں بھی خود شریف زادیاں اتنی داخل ہو گئی ہیں کہ غیر شریف زادیوں کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ بلکہ اب تو فلموں میں اداکاری کرنا شرافت کی دلیل ہو گیا ہے۔ اب ہمیں اس بات کا اندیشہ پیدا ہو گیا ہے کہ آگے چل کر خواتین خود مردوں کا رول ادا کریں گی اور مرد اپنی بے بسی پر گھروں میں بیٹھ کر رویا کریں گے۔

بہر حال مراسلہ نگار کی نہ صرف دوربینی بلکہ مردانگی کے بھی قایل ہو گئے ہیں کہ انھوں نے "مردوں کا سال" منانے کا مطالبہ کر کے ایک نہایت ہمت شجاعت و دلیری کا ثبوت دیا ہے اور دنیا کے کروڑوں بلکہ اربوں کی تعداد میں مردوں کے دھڑکتے ہوئے دلوں کی آواز کو سن کر انتہائی جرأت مندانہ اقدام کیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ خواتین کی خدمت میں مطالبہ کون پیش کرے۔ یعنی بلی کے گلے میں گھنٹی کون باندھے یہ تمام باتیں ہم ملا حجر الیہود کو ان کے گھر کے سامنے راستے پر کھڑے ہوئے بتا رہے تھے کہ ملا حجر الیہود کی نظر چند خواتین پر پڑی جو راستے سے گذرتے ہوئے رک کر ہماری باتیں سن رہی تھیں۔ اور ہمیں قہر آلود نظروں سے دیکھ رہی تھیں۔ ملا صاحب نے ہمیں ٹھوکا دے کر ہشیار کر دیا تو ہم نے بھی ایک اچٹتی ہوئی نظر ان خواتین پر ڈالی اور گھبرا کر ہم دونوں اس طرح گھر میں داخل ہو گئے جس طرح بلی کو دیکھ کر چوہے بلوں میں گھس جاتے ہیں۔

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہو گیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ کپڑے پہننے سے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہو گئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا لچکا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم میں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہو جاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں۔ خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں ہلکے لگے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سورتی بیلیں اور چھاپے ٹکی وغیرہ لگا کر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کر دیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش اور بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے یا خراب ہو جائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو ماند کرتے ہیں۔ یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولہ میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ اس طرح کا سامان ۔ ۔ ۔ ۔ آپ کو

"نئی منزل"

(اُمِ صدف)

آج!... آٹھ سال بعد اچانک صبوحی سے ملاقات ہوئی میری بہن زیبا گاؤں سے اپنے ہمراہ اسے علاج کے لئے شہر لے آئی... اور اپنے ہی گھر میں روکنے کے لئے بضد رہی... اور لاکھ انکار کے باوجود ہم نے اسے اور کسی کے گھر جانے نہ دیا۔

صبح ہوئی... اور مختصر سی بات چیت کے دوران میں یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ان مسکراتی آنکھوں کے پیچھے چھپا آنسوؤں کا سیلاب ہے... جسے وہ چاہتے ہوئے بھی چھپا نہ سکی... باتوں میں سنجیدگی اور وقار... گویا پچیس سالہ لڑکی نہ ہو... پچاس برس کی بڑھیا ہو... کہاں وہ پہلے کی شوخ و شریر، ہنس مکھ، ملنسار اور بے حد حسین صبوحی... اور کہاں یہ سنجیدہ و پروقار صبوحی ———؟

میں بے چین تھا اس کے حالات جاننے کے لئے... اور اس بے چینی میں ہنسی کے وہ نازک احساسات بھی شامل تھے... جو میں نے صبوحی کے لئے رکھے تھے ——— میری تمنا تھی کہ صبوحی کو اپنا لوں... وہ میری شریکِ حیات اور ہمسفر بنے لیکن... کچھ تو حالات اور کچھ احساسِ کمتری... کے آگے میں یہ ظاہر تک نہ کر سکا کہ صبوحی میں تمہیں اپنانے کی تمنا رکھتا ہوں"... پھر... جہاں صبوحی بے حد حسین اور اپنی مثال آپ تھی وہیں پروقار بھی تھی... حالانکہ وہ شوخ اور چنچل سہی لیکن لڑکوں کے معاملے میں سخت گیر واقع ہوئی تھی... اور میں بخوبی جانتا تھا کہ اس معاملے میں کسی کی جرأت نہ تھی کہ اس سے ہمکلام ہوتا...

اس کے چاہنے والے اور امیدوار بہت تھے... سبھی اسے اپنانے کے حسین خواب دیکھا کرتے... وہ خود وجیہہ و شکیل تھے... پھر میرا کیا شمار... اس پر طرّہ یہ کہ احساسِ کمتری کا شکار رہا۔

موقع کی تلاش میں رہی تھا... اتفاقاً صبوحی تنہا باغ میں ٹہلتی دکھائی دی... اور میں فوراً پہنچ گیا... کہ... کچھ تو ملے سکون... اس کا شکست سکوت کر کے پہلے تو ہمت نہ ہوئی کہ تذکرہ اس کی ذاتی زندگی پر شروع کر دوں... پھر طبیعت کے ہاتھوں شکست کھائی، کیا بات ہے صبوحی کہ آج تنہا باغ کی سیر کو نکلیں"؟ میں نے پہنچتے ہی سوال کیا۔

"آج!" ———؟ وہ بڑی تلخی سے مسکرائی... "میں تو برسوں سے تنہا ہوں... اب یہی تنہائی میری ساتھی بن چکی ہے"

"بہت اداس لگ رہی ہو... کیا مجھے اپنا ہمدرد و غمخوار نہ سمجھو گی"؟ ——— میرے اس سوال کے جواب میں وہ خاموش رہی... اور پیر کے انگوٹھے سے زمین کی مٹی کریدنے لگی... میں نے پھر اسے مخاطب کیا ———

"صبوحی!... تم اپنا راز دار بنا لو مجھے... انشاء اللہ ہر قدم پر، ہر مشکل و تکلیف میں اپنا دوست پاؤ گی ——— تمہارا راز میرا راز ہوگا ——— پلیز صبوحی!!"

"میں نے کبھی گوارہ نہ کیا کہ کوئی میرے راز میں شریک ہو... لیکن آج... پتہ نہیں کچھ یقین سا ہو چلا ہے آپ پر ——— دل چاہتا ہے... اپنا ہمراز بنا کر دل کا بوجھ ہلکا کر لوں پہلے کبھی کسی نے اتنے خلوص... اتنی اپنائیت سے میرے دکھ دور کرنے کی کوشش نہ کی میری غیرت نے بھی گوارہ نہ کیا کہ کچھ کہوں زبردستی کسی سے۔ چپ اپنا لی تھی۔ آپ سننا چاہتے ہیں نا ———؟ ضرور سناؤں گی وہ راز... جو برسوں سے میرے سینے میں دفن ہے اور مجھے دیمک کی طرح کھائے جا رہا ہے...

آپ کو تو پتہ ہے... کم عمر تھی اور میری شادی کر دی گئی۔ لاکھ انکار کرتی رہی ——— لیکن میری ایک نہ سنی کسی نے... زمانے و حالات کا شکار... نئے ماحول نئی تہذیب میں پہنچ گئی... بڑے تنگ نظر اور پیسے کے نشے میں ڈوبے ہوئے لوگ تھے... جہالت کوٹ کوٹ کر بھری تھی... سسرال کا کیا ذکر...؟ شوہر تو ملا... لیکن شریکِ حیات نہ ملا... شوہر کے حقوق وصول کئے گئے... لیکن... سکھ دکھ کا ساتھی نہ ملا کوئی ہمدم... کوئی ہمراز... کوئی ہمسفر اور کوئی اپنا نہ ملا... شادی کے بعد سے آج تک تنہا دکھ

برداشت کیے...... میں آپ اپنی تنہا ساتھی رہی.... شوہر کا صرف نام تھا ساتھ.... اور کچھ بھی تو نہیں.... عمران نے مجھے بھی زبردستی بدنام کیا..... قصور ہو نہ ہو.... گھر سے نکل جانے کا حکم ملا.... کہا کیا تم بھی زبردستی اس گھر میں بچوں کی آڑ لے رہی ہو..... کسی کو تمہاری ضرورت نہیں".... عریاں باتیں، ننگی گالیاں، چپل اور ہنٹے کی مار.... لاتوں اور گھونسوں کی بارش.... غرض سب کچھ خاموشی سے سہتی رہی... عمران نے جھوٹے الزام لگائے مجھ پر.... اور دنیا والوں نے مجھ پر انگلیاں اٹھائیں.... مجھی کو برا کہا گیا.... لیکن کسی نے حقیقت جاننے کی کبھی کوشش نہ کی.... میں نے کبھی بدنام ہونا گوارہ کیا لیکن سچ ظاہر نہ کیا.... سارے ظلم سہتی رہی.... آج آپ کی اپنائیت کے آگے.... چپ نہ رہ سکی...." یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔
"میں جب تنگ آگئی"..... وہ پھر گویا ہوئی.... "تو میں نے عمران سے اتنا کہہ دیا جو آرزو باقی ہو وہ پوری کرلو.... یہ حسرت نہ رہے کہ صبوحی پر فلاں ظلم نہ کیا اور میں ابھی تو چپ سہ لوں گی.... لیکن مرتے وقت اور کیا آخرت میں کبھی معاف نہ کروں گی.... سبھی سے ایک ایک پیسے کا حساب لوں گی.... ہرگز معاف نہ کروں گی۔"

"اُف!.... صبو!.... اب بس کرو..... مزید سننے کی مجھ میں تاب نہیں اب.... اب سے تم تنہا نہیں.... میں تمہارے ساتھ ہوں.... تمہارا سہارا ہوں.... تم کبھی اپنے آپ کو اکیلی نہ سمجھنا۔ مجھ کو ہر لمحہ ہر پل اپنے دکھ سکھ کا ساتھی سمجھو.... اب میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہ دیکھوں...." آخر میں میں نے کہا

"تابش!.... صاحب!.... اس نے رک رک کر کہا.... "اس قدر بڑا قدم اٹھانے سے پہلے غور کر لیجئے..... کہیں قدم ڈگمگا نہ جائیں"۔

میں نے ہلکے سے اس کا ہاتھ پکڑا اور دبایا.... انشاء اللہ کبھی نہیں ڈگمگاؤں گا اپنے فیصلے سے تم اطمینان رکھو.... چلو! اب گھر چلیں.... زیبا منتظر ہوگی"....

"تابش صاحب!.... کہاں کھوئے ہیں جناب"....؟ اچانک صبوحی میرے کمرے میں داخل ہوئی.... "کیا بات ہے.... آپ اس قدر خاموش کیوں....؟ اور.... یہ آپ کی آنکھوں میں آنسو....؟ کیا مجھ سے نہ بتائیے گا"

"نہیں صبوحی! بھلا تم سے کیا رازداری....! لیکن جو کچھ میں کہوں گا اس میں تم میرا ساتھ دو گی"....؟ میں نے پوچھا۔

"آپ نے جس طرح علاج کے دوران میرا ساتھ دیا.... جس طرح سہارا دیا.... یہ احسان کیا کم ہے....؟ آپ نے اپنا قیمتی وقت مجھ بدنصیب پر ضائع کیا۔ اس کے لئے کن لفظوں میں آپ کا شکریہ ادا کروں....؟ میرے پاس تو ان احسانات کے بدلے میں دینے کے لئے کچھ بھی تو نہیں ہے، زحمت کا باعث بنی اور آپ کی کہی بات کو ٹھکرا دوں تو احسان فراموش نہ کہلاؤں گی....؟ آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر...."

"صبوحی!.... میری دیرینہ تمنا تھی کہ تمہیں اپنا لوں.... لیکن تم اپنی مثال آپ تھیں اور تمہارے امیدوار بھی وجیہہ و قابل قدر شخصیتیں تھیں.... میرا کیا شمار تھا؟ لیکن آج.... جبکہ تم ظلم کا شکار ہو کر دنیا سے بیزار ہو چکی ہو۔ تب بھی میں تمہیں اپنانا چاہتا ہوں.... کاش!.... میں احساس کمتری میں مبتلا نہ ہوتا اور تمہیں اپنا لیا ہوتا تمہیں اس طرح تباہ نہ دیکھتا.... اب بھی وقت ہے.... تم ساتھ دو.... تو میں تمہارا ہوں....."

"تابش! سچ کہتی ہوں۔ بچپن ہی سے میری تمنا تھی کہ میں خاندان سے باہر نہ بیاہی جاؤں، لیکن والدین کی بے جا خواہش نے میری زندگی برباد کر دی، وہ مجھے امیر گھرانے میں ہی بیاہنا چاہتے تھے۔ ان کے خیال میں تھا کہ میں راج رچوں گی، یہ بات انھوں نے نہیں سوچی کہ دولت ہی چین و سکون کا باعث نہیں ہوتی۔ اور میں ایک مشرقی لڑکی کی طرح خاموش رہی۔ یقین تھا کہ والدین جو کچھ کرتے ہیں بیٹی کے لئے بہتر ہی سمجھ کر کرتے ہیں۔ مقدر بھی کوئی چیز ہے تابش! میری تقدیر میں یوں ہی برباد ہونا لکھا تھا۔ اس میں کسی کا قصور نہیں۔ بہرحال اب میں ایک ایسا غبارہ ہوں جس کی ہوا نکل چکی ہو، ایک ایسا پھول ہوں جو مرجھا چکا ہو، ایسی شاخ سبز ہوں جو درخت سے ٹوٹ کر مرجھا چکی ہو...."

"ایسا نہ کہو صبوحی۔ ایسا نہ سمجھو۔ تم آج بھی حسین ہو، جوان

ہو، دلکش ہو۔ کوئی میری نظروں سے پوچھیں دیکھے۔ میں تو تم میں کوئی کمی محسوس نہیں کرتا صبوحی۔ میرے لئے تم اب بھی وہی صبوحی ہو، جو شادی سے پہلے والی صبوحی تھی۔ میں دل کی گہرائیوں کے ساتھ اب بھی تمہارا پرستار ہوں۔

ایک آہ سرد بھر کر صبوحی نے کہا۔ میں ایک مطلقہ عورت ہوں تابش۔ سماج والے مجھ پر انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ محفلوں میں میرے چرچے ہوتے ہیں۔ سب مجھ ہی کو قصوروار ٹھہراتے ہیں، اس لئے کہ میں عورت ہوں، جو شاید مردوں کے ظلم ہی سہنے کے لئے پیدا کی گئی ہے۔ مجھ پر جو ستم توڑے گئے، انھیں دیکھنے والا کوئی نہیں۔ میرے دل پر جو زخم ہیں وہ کسی کو نظر نہیں آتے۔ پھر وہ رونے لگی۔ صبر و قرار کا دامن اس کے ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔

تابش نے پیار سے اس کے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے کر کہا سب ہی مرد ایک سے نہیں ہوتے صبوحی، ایسا نہ سمجھو۔ پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ تم مطلقہ ہو کر بھی میری نظروں میں کنواری ہو، تم سماج والوں کی نظروں میں کیسی ہی کیوں نہ ہو۔ میری نظروں میں پاکدامن ہو۔ قابل پرستش ہو۔ میں دنیا والوں سے نہیں ڈرتا۔ تم میرا ساتھ دے سکتی ہو تو میری ہو جاؤ صبوحی۔ میں اپنی محبت سے ان تمام مظالم کی تلافی کر دوں گا جو تم پر توڑے گئے ہیں۔ تم میرے پیارے وہ سب کچھ بھول جاؤ گی جن کی یاد نے تمہاری زندگی کو ایک بوجھ بنا دیا ہے ــــ بولو۔ صبوحی۔ بولو۔ کیا تم میری بن سکتی ہو۔ کیا تم میری تمناؤں اور آرزوؤں کو پورا کر سکتی ہو۔

اور صبوحی ایک کٹی ہوئی پتنگ کی طرح تابش کی آغوش میں آگری اور اس کے آنسو، جو شاید اب خوشی سے نکل رہے تھے۔ تابش کے گریبان کو تر کرنے لگے۔

لکھنؤ اپنی تہذیب و تمدّن

کے لئے سارے ہندوستان ہی میں نہیں ساری دنیا میں مشہور تھا، لیکن افسوس کہ انقلابات زمانہ نے لکھنؤ کی تہذیب و تمدن کو خاک میں ملا دیا۔ آج اس تہذیب کا ذکر صرف کتابوں میں ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ لوگ آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس تہذیب و تمدن کو دیکھیں اور لکھنوی لوگوں کی شیریں زبانی سے لطف اندوز ہوں۔ لیکن اب اس زبان کے بولنے والے بھی نظر نہیں آتے جو حضرت پہلے آپ پہلے آپ کہا کرتے تھے۔ اور اس مٹتی ہوئی تہذیب و تمدن کے علمبردار کچھ رہ بھی گئے ہیں تو وہ گوشہ نشین ہیں اور ان تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ اپنا سب کچھ کھو کر اب وہ باہر نکلتے بھی شرماتے ہیں۔ کیسا عروج اور اب کیسا زوال ہے۔ لیکن لکھنؤ میں جو چیزیں فنا نہ ہو سکیں وہ ہیں شاہی امام باڑے اور وہ کاریگر اور ہنرمند جو آج بھی اپنی کاریگری اور سبک دستی کے ایسے شاہکار پیش کر رہے ہیں جو آپ اپنی مثال ہیں۔

چکن، زردوزی، کامدانی اور بادلے وغیرہ کے کام یہاں کے کاریگر ایسا کرتے ہیں کہ دیکھنے والے محو حیرت رہ جاتے ہیں۔ لچکا گوٹہ پٹھا کرن اور ستارے وغیرہ کا کام بھی بیحد نفیس ہوتا ہے۔

حضرت علیؓ کی شہادت اسلام کا عظیم سانحہ ہے

از۔ نصرت فاطمہ

حضرت علی مرتضیٰ ان مقتدر صحابہ میں شامل ہیں جن کو جنت کی بشارت زندگی ہی مل گئی تھی۔ آپ کی ذات مجموعہ کمال تھی آپ بلند پایہ مفسر، ممتاز فقیہہ اور بے بدل قاضی تھے۔ خود حضور نے اقضاکم علی کی سند دی اور اکثر قضا کی خدمت آپ ہی کے سپرد کرتے تھے۔ آپ کو معارف قرآن پر اتنا عبور تھا کہ ایک مرتبہ فرمایا۔ • میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں، کیوں اور کس لئے نازل ہوئی • آپ کے علوم دیکھکر کچھ لوگوں کو گمان ہوا کہ شاید حضورؐ نے آپ کو ظاہری علوم کے علاوہ بھی کچھ خاص باتیں بتائی ہیں چنانچہ آپ کے شاگردوں نے دریافت کیا کہ • کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے —— ؟ آپ نے فرمایا میرے پاس قرآن اور چند احادیث کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں مگر قرآن فہمی کی دولت جسے خدا چاہتا ہے اسی کو ملتی ہے۔•

عبادت اور ریاضت آپ کی زندگی کا مشغلہ تھا اور کثرت صوم و صلوٰۃ کی بنا پر • قائم اللیل اور صائم النہار • مشہور تھے۔ بے نفسی سخاوت اور ہمدردی میں آپ کو ممتاز مقام حاصل تھا آپ کے در سے کبھی کوئی سائل خالی ہاتھ نہیں لوٹا آپ کے زہد اور فقیرانہ زندگی کی ادنیٰ سی مثال یہ ہے کہ لوگوں نے آپ کو دیکھا کہ اپنے اوڑھنے کی چادر میں کھجوریں خود لا رہے تھے جن کو آپ نے ایک درہم میں خریدا تھا یہ دیکھ کر لوگوں نے عرض کی —— • اے امیر المومنین یہ ہمیں دیدیں۔ تاکہ ہم پہنچا دیں • آپ نے جواب دیا کہ • جس کے عیال ہیں اسی کو ان کا بوجھ اٹھانا چاہیئے۔•

حقیقت تو یہ ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ اخلاق محمدی کا جیتا جاگتا نمونہ اور آپ کی عادات اطوار کی چلتی پھرتی تصویر تھے ایک مرتبہ ضرار ابن ابی ضمرہ کو امیر معاویہ نے مجبور کیا کہ وہ حضرت علی کے متعلق کچھ کہیں۔ انھوں نے کہا۔ • خدائے بزرگ و برتر کی قسم وہ بڑے دور بین اور انتہائی توانا تھے ان کے پہلو سے علم کے سوتے پھوٹتے تھے اور ان کی زبان سے حکمت کے موتی برستے تھے۔ ہر فیصلہ عدل کے سانچے میں ڈھلا ہوتا تھا۔ پالنے والا گواہ ہے کہ میں نے مسجد کوفہ میں آدھی رات کو کھلے آسمان کے نیچے اکثر و بیشتر حضرت علی کو اس عالم میں دیکھا کہ ہاتھ اٹھائے ہوئے خدا سے محو مناجات کبھی دھاڑیں مار مار کر روتے تھے اور کبھی مارگزیدہ کی طرح تڑپتے تھے۔ اسلام کے اصلی نظریات کی پابندی کرنے میں بہت سخت تھے سب سے زیادہ بھروسہ حق و صداقت پر تھا۔ اسی لئے کبھی دنیا کو آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا۔•

تاریخ کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جنگ نہروان میں خارجیوں نے حضرت علی مرتضیٰ سے شکست کھانے کے بعد طے کیا کہ جس طرح بھی ممکن ہو آپ کو قتل کر دیا جائے۔ ان ہی لوگوں میں ایک عورت قطام نامی بھی تھی۔ اس کا باپ، بھائی اور شوہر اس جنگ میں کام آئے تھے۔ وہ بھی حضرت کے خون کی پیاسی تھی۔ عبد الرحمٰن بن ملجم جو خود بھی ان خارجیوں میں سے تھا اس عورت سے عقد کا خواہاں تھا۔ قطام کو یہ موقع حصول مراد کے لئے اچھا معلوم ہوا اس نے شرط رکھ دی کہ مجھے تجھ سے نکاح کرنا منظور ہے اگر تو علی ابن ابیطالب کو قتل کر دے • ابن ملجم نے کہا • علی کا قتل کرنا کوئی آسان کام ہے؟•

عورت نے کہا • میرا ملنا بھی آسان نہیں • چونکہ وہ دل و جان سے قطام کو چاہتا تھا اس لئے رضامند ہوگیا اور زہر سے بجھی ہوئی تلوار لے کر کوفہ جا پہنچا۔ جہاں انیسویں ماہ رمضان کی شب کو مسجد کوفہ میں جا کر روپوش ہوگیا وہ حضرت علی کی شجاعت اور جوانمردی سے خوب واقف تھا۔ اس لئے ترکیب یہ سوچی کہ سجدے ہی میں کام تمام کر دیا جائے۔

شب انیسویں ماہ صیام ۴۰ھ کو حضرت علی اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کے یہاں فروکش تھے۔ آپ کا بیان ہے کہ اس رات میرے بابا پر عجب اضطراب طاری تھا کبھی حجرے کے اندر جاتے

اور کبھی صحن میں آکر آسمان کو دیکھتے۔ میں نے عرض کی ابا جان: آپ کو پہلے کبھی ایسا مضطرب نہیں دیکھا کس کا خوف ہے کہ تمام اعضائے بدن لرز رہے ہیں۔"

آپ نے فرمایا: "ایک ادنیٰ اعلیٰ سے ملاقات کے لئے جا رہا ہے۔"

آپ مسجد میں دیر تک عبادت میں مصروف رہے۔ نماز صبح کا وقت قریب آیا تو اذان کہی۔ مسجد کے گوشے میں ایک شخص اوندھا پڑا سو رہا تھا آپ اس کے نزدیک گئے اور فرمایا۔ "اے شخص اٹھ نماز صبح کا وقت قریب آ گیا۔" یہ ابن ملجم تھا۔ ابھی مسجد میں کوئی نمازی نہ آیا تھا۔ حضرت علیؑ نماز میں مشغول ہوئے۔ ابن ملجم نے موقع غنیمت جانا اور جیسے ہی آپ سجدے میں گئے اس ظالم نے ایسا وار کیا کہ کنپٹی تک گہرا زخم آیا۔ تلوار لگتے ہی آپ نے فرمایا۔ "فُزتُ بربِّ الکعبہ" یہ حضرت علیؑ ہی کا ظرف تھا انھوں نے موت کو کامیابی و کامرانی سے تعبیر کیا۔ آپ کے خون سے محراب عبادت سرخ ہو گئی۔ ابن ملجم بھاگ کھڑا ہوا۔ کچھ لوگ جو نماز کیلئے آرہے تھے۔ انہوں نے اسے خون بھری تلوار لئے مسجد سے نکلتے دیکھا تو گھبرائے ہوئے اندر آئے یہاں حضرت علی مرتضیٰ کو تڑپتا ہوا پایا کچھ تو ابن ملجم کو پکڑنے بھاگے اور کچھ اہل خانہ کو خبر کرنے دوڑے۔

آپ کے دونوں صاحبزادے مسجد پہنچے تو دیکھا کہ نمازیوں کی صف منتشر ہے۔ لوگ رو رہے ہیں اور پدر بزرگوار خاک سجود اٹھا اٹھا کر زخم پر ڈال رہے ہیں۔ پوچھا۔ "بابا یہ کیا غضب ہوا؟" کس نے یہ ستم ڈھایا؟" حضرت نے امام حسن کی طرف سر اٹھا کر دیکھا اور فرمایا "بیٹا پہلے نماز تمام کرو" آپ نے دیکھا کہ علی مرتضیٰ کا کردار اپنی جان سے زیادہ یہ فکر کہ کہیں مسلمانوں کی نماز قضا نہ ہو جائے۔ نماز ہو چکی تو امام حسن نے پھر دریافت کیا کہ یہ ضرب کس نے لگائی۔ آپ نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ "تمہارا دشمن عنقریب اس طرف سے گرفتار ہو کے آئے گا" کچھ ہی دیر بعد لوگ ابن ملجم کو رسی میں جکڑا ہوا لے آئے۔ علی مرتضیٰ نے فرمایا۔ اس کی مشکیں کھول دو پھر نہایت نرمی سے کہا۔ "اے شخص کیا میں تیرا برا آقا تھا جو تو نے میرے اوپر یہ ظلم کیا اور میرے بچوں کو عید کے نزدیک یتیم کیا۔" اس نے یہ سن کر گردن جھکا لی۔ آپ نے امام حسن سے فرمایا۔

"بیٹا۔ اگر میں زندہ رہا تو اس شخص سے اپنا قصاص خود لے لوں گا اور اگر جانبر نہ ہو سکا تو جس طرح اس نے مجھے ایک ضرب لگائی ہے تم بھی اس کو ایک ہی ضرب لگانا۔" پھر عبد اللہ ابن رافع کو بلا کر قاتل اس کے سپرد کیا اور فرمایا۔

"اس کو اپنے پاس رکھو مگر کسی طرح کی اذیت نہ دینا۔"

حکیم ابن اثیر جراح بلایا گیا۔ اس نے مایوس ہو کر کہا۔

"امیر المومنین کے زخم پر اب کوئی دوا اثر نہیں کرے گی کیونکہ اول تو زخم گہرا ہے پھر تلوار کا زہر کافی اثر کر چکا ہے۔" لمحہ بہ لمحہ آپ کی حالت متغیر ہوتی چلی گئی۔

حضرت علی مرتضیٰ کی یہ حالت کہ جب غش سے افاقہ ہوتا کبھی امام حسن کو بلا کر قاتل کی سفارش، کبھی بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کی نصیحت فرماتے۔ امام حسین کو گلے سے لگاتے اور مصائب پر صبر کی تلقین فرماتے۔ تاریخ کامل ابن اثیر میں ہے کہ انتقال سے پہلے آپ نے جتنی نصیحتیں اور وصیتیں فرمائیں وہ سب تقویٰ، پرہیزگاری عبادت اور صلۂ رحم وغیرہ سے متعلق تھیں۔

بالآخر رمضان کی اکیسویں تاریخ بھی آن پہنچی آپ نے اپنے سب بیٹوں کو بلا کر امام حسن اور امام حسین کی اطاعت کا حکم دیا انتقال کے وقت آپ کی چار بیویاں امامہ، اسماء، لیلیٰ اور ام البنین موجود تھیں آپ کی نسل امام حسن، امام حسین، محمد حنفیہ، حضرت عباس اور عمر اطرف سے بڑھی لیکن آپ کے ۱۴ بیٹے اور سولہ بیٹیاں تھیں آپ نے سب کو حضرت امام حسن کے سپرد کیا اور حضرت عباس کو امام حسین کے حوالے کیا۔

حضرت کی حالت اور غیر ہوئی تو سب کے سامنے کلمۂ شہادت پڑھا اور قبلہ رخ ہو کے پاؤں پھیلا دیئے۔ کتاب الامامت والسیاست میں ہے کہ امام حسن، امام حسین اور عبد اللہ ابن جعفر نے آپ کو غسل دیا اور محمد حنفیہ نے پانی ڈالنے میں مدد کی۔ امام حسن نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی آپ کو آپ کی وصیت کے مطابق نجف اشرف میں سپرد خاک کیا گیا۔ مشہد علی کوفہ سے ۵ میل اور بغداد سے ۱۲۰ میل جنوب میں ہے۔

وجاہت علی سندیلوی

نئی روشنی کے آئینے میں جب ہم والد بزرگوار کو دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں تو ہمیں ساٹھ سال کی عمر کے قریب کا ایک ایسا چہرہ دکھائی پڑتا ہے جو بیک وقت مغموم بھی کہا جا سکتا ہے اور کسی قدر مسرور بھی۔ مغموم زیادہ غالباً اسی وجہ سے کہ اس کے سر سے بزرگواری کی پگڑی اتر جانے کے بعد وہ بیچارہ صرف والد رہ گیا اور مسرور کم۔ غالباً اس وجہ سے کہ والد ہونے کی ذمہ داریوں سے سبکدوش کر دیئے جانے کے بعد وہ پھر بھی ایک بزرگوار حیثیت سے بچ رہا۔ دوڑ میں پیچھے رہ جانے کے بعد اگر کنسولیشن پرائز یعنی تسلی پوچھ انعام ہی مل گیا تو غنیمت ہے اس کی مثال ایک ایسے معزول کئے ہوئے فرماں روا سے دی جا سکتی ہے جسے حکومت ہاتھ سے نکل جانے کا تو غم ہو لیکن حکومت کی سرگرانی اور دردسر سے چھٹکارا پانے کے بعد میسر آنے والے سکون کو۔ بھاگتے بھوت کی لنگوٹی سمجھ رکھا ہو۔ ہر صدمہ اپنے ساتھ تسلی کے کچھ بہانے بھی لاتا ہے۔

یہ والد بزرگوار جو گھٹ کر صرف والد رہ گئے یا محض بزرگوار خواہ مغموم نظر آئیں خواہ مسرور۔ تاریخی حیثیت سے مظلوم ضرور ہیں کیونکہ زمانے نے اپنی ستم ظریفی سے انہیں بلکہ ان کی پوری نسل کو ایک بڑے بھونڈے مذاق کا تختۂ مشق بنا کر رکھ دیا ہے۔ آج کے والد بزرگوار کبھی خود بھی کسی کے پسر برخوردار تھے۔ ان بیچاروں نے اس امید پر کہ کبھی ان کے بھی دن پھریں گے اور ان کو بھی والد بزرگوار بن کر اپنا سکہ چلانے کا موقع ملے گا اپنے اس وقت کے والد بزرگوار کی بڑی خدمتیں کی تھیں۔ خوب جھڑکیں بھری تھیں بہت پیر دابے تھے اور بڑی بڑی تلخیوں اور ترشیوں کو ہضم کر لی گئے تھے۔ خدا خدا کر کے جب ان پر سے ان کے والد بزرگوار کا سایہ ہٹا اور یہ خود والد بزرگوار بن کر اپنی اولاد سے اپنے والد بزرگوار . . . . کی زبردستیوں اور زیادتیوں کا انتقام لینے پر متوجہ ہوئے تو زمانہ کروٹ بدل چکا تھا اور یہ فرمان نافذ ہو چکا تھا کہ اب والد بزرگوار کا نہیں بلکہ پسر برخوردار کا حکم چلے گا۔ بالکل وہی حادثہ جیسے کوئی شخص جعلی نوٹ بنانے کی کوشش کرے اور اپنی زندگی کا بہترین حصہ اس جد و جہد میں صرف کر دینے کے بعد جب نوٹ چھاپنے میں کامیاب ہو جائے تو پتہ چلے کہ سرکار نے اس قسم کے نوٹ ہی منسوخ کر دیئے ہیں اور اب وہ ردی کاغذ سے بھی بدتر ہیں۔

یہ تبدیلی کیوں اور کیسے ہوئی؟ اس کی تفتیش کے لئے فرصت ہے اور نہ ضرورت۔ صرف اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اسی ہولناک انقلاب کی وجہ سے ہماری قسم اور نسل کے والد بزرگوار ایک بہت بڑی ناانصافی کا شکار ہو گئے غالباً آئندہ نسل کے ہونے والے والد بزرگواروں کو موجودہ دور کے والد بزرگواروں کی طرح کوئی غیر متوقع مایوسی نہیں برداشت کرنا پڑے گی۔ انھوں نے جب سعادت مندی کے بینک میں کوئی پونجی ہی نہیں جمع کی تو وہ اس سے کچھ واپس پانے کی کیا امید رکھ سکتے ہیں؟ جس نے بویا ہی نہیں وہ کاٹے گا کیا؟

کتنے شہزادے سلیم اپنی جان سے پیاری انارکلی کو محض والد بزرگوار کے ماتھے کی شکنیں دیکھ کر کھو بیٹھے اور اپنے ارمانوں کے تاج محلوں کو مسمار کر کے کھنڈروں میں تبدیل کر دیا۔ اب ان ہی مظلوموں کو جب اس قسم کے سانحات سے دوچار ہونا پڑتا ہے تو ان کے دلوں پر کیا کیا سانپ لوٹتے ہوں گے؟

ع دل صاحب اولاد سے انصاف طلب ہے

اور ان کی روحوں کی یہ آواز بھی صاف سنائی دیتی ہے ؎

ذرا عمر رفتہ کو آواز دینا

بیٹا۔ ڈیڈی آپ کو ۲۵ ؍ کو تین بجے سہ پہر چھٹی مل جائے گی!

باپ - نہیں بیٹا - پانچ بجے تک تو دفتر نہیں بند ہوتا۔
بیٹا - خیر کوئی بات نہیں - تین بجے رجسٹرار کے دفتر میں بھو اور مس چپاکلی کی شادی ہو رہی ہے آپ ہوتے تو میں ان کی ماں سے آپ کا تعارف کرا دیتا۔
باپ - مبارک ہو بیٹا - ہنی مون کے لئے کہاں جانے کا ارادہ ہے؟
بیٹا - اوہ ڈیڈی - آپ کتنے اچھے ہیں خوب یاد دلا دیا ملاپھنگ کے لئے ٹکٹ تو لے لئے ہیں لیکن پیسے کچھ کم پڑ رہے ہیں آپ بھی شادی کے تحفے کے بجائے تین ہزار کا ایک چیک کاٹ دیجئے۔
باپ - جیسی تمہاری مرضی - لیکن تین ہزار ......
بیٹا - ڈیڈی - ایسے موقعوں پر تو لیکن کا لفظ ہی نہیں بولا جاتا۔ کبھی تو آپ اپ ٹو ڈیٹ بننے کی کوشش کیا کیجئے۔
باپ - اچھا تو چیک بک اٹھا دو۔

موجودہ دور میں پر پرزے نکالنے کے بعد اولاد اپنے باپ کو ایک ناگزیر مصیبت سمجھتی ہے اور اس کو ایک پرانے چیتھڑے سے زیادہ اہمیت نہیں دیتی - چھلّے کی طرح بوقت ضرورت اس کو استعمال کیا جا سکتا ہے اور ضرورت نکل جانے کے بعد اس کا نظروں سے دور کسی کونے میں پڑا رہنا ہی کافی سمجھا جاتا ہے - ایک صاحب اپنے باپ کے مرنے پر بالکل نہیں روئے لیکن فاتحہ کا کھانا کھا چکنے کے بعد ان کے بے اختیار آنسو نکل آئے۔ لوگوں نے کہا صبر کیجئے - ہچکیاں لیتے ہوئے بولے۔ "زندہ ہوتے تو یہ نقصان نہ ہوتا۔"

نئے دور کی اولاد کی بے اعتنائی اور بے رخی سے والدین کو اطمینان اور سکون کا ایک موقع ضرور ملا انھیں اپنی اولاد کے متعلق اس کے اچھی بھلی ہوش گوش کی ہو جانے کے بعد بھی جو فکر لاحق رہا کرتی ہیں وہ بڑی حد تک کم ہو گئیں۔ ان کی اولاد جب ان کی نصیحت اور فضیحت پر کان دھرنے کے بجائے کانوں میں انگلیاں دینے لگی تو قدرتاً اس بردباری کی شدت و حدت بھی قریب قریب ختم ہو چکی ہے ایک صاحب بتا گئے تھے کہ انھوں نے ٹرین کے ایک سفر میں دیکھا کہ ایک اسی بیاسی سال کا بڈھا دوسرے ساٹھ باسٹھ سال کے بڈھے کو برابر ہدایتیں دے رہا ہے۔ "دیکھو ٹکٹ سنبھال کر رکھنا۔"

"تم نے صراحی میں پانی نہیں بھرا - اگلے اسٹیشن پر اسے بھرنا نہ بھول جانا۔ اور وہاں خبردار دوڑ کر جانا اور دوڑ کر آنا - ورنہ ٹرین چھوٹ جائے گی - اب ذرا بیٹھے ہو تو اسباب کے عدد گن ڈالو۔" وغیرہ وغیرہ - مقابلتاً کم عمر بزرگ کے بھی بال سفید ہو چکے تھے لیکن وہ بڑی عمر کے بزرگ کے ہر فرمان پر "بہت اچھا" - "جی ہاں" - "بہتر ہوگا" - وغیرہ کہہ رہا تھا بعد میں پتہ چلا کہ وہ باپ بیٹے تھے . . . . اور باپ صرف شفقت پدری کے اظہار کی خاطر ایک ساٹھ باسٹھ سال کے بڈھے کو دوسرے مسافروں کے سامنے گدھا ثابت کرنا چاہتا تھا - والدین گو اب بھی مظالم پھر بھی ہر وقت کچھ کم نہیں رہے ہیں - صرف اپنے اپنے موقع کی بات ہے - کسی نے باپ بن کر ستایا اور کسی نے بیٹا بن کر - ایک مقولہ ہے "ہماری شروع کی آدھی زندگی ہمارے والدین خراب کرتے ہیں اور ہماری آخری آدھی زندگی ہماری اولاد کے ہاتھوں تباہ ہوتی ہے۔"

رہی آباء کی پابندی ہوئی بیٹے کی پابندی
ترے بادشاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا

باپ بیٹے کے تعلقات کے سلسلے میں مصر کے عجائب خانے میں ایک بڑا سبق آموز مقولہ پتھر کی سل پر کندہ موجود ہے۔
"اس زمانے میں بیٹا باپ کی نہیں سنتا دورت کے چکر میں پڑ چکا ہے۔"
اس کتبے کی تاریخ تحریر ڈیڑھ ہزار سال قبل مسیح ہے۔

چھتیں بے رونق کیوں ہو گئیں؟

تسنیم شہناز

ہمارے محلے میں نجانے کیا بات ہے کہ لڑکیوں کی تعداد بہت زیادہ ہے کسی گھر میں چار ہیں کسی میں سات کسی میں آٹھ اور ایک گھر میں تو دس لڑکیاں ہیں اگر محلے کی تمام لڑکیوں کی گنتی کی جائے تو چھوٹی بڑی سب ملا کر تعداد ساٹھ سے بھی زائد بنتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہمارے محلے میں لڑکے ہیں ہی نہیں۔ لڑکے تو ہیں مگر کم ان میں کچھ تو گلی ڈنڈوں سے جی بہلاتے ہیں اور کچھ کھلونوں سے دلوں سے کھیلنے کے قابل کوئی بھی نہیں ہے۔

محلے میں لڑکیوں کی اس کھیپ سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعی دنیا میں لڑکیاں لڑکوں کی نسبت زیادہ ہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ دنیا میں ساری چہل پہل اور رونق ماؤں بہنوں بیٹیوں ہی سے ہے دنیا کی کتاب سے اگر عورت کو خارج کر دیا جائے تو باقی کیا رہ جائے گا کائنات کی رنگینیاں عورت ہی کے دم سے ہیں یہی وجہ ہے کہ ہمارے محلے میں بھی ہر وقت رونق رہتی ہے لڑکیوں کی زیادتی کے باوجود کسی بھی غریب نے جھانک کر بھی نہیں دیکھا۔

ایک عجیب بات جو شاید اب عجیب نہیں رہی یہ بھی ہے کہ ۳۰ سال سے اوپر عمر تجاوز کرنے کے باوجود بہت سی لڑکیاں بابل کے آنگن کی چڑیاں بنی ہوئی ہیں۔ عمر بیتی جائے کوئی رشتہ نہ آئے والی بات ہے۔ اچھی خاصی پڑھی لکھی ہیں۔ ان میں کئی ایم اے پاس ہیں جنہیں دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ انہوں نے ایم اے ایویں ہی کیا۔ کئی بی اے پاس "بیگمات" کے شرف سے محروم ہیں بہت سی زیر تعلیم ہیں کالجوں اور اسکولوں میں جاتی ہیں اور جوانی کا سارا حسن ساری دلکشی و رعنائی سورج کی جھلسا دینے والی دھوپ اور بسوں کے دھکوں میں برباد کر رہی ہیں اب انھیں کون سمجھائے کہ تمہاری۔ بڑی بیوں کو اس سے کیا مل گیا۔ بھئی ہمارے نزدیک تو تعلیم کا اصل مقصد۔ کچھ۔ حاصل کرنا ہے جب "کچھ" حاصل ہی نہ ہو تو تعلیم حاصل کرنا ہی بے کار ہے۔ جب ہم تعلیم کی ماری کسی لڑکی کو دیکھتے ہیں تو ہمیں بہت ہی افسوس ہوتا ہے تعلیم پر نہیں بلکہ ان کی جوانی اور صحت پر کہ کیوں خواہ مخواہ ان جھمیلوں میں خود کو برباد کیا۔ رنگ و روپ کھویا۔ جوانی سے ہاتھ دھوئے اب جب کبھی کوئی رشتہ لے کر آتا ہے تو یہ سوچ کر لوٹ جاتا ہے کہ ایسی تعلیم کو کیا کرنا لڑکی میں تو کچھ ہے ہی نہیں نہ رنگ نہ روپ نہ صحت نہ جوانی اب کون کہے کہ یہ سب کچھ تو لٹا کر زر تعلیم ہو گیا اور پھر آخر میک اپ کس مرض کی دوا ہے۔ تعلیم زدہ چہروں کا واحد سہارا میک اپ ہی تو ہے۔

ہاں تو بات کر رہے تھے ہم محلے کی رونقوں کی کہ ہمارے محلے میں ہر وقت بڑی رونق رہتی ہے۔ محلے کی تمام لڑکیاں آپس میں سہیلیاں ہیں۔ آنا جانا رہتا ہے پلیٹیں ادھر سے اُدھر اور اُدھر سے ادھر ہوتی رہتی ہیں۔ خلوص میل محبت سبھی کچھ ہے البتہ چھوٹی عمر کی لڑکیوں میں کبھی کبھار گلی میں کھیل کود کے موقع پر معمولی لڑائی جھگڑا ہو جاتا ہے۔ مگر پھر ایک ہو جاتی ہیں۔ بس یوں سمجھ لیں کہ ہمارے محلے میں ہر دن عید اور ہر رات شب برات ہوتی تھی مگر شام کا سماں تو قابل دید ہوتا ہے۔ آپ کو کلفٹن، عزیز بھٹی پارک، نور پارک وغیرہ میں بھی وہ مزے نہ ملیں گے جو ہمارے محلے میں ہیں مگر چند ماہ سے ان رونقوں میں اور بھی اضافہ ہو گیا ہے اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ ہمارے محلے میں ملحقہ کرنے والے مکان میں نئے کرایہ دار آئے ہیں جنہیں والدین چھ عدد خوبرو نوجوان لڑکے ہی لڑکے ہیں سبھی کنوارے ہیں ایک بھی شادی شدہ نہیں۔ شکلوں سے تو پڑھے لکھے اور کچھ کچھ کرتے معلوم ہوتے ہیں مگر ہر شام چھت پر چڑھ کر کبوتر اڑانا خاص

ان کا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ یہ لڑکے کیا آئے ہیں کہ محلے میں تیامتیں ہی آگئی ہیں۔ گھر دں کی قیامتیں بن سنور کر چھتوں پر چڑھ آتی ہیں ایک خاموش ہنگامہ رہتا ہے ادھر وہ حضرات کبوتر بازی کے ساتھ ہی نظر بازی کا شغل بھی فرماتے ہیں شریف معلوم ہوتے ہیں بنی سنوری لڑکیوں کو دیکھ کر آوازے کسنا ان کا شیوہ نہیں۔

ادھر یہ لڑکیاں بھی اونچی آوازوں میں باتیں اور قہقہے ان کے کانوں تک پہنچانا باعث شرم سمجھتی ہیں البتہ ملکے ملکے میک اپ اور نکھری ہوئی سنوری ہوئی نفیس رنگین لہراتے آنچل چپکے چپکے بہت کچھ مزید کہتے ہیں۔ عجب الف لیلوی سماں ہوتا ہے جو سب کی توجہ کا مرکز ہوتا ہے آخر کسوں میں بند کپڑے کس کام آئیں گے۔ کہیں آنا جانا تو کم ہی رہتا ہے کبھی کسی تقریب میں چلے گئے کیوں نہ چھتوں پر ہی سب نئے پرانے لباسوں کی نمائش کی جائے ایک مقابلۂ حسن و فیشن ہوتا ہے ہر ایک چپکے چپکے ایک دوسری سے سبقت لے جانا چاہتی ہے مگر کس لئے کیوں۔؟ مقصد تو کچھ بھی نہیں ہوتا۔ بس یوں ہی۔

لیکن یہ کیا کچھ روز سے چھتوں کی رونقوں میں کمی آنے لگی رنگین لہراتے آنچلوں کی تعداد کم ہوتی گئی سجانے (؟) ... بات ہے کہ اب سب کی سب رفتہ رفتہ غائب ہوتی جا رہی ہیں۔ کتنی رونق رہتی تھی شام کے وقت چھتیں بے آباد کیوں ہوتی جا رہی ہیں۔ ہم سوچ رہے تھے کہ یہ اچانک تبدیلی کیسی؟ ہمیں تو پہلی تبدیلی کی بھی کوئی خاص وجہ سمجھ میں نہ آئی تھی شاید آپ کی سمجھ میں آگئی ہو مگر اب کی تبدیلی کی وجہ ہماری سمجھ میں بالکل بھی نہیں آرہی تھی۔ خیر ہم نے بھی کسی سے یہ پوچھنے کی زحمت گوارا نہ کی کہ بھئی اب چھتوں پر کیوں قدم رنجہ نہیں فرماتیں۔

ایک روز یوں ہوا کہ ہم بارش کے بعد بھیگی ہوئی چارپائیوں اور دیگر سامان کا جائزہ لینے چھت پر چڑھے تو سامنے اسی کونے والے مکان کی چھت پر تین رنگین لہراتے آنچلوں پر ہماری نظر جم گئی لڑکے حسب معمول کبوتر اڑا رہے تھے ساتھ میں تین بہت ہی خوبصورت لڑکیاں۔ اب یہ ہمیں معلوم نہیں کہ ان کا حسن خالص تھا یا نہ خالص البتہ وہ حسین بہت دکھائی دے رہی تھیں۔ ان کے نقرئی قہقہے فضاؤں میں بکھر رہے تھے اور بھیگی بھیگی ٹھنڈی ہواؤں کو مترنم بنا رہے تھے وہ تینوں باتیں کر رہی تھیں کسی بات پر ہنس رہی تھیں ساتھ میں وہ کبوتر باز حضرات بھی شامل قہقہہ تھے۔ ظاہر ہے کہ ہماری موٹی سی عقل شریف میں یہی آتا تھا کہ یہ مہمان لڑکیاں ہوں گی۔ ہم نے اس سے پہلے اس گھر میں کبھی بھی کسی لڑکی کو نہیں دیکھا تھا۔ ہاں گیارھویں شریف کی نیاز میں بیٹے ان کے ہاں بہت سی خواتین کو دیکھا۔ ان میں نوجوان لڑکیاں بھی تھیں پھر اس دن سے ہمیں یہ لڑکیاں ہر شام جدید خوبصورت ملبوسات میں کبوتر باز حضرات کے ہمراہ نظر آنے لگیں ہم پھر بھی یہی سمجھے کہ شاید یہ کزن وغیرہ ہوں گی جو کسی دوسرے شہر سے ان کے ہاں رہنے کو آئی ہیں چھوڑیں ہمیں کیا کوئی بھی ہو۔

مگر ایک روز محلے کی خالہ بی جو کونے کے مکان کے ساتھ والے مکان میں رہتی ہیں ہمارے گھر آئیں تو باتوں ہی باتوں میں ہم ان سے یہ پوچھے بغیر نہ رہ سکے کہ خالہ وہ لڑکیاں کون ہیں۔ خالہ گویا یہ سب تفصیل بتانے کو پہلے ہی تیار بیٹھی تھیں بولیں کہ بی تو میں کہنے والی تھی کہ وہ جو ہمارے ساتھ والے مکان میں لڑکے ہیں ان سب تین لڑکے اپنی بیویاں آپ ڈھونڈ لائے ہیں۔ بس لمحے ذہن میں فوراً یہ خیال کوندا کہ کیا اس محلے میں لڑکیوں کی کمی تھی جو ....؟ خالہ اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولیں ”ایک تو پٹھانی ہے جسے مسلمان کر لیا ہے وہ ٹیلیفون کے محکمے میں نوکری کرتی ہے۔ ہے تو سانولی مگر کشش بہت زیادہ ہے بال بھی لمبے لمبے ریشم جیسے ہیں۔ دوسری پشاور کی ہے۔ خوبصورت بڑی آنکھیں ہر وقت کاجل سے بھرے رکھتی ہے۔ تیسری کشمیرن ہے۔ ہاتھ لگانے سے پہلے میلی ہوتی ہے۔ گوری بہت ہے آنکھیں دیکھنے والی ہیں بڑی بڑی۔ ان میں لال ڈورے۔

مگر خالہ جب لڑکے خود ہی اپنی پسند کی لڑکیاں لے آئے تو ماں باپ نے کچھ نہ کہا میرا مطلب ہے کہ کوئی اعتراض تو نہیں کیا۔ خالہ بولیں کہ پہلے پہل تو بہت کچھ کہا۔ مگر کبھی کبھی والدین کو اولاد کے آگے ہار ماننی پڑتی ہے کرتے بھی کیا جو ہونا تھا سو ہو گیا ویسے ایک بات ہے کہ تینوں لڑکیوں میں اتفاق بہت ہے مل جل کر رہتی ہیں ان کا مزاج اور اخلاق بھی بہت اچھا ہے۔

خالہ بی کے اس انکشاف پر نہ جانے کیوں ہمیں اس بات کا بہت افسوس ہوا کہ اب ہماری چھتوں پر وہ رونقیں نہیں رہیں جو پہلے تھیں۔ چھوڑو کیا جانا چھتوں پر جب کچھ حاصل ہی نہیں تین حضرات تو اپنی پسند دلہن کر دا چکے ہیں باقی تین بھی کر ہی لیں گے کیا پتہ کہ ان کی پسند دلہن بھی ٹھہری چکی ہو۔

افسانہ

سعیدہ بشیر

اب بھلا کوئی شکیل سے پوچھے کہ آخر اسے مجھ میں نظر کیا آگیا ہے جو وہ صبح و شام باقاعدہ میرے دیدار کے لئے باہر کھڑا رہتا ہے۔ ثریا کافی دیر سے آئینے میں اپنے آپ کو حیرت سے دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ اتنا ستا ہوا چہرہ، کالا رنگ ہے میرا اور اس پر سونے پر سہاگہ پستہ قد۔ ثریا نے نفرت سے ہونٹ سکیڑ کر اپنے آپ کو دیکھا۔

آج اسے پہلی بار اپنے آپ سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔ کیا تھا اگر خدا نے مجھے بھی تھوڑی سی ہی سہی خوبصورتی دے دیتا جس کے بل بوتے پر آج میں بھی شکیل کی محبت کا جواب بڑے فخر سے دیتی۔ مارے دکھ کے ثریا کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں۔

"عشق اندھا ہوتا ہے ثریا۔" بہت قریب سے آواز آئی تو ثریا نے ایک دم چونک کر ادھر اُدھر دیکھا لیکن کسی کو نہ پا کر اسے خود ہی اپنی حماقت پر ہنسی آگئی۔ یہ آواز تو اس کے اپنے دل کی تھی۔ کہتے ہیں لیلیٰ بہت بدصورت تھی لیکن مجنوں کی نظر میں لیلیٰ سب ہی کچھ تھی۔ ثریا کے دل نے دوبارہ سرگوشی کی تو خوشی کی ایک لہر اس کے جسم میں دوڑ گئی۔ ثریا نے جھپٹ کر آئینہ اپنے قریب کھینچ لیا۔ "واقعی شکیل کو مجھ میں لیلیٰ کا حسن نظر آتا ہے" اس نے بے تابی سے آئینے سے پوچھا۔ "ہاں" آئینے نے ہولے سے کہا تو ثریا نے آئینے کو سینے سے لگا لیا۔

ثریا جب پیدا ہوئی تو ماں نے اسے دیکھتے ہی اپنا سر تھام لیا تھا کیونکہ جتنی پہلی دو لڑکیاں خوبصورتی میں اپنا جواب آپ تھیں یہ بدصورتی میں اپنا جواب آپ تھی۔ امیر لڑکیوں کے تو سو عیب جہیز کی چمک تلے چھپ جاتے ہیں لیکن اگر کسی غریب لڑکی کے پاس جہیز تو ایک طرف ڈھنگ کی شکل بھی نہ ہو تو اس کی شادی کا تصور بھی اس زمانے میں حماقت لگتا ہے۔ یہی سوچ سوچ کر ثریا کے والدین ہولتے رہتے لیکن ثریا نے جب ہوش سنبھالا تو اس نے بدصورتی کے احساس کو دماغ پر مسلط نہیں کیا۔ بلکہ پڑھائی میں دل لگا کر وہ اس احساس کو بھی بھول چکی تھی۔ کچھ عرصہ بعد جب دونوں بڑی بہنوں کی شادیاں ہو گئیں تو ماں باپ کی چبھتی نظروں سے بچنے کے لئے ثریا نے اپنے آپ کو کمرے میں بند کر لیا تھا جہاں وہ ہوتی اور اس کے تمام احساس کو بھلانے والی کتابیں۔ پھر جب اس نے بی اے کا امتحان اچھے نمبروں سے پاس کر لیا تو اس نے خدا کا لاکھ لاکھ شکر ادا کیا۔

"میں نوکری کروں گی۔" ثریا نے ایک دن ماں سے فیصلہ کن لہجے میں کہا تو ماں نے ٹھنڈی سانس بھر کر اثبات میں سر ہلا دیا اور پھر ثریا نے گھر کے قریبی مڈل اسکول میں ملازمت اختیار کر لی۔ وہ روزانہ اسکول جاتی بچوں سے دل بہلاتی، انہیں پڑھاتی اور واپس اپنے کمرے میں آ جاتی۔

اسے اپنی طرف سے ایسی کوئی خوش فہمی نہیں تھی کہ اسے بھی کوئی چاہ سکتا ہے یا شادی کر سکتا ہے اس لئے اس نے شادی کے خیال کو کبھی جی میں جگہ نہ دی تھی لیکن اب شکیل نے اسے سوچنے پر مجبور کر دیا تھا۔ شکیل کو اس محلے میں آئے چار پانچ ماہ ہوئے تھے۔ سرخ و سفید رنگت، براؤن آنکھوں والا شکیل وجاہت میں اپنی مثال آپ تھا۔ ثریا نے جب پہلی بار شکیل کو دیکھا تو وہ اسے پہلی نظر میں بہت پیارا لگا تھا۔ صرف پیارا۔ اس سے آگے وہ کچھ نہیں سوچ سکتی تھی کیونکہ اسے اپنی حیثیت معلوم تھی۔ ثریا اب بھی روزانہ بچوں کو پڑھانے کے لئے اسکول جاتی لیکن ایک بات جو اس نے نوٹ کی وہ تھی شکیل کا اس سے روزانہ ٹکرانا۔ وہ جب بھی اسکول جانے کے لئے گھر سے نکلتی تو سامنے ہی ہلکی ہلکی مسکراہٹ لئے شکیل سے اس کی نگاہیں ٹکرا جاتیں۔ ثریا گڑبڑا کر اپنی نگاہیں جھکا لیتی اور خاموشی سے قریب سے گزر جاتی۔

عورت

عاصم صہبائی

اے خلد میں تنہائی آدم کے سہارے
اے وادیٔ تخلیق کے بے مثل نظارے
کس سانچے میں ڈھالا تجھے صناعِ ازل نے
تجھ میں ہیں یہ کس برقِ تجلی کے شرارے

آنکھیں ہیں کہ میخانۂ فطرت کے پیالے
نظریں ہیں کہ رومانِ بہشتی کے اشارے
کس درجہ حسیں ہے لبِ نازک پہ تبسم
پہنچا ہے خضر چشمۂ حیواں کے کنارے

ماتھے پہ درخشاں رہے حیاؤں کا پسینہ
اڑتے ہوئے جگنو ہیں چمکتے ہوئے تارے
بے باک تکلم ہے صداقت کا نمونہ
فردوس کی بے تاب بہاروں کے طرارے

تو وہ ہے کہ بیدار کرے کیف کی دنیا
ڈوبی ہوئی کشتی کو نگاہوں سے ابھارے
ہر دل پہ نظر ڈال کے تصویر بنا دے
آئینے کا گھر عکسِ دلآرا سے سنوارے

یوں حسن کا اک نقش کرے قلب کی زینت
جس طرح پری کو کوئی شیشے میں اتارے
موسیٰ ہوں اگر لا کھوں بن جائیں تماشا
کس طور سے قدرت نے ترا جسم تراشا

بزمِ مہ و انجم کی فضا اور ہی کچھ ہے
اس مہرِ تجلی کی ضیا اور ہی کچھ ہے
تسلیم و رضا کو کہن و قیس کے دیکھے
لیکن ترا آئینِ وفا اور ہی کچھ ہے

حوروں کی نزاکت تو دو عالم میں ہے مشہور
انساں کو لبھانے کی ادا اور ہی کچھ ہے

ہر چند کہ جنت کی فضا میں ہے لطافت
لیکن مری دنیا کی ہوا اور ہی کچھ ہے
کچھ باز ہیں کچھ بند ہیں نرگس کی یہ آنکھیں
رنگینیٔ گلزار و صبا اور ہی کچھ ہے

ہے سامنے تصویر کا اک اور بھی پہلو
اس باب میں عورت کی وفا اور ہی کچھ ہے
پھرتا ہے یہاں عشق کی تقدیس پہ پانی
یا دوسرے لفظوں میں ادا اور ہی کچھ ہے

بے قدریٔ جذبات تمنا ہے قیامت
دنیائے محبت کی جزا اور ہی کچھ ہے
آدم سے کبھی قطع ہوا سنو اے شعر
جو خلد چھڑا دے وہ دغا اور ہی کچھ ہے

منظومات

۱۔ غزل کو میں اردو شاعری کی آبرو سمجھتا ہوں۔
(پروفیسر رشید احمد صدیقی)

۲۔ شاعری مترنم خیالات کا نام ہے
(رسکن)

۳۔ شعر وہی ہے جسے سن کر دل سے آہ نکلے یا واہ۔
(غالب)

۴۔ غزل کی ایک خاص خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس میں حد درجہ کی دروں بینی پائی جاتی ہے۔ اس میں شاعر جو کچھ کہتا ہے اپنے آپ میں ڈوب کر کہتا ہے وہ اپنی ذات میں سب کچھ پالیتا ہے۔
(ڈاکٹر یوسف حسین خاں)

۵۔ اچھا غزل گو عشق سے بہت دور نہیں رہتا۔
(پروفیسر احتشام حسین)

۶۔ شاعری ان حالات میں زندگی کی تنقید ہے جو شاعرانہ صداقت اور حسن پیدا کر دیتے ہیں۔
(عصمت جبیں)

میں ان کے خیال سے اتفاق کرتی ہوں

شمیم اختر

"دس بجے رات کو نو بجے گھر سے نکل کر چلے گئے۔" انسپکٹر نے منشی کی جانب دیکھتے ہوئے جملہ دہرایا اور پوچھا۔ "یہاں تک لکھ لیا؟" پھر منشی کے جواب کا انتظار کئے بغیر مرزا صاحب سے کہا۔ "آپ نے بتایا نہیں کہ گھر سے نکلنے کے بعد آپ نے دروازے کو تالہ لگایا تھا یا نہیں۔"

مرزا صاحب نے انسپکٹر کے اس جملے کو اپنی ذمہ دارانہ طبیعت پر ایک حرف جانا اور لہجے میں پیدا ہونے والے احتجاج کو موقعے کی مناسبت سے دباتے ہوئے بولے ۔۔ "گھر میں میاں بیوی کے سوا کوئی نہ ہو اور وہ دونوں کسی کام سے گھر سے باہر جائیں تو کیا وہ تالہ لگا کر نہیں جائیں گے۔" مرزا صاحب کا جی چاہا کہ وہ انسپکٹر سے کہیں کہ "میرے خیال میں آپ ہی ایسی حرکت کر سکتے ہیں۔" لیکن ایک دور دراز ٹمٹماتی ہوئی امید کی روشنی میں وہ ایسے شخص کو مشتعل نہیں کرنا چاہتے تھے جو کسی حیلے بہانے سے چور کو پکڑ کر جیل کے حوالے کر سکتا ہے۔ مرزا صاحب نے سوچا۔ شاید چور کے ساتھ ساتھ چوری شدہ سامان بھی ہاتھ لگ جائے۔ اس سوچ سے پیدا ہونے والی بشاشت دیر پا ثابت نہ ہوئی کیونکہ مرزا صاحب غمزدہ رہنے کے شوق میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ "سامان کس کے ہاتھ لگ سکتا ہے۔"

انسپکٹر ایک جہاندیدہ آدمی تھا۔ اس نے اپنی قلیل المدت ملازمت کے دوران سینکڑوں نہیں ہزاروں ایسی وارداتوں کو قلمبند کرایا تھا۔ وہ رپورٹ کرنے والے کی صورت دیکھ کر بتا سکتا تھا کہ واردات کسی پیشہ ور کی ہے یا شوقین مزاج نے یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ مرزا صاحب کے لہجے کی چبھن کو محسوس نہ کرتا ہو سکتا ہے کہ سردی سے بچاؤ کے لئے انسپکٹر نے جو موٹا کوٹ پہن رکھا تھا اس نے لہجے کی چبھن کو صحیح مقام تک پہنچنے سے روک دیا ہو لیکن حیرت کی بات ہے کہ کسی نہ کسی طرح وہ مرزا صاحب کے جملے کا مطلب سمجھ گیا ۔۔۔ اس کی مسکراہٹ کا مطلب یہ تھا کہ "بڑے میاں ہوشیار رہو میں بھی وارڈ ہوں"؟ پھر اس نے شاطرانہ مہارت سے مرزا صاحب کو نظر انداز کر کے اپنا رخ بیگم مرزا کی جانب موڑا اور پوچھا ۔۔ "گھر سے نکلنے کے بعد آپ نے دروازے کو تالہ لگایا تھا یا نہیں؟"

بیگم مرزا صاحبہ ٹشو پیپر سے اپنی ناک رگڑتے ہوئے رقت آمیز آواز میں بولیں۔ "میں اپنے شوہر کے خیال سے متفق ہوں۔"

انسپکٹر کو بیگم مرزا کے اس جواب سے جو صدمہ پہنچا اس کا صرف بیگم مرزا کا ہی نہیں سینکڑوں عورتوں کا ہاتھ تھا جہاں انسپکٹر کا تجربہ یہ بات کہہ گیا تھا۔ انسپکٹر کو جس جواب کی توقع تھی وہ شاید منشی نے کچے کاغذ پر لکھ دیا تھا۔ سینکڑوں عورتیں اس پولیس اسٹیشن میں اسی ٹوٹے ہوئے ہتھے والی کرسی پر بیٹھ کر اس سوال کے جواب میں کہہ چکی تھیں

"ہائے انسپکٹر۔ میں لٹ گئی۔ کتنا ظلم ہے۔ کتنی زیادتی ہے؟ کہ ہمارا گھر ہمارا نہیں رہا۔ ہماری چیز ہماری نہیں رہی۔ جس کا جب جی چاہے اٹھ کر ہمارے گھر میں آسکتا ہے جو چیز اس کو بھائے اٹھا کر لے جا سکتا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ اس طرح آنے والوں کو وہی چیزیں بھاتی ہیں جو ہمیں بھی اچھی لگتی ہیں جن کو حاصل کرنے کے لئے ہم ایک دوسرے سے نوچ نوچ کر پائی پائی جمع کرتے ہیں۔"

انسپکٹر کو وہ عورت بڑی دلچسپ لگی تھی جس نے اپنی چوری ہونے والی اشیاء کی فہرست لکھاتے وقت کہا تھا ۔۔ "سونے کے کانٹوں کی ایک جوڑی۔ یہ میری ماں کی نشانی تھی۔ بالکل اصلی سونا تھا۔ ہاتھ لگاؤ تو پانی کی طرح پگھل جائے۔ میری ماں نے یہ مجھے بڑی محبت سے دیئے تھے اس میں میری

نانی کی محبت بھی شامل تھی کیونکہ میری نانی نے میری ماں کو اپنی نشانی کے طور پر دیئے تھے۔ میرے لئے ساری دنیا کی دولت ایک طرف اور کانوں کی یہ جوڑی ایک طرف ہے۔ میں کہتی ہوں کہ چور سب کچھ لے گرکانوں کی یہ جوڑی لوٹا دے —" پھر اس نے انسپکٹر کو یوں گھورا تھا جیسے اس کے ساتھ کوئی بڑی زیادتی ہو اور تاکید سے کہا تھا۔ "سونے کی ایک جوڑی وزن دو ڈھائی تولے — یہ میری ساس نے مجھے منہ دکھائی میں دی تھی مجھے تو چیل جیسی نظر آتی تھی لیکن پھر اٹھائے گیا جو لوٹنے کی ہی ہوگی۔ میرا شوہر اسٹے بیٹھے اسی کو یاد کرتا ہے۔ یہ سب مال کو یاد کر کے بہانے ہیں میرا اور آپ کی آپس کی بات ہے۔ منشی کو لکھنے سے منع کر دیں۔ کسی نہ کسی کے آگے تو دل کا حال بیان کرنا پڑتا ہے۔ انسپکٹر صاحب آپ سے کیا پردہ اس عورت نے یہ جوڑی مجھے اچھی نیت سے دی ہوتی تو میرے گھر میں چوری کیوں ہوتی۔ میں زیور گھر میں رکھنے کی عادی ہوں۔ اس جوڑی کے آنے سے پہلے زیور کیوں چوری نہ ہوئے —؟ اصل مجرم میری ساس ہیں۔ انہی کی نیت کے فتور سے ہاتھوں میں لٹ گئی ہوں۔"

اس عورت کی باتیں سن کر انسپکٹر کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے وہ یہ باتیں پہلے بھی کہیں سن چکا ہے اسے فوراً اپنی بیوی کا خیال آیا معاملات کو درست رکھنے کی خاطر اس نے اپنی بیوی کا نام لیتے ہوئے اس عورت سے پوچھا تھا — "کیا آپ مجیدہ کو جانتی ہیں —"

وہ عورت اپنے خیالات میں غرق تھی۔ فوراً بولی۔ "میری ساس کا نام مجیدہ نہیں ہے"

چونکہ انسپکٹر ایک غلطی کر چکا تھا اس لئے غلطی کو درست کرنے کے لئے اسے دوسری غلطی کرنی پڑی تھی اور اس نے کہا۔

"میرا مطلب ہے کہ کوئی ایسی عورت جو آپ کی ہم عمر ہو اور اس کا نام مجیدہ ہو؟"

اس عورت نے اپنی یادداشت کا پٹارہ کھنگالتے ہوئے جواب دیا تھا — "پہلی جماعت میں میرے ساتھ ایک لڑکی پڑھتی تھی اس کا نام مجیدہ تھا مگر وہ میری ہم عمر نہیں ہو سکتی مجھے اس وقت شک تھا اور اب میں یقین سے کہہ سکتی ہوں کہ وہ مجھ سے ایک دو سال بڑی تھی۔ مگر اس کا قد مجھ سے چھوٹا تھا۔ کوتاہ قدی

اسی لئے اسے مجھ سے چھوٹا سمجھتے تھے۔ انسپکٹر صاحب آپ تو اس بات سے واقف ہوں گے کہ کھاتے پیتے گھرانوں کے بچے خوب قد نکالتے ہیں۔ میں اس مجیدہ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی کیونکہ اس کے باپ کا تبادلہ کسی اور شہر میں ہو گیا تھا۔ وہ بھی اپنے باپ کے ساتھ چلی گئی تھی لڑکیاں کر ہی کیا سکتی ہیں سوائے اس کے کہ وہیں رہیں جہاں ان کے والدین ہوں۔ شادی کے بعد ان کو وہاں رہنا پڑتا ہے جہاں ان کے شوہر رہتے ہیں۔ ویسے انسپکٹر صاحب آپ کو کچھ بات بتاؤں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ شوہروں کو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ آپ بھی مجھے شادی شدہ نظر آتے ہیں کیا آپ کو کبھی خیال نہیں آیا کہ آزادی کتنی بڑی نعمت ہے مگر آپ دوسروں کو حوالات میں بند کرنے کا اختیار رکھتے ہیں اس سے جھنجھلاہٹ کچھ نہ کچھ کم ہو جاتی ہوگی میں بھی اکثر اپنا غصہ نکالنے کے لئے دیوار کو لاتیں مار دیتی ہوں۔

بیگم مرزا کی بات پر انسپکٹر کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر منشی نے نصف کاغذ پر قلم سے لکیر کھینچ دی۔ بہت میٹھی چائے پینے کے عادی انسپکٹر نے مسز مرزا کے جواب کو پھیکی چائے کے گھونٹ کی طرح حلق سے اتارتے ہوئے مرزا صاحب سے سوال کیا۔ "اس روز آپ کون سی فلم دیکھنے گئے تھے؟"

مرزا صاحب نے فلم کا نام بتانے میں دیر لگائی انسپکٹر نے اسے مرزا صاحب کا تصنع سمجھا اور بیگم مرزا کی طرف رخ کر کے پوچھا۔

"میرا خیال ہے کہ آپ فلم کا نام نہیں بھولی ہوں گی —"

مگر اس سے پہلے کہ بیگم مرزا فلم کا نام بتاتیں مرزا صاحب بول پڑے "چوری چوری" میرا خیال ہے کہ فلم کا یہی نام تھا۔

انسپکٹر نے مرزا صاحب کی طرف توجہ دیئے بغیر بیگم مرزا سے دوبارہ فلم کا نام پوچھا۔ بیگم مرزا اب کے بغیر کسی تامل کے بولیں — "میں اپنے شوہر کے خیال سے متفق ہوں"

بیگم مرزا کا یہ جواب سن کر انسپکٹر کا نچلا جبڑا کانپنے لگا لیکن یہ سوچ کر کہ آج اس کے صبر کو آزمایا جا رہا ہے انسپکٹر نے اس امتحان میں پاس ہونے کی ٹھان لی اس نے اپنی

تمام ثروت کو استعمال میں لاتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی اور
مرزا صاحب سے پوچھا۔ آپ کے کتنے سالے ہیں؟

مرزا صاحب کا جی چاہا کہ وہ انسپکٹر سے پوچھیں کہ چوری کی اس
واردات کے ساتھ ان کے سالوں کا کیا تعلق ہے لیکن گھڑی کی چلتی
ہوئی سوئیاں ان کو مزید بحث میں الجھنے سے منع کر رہی تھیں۔ اپنے
جواب کو بالکل درست ثابت کرنے کے لئے مرزا صاحب نے بآواز
بلند اپنے سالوں کا نام لیتے ہوئے اپنی انگلیوں پر گنتی گنتے ہوئے کہا
میرا خیال ہے کہ وہ بس پانچ سالے ہیں۔

انسپکٹر نے یوں ظاہر کیا کہ جیسے وہ اس تجربے سے مطمئن تو
نہیں ہوا ہے وہ اس سالے کی تحقیق اپنے طور پر کرے گا اور اسے
سچ یا جھوٹ ثابت کرے گا اپنے اس خیال کو واضح کرنے کے لئے اس
نے اپنی انگلیاں اپنے ہی گھٹنے پر بجاتے ہوئے بیگم مرزا سے پوچھا آپ
کے کتنے بھائی ہیں؟

مسز مرزا تھوڑی دیر کے لئے پریشان سی نظر آئیں۔ اچانک ان کی
آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی کہ جیسے انہوں نے سالے کی نزاکت پر
قابو پالیا ہے چونکہ اتنی دیر میں ان کے ہاتھ میں پکڑا ہوا ٹشو پیپر
ذرہ ذرہ ہو کر انسپکٹر کے دفتر کے فرش پر بکھر چکا تھا۔ اس لئے ناک
کو رگڑنے کا کام اپنی انگلیوں سے لیتے ہوئے وہ بڑے سکون سے
بولیں۔ مجھے اپنے شوہر کے خیال سے اتفاق ہے۔

انسپکٹر کی آمادگی اس کے قابو سے باہر نکل گئی۔ اس لئے جب
اس نے بیگم مرزا کے خیال کی تصحیح کرتے ہوئے کہا کہ میں نے آپ سے
آپ کے بھائیوں کی تعداد پوچھی ہے۔ مرزا صاحب کے سالے آپ کے سالے
کیسے ہو سکتے ہیں۔ میرا مطلب ہے کہ کبھی عورتوں کے بھی سالے ہوتے
ہیں —— تو دروازے پر لٹکی چک میں جنبش ہوئی اور چپراسی نے دفتر میں
جھانک کر پوچھا —— آپ نے مجھے بلایا ہے؟ معاملات کی نزاکت
کو بھانپتے ہوئے اس نے جواب کی امید سے پہلے ہی اٹھا لیا اور اپنے اندر پلٹ
گیا۔ مرزا صاحب بڑی بہادری کے ساتھ اپنی بیوی کی مدد کے لئے
میدان میں کود پڑے اور انسپکٹر سے مخاطب ہو کر کہا —— انسپکٹر صاحب
یہی سوال میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں وہ ایک عورت کے سالے
کیونکر ہو سکتے ہیں بہت سے فائدوں کی طرح یہ فائدہ بھی صرف مردوں
کے حصے میں آیا ہے۔ یقیناً چند چیزیں ایسی ہیں جو صرف عورتوں کو ہی

ملی ہیں لیکن ان چیزوں کے بارے میں جو اطلاعات پہنچتی رہتی ہیں ان کو
ہم فوائد میں شمار نہیں کر سکتے۔ مثلاً نند کسی مرد کی نہیں ہو سکتی نند صرف
عورت ہی کے حصے میں آتی ہے۔ ایک مرد نند کے نقصانات یا فوائد پر
عبور نہیں رکھتا اس بارے میں اس کا علم صرف سنی سنائی باتوں تک محدود ہوتا
ہے ایک عورت ہی اس چیز کے بارے میں کچھ بتا سکتی ہے کیونکہ وہ اس
چیز کو بھگتتی ہے۔ یہاں ایک اور اصول بھی یاد رکھنا پڑے گا۔ وہ
یہ کہ ایک شادی شدہ عورت ہی نند کی خصوصیات بیان کر سکتی ہے
کیونکہ وہ براہ راست اس سے منسلک ہوتی ہے۔ اس چیز کے متعلق ایک
غیر شادی شدہ عورت کے خیالات تعصب پر مبنی ہو سکتے ہیں آپ
بیگم مرزا سے اس چیز کی تصدیق کر سکتے ہیں وہ بلاشبہ میرے
خیال سے اتفاق کرے گی۔

انسپکٹر نے سوچا کہ ایسے ہلکے وار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہے
اب بالکل دوسری طرف سے ہو کر حملہ کرنا پڑے گا۔ تردید کے خوف کے باعث
اس نے اپنی آواز میں دبدبہ پیدا کرتے ہوئے کہا۔۔ میں آپ کو چوری
کا ایک دلچسپ واقعہ سناتا ہوں۔ بہت زیادہ دن نہیں گزرے
دوکیت میں رہنے والی ایک عورت نے رپورٹ درج کروائی کہ وہ
فلم دیکھنے گئی پیچھے اس کے گھر کا صفایا ہو گیا۔ وہ سینہ پیٹ کر کہتی تھی
کہ میں تو بیٹی کے جہیز کی حفاظت کے لئے گھر سے باہر نہیں
نکلتی تھی لیکن مجھے شیطان نے بہکا دیا اور میں فلم دیکھنے چلی گئی جب وہ بار بار
شیطان کا ذکر کر رہی تھی تو میں نے اس سے پوچھا کہ اسے فلم دیکھنے
کی دعوت کس نے دی تھی۔ وہ ماتھا پیٹتے ہوئے بولی۔ مجھے شیطان
نے مجبور کیا ہے۔ میرا خیال ہے فلم دیکھنے کی ہے ہمسائے کو زنجیر کر اشتہار
کرنا چاہئے۔ میرا پڑوسی فلم کے ٹکٹ خرید لایا اس نے مجھے بہکایا
کہ میں جا کر فلم دیکھوں ٹکٹ کے پیسے ڈوبنے سے بچانے کی خاطر
میں نے اپنی معصوم بچی کا جہیز لٹوا دیا وہ بڑے دنوں سے تقاضا کر رہا
تھا کہ میں فلم دیکھنے جاؤں۔ کل آیا تو ٹکٹ اس کے ہاتھ میں تھے۔
کہنے لگا کہ میرے دوستوں کے ساتھ فلم دیکھنے جانا تھا مگر میرا ایک
دوست حادثے میں زخمی ہو گیا ہے ہم سب اسے دیکھنے ہسپتال جا
رہے ہیں یہ پانچوں ٹکٹ آپ رکھیں اور فلم دیکھ آئیں۔ میں اپنی
بچیوں سمیت فلم دیکھنے چلی گئی واپس آئی تو گھر کا صفایا ہو چکا تھا

تھی۔" انسپکٹر سانس لینے کے لئے رکا اور پھر مرزا صاحب سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ——— "میں اس معاملے کی تفصیل میں جا کر آپ کا وقت برباد نہیں کروں گا آپ ذہین آدمی ہیں غالباً سمجھ گئے ہوں گے کہ چوری کس نے کی تھی۔ خیر میں آپ کو بتائے دیتا ہوں کہ چوری بڑی بی کے داماد نے کی تھی"

مرزا صاحب کھنکار کر بولے ——— "آپ کا مطلب ہے کہ میرے سالے میرا مطلب ہے کہ میری بیوی کے بھائی ——" مرزا صاحب نے جان بوجھ کر اپنا جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

انسپکٹر بولا "اسی لئے تو میں آپ سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا فلم دیکھنے کا مشورہ آپ کی بیوی نے دیا تھا؟"

مرزا صاحب کو انسپکٹر کی یادداشت کی کمزوری کا یقین ہو گیا اس بار انہوں نے سادہ دلی کی خاطر کہا۔ "دراصل میری بیوی میرے خیالات سے متفق ہونے کی عادی ہے۔" ایک لمحے کے توقف کے بعد مرزا صاحب نے اپنی بات پوری کرتے ہوئے کہا۔ "مگر میں آپ کے خیال کی نفی نہیں کروں گا۔ میرا علم عورتوں کے بارے میں بڑا اکثر درست۔ ہو سکتا ہے کہ میری بیوی نے کسی موقع پر فلم دیکھنے کا خیال میرے ذہن میں اس طرح پیدا کیا ہو کہ مجھے اپنی حفاظت کا خیال نہ رہا ہو۔ اپنے ذاتی تجربے کی بنیاد پر آپ بھی میرے خیال سے اتفاق کریں گے کہ ایک عورت بیوی بن کر بڑی شاطرانہ چالیں چلنے لگتی ہے شوہر کو ہمیشہ اپنی نگہبانی کرنی چاہیئے۔ آپ کی ملازمت کا ایک فائدہ آپ کو یہ ہے کہ آپ ہر وقت اپنے پہلو میں پستول رکھ سکتے ہیں۔"

مرزا صاحب کو مات دینے کی خوشی میں انسپکٹر نے اپنا سینہ پھلایا۔ انسپکٹر کے حساب سے اب بولنے کی باری اسی کی تھی۔ مگر مرزا صاحب کی شطرنج میں مہارت کس روز کام آتی انہوں نے انسپکٹر کی باری اچکتے ہوئے کہا ——— "مگر انسپکٹر صاحب اپنے تجربے کی روشنی میں ذرا مجھ کو یہ بتا دیں کہ امریکہ، کویت اور جنوبی افریقہ اور ولایت میں سے کس ملک سے آدمی آسانی سے آ کر اس واردات کا مرتکب ہو سکتا ہے۔"

انسپکٹر کا پھولا ہوا سینہ یوں بیٹھ گیا جیسے غبارے سے ہوا نکل جائے۔ اس نے پوچھا۔ "آپ کا مطلب ہے کہ مرزا صاحب نے انسپکٹر کو بات مکمل کرنے کی مہلت نہ دی اور کہا ——" جی ہاں۔ میرا مطلب یہ ہے کہ میرے پانچوں سالے یعنی میری بیوی کے پانچوں بھائی ملک سے باہر ہیں۔ انسپکٹر صاحب میں نے شادی بہت سوچ سمجھ کر کی ہے۔"

انسپکٹر نے ہتھیار ڈالنے کے خیال سے پہلو میں لٹکا ہوا پستول میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ "اس کا اندازہ مجھے مسز مرزا کی گفتگو سے ہو گیا تھا۔" انسپکٹر نے منشی کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا۔ "لکھیے کہ مرزا صاحب فلم دیکھنے گئے ہوئے تھے ایک نامعلوم چور نے ان کے دروازے پر لگا تالا توڑا اور قیمتی اشیاء سمیٹ کر لے گیا۔"

انسپکٹر صاحب نے مرزا صاحب سے ہاتھ ملاتے ہوئے کہا۔ "مجھے آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی ہے۔ ایک بات یہ بتائیں کہ کیا آپ ہی وہ حضرت ہیں جنہوں نے گزشتہ برس وزراؤں کی کشتی کا داغ دیا تھا۔"

مرزا صاحب نے بے پروائی سے شانے اچکاتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ میں اپنی شادی والے دن ایک مردہ بلی اٹھا لایا تھا۔"

بیگم مرزا اپنی نشست سے اٹھتے ہوئے بولیں۔ "میں ان کے خیال سے اتفاق کرتی ہوں۔"

ہے۔ ہمیں اس خبر سے دلی صدمہ پہنچا۔ کاش ان بھابھی صاحبہ نے انتقال کی خبر نہ چھپنے کی شکایت کے ساتھ تفصیلات بھی لکھ دی ہوتیں۔ (نسیم اختر لوئی)

• عصمت آرا بانگا۔ بھاگلپور، بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میرے منجھلے ابوذر غنی احمد نے رمضان المبارک ۱۴۰۸ھ پیر کے دن ہمیں سوگوار چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی کے بلاوے پر سفر آخرت اختیار کیا۔ مرحوم علی گڑھ کے تعلیم یافتہ بڑے ہی باوضع شخص تھے۔ صرف ۲۵ سال کی عمر میں وفات پائی۔ عزیز بہنوں سے درخواست ہے کہ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت فرمائیں۔

• مسز زبیدہ اسمٰعیل رندولے (ایسٹ گوداوری) نہایت افسوس کے ساتھ اطلاع دے رہی ہوں میری خورشید احمد پاشا صاحبہ جان (امینہ اسمٰعیل) ۱۰ اپریل ۱۹۸۸ء کو بمقام بنگلور، مختصری علالت کے بعد صبح ۸ بجے انتقال فرما گئیں۔ مرحومہ بڑی پابند صوم و صلوٰۃ تھیں۔ ان کی خوش اخلاقی اور سخاوت مشہور تھی۔ اللہ پاک انھیں بخشے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔

• آمنہ ناز فریدی۔ مرادآباد کی مرسلہ ایک خبر میں جو ان کی نند بھابھی کے انتقال کے سلسلہ میں تھی، غلطی سے مرحومہ کا نام امینہ فریدی کے بجائے تہمینہ فریدی اور روز انتقال جمعہ کے بجائے جمعرات چھپ گیا ہے۔ جس کا ہمیں افسوس ہے۔

افسانے

۱۔ ادب کے جتنے شعبے ہیں ان میں کہانی سب سے زیادہ زندگی کے بھید کھولتی ہے۔ (پروفیسر احتشام حسین)

۲۔ معیاری افسانہ وہی ہے جو دلچسپ ہو۔ زندگی کے ایک صحیح پہلو کی عکاسی کرے اور آدھ گھنٹے میں پڑھا جا سکے۔ (اڈگر ایلن پو)

اب حقیقت نگاری کی ضرورت سے واقفیت، ادب کار اور بنتی بگڑتی ہے بے سلیقی اور بے ترتیبی سے زندگی کی عکاسی اب کے ہر شعبے میں ہونا لازمی ہے۔ (آل احمد سرور)

(عصمت جبیں)

چند اقوال زریں

۱۔ اللہ خلوص سے کام کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

۲۔ خدا کے نزدیک آدمی کی سچی بات سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

۳۔ لوگوں میں سب سے افضل وہ ہے جو دل کا نرم اور زبان کا سچا ہو۔

۴۔ علم قدم قدم آگے بڑھتا ہے، اس میں چھلانگیں مارنے کی کوشش نہ کرو۔

۵۔ برائی کا جواب حسن سلوک سے دو۔

۶۔ وہ بے دین ہے جس میں دیانتداری نہیں۔ اس میں ایمان نہیں جو عہد کا پابند نہیں۔

۷۔ خود اعتمادی کامیابی کا سب سے بڑا راز ہے۔

۸۔ صداقت نیک انسانوں کی ماں اور علم باپ ہے۔

۹۔ غرور چھوڑنے سے انسان بڑا بنتا ہے۔

عصمت جبیں

چند ادبی معلومات

۱۔ عزم و عمل سے بے آب و گیاہ وادی گلزار بن سکتی ہے اور عزم و عمل سے کانٹوں کے صحرا میں پھول کھلائے جا سکتے ہیں۔

۲۔ لڑکیوں کو اتنی تعلیم دینی چاہئے کہ انھیں چراغ خانہ سے شمع محفل نہ بنا دے۔

۳۔ فارسی زبان کا پہلا شاعر (صاحب دیوان) رودکی تھا۔ حضرت شیخ سعدی نے فرمایا۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

۴۔ کسی قوم کا ادب ہی اس کے تمدن کا آئینہ ہوتا ہے۔ جیمس سکاٹ

۵۔ ادب اور زندگی میں جسم اور روح کا سا تعلق ہے۔

عصمت جبیں

کسی کی چیز کی ناقدری نہیں کرتے۔ واہ انہیں اتنا بھی نہیں معلوم بسنو۔ ڈیلبور
ساب۔ ہمارا بھی بہت جی چاہتا ہے کہ ایک دفعہ ہم تمھاری گاڑی میں بیٹھ کے
خوب سیر کریں مگر ہماری قسمت خراب ہے۔ کوئی ہمیں نہیں پوچھتا۔ ایک دفعہ
بیبی جی عید کے کپڑے خریدنے کے لیے ہمیں ساتھ لے گئی تھیں۔ کتنا اچھا لگا تھا۔
موٹر میں۔ تمہارے مزے ہیں۔ دن رات اُسے اڑائے پھرتے ہو۔ ڈیلبور ساب
ایک بار ہم کو بٹھا کے سیر کرا لاؤ نا:
کیا لڑکی کی سیر کرو گی:
یہ تم جا تو۔ ہم گھر سے باہر ہی کہاں جا سکتے ہیں۔
کون؟: باغبان کی چنگھاڑ سنائی دی۔
یا اللہ۔ بابا چلا رہے ہیں: اس نے پھول اٹھائے اور مکرم کے چہرے
پر پھینک اسے پھر ہنستی ہوئی بھاگ گئی۔
دروازے پر آہٹ سن کر وہ مڑا اور جلدی سے کھڑا ہو گیا۔ سبینا اس
کے دروازے کے سامنے کھڑی تھی۔!
تم نے ابھی تک گاڑی نہیں نکالی۔؟
مجھ سے کسی نے کہا نہیں: مکرم بولا۔ وہ اس کی سنجیدگی اور غصے سے ڈرنے
لگا تھا۔
مجھے جلدی جانا ہے:
جی ابھی نکالتا ہوں بی بی۔ اس نے جلدی جلدی آستینیں برابر کیں اور
ٹوپی اٹھا کے باہر نکلا کہ وہ بانیا راستہ میں کھڑی تھی –
مکرم کو گاڑی نکال کے

غنیمہ بیگم اکثر رشتے

معلوم ایسا ہوتا ہے۔ جیسے میں نے انھیں پہلے بھی کہیں دیکھا ہے: اعزاز بولے
ہاں بھائی جان۔ آپ نے میرے منہ کی بات چھین لی: اعزاز بولا پھر مکرم سے
پوچھا: کیا اس سے پہلے بھی آپ کبھی ہمارے پاس آئے تھے؟:
جی نہیں: مکرم نے افسردگی سے جواب دیا۔ میں پہلی بار یہاں آیا ہوں نہ جانے
کو جانے کی جلدی تھی۔ جھگڑا ختم کرتے ہوئے بولے: اب تو صاحب آپ ان
کا امتحان لے لیں۔ اور اب براہ کرم مجھے اجازت دیں۔ فیکٹری میں میرا جانا
ضروری ہے۔ آداب عرض!
آداب عرض!!
چلیے مکرم صاحب: اعزاز مسکرائے: ہم کچھ اندازہ کر لیں۔ آپ کی ڈرائیونگ کیسی
ہے۔ کیونکہ بعض وقت یہ حال ہوتا ہے کہ اناڑی ڈرائیور صاحبان منزل مقصود پر
پہنچانے کی بجائے سیدھے اللہ میاں کے پاس پہنچا دیتے ہیں!:
چلیے جناب!:
یہی بھائی جان: اعزاز نے شکایت کی: آپ انھیں لیے جا رہے ہیں۔ مجھے تو
ان سے بہت سی باتیں کرنا چاہتا تھا!۔
اعزاز نے مسکرا کر کہا: ابھی گاڑی سمیت واپس کر دوں گا۔ بہت سی باتیں کر
لینا۔ آئیے جناب!!: اور وہ اسے اپنے ساتھ لے گئے!۔
اعزاز برآمدے میں پڑی گارڈن چیئر پر بیٹھ گیا اور میز پر سے ایک بلکا ڈنل
پھر اٹھا لیا۔ لیکن اس کا دل اچاٹ تھا۔ نجانے کون سی گرہ ذہن میں الجھی ہوئی
کہ میں نہ آتی تھی۔ اس آدمی کے دیکھنے کے بعد اس کی یہ کیفیت کیوں ہو گئی تھی
تھا۔ [illegible]

کا بندوبست ہو گیا!

ہو گیا! سبین نے خوش ہو کر کہا۔ بہت اچھا ہوا۔ اب مجھے ٹیکسی یا رکشا لینی نہیں پڑے گی!

دفعتہ وہ کار کی زن زناہٹ سے چونکے اور ادھر دیکھنے لگے۔ گاڑی کراؤن کی باڑھ کے پاس روک دی گئی۔ جہاں سے اسٹارٹ ہوئی تھی! اکرم نے سیٹ سے اتر کر پٹ بند کیا اور اعزاز کے پاس ایک لڑکی کو دیکھ کر وہیں کھڑا ہو گیا!

اعزاز نے خوش ہو کر کہا! آ گئے آپ!

حالانکہ دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ آ گیا تھا۔

یہاں آ جائیے۔ آپ وہیں کیوں کھڑے ہو گئے!

وہ اس کے پاس چلا آیا۔ اور سبین سے اس کا تعارف کرائے بغیر بولا۔ آپ بیٹھئے۔ میں ابھی آیا! اور یہ کہہ کر اندر چلا گیا!

سبین حیرت سے اسے دیکھ رہی تھی۔ معمولی سے لباس میں ملبوس اس کا چہرہ افسردہ و مغموم۔ مگر اس کے چہرے کی جاذبیت اور وقار نے سبین کو متاثر کر دیا!

بیٹھئے۔ بے اختیار اس کے لبوں سے نکل گیا۔

وہ سب سے آخری کرسی پر جا بیٹھا۔ اور اس کی موجودگی سے بے نیاز [illegible] نظر ہٹا دی۔

کیا آپ ہی ہماری گاڑی چلائیں گے! سبین نے پوچھا۔ اسے اس کی [illegible] اداسی اور مغموم کیفیت بہت متاثر کر رہی تھی۔

جی ہاں! اکرم نے مدھم لہجے میں کہا۔

مگر آپ۔ وہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

مگر [illegible]

میں بدل جاتا تھا۔ کیوں آخر کیوں۔ یہ لوگ اسے ایک ملازم کا درجہ کیوں نہیں دیتے! کیا بات ہے اس میں! اپنا جواب تلاش کرنے کے لیے وہ پہروں آئینے کے سامنے کھڑا رہتا۔ لیکن کوئی خاص بات اسے اپنی شکل میں نظر نہ آتی جو باعث کشش ہو سکتی!

وہ روز بروز گھٹتا گیا اپنے آپ کو۔ کیا اس کی زندگی کا مطمح نظر بس یہی رہ جائے گا!؟

اس کے منصوبے خاک میں مل جائیں گے!

وہ کبھی اپنے عزیزوں کو تلاش نہ کر سکے گا!

یونہی عمر تمام ہو جائے گی۔

کسی کو پتہ تک نہ چل سکے گا کون تھا کہاں گیا!؟

کبھی کبھی اس کے جی میں آتی۔ وہ سب کچھ اعزاز سے یا اقبال حسین صاحب کہہ دے! ان کے سامنے آنسو بہائے۔ انھیں ضرور اس کی کہانی پر یقین آ جائے گا!۔ شاید وہ لوگ کسی ایسے بڑے آدمی کو جانتے ہوں۔ جس کا نام احمد پر ختم ہوتا ہو!۔

پھر اس کے ذہن میں اندیشوں کے ناگ سر ابھارتے! اور اگر ان لوگوں نے اس کی داستان کی سچائی پر یقین نہ کیا۔ تب۔ وہ رہی سہی پوزیشن بھی گنوا دے گا۔ اپنی نظروں میں آپ گر جائے گا!۔

کسی بڑے آدمی کا بیٹا فی الحال ڈرائیوری کر رہا ہے!۔ تب کیا وقعت رہ جائے گی۔ اسے اپنا منہ چھپا کر یہاں سے جانا پڑے گا!۔ ملازمت گنوانے [illegible]

میں گھبراہٹ ہو رہی تھی۔ یہ شاید اس کے مالک اقبال حسین صاحب کی صاحبزادی ہیں؟۔

"بیٹھئے" اس نے پھر مکرم کو مخاطب کیا۔

وہ اس کی طرف دیکھنے لگا!۔

"کیا آپ۔ بھائی کے کوئی عزیز ہیں؟"

"جی؟" مکرم نے تعجب سے پوچھا: "میں نہیں سمجھا۔ آپ کیا کہہ رہی ہیں!"

اتنے میں اعزاز آگیا۔ اس کے پیچھے ایک ملازم تھا۔ جو اپنے ہاتھوں پر چائے اور لوازمات سے لبھوترے سنبھالے ہوئے تھا! اس نے اعزاز کے اشارے پر سب کچھ بڑی میز پر سجا دیا۔

"آیئے۔ مکرم صاحب!" اعزاز مسکرا رہا تھا۔

"آپ کا بہت بہت شکریہ۔ جناب۔ اب تو میں چلوں گا" مکرم اٹھ کھڑا ہوا

"کہاں چلیں گے آپ؟" اعزاز نے پوچھا۔

"اگر آپ کا کوئی کام نہ ہو تو۔ براہ کرم۔ اجازت دیجئے" مکرم نے کہا۔

"اجازت؟" اعزاز حیران نظر آیا "کیا مطلب؟ آپ کو منیجر صاحب نے نہیں بتایا ہمارے یہاں آپ کا قیام شب و روز رہے گا۔؟"

"جی نہیں!"

"اچھا تو اب میں بتاتا ہوں" اعزاز نے کہا "آیئے فی الحال چائے تو پی لیں۔

"آؤ بجو" اس نے بہن سے کہا۔ پھر دفعتاً اسے جیسے ہوش آگیا۔ بولا "بجیا ابھی کو سمجھانے کے لیے میں نے تمہیں بلایا ہے۔ مکرم اپنے نئے ڈرائیور۔؟

[illegible] اعزاز نے اسے [illegible] کہ اس کی توہین کی ہو۔

انھوں نے جیب سے ایک لفافہ نکالا اور اس کی طرف بڑھا دیا پھر اس کے کچھ بولنے سے پیشتر بولے: "تم تو یہاں کے سارے راستوں سے واقف ہو گئے گے۔ ہاں سنو منیجر صاحب سے معلوم ہوا کہ اس دنیا میں تم بالکل اکیلے ہو۔ خدانخواستہ کیا یہ سچ ہے۔؟"

مکرم ان کی عالی نفسی سے بے حد متاثر ہوا۔ گویا وہ اسے شکریہ ادا کرنے کا موقع بھی دینا نہیں چاہتے۔ اس نے چپکے سے گلا صاف کر کے کہا: "جی ہاں۔ میرا کوئی نہیں ہے۔ صاحب۔ نہ ماں باپ نہ بہن بھائی۔"

"ابھی تو۔ اس طرح۔! نہیں نہیں۔ میرا منشا یہ نہ تھا کہ تم رونے لگو۔ مکرم۔ میں تو یہ کہنا چاہتا تھا کہ اگر ایسی ہی بات ہے تو تم مجھے اپنا سمجھو۔ اپنی کوئی ضرورت، کوئی تکلیف کوئی خواہش مجھ سے پوشیدہ نہ رکھو۔! مجھے افسوس ہے کہ۔ میں تمہاری دل شکنی کا سبب بن گیا!"

"آپ کی محبت نے مجھے بڑا سہارا دیا ہے جناب۔ میرے پاس وہ الفاظ نہیں جن سے میں آپ کا شکریہ۔!"

"لو۔ چائے آگئی" وہ ہنس پڑے۔!

انھوں نے اس کے ساتھ چائے پی۔ تھوڑی دیر اور باتیں کیں اور اس کے دل میں اپنی بے پایاں محبت اتار کر چلے گئے! مکرم تھوڑی دیر گم صم بیٹھا رہا۔ پھر اپنے کمرے میں آیا اور لفافہ کھول کر دیکھا۔ اس کی پیشگی تنخواہ تھی۔!

ایسا ہی خیال اقبال حسین صاحب بھی کرتے تھے۔ وہ اعزاز، اعزاز اور بہن کے والد تھے۔ بے حد نیک دل، ہمدرد، جب بھی وہ انھیں دفتر پہنچانے جاتے تھے۔ راستے بھر نہایت خوش اخلاقی اور خوش آئند باتیں کیا کرتے تھے!

اور تب ان سب کا سلوک [illegible]

کیسی پیاری بچی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اپنا بازو پھیلائے اور اسے
اپنے سینے سے لگا لے! اس نے وائپرز متحرک کر دیئے اور بدحواسی کے مارے گاڑی
بھگا دی! لڑکے کچھ کہہ رہے تھے۔ بے تحاشہ ہنس رہے تھے۔ مگر وہ تیز خنکی میں
بھی پسینے پسینے ہو رہا تھا!

گھر پہونچ کر اسے اعزاز نے اوپر بلا بھیجا۔! وہ انہیں بے حد پسند کرتا تھا۔
تیس پینتیس سال کی عمر۔ بڑے ہنس مکھ خوش مزاج اور پرکشش آدمی تھے! انھوں نے
مسکرا کر کہا: آؤ بھائی۔ سب کام ٹھیک ٹھاک تو چل رہا ہے نا؟:

مکرم کو ان کی مسکراہٹ بہت پسند تھی۔ اس نے سر جھکا کر کہا: جی ہاں جناب!
کوئی تکلیف تو نہیں ہے تمہیں؟:

"جی نہیں۔ بالکل نہیں!:

"آج میں تم سے کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ مگر ڈرتا ہوں کہ کہیں تمہارے احساسات
کو ٹھیس نہ پہونچے۔!"

ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ جناب عالی۔ آپ فرمائیے۔!

مکرم؟!

جی!!

"بھائی۔ میں کل سے کچھ روپیہ جیب میں رکھے پھر رہا ہوں کہ کوئی موقعہ ملے
تو تمہیں دے دوں گا۔ برا نہ ماننا کہ میں نے خواہ مخواہ تمہیں کچھ دینے کی ضرورت
سمجھی۔ بات یہ ہے کہ کل مجھ سے اعزاز نے اپنے کپڑوں کے لیے۔ رقم طلب کی تھی۔
مجھے تمہارا خیال آ گیا!

وہ چپ ہو گئے، جیسے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ اپنا مدعا کیونکر ظاہر کریں
[illegible] وہ بھی کچھ نہ بول سکا۔

اس نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اعزاز نے مکرم کا ہاتھ پکڑ کر زبردستی اسے کرسی
پر بٹھا دیا۔ سبین اندر چلی گئی!۔

"مگر جناب۔ یہ زحمت اور تکلیف": مکرم نے سخت شرمندگی محسوس کی!
"یہ سب کچھ آپ نے کیوں کیا۔ مجھے اگر علم ہوتا تو میں۔!"

"خواہ مخواہ آپ اپنے الفاظ ضائع کر رہے ہیں": وہ ہنس پڑا: ارے
یہ معمولی سی چائے بھی کوئی ایسی چیز ہے۔ جس کا خاص طور پر تذکرہ کیا جائے
شروع کیجئے۔!"

"مگر اعزاز صاحب۔!"

"ائیں۔ آپ کو میرا نام کیسے معلوم ہوا۔؟"

راستے میں اعزاز صاحب نے بتایا!:

اچھا اچھا: اس نے اطمینان کی سانس لی۔ پھر بولا: ہاں۔ کچھ کہا
بھائی جان نے۔؟"

جی نہیں: مکرم خفیف سا مسکرایا: وہ گاڑی سے اتر کر کسی کوٹھی میں
چلے گئے۔ اور مجھ سے بس اتنا کہا کہ گاڑی لے جائیے:

اپنی سسرال گئے ہوں گے: اعزاز نے ہلکا سا قہقہہ لگایا: بیچاری بھابی
کی ممی اختلاج کی مریض ہیں۔ ان کی خوشنودی کی خاطر انہیں جانا ہی پڑتا
ہے۔ ارے۔ آپ بہت تکلف کر رہے ہیں!۔

جی نہیں۔ میں کھا تو رہا ہوں۔

اسے کھانا نہیں۔ ہماری امی کی زبان میں ٹونگنا بولتے ہیں: اعزاز ہنستا
ہوا پلیٹ اٹھاتے ہوئے باداموں کی پوری طشتری اسے تھما دی: اب کھائیے!
پھر ادھر ادھر کی باتوں کے بعد وہ بولا: تو پھر آپ بیٹھ گئے ہیں [illegible]

لیے آرہے ہیں۔ مجھے آپ میں نجانے کیوں اتنی کشش معلوم ہو رہی ہے۔

زہے نصیب۔ اعزاز میاں۔ لیکن :: اس نے چند بادام لے کر طشتری واپس میز پر رکھ دی۔

کہیئے کہیئے۔ آپ کیا کہہ رہے تھے !:

"اعزاز میاں۔ میں نہیں جانتا آپ نے کبھی کسی غریب آدمی کی زندگی کو پاس سے دیکھنے کی کوشش کی ہے کہ نہیں ؟ آپ نہیں جانتے غریب آدمی کے پاس اپنی عزت و ناموس کے سوا کوئی دوسرا سرمایہ ایسا نہیں ہوتا جس کی وہ حفاظت کر سکے۔ میں آپ کے پاس آ کر رہ جاؤں گا اور نجانے کن کن لوگوں کو یہ کہنے کا موقع دوں گا کہ میں نے اپنی چاپلوسی اور خوشامد سے گرویدہ کر لیا ہے۔ ! ویسے میں آپ کی ہر خدمت بجا لاؤں گا۔ مگر آپ کے پاس میرا مستقل قیام۔!"

اعزاز حیرت سے اسے تک رہا تھا۔ جب دونوں کی نظریں ملیں تو اعزاز کی پلکیں جھپک گئیں۔ پھر وہ سنبھل کر بولا۔

تو آپ کا مطلب ہے کہ جب کبھی رات کو ہمیں آپ کی ضرورت ہو۔ کوئی آدمی آپ کو بلانے دوڑے۔ کیوں ؟ یہاں سے منیم صاحب کا مکان بڑی دور ہے۔ آپ کو طلب کرنے کے لیے ایک ملازم رکھنا پڑے گا۔ اگر کسی کو ہسپتال جانے کی ضرورت ہو تو جب تک آپ کی تشریف آوری ہو بیمار بیچارہ عدم آباد جا چکا ہو۔ ! :

مکرم کو ہنسی آ گئی : معاف کیجئے گا کیا آپ میں سے کسی کو کار چلانا نہیں آتا۔

"مجھے بیشک آتا ہے۔ مگر شب باقر پر کار چلاتا ہوں۔ اس لیے باجی

میں سو رہا ہوں۔ نہ جاگ رہا ہوں۔ یہ کیسی کیفیت ہے سبین !؟:

آپ کا یہ فلسفہ میری سمجھ میں تو آتا نہیں: وہ بے بسی سے مسکرائی !

سمجھاؤں ؟ : انھوں نے کہا اور اس پر جھک کر کہا۔ ان کے لبوں سے سگریٹ کی خوشبو اڑی اور سبین سہم کر پیچھے کھسک گئی !۔

سبین !!۔

"اللہ اب چلیے۔ مجھے بارش سے بڑا ڈر لگتا ہے۔ فوراً نزلہ ہو جاتا ہے مجھے۔!"

"میں جانتا ہوں۔ تم جان بوجھ کر مجھے مایوس و ناکام ہی رکھنا چاہتی ہو :

سنیے جی۔ آپ اتنا نہیں سمجھتے۔ ابھی۔ تو میں۔ پڑھ رہی ہوں نا !: وہ سرخ ہو گئی ! اور اپنی شرم چھپانے کو چہرہ دوسری طرف پھیر لیا۔ مگر احتشام نے اس کے رخسار کو سہارا دے کر پھر اس کا چہرہ اپنی طرف کر لیا۔

"میں ساری زندگی انتظار کر سکتا ہوں۔ تم کبھی مجھ سے بے اعتنائی تو نہیں برتو گی۔ جواب دو۔ سبین۔! آج میں بہت بے ضبط ہو رہا ہوں :

دفعتہً ان پر بجلی کی ایک لہر چمک کر گزر گئی۔ سبین چیخ مار کر آگے جھک گئی احتشام نے اسے تقریباً اپنی آغوش میں چھپا لیا پھر وہ جلدی سے اسے سنبھال کر کھڑے ہو گئے۔ بادل بڑی زور سے گرجا۔! دور کار کے پاس سے ایاز نے چیخ کر آواز دی۔

بھائی جان۔ جلدی کیجئے۔ پانی برسنے لگا ہے :

وہ سبین کا ہاتھ تھامے دوڑے۔ اعزاز نے کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔ بے تحاشہ دونوں اندر گھس گئے ! اور قہقہے لگاتے ہوئے ایاز، اعزاز اور وصیہ سامنے بیٹھنے لگے۔ اعزاز نے وصیہ کو اندر ڈھکیلا اور وہ بے تحاشا مکرم پر گری، جلدی ہی وہ سمٹ گئی ؟۔ مکرم بھی دروازے سے چپک گیا۔ مگر وصیہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور بڑے اطمینان سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔! مکرم کا دل دھڑکنے لگا

کہیں بارش آجائے۔؟

تو کیا!: احتشام نے جواب دیا: تم اس قدر ڈرتی ہو بارش سے!۔ یہاں اور لوگ بھی تو ہیں ... ا سبین۔ تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔!"

آپ کی بات۔! سبین کے خوبصورت چہرے پر تمتماہٹ دوڑ گئی۔ کیا وہ اس قابل نہیں کہ اس کا کوئی جواب ہو؟: احتشام نے اس کی طرف کروٹ لی اور ان کا چہرہ سبین کے چہرے سے تھوڑی ہی دور تھا۔ ان کی نگاہوں کی تپش اور ان کا مفہوم پہچان کر سبین کے چہرے پر دھنک کے سے رنگ ابھر کر رہ گئے!۔ وہ ٹکٹکی باندھے اسے دیکھ رہے تھے۔ آخر گھبرا کر سبین نے پوچھ لیا۔

کیا دیکھ رہے ہیں آپ اس طرح؟:

ڈھونڈنا چاہتا ہوں۔ کوئی موہوم سا جذبہ، ہلکی سی علامت۔ جو میرے زندہ رہنے کا سہارا بن سکے! سبینا! بہت سی باتیں محض زبان ہی سے تو کہنے کی نہیں ہوتیں۔ ادھر دیکھو میری طرف!:

آپ کی باتیں میں سن رہی ہوں!:

جواب نہیں ہے کچھ ان باتوں کا؟"

مجھے بہت شرم آ رہی ہے۔ آپ میری طرف مت دیکھیے!:

احتشام کو ہنسی آ گئی۔ انھوں نے اس کا ننھا سا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا۔

"سبین۔! بہت سے جذبے قدرت نے انسان کو عطا کیے ہیں۔ بعض ایسے ہوتے ہیں جن پر انسان قابو نہیں پا سکتا۔ میں سمجھتا ہوں۔ یہ احساس جسے سب نے محبت کا نام دیا ہے۔ کچھ ویسا ہی ہے۔! سبین، مجھے جس جذبے نے کبھی متاثر نہیں کیا تھا۔ ان سب کے اب میں مغلوب ہونے لگا ہوں۔ تمہاری۔ ذات سے وابستگی مجھے جانے کن کن جہانوں کی سیر کراتی پھرتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے

میرے ساتھ جانا پسند نہیں کرتیں:

تو پھر۔!" مکرم نے کہا۔

"ہمارے آؤٹ ہاؤز کے سبھی کمرے خالی ہیں۔ میں ابھی صاف کرائے دیتا ہوں۔ آپ رات کے کھانے تک آجائیے۔!"

"جی!:"

جی کیا۔؟: اعزاز نے بات اچک لی: آپ مجھے اپنا بزرگ سمجھتے ہیں۔ یہ سب کچھ آپا جانی اور بھائی جان سے کہا کیجیے۔ اچھا، یہ بتائیے ایک بات پوچھوں!؟:

"پوچھیے:"

کیا آپ کو مجھ سے محبت نہیں لگ رہی!؟:

اعزاز کے رازدارانہ لہجے پر اسے بے ساختہ ہنسی آ گئی۔ اعزاز بھی ہنسنے لگا۔

"اچھی بات ہے۔ میں آپ کی بات نہیں ٹالوں گا۔ آجاؤں گا!:"

آپ دل میں سمجھ رہے ہیں، ناجیب گونڈا دمی سے پالا پڑا ہے؟"

اعزاز بولا۔

ہرگز نہیں!

تو پھر آپ شام تک آ رہے ہیں۔؟

بالکل بالکل!۔

شکریہ۔ بہت بہت شکریہ!:

دفعتاً اعزاز اٹھ کھڑا ہوا۔ مکرم نے دیکھا ایک صاحب اوپر آ رہے تھے۔ وہ بھی کھڑا ہو گیا۔

اعزاز صاحب نے مدھم سی سرگوشی کی: احتشام بھائی۔ بابا کے بعد

والے ٹیکٹر:

اگر کسی پر مردانہ وجاہت ختم تھی تو وہ احتشام تھے۔ بے حد سنجیدہ ۔ متین
اور خاموش سے ۔ جیسے اعلیٰ تعلیم یافتہ تھے اور کہیں پروفیسر تھے ۔!
اعزاز ان کو لے کر گھر میں چلا گیا اور مکرم نے بھی رخصت چاہی!!

شام بے حد دلکش تھی ۔ برسات کا موسم شروع ہونے والا تھا ۔ شجر شجر
ایک نیا نکھار تھا ۔ سبز سبز کونپلیں زمین سے سر ابھار رہی تھیں اور فضا میں عجیب
سی سرمستی رچی بسی تھی آسمان رفتہ رفتہ سفید اور بھورے بادلوں سے ڈھکتا
جا رہا تھا ۔!

پارک کے ایک گوشے میں احتشام اور سبین بیٹھے تھے ۔! ان سے کچھ دور
ہٹ کر اعزاز اور اس کا چچا زاد بھائی ایاز اور اس کی چھوٹی بہن وحیدہ بیٹھے
چپس پھانک رہے اور ہنس رہے تھے ۔! پارک کے گیٹ پر کار کھڑی تھی اور
ڈرائیونگ سیٹ پر مکرم بیٹھا ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا ۔!
کبھی اس کی نظر لڑکوں پر پڑتی ۔ کبھی وہ وحیدہ کو تکنے لگتا ۔ عجیب سی نرم و
نازک لڑکی تھی ۔ سترہ اٹھارہ سال کی بھولی بھالی سی ۔ اس کے سفید گورے گالوں
چہرے پر موٹی موٹی کالی کالی آنکھیں بے حد خوشنما معلوم ہو رہی تھیں ۔ آج
سے پہلے مکرم نے اسے نہیں دیکھا تھا ۔ مگر نجانے کیوں ۔ بے اختیار دل اس
کی طرف کھنچ رہا تھا ۔ ۔ وہ بار بار چاہتا کہ اس پر سے نظریں ہٹا لے مگر ہر بار
اس سے نگاہیں ملتے ملتے...

اپنے اس عجیب بے اختیاری جذبے سے وہ پریشان ہو رہا تھا ۔!

پھر اس کی نگاہیں احتشام اور سبین پر پڑیں ! احتشام ایک پتھر پر بیٹھے
تھے ۔ اور اونچے پتھر سے سر ٹیک دیا تھا ۔ ان کے ہونٹوں پر موہوم سی مسکراہٹ تھی
نجانے سبین کیا کہہ رہی تھی ۔ جس نے اللہ کے سے سنجیدہ انسان کو مسکرانے پر مجبور
کر دیا تھا ۔!

اس نے آہ بھر کر سٹیرنگ وہیل پر سر ٹیک دیا ۔ اور وہ سب کچھ سوچنے لگا
جو سوچتے ہوئے گھبراتا تھا ۔ نفول مہمل اور پریشان کن خیالات ۔ جو کبھی اس کا
پیچھا نہیں چھوڑتے تھے ۔ پچیس سال بعد ۔ وہ اپنے لوگوں کی تلاش میں آیا تھا ۔!
پتہ نہیں وہ سب کہاں ہیں ۔ ہیں بھی کہ ختم ہو چکے ۔! اگر وہ اسی طرح ہر مرد عورت
بوڑھے بچے کو گھورتا رہا تو پکڑ کر پاگل خانے پہنچا دیا جائے گا ۔! اُف ۔ بڑے آدمی کا
بیٹا ۔ لعنت ۔ لعنت ۔! یوں تو اقبال حسین صاحب بھی اس کے باپ ہو سکتے ہیں
مگر نہیں ۔ اماں نے کہا تھا میرے باپ کا نام احمد پر ختم ہوتا تھا ۔! نہیں ۔ یہ میرے
باپ نہیں ہو سکتے ۔!

پھر کیسے مل سکے گا مجھے میرا باپ ۔ میری ماں ۔ اگر وہ مل بھی گئے تو اس کے پاس
کیا ثبوت ہو گا کہ وہی اس کے ماں باپ ہیں یا ان کا دھتکارا ہوا بیٹا ہے ۔ اس کی کہانی
سن کر لوگ ہنسیں گے ۔! لوگ اس پر شبہ کریں گے ۔ بڑے آدمی سے اپنا رشتہ
جوڑنے کی خاطر اس نے یہ افسانہ طرازی کی ہے ۔ آج کل کے لڑکے فلموں سے عجیب
غریب سبق سیکھ لیتے ہیں ۔!

وہ گرد و پیش سے بے خبر سوچتا رہا ۔! اور دل اپنی کم نصیبی پر آنسو بہاتا رہا ۔
لڑکے ٹہلتے ہوئے ادھر ادھر نکل گئے ۔! سبین نے انہیں جاتے دیکھا اور اپنی تنہائی کے
خیال سے گھبرا کر بولی : چلئے اب ہم بھی چلیں ۔ بادل گھر گھر آ رہے ہیں...

ہندوستان سے شروع
ہو کر پاکستان میں ختم ہونے
والی محبت کی ایک پاکیزہ کہانی
سوتیلی ماں کے مظالم سے
عاجز آ کر گھر کو خیرباد کہنے والی
ایک معصوم لڑکی کی دکھ بھری داستان
نسیم انہونوی
کا شاہکار ناول
نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ

THE HAREEM

Nov. 80

Rs. 1.20

ٹیلیفون دفتر: ۲۲۵۵۱

ٹیلیفون رہائش: ۴۵۲۲۲

گزشتہ ۵۸ سال سے پابندیِ وقت کے ساتھ شائع ہو رہا ہے
اور اردو میں ہندستان کا سب سے پرانا رسالہ ہے

جلد ۵۸
نمبر (۱۱)

ماہنامہ
حریم
لکھنؤ

بیادگار
سید محمد سلیم انہونوی مرحوم
و
شفیق الفکار
بیگم سلیم انہونوی مرحوم

اڈیٹر و نگراں
نسیم انہونوی
معاونین
شوکت جہاں بیگم غزالہ
جانی بیگم ردولوی

فہرست مضامین ماہ نومبر سنہ ۱۹۸۰ء

قیمت سالانہ

اعزازی منی آرڈر سے پچیس روپیہ۔ مخصوص خریداری منی آرڈر سے اکیس روپیہ۔ معمولی خریداری منی آرڈر سے اٹھارہ روپیہ۔ وی۔ پی سے پرچہ منگانے پر تین روپیہ زائد فی پرچہ ایک روپیہ بیس پیسے۔ غیر ممالک سے ۴۰ روپیہ یا اس کے بقدر غیر ملکی سکہ برٹش پوسٹل آرڈر یا ڈاک سے مختلف ممالک کے لئے مختلف شرحیں ہیں۔ آفس اور ترسیل زر کا پتہ۔ نسیم بکڈپو۔ لاٹوش روڈ لکھنؤ

ایس۔ ایم فہیم انہونوی پبلشر نے سرفراز قومی پریس لکھنؤ میں باہتمام سید العصار غنی چھپوا کر دفتر حریم لاٹوش روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

لمعات

"حیات طیبہ کا ازدواجی شعبہ" کی آٹھویں قسط

باب سیزدہم حضورؐ کی محبت ازواجِ مطہرات سے

حضورؐ کی محبت ازواجِ مطہرات سے کیسی تھی؟ کتنی تھی؟ اس سوال کے جواب میں ہمیں دور جانا نہیں پڑے گا۔ کافی شہادتیں قرآن پاک میں موجود ہیں۔ ایک جگہ آتا ہے:۔

اے نبی جس چیز کو اللہ نے آپ کے لئے حلال کیا ہے اسے آپؐ کیوں حرام کر رہے ہیں، اپنی بیویوں کی خوشی حاصل کرنے کے لئے؛ اور اللہ بڑا مغفرت والا ہے، بڑا ہی رحیم ہے اللہ نے تمہارے لئے تمہاری قسموں کا توڑنا مقرر کر دیا ہے اور اللہ تمہارا کارساز ہے۔ وہ بڑا علم والا ہے، بڑا حکمت والا ہے۔ اور یاد رکھو جب پیغمبرؐ نے ایک بات اپنی کسی بیوی سے چپکے سے فرمائی۔ پھر جب ان بیوی نے وہ بات کسی اور کو بتلادی۔ اور اللہ نے پیغمبرؐ کو اس کی خبر کردی تو پیغمبرؐ نے اس کا کچھ حصہ جتلا دیا اور کچھ کو ٹال گئے۔ پھر جب پیغمبرؐ نے ان بیوی کو وہ بات جتلادی تو وہ بولیں کہ آپؐ کو کس نے اس کی خبر دی؟ آپؐ نے کہا مجھ کو وہی ہر علم رکھنے والے اور ہر خبر رکھنے والے نے۔ اے دونوں (بیویو) اگر تم اللہ کے سامنے توبہ کر لو تو تمہارے دل اسی کی طرف مائل ہو رہے ہیں۔ اور اگر پیغمبرؐ کے مقابلہ میں تم کارروائیاں کرتی رہیں تو پیغمبر کا رفیق اللہ ہے اور جبرئیل ہیں اور نیک مسلمان ہیں۔ اور ان کے علاوہ فرشتے مددگار ہیں؛

(تحریم/۱ تا ۴)

ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ:۔

(ا) حضورؐ اپنی ازواج سے اتنی زیادہ محبت کرتے تھے کہ کبھی کبھی ان کی ناپسندیدہ غذا کو نہیں کھاتے تھے۔ اور ان کی ناپسندیدہ پوشاک کو نہیں پہنتے تھے۔ چونکہ آپ کی سیرت رہنمائی اور مثال پیش کرتی تھی اس لئے خطرہ تھا کہ کہیں مومنین کبھی ان حلال چیزوں کو سمجھ کر کھانا یا پہننا چھوڑ دیں چنانچہ وحی قرآنی نازل ہوئی۔

(ب) حضورؐ اپنی ازواج سے اتنی زیادہ محبت کرتے تھے کہ ان کی خاطر آپؐ نے چند ایسی قسمیں کھالی تھیں جو کھانا نہیں چاہیئے تھا۔ چنانچہ وحی قرآنیہ کو نازل ہو کر ان قسموں کے توڑنے کا راستہ بتانا پڑا۔

(ج) حضورؐ اپنی ازواج کی خوشی حاصل کرنے کی ہر جائز تدبیر اختیار فرماتے اور ان کی الگ الگ ضروریات کی چیزیں فراہم کرتے مثلاً ابتدائی دور میں حضرت عائشہؓ کے لئے گڑیا)

(د) آپؐ ان کی خوشیوں اور غموں میں شریک ہوتے اور انہیں کبھی لپنے رازوں کا شریک بناتے کبھی کبھی ایک راز صرف ایک ہی بیوی کو بتاتے۔

(ر) اگرچہ کبھی کبھی انسانی کمزوریوں کی بدولت آپس میں اختلافِ نظر ہو جایا کرتا تھا۔ پھر بھی عام طور پر ازواجِ مطہراتؓ کا باہمی سلوک خلوص خدمت خواہری اور خیرسگالی کا آئینہ دار تھا۔ وہ آپس میں کبھی کبھی ایک دوسرے کو راز میں شریک کر لیتیں۔

(س) ازواجِ مطہرات کو گھر کے اندر تمام آزادیاں حاصل تھیں۔ ان کی خودداری اور خود اعتمادی ہر طرح محفوظ تھی۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ کبھی کبھی انھوں نے یا ان میں سے چند نے حضورؐ کے مقابلہ میں اتحاد کر لیا جب تک یہ اتحاد اسلامی حدود کے اندر تھا حضورؐ اس کی اجازت عطا فرماتے تھے۔ یہاں پر وحی قرآنیہ کو

تھا۔ جو کہ صورت حال کی اصلاح کرنی تھی کیونکہ اس کی ضرورت آ پڑی تھی۔ اور وہ تھی ان ازواج مطہرات کو توبہ کا حکم دیا گیا۔

پیغمبرؐ اسلام کی اہم جھلکیاں ہمیں قرآن مجید میں بھی نظر آتی ہیں اور سیرت کی کتابوں میں بھی۔ ہم علامہ ابن قیم کی مشہور کتاب زاد المعاد کی چند سطریں پیش کرتے ہیں۔

• نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ نہایت محبت اور حسن سلوک کا معاملہ کرتے تھے۔ حضرت عائشہ کے پاس انصار کی لڑکیاں جمع ہو جاتیں اور آپؐ ان کو ان کے ساتھ کھیلنے کے لئے چھوڑ دیتے۔ اگر وہ کسی ایسی بات کی خواہش کرتیں جس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو تو آپؐ ان کی خواہش پوری کر دیتے۔ وہ جس برتن سے پانی پیتیں آپ بھی اس برتن سے ان کے منھ لگانے کی جگہ منھ لگا کر پانی پی لیتے۔ جس ہڈی کو وہ چوستیں اس ہڈی کو آپؐ بھی لیکر چوستے۔

ایک مرتبہ اہل حبشہ مسجد نبوی کے پاس اپنے کرتب دکھا رہے تھے۔ آپؐ نے حضرت عائشہؓ کے لئے اس کا موقع پیدا فرما دیا کہ وہ آپؐ کے کندھے کی اوٹ سے ان کے کرتب دیکھ لیں۔ دو مرتبہ آپ سفر کے موقع پر ان کے ساتھ دوڑے بھی۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ تم میں سب سے اچھا وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ سب سے اچھا سلوک کرنے والا ہو۔ نماز عصر پڑھ کر آپ کا معمول تھا کہ تمام ازواج کے یہاں تشریف لے جاتے اور ان کی خیر خیریت دریافت فرماتے پھر شب میں جس کی باری ہوتی ان کے یہاں قیام فرماتے۔

(زاد المعاد۔ جلد ۱ صفحہ ۳۸)

محبت خصوصاً ازدواجی محبت ایک ضرورت ہے عشرت نہیں ہے محبت اسقدر ضروری ہے جس قدر جسم میں خون کا دوران جس قدر قوت ہضم۔ انسان کا کوئی تعلق انسان سے کوئی قیمت نہیں رکھتا۔ اگر اس کے پیچھے جذبۂ محبت نہ ہو۔ پیغمبر اسلام نے بھی محبت کی بڑی بڑی مثالیں قائم کیں۔ وہ ہر کس و ناکس سے محبت کرتے تھے۔ خصوصاً ازواج مطہرات سے۔ ہر چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے کے لئے ان کے پاس وہ فاضل وقت تھا، وہ فاضل وقت تھا، وہ فاضل جذبہ تھا جو بے محبت انسانوں کے پاس نہیں ہوتا اور کتنے کام دیکھنے میں چھوٹے ہوتے ہیں لیکن ان کی اہمیت بڑی ہوتی ہے۔ حضورؐ چھوٹے کام اور بڑے کام اپنے دست و بازو سے کرتے بھی تھے اور اپنی مثال سے دوسروں کو ترغیب بھی دیتے تھے۔

لیکن اپنی تمام محبت اور عشق صادق کے باوجود حضورؐ بڑی سختی سے باز پرس فرماتے تھے، اگر کوئی اسلام کے حدود کو توڑ دیتا یا اس کے احکام کی نافرمانی کر دیتا۔ اپنے ذاتی معاملات میں وہ ہمیشہ ٹال جاتے لیکن جہاں تک اسلام کا تعلق تھا ان کی نگاہ احتساب سے بچ نکلنا ہرگز ممکن نہ تھا۔ یہ سختی ازواج مطہرات کے متعلق اور بھی شدید تھی۔ حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر آپؐ کا اور کون محبوب ہو سکتا تھا۔ لیکن ایک بار وہ طنزاً بول گئیں کہ صفیہؓ میں یہ عیب کیا کم ہے کہ وہ پست قد ہیں۔ چونکہ یہ بات طنزاً اور تحقیراً کہی گئی تھی اس لئے آپؐ نے فوراً ان کی تنبیہ فرمائی اور جن الفاظ میں فرمائی ذرا ان کے تیور ملاحظہ ہوں۔

"عائشہؓ تم نے ایک ایسی بات زبان سے نکالدی ہے کہ اگر وہ سمندر میں بھی ملادی جائے تو اس کی کڑواہٹ اس کو تلخ تر کر کے رکھدے۔"

مولانا امین احسن اصلاحی اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں:۔ "حضورؐ کا یہ محاسبہ بھی درحقیقت آپ کی محبت کا ایک پہلو تھا۔ جو لوگ اپنے گھر والوں سے محض مادی قسم کی محبت رکھتے ہیں وہ ذاتی عیش و آرام سے تعلق رکھنے والی باتوں پر تو بڑے سخت گیر اور تنگ مزاج ہوتے ہیں۔ ممکن نہیں ہے کہ کوئی ادنیٰ کوتاہی کبھی کسی سے سرزد ہو جائے اور وہ اس کو نظر انداز کر جائیں لیکن خدا اور شریعت کے معاملات میں وہ بڑے روادار اور فیاض ہوتے ہیں۔ بیوی بچوں میں جس کا جی چاہے اپنی آخرت کی بربادی کے لئے جو چاہے کر گزرے۔ انہیں کبھی ان کو ٹوکنے کی توفیق نہیں ہوگی۔ حالانکہ حقیقی محبت کا تقاضا ہے کہ ان کوتاہیوں کو نظر انداز کریں جو ان کی اپنی ذات کے معاملہ میں ہوں اور ان باتوں پر گرفت کریں جن کا تعلق آخرت سے ہو۔ حضورؐ کا طریقہ یہی تھا۔ آپ اپنے آرام سے زیادہ اس بات کے لئے فکرمند رہتے کہ گھر والے اپنی اپنی اخروی ذمہ داریوں سے غافل نہ ہونے پائیں۔"

حضورؐ کی محبت اپنے ازواج سے اگر کسی واحد مصلحت پر تھی

کی اصرت یہ کہ ان کی عاقبت بہتر سے بہتر ہو جائے۔ اسی لئے آپ سخت محنت تھے عبادات میں۔ آپ چاہتے تھے کہ فرائض تو اپنی جگہ لازم ہیں لیکن نوافل بھی چھوٹنے نہ پائیں۔ جب کبھی دروازے پر کوئی سائل آتا تو گھر والوں کو اس کے حقوق یاد دلاتے۔ کوئی مہمان آتا تو اس کی خدمت پر سب کو ابھارتے۔ خصوصاً جبکہ وہ خود سخت تنگی اور ترشی میں مبتلا ہوا کرتیں۔ اکثر وہ ان سے فرداً فرداً اور پھر اجمالاً کہا کرتے کہ اپنی اپنی آخرت کے لئے جو کچھ کر سکتی ہو یہیں کر لو میں وہاں تمہارے کچھ کام نہ آسکوں گا۔

باب چہاردہم ازواج مطہرات کی محبت حضورؐ سے

کونسا شخص حقیقت میں کیا ہے؟ کونسی ذہنیت اور طبیعت رکھتا ہے، اس کے ظاہر اور باطن میں کیا فرق ہے؟ اگر جاننا چاہتے ہو تو اس کی گھریلو پرائیویٹ لائف دیکھو۔ یہ ممکن ہے کہ ایک بدسیرت اور بدکردار شخص گھر سے باہر اپنے آپ کو خوبیوں اور نیکیوں کا مجسمہ دکھائے لیکن بیوی پر اس کا جادو چل نہیں سکتا۔ وہ اس کے ظاہر و باطن کو خوب خوب سمجھتی ہے۔ وہ اس کی خامیوں کو جانتی ہے۔ اس کے مزاج اور شوق کو پہچانتی ہے، اس کے رازہائے درون پردہ سے واقف ہے۔ کتنا صحیح کسی نے کہا ہے "کوئی شخص اپنے گھر میں ہیرو نہیں بن سکتا۔"

مولانا سید جعفر شاہ پھلواروی اپنے ایک مضمون "سب سے بڑا معجزہ" میں لکھتے ہیں:۔

"ایک عورت کی ان فطری خصوصیات کو سامنے رکھ کر حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو دیکھئے۔ اس کے سامنے اس کا شوہر ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ یا یوں کہیے ایک دعویٰ کرتا ہے۔ دعویٰ بھی کوئی معمولی نہیں نبوت کا دعویٰ، وحی خداوندی کا دعویٰ، جبریل سے ہمکلامی کا دعویٰ ایک ایسا دعویٰ جس کا پہلے کبھی کوئی اشارہ تک نہ کیا تھا۔"

"پھر یہ رفیقۂ زندگی کوئی معمولی عورت نہیں۔ ملک التجار ہے، جہاں دیدہ ہے، زمانے کے نشیب و فراز سے اچھی طرح واقف ہے، اسے کوئی فریب نہیں دے سکتا۔ عمر کے لحاظ سے بھی اتنی کم عمر بھی نہیں ہے جو سن رسیدہ شوہر کی باتوں میں آجائے بلکہ شوہر سے پندرہ سال بڑی ہے۔ یہاں پھر لطف یہ کہ معاشیات میں شوہر کی محتاج بھی نہیں جو کسی دباؤ میں آکر مان لے بلکہ خود کفیل ہی نہیں بلکہ شوہر کی بھی کفالت کرتی ہے۔ بیوی ہے۔ شوہر کی کوئی بات اور کوئی ادا اس کی آنکھوں سے اوجھل نہیں، وہ شوہر کی جلوت سے بھی واقف ہے اور خلوت سے بھی۔ دانائے راز ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ اس سے پوشیدہ نہیں۔

"وہ جہاں دیدہ، صاحب فراست دور بین نگاہیں رکھتی ہے۔ جانتی ہے کہ شوہر کے پیغام کو قبول کرنا زمین و آسمان کو دشمن بنا لینا ہے، خاندان کی اور پوری قوم کی دشمنی مول لینا ہے، آفات کا سامنا کرنا اور مسلسل آزمائشوں کی بھٹیوں میں جلنا ہے۔ جان و آبرو ــــ غرض متاع زندگی کو خطرے میں ڈالنا ہے۔ پورے معاشرہ کے رسم و رواج ہی سے نہیں بلکہ ان کے سارے معبودوں سے انکار کرنا ہے۔

صرف اسی قدر نہیں۔ یہ پیغام ایسا ہے جو زندگی کا [illegible] زندگی کا سودا ہے۔ ایسی استقامت چاہتا ہے جس میں کبھی کوئی تزلزل نہ آئے۔ بلکہ قدم قدم پر بڑی سے بڑی قربانیاں طلب کرتا ہے۔ پھر ان تمام قربانیوں کا کوئی فوری فیصلہ اس زندگی میں ملنے کی ضمانت نہیں۔ بس ایثار و قربانی کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے جو مرنے کے بعد ختم ہوگا۔ صلہ کا وعدہ ہے مگر مرنے کے بعد۔ عیش و آرام، عزت و وقار، دولت و ثروت، برادری و قرابت، گھر بار، سوشل تعلقات اور کاروبار اور روزگار اور وطن سب کچھ داؤ پر لگانے کی دعوت ہے۔

پھر پیغام دینے والا اس پوری کائنات میں تنہا ہے۔ اس کا کوئی حامی و مددگار نہیں، اس کے ساتھ کوئی قوم یا جماعت نہیں، کوئی دولت و اقتدار اس کی پشت پر نہیں۔

اگر یہ رفیقۂ زندگی اپنے ازدواجی تعلقات کو باقی رکھتے ہوئے شوہر کے پیغام کو قبول نہ کرے تو اسے کسی نقصان کا کوئی اندیشہ نہیں۔ اگر وہ صاف انکار نہ کرے تو خاموش رہ سکتی ہے۔ گول مول جواب دے سکتی ہے اور نہایت زیرکی کے ساتھ حالات کا جائزہ لے سکتی ہے اور مستقبل کے نتائج کا انتظار کر سکتی ہے۔ اگر وہ چاہے تو خاموش رہ سکتی ہے، بہانے بنا سکتی ہے، ٹال مٹول کر سکتی تھی اور بظاہر اس کا کوئی نقصان نہ تھا۔

مگر ہوا کیا؟ وہ پیغام سن کر اس پوری کائنات میں

سب سے پہلے ایمان لے آتی ہے اور ایمان لانے والوں کی صف میں سرفہرست اس کا نام لکھا جاتا ہے، آزمائشیں شروع ہو جاتی ہیں، تن من دھن اپنی ہر متاع عزیز شوہر کے پیغام پر قربان کرنا شروع کر دیتی ہے۔ یہ سلسلہ دس سال تک قائم رہتا ہے۔ ساتویں سال کے بعد شعب ابی طالب میں سبھوں کے ساتھ اس کا بھی مقاطعہ کلی ہو جاتا ہے اور وہ تین سال تک محصور رہتی ہے۔ یہ ملکۃ التجار اور دولت مند رفیقۂ زندگی اپنی محصوری کے دوران فاقوں پر فاقے کرتی ہے، دنیا کی ساری تکلیفیں جھیلتی ہے، اس کی صحت پر یہ اثر پڑا وہ محصوری کے بعد ہی اس کی موت پر منتج ہوا۔

لیکن آپ نے دیکھا کہ کبھی کوئی حرف شکایت اپنی زبان پر لائی ہو؟ کبھی اف بھی کی ہو، کبھی عاجز آ کر اپنے شوہر سے یہ بھی کہا ہو کہ تم نے کس مصیبت میں پھنسا دیا ہے، کبھی اس کے پائے ثبات میں لغزش آئی۔

استغفراللہ! ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ جو آزمائش ہوتی ہے وہ اس کے ایمان کو پختہ سے پختہ تر کر دیتی ہے۔ ہر ابتلا اس میں مزید نکھار پیدا کرتا ہے، ہر مصیبت اسے پیچھے ہٹانے کی بجائے اور آگے بڑھاتی جاتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ اگر شوہر کے ماتھے پر بہ تقاضائے بشریت کوئی بل آ جاتا ہے تو اس کی دل شکستگی کو بھانپ کر اسے سہارا دیتی ہے، حوصلہ افزائی اور پشت پناہی کرتی ہے۔ . . . . اس کے دکھے ہوئے دل کا مرہم اور اس کے زخموں کا پھایا بن جاتی ہے۔

محمدؐ کا سب سے بڑا معجزہ یہ ہے کہ آپؐ کے پیغام کو سب سے پہلے آپؐ کی رفیقۂ زندگی نے قبول کیا۔

(ماخوذ از خاتون پاکستان "رسول نمبر")

یہ حضرت خدیجہؓ ہی تھیں جنھوں نے رسول اللہؐ کے دل کو سکون بخشا جبکہ آپؐ پہلی وحی "اقرأ" پا کر اور حضرت جبرئیلؑ کا مشاہدہ کر کے ڈرتے ہوئے اور کانپتے ہوئے گھر آئے تھے۔ آپؐ نے ساری کیفیت خدیجہؓ سے بیان فرمائی۔ انھوں نے تسلی دی اور کہا آپ صدقہ و خیرات کرتے ہیں، قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کرتے ہیں، حق کا ساتھ دیتے ہیں، آپؐ خدا سے ڈرتے ہیں، آپؐ کا شیوہ ہر ایک کے ساتھ احسان اور حسن سلوک ہے۔ خدا آپؐ کو ضائع نہیں کرے گا۔ (بخاری)

یہ ہے شہادت آپؐ کے کردار کی، رفیقۂ حیات کی طرف سے، سب سے قابل اعتماد ذریعہ کی طرف سے۔

امہات المومنین میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر کسی نے آپؐ کے اوصاف تفصیل سے نہیں بیان کئے ہیں۔ فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلعم کی عادت کسی کو برا کہنے کی نہ تھی۔ برائی کے بدلے میں برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگذر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے، آپؐ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو ان میں جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو، ورنہ آپ اس سے بہت دور ہوتے آپؐ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی معاملہ میں انتقام نہیں لیا، لیکن جو احکام الٰہی کے خلاف کرتا، خدا اس سے انتقام لیتا تھا یعنی خدا کی طرف سے آپ اس پر بموجب احکام ربانی حد جاری فرماتے تھے۔ آپؐ نے نام لیکر کبھی کسی مسلمان پر لعنت نہیں کی۔ آپؐ نے کبھی کسی غلام کو لونڈی کو، عورت کو، خادم کو، جانور کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، آپؐ نے کبھی کسی کی کوئی درخواست رد نہیں فرمائی لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو۔ آپ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں، ہنستے اور مسکراتے ہوئے، دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو رکھ لے۔

حضرت عائشہؓ سے جب پوچھا گیا کہ حضور کا کردار کیسا تھا۔ تو آپ نے جواب دیا "وکان خلقہ القرآن"۔ (جیسا قرآن چاہتا ہے ویسا ہی تھا)

عام صحابۂ کرام تو الگ خود امہات المومنین کیوں ایمان لائیں کیوں اتنی ثابت قدمی سے مصیبتوں کے پہاڑ کے پہاڑ کو سنبھالا، بیشک پیغام تھا حق کا۔ لیکن ساتھ ہی پیغام بر بھی ہمیشہ سے حق پر تھا۔

جناب مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اپنے ایک مضمون میں فرماتے ہیں ــ:

سب سے پہلے حضرت خدیجہؓ ہی کو لیجئے۔ ان کے خاندان کے زیادہ تر لوگ اسلام کے سخت دشمن تھے۔ خصوصیت کے ساتھ ان کا حقیقی بھائی نوفل، ان کا چچا زاد بھائی اسود بن مطلب اور اسود کا بیٹا زمعہ۔ یہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں ابوجہل کے دست راست تھے۔ لیکن اس کے باوجود حضورؐ کی

رفاقت اور پشت پناہی کرتی رہیں اور خود اپنے میکے والوں کی دشمنی کی انھوں نے ذرہ برابر پرواہ نہ کی۔

حضرت ام سلمہؓ کو دیکھئے۔ ان کے ایک چچا کا بیٹا ابوجہل تھا دوسرا چچا ولید بن مغیرہ تھا۔ وہ اور اس کے بیٹے خالد بھی اسلام کے سخت دشمن تھے۔ ان کا اپنا حقیقی بھائی عبداللہ بن امیہ ہر وقت اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سرگرم تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ بہادر خاتون اسلام لائیں اور جب خاندان والوں نے بہت زیادہ تنگ کیا تو گھربار اور خاندان کو چھوڑ کر حبش کی طرف ہجرت کر گئیں۔

سب سے زیادہ سبق آموز مثال حضرت ام حبیبہؓ کی ہے جو بنی امیہ کے اس خاندان سے تھیں جس کا بچہ بچہ اسلام اور مسلمانوں کی دشمنی میں سانپ اور بچھو بنا ہوا تھا۔ ان کا باپ ابوسفیان وہ شخص تھا جو مسلسل اکیس سال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف برسرپیکار رہا۔ ان کی ماں ہند بنت عتبہ وہ عورت تھی جو جنگ اُحد میں حضرت حمزہؓ کا کلیجہ نکال کر چبا گئی تھی۔ ان کی پھوپھی ام جمیل، یعنی ابولہب کی جورو، وہ عورت تھی جسے قرآن میں "حمالۃ الحطب" کا خطاب دیا گیا ہے۔ ان کا نانا عتبہ بن ربیعہ قریش کے ان سرداروں میں سے تھا جو اسلام کی دشمنی میں سب سے پیش پیش تھے۔ اندازہ کیجئے کہ ایسے خاندان کی لڑکی کا اسلام قبول کرنا کس قدر مشکل تھا۔ مگر آپ کو تعجب ہوگا کہ مکہ کے ابتدائی پانچ سالوں میں جو لوگ ایمان لائے تھے ان میں ایک ام حبیبہؓ بھی تھیں۔

("مضمون خواتین اور اسوۂ رسول")

(باقی آئندہ)

سالانہ قیمت میں پھر اضافہ

حریم کی بہنیں ناواقف نہ ہوں گی کہ ایک سال کے اندر ہر چیز کی قیمت میں مسلسل اضافہ ہوتا چلا آرہا ہے۔ ہماری حکومت اس سلسلہ میں پوری کوشش کے باوجود ابھی تک قیمتوں کو برقرار رکھنے میں کامیاب نہیں ہوسکی ہے اس لئے کہ کروڑ پتی لوگ، جو بدقسمتی سے حکومت کے خلاف ہیں قیمتوں کو بڑھانے کی جد و جہد میں لگے ہوئے ہیں۔

آبادی سے مسلسل اضافہ کے باعث اشیاء کم اور خریدار زائد ہوتے جاتے ہیں۔ قیمتیں بڑھنے کا ایک سبب یہ بھی ہوا کرتا ہے کہ مال کم اور خریدار زیادہ۔

ہندوستان کی جاہل آبادی کو تعلیم دینے کے سلسلے میں جو کوشش کی جارہی ہے اس کے تحت لاکھوں نئے تعلیمی ادارے کھلتے جاتے ہیں اور کروڑوں طالب علم بڑھتے جاتے ہیں۔ اس اضافہ کا سب سے بڑا اثر کاغذ پر پڑتا ہے، اربوں کی تعداد میں کتابیں چھپتی ہیں۔ کاپیاں بنتی ہیں اور تعلیم بڑھنے کے ساتھ ہی اخبارات و رسائل کی اشاعت بھی بڑھ رہی ہے۔ ہر سال صدہا نئے سیکڑوں مجلے نکل رہے ہیں۔ ان میں لاکھوں ریم کاغذ ہر ماہ صرف ہونے لگا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے ملک میں کاغذ کے کارخانوں کی کمی ہے، اس لئے جتنا کاغذ تیار ہوتا ہے، ضرورت کے اعتبار سے ناکافی ہوتا ہے اور اس لئے بلیک ہونے لگتا ہے۔ کاغذ ہی نہیں طباعت کی روشنائی وغیرہ بھی بیحد گراں ہوگئی ہیں اس لئے طباعت کے نرخ بھی بڑھ گئے ہیں۔ اسی طرح دوسرے تمام مصارف تاگہ، جلد سازی، لئی کا میدہ سلائی کا تار وغیرہ کی بھی قیمتوں میں اضافہ ہوگیا ہے۔ اسٹاف کی تنخواہوں میں بھی اضافہ ہوگیا ہے اس لئے ہم مجبوراً حریم کی سالانہ قیمت میں پھر اضافہ کرنے پر مجبور ہیں یکم جنوری [illegible] سے سالانہ قیمت اب حسب ذیل ہوگی۔

سالانہ قیمت اگر منی آرڈر سے آئے:-

معمولی خریداری۔ بیس روپیہ۔ اعزازی خریداری پچیس روپیہ مخصوص خریداری تیئس روپیہ۔

وی۔ پی سے ہر طرح کی خریداری میں چار روپیہ کا اضافہ ہو جائے گا۔

غیر ممالک سے سی میل کی سالانہ قیمت ۴۵ روپیہ یا اس کے بقدر غیر ملکی سکہ۔ ہوائی سروس سے مختلف ممالک کے لئے مختلف شرحیں ہیں اس لئے معلوم کرنے پر لکھا جا سکتا ہے۔

قیمت فی پرچہ آئندہ سے ایک روپیہ پچیس پیسے ہوگی۔ امید ہے حریم کی ہمدرد بہنیں اس اضافہ کو بخوشی منظور فرما کر تعاون فرمائیں گی تاکہ حریم شائع ہوتا رہے۔ پھر بھی جو بہنیں اس گرانی کی متحمل نہ ہو سکیں وہ براہ کرم دفتر کو ایک کارڈ لکھ کر آگاہ فرما دیں تاکہ انھیں آئندہ حریم نہ بھیجا جائے۔

جن بہنوں کی خریداری دسمبر [illegible] میں ختم ہو رہی ہے وہ اپنی سالانہ قیمت اگر منی آرڈر سے روانہ فرمانا چاہیں تو اس طرح

بھیجیں کہ زیادہ سے زیادہ ۵ ۲ر دسمبر تک منی آرڈر دفتر میں وصول ہو جائے۔ منی آرڈر نہ آنے یا خط کے ذریعہ خریداری ختم کرنے کی اطلاع نہ ملنے پر سالنامہ حریم وی، پی سے روانہ کر دیا جائے گا۔

سالنامہ حریم ۱۹۸۱ء

حسب سابق اس بار بھی ہم حریمی بہنوں کی خدمت میں بہن عفت موہانی کا ایک دلچسپ ناول حریم پیش کریں گے۔

نسیم انہونوی

نئی لکھنے والی بھانجیوں سے

یہ عرض کرنا ہے کہ میری تندرستی دن بدن جواب دیتی جا رہی ہے۔ زیادہ کام تو در کنار کم کام کرنا بھی دشوار ہو گیا ہے۔ اگر چند روز کچھ دفتر آنے کے قابل ہو جاتا ہوں، تب بھی بس دل بہلاتا ہوں، چند خط لکھ لیتا ہوں یا کچھ مشورے دے دیتا ہوں۔ اپنی پچاس سالہ زندگی میں صدہا حریمی بہنوں کے مضامین اور پچاسوں بہنوں کے ناولوں کی اصلاح کرکے انھیں شائع کیا لیکن اب مجبور ہو گیا۔ اس طرح کے کام نہیں کر پاتا لیکن افسوس کہ میری صحت کی خرابی کا علم ہوتے ہوئے مسودات اور مضامین کی اصلاح کرنے کے سلسلہ میں خطوط آتے رہتے ہیں۔ کاش ایسی بہنیں اور بھانجیاں سنجیدگی سے غور کر سکیں کہ ان کی فرمائش میں کیسے پوری کروں۔ نہ جانے کتنے ناول آئے رکھے ہیں اس امید پر کہ شاید کوئی معجزہ ہو جائے اور میں پھر کام کے قابل ہو جاؤں اس لئے مسودات واپس نہیں کئے ہیں۔ مجھے خود افسوس ہے کہ جو خدمت میں اپنی بہنوں اور بھانجیوں کی ایک طویل مدت تک کرتا رہا تھا، اب نہیں کر پا رہا ہوں۔ ویسے جب بھی مجھے سکون ملتا ہے، میں دو ایک مضامین حریم کے لئے اصلاح کرکے شائع کرانے کی کوشش کرتا ہوں۔

نسیم انہونوی

نسیم انہونوی کے ناولوں کے نئے ایڈیشن

آخری تمنا	7/-
تمنا	12/-
شگفتہ	7/-
[illegible]	7/50

کچھ اپنے متعلق

تقریباً دس روز تک کچھ دیر کے لئے دفتر جاتا رہا، حالانکہ کمزوری بہت تھا، پھر اچانک ہی ۸ر اکتوبر کی سہ پہر کو نفس کا شدید دورہ پڑا۔ ۵ گھنٹے جانکنی کی سی تکلیف رہی۔ پھر انجکشن وغیرہ لینے سے شدت کم ہو گئی، لیکن ان پانچ ہی گھنٹوں میں ایسی کمزوری آگئی کہ پلنگ سے اٹھنا دشوار ہو گیا۔

تنفس اور کھانسی کا سلسلہ آج ۱۳ر اکتوبر تک جاری ہے۔ کمزوری بڑھتی جا رہی ہے۔ چراغ کا تیل کم ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ اپنا رحم کرے۔

۲۵ر اکتوبر۔ ۲۳ر اکتوبر سے تیز بخار آگیا جس سے کمزوری میں اور اضافہ ہو گیا۔ اللہ رحم فرمائے۔

نسیم انہونوی

اقوال زریں

- اچھی عبادت اللہ کے نزدیک اس سے بڑھ کر کوئی نہیں کہ کسی مسلمان کا دل خوش کرے۔
- ہمسایہ (پڑوسی) کو ستانے والا جہنمی ہے، خواہ وہ شب و روز عبادت اور روزہ میں گذارتا ہو۔
- مظلوم کی آہ سے ڈرو اس لئے کہ خدا اور اس کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہوتا۔
- علم بغیر عمل بیکار ہے اور عمل بغیر علم کے گمراہی ہے۔
- صبر ایمان سے اس طرح ملا ہوا ہے جس طرح سر جسم سے۔

مرسلہ۔ سارہ عیسیٰ (پانڈیچری)

- حلال چیزوں میں اللہ کے نزدیک کوئی چیز اتنی بری نہیں جتنی طلاق"
- جانور اپنے مالک کو پہچانتا ہے، کتنی عجیب بات ہوگی اگر انسان اپنے خدا کو نہ پہچانے۔
- مومن کو اپنا پہنچانا کعبہ گرانے سے پندرہ گنا زیادہ برا ہے۔
- مصیبت برداشت کرنے کے لئے صبر اور نماز کا سہارا لو

مرسلہ صوفی صبیحہ عاشی (رامپور)

تشنہ احساس

عفت موہانی

نیلم کے ساتھ بالکل افسانے کہانیوں کی سی روایتی بات ہوگئی تھی۔ پہلے پہل تو اس نے اپنے دل کو یہ کہہ کر دلاسہ دیا کہ بھائی ایسا بھی کیا ستم ہے۔ وہ کوئی ناسمجھ بچی نہیں رہی ہے کہ ابا میاں اور اماں کے خلاف احتجاج ہی نہ کرسکے۔ آخر اس نے بھی گریجویشن کیا ہے۔ اکثر تقریری مقابلوں میں انعام لئے ہیں۔ اب کیا والدین کے سامنے بس ایک انکاری لفظ ہی منھ سے نہ نکلے گا؟۔ اس نے کمر ہمت کس لی، بلا سے اماں غرائیں گی، ابا میاں آنکھیں نکالیں گے۔ لیکن وہ ایسی بودی نہیں کہ سر جھکا کر مستقبل کی اندھی راہ پر چل نکلے جبکہ ہم سفر بھی پسندیدہ نہ ہو۔! ابا میاں نے اسے مزید تعلیم نہیں دلائی۔ گھر بٹھا لیا اور الٹی میٹم دے دیا کہ وہ جو کتب بینی کی بڑی شوقین ہے وہ بھی بند۔ انھیں شاہد کا گھر میں آنا جانا قطعی پسند نہ نہ تھا۔ شاہد ان کا کرایہ دار تھا۔ کسی ضلع سے شہر آیا تھا اور مکان کی تلاش میں چکراتا ہوا ابا میاں سے آٹکرایا تھا۔ باہر کا کمرہ ابا میاں نے اسے قلیل سے کرایہ پر دے دیا۔ پھر تھوڑے دنوں بعد اس کے صاف ستھرے خصائل کا معائنہ کرنے کے بعد انھوں نے اماں سے کہا کہ بے چارہ اکیلا لڑکا نجانے کہاں کھاتا پیتا ہے۔ پڑوسی کا بڑا حق ہے لہذا اسے اپنے ساتھ ہی کھانے پر مدعو کرنے لگے۔ اماں کب تک یہ سروس انجام دیتیں۔ دسترخوان پر نیلم کا آمنا سامنا ناگزیر ہوگیا۔ لیکن بھئی واہ۔ کیا لڑکا تھا کہ اس نے آنکھ اٹھا کے کبھی نیلم کو نہیں دیکھا۔ سر جھکائے بیٹھا رہا لیکن وہ بھی کیا کرتا جبکہ دو مومی ہاتھ کچھ لرزتے بار بار اس کے سامنے رکابی کٹورے اٹھاتے رکھتے دکھائی دیتے رہے!

ابا میاں تو اس کی شرافت پر جھوم گئے۔ پھر جب وہ ان کے ساتھ دو چار دفعہ مسجد گیا اور نماز بڑے ادب سے پڑھی قرینے سے دیر تک سجدے میں سر رکھے رہا اور آنکھیں بند کر کے دعا مانگی تب ابا میاں نے خدائے کریم کا ہزار بار شکر ادا کیا کہ اس ناہنجار [illegible] دور میں ایسے فرشتہ صفت لڑکے بھی مولی نے پیدا کئے ہیں۔!

بس اس طرح۔ جب وہ ابا میاں کے دل پر چڑھ گیا تو اماں بھی گرویدہ ہوگئیں۔ اور شاہد گھر میں اپنے ہی بچے کی طرح آنے جانے لگا!۔ پہلے پہل تو وہ خود کو بڑا لئے دیئے رہا تھا۔ اس کے بعد گھر کے ماحول کا اندازہ کر کے پر پرزے جھاڑے۔ ایک دفعہ کوئی ناول نیلم کو بھجوایا۔ ناول چھپ کے پڑھنے کا تھا۔ نیلم نے اسے پڑھا اور سر سے پاؤں تک پسینے میں ڈوب گئی۔ لیکن ایک نئی سنسنی سے روشناس ہوگئی۔ ایسا بھی ہوتا ہے دنیا میں۔ ہنھ۔ یہ پردے کی بوبو اماں اور ٹخنوں سے اونچا تہبند پہننے والے ابا میاں نے تو اسے کلیا میں بند کر کے رکھ دیا ہے۔ شاہد نے نئے جہانوں کی سیریں کرادیں۔ عورت اور مرد کی دزدیدہ نظریں بھی اس غضب کی تیز ہوتی ہیں کہ بڑے سے بڑے محافظ آہنی پردے میں شگاف ڈال کر ایک دوسرے تک پہونچ جاتی ہیں۔ شاہد اب بھی بڑا "اچھا بچہ" تھا۔ نیلم "بے حد معصوم" بچی تھی!۔ مگر۔ اور اس کے آگے جذبات و احساسات کا بحر ذخار تھا۔ جسے عبور کرنے کا فیصلہ دونوں نے کر رکھا تھا۔!

لیکن ابا میاں نے نیلم کے فیصلے سے بے خبر اس کا رشتہ اپنے بڑے بھائی کے لڑکے سے طے کردیا۔ ان کا بھتیجہ ان کا جانا پہچانا تھا۔ سعادت مند تھا۔ روزگار سے لگا تھا۔ نیلم اس کے گھر خوش رہ سکتی تھی۔ جب بات چیت طے ہوگئی تو نیلم کے پیروں تلے سے مٹی نکل گئی۔ یہ کیا ہوگیا۔ ابا میاں ایسے سخت گیر قسم کے نکل گئے انھوں نے اپنی گریجویٹ بیٹی کی مرضی بھی نہ لی۔ حد ہے جہالت کی۔ اور اماں بی۔ وہ تو خیر سے پڑھی لکھی بھی نہ تھیں وہ اگر یہ گنوار حرکت کرتیں تو بات بھی تھی۔ لیکن نیلم کی تعلیم دم بخود رہ گئی۔ اور جاہل اماں بی کے سامنے بھی چوں کی جسارت نہ کرسکی۔ ایسی تعلیم کو سات سلام۔ وہ تو خود کو بڑا بولڈ سمجھا کی تھی۔ مگر اس معاملہ میں اسے کیا ہوا گیا تھا کہ بس ٹکم ٹک دیدم دم نہ کشیدم۔ پھر اس نے فیصلہ کیا کہ ساری ہمت

وہ رفاقت کھا کر کے وہ یہ قطعی فیصلہ کم از کم اماں کو تو سنا ہی دے گی۔ وہ ابا میاں سے کہہ دیں گی۔!

لیکن وہ کچھ بھی نہ کر سکی۔ خاموش احتجاج ۔۔ کھانا نہ کھایا۔ روئی۔ یہ کوئی ایسی اچھنبے کی بات نہیں۔ بھلا کون لڑکی ہوگی جو ماں باپ کا گھر چھوٹنے کے خیال سے نہ روئے۔؟ شاہد سے بات کرنے کا موقع ہی نہ مل سکا۔ اب تک بھی کہاں ملا تھا۔ بس وہ تو کاغذی عشق تھا۔ اُدھر سے ناولوں کے کور میں خط رکھ کر اِدھر آتے اور اِدھر سے اُدھر جاتے!۔ سو ابا میاں نے نادری حکم لگا دیا۔ اخلاق خراب کرنے والے رسالے اور کتابیں گھر میں نہ آئیں۔ خبردار ۔ شاہد میاں کو منع کر دیا گیا۔ سب سے بڑا غضب تو یہ ہوا کہ وہ چھوٹا سا ملازم لڑکا جو بے خبری میں قاصد کے فرائض انجام دیا کرتا تھا۔ باپ کے ساتھ گاؤں چلا گیا۔ دلی جو ملازم باہر کے کام پر رکھا گیا وہ خاصہ موٹچھوں دار جگادری آدمی تھا۔ وہ زنانہ دلہیز ہی نہیں عبور کر سکتا تھا۔ پیغام رسانی تو بڑی دور کی بات تھی۔ لہذا یہ کاغذی گھوڑے بھی بس تھان ہی پر بندھے رہ گئے۔ اور گھر میں بیاہ کا سامان ہونے لگا!۔

نیلم یہ سوچ سوچ کر خون پانی ایک کر رہی تھی کہ اس نے جو بے حد زور و شور سے اپنی محبت کا یقین شاہد کو دلایا تھا۔ سو اب بے چارے شاہد کا کیا حال ہوگا؟۔ اسے تمام ناولوں کے ناکام ہیرو یاد آنے لگے۔ محبت میں ناکامی کے بعد جو شیو کرنا بھول چکے تھے۔ جن کے بھرے بھرے رخساروں پر داڑھی نے اُگ کر انھیں زیادہ خوبرو پرکشش بنا دیا تھا جو اپنی خمیدہ پلکوں والی بڑی بڑی آنکھوں میں دنیا بھر کی اداسیاں بھرے میر و غالب کے اشعار آہیں بھر بھر کے گایا کرتے تھے۔ ہائے۔ شاہد بھی یہی سب کچھ کرے گا۔ یہ تا دھونا آہیں بھرنا۔ اس کے گالوں پر بھی داڑھی اُگ آنے گی مجلا فسردہ انداز میں مسکرائے گا کہ دل لوٹ لے گا ۔۔ کوٹ پتلون پہنے گا، پڑھنا لکھنا چھوڑ دے گا۔ اور پھر ادھورے مستقبل کے خشک صحرا میں بھٹک جائے گا۔!

نیلم کو ماقعت تھی۔ اب وہ یوں کدکڑے لگاتی نہ پھرے۔ وہ اپنے کمرے تک محدود تھی۔ کیا کرتی بے چاری۔!

اس دن اچانک بڑی بھابھی کی طبیعت خراب ہوگئی ۔۔ اماں اور ابا میاں ہول جول میں ہسپتال جا رہے تھے۔ گھر میں بس چھوٹے چھوٹے بچے رہ گئے تھے۔ تو موقع بڑا عمدہ تھا!

۔۔ نیلم پھول سارے جسم میں دھما دھم کرتا پھر رہا تھا!۔ شاہد دوپہر کو یونیورسٹی سے گھر آیا۔ اور ہمیشہ کی طرح کھانے کے لئے گھر کے اندر داخل ہوا۔

بچے اتنے چھوٹے تھے کہ انھیں کسی قسم کی گفتگو کی تہ میں پہونچنے کا ادراک نہ تھا۔ وہ دسترخوان پر موجود تھے۔ اور ان میں پستو والے پیل اور انڈوں کی تقسیم پر جھگڑا فساد ہو رہا تھا!۔

"میں نے کیا سنا ہے؟ نیلم" شاہد نے کہا۔

نیلم کو فوراً رونا آگیا "میں تو ابا میاں سے کہہ نہ سکی۔ آپ نے کہا ہوتا!۔

اچھا اچھا۔ میرا تو کلیجہ منہ کو آیا جا رہا ہے" شاہد نے کہا۔ پھر بولا "میں تو آج ہی چچا جان سے بات کرتا مگر یہ چچا جان اور چچی جان گئے کہاں ہیں۔؟"

"میٹرنٹی ہوم" نیلم بولی "بھابی کا کیس بگڑ گیا ہے۔ لیڈی ڈاکٹر کہہ رہی تھی کہ ماں یا بچے میں سے بس کوئی ایک ہی بچ سکتا ہے!۔

"فضول" شاہد نے کہا "ماں کو لے کر کیا کرنا ہے" وہ ہنس پڑا "بچے تقدیر سے ملتے ہیں" مگر پھر بھابی اصل خیر سے اپنا پہلوٹھی کا سنبھالے کر گھر آگئیں۔ شاہد نے ابا میاں سے عرض مدعا کی۔ انھوں نے لاپرواہی سے کہا۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ نہ وہ اپنے بڑے بھائی سے شرمندہ ہوں گے نہ خاندان میں ذلیل ہونا پسند کریں گے ۔۔ بات ختم ہوگئی۔

نیلم مارے باندھے ہی سہی۔ حفیظ میاں کی دنیا میں آگئی۔ اسے حفیظ میاں سے قلبی نفرت تھی۔ ارے کہاں وہ ہیروؤں کا سا انسان، شاہد۔ پڑھا لکھا، نفاست پسند، ہائے وہ لبوں کے کونے میں سگریٹ دبانے کا انداز۔ وہ ہنسنے کی ادا۔ گفتگو کا لہجہ۔ اور کہاں یہ گنوار۔ صرف میٹرک پاس، ادبیت کے کنارے تک نہیں پھٹکا۔ شاید یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ غالب اقبال کون تھے۔ زندہ بھی ہیں کہ گزر گئے۔ وہ منہ کھول کر ہنسنا جیسے بھوں بھوں کر کے کوئی گھڑے سے پانی انڈیلے۔ نیلم کی تو ایک ایک بات پر جان جلتی تھی۔ کیا ہوا اگر

وہ اپنی دوکان سے روپیہ جوڑ رہا تھا۔ نیلم کبھی اسے اپنی محبت نہ دے سکی۔ وہ تو اسے شوہر ہی ماننے پر تیار نہ تھی۔ منہ۔ ایسے ہوتے ہیں شوہر! اس کی نفرت ترقی پر تھی۔ جیسے جیسے حفیظ میاں کی محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اس کی نفرت میں ترقی ہوئی۔ اس نے کبھی ہنس کر یا محبت سے یا دلار سے ان سے بات نہ کی۔ وہ اسے چمکارے جاتے یہ گال پھلائے جاتی۔ چھ سات مہینوں میں انھوں نے اس کے لئے اس طرح زیور اور ملبوسات کے انبار لگائے جیسے وہ محبوبہ ہو۔ اجی۔ بیوی کے ساتھ محبت کرنا تو فرض ہے۔ اور محبوبہ کے ساتھ محبت میں بھی ایک بانکپن ہے۔ نیلم کے ناپسندیدہ سلوک سے کبھی حفیظ میاں کی پیشانی پر شکن نہیں آئی۔ وہ تو بس اس کے جواب پر ہنس دیتے تھے۔ گالیاں کھا کے بے مزہ نہ ہونے والی بات تھی۔ بھلا ایک پڑھی لکھی بیوی ایسے جی حضور قسم کے میاں کو کیوں پسند کرتی۔ وہ تو ان کی بے پناہ محبت سے اوب چکی تھی۔ کیسا آدمی ہے۔ نہ خفگی نہ غصہ، نہ ڈانٹ پھٹکار نہ تلخ ترش۔ مرد تو سخت گیر اور تھوڑے بہت ظالم ہی اچھے لگتے ہیں۔ اس کی نفرت اور بیزاری نے یہاں تک ترقی کی کہ وہ سوچنے لگی۔ اب ان سے علیحدگی ہی اچھی ہے۔ ابھی وہ کوئی ترکیب لڑا ہی رہی تھی کہ اس پر ایک نئی مصیبت پھٹ پڑی۔ جس نے اسے لرزا کر رکھ دیا۔ اس کی پہلی ہی ابکائی نے سسرال بھر میں مسرت کی لہر دوڑا دی تھی۔ پھر جب حفیظ میاں کی اماں جان نے اپنی خاندانی دائی سے تصدیق کروائی تو جیسے در و دیوار سے شہنائیاں بج اٹھیں۔ ایک عرصہ بعد وہ لوگ چھوٹے بچے کا منہ دیکھنے والے تھے۔ اب بس نیلم کو سر پر بٹھانے کی کسر تھی۔ حفیظ میاں نے ٹانکوں پھلوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ ہر صبح ہر شام اس پر سے وار کر کے صدقہ دیا جاتا۔ اللہ آمین کر کے مہینہ گزرتا تو اماں جان نیاز دلائیں۔ ان کے یہاں تو دل باغ باغ تھے اور یہاں نیلم اپنی تقدیر کو کوس رہی تھی۔ یہ آفت اگر نہ آتی تو وہ کبھی کی گھر بیٹھ رہتی۔ اب بھی اسے شاہد یاد آتا۔ معلوم نہیں اس کی جدائی نے اس کا کیا حال کیا تھا۔ غریب گریبان چاک پھر رہا ہوگا۔ کون حال کہے۔ رازدار ہے ہی کون۔ کسی سے پوچھے۔ اس کی یاد آتی اور بے پڑھے لکھے سالوں کے قصے بھلا دیئے اور ضرورت سے زیادہ بھولے حفیظ میاں پھر سے من اترے ہو جاتے!!۔

اور پھر ایک گرگٹاتے لمحہ کی سیڑھی چڑھتی وہ نویں مہینے کی منزل پر آ کھڑی ہوئی۔ احتیاط تو بہت تھی۔ مگر نجانے کیا ہو گیا کہ اسے بیہوشی کی حالت میں نرسنگ ہوم پہونچا دیا گیا۔ اس کے ساتھ سب تھے۔ ہق دق اماں، گھبرائی ہوئی دعائیں مانگتی اماں جان، باہر سب مرد۔ اور خود حواس باختہ حفیظ میاں۔ ان کا سانولا چہرہ بدحواسی اور پریشانی کے مارے زیادہ سانولا لگ رہا تھا!۔

لیڈی ڈاکٹر نے آپریشن تھیٹر کا دروازہ کھول کر اشارے سے حفیظ میاں کو اپنی طرف بلایا۔ تکلیف کی شدت نے نیلم کو ہوش کی دنیا میں لا کھڑا کیا تھا۔

ماں یا بچہ۔ بس۔ دونوں میں سے ایک بچ سکتا ہے" نیلم نے ڈوبتی سماعت سے لیڈی ڈاکٹر کی یہ دہشت ناک فیصلہ سنا اور بڑی تکلیف سے گردن موڑی۔ حفیظ میاں ہاتھ مل رہے تھے رو رہے تھے۔ گڑگڑا رہے تھے۔

"بس ماں کو بچا لیجئے۔ وہی میری دنیا ہے۔ میں بچہ لے کر کیا کروں گا۔ مجھے بچہ نہیں چاہیئے۔

"آپ کسی طرح نیلم کو بچا لیجئے۔ خدا را"

اور نجانے کون سا جذبہ ایک درد بن کر اس کے جسم میں تڑپ اٹھا۔ وہ چیخ پڑی اس کے ذہن میں شاہد کا لہجہ سرسرا رہا تھا۔

"ماں کو لے کر کیا کرنا ہے۔ مگر بچے تقدیر سے ملتے ہیں"

نہیں نہیں — وہ تکیہ پر سر رگڑنے لگی۔

پھر درد کی لہر اسے بے ہوشی کے گہرے سمندر میں اتار گئی۔

ہوش آیا تو دیکھا۔ اس کے پاس سب تھے۔ حفیظ میاں کی آنکھوں میں آنسو لرز رہے تھے مگر ہونٹوں پر بے ساختہ مسکراہٹ تھی۔

ادھر دیکھو" وہ بے ضبط ہو کر بولے "تمہارا بیٹا——

آگے اس نے نہیں سنا۔ اپنے بیٹے کو دیکھنے کی بجائے اس نے بھرپور انداز میں حفیظ میاں کو دیکھا۔ اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی! اسے اپنی کوتاہیوں کا تاوان چکانا ہی تھا!!

محبت کی میٹھی زبان

ترجمہ:۔ نعیم انہونوی

کیا آپ نے کبھی اپنا عکس نمائشوں میں لگے ہوئے ان شیشوں میں دیکھا ہے جو یا تو آپ کو بے حد موٹا یا بے حد چھوٹا یا بے حد لمبا دکھاتے ہیں؟ اگر ہاں تو آپ کو وہ عکس دیکھ کر کیسا لگا تھا۔ عجیب سا مگر پھر بھی آپ ہنسے ہوں گے کیونکہ آپ یہ جانتے ہیں کہ وہ عکس اصلی نہیں ہے۔ مان لیجئے کہ آپ نے صرف انہیں شیشوں میں اپنا عکس دیکھا ہوتا اور یہ نہ جانتے ہوتے کہ یہ شیشے غلط ہیں تو آپ کو یقین ہو جاتا کہ آپ ویسے ہی لگتے ہیں جیسا عکس شیشے میں نظر آتا ہے۔ آپ کو یہ خیال کبھی نہ آتا کہ شیشے غلط ہیں اور نہ آپ ان شیشوں کو اپنے اس عکس کے لئے ذمہ دار ٹھہراتے۔ اسیطرح ایک بچہ اس عکس کو غلط نہیں سمجھتا جو اس کے ماں باپ اس سے متعلق ظاہر کرتے ہیں وہ ان کے ان خیالات کو صحیح ماننے لگتا ہے جو وہ اس کے بارے میں ظاہر کرتے ہیں خواہ وہ برائی کرنے والے ہوں یا تعریف کرتے ہوئے جملے ہوں۔ بچہ یقین کرلیتا ہے کہ وہ بے وقوف ہے بزدل ہے نااہل ہے کاہل ہے اگر ہر وقت اس کے ماں باپ اس کے بارے میں یہی کہتے ہیں۔ اس طرح بچے کو اچھا قابل اور خوبصورت بننے میں مدد نہیں ملتی۔ بچے کو تنقید کے بجائے مشوروں اور معلومات کی ضرورت ہوتی ہے اور محبت سے بھی زیادہ اسے سمجھنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

ایک بار اسٹیون جیسے ہی ڈش کی ساری کی ساری پڈنگ اپنے پیالے میں نکالنے چلا تو اس کی ماں فوراً اسے ڈانٹنے چلی کہ تم خود غرض ہو صرف اپنے ہی بارے میں سوچتے ہو تم اس گھر میں اکیلے ہی تو نہیں ہو۔ مگر اسے فوراً خیال آگیا کہ ایک بچے کے عیبوں کے بارے میں ٹوکنے سے بچہ اچھا نہیں ہو جاتا۔ لہذا اس نے اسٹیون سے کہا کہ اسٹیون پڈنگ چار لوگوں میں تقسیم ہوتی ہے۔ اسٹیون کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور اس نے معافی کے ساتھ صرف اپنا حصہ لے لیا۔

دراصل ہم لوگ اس بات سے غافل رہتے ہیں کہ جو الفاظ ہم روزمرہ استعمال کرتے ہیں ان کا اثر کیا ہوتا ہے۔ ہم ان الفاظ کی بوچھار اپنے بچوں پر بغیر سوچے سمجھے کرتے رہتے ہیں۔ ہم حکم دیتے ہیں، صلاح دیتے ہیں ڈانٹتے ڈپٹتے ہیں اور ان کے معاملات میں دخل دیتے ہیں اور جو کچھ بھی ہماری زبان پر آتا ہے کہہ دیتے ہیں۔ ہم ان الفاظ پر توجہ نہیں دیتے جو نقصان دہ ہوتے ہیں۔ ہم اپنے لب لہجہ سے غافل رہتے ہیں، ہم اچھا اخلاق اور شعور بھول جاتے ہیں۔ بچوں کو بددعائیں دیتے ہیں کوستے ہیں اور مارتے بھی ہیں:

یہ باتیں ہم محبت کی کمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اپنی لاعلمی کی وجہ سے کرتے ہیں۔ بچوں سے رابطہ قائم کرنے کے لئے اصل میں ہم وہ الفاظ نہیں استعمال کرتے جو بچے کو اس کی اہمیت بتلائیں اور اسے یہ محسوس کرائیں کہ ماں باپ کو اس کی ضرورت ہے۔

ایسا نہیں ہے کہ ہم ایسے الفاظ جانتے نہیں ہیں۔ یہ وہی الفاظ ہیں جو ہم اپنے مہمانوں اپنے ملنے والوں اور غیروں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ وہ الفاظ جو ان کے احساس کی قدر کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ نہیں جو تنقیدی ہوں۔ اس لئے کیا یہ ضروری نہیں کہ وہی الفاظ ہم ان بچوں کے ساتھ استعمال کریں جن سے ہمیں بے پناہ محبت ہوتی ہے؟

ایک بار آٹھ سالہ گریگ اسکول سے اپنے گھر بڑا ناراض لوٹا۔ وہ آتے ہی روتے ہوئے اپنی ماں سے بولا کہ اب میں اسکول نہیں جاؤں گا مجھے اپنی ٹیچر سے نفرت ہے۔ عام طور پر ماں باپ اسے یہ جواب دیتے کہ ٹھیک کیا ٹیچر نے یہی نتیجہ ہوتا ہے دھیان سے نہ پڑھنے کا، مگر گریگ کی ماں یہ سمجھتی تھی کہ جب بچہ دل دکھا ہوا ہو تو وہ تنقید نہیں محبت توجہ اور ہمدردی چاہتا ہے۔ اس لئے اس کی ماں نے کہا "تمہارے لئے تو یہ بڑی شرمندگی کی بات ہوگی کہ ٹیچر نے تمہیں سب کے سامنے ڈانٹا۔ تعجب نہیں کہ تم ناراض ہو۔ کوئی بھی اس طرح کی ڈانٹ نہیں سننا چاہتا۔" اس طرح ماں

نے نہ تو پھر یہ الزام لگایا نہ اپنے لڑکے پر ناراض ہوئی بلکہ اس نے وہی جذبات دوہرائے جو بچے کے دل میں تھے۔ ایک بچے کی ترقی اور اس کے کردار کی ارتقا میں تو سبھی دلچسپی لیتے ہیں مگر ماں، باپ ہی وہ ہستیاں ہیں جنھیں بچے کے احساسات کا بھی خیال ہوتا ہے اور ہونا چاہیئے۔

ایک بچہ اپنے احساسات پر قابو نہیں رکھتا۔ یہ بڑی ہمت کی بات ہوتی ہے کہ وہ اپنے خیالات کو ظاہر کرتا ہے۔ ہمارا فرض ہے کہ ہم اس کے احساسات کو ظاہر کرنے پر کوئی پابندی نہ لگائیں۔

چار سالہ ڈیبی نے ایک روز اپنی ماں سے کہا کہ وہ اپنی نانی سے نفرت کرتی ہے ماں کو فوراً غصہ آگیا اور وہ بولی نہیں تم ان سے نفرت نہیں کرتی ہو اس گھر میں نفرت ہے ہی نہیں۔ وہ تمہیں کتنی چیزیں دیتی ہیں اور تم یہ کہتی ہو مگر ڈیبی نہیں مانی ماں کو اور غصہ آیا تو اس نے ڈیبی کی پٹائی کرنی شروع کردی تو فوراً ڈیبی نے مار سے بچنے کے لئے کہہ دیا کہ ہاں وہ نانی سے محبت کرتی ہے۔ یہی پر ماں نے اسے گلے سے لگا لیا اور کہا کہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔ مگر ڈیبی نے کیا سیکھا۔ یہی کہ سچ بولنا خطرناک ہوتا ہے۔ جب سچ بولو تو مار کھاؤ جب جھوٹ بولو تو پیار پاؤ۔ اسی لئے اچھا یہی ہوتا کہ ماں ڈیبی سے کہتی کہ کوئی بات نہیں۔ میں سمجھتی ہوں تمہارے جذبات کو تمہیں اپنی نانی سے محبت ہو یہ ضروری نہیں مگر تم ان کی بزرگی کا لحاظ رکھنا اور ان کی عزت ضرور کرنا۔

میں خود ایک نفسیاتی ڈاکٹر ہوں اور میں یہ جانتی ہوں کہ میں جس طرح اپنے مریضوں سے گفتگو کرتی ہوں اس سے بڑا فرق پڑتا ہے۔ الفاظ میرے اوزار ہیں۔ اسی لئے کچھ سال پہلے مجھے احساس ہوا کہ یہ کتنی غلط سی بات ہے کہ نااہل ماں باپ اپنے بچوں کو نقصان پہنچاتے رہیں اور پھر ہم نفسیاتی ڈاکٹر ان کا علاج کریں۔ اور اس وقت میں اسی بات کی طرف اور زیادہ متوجہ ہوئی جب میں نے خود غور کیا کہ میں اپنے بچوں سے کس طرح گفتگو کرتی ہوں۔ مجھے محسوس ہوا کہ جیسے میری ماں مجھ سے بول رہی ہو۔ وہی لب و لہجہ وہی ناراضگی وہی جھنجھلانا اور اپنے پر افسوس ظاہر کرنا۔

اس کے بعد میں نے فیصلہ کیا کہ اب سے میں اپنے بچوں سے بھی اسی طرح بات کروں گی جس طرح میں اپنے مریضوں سے بات کرتی ہوں۔

یہ غلط ہے کہ صرف وہ ماں باپ جو خود ذہنی [illegible] وہی اپنے بچوں کو نقصان پہنچاتے ہیں بلکہ وہ ماں باپ جو [illegible] خوش و تندرست ہوتے ہیں وہ بھی نقصان دہ زبان [illegible] اپنے بچوں کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ بچے [illegible] سن کر بھی جھینپتے ہیں۔ ضرورت ایسے جملوں کی ہے جو خوشی اور [illegible] کریں۔

اکثر جب یہ باتیں ماں باپ کو سمجھاتی ہوں تو وہ کہتے ہیں کہ میرے بچے تو اب بڑے ہوگئے ہیں۔ مگر یہ کوئی بات نہیں بچے چاہے ۱۹۔۲۰ برس کے ہی کیوں نہ ہوں ان پر بھی اچھے الفاظ کا اثر اچھا ہوتا ہے اور خاص طور پر اسی لئے کہ اس عمر میں بچے اپنا نئی زندگی کے اردگرد اپنے کو سنبھالنے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ ماں باپ ان پر جیسا چاہیں اثر ڈالیں۔ ان سے محبت کی [illegible] سے بڑا اہم، اچھا اور عمدہ اثر ہوتا ہے۔

اب چند باتیں میں اس مضمون کے بحث کے متعلق کہنا چاہتی ہوں۔ اس مضمون کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اپنے بچوں کو لاڈ پیار ہی دیں۔ ان کی ہر ضد پوری کریں۔ ان کو کوئی بری بات کرنے سے منع نہ کریں۔ دراصل بات تو یہ ہے کہ آپ ان کو ہدایت بھی دیں ان کی بری عادتیں بھی چھڑوائیں ان کو اچھی باتیں بھی بتلائیں مگر یہ سب ایسی زبان میں ہوں جو ان کی بے عزتی نہ کرے جو ان کا دل نہ دکھائے۔ مثلاً آپ کا بچہ ننگے پیر پھرتا ہے۔ تو آپ اس کو بجائے ڈانٹ یا مار کر اس کی یہ عادت چھڑائیں تو غلط ہوگا۔ آپ اس سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ دیکھو ننگے پیر پھرنے سے ایک تو تمہارے پیر گندے ہوتے ہیں دوسرے کوئی چیز اگر زمین پر پڑی ہوگی تو تمہارے پاؤں میں چبھ جائے گی اس لئے اچھا یہی ہے کہ تم چپل پہنے رہا کرو۔ انھیں سمجھائیے بتائیے مگر ان کو برا نہ بتائیے، ماریئے اور کوسیئے مت۔

ایک اور پہلو بھی ہے بیشتر ایسا ہوتا ہے کہ ماں باپ [illegible] یا اکیلے میں کبھی بچے کی خوب تعریف کرتے ہیں اور جب [illegible] کی کسی غلطی پہ تو اسے برا بتلاتے ہیں۔ بچہ اس مشکل [illegible] الجھن میں پھنس جاتا ہے کہ آخر وہ اچھا ہے یا برا [illegible] یہ اثر ہی آگے چل کے بچے کو نفسیاتی مریض بنا دیتا ہے۔ [illegible]

شکار ہوجاتا ہے جس میں کبھی وہ بہت خوش اور خود اعتماد رہتا اور کبھی بزدل اور بے اعتماد بن جاتا ہے SPLIT PERSONALITY اسے کہتے ہیں یعنی آدمی کے دو ٹکڑے ہوجاتے ہیں ذہنی۔ اس لئے آپ اپنے بچے سے ایک دوستانہ اور عزت دینے والا لہجہ اختیار کریں تاکہ وہ آگے چل کے ایک اچھا مکمل اور خود اعتماد بن سکے۔

ایک بات اور ہے۔ بزرگوں کی مثل مشہور ہے کہ جو بچے اپنے ماں باپ کی دعائیں لیتے ہیں۔ وہ جنت میں جاتے ہیں اور تقدیر والے ہوتے ہیں اور جو بد دعا لیتے ہیں وہ ہمیشہ جلتے رہتے ہیں اب تک شاید کوئی بھی ان مثلوں کا اصلی مطلب نہیں سمجھا ہے مگر اب ہم نفسیاتی بنا پر یہ کہہ سکتے ہیں کہ دراصل جن بچوں کے ماں باپ بچے سے خوش رہیں گے ان کی تعریف و عزت کریں گے اور محبت سے پیش آئیں گے۔ اور وہ بچے بڑے ہوکے اچھے انسان بنیں گے اور اگر ماں باپ بچے کو برا کہتے رہیں گے تو وہ بڑا ہوکے اچھا مکمل اور خود اعتماد والا انسان نہ بن سکے گا اور ہمیشہ دکھی اور پریشان اور برا رہے گا۔ کیونکہ اب ہمیں یہ معلوم ہوگیا ہے کہ بچے پر بچپن میں جو اس کے ساتھ برتاؤ ہوتا ہے وہ بے حد اہم اور گہرا ہوتا ہے بچپن ہی میں بچہ اپنی زندگی کس طرح گزارے اس کی بنیاد پڑ جاتی ہے۔ اس لئے ماں باپ کو چاہیئے کہ وہ اپنے بچوں سے ایسا برتاؤ کریں جو نقصان دہ نہ ہو۔

حریمی دسترخوان

کھانا پکانے کے فن پر ادارہ حریم کی مرتب کردہ یہ کتاب بہت عرصہ قبل سالنامہ حریم کی شکل میں شائع ہوئی تھی اور اتنی پسند کی گئی تھی کہ اس وقت سے اب تک اس کے متعدد ایڈیشن شائع ہوچکے ہیں۔ حریمی دسترخوان میں ہر طرح کے معمولی اور دعوتی کھانے وغیرہ پکانے کی ترکیبیں پوری تفصیل کے ساتھ سمجھا کر لکھی گئی ہیں اور اسی وجہ سے یہ کتاب اکثر لڑکیوں کو جہیز میں دی جا رہی ہے۔

ہر گھر میں حریمی دسترخوان ہو تو بڑی آسانیاں ہوتی ہیں۔ کچھ نہ جاننے والیوں اور سب کچھ جاننے والیوں کی ہمدرد و مشیر۔

قیمت مجلد:۔ چھ روپیہ پچھتر پیسے

لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ

اس گرانی کے زمانے میں غریب لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ بڑا ہی دشوار ہوگیا ہے۔ شادیاں شادیوں ہی کی طرح ہوتی ہیں۔ لچکے ٹھپے سے کپڑوں کو چمکانے اور بھڑکانے والی چیزیں بھی اتنی گراں ہوگئی ہیں کہ ان کا خریدنا آسان نہیں رہا۔ ایک دوپٹہ کے لئے معمولی سا لچکا بھی لیا جائے تو بیس پچیس روپیہ سے کم نہیں نہ آئے گا۔

پتلی سی کرن بھی آنچل میں لگائیے تو بیس روپیہ میں آئے گی۔ شادیوں کے دسیوں جوڑوں کے لئے یہ سب لیا جائے تو سینکڑوں روپیہ صرف ہوجاتا ہے پھر شادی بیاہ پر ہی منحصر نہیں۔ خواتین اور لڑکیاں عام دنوں میں لچکے لگے دوپٹے استعمال کرتی ہیں۔ سورتی بیلیں اور چمپا چکلی وغیرہ لگاکر دوپٹے اور ساریاں پہنتی ہیں۔

ان مشکلات کا حل سائنسدانوں نے یوں نکالا ہے کہ اسٹیل کا سامان تیار کردیا اور ایسا کہ چاندی سے زیادہ دلکش بھڑکیلا یہ بھی نہیں کہ استعمال سے کالا پڑ جائے یا خراب ہوجائے اور دام نسبتاً بہت ہی کم۔ نائلون کے ستارے سنہرے ستاروں کو ماند کرتے ہیں۔ یہ اتنے ہلکے ہوتے ہیں کہ ایک تولہ میں لاتعداد چڑھتے ہیں ان کی چمک دمک آنکھوں کو خیرہ کرتی ہے۔ اس طرح کا سامان آپ کو

نعم البدل

ناجیہ شمس

ایک ایک کرکے سبھی مہمان رخصت ہو چکے تھے کمرے میں اداسیاں ڈیرے ڈالے ہوئے تھیں۔ سعیدہ بیگم نے بڑی حسرت سے کمرے میں رکھی ایک ایک چیز کو دیکھا سارے کمرے میں سامان ادھر ادھر بکھرا پڑا تھا اور خود وہ کونے میں سمٹی بیٹھی تھیں۔ آج یہ کمرہ کتنا خالی خالی لگ رہا تھا کبھی اتنا شور اٹھتا تھا کہ کانوں پڑی آواز بھی سنائی نہ دیتی تھی من میں اٹھتے شور سے گھبرا کر وہ باہر نکل آئیں۔ دروازے کا پٹ تھامے وہ لمبی پیچدار سڑک کو گھورنے لگیں۔ جہاں سے ابھی ابھی ان کی بیٹی نازیہ کی ڈولی گزر گئی تھی۔ تین ڈولیاں اس دہلیز سے نکل کر اسی سڑک سے گزر کر ان کی آنکھوں سے اوجھل ہو گئی تھیں۔ انھوں نے سینے پر ہاتھ رکھ لیا جیسے دل کو دلاسا دے رہی ہوں۔ ان کی پلکیں بھیگ بھیگ گئیں اور جھیلوں میں ڈوب کر وہ دور۔ بہت دور نکل گئیں۔

اپنی تمام تر رعنائیوں سمیت جب وہ اپنے پیا کے آنگن میں اتری تھیں تو ابھی محبت کے نام تک سے ناواقف تھیں۔ ان کی آمد پر خالہ اماں کی خوشیاں قابلِ دید تھیں اور سلیم سے ان کی خوشیاں چھپائے نہ چھپتی تھیں دوستوں کے ہجوم میں ان کا قہقہہ سب سے زیادہ بلند اور واضح سنائی دیتا تھا اور یہی بات سعیدہ کے معصوم دل کو خوشیوں اور محبتوں سے آشنا کر گئی۔ خالہ اماں کی محبت اور سلیم کی چاہت نے سعیدہ بیگم کو دنیا کی ہر بات سے بیگانہ کر دیا۔ اور پھر خوشیاں دو چند ہو گئیں۔ جب خوبصورت سی راضیہ نے جنم لیا۔ سلیم ایسے خوش تھے جیسے ہفت اقلیم کی دولت مل گئی ہو اور خالہ اماں نے تو کئی بار اس کا بوسہ لے لیا تھا۔ تب سعیدہ نے چپکے چپکے سوچا تھا کہ "اتنا خوبصورت باغیچہ کلیوں کے بغیر تو سونا ہی لگتا تھا" راضیہ کے دو سال بعد شازیہ اپنی تمام تر معصومیت سمیت سعیدہ بیگم کی دنیا کو رنگین تر بنانے چلی آئی تو سعیدہ بیگم جی جان سے لرز گئیں۔ بیٹیوں کے پیدائش کہیں خالہ اماں کی محبت کو نفرت میں ہی نہ بدل دے مگر اس کے بالکل برعکس گھر میں مختلف قسم کی گڑیوں اور کھلونوں کے ڈھیر لگ گئے۔ شازیہ کے بعد شہزاد اور شہزاد کے بعد نازیہ نے جنم لیا اور سلیم اور سعیدہ کی جنت مکمل ہو گئی۔ محبتیں دوبالا ہوتی رہیں۔ اس گھر پر نعمتوں کی بارش کی صورت میں برس پڑیں۔ سعیدہ، سلیم اور خالہ اماں نے بچوں کی نگہداشت اور تربیت میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی

کلیاں پھول بن گئیں۔ راضیہ کا بچپن سنجیدہ لڑکپن بن گیا۔ شازیہ کا بال جھٹکنے کا انداز دلفریب ہو گیا۔ نازیہ کے قہقہے مزید شوخیوں سے بھر گئے اور شہزاد کا بچپن دھیرے دھیرے وجاہت کے پیکر میں ڈھلنے لگا۔ ڈھیر سارے دن یوں گذر گئے تھے کہ احساس تک نہ ہو سکا تھا۔ سعیدہ اور سلیم انھیں دیکھ دیکھ کر جیتے تھے۔ راضیہ کا سنجیدہ پن شازیہ کا بال جھٹکنے کا انداز اور نازیہ اور شہزاد کی نوک جھونک بھی دل خوش کن تھے۔

جب خالہ اماں نے ان سب کا ساتھ چھوڑا، تب راضیہ ایم اے کا امتحان پاس کر چکی تھی۔ شازیہ بی اے میں تھی۔ شہزاد ایف ایس سی اور نازیہ میٹرک کا امتحان دے کر فارغ ہوئی تھی۔ ایک خلا سا پیدا ہو گیا تھا۔ مگر سلیم اور سعیدہ بیگم نے اپنی تمام توجہ بچوں کے مستقبل کی طرف موڑ دی اور وہ تقریباً کسی حد تک پھر لوٹ آئیں۔ شہزاد کا محبوب ترین مشغلہ نازیہ کو تنگ کرنا ہوتا اور تو اور وہ اپنی باجیوں راضیہ اور شازیہ کو بھی چھیڑنے سے باز نہ آتا۔

راضیہ سنجیدگی سے پڑھائی میں مصروف ہوتی تو اس کے عین سامنے آکر ہاتھ جھٹک جھٹک کر کہتا "باجو! اب تو پیا کے دیس جانے کی تیاریاں کریں۔ اب پڑھائی چھوڑ دیں"

"شہزاد۔ بجو تنبیہی انداز میں کہتیں تو وہ کتاب ان کے ہاتھ سے چھین کر میز پر رکھ دیتا اور اس سے پہلے کہ وہ اسے ڈانٹیں وہ اچھلتا ہوا ایک دم نکل بھاگتا۔

شازیہ بال جھٹک جھٹک کر سکھا رہی ہوتی تو وہ چپ چپ آتا اور اس کے بال نوچ کر یہ جا وہ جا ہوتا۔

[illegible] کی ورق گردانی میں مشغول ہوتا [illegible] سے کوئی نہ لگتا تھا۔

"[illegible] کہاں گیا۔" وہ نازیہ کے چھوٹے قد اور [illegible] وقت ہٹ کر تا اور یہ غصے سے بڑبڑانے لگتی "بھئی ایمان سے میں سمجھا تھا تم بیٹھ رہی ہو۔ مجھے کیا پتہ کہ تم میری باتیں سن رہی ہو" نازیہ اور شہزاد ایک دوسرے کے آگے پیچھے گھنٹوں دوڑا کرتے اور سعیدہ بیگم چپ چاپ تکا کرتیں۔ گھر کے کام کاج بھی اب راضیہ اور شازیہ نے سنبھال لئے تھے۔ سلیم رات گئے آفس سے لوٹتے تو چاروں ان کے کمرے میں آ بیٹھتے۔ سنترے، کیلے اور ڈرائی فروٹ سے ناشتہ [illegible] ہوا کرتا اور اتنے قہقہے لگتے کہ کانوں پڑی آواز تک سنائی نہ دیتی۔

راضیہ کی شادی سے پہلے چاروں بہن بھائیوں نے مل کر قسمیں کھائی تھیں کہ بالکل ہی رونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مگر راضیہ کے چلے جانے کے بعد تینوں اپنے اپنے کمروں میں چھپ چھپ کر روئے تھے اور سعیدہ بیگم چلتی پھلتی جذبات چھپائے ان کی معصومیت پر کھلکھلا کر ہنس دیتی تھیں۔ شازیہ نے ایم اے پاس کیا تو شہزاد میڈیکل کالج کے دوسرے سال میں تھا اور نازیہ الف ایس سی میں پڑھ رہی تھی۔ ان دنوں شازیہ کے رشتہ کی بات چل نکلی تو شہزاد بڑی سے بولا۔ امی ہمارا گھر تو خالی ہو جائے گا" مگر امی کے بولنے سے پہلے نازیہ بول پڑی۔

"ہمارا گھر بھر بھی سکتا ہے جناب۔"

"کیسے؟" شہزاد اداس نظروں سے شازیہ کو دیکھتا ہوا بولا۔

"عفت باجی کے آنے سے" نازیہ جیسے ایک دم پھٹ پڑی۔

"وہ کون ہے" شہزاد چونکا مگر پھر سنبھل کر بیٹھ گیا۔ امی ابو کی موجودگی اسے شرمندہ کر رہی تھی۔ اس لئے وہ انجان بن گیا۔

"وہی ــــ وہی" نازیہ نے آنکھیں مٹکا مٹکا کر کہا تو شہزاد سادگی جیسے بھول بھال کر اس کے سر پر سوار ہو گیا۔

"چپ ــ بھگی یا نوچوں تیرے بال" امی سب دیکھ رہی تھیں۔ ہنس پڑیں۔

"عفت اچھی لڑکی ہے شہزاد" شرما کر رہ گیا۔

وقت پلک جھپکتے گزر گیا اور شازیہ بھی پیا کے دیس چلی گئی۔ دن [illegible] کے جھگڑے [illegible] نازیہ کے ساتھ چپکا رہتا۔ دونوں ایک ساتھ پڑھتے۔ ایک ساتھ سیر کرنے جاتے اور جب کبھی راضیہ اور شازیہ ملنے کو آتیں تو پوچھ بیٹھتیں۔

"یہ اتنا پیار کہاں سے آ گیا ہے تم دونوں کے بیچ؟" تو دونوں ہنس دیتے "آپ تو دونوں بے وفا نکلیں۔ اب ہمیں تو سکون سے رہنے دیں" راضیہ اور شازیہ، نازیہ کا معصوم چہرہ دیکھ کر ہنس دیتیں۔

"تمہاری وفائیں بھی نازیہ بی! بالکل عارضی ہیں، کیوں امی؟" اور سعیدہ بیگم حسرت سے تینوں کے چہرے تکا کرتیں۔ وقت ہولے ہولے گزرتا رہا اور گھر میں ہر کام میں سعیدہ بیگم کے ساتھ نازیہ ہاتھ بٹانے لگی تھی۔ اب راضیہ کا دھیما پن اور شازیہ کی پروقار ہنسی کم ہی یاد آتی تھی۔

شہزاد ڈاکٹر بن گیا اور نازیہ ایم ایس سی میں پہنچ گئی۔ راضیہ ایک خوبصورت بچے کی ماں بن گئی اور شازیہ اپنے ہمسفر کے ساتھ کینیڈا چلی گئی۔

"اللہ! وقت کتنی جلدی گزر گیا۔ کیوں سلیم!" سعیدہ بیگم سلیم کے جھریوں بھرے چہرے پر بڑی محبت سے اچٹتی سی نظر ڈال کر کہتیں۔ سلیم مسکرانے لگتے۔

"تمہارے بالوں میں بھی چاندی کے تار چمکنے لگے ہیں سعیدہ" اور سعیدہ دوپٹہ سنبھالتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوتی۔ وقت ہے ہی بڑی ظالم چیز۔

وہ دن بھی کتنا مسحور کن تھا جس روز عفت نے سعیدہ بیگم کی بہو بن کر اس گھر میں قدم رکھا تھا۔ نازیہ کی خوشی سنبھالے نہ سنبھلتی تھی۔ بھابھی بھی ایسی کہ جس کی سارا زمانہ خواہش کرتا ہو، ایسی خدمت گزار سلیقہ شعار کہ سعیدہ بیگم کو بیٹیوں کی یاد ہی بھول گئی۔ نازی اور مسز عفت چھٹی کا دن سارا وقت اکٹھے گزارتیں۔ مختلف قسم کے کھانے پکائے جاتے۔ سیر و تفریح کے پروگرام بنتے راضیہ اور شازیہ کو خط لکھے جاتے۔ راضیہ کے بیٹے کے لئے نت نئے ڈیزائن کے کپڑے تیار کئے جاتے اور پھر شہزاد کے ساتھ مل کر رات گئے تک کیرم کھیلا جاتا۔ نازیہ نے ایم۔ ایس سی کیا تو ظالم وقت اسے بھی اپنے ساتھ بہا کر لے گیا۔ وہ بھی اپنے گھر سدھاری۔

اور آج اس وقت خالی کمروں میں بیٹیوں کی یادیں چاروں جانب بکھری دیکھ کر سعیدہ بیگم کا دل گھبرایا تو وہ باہر نکل آئی تھیں۔

"میری بچیو! تمہارا مستقبل مجھ سے اتنا دور کیوں چلا گیا۔" [illegible] کیوں لمبی خالی سڑک کو دیکھ کر سعیدہ بیگم کی آنکھیں ڈبڈبا آئیں۔ مینے

سمٹ چوک سی اٹھی اور انھوں نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

"کیا ہوا سعیدہ؟" سلیم نے سعیدہ کے شانے پر اپنا ہاتھ رکھا تو سعیدہ کی آنکھیں چھلک پڑیں۔

"نازیہ بھی چلی گئی سلیم" اتنی بے بسی تھی سعیدہ کی بات میں کہ سلیم بھی جان سے لرز گئے۔

"وہ تو پرایا دھن تھا سعیدہ! انھیں جانا ہی تھا" انھوں نے سعیدہ بیگم کو تسلی دی مگر اپنی دھڑکنوں میں بیٹیوں کی یاد وہ صاف طور پر محسوس کر رہے تھے۔

"میں ساری رونقیں دوسروں کے گھروں کے لئے پروان چڑھاتی رہی سلیم! میری لاڈلیاں ایک ایک کرکے چلی گئیں اور اس وقت پھر تنہا ہوں۔ پہلے کی طرح" سعیدہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھیں۔

"میری راضیہ کو اس کی ساری سنجیدگیوں اور خوبصورت باتوں سمیت لے گیا، میری شازیہ کی باوقار ہنسی کسی اور کے گھر کی رونق بن گئی اور میری نازیہ کی معصوم کھنک دار آواز کسی کے نام منسوب ہو گئی۔ یہ سب میرا تھا سلیم! اب میرا نہیں ہے۔

"یہ سب تمہارا نہیں تھا سعیدہ! یہ سب میرا نہیں تھا یہ رونقیں تو پیدا ہی اوروں کے لئے ہوا کرتی ہیں۔ میں تو بہت خوش ہوں کہ وہ سب اپنے گھروں کو سدھار گئیں" سلیم اسے تسلی دیتے رہے مگر ان کی آنکھیں بھی نم ہو چکی تھیں۔

"یہ سب آپ کہہ رہے ہیں سلیم! جو اپنی بیٹیوں سے بے انتہا محبت کرتے تھے اور آفس سے لوٹ کر آتے تو بے اختیار ان کے ماتھے چوم لیا کرتے تھے"

"میں ان سے محبت کرتا تھا نہیں کرتا ہوں۔ وہ میری بیٹیاں ہیں سعیدہ! میں عالم تصور میں اب بھی کئی بار ان کی بلائیں لیتا ہوں۔ میں پابل جو ہوا ان کا۔ یہ خالی خولی لمبی سڑک میرے دل میں بھی مچل مچلاتی ہے لیکن میں خوش ہوں کہ اس نے میری بیٹیوں، میرے جگر گوشوں کو پیا کے گھر تک پہنچا دیا" سلیم دھیمے دھیمے لہجے میں بولتے رہے اور سعیدہ جیسے سوچوں کی گہرائیوں سے ابھرنے لگی۔

"امی جان! چائے لاؤں؟" سعیدہ کو دور کہیں سے راضیہ نے پکارا۔ شازیہ نے ہاتھ بڑھائے اور نازیہ نے کپ اس کی جانب بڑھا دیا

آنسو سعیدہ بیگم کی آنکھوں سے رواں ہو گئے "میری بچیو! ماں کے دکھ سکھ بانٹنے بیٹھے تم بکھر کیوں گئیں؟ ماں سے ہی نہیں تم تو ایک دوسرے سے بھی الگ ہو گئیں" وہ سوچتی رہیں۔

"امی جان! چائے لاؤں؟" اب کے سعیدہ بیگم کو یہ آواز بہت قریب سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔ انھوں نے ایک دم پلٹ کر دیکھا۔ عفت بالکل قریب ہی کھڑی تھی۔ شادی کے ہنگاموں سے نمٹ کر ابھی اس نے کپڑے بھی تبدیل نہ کئے تھے۔ سبز کامدانی ساڑھی میں ملبوس زیور اور میک اپ سے بے نیاز تھی۔ آنکھیں شاید مسلسل رونے سے سرخ تھیں مگر چہرے پر مسکراہٹیں سجائے تھی۔

"ابو! چائے لاؤں؟" وہ اب سلیم سے مخاطب تھی۔ سلیم چند ثانیے اس کو تکتے رہے پھر جیسے چونک پڑے۔

"بھلا یہاں چوکھٹ پہ چائے پیتے ہوئے کیسے لگیں گے ہم؟ ادھر لان میں لے آؤ" سلیم زبردستی مسکرا رہے تھے۔

"اوہ امی! آپ ابھی تک رو رہی ہیں۔ چھوڑیئے بھی۔ آئیے مل کر چائے پیتے ہیں" سعیدہ بیگم نے عفت کے خلوص کا رنگ دیکھنے کو نظریں جو اٹھائیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئیں کہ اس کی سرخ سرخ آنکھیں پھر چھلکنے کو تیار ہیں۔ سعیدہ بیگم ابھی اس سے کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ سامنے برآمدے میں شہزاد برآمد ہوا۔

"اے عفت بیگم! تم تو چائے لانے کو کہہ رہی تھیں لگتا ہے آج چائے نہیں ملے گی" شہزاد ہنس رہا تھا۔

"ابھی لائی" عفت نے ساڑھی کے پلو سے دونوں آنکھیں رگڑ ڈالیں اور ایک دم اٹھ کر اندر کی طرف بھاگ گئی۔

سلیم اور سعیدہ نے اچانک ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور نجانے کیوں ایک پر اطمینان مسکراہٹ ایک ساتھ ان کے چہروں پر پھیل گئی۔ ہاتھوں پر ہاتھ ڈالے انھوں نے لان کی طرف قدم بڑھا دیئے جہاں میز پر چائے ان کی منتظر تھی۔ ایک کرسی پر شہزاد بیٹھا ہوا تھا اور عفت ٹرے لئے ادھر ہی جا رہی تھی۔ راضیہ کا سنجیدہ پن، شازیہ کا وقار، حسن اور نازیہ کی شوخیاں سب یکجا ہو کر عفت کا روپ دھار چکے تھے۔ سعیدہ بیگم نے سب سے نظر بچا کر بڑی شدت سے آنکھیں موندیں تو ٹپ ٹپ دو آنسو ان کے ہاتھ پر آ گرے۔ انھوں نے بڑی محبت سے

شیشے کی آنکھ

شاہدہ رمز غوث (حیدرآباد)

"یہ موگرا مانجھتے مانجھتے سردی کی وجہ سے اس کے ہاتھ شل ہو گئے۔ کتنی دیر سے اس موگرے کے پیچھے محنت کر رہی ہوں اور یہ ہے کہ صاف ہی نہیں ہوتا موا۔" وہ اپنے آپ بڑبڑا رہی تھی میری ہی قسمت کی طرح بنی ہے اس پر کالک ——— آنکھوں میں آنسوؤں کا پردہ چھا گیا ـ ممتا تڑپ کر سامنے آ گئی۔ "میری بچی! میری بیٹی اداس نہ ہو۔ مجھے یقین ہے تیرا دولہا آئے گا۔ یاں ویسے ہی دھوم دھام سے جس طرح ہماری حسرت تھی۔ اسی حسرت نے تو ہمیں وقت سے پہلے اس دارِ فانی سے اٹھا لیا۔ تکلم! تم اپنا جی چھوٹا نہ کرو۔ تم دکھی ہو گی تو تم سے چھوٹی بہن بھائی کیسے ہمارا غم بھول پائیں گے۔ اپنی بہن بھائیوں کا خیال رکھو۔ تم بڑی ہو۔ ہماری روح کو تسکین ہو گی۔"

وہ نل کی گرتی ہوئی پانی کی دھار میں اپنی ماں کا شبیہ عکس تلاش کرنے کی ناکام کوششیں کرنے لگی جو صرف اس کے غم کی انتہا تھا۔ تصوّر جان لیوا تصوّر ———

"آپی ——— دلدوز چیخ کی آواز پر دونوں بہنیں باورچی خانے سے دوڑی۔ دوڑی آئیں۔

"آپا ——— منجھلی ترنم قریب آ گئی ——— "بڑی آپا۔ تبسّم بھی سوالیہ نشان بنی کھڑی تھی۔

"بتاؤ کیا ہوا؟ امی یاد آ رہی ہیں ——— آپا کی باتیں تڑپا رہی ہیں وہ دونوں بھی رو پڑیں ——— وہ کیا بتاتی ——— کیسے بتاتی ——— کس اندازسے بتاتی۔ ابھی ابھی ماں آ کر صبر کی تلقین کر گئی ہے۔

"تم ہو آپا ——— میں مانجھ دیتی ہوں ۔" ترنم نے اپنے آنسو خشک کر کے اسے اٹھا دیا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ تکیے میں چہرہ چھپا کر بے آواز رونے لگی۔

صرف چار ماہ قبل یہ ایک بھرا پُرا گھر تھا۔ تین جوان بیٹیاں کے بوجھ سے والدین کی گردن جھکی جا رہی تھی۔ بیٹیوں کی بھرپور جوانی والدین کی صحت کو دیمک کی طرح چاٹ رہی تھی ان کی آرزوئیں وہ انگنت گوٹے جوڑے۔ کی لعنت پر قربان ہو رہی تھیں۔ تکلم بڑی تھی۔ اس کے بعد ترنم۔ تنویر اور اس کے بعد تبسّم تھی۔

تکلم کو اللہ نے ہر ہنر سے نوازا تھا۔ ساتھ ہی ظاہری خوبصورتی بھی عطا کی تھی وہ پچیسویں سال کو بھی خیرباد کہہ چکی تھی ——— لڑکے والے آتے اسے ناپسند کر کے چلے جاتے۔

اسی کی وجہ سے والدین نے ترنم اور تبسّم کو بٹھائے رکھا مبادا بڑی کا دل نہ دکھ جائے۔

انھیں افکار نے انھیں گھن کی طرح اندر ہی اندر ختم کر دیا ——— پہلے ابّا نے انھیں دبوچ کر ساری فکروں سے نجات دلا دی۔ تین ہی مہینے بعد ماں بھی بچوں کا خیال کئے بغیر اپنے شوہر کی تنہائی دور کرنے چلی گئیں۔

کہاں کہاں کا علاج نہ کیا گیا ——— تنویر ہر قیمت پر انھیں بچانا چاہتا تھا۔

"موت کو کون ٹال سکتا ہے۔ آپا جی ——— وہ تصوّر کی دنیا سے لوٹ آئی۔

"نہیں نہیں اپنے لئے میں اپنی بہنوں کی جوانی کو گھن نہ لگنے دوں گی ان کی آرزوؤں کو پامال نہیں کروں گی۔ میرا کیا ہے میرے چہرے کی رنگت کی طرح میری تقدیر بھی سیاہ ہے ——— اگر خدا مجھے پیدا نہ کرتا تو اس کی دنیا میں کیا کمی رہ جاتی ——— اس نے ایک عزم کیا۔

ترنم اور تبسّم نے بہت کوششیں کیں کہ آپا مان جائیں۔ وہ آپا کی شادی سے قبل سہاگ کی مہندی لگانے کے لئے تیار نہ تھیں لیکن تکلم کے آگے کسی کی نہ چلی خوشی خوشی اس نے دونوں بہنوں کے ہاتھوں میں سہاگ کی خار چاند اور خوشی اور غم کے

کے جذبات کے سنگم میں انھیں دداع کیا۔

تنویر! اب تم اپنا بیاہ رچاؤ۔ یہ میری آرزو ہے۔ میں اکیلی نہ رہوں گی۔ تمہاری دُلہن سے میرا دل بہل جائے گا اس کے بچے گود میں کھیلتے ہوں گی۔ میری آرزو پوری کرنا۔ دیکھو تنویر میری ہر آرزو حسرت کے لباس میں ملبوس ہو جاتی ہے جانے۔ اس کی آواز بھرا گئی۔

آپا۔ خواہ کچھ ہو میں اپنی شادی کسی طرح نہیں کروں گا۔ کیا پتہ تمہاری بھابی تمہیں سکھ دے گی یا نہیں دعا کرنا آپا میرے لئے تمہاری آغوش میں تمہارے ہی بچے کھیلیں گے۔ آپا! میں سماج کے ان دشمنوں کو بتلاؤں گا کہ دنیا میں مجھ جیسے ایثار پسند لوگ بھی ہیں آپا تم دیکھو گی عنقریب ہماری آرزوئیں سہاگن بنیں گی۔ تمہاری حسرتیں خوشیوں کی یورش سے گھبرا کر بھاگ جائیں گی۔ تمہارے ہاتھوں میں کنگن کھنکیں گے۔ تمہاری ادھوری تمنائیں مکمل ہوں گی تم دلہن بنو گی آپا —— تم دولھن بنو گی۔ وہ اٹھ کر چلا گیا اور دوسرے ہی دن اس کی باتوں نے حقیقت کا روپ دھار لیا۔

وہ سہاگ کے سرخ جوڑے میں ملبوس بیٹھی تھی گھٹنوں میں سر دیئے۔ روایتی دلہنوں کا انداز لئے۔ ہاتھوں میں حیدرآبادی مکھوا۔ اس کے پیچھے کنگن کھنک رہے تھے۔ چوڑیوں کی جھنکار سے وہ کوئی اور ہی سرور محسوس کر رہی تھی۔ اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ وہ دلہن بنی ہے خوشیوں کی یلغار اور جذبات کی یورش نے اسے گُنگ کر دیا تھا —— اسے دیکھنے بھی کوئی نہیں آیا۔ بات چیت کرنے کوئی نہیں آیا —— یہ یکایک شادی —— یہ معمہ وہ حل نہ کر سکی کہیں اسے بیوقوف تو نہیں بنایا جا رہا ہے۔ یہ ناکامی آخری ہو گی —— اگر ایسا ہوا تو میں خودکشی کر لوں گی —— ترنم اور تبسم کے بھرپور قہقہوں نے اس کے باغی خیالوں پر پہرہ لگا دیا —— دونوں بہت مسرور تھیں والدین کی آرزوئیں آج تکمیل کو پہنچ رہی تھیں۔ مگر دیکھنے اور خوش ہونے والی آنکھیں منوں مٹی کے نیچے دفن تھیں۔ دونوں بہنیں خوش بھی تھیں اور غمگین بھی —— تبسم کو اس روپ میں دیکھنے کی ان کے والدین کو کتنی حسرت تھی۔

وہ گھونگھٹ ڈالے آج پورے پینتالیس سال بعد اپنے سرتاج کا دھڑکتے دل سے انتظار کر رہی تھی آج اس کے کنوارے دامن کو سہاگ کا رنگ ملا ہوا تھا۔ مچلتے جذبات، تڑپتی آرزوئیں اپنی تکمیل کی منتظر تھیں۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے عجیب سے جذبات سے سرشار تھی۔

دروازہ کھلنے کی ہلکی سی آواز آئی۔ پھر بند ہونے کی آواز کپڑوں کی سرسراہٹ سے اس نے اندازہ لگایا کہ کپڑے تبدیل کئے جا رہے ہیں۔

وہ گھونگھٹ کی اوٹ سے دیکھنے لگی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا شریک حیات اتنا خوردرو ہوگا جو خانہ نماز شکرانہ ادا کر رہا تھا۔

ہولے سے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا —— اس نے سلام پھیر کر دعا کی اور دروازہ کھول دیا۔ سفید چوڑی دار پائجامے اور ململ کے مہین کرتے میں وہ شہزادہ لگ رہا تھا۔

"بھیا! صراحی رکھ دوں" ایک شوخ نسوانی آواز اس کے گوش گزار ہوئی۔

"عشرت! ادھر آؤ —— تمہارا تعارف تو کرا دوں ——" وہ اس نسوانی پیکر کا ہاتھ تھامے مسہری کے قریب آ گیا۔

"تبسم! یہ ہماری اکلوتی نند ہیں —— اور —— اور عنقریب یعنی مستقبل کی بھابی۔ ہاں! تمہارے تنویر کی دولھن۔ نہ جانے وہ اور کیا کیا کہہ رہا تھا۔ عشرت کب گئی اسے پتہ نہ چلا۔ وہ تو تحیر کے سمندر میں غوطہ زن تھی جس کی تہہ میں اسے اپنے بھائی کے ایثار کے موتی ملے تھے۔ گھونگھٹ کی اوٹ سے اس نے عشرت کا سراپا دیکھ لیا تھا۔

مردانہ ہاتھوں نے اس کا گھونگھٹ الٹ دیا —— صبح ہونے تک وہ ایک دوشیزہ سے عورت —— مکمل عورت بن چکی تھی۔ پھول اس کی دیرینہ خوشبو پر قربان ہو کر مرجھائے پڑے تھے۔

ہاں تبسم! مجھے تمہاری روح سے پیار ہے۔ وہ اسے اپنے کشادہ سینے سے لپٹائے اس کے بالوں میں ہولے ہولے شانہ کر رہا تھا۔

تنویر! میرا دوست ہے —— گو مجھ سے چھوٹا ہے مگر بڑا اچھا اور پیارا لڑکا ہے میری بہن کو قبول کر کے اس نے مجھ پر احسان کیا ہے۔ سچ! ہر کوئی اسے ناپسند کرتا تھا کیونکہ اس کی ایک آنکھ بھینگی ہے اور وہ ٹھیک رو بھی ہے۔

"کیا ہے؟" وہ سکتہ زدہ سی ہوگئی پھر اپنے آپ کو سنبھال لیا اور سوچنے لگی۔

"میں بھی تو کسی قابل نہیں مجھے انھوں نے پسند کر لیا۔ حالانکہ خود حسین ہیں ۔۔ دونوں دوستوں نے اپنی بہنوں کی خاطر ایثار کیا ۔۔ نہیں ۔۔ مجھے کچھ نہیں کہنا چاہیئے۔ تنویر! میرے بھیا تم نے میرے لئے یہ کیا کیا بھیا۔ اتنا بڑا احسان کیا مجھ پر جو میں ساری عمر ادا نہیں کر سکوں گی۔"

"کیا سوچنے لگیں تم؟ عشرت تمھیں بھی پسند نہیں آئی نا۔ جانے دو ۔۔ شاید اس کی زندگی میں خوشی نام کی شئے مفقود ہو گئی۔ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" وہ اس کے بالوں سے بدستور کھیل رہا تھا۔

"میرے سرتاج۔ میری خوشیوں کے معمار!! میں تو آپ کے اور تنویر کے بارے میں سوچ رہی تھی مجھے آپ کی زندگی میں آنے سے قبل پتہ ہوتا تو میں فوراً ہی عشرت کو اپنی بھابی بنا لیتی میں بخوبی اس کے دل کا حال جانتی ہوں۔ کیونکہ میں بھی اسی دور سے گذر چکی ہوں۔ عشرت ضرور میری بھابی بنے گی۔ اس کی آنکھ شیشے کی ہو تو کیا اس کا دل تو شیشے کا نہیں۔ اس گوشت کے لوتھڑے میں پتہ نہیں کتنے جذبات پنپتے ہیں مجھے کوئی اعتراض نہیں مجھے تو فخر ہے کہ میرا بھائی اور شوہر دونوں ہی بلند کردار کے مالک ہیں ۔۔" اس نے اس کے سینے پر اپنے سر کا دباؤ ڈال دیا وہ اس کے بالوں میں شانہ کرتے ہوئے سوچنے لگا۔ کوئی میری آنکھوں سے دیکھے اسے۔ کتنی خوبصورت ہے۔ خوبصورتی جسم کی عارضی ہوتی ہے کہ اس کی خوبصورتی لافانی شئے ہے۔ دل خوبصورت ہو تو ہر شئے ہی خوبصورت لگتی ہے۔"

"میری بہنا بھی دولہن بنے گی۔ شیشے کی آنکھ ایک مرد کی دنیا آباد کرے گی اپنے بچوں کو کھلائے گی میری بہنا۔ میری عشو!"

اس نے تشکرانہ کے طور پر اپنی دلہن کو اور قریب کر لیا ۔۔ بے حد قریب۔۔۔

پرچہ نہ ملنے کی شکایت ہر تاریخ کے بعد اور ۳۰ سے پہلے لکھیں۔ ۳۰ کے بعد کی شکایتوں پر غور نہیں کیا جاتا۔ — منیجر

آؤ

روحی دکنی
بیجاپی

آج بھی پھیلی ہوئی ہیں مری بانہیں آؤ
کہہ دیا کس نے کہ مسدود ہیں راہیں آؤ

بیکراں درد جگر میں ہے ابھی سوز و گداز
دیکھنا ترکِ تعلق کی نہ ہو عمر دراز
خامشی ہی سے ہے اندیشۂ افشائے راز
جائزہ لیتی ہیں مشکوک نگاہیں۔ آؤ

غیر مفہوم خلش، ایک نا معلوم ہراس
زندگی کی متزلزل ہوئی جاتی ہے اساس
میں بھی خاموش سا رہتا ہوں اُدھر تم بھی اداس
کرب آمیز ہوئی جاتی ہیں آہیں۔ آؤ

صلح جوئی ہے بری چیز؟ ذرا سوچو تو
غلط، شوہر کی ہے دہلیز ذرا سوچو تو
برہمی ایسی بھی کیا، اسکو ذرا سوچو تو
ڈھونڈھتی ہیں انہیں آسودہ پناہیں۔ آؤ

کہیں رنجش ہی نہ یہ مستحکم ہو جائے
دیکھنا لازمۂ زیست نہ غم ہو جائے
یعنی احساس تعلق ہی نہ کم ہو جائے
آؤ اب اک نئے انداز سے چاہیں۔ آؤ

رات سوچوں میں گذر جاتی ہے اور دن سارا
لئے پھرتا ہے تصور مجھے مارا مارا
چلو، جیتا نہ کوئی ہم میں نہ کوئی ہارا
اپنی خوش فہمی کو اس طرح سراہیں۔ آؤ

یاس کو رو کش تجدید محبت کر لیں
سارا الزام غلط فہمی کے سر پر دھر لیں
دامنِ شوق کو پھولوں سے خوشی سے بھر لیں
رسم الفت کو بہر حال نباہیں۔ آؤ
آج بھی پھیلی ہوئی ہیں مری بانہیں۔ آؤ

ہتھیلی کی لکیر

ہاشمی معری بختیار پوری

آج پورے انیس سال بعد اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ اسقدر طویل عرصہ کیسے بیت گیا اس کا تو مجھے احساس بھی نہ ہو سکا البتہ اس کا سوا احساس تھا کہ اس کا ہر عضو ابتلا و آزمائش کا شکار رہا ہے۔

میں اپنی خالہ زاد بہن کی شادی میں دیا نگر گیا ہوا تھا۔ وہیں اس سے میری پہلی ملاقات ہوئی تھی۔ پہلی ہی نظر میں یہ نٹ کھٹ لڑکی مجھے بہت بھائی ۔ کسا ہوا بدن ۔ کمر تک لہراتے کالے بال ۔ سفیدی مائل گندمی رنگ ، کتابی چہرہ ، یاقوتی ہونٹ ، ستواں ناک لمبی پلکوں سے ڈھکی ایسی غزالی آنکھیں کہ بند ہوں تو دیکھنے کو جی چاہے اور کھلیں تو ڈوبنے کو دل مچلے ، چال ایسی کہ اس کی دھمک ہر دل میں ارتعاش پیدا کر دے ۔ ہنستے وقت رخسار میں ایسے گلابی گڑھے کہ دل پھسلنے لگے ، جو لباس پہن لے اسی پر ختم ہو جائے ——

دوسرے دن میں نے اپنے خالہ زاد بھائی سے اس کا جغرافیہ پوچھا تو معلوم ہوا کہ یہ ہر دل عزیز لڑکی رشتے میں میری سالی ہوتی ہے۔ جس والا مکان اسی کا ہے اور اسی کے بنگلے میں میرا قیام تھا —— اسی شام اس سے باضابطہ ملاقات ہوئی سلام کے بعد شربت کا گلاس تھما کر اس نے بڑے ٹھسے سے پوچھا۔ آپ کی تعریف ؟

میں نے جواب دیا۔ " تمھارا دولھا بھائی ۔ "

" کھپ سکیں گے " کا ریمارک دے کر وہ مسکراتی ہوئی چلی گئی اور اس کے بعد تو اس کا معمول ہو گیا کہ سوتیلی ماں کی خونخوار نگاہ بچا کے جہاں ذرا مہلت ملی آدھمکتی اور اپنی حاضر جوابی سے دل لوٹ لیتی جب تک رہتی ہنستی رہتی ۔ جوں ہی ماں کی گرجدار آواز گونجی ۔ اسے جیسے کرنٹ لگ جاتا ۔ نہایت ہی بوجھل قدموں سے وہ اندر جاتی دیر تک ماں کی جھڑکیاں سنتی ، گھر کا سارا کام کاج کرتی ۔ کھانا پکاتی ، بچوں کے کپڑے صاف کرتی ۔ اس کم عمری میں بھی وہ سب کرتی جیسے وہ اس گھر کے امیر باپ کی بیٹی نہیں کسی ابھاگن کی کوکھ کی جنی ہو —— اور پھر میرے پاس حاضر ہو جاتی ۔ میں کہتا میرے پاس نہ آیا کرو ماں بگڑتی ہیں ۔

وہ کہتی ۔ " آپ کے پاس آئے بغیر جی نہیں مانتا ۔ "

میں کہتا —— " اسی جرم میں تم گالیاں سنتی ہو ۔ مار کھاتی ہو "

وہ کہتی ۔ " اسی خوشی میں برداشت کر لیتی ہوں —— اور پھر کھلکھلا کر ہنسنے لگتی ۔ میں سوچنے لگتا ۔ جھٹ کی یہ بھولی لڑکی کسقدر جذباتی ہے —— وہ بارہا اپنے مذاق سے مجھے عاجز کر دیتی ۔ ایک دن میں نے اس کی زبان بندی کی سوچی اپنے اوپر نہایت سنجیدگی طاری کر کے میں نے کہا ۔ ذرا تمھارا ہاتھ دیکھوں —— اس نے اپنی ہتھیلی بڑھا دی ۔ میں بڑی توجہ سے کبھی اس کے ہاتھ کی لکیر دیکھتا کبھی اس کی پیشانی کی سلوٹیں —— وہ بھی بڑے انہماک سے کبھی اپنی ہتھیلی دیکھتی کبھی میرا چہرہ —— تھوڑی دیر بعد میں نے اپنا فیصلہ سنایا —— اُف ! خدا کی پناہ !! یہ فوج تو تمھارے کالے کے کباب ، ناک کی چٹنی اور بھیجے کا مربہ بنائے گی ۔

" کیا مطلب ؟ " اس نے گھبرا کر پوچھا ۔

میں نے کہا —— " مستقل ایک درجن ہیں ایک درجن —— نو عدد تو شیطان کے خالو ہیں اور تین آفت کی پرکالہ ہیں ۔ "

" بڑے وہ ہیں آپ —— ! " کہتے ہوئے شرما کر وہ بھاگ گئی ۔ اس طرح سے مجھے اس پر بالادستی حاصل ہو گئی ۔ ورنہ خدا ہی جانے میری کیا کیا درگت بنتی ۔

شادی کی تقریب کے بعد جب میں چلنے لگا تو وہ ملنے آئی ۔ اداسی نے اس کے چہرے پر نیا گل کھلا دیا تھا ۔ وہ ایک نٹ کھٹ لڑکی نہیں ایک سنجیدہ اور باوقار عورت لگ رہی تھی ۔ ماحول اور مزاج کا رخ بدلنے کے لئے میں نے اس کی ناک پکڑ کر کہا ۔

" بارہ کی فکر ابھی سے ستانے لگی ہے " ایک پھیکی مسکان اس کے لبوں پر چھا گئی ۔

بارہ کا یہ خود ساختہ لطیفہ تو میں بھول گیا لیکن اسے د

بھول سکا۔ دوسرے سال اس کی شادی ہو گئی۔ نہایت ہی نیک اور شریف شوہر ملا۔ لیکن اٹھارہ سال کے طویل عرصہ میں بھی اس کی گود نہ بھر سکی۔ جیسے جیسے سال بیتتے گئے ویسے ویسے وہ اپنے گھر میں اجنبی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ اسی جرم میں اس کے شوہر نے دوسری شادی کر لی۔

آج میں آرہ آیا تو وہ مجھ سے ملنے آئی۔ میں اسے دیکھ کر ششدر رہ گیا۔ وہ حسینہ نہیں، حسینہ کا کھنڈر تھی —— "کہاں کھو گئے تھے آپ؟" اس نے مجھے مخاطب کیا۔ میں چونکا۔ وہ میری طرف اپنی ہتھیلی بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی —— "دولہا بھائی! آپ نے تو کہا کہ تمہارے بارہ بچے ہوں گے ——" میں سہم گیا —— میرے مذاق نے مجھ کو ڈس لیا تھا۔ ندامت کرب سے میری آنکھوں میں آنسو امڈ آئے اور اس کے قطرے اس کی بڑھی ہوئی ہتھیلی پر ٹپک پڑے —— خدا کرے سیاہ بختی کی لکیر ان قطروں سے دھل جائے —— میرے دل سے آہ نکلی۔ میں نے دیکھا وہ مجھے حیران نگاہوں سے گھور رہی تھی۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ کون ہے

آپ کی تنہائی کا مونس، دل بہلانے کا بہترین اور آسان ذریعہ۔ آپ کی معلومات میں اضافہ کرنے والا، دنیا کیسی ہے اور دنیا والے کس کس طرح پیش آتے ہیں بتانے والا اور علم و عمل سکھانے والا —— کیا آپ جانتے ہیں کہ کون ہے۔ اگر نہیں تو ہم آپ کو بتاتے ہیں یہ ہے ایک چھوٹا سا گھریلو کتب خانہ جس میں مختلف مباحث کی کتب کا انتخاب ہو۔ اگر آپ کے گھر میں فریج ہے، ٹی وی ہے۔ ریڈیو ہے، قالین ہیں، صوفہ سیٹ ہیں اور اسی طرح کی اور بہت سی چیزیں ہیں تو بھی اگر ایک اچھا کتب خانہ یعنی لائبریری نہیں ہے تو کوئی چیز بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ لائبریری بنانے کے لئے کم خرچ اور عمدہ موقع مہدی ۸۱ء مہیا کر رہا ہے جب ماہنامہ حریم میں کتابوں کا رعایتی اعلان شائع ہوگا اس سے فائدہ اٹھانے کے لئے ابھی سے کچھ رقم بچا کر رکھیں تاکہ رعایت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

انتقادیات

۱۔ اچھا ناقد ادب کے لئے وہی کام کرتا ہے جو ڈاکٹر سماج کے لئے۔ (جارج براؤن)

۲۔ صحت مند ادب کے لئے صحت مند تنقید ضروری ہے (ٹی ساپس۔ ایلیٹ)

۳۔ صحیح تنقید ادب کے لئے اسی طرح مفید ہے جیسے پودوں کے لئے کانٹ چھانٹ۔ (آرنلڈ)

عصمت جبیں

بس ایک نظر

۱۔ میر امن دہلوی پہلے شخص تھے جنھوں نے سیدھی سادی بے محاورہ اردو لکھی۔

۲۔ مولانا فضلی پہلے شخص تھے جنھوں نے شمالی ہندوستان میں اردو نثر میں قدم اٹھایا۔

۳۔ نذیر احمد نے اردو مکالموں کا طرز بیان موقع و محل کی مناسبت سے سب سے پہلے کیا۔

۴۔ عبدالحلیم شرر پہلے انشاپرداز تھے جنھوں نے انگریزی زبان سے متاثر ہو کر اردو زبان میں باضابطہ اس کی ابتدا کی

۵۔ مرزا غالب پہلے شخص تھے جنھوں نے خطوط کی روش کو مکالمے کی صورت میں ڈھالا۔

۶۔ سرسید پہلے ادیب تھے جنھوں نے اردو میں سب سے پہلے فلسفیانہ اور دقیق مضمون لکھے۔

۷۔ آغا حشر کاشمیری پہلے شخص تھے جنھوں نے اردو میں ڈرامہ نگاری کی ابتدا کی۔

عصمت جبیں

●●

بزم حریم کی ہر خبر علیحدہ علیحدہ کاغذوں پر لکھنا چاہئے اور وضاحت کر دینا چاہئے کہ کون سی خبر کس ماہ میں شائع ہو اس طرح پسندیدہ شعر بھی الگ الگ لکھ کر بھیجا جائے جن کا عنوان بزم حریم کی خبر اور پسندیدہ شعر لکھا جائے اس پر اور کوئی بات نہ لکھی جائے، یہ ضروری ہے۔

یہ تبدیلیاں کیسی......؟

نیر ظفر

لوگ کہتے ہیں۔ وقت بدل جاتا ہے۔ لیکن میں کہتی ہوں کہ وقت کبھی نہیں بدلتا۔ ہم خود بدل جاتے ہیں۔ جب اپنی تبدیلیوں اور کوتاہیوں کو تسلیم کرنے کا حوصلہ نہیں پاتے تو وقت کو دوش دے کر تسکین پانے کی کوشش کرتے ہیں۔ وقت اپنی مخصوص چال چلتا رہتا ہے۔ ایک چکر مکمل ہو جاتا ہے تو پھر اگلے چکر میں خود کو دہراتا ہے ہم ماہ و سال کی گنتی کرتے رہتے ہیں۔ جنوری، فروری، مارچ۔

آج مارچ کی ۲۳ تاریخ ہے میں ابھی ابھی قذافی اسٹیڈیم سے واپس آئی ہوں۔ اسٹیڈیم میرے گھر سے کوئی سات میل دور ہے یہ سفر میں نے گاڑی میں طے کی ہے مگر میرا جسم اور روح دونوں تھکن سے نڈھال ہو رہے ہیں۔

ممی ابھی ابھی کہہ کر گئی ہے کہ۔ حد کر دی ہے آپ نے بھی بیٹھ کر پریڈ دیکھی ہے اور تھکن سے بے حال ہو رہی ہیں۔ ذرا ان سے پوچھیے جو پریڈ کر رہے ہیں۔

میں ان کی بات سن کے بھی خاموش ہوں بھلا اب انہیں کیسے سمجھاؤں کہ کسی اجنبی سے کچھ پوچھنا اسے کچھ بتا دینا بہت آسان ہے مگر اس شناسا سے کچھ نہیں پوچھا جا سکتا جو اجنبی بن گیا ہو تمہیں تو میں جنم جنم سے جانتی ہوں تم سے کیسے پوچھتی؟

میں نے ان دو گھنٹوں میں ایک کرسی پر بیٹھے بیٹھے صدیوں کی مسافت طے کی ہے اور اس سفر نے مجھے زندگی سے تھکا دیا ہے میں نے تم سے باتوں کا لامتناہی سلسلہ شروع کر دیا ہے لیکن سوچ رہی ہوں کہ تمہیں کس نام سے مخاطب کروں دراصل تم جب بھی ملے ہو کسی نئے نام اور نئے روپ میں مجھے ملے ہو تمہاری باتوں کا رنگ بھی ہمیشہ مختلف رہا ہے ایک قدر ہمیشہ اور ہر روپ میں مشترک رہی ہے وہ ہے تمہارا احساس برتری۔ تم نے کبھی اونچے خاندان، اعلیٰ تعلیم اور حسن کا رعب ڈالا ہے کبھی اپنے عہدے سے مرعوب کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے تمہارا ہر روپ، ہر نام اور ہر بات یاد ہے مگر آج جب انہیں ترتیب دے کر تمہیں سنانے کے خیال سے بیٹھی ہوں تو بڑی دقت پیش آ رہی ہے۔

سب سے پہلے تم مجھے بھائی کے روپ میں ملے۔ میں ننھی منی گڑیا سی بچی تھی کسی نے مجھے بتایا کہ تم میرے بھائی ہو۔ میرے ننھے سے دل میں تمہارے لئے پیار کا پورا سمندر سما گیا تم بھی مجھ سے بے حد پیار کرتے تھے میں نے تمہارے پیار کو امر سمجھا۔ مگر اجنبیت کی دیوار کی پہلی اینٹ تم نے خود اپنے ہاتھوں سے رکھی اور میرا مان ٹوٹ گیا۔ تم ایسے کھوئے کہ مجھے پھر کبھی نہ مل سکے اگر کبھی مل گئے تو یہی کہو گے کہ وقت بدل گیا ہے۔ حالانکہ صبح و شام اب بھی ویسے ہی ہیں۔ سورج مشرق سے نکلتا ہے اور مغرب میں اتر جاتا ہے سب کچھ پہلے جیسا ہے۔ صرف تم بدل گئے ہو۔

ذرا ہوش سنبھالا تو تم مجھے ایک لڑکے کے روپ میں ملے تم میری ہر بات بہت بے پناہ دلچسپی لیتے ہر بات کو سراہتے اور ہر لمحہ اپنی چاہت و محبت مجھ پر نچھاور کرتے رہتے...

میں بھی تمہیں دل و جان سے چاہتی مگر مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ اپنی پسند اور چاہت کا اظہار تمہاری طرح کھلے بندوں کر سکتی۔ تم شہر چھوڑ کر جانے لگے تو مجھے کہا تھا کہ میں تمہاری واپسی تک تمہارا انتظار کروں۔ میں تم سے اس وقت بھی کچھ نہ کہہ سکی۔ میں تمہارے سوال کے جواب میں انکار یا اقرار کچھ نہ کر سکی۔

تم چلے گئے تو میرے ارد گرد تنہائی اور بیزاری کے مہیب سائے بکھر گئے۔ میں اپنے ہی گھر میں دلہن اداس پھرا کرتی۔ ان لمحوں میں کبھی کبھی میرے اندر کی عورت میری بزدلی پر چیخ اٹھا کرتی۔ میں ہرا سال رہتی تھی اب سوچتی ہوں

• ... جو بیوی کو ... آدمی کا جانی دشمن ہے۔ خواہ گنہگار ہو یا خاصے، چور کو پکڑ کیا رسے۔ خلاف شرما آدمی کو چاپلوس سے اور فاحشہ عورت کو محتسب سے۔

جبران

• عورتیں۔ چہروں سے نہیں۔ "دلوں" سے پہچانی جاتی ہیں۔

• جو مرد عورت کی ادنیٰ کمزوریوں کو نظر انداز نہیں کرتا وہ اس کی اعلیٰ خوبیوں سے کبھی واقف نہیں ہو سکتا۔

• کیا تو وہ شوہر ہے جو ایک ہی چیز کو اپنی بیوی کے لئے حرام اور اپنے لئے حلال سمجھتا ہے؟ جو آزادی سے چلتا پھرتا خوشی منا تا ہے اور بیوی کو گھر میں مقفل کر کے چابی اپنی جیب میں لئے پھرتا ہے جو جی میں آتا ہے کھاتا ہے اور بیوی ٹوٹی پھوٹی کرسی پر تنہا بیٹھی رہتی ہے؟ یا تو وہ شوہر ہے جو اپنی رفیقۂ حیات سے محبت کرتا ہے اسے اپنی خوشیوں میں شریک کرتا ہے اور ضرورت کے وقت اس سے مشورہ کرتا ہے۔ اگر تو پہلا ہے تو زمین دوز غاروں میں رہنے والی اور کھال کا لباس پہننے والی قوم میں سے ہے جو مٹ ہوئی ختم ہوگئی اور اگر تو دوسرا ہے تو پھر اس قوم کا پیش رو ہے جو صبح کی روشنی کے ساتھ عدل و انصاف کی طرف تیزی سے گامزن ہے۔

• میں نے ایک عورت کے چہرہ پر نگاہ ڈالی اور اس کی اولاد کو دیکھ لیا حالانکہ وہ ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی۔ ایک عورت نے مجھے دیکھا اور میرے آباؤ اجداد کو جان لیا۔ حالانکہ وہ اس کی پیدائش سے پہلے ہی مر چکے تھے۔

مولوی نذیر احمد

• مائیں تو باتوں باتوں وہ کچھ سکھا دیتی ہیں جو استاد برسوں کی تعلیم میں بھی نہیں سکھا سکتا۔

• (بیوی کے بارے میں) جب تک سیر دو سیر سالہ مجھ سے نہ پسوا لیتی ....

خدا جانے کہاں سے محلے بھر کا سالہ اٹھا لاتی — پیستے پیستے ہاتھوں میں گٹے پڑ گئے تھے جہاں میں نے ہاتھ روکا اور اس نے بٹا انگلیوں پر دے مارا۔ بخدا جان سی نکل جاتی تھی۔

• اے عورتو! تم مردوں کے دلوں کو بہلاؤ ان کی آنکھوں

کی ٹھنڈک بنو۔ اگر تم سے محبت کی جائے کاموں میں مدد لے اور تم پر ان کے انتظام کا سلسلہ ہو تو تم سے بہتر ان کا غمگسار تم سے بہتر ان کا مصلح کار اور تم سے بہتر ان کا خیرخواہ اور کون ہو سکتا ہے؟

قاضی نذر الاسلام

• عورت! تجھے گناہ کا سبب کون بتاتا ہے؟ کہہ دے کہ گناہ کا تخم بونے والا ابلیس مرد ہی کا ہم جنس تھا۔

اس جہاں میں جتنے پھول کھلتے ہیں۔ جتنے شجر ابھرتے ہیں عورت ہی نے ان میں رنگ و بو — خیر بنی و لطافت پیدا کی روح پھونکی۔

میری نگاہ میں مرد عورت سب برابر ہیں۔

دنیا کی حشمت اور جلال کی تعمیر میں عورت کا بھی اتنا ہی ہاتھ ہے جتنا مرد کا۔

سوز و ساز، تپش اور جلن۔ آگ اور آنسو

ان کی تخلیق میں مرد کا اتنا ہی حصہ ہے جتنا عورت کا۔

اگر مرد سورج کی تپش اور بادسموم کا جھونکا ہے تو عورت چاندنی کرن اور نسیم صبح ہے۔

اگر مرد تشنہ لب صحرائی ہے۔

تو عورت جام کوثر ہے۔

مرد نے ہل چلایا۔

عورت نے پانی سینچا۔

ان دونوں کے ملاپ سے کھیتی لہلہا اٹھی۔

تاریخ یہ تو بتاتی ہے کہ کس جنگ میں مردوں نے کتنا خون بہایا۔

لیکن یہ کون بتائے گا کہ اس کے لئے عورتوں نے کس طرح اپنا سہاگ اجاڑ دیا۔

ماں نے جگر پاروں کو کیسے نکال پھینکا؟

شجاعت کی داستانوں میں کہاں لکھا ہے کہ فلاں فاتح کی تلوار کو عورت کی ہمت افزائی نے برق بنا دیا تھا۔

بادشاہ رعایا پر حکمرانی کرتا ہے۔

لیکن بادشاہ پر ملکہ کی حکومت ہوتی ہے۔

عورت دل ہے، مرد جسم ہے۔

سونے اور چاندی کی زنجیریں عورت کے جسم سے چھو کر حسین زیوروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

عورت ہی نے شاعری کی بنیاد ڈالی اور عورت ہی نے ہر لفظ کو موسیقی میں بدل دیا۔

مرد کی ہر فتح و نصرت عورت کی قربانی کی منت پذیر ہے۔

فیگور

عورت، نصف خواب، اور نصف عورت۔

عظمت اللہ خاں

محبت کا بہترین نمونہ۔ ماں کی مامتا ہے وہ ایثار وہ ہمدردی وہ احسان فراموشیوں پر چشم پوشی۔ وہ محبت بھری خفگی وہ عشق سختی۔

عورت ذات کروڑوں ظاہر رنگ دیوتا کا ایک پھول ہے اور کروڑوں جذبات اور تقاضی کا ایک خطا طیس ہے۔ رسیلی آنکھ متوالا کرے۔ چھنی کی ناگن ڈسے ہونٹ کی رس بھری پھانک امرت پلائے۔ نرم و نازک جسم کا لہراتا اتار چڑھاؤ مستی کا تموج پیدا کرے۔ حالت اور گدرا ہٹ روح اور گھلاوٹ کو تڑپا دے اک اک ادا ہوا کی ڈالیوں سے اٹھکیلیاں کرے، دل لبھائے، آنکھوں کی گہرائیاں باتوں کی شوخیاں اور مزاج کی رنگینیاں آپ کی ہستی کو موہ لیں —

بس اسی کا نام عورت ہے۔

مرد میں حسن کوئی قابل رشک خوبی نہیں ہے۔ مرد کے حسن سے اس کے ہم جنس ضرور رشک کرتے ہیں۔

مگر بعض مردانہ حسن ایک معمولی شکل و صورت والی لڑکی کے دل کو جیتنے کے لئے پروانہ نہیں ہو سکتا۔

بہت سی عورتیں تو صرف ایسے مرد کو پسند کرتی ہیں جس کی صورت آدمی کی سی ہو۔

کرشن چندر

کمینے آدمی کی پہچان یہی ہے کہ وہ عورت کی عزت نہیں کرتا جب مرد شکست کھاتا ہے تو صلح کر لیتا ہے جب عورت ہارتی ہے تو مکمل طور پر سپرد کر دیتی ہے

موت صرف ایک عورت ہے موت اگر مرد ہوتی تو کبھی کسی خوبصورت عورت کی جان نہ لیتی۔

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت ہر ماہ بہنوں کا مرسلہ صرف ایک ایسا شعر شائع کیا جاتا ہے جو ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو۔ سنجیدہ و موزوں ہو۔ ساتھ ہی تجویز کنندہ کے نام کے ساتھ بھیجا گیا ہو۔ دسمبر کے لئے عنوان ہے "محبت" اور جنوری کے لئے "زخم"۔ جو اشعار مقررہ تاریخ تک وصول ہو جاتے ہیں، وہی شائع کئے جاتے ہیں۔

(ادارہ)

آہ کو چاہیئے اک عمر اثر ہونے تک
کون جیتا ہے تری زلف کے سر ہونے تک

مرسلہ۔ عنبر فاطمہ تبسم (آکرہ۔ بجوجپور)

مرسلہ۔ زاہدہ فضل (رامپور)

خاطر سے انتظار میں نیند آئے عمر بھر
آنے کا وعدہ کر گئے آئے جو خواب تک

مرسلہ۔ نجم السحر (کرنول)

عمر بیتنے کو تو کٹی پر کیا ہی خواری میں کٹی
دن کٹا فریاد میں اور رات زاری میں کٹی

مرسلہ۔ شمینہ نظیر (دھنباد)

تو نے اک بزم کو روشن تو کیا ہے لیکن
عمر اے شمع تری دھوئیں کے دھنواں گذرے گی

مرسلہ۔ مہوش شرافت (رامپور)

تیری آنکھوں میں ایسا سنور جاؤں میں
عمر بھر آئینے کی ضرورت نہ ہو

مرسلہ۔ منظر عباس انجم۔ حسن پورہ (سیوان)

یہ نفس عمر گذشتہ کی ہے میت فانی
زندگی نام ہے مر مر کے جئے جانے کا

مرسلہ۔ سرمدی خانم
(میسور)

[illegible]
[illegible]

مرسلہ۔ زاہدہ بتول شیبہ بانو (آکہور)

دل ٹوٹنے سے تھوڑی سی تکلیف تو ہوئی
لیکن تمام عمر کو آرام ہو گیا

مرسلہ۔ عذرا الکلام روحی (بنگلور)

عمر دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

مرسلہ۔ عصمت آرا (بانکا)

مرسلہ۔ شہناز بیگم (ابنگا راپیٹ)

میں ترے غم کو بھلا تو دوں مگر اس خیال کو کیا کروں
کہ یہی متاع حیات ہے، مری عمر بھر کی تلاش ہے

مرسلہ۔ گیسو تسنیم (آکبور)

تو کہاں تھی اے اجل اے اول نامرادوں کی مراد
مرنے والے راہ تیری عمر بھر دیکھا کیئے

مرسلہ۔ عالیہ نشاط (برہانپور)

جوانی ہر کسی کی باعث الزام ہوتی ہے
نگاہ نیک بھی اس عمر میں بدنام ہوتی ہے

مرسلہ۔ پی۔ آر تسنیم بیگم (وانم باڑی)

مرسلہ۔ مسز نسیمہ عزیز (بھاگلپور)

تمام عمر خوشی کی تلاش میں گذری
تمام عمر ترستے رہے خوشی کے لئے

مرسلہ۔ نجمہ حافظ (ٹمکور)

کانٹوں سے دل لگاؤ کہ تا عمر ساتھ دیں
پھولوں کا کیا کہ سانس کی گرمی نہ سہہ سکیں

مرسلہ۔ صوالی صبیحہ عاشی (آکبور)

اے شمع تجھ پہ رات یہ بھاری ہے جس طرح
میں نے تمام عمر گذاری ہے اس طرح

مرسلہ۔ عذرا نقوی (سنجارہ۔ بجنور)

بے شمار آرزو ہیں حسرت و ارمان و صال
عمر اپنی انھیں بیکار خیالوں میں کٹی

مرسلہ۔ شافیہ [illegible]
(حیدرآباد)

اقبال صاحب نے جو کچھ کہا تھا کر دکھایا۔ اس کے لیے دیوان خانے سے متصل بڑا کمرہ صاف کر دیا گیا۔ ایک ملازم اس کے سابقہ کمرے سے اس کا سامان اٹھا لایا اور تب ایانہ اعزاز دریا سر طوفان کی طرح اس کے کمرے میں گھس آئے
"اپ ٹھاٹ سے گپیں ہانکا کریں گے"۔ اعزاز بولا "میں تو ابھی کمپنی کو ترس گیا ہوں۔
اعزاز میاں۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔!" مکرم نے کہا۔
"آپ کے اس بزرگانہ لہجے سے میرے سر میں درد پیدا ہو جاتا ہے" اعزاز کراہ کر بولا: "آپ کبھی بے تکلف دوست نہیں بن سکتے! چاہے میں پتھر سے سر پھوڑ کے کیوں نہ رکھ دوں!"
"میں آپ کا دوست نہیں بن سکتا!۔
"کیوں؟"
"آپ مجھ سے عمر میں چھوٹے ہیں مگر آپ کا مرتبہ بڑا ہے"
"بڑی بکی اور ناقص بات آپ نے کہی ہے۔ پسند نہیں آئی۔!" اعزاز نے منہ بنایا۔
"آپ کی مرضی ہو تو ہم آپ کو نانا میاں یا دادا ابا بھی کہہ سکتے ہیں" لیاز بڑے ادب سے بولا۔
"میں یہ کہہ رہا تھا کہ۔ مجھے میرے حال پر زندگی گزارنے دیتے یہ آسائش، راحت و آرام، برابری کا سلوک۔ یہ سب مجھے نادم کر رہا ہے۔ میں اپنا مطلب آپ پر واضح نہیں کر سکتا! لیکن آپ کے والد محترم کو جو تکلیف ہوئی"
"بے شک سب ٹھیک۔ بات تو یہ ہے" اعزاز [illegible] بولا۔

لیکن وہ بھی نشست نظر انداز کر کے سامنے بیٹھ گئی! مکرم نے بے حد حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔ پھر پٹ بند کر کے اگلی سیٹ پر آ بیٹھا۔ اور گاڑی اسٹارٹ کی۔ بیبن کے اس طرز عمل سے اب حیرت بھی ہو رہی تھی اور خوف بھی۔
وہ ہولے سے کھانسا۔ "کہاں جانا ہے؟"
"بیرسٹر صاحب کے گھر کبھی گئے ہو!۔
جی ہاں۔ ایک دفعہ اقبال صاحب کے ساتھ گیا تھا!۔
دفعتہ بیبن اس کی طرف مڑی۔ اور اچانک پوچھا: "سنو۔ کیا تمہارا اصلی نام یہی ہے؟۔
"جی ہاں!
"تم اس سے پہلے کبھی لکھنؤ آئے ہو۔!
"جی نہیں!۔
"کبھی اپنے والدین کے ساتھ؟۔
ایک لہر سی مکرم کے ذہن سے ہوتی ہوئی گزر گئی۔ اس نے ہلکی سی سانس لے کر کہا: "جی نہیں۔
"کبھی نہیں"
"عجیب اتفاق ہے۔ حالانکہ مجھے تو ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے میں نے تمہیں اس سے پہلے بھی کہیں دیکھا ہو۔ میں نے پوچھا بھی تھا بھائی جان سے!"
وہ چپ رہا۔! اس کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی تھی کہ بیبن کی اس تفتیش کا مطلب کیا تھا! اور آخر یہ تفتیش کس لیے تھی
گاڑی بیرسٹر صاحب کے بنگلے پہنچ کر رک گئی؟
[illegible] اترتی ہوئی بولی: "چلے جانا۔ میں ابھی آتی ہوں۔!

خدا جلد ہی کچھ کرے گا۔ مجھے سات بجے صاحب کو لے جانا ہے"

وہ کچھ کہے بغیر اوپر بڑھ گئی۔ اکرم ڈگارڈ سے ٹیک لگائے ارد گرد کے نظارے دیکھنے لگا۔ اس کے سامنے وسیع لان تھا۔ اور بہت نفاست و خوشنمائی سے اس کی آرائش کی گئی تھی۔ جگہ جگہ کروٹن کے عجیب و غریب رنگ برنگی جھنڈ تھے۔ ایک طرف گلاب کے تختے اور اس کے متوازی چنبیلی جوہی اور موگرے کی بیلیں جو کمان کی شکل کے منڈووں پر پھیلی ہوئی تھیں۔ جن پر بہار چھا رہی تھی۔ تمام بیلیں سفید سفید کلیوں سے لدی پڑی تھیں! لان کے درمیان میں متعدد جگہوں پر کراٹن کی جھاڑیوں سے جانوروں کے اجسام تراشے گئے تھے۔ کہیں گھوڑے دوڑ رہے تھے کہیں ہاتھی اپنی سونڈ اٹھائے کھڑے تھے! شام کے سرمئی دھندلکوں میں ان کی شبیہیں اصلیت کا رنگ اختیار کرنے لگی تھیں!

وہ ڈگارڈ سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اور اس کے ذہن میں اس کے احساسات استہزائیہ انداز میں ہنستے رہے۔ پاگل۔ اتنے دن گزر چکے۔ ایک گھٹیا نوکری کا انجام دیتے دیتے۔ ہاتھوں میں گھٹے پڑ رہے ہیں۔ ہاتھ سٹیرنگ تھامے تھامے سخت ہو چلے ہیں اور ابھی تک دل میں وہ ضبط ہزار پا کی طرح پنجے گاڑے ہوئے ہے کہ۔ وہ بھی کسی ایسے ہی بڑے آدمی کا بیٹا ہے۔ دفعتاً اسے اپنی ماں پر غصہ آ گیا۔ ہو سکتا ہے کہ خدا نے اس کی مجبوری کی وجہ سے اس کا گناہ بخش دیا ہو۔ مگر وہ خود کیا وہ کبھی اسے معاف کر سکے گا جس نے اسے امارت کے گہوارے سے اٹھا کر غربت اور ذلت کے گڑھے میں پھینک دیا تھا!!

اس کی نظریں عادت پر پڑیں۔ ایک سرد سانس سینے سے نکل گئی!۔

اکلوتے بیٹے کی تلاش میں سرگرداں ایک دردمند یونہی مایوس و ناکام دنیا سے چلا جائے گا! پھر ایک بجلی سی کوند ذہن میں ہوئی۔ لیکن یہ سب لوگ ہوا سے

نائس ہو جائے۔ کوئی اسے سچا نہ سمجھے۔ تب؟!۔

وہاں کیا کرتے تھے : اعزاز نے پوچھا۔

ایک اسکول میں ٹیچر تھا!۔

یہاں کس سلسلے میں آئے؟

ماں کی موت کے بعد جی نہیں لگا!۔ شہر سے وحشت ہوتی تھی!۔

سچ کہہ رہے ہو؟!۔

جی ہاں!۔

بڑا افسوس ہوا یہ سن کر : اقبال صاحب نے کہا : خیر!۔ میں تمہاری ملازمت تلاش کروں گا!۔ یہ قطعی سنگدلی ہے کہ ہم تم سے ایسا کام لیں۔۔۔ ڈرائیور دوسرا آجائے گا!۔

میری ایک گزارش ہے جناب عالی۔!" وہ ملتجیانہ لہجے میں بولا۔

"بلا تکلف کہو : اقبال صاحب نے کہا۔

مجھے آپ اپنی خدمت میں رہنے دیجئے!"

اقبال صاحب نے ہنس کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا : ہاں بیٹے میں تمہیں اپنے گھر سے تھوڑی نکالوں گا!۔ تم میرے ساتھ رہو گے۔ میرے کمرے کے پاس۔ یہاں اوپر۔ اعزاز تو میرے پیچھے پڑ گیا تھا کہ تمہیں آؤٹ ہاؤس کی بجائے سب کے ساتھ رکھے گا!"

"میں آپ کی عنایت اور نوازش کا کن الفاظ میں شکریہ ادا کروں" سچ مچ اس کا دل بھر آیا۔ کیسے اچھے لوگ ہیں۔ بے غرض۔ نیکدل، ہمدرد کون کس کی پرواہ کرتا ہے۔

وہ انقلاب بے حد حیرت انگیز تھا۔ جو اس کی زندگی میں دفعتاً آیا!

مجھے بڑی خوشی ہوئی یہ سن کر کہ تم تعلیم یافتہ ہو: اقبال صاحب نے کہا۔ اگر واقعی تمھارے پاس کوئی ڈگری ہے تو بیٹے چھپاؤ نہیں۔ مجھ سے کہو میں تمھارے لیے اچھی ملازمت کا بندوبست کردوں گا!۔

ہاں ہاں۔ کہو: احراز نے حوصلہ دلایا: کیا پڑھا لکھا ہونا بھی کوئی جرم ہے! تم جیسے یوں چھپا رہے ہو۔؟

مجھے تو یہ بے چارہ مظلوم لڑکا گاڑی چلاتا ہوا کبھی اچھا نہ لگا: اقبال صاحب نے کہا۔

بتاؤ!: احراز نے کہا۔

جی ہاں: اس نے کہا۔ اور اس لب و لہجہ میں کہا جیسے اپنے سنگین گناہ کا اعتراف کر رہا ہو۔

کوئی ڈگری ہے تمھارے پاس!: اقبال صاحب نے پوچھا۔

جی ہاں!:

لاؤ دکھاؤ۔ کہاں ہے؟: احراز نے کہا۔

وہ چپ چاپ اٹھا اور اپنی سند نے کر پھر کمرے میں واپس آگیا۔ احراز نے سند دیکھی اور خاموشی سے اقبال صاحب کی طرف بڑھا دی!۔

انھوں نے سند دیکھی: محمد مکرم۔ ایم اے اکنومکس، سکنڈ ڈویژن!!"

سمجھ میں نہیں آتا: وہ متحیرانہ انداز میں بولے: تم حیدرآباد جیسے شہر سے لکھنو آئے ہو۔ تلاش معاش کی خاطر۔ اور ڈرائیونگ کر رہے ہو؟ کیا اب بھی کوئی راز وابستہ ہے تم سے؟:

اور مکرم کے جی میں آئی کہ اپنا سارا راز کہہ دے۔ مگر وہ دل پر جبر کر کے رہ گیا۔ ہوسکتا تھا کہ اس کے ماں باپ کا پتہ چل سکے۔ اور اس کا راز کھل

دیکھتے ہیں یکبارگی چونک جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟! اقبال حسین صاحب، احراز، سبین اور دوسرے لوگ۔ ان سب کو شبہ ہے کہ انھوں نے اسے کہیں دیکھا ہو! اسے کوئی شوفر سمجھنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ سبین کی نگاہیں بھی کچھ کہہ رہی تھیں۔ کل کیا اس وقت تو اس نے اپنی فطرت کے خلاف اس سے باتیں بھی کرلی تھیں۔ اس کا مطلب کیا تھا؟ کیا کہنا چاہتی تھی؟! وہ پھر اپنے خیالوں میں ڈوب گیا!۔

گاڑی کے پٹ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ وہ جلدی سے پیچھے مڑا۔ سبین تھی اسے کار نک بھیڑنے کے لیے اس کی ماموں زاد بہن وصیہ بھی اس کے ساتھ تھی! اسے اپنے سامنے دیکھ کر پھر اسی طرح ایک عجیب سی کیفیت مکرم کے سینے میں پیدا ہونے لگی۔ جیسے ساکن سطح آب پر کوئی پتھر پھینک کر موجوں کو متلاطم کر دے! مکرم نے جلدی سے اس پر سے نظریں ہٹالیں۔ مگر وہ دیر تک اسے دیکھا کی اور پہلی بار اس سے نگاہیں ملتے ہی یوں بے اختیاری میں مسکرائی جیسے وہ بہت قریب سے جانتی ہو!

اچھا تو پھر بتاؤ۔ وصیہ کب تک آؤگی؟: سبین بولی: تمھارے بغیر تو تھیٹر آرڈنگ کا کوئی سوال ہی نہیں۔ اپنا! مونیم بھی لیتی آنا۔ سُن رہی ہو؟:

سبین باجی۔ میں کوئی وعدہ کیسے کروں۔ آپ نے ممی کو دیکھا ہے ہاں پر ایسے اختلاجی دورے پڑتے ہیں کہ میں تو کیا۔ ڈیڈی اور یاسر بھی انہیں چھوڑ کر پاس سے ہٹ نہیں سکتے!: وصیہ نے عذر پیش کیا: دیسے دعا کیجئے ممی کی طبیعت اچھی ہی رہے میں بھلا کیسے نہ آؤں گی؟:

ایاز سے شرماؤگی تو نہیں؟: سبین ہنستی ہوئی بولی۔

ہٹ۔ وہ شرمائی تو سہی مگر پھر ہنسنے لگی۔ اور بطور لینے لگی: ایاز نے آپ شرمایئے وہ احتشام بھائی کا چھوٹا بھائی ہے:

تمھارے احتشام بھائی خیر سے دولھا کہلانے لگے ہیں۔

مجھے یاد نہیں ۔ اعجاز میاں: اس نے معذرت کی۔

بیکسی کا کوئی پورشن سنا دیجئے: ایاز گنگنایا۔ اسے ہنسی آ گئی۔ مگر اسے سنانا ہی پڑا۔

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالب
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے

رات کے کھانے کے بعد وہ سونے جا رہا تھا کہ اسے ملازم بلانے آیا۔ اقبال حسین صاحب نے اپنے کمرے میں طلب کیا تھا۔

اس رات پہلی دفعہ اس نے بیگم صاحبہ کو بھی دیکھا!۔

بیٹھ جاؤ۔ میاں: اقبال صاحب نے کہا۔ کمرے میں احراز اور ایاز بھی موجود تھے یہ سوچ کر مکرم کا دل دھڑکا یقیناً احراز نے راز کو راز نہیں رکھا تھا۔

ہے ہے۔ اچانک بیگم بولیں: اسی لڑکے کا تذکرہ آپ نے کیا تھا؟

اے ہاں سچ تو ہے۔ بالکل دکھا ہوا سا لگ رہا ہے۔ بچے تمہارے ماں باپ کہاں کے رہنے والے تھے۔

حیدرآباد ہی کے تھے۔ بیگم صاحب!

تم پہلی دفعہ آئے ہو یہاں؟

جی ہاں۔

بعض صورتیں ہوتی ہیں ایسی۔ جن سے خواہ مخواہ محبت معلوم ہوتی ہے:

بیگم صاحبہ نے کہا: اور یہ بے چارہ تو بن ماں باپ کا ہے۔ مجھ سے ایسے لوگوں کا دکھ برداشت نہیں ہوتا۔ کیسی اچھی صورت اور سیرت ہوتی ہے مگر قسمت۔ بڑے بوڑھے کہہ گئے ہیں!

کیا؟!

ہاں! میں تو انہیں بے حد سنجیدہ سمجھتی تھی۔!

کیا کریں بے چارے۔ آپ ہمیشہ انہیں ڈانس کرنے کو کہتی رہتی ہیں!

کل انہوں نے مجھے ایک شعر بھی سنایا تھا!۔

اچھا۔ [illegible] کو شعر کیسے یاد آ گیا؟ کیا شعر تھا!

یاد نہیں: جبین برا سا منہ بنا کر بولی: میں اس وقت کچھ اور سوچ رہی تھی [illegible]۔ سچ مچ آپ بہت شگفتہ ہیں۔

ارے صاحب تو کیا میں ان کے شعر چپ چاپ سنا کروں؟! سبین نے [illegible] انداز سے کہا۔

نہ صرف سنا کیجئے بلکہ ان کی تشریح کر کے اس پر غور کیا کیجئے کہ آخر کچھ نہ کچھ مطلب تو ان کا ہو گا!

کس کا؟ شعر کا یا احتشام صاحب کا؟

دونوں کا: وجیہہ نے کہا اور ان کے ملے جلے جلترنگ جیسے قہقہے فضا میں بکھر گئے۔ اچانک سبین کی نظر مکرم پر پڑی۔ اس کی نظروں کی معنویت میں [illegible] دیکھا احمد ایک دفعہ سر تا پا دونوں کے کانوں پر [illegible] لگا کہ [illegible] میں وہ اسے بھول ہی گئی تھیں۔ اب وہ کچھ جھینپ گیا۔ ان کی گفتگو ایک غیر آدمی نے سن لی تھی!۔

اچھا اب میں چلتی ہوں! سبین جلدی سے بولی: تم آنا ضرور!

اچھا اچھا ضرور۔ خدا حافظ!

سبین [illegible] گئی۔ کار ڈرائیو گیٹ سے نکلی۔ تب سبین آپی [illegible]!

اے شمع بزم محفل ان کو جلا کے بجھا
دو چار اور تیرے پروانے رہ گئے ہیں

سب نے بڑی واہ واہ کی۔ پھر سبین نے پڑھا۔

حد ہی کوئی انتظار کی ہے
اب چاندنی دھوپ ہو چلی ہے

احتشام صاحب سیدھے ہو بیٹھے اور بولے: "اتفاق سے مجھے ایک شعر یاد آ گیا ہے۔"

"عرض کیجئے۔ عرض کیجئے!" اعجاز شعر سننے سے پہلے جھوم کر بولا۔
"جاہل مطلق۔ ایسے موقعوں پر فرمائیے ارشاد کیجئے بولتے ہیں!" وحیدہ بگڑی۔
احتشام نے شعر سنایا۔ ؎

محبت اے معاذ اللہ محبت، دم نکل جائے
اگر محسوس بھی اتنی ہو جتنی دل میں ہوتی ہے

"واہ بھائی جان۔ اتنا اچھا شعر سنایا اور کہتے تھے کہ یاد نہیں!" نازیہ نے کہا۔
"کہا تو کہ اتفاق سے یاد آ گیا۔" احتشام نے کہا۔
"اب بھائی آپ:" اعجاز نازیہ سے بولا۔
نازیہ نے اپنی پسند کا شعر سنایا۔ ؎

بہت شاد ہوتی ہے جب کہ طبیعت
تو کچھ دیر رونے کو جی چاہتا ہے

"خدا نہ کرے۔" یاسر بولا۔ پھر اس نے اپنی پسند کا شعر سنایا۔

خدا کرے کبھی بے اختیار یاد آؤں
خدا کرے کبھی بے اختیار یاد کرو

[illegible]

عکرم نے ہمت کر کے پوچھا: "شاید بیگم صاحب کی طبیعت کچھ خراب تھی اب کیسی ہیں؟"

"خراب۔؟" سبین نے جواب دیا: "ان کی طبیعت کا یک آن [illegible] کہ زندگی بچی کا کوئی بھروسہ نہیں رہتا اور پھر اختلاج کے دورے کے بعد [illegible] بھی ہو جاتی ہیں اب تو وہ بالکل ٹھیک ہیں!"

اس کے بعد عکرم نے پھر کچھ نہیں پوچھا۔ سبین [illegible] اس کی [illegible] طلسم میں کھو گئی اس نے غیر ارادی طور پر اس کی طرف دیکھا۔ اور [illegible] بے حد صدمہ ہوا کہ اس کے جسم پر نہایت معمولی لباس تھا لیکن چہرہ [illegible] نے سوچا۔ اگر اسے قیمتی لباس پہنا دیا جائے تو پھر کیا وہ تب بھی [illegible] گندمی رنگ، سیاہ چمکیلے بال، چہرہ پُر کشش۔ کالونچے پر پیلی [illegible] اسے [illegible] دلکش بنا رہی تھی۔ مگر وہ افسردگی جو اس کی شخصیت کا ایک جزو تھی [illegible] کھو کر رہ گئے مگر اس نے جان بوجھ کر اس کی اداسی کا سبب نہ پوچھا!

گھر پر سبین اتر گئی اقبال حسین صاحب اس کے شکریہ سے بولے: "بہت [illegible] بیٹی۔ اب کیسی ہیں بہن؟"

"اب تو ٹھیک ہیں ابا جان۔!"

اقبال صاحب گاڑی میں بیٹھ گئے اور سبین اندر چلی گئی۔ راستے میں [illegible] عکرم سے پوچھا۔

"بیٹے تم تھک تو نہیں جاتے ہو ہم تمہیں آرام کرنے کا موقع نہیں [illegible] میں خیال رکھوں گا؟"

"جی نہیں۔ جناب بالکل نہیں" عکرم نے کہا اور دل ہی دل [illegible] [illegible]۔

کیا زخوگئے ہے۔ ہاتھ ڈھیل پر۔ نظریں سڑک پر۔ کار کے پٹ بند کرنا کھولنا۔ اور بس،

موسم کی دلکشی کا لطف اٹھانے کے لیے وہ سب آؤٹنگ پر آگئے پہنچے تھے!۔ آسمان ابر سے بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ تند سرد ہوائیں اونچے اونچے درختوں میں سیٹیاں بجاتی ہوئی چل رہی تھیں۔ سبزہ نم تھا، اور غیر محسوس پھوار ایک لطیف دھند کی شکل میں اب بھی پڑ رہی تھی! طرح طرح کے پھولوں کی مہک نے فضا کو معطر کر رکھا تھا ان میں اعزاز کی بیگم نازیہ بھی تھیں۔ پہلی دفعہ مکرم نے انھیں دیکھا تھا! بے حد شگفتہ اور خوبصورت خاتون تھیں۔ مکرم کے دل میں ایک ٹیس سی اٹھی۔ اس نے گھبرا کر سوچا۔ یہ اسے کوئی نیا مرض ہو رہا ہے! شریف گھرانوں کی خواتین کو وہ نہایت نامناسب طریقے پر گھورنے لگا ہے!۔

وہ سب ایک ہرے بھرے کنج کی طرف بڑھ گئے!۔ اعزاز اس سے بولا "آپ بھی چلیے۔ یہ تو اچھا نہیں لگتا کہ آپ تنہا یہاں گاڑی میں بیٹھے رہیں!"

میں آپ کے آنے تک اندر لیٹا رہوں گا! ۔ بس مہربانی کر کے ایک پیالی کافی بھجوا دیجئے گا!: مکرم مسکرایا۔

لیکن کپ کافی آپ کو نہیں دوں گا تو یقیناً اس موسم میں گناہ گار ٹھہروں گا! اعزاز ہنستا ہوا چلا گیا۔ مکرم اپنی نشست پر اطمینان سے پھیل کر بیٹھ گیا اور اپنی نشست کے کشن کے نیچے سے کوئی کتاب نکال لی۔ جلد ہی وہ پڑھنے میں کھو کر گرد و پیش سے بے خبر ہو گیا!۔

بمشکل [illegible] منٹ گزرے تھے کہ [illegible]

نجانے کیسی پھر آگ بھڑکے نجانے کیسی قیامت آئے
شکستِ شیشہ کا ایسا منظر جو شیشہ گر کی نظر سے گزرے!

مکرم خوش تھا کہ اس کے سر سے بلا ٹل گئی۔ اٹھتا ہوا بولا "مجھے اجازت دیجئے۔ گاڑی میں بیٹھتا ہوں"

یہاں کیا برے ہیں: یاسر نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا: ایک چوری آپ کی کھل چکی ہے۔ دوسری اب کھلے گی!۔ آپ سے اشعار سنے جائیں گے!"

مجھے تو ایک شعر بھی یاد نہیں: مکرم ہنس کر بولا۔

اچھا آپ تشریف رکھیے تو سہی۔ تینوں اس کے پیچھے لگ گئے۔ وہ پھر بیٹھ گیا مگر یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ آخر اس کی بے بضاعت ہستی سے انھیں اس قدر وابستگی اور دلچسپی کیوں تھی؟۔

وحیدہ پڑھ رہی تھی،

تم نہ ہوتے اگر زمانے میں
کس سے اٹھتا ستم زمانے کا

یا حق!۔ ایاز نے نعرہ مارا: اسی لیے پروردگار نے میرا وجود تشکیل فرمایا! منع کر دیجئے احتشام بھائی: وحیدہ منمنائی: میں پھر کچھ کہہ دوں گی تو برا نہ مانیں!۔

ایاز۔؟ احتشام نے سنجیدگی سے ڈانٹا۔

اے اللہ۔ ناس جائے میرا۔ جو میں نے ان کی نسبت کچھ کہا ہو: ایاز خالص وحیدہ اسٹائل میں بولا: میں تو شعر کی تعریف میں وجد کر رہا تھا!۔

اچھا اب چونچ بند کرو: مینو بولی۔

یار۔ وقت ضائع کر رہے ہو۔ خوامخواہ: اعزاز جھنجھلا کر بولا

اچھا جاناں۔ اب میں شعر سنا [illegible]: ایاز بولا

رات کے دس پندرہ برس گئے ہوں!۔
بیت بازی شروع کرو۔ نازیہ نے کہا۔
ارے ہاں۔ سچ: سبین بولی۔
پرانا مشغلہ ہے۔ مجھے تو ایک بھی شعر یاد نہیں: احتشام نے کہا۔
مجھ سے اُدھار لے لیجئے: اعزاز بولا۔
عرض کرتا ہوں: یاسر نے عرض کرنے کے لیے کھنکھار کر گلا صاف کیا۔
دیوانہ بنانا ہے تو دیوانہ بنا دے   پروانہ بنانا ہے تو پروانہ بنا دے
کیا واقعی یہ کوئی شعر ہے؟: احتشام نے اتنے تعجب سے پوچھا کہ وہ سب ہنس پڑے!

بیت بازی پر خاک ڈالو: ایاز بولا: ہم سب اپنے پسندیدہ اشعار سنائیں
میں تو سنا چکا!: یاسر بولا: فصاحت و بلاغت اور معنویت سے منہ تک لبالب بھرا ہوا کہ شاعر کہتا ہے اگر مجھے پروانہ بنانا ہے تو بنا دے ورنہ دیوانہ بنا دے کہ اگر میں شمع پر جل کے نہ مروں تو کم از کم پتھر سے سر پھوڑ کے مر جاؤں!
جہالت کی باتیں نہ کرو میاں: اعزاز بولا: دیکھو سنو۔ شعر اسے کہتے ہیں
فرمایا ہے سے   میرا نام عبدالرحمٰن   بھننے والا میں ہوں پٹھان۔ اندر کو
از قلم چنا جور گرم۔!
مسخرہ پن تو گھر کے کمرے میں بھی بیٹھ کے ہو سکتا تھا: نازیہ خفا ہوئیں۔
"اب کچھ نہیں لگ رہا ہے تو چلو چلیں۔ مجھے اپنا منا یاد آ رہا ہے۔ سویا ہوا چھوڑ کر آئی تھی۔"

اچھا اب سنجیدگی سے عرض کرتا ہوں: اعزاز نے گلا پھر گا کر
[illegible]

مکرم جب تک سنبھلتا، اعزاز نے پلیٹ اسے تھما دی اور پھر ایک نوالہ کہا
"ابن صفی کا کوئی خاص نمبر ہے: اس کے بعد مکرم کے جواب دیے بغیر کتاب اس کے ہاتھ سے چھین لی۔
کتاب پر اس کی نظر پڑی اور اس نے بدحواسی سے پلیٹ [illegible] سیٹ پر رکھی کہ کاجو بسکٹ اور سنبوسے سب گڈمڈ ہو گئے!
ہائیں۔ یہ کیا: اعزاز دم بخود رہ گیا اور حیرت سے مکرم کو تکنے لگا۔
"آپ بیکٹ پڑھ رہے تھے۔
مکرم کی پیشانی پسیج گئی۔ اس کی طاقت گویائی ہی ختم ہو چکی تھی [illegible] نے ورق پھڑ پھڑا کر الٹے۔ اور بولا: سچ بتائیے۔ آپ یہ کتاب پڑھ سکتے ہیں
تن۔ نہیں۔ میں نہیں پڑھ سکتا۔ تصویریں دیکھ رہا تھا: مکرم بولا۔
تصویریں؟: اعزاز ہنس پڑا: بے وقوف بنا رہے ہیں مجھے۔ اس میں تصویریں کہاں ہیں۔ اچھا آپ کافی لیجئے: یہ کہہ کر وہ اس کی کتاب اٹھائے ہوئے ہوا اپنے ساتھیوں کی طرف دوڑ پڑا۔
"آج کی تازہ خبر۔ اسٹاپ پریس کی خبر۔!"
ابھی وہ پڑھا ہی ہوا تھا کہ میں بیکٹ چبا رہا تھا کہ پھر اعزاز اور اس کا شریر دوست ایاز اس کے پاس آ کھڑے ہوئے۔ طشتری اس کے ہاتھ میں کانپ کر رہ گئی!۔ جیسے اس نے کوئی چوری کی ہو۔ چہرہ سفید اور ماتھے پہ [illegible]
سچ کہتا ہوں: ایاز بولا: میں تو پہلے ہی سمجھتا تھا کہ ان حضرت نے بھی الو بنایا ہے۔ صورت سے مجھے کبھی گاڑی ہانکنے والے نہیں لگے!۔
میں کہتا ہوں کہ [illegible]
نے کہا۔ [illegible]

کو خدا کا واسطہ: ...

چلیے اتریئے: ایاز نے کہا اور پٹ کھول کر اسے نیچے کھینچ لیا۔ مجبوراً اکرم کا [illegible] کر کے ان کے ساتھ چلا گیا۔

شاید اس نے اللہ سب سے تذکرہ کر دیا تھا۔ اکرم کو ان لوگوں نے اس طرح دیکھا جیسے وہ کوئی عجیب الخلقت جانور ہو اور ابھی ابھی انڈے سے پھوٹ کر آیا ہو! نجانے وہ لوگ کیا باتیں کر رہے تھے۔ بیچارہ گم خاموش ہو گئے۔

ایاز اکرم کا بازو تھام کر [illegible] اور [illegible] ساتھ چلتے ہوئے بنچ پر ڈھیر ہو گیا۔

واقعی بڑی مسرت ہوئی یہ معلوم کر کے!: احتشام نے کہا۔

کس نے بتایا آپ کو یافتہ ہونا چھپایا گیا تھا؟: نازیہ نے پوچھا۔

میں اپنا [illegible] سے پوچھا گیا!: اکرم بولا۔

ہم۔ میں!: اکرم ہکلایا۔ اسے ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کا ایک بڑا ترنگ سا کھل گیا ہو۔ یہ لوگ اسے کیوں کوئی مرتبہ دینا چاہتے ہیں!۔ گھبرایا اور سراسیمہ [illegible] رہا ہو۔

میں قول [illegible] سے کہتا ہوں کہ میں جیکٹ کے پیچھے بھی نہیں جاتا!۔ ایاز بولا۔

آپ غالباً حیدر آباد سے آئے ہیں!۔ احتشام نے کہا۔

جی ہاں!

کہاں سے ڈگری ہے آپ کے پاس؟ احتشام نے پوچھا۔

[illegible] جناب۔ [illegible] ذرا سی [illegible] اکرم نے [illegible] کر کہا

[illegible]

یہ کچھ نہیں۔ آپ کا جرم سنگین ہے۔ اب آپ خدا کو حاضر ناظر جان کر سچ سچ کہیئے کہ آپ نے اپنی بات پوشیدہ رکھ کر یہ نازیبا حرکت کی ہے۔ ورنہ میں نہیں جانتا کہ یہ پوری جیوری آپ کے حق میں کون سی ہولناک سزا تجویز کرے گی:

چیف جسٹس آنریبل ایاز خان صاحب زندہ باد۔ انصاف پائندہ باد! احتشام نے تالیاں بجا کر داد دی۔

آرڈر آرڈر: ایاز نے رعب دار آواز میں کہا: عدالت گنواروں کا ساتھ نہ چاہئے۔ ملزم کو منہ کھولنے کا موقع دیا جائے۔

لارڈ آنر: احتشام نے دست بستہ کہا: ملزم زبان حال سے اپنے ناقابل جرم کا اقبال کر رہا ہے کیونکہ اس کا چہرہ فق اور طاقت گویائی سلب ہو چکی ہے۔

وحیدہ اور سبین کھنکتی ہوئی آواز میں ہنس پڑیں۔ اکرم نے نازیہ کی طرف دیکھا جن کے خوبصورت چہرے پہ بے حد دلپذیر مسکراہٹ تھی!

کیا آپ ملزم کی طرف سے وکیل صفائی ہیں!: وحیدہ احتشام سے بولی۔

جی ہاں: ایاز نے کہا: یہی خاک روب روز ملزم کے کمرے کی صفائی کرتا ہے آپ گھر سے ہیں۔ خاموش رہیے: احتشام نے ایک گھونسہ ایاز کے رسید کیا ضروری کارروائی میں ٹانگ اڑانے والے کو پارک بدر کر دیا جائے گا!:

ہائے اللہ۔ شاید پانی برسے گا!: سبین بولی۔

تم پانی سے بہت ڈرتی ہو۔ احتشام ہنسنے لگے!۔

سچ! چلیے اب چلیں: نازیہ نے کہا: پارک میں بس ہم ہی رہ گئے ہیں کوئی اور نظر نہیں آتا!:

[illegible]

THE HAREEM
Dec. 80
Rs. 1.20

گذشتہ ۴۹ سال سے پابندی کے ساتھ شائع ہونیوالا
ہندوستان کا سب سے قدیم اردو رسالہ

ماہنامہ

حریم

لکھنؤ

جلد (۵۸) نمبر شمارہ ۱۲

بیادگار۔ سید محمد علیم اٹہونوی مرحوم
شفیق النساء بیگم سلیم اٹہونوی مرحوم
مدیر و نگراں۔ نسیم اٹہونوی
معاون ۔ ٭ شوکت جہاں بیگم ٭ جانی بیگم ردولوی
مینیجنگ مدیرہ۔ فہیم اٹہونوی

(صرف دسمبر ۸۰ء تک)
قیمت سالانہ (اعزازی) منی آرڈر سے تیس روپئے
مخصوص خریداری۔ منی آرڈر سے اکیس روپئے
معمولی خریداری۔ منی آرڈر سے اٹھارہ روپئے
دی، پی سے رسالہ منگوانے پر تین روپئے زائد
غیر ممالک (سی میل سے) ۴۰ روپئے
ایرمیل سے مختلف ملکوں کے لئے مختلف شرحیں
فی پرچہ۔ ایک روپیہ بیس پیسے
مقام اشاعت و ترسیل۔ ۲۵ لاٹوش روڈ لکھنؤ
مالکان۔ نسیم بک ڈپو لاٹوش روڈ لکھنؤ

فہرست مضامین ماہ دسمبر ۱۹۸۰ء

ایس۔ ایم فہیم اٹہونوی پبلشر نے سرفراز قومی پریس لکھنؤ میں باہتمام سید انصار حسین چھپوا کر دفتر حریم ۲۵ لاٹوش روڈ لکھنؤ سے شائع کیا

آگئی ۔ آگئی ۔ آگئی

ہر طرف یہی چرچا ہے کہ

بخشی جنتری سنہ ۱۹۸۱ء

آگئی

جو حمد و نعت، قرآنی دعاؤں، فرمان مصطفوی اور سالانہ پیشین گوئیوں، ڈاک کے قواعد۔ تعطیلات کی فہرست وغیرہ کے ساتھ پاکٹ سائز پر بہترین طباعت کے ساتھ سالہائے ماسبق کی طرح شائع ہوگئی ہے۔ اس کی اشاعت کا سہرا ملک کے

قدیم دوا ساز فرم

ایس اے بی بخشی اینڈ کمپنی

۳۲۔ کولوٹولہ اسٹریٹ۔ کلکتہ

کے سر ہے جس کی شہرۂ آفاق دوائیں عرصہ دراز سے نہ صرف ہندوستان بلکہ غیر ممالک میں بھی مقبول ہیں۔

قیمت صرف ۲۰ پیسے۔ اپنے قریبی اسٹاکسٹ سے حاصل کیجئے۔

"حیات طیبہ کا ازدواجی شعبہ" کی نویں اور آخری قسط

باب پانزدہم خدمتِ اسلام میں ازواج مطہرات کی کارگذاریاں

اس کتابچہ کو ختم کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم ازواج مطہرات کی ان کارگذاریوں پر ایک نگاہ ڈال لیں جو انھوں نے منفرداً خدمتِ اسلام میں انجام دی ہیں۔

حضرت خدیجہؓ

(۱) آپ حضورؐ کی سب سے پہلی بیوی ہیں۔ آپ کی زندگی میں حضورؐ نے دوسرا نکاح نہیں کیا۔

(۲) تمام بی بیوں میں فقط آپ ہی ایسی تھیں جن کے مال نے حضورؐ کو فائدہ دیا۔

(۳) مردوں اور عورتوں میں سب سے پہلے آپ ہی حضورؐ پر ایمان لائیں۔

(۴) آپ کے سوا کسی بی بی (سوائے حضرت ماریہ قبطیہ) سے حضور کو اولاد نہیں ہوئی۔ آپ ہی سے حضورؐ کی اولاد کا سلسلہ قائم ہوا۔

(۵) اور قریش کی عورتوں میں خدیجہؓ نسب، مال اور شرافت ہر لحاظ سے زیادہ تھیں۔ (کامل ابن اثیر جلد ۲ صفحہ ۴۰)

(۶) مشرکوں کی تردید اور تکذیب سے جب کبھی حضورؐ کبیدہ خاطر ہوتے تو حضرت خدیجہؓ تصدیق کرتیں، تائید کرتیں، اور مشرکوں کے معاملہ کو معمولی ثابت کرتیں، پھر آپ کی کبیدہ خاطری دور ہوجاتی۔ (استیعاب)

(۷) جب رسول اکرمؐ کو کافروں نے "شعب ابی طالب" میں پورے تین سال تک محصور رکھا تو یہ غمگسار بیوی اس صبر آزما گھڑی میں آپؐ کے ہمراہ مصائب جھیلتی رہیں اور اُف تک نہ کیا۔

سیرت ابن ہشام میں ہے۔ "اور وہ رسول اللہ کے ساتھ رہیں اور شعب ابی طالب میں بھی آپؐ کے ہمراہ رہیں۔ (جلد ۱ صفحہ ۱۹۲)

(۸) سیرت ابن ہشام میں ہے۔ "اور وہ اسلام کے معاملہ میں آپ کی سچی مشیر و وزیر تھیں۔"

(۹) ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا جنتی عورتوں میں سے افضل ترین خدیجہؓ، فاطمہؓ اور آسیہؓ ہیں۔ (یعنی خدیجہؓ بنت خویلد، فاطمہ بنت محمدؐ، مریمؑ بنت عمران، اور آسیہؓ بنت مزاحم)

(۱۰) استیعاب میں ہے کہ ایک دفعہ حضورؐ نے آپؓ سے فرمایا۔ جبرئیل تم پر سلام کہتے ہیں۔ بعض روایتوں میں ہے کہ جبرئیل نے کہا یا حضرت خدیجہؓ سے فرمائیے کہ رب العالمین ان کو سلام کہتے ہیں۔

(۱۱) صحیح مسلم (جلد ۲ صفحہ ۳۴۳) میں ہے۔ حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ میں نے خدیجہ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا ہے کسی اور پر نہیں آتا۔ جس کی وجہ یہ تھی کہ حضور ہمیشہ ان کا ذکر کیا کرتے تھے۔

(۱۲) حضور ہمیشہ جب کبھی خدیجہؓ کا ذکر فرماتے تو تعریف اور دعا کرتے ان کی سہیلیوں کو ہدیئے اور تحفے بھیجتے۔ آپ کے رشتہ داروں کی خاطر مدارات کرتے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضورؐ اکثر خدیجہؓ کا ذکر فرمایا کرتے۔ ایک دفعہ جب ان کا ذکر فرما رہے تھے، میں بول اٹھی یا رسول اللہ! آپؐ کیا اس بڑھیا کا ذکر بار بار چھیڑتے ہیں۔ اللہ نے آپؐ کو اچھی اچھی بیویاں دی ہیں۔ حضورؐ نے فرمایا خدا کی قسم مجھے اس سے اچھی بیوی کوئی نہیں ملی۔ وہ اس وقت ایمان لائی تھیں جب کہ سب

ایک کافر تھے۔ انھوں نے اس وقت تصدیق کی تھی جب تمام لوگ مجھے جھٹلا رہے تھے۔ انھوں نے اس وقت مال و دولت میرے سپرد کردی جبکہ میں اس سے محروم تھا۔ اللہ نے مجھے ان کے بطن سے اولاد بخشی۔ اور یہ شرف کسی کو حاصل نہیں (سوائے حضرت ماریہ قبطیہ کے)

حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ اس دن سے میں نے یہ عہد کرلیا کہ اب کبھی ایسی بات نہ کروں گی جس سے حضرت خدیجہؓ کی تحقیر ہو

حضرت سودہ

(۱) آپ کا سلسلہ نسب نویں پشت میں حضور سرور کائناتؐ کے سلسلۂ نسب سے جاکر مل جاتا ہے۔

(۲) وہ اسلام کے ابتدائی دور میں مسلمان ہوئیں۔ اس وقت ان کے شوہر سکران کافر تھے۔ لیکن ان ہی کی تبلیغ سے آگے چل کر مسلمان ہوگئے۔ پہلی ہجرت حبشہ میں میاں بیوی دونوں شامل تھے۔

(۳) طبقات ابن سعد (جلد ۸ صفحہ ۳۷) میں ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں "سودہؓ کے علاوہ کسی اور عورت کو دیکھ کر مجھے یہ خیال نہ ہوا کہ اس کے قالب میں میری روح ہوتی۔

حضرت عائشہؓ

(۱) وہ حضورؐ کی واحد کنواری بیوی ہیں (سوائے حضرت ماریہ قبطیہؓ کے)

(۲) صحیح مسلم (جلد ۲ صفحہ ۲۸۵) میں لکھا ہے۔ حضرت عائشہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ آپؐ نے فرمایا "تم مجھے خواب میں تین مرتبہ دکھائی دیں تمہیں فرشتہ سفید ریشم میں میرے پاس لایا اور کہا کہ یہ تمہاری بیوی ہیں اور تمہارا چہرہ کھول کر دکھایا۔ تم بالکل ویسی ہی ہو۔ اس وقت میں نے کہا کہ اگر یہ خواب ظاہر پر محمول ہے تو ایسا ہی ہوگا"

واضح رہے کہ انبیاء علیہم السلام کے خواب وحی ہوتے ہیں۔

(۳) چونکہ آپ اپنے والدین کے زمانۂ اسلام میں پیدا ہوئی تھیں اس لئے آپ پیدائش ہی سے شرک وکفر کی آلودگی سے پاک رہیں۔

(۴) آپ کے کردار، عصمت وبرکات میں قرآن شریف کی آیات نازل ہوئیں۔

(۵) آپ ہی کے لحاف میں کئی بار حضورؐ کو وحی ہوئی کسی اور بیوی کے لحاف میں نہیں ہوئی۔

(۶) ان ہی کے حجرے میں اور ان ہی کے آغوش میں سر رکھے ہوئے حضورؐ کا وصال ہوا۔ اور وہیں دفن ہوئے۔

(۷) عروہ بن زبیرؓ فرماتے ہیں کہ فہم قرآنی، احکام حلال وحرام، اشعار عرب اور علم الانساب میں حضرت عائشہؓ سے بڑھ کر میں نے کسی کو نہ پایا۔ یہی وجہ ہے کہ جلیل القدر صحابہ بھی پیچیدہ مسائل کے حل میں حضرت عائشہ کی طرف رجوع کرتے تھے۔ (جلاء الافہام۔ ابن قیمؒ ابن سعد جز ۲ صفحہ ۲۶)

علم کلام کے متعدد مسائل میں منفرد مقام رکھتی تھیں مثلاً رویت باری تعالیٰ، علم غیب، عصمت انبیاء، معراج، ترتیب خلافت، سماع موتٰی وغیرہ

علم اسرار دین میں گہری معلومات تھیں اور ان سے اس سلسلہ میں بہت سے مسائل مروی ہیں مثلاً قرآن مجید کی ترتیب نزول، مدینہ میں اسلام کی کامیابی کے اسباب، غسل جمعہ، نماز قصر کی علت، عاشورہ کے روزہ کا سبب، حج کی حقیقت، ہجرت کے معنیٰ وغیرہ۔

تاریخ عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ خود تاریخ اسلام کا ایک بڑا حصہ ان ہی سے مروی ہے۔

(۸) حضرت عائشہ نہایت فصیح وبلیغ تھیں۔ ان کی گفتگو نہایت بامحاورہ مختصر مگر پرمعنی، چست اور ادبیت میں اعلیٰ پایہ کی ہوتی تھی، چنانچہ آپ کے شاگرد موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں کہ میں نے عائشہ سے زیادہ فصیح کسی کو نہیں دیکھا۔ ان کی فصاحت وبلاغت کے بہت سے نمونے عربی کتابوں میں درج ہیں۔

(۹) بہت سے محدثین کا قول ہے کہ اگر حضرت عائشہ نہ ہوتیں تو نصف علم حدیث ضائع ہو جاتا۔ باوجودیکہ آپ ایک پردہ نشین عورت تھیں اور آپ کو علم حدیث کی اشاعت کے وہ ذرائع میسر نہ تھے جو عموماً اصحاب کرام کو تھے لیکن پھر بھی آپ سے اس قدر حدیثیں مروی ہیں کہ راویان حدیث میں کثرت روایت کے سبب جو صحابہ ممتاز ہیں ان میں آپ کا درجہ چھٹا ہے۔ آپ کی روایت کردہ حدیثوں کی تعداد دو ہزار دو سو دس ہے جن میں سے ایک سو چوہتر پر شیخین نے اتفاق کیا ہے۔

(۱۰) بڑے بڑے صحابہ اور تابعین آپکے علم وفضل کے علاوہ آپ کے تفقہ اور قوت اجتہاد کے بھی معترف تھے۔ دوسرے صحابہ جہاں

حدیث کی صرف روایت کرنا ہی کافی سمجھتے تھے آپ وہاں روایت حدیث کے علاوہ اس کی تصریح و تشریح بھی فرمایا کرتی تھیں۔ حدیث کا صحیح مفہوم و مطلب واضح کرتیں۔ اگر کوئی حدیث کا غلط مفہوم بیان کرتا تو اپنی خداداد ذہانت اور قوت اجتہاد سے اس کی اصلاح فرماتیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرمایا کرتے تھے: "ہم صحابۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی ایسی مشکل بات کبھی پیش نہیں آئی کہ جس کو ہم نے عائشہ سے پوچھا ہو اور ان سے اس کے متعلق ہمیں کچھ معلومات نہ ملے ہوں"

مسروق بن اجدع تابعی جو آپ ہی کے پروردہ و تعلیم یافتہ بلکہ متبنیٰ تھے فرماتے تھے ـــــ خدا کی قسم میں نے بڑے بڑے صحابہ کو ان سے فرائض کے مسئلے دریافت کرتے دیکھا ہے"

مشہور تابعی امام زہری جنھوں نے بڑے بڑے اکابر صحابہ سے فیض پایا تھا کہتے ہیں ـــــ اگر تمام مردوں اور امہات المومنین کا علم ایک جگہ جمع کیا جائے تو حضرت عائشہ کا علم ان میں سب سے وسیع ہوگا۔

عطا بن الرباح جو ایک ممتاز تابعی ہیں کہتے ہیں ـــــ عائشہؓ سب سے زیادہ فقیہ سب سے زیادہ صاحب علم اور عوام میں سب سے زیادہ ہردلعزیز تھیں۔

(۱۱) حضرت عائشہ درس بھی دیا کرتی تھیں۔ ان کے ممتاز شاگردوں کی تعداد دو سو سے زیادہ ہے۔ جب کسی طالب یا طالبہ کو کچھ پوچھتے ہوئے حجاب ہوتا تو آپ فرماتیں: "پوچھو تم اپنی ماں سے کیا پوچھنا چاہتے ہو"

(۱۲) حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ میں نے احد کے موقع پر حضرت عائشہؓ اور ام سلیمؓ کو دیکھا کہ وہ کاندھوں پر مشکیں اٹھائے ہوئے زخمیوں اور مومنوں کے منہ میں پانی ڈالتی تھیں۔ پانی جب ختم ہو جاتا تو پھر مشک بھر لاتی تھیں اور زخمیوں کے منہ میں پانی ٹپکاتی جاتی تھیں۔

(صحیح بخاری غزوۂ احد)

(۱۳) جنگ بدر میں جس پرچم تلے فرشتوں نے لڑائی لڑی اور جس کے تلے لشکر اسلام نے اولین فتح حاصل کی وہ پرچم سیدہ عائشہؓ ہی کی اوڑھنی سے تیار کیا گیا تھا۔ (سیرت حلبیہ جلد ۲ صفحہ ۱۴۸)

(۱۴) سخاوت کا یہ عالم تھا کہ عبداللہ بن زبیر جو آپ کے بھتیجے تھے آپ کی سخاوت دیکھ کر گھبرا گئے اور لوگوں سے کہا کہ انھیں ہاتھ روک کر خرچ کرنا چاہیئے۔ جب آپ کو یہ بات معلوم ہوئی تو ان پر اتنا ناراض ہوئیں کہ ان سے بات چیت ترک کر دی۔ اور قسم کھائی کہ بات نہ کریں گی چنانچہ عبداللہ بن زبیر ایک عرصہ تک آپ کے معتوب رہے۔ بالآخر معافی مانگی۔ پھر حضرت عائشہ کا غصہ فرو ہوا۔

(۱۵) آپ خوبصورت صحت مند، سرخ و سپید رنگت والی تھیں۔

حضرت حفصہؓ

(۱) آپ کو علم آپ کے باپ حضرت عمرؓ سے ترکہ میں ملا تھا۔ ایام جاہلیت میں حضرت عمرؓ اپنے علم و فضل کے سبب قریش میں ممتاز تھے اور قریش کی طرف سے گرد و نواح کے شاہوں کے درباروں میں سفارت کا کام انجام دیا کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ چونکہ ذوق علم سے آشنا تھے۔ اس لئے انھوں نے نہ صرف اپنے بیٹے حضرت عبداللہؓ کو لکھنا پڑھنا سکھایا بلکہ اپنی بیٹی اور بہن کو بھی۔

(۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد میں جو قرآن شریف مکمل کتاب کی صورت میں جمع کیا گیا تھا وہ شہادت فاروقی کے بعد آپ ہی کے قبضہ میں رہا۔ آپ اسی سے تلاوت کیا کرتی تھیں۔

حضرت عثمانؓ کو جب قرآن شریف کی نقول کی ضرورت ہوئی تو آپ نے حضرت حفصہ سے اسی قرآن شریف کو لے کر اس کی نقلیں کرائیں اور اصلی نسخہ آپ کے پاس بھیج دیا۔

(۳) آپ ہی کے متعلق جناب رسالت مآب نے فرمایا تھا۔ "حفصہ سے وہ شخص نکاح کرے گا جو عثمانؓ سے بہتر ہے۔ اور عثمانؓ کا نکاح اس عورت سے ہوگا جو حفصہؓ سے بہتر ہے"

حضرت اُم سلمہؓ

(۱) آپ ابتدائی دس مسلمانوں میں تھیں اور آپ کے شوہر عبداللہ گیارھویں مسلمان تھے۔

(۲) آپ حبشہ کی طرف ہجرت اولیٰ میں شامل تھیں اور آپ ہی نے سب سے زیادہ واقعات وہاں کے بیان کئے ہیں۔

(۳) امہات المومنین میں حضرت عائشہ کے بعد علم میں آپ ہی کا درجہ تھا۔ آپ سے حدیثیں بھی مروی ہیں۔ آپ فتوی بھی جاری

کرتی تھیں۔ ابوہریرہؓ جیسے ذی علم حضرات ان سے استفادہ کرتے تھے۔

(۴) صلح حدیبیہ کے موقع پر جو مشورہ آپ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا اس سے آپ کی اعلیٰ فراست اور ذہانت جھلکتی ہے۔ (مسند جلد ۶ صفحہ ۲۰۰) میں لکھا ہے۔ وہ کامل العقل صائب الرائے تھیں۔

(۵) امہات المومنین میں آپ کا انتقال سب سے پیچھے ہوا اس وقت آپ کی عمر چوراسی سال تھی۔

(۶) حضرت امام حسینؓ کی شہادت آپ کی عمر کے آخری سال میں ہوئی۔ جس دن حضرت حسینؓ میدان کربلا میں شہید ہوئے تھے آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضور سرور کائنات نہایت مغموم و پریشان آپ کے پاس تشریف لائے سر اور ریش مبارک کے بال خاک آلود ہیں۔ فرماتی تھیں میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! حضورؐ کیوں روتے ہیں۔ فرمایا کہ ابھی میرے سامنے حسینؓ شہید ہوئے ہیں۔ اس خواب وحشت اثر کو دیکھ کر آپ زار و قطار رونے لگیں۔

(۷) آپ قرأت کے فن میں کمال پر تھیں اور کلام مجید کو رسول اللہ کے طرز پر پڑھا کرتی تھیں۔

(۸) آپ نے حضورؐ کے ایک موئے مبارک کو چاندی کی نلکی میں رکھ لیا تھا۔ جب مدینہ میں کوئی بیمار ہوتا تو پیالہ میں پانی بھیج دیتا آپ وہ نلکی پانی میں ڈال دیتیں مریض اس کو پی کر شفا پا لیتا۔

حضرت زینبؓ بنت جحش

(۱) وہ رسول اللہؐ کی حقیقی پھوپھی زاد بہن تھیں۔

(۲) حضورؐ نے ان کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام اور اپنے منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثؓ سے کرادی تھی اور اس طرح تاریخ عالم میں پہلی بار آزاد اور غلام کی مصنوعی تفریق کو توڑ دیا تھا۔

" نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز "

(۳) حضورؐ سے آپ کی شادی خود اللہ نے کرا دی تھی (احزاب/۳۷) اس لئے زمین پر رسم شادی کی ضرورت نہ تھی۔

(۴) جب آپ کو طلاق ہوگئی تو خود حضورؐ نے آپ کو ازواج مطہرات میں شامل کر لیا اور اس طرح جاہلیت کی وہ رسم توڑ دی کہ منہ بولے بیٹے کی بیوہ یا مطلقہ سے شادی نہ کی جائے۔

(۵) سیدہ عائشہ کا بیان ہے ـــــ میں نے کوئی عورت زینب سے زیادہ دیندار، پرہیزگار، راستباز، فیاض، صدقہ کرنے والی، صلہ رحمی کرنے والی، اللہ کی رضا جوئی میں سرگرم رہنے والی نہ دیکھی۔ صرف مزاج میں کچھ تیزی تھی جس پر انھیں بہت جلد ندامت ہوجاتی تھی (صحیح مسلم جلد ۲ صفحہ ۳۳۳)

حضرت جویریہؓ

(۱) حضورؐ سے آپ کی شادی کے بڑے دور رس نتائج ہوئے۔ قبیلہ بنو مصطلق کے سینکڑوں غلام جو مسلمانوں کے پاس تھے اس شادی کے دن ہی رہا کر دیئے گئے جس کا نفسیاتی اثر اس قبیلہ پر بہت گہرا پڑا۔ اس کے علاوہ یہ قبیلہ ذہنی طور پر مسلمانوں سے قریب آگیا۔ اس نے آہستہ آہستہ اپنی اسلام دشمنی اور لوٹ مار کا پیشہ چھوڑ دیا۔ پر امن شہری اور بالآخر اہل ایمان بن گیا۔ اس قبیلہ کے ٹوٹ جانے سے دشمنان اسلام کی کمر بہت ٹوٹ گئی۔

حضرت صفیہؓ

(۱) باپ کی طرف سے آپ کے مورث اعلیٰ حضرت ہارونؑ برادر حضرت موسیٰؑ تھے۔

(۲) حضورؐ سے آپ کی شادی ہو جانے کے بعد یہودیوں نے عملی طور پر اسلام دشمنی چھوڑ دی۔

حضرت میمونہؓ

(۱) آپ کا نکاح حضورؐ سے اس وقت ہوا جب آپؐ عمرہ ادا کر رہے تھے۔

(۲) نسوانی مسائل کے متعلق بہت سی احادیث حضرت میمونہ ہی سے مروی ہیں۔

باب شانزدہم ۔ چند سوالات و جوابات

مندرجہ ذیل چند سوالات وہ ہیں جنھیں عام طور پر مستشرقین، یہودی اور عیسائی اٹھاتے ہیں اور ان کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوتا کہ پیغمبر اسلام کے متعلق غلط فہمیاں پھیلائیں۔

سوال ۔ جب حضرت سودہؓ حضورؐ کی زوجیت میں موجود تھیں تو پھر حضرت عائشہؓ سے شادی کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی تھی۔

جواب (۱) اس دوستانہ تعلق کو مضبوط تر کرنے کے لئے جو حضرت ابوبکرؓ سے پہلے ہی سے قائم تھا۔

(ب) خدمتِ اسلام کے لئے حضرت عائشہؓ جیسی صلاحیتوں والی ہستی کو تعلیم و تربیت دینا۔

(ج) ان کی صلاحیتوں کو اسلام کے لئے استعمال کرنا۔

سوال۔ کس طرح ۹ سال کی لڑکی ۵۴ سال کے شوہر کے ساتھ خوش رہ سکتی ہے؟

جواب۔ یہ آپ کو کس طرح معلوم ہوا کہ حضرت عائشہؓ ۵۴ سال کے شوہر کے ساتھ خوش نہ تھیں۔ تمام کتب احادیث اس بات پر سختی سے متفق ہیں کہ تمام دیگر ازواج مطہرات کی طرح حضرت عائشہ بھی اپنی ازدواجی زندگی سے بہت خوش تھیں اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ وحی الٰہیہ نے انھیں اور تمام دیگر ازواجِ رسول کو اجازت دی کہ وہ دو راستوں میں سے جس کو چاہیں آزادی سے منتخب کرلیں یعنی دنیا کے مال ومتاع کی طرف جائیں اور حضور انھیں خوشی اسلوبی سے الگ کردیں یا پھر وہ اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کو پیش نظر رکھیں۔ حضرت عائشہؓ اور دیگر تمام ازواج نے اپنی آزادی فیصلہ کے ساتھ اللہ اور رسول کے راستے کو منتخب کیا حضرت عائشہؓ اگر خوش نہ تھیں تو الگ ہو جانے کا موقع اس سے بہتر اور کیا مل سکتا تھا۔

پھر آپ حضرت عائشہ کے لئے کیوں پریشان ہیں؟ آپ زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ زن و شو کے درمیان عمر کا فاصلہ تھا۔ لیکن آپ ذرا اپنے دامن میں بھی جھانک کر دیکھئے۔ آپ کی انجیل کہتی ہے کہ (نعوذ باللہ) حضرت داؤدؑ اور حضرت سلیمان جیسے پیغمبران نبی سینکڑوں شادی شدہ اور غیر شادی شدہ عورتیں رکھتے تھے۔ آپ کی انجیل یہ بھی کہتی ہے کہ (نعوذ باللہ نعوذ باللہ) حضرت لوط کے ناجائز تعلقات اپنی دختروں کے ساتھ تھے اور ان سے نسل چلی۔ اگر انجیل سچ ہے تو پھر آپ ان سب کے خلاف آواز کیوں نہیں اٹھاتے۔ کیوں ایسے مذاہب کو مانتے ہیں جن میں بزرگوں کی ایسی گھناونی مثالیں موجود ہیں؟ اور اگر انجیل ہی غلط ہے تو ایسی انجیل کو چھوڑ دیجئے۔

سوال۔ چونکہ ایک کم سن لڑکی کی شادی ایک عمر رسیدہ شخص سے ہو گئی ورنہ اس پر واقعۂ افک کے الزامات نہ لگائے جاتے۔

جواب۔ جہاں تک الزامات کا تعلق ہے، حضرت مریم علیہا السلام پر زیادہ سنگین اور گھناؤنے الزامات لگائے جا چکے ہیں۔ اور محض الزامات لگا دینے سے کوئی ملزم مجرم نہیں بن جاتا۔ جرم کا ثبوت چاہیئے۔ جہاں تک حضرت عائشہ کا تعلق ہے اس سے بڑھ کر اس کی پاکدامنی کی شہادت اور کیا ہو سکتی ہے کہ وحی الٰہیہ نے اٹھ کر انھیں بے قصور اور بے داغ قرار دیا اور جن لوگوں نے ان پر الزامات لگائے تھے ان سے باز پرس کی۔ پھر خود جناب رسالتمآب نے الزام لگانے والوں کو پورا پورا موقع دیا کہ وہ ثبوت اور شہادت پیش کریں لیکن کوئی ثبوت اور کوئی شہادت پیش نہ کر سکا یہ ایک سر اسر جھوٹی افواہ تھی اور افواہ کے پاؤں سب سے تیز ہوتے ہیں۔

سوال۔ یہ کہاں تک صحیح ہے کہ پیغمبر اسلام خود اپنی پھپھیری بہن حضرت زینب بنت جحش سے شادی کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے انھیں حضرت زیدؓ سے طلاق دلوا کر خود شادی کرلی۔

جواب۔ جیسا کہ آپ نے خود تسلیم کیا ہے کہ وہ حضورؐ کی پھپھیری بہن تھیں۔ چنانچہ حضورؐ نے ان کی شادی سے پہلے ان کو ہزاروں بار دیکھا ہوگا۔ اگر ان کے دل میں شادی کا کوئی ذرا سا بھی خیال ہوتا تو پیغام بھیجنے میں کیا قباحت تھی۔ بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حضورؐ نے خود عملی دلچسپی لے کر حضرت زینبؓ کی شادی حضرت زیدؓ سے کرادی جبکہ حضرت زینبؓ اور ان کے گھر والوں کو کوئی خوشی اس رشتہ سے نہ تھی۔ پھر ہم دیکھتے ہیں کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بذریعہ وحی خفی اطلاع دیدی تھی کہ حضرت زیدؓ کے مابین علیحدگی ہو جائے گی۔ حضورؐ پھر بھی کوشش کرتے رہے کہ یہ علیحدگی نہ ہو جیسا کہ سورۂ احزاب کی آیت ۳۷ سے ظاہر ہے۔ یہ آیت حضورؐ کے اس عمل پر تنقید کرتی ہے۔ اور یہ تنقید کچھ ایسی تیز ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ اگر قرآن پاک جناب رسولؐ کا لکھا ہوا ہوتا، تو وہ اس آیت کو شامل نہ کرتے۔ (یہ ایک اور ثبوت ہے کہ قرآن پاک وحی الٰہی ہے انسانی تصنیف نہیں ہے)

اس کے علاوہ عدت طلاق کے ختم ہوتے ہی حضورؐ نے حضرت زینبؓ سے نکاح کی فوری کوئی سلسلہ جنبانی نہیں کی۔ بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح آسمان پر کر دیا۔ (احزاب/۳۷) اور اطلاع بھیجی۔

سوال۔ جب حضورؐ کو وحی خفی کے ذریعہ پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ حضرت زیدؓ اور حضرت زینبؓ کے درمیان طلاق ہو جائے گی، تو پھر وہ حضرت زیدؓ کو آخیر وقت تک میاں بیوی کا رشتہ قائم رکھنے

کی ترغیب کیوں دیتے رہے؟

جواب۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان تفرقہ کی کوشش گناہ ہے۔ اس کے برخلاف اس رشتہ کو برقرار رکھنے کی کوشش ثواب ہے۔ پیغمبر اسلام نے ثواب کا کام کیا اگرچہ وہ جانتے تھے کہ مستقبل کوئی اور تماشہ دکھانے والا ہے۔ اس کے علاوہ اگر حضرت زینبؓ کو طلاق دینے کے متعلق زیدؓ کے ارادہ کی حمایت کرتے تو وہ اس الزام سے کس طرح بچ سکتے تھے کہ وہ خود زینبؓ سے شادی کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔

زیدؓ کو ترغیب دینا کہ تم زینبؓ سے رشتۂ ازدواج کو قائم رکھو ہرگز کوئی گناہ نہ ہوتا اور وہ کبھی پیغمبر سے سرزد ہوتا تو قرآن پاک ضرور حضورؐ کو توبہ اور طلب مغفرت کا حکم دیتا۔

سوال۔ کیا یہ صحیح ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے حضرت جویریہؓ سے ان کے حسن کی خاطر شادی کی؟۔

جواب۔ اگر حضورؐ حسن کے طلب گار ہوتے تو ان سے زیادہ حسین عورتیں آپ کو مل سکتی تھیں اور کمسن بھی اور کنواری بھی۔ حضرت جویریہؓ اس وقت بیوہ تھیں سوال یہ ہے کہ خود حضرت جویریہؓ نے حضورؐ سے کیوں شادی کی؟ وہ جنگی قیدی تھیں لیکن آزاد ہو چکی تھیں، اگر وہ کسی سے شادی کرنا چاہتیں تو کوئی امر مانع نہ تھا۔

سوال۔ اسلام کثرت ازدواج کی اجازت کیوں دیتا ہے؟

جواب۔ کیا آپ کی خواہش ہے کہ وہ جنسی انارکی اور حیوانیت کی اجازت دیدے جیسا آج کل یورپ اور امریکہ میں عام طور پر بلا شرم و حیا ہو رہا ہے۔

اسلام کثرت ازدواج کی اجازت دیتا ہے، حکم نہیں دیتا ہے۔ اور وہ بھی زیادہ سے زیادہ چار، اور وہ بھی اس شرط پر کہ تمام بیویوں کے درمیان سلوک یکساں ہو اور کسی کے ساتھ ظلم اور ناانصافی نہ ہو۔ جب کسی ملک میں کبھی مردوں سے زیادہ عورتیں ہو جائیں ــــ جیسا کہ جنگ کی صورت میں عموماً ہو جاتا ہے ــــ تو کثرت ازدواج کے سوا کوئی عزت مندانہ حل نہیں ہے۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ فاضل عورتوں کو آزاد چھوڑ دیا جائے، آوارگی، بیحیائی اور ناجائز بچے پھیلانے پر؟

کثرت ازدواج حقیقت میں ایک ٹیکس ہے اسی طرح جیسے کہ انکی آمدنی میں بیوہ بیکس بھی شریک ہو سکیں۔ اس سے آبادی میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ بہت سے گھریلو مسائل کا حل ہے۔ کیا یہ ظلم نہ ہوگا کہ پہلی بیوی کو طلاق دیدی جائے اگر وہ دائم المریضہ ہے۔ اسلام کہتا ہے کہ اس دائم المریضہ کو بھی گھر میں رکھو اور اگر ہو سکے تو کسی اور بیوی کو بھی۔

سوال۔ اسلام میں باندیوں کی لامحدود تعداد کو بیوی بنانے کی اجازت کیوں ہے؟

جواب۔ غلامی میں مردوں کے مقابلہ میں عورتوں کو بہت زیادہ مشکلات کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔ اگر باندی کو اس کا آقا آزاد نہ کرے یا وہ خود اپنے زر فدیہ کا انتظام نہ کر سکے، تو اس باندی کی رہائی کی بہترین صورت شادی ہے۔ ایک باندی بیوی خود بخود آزاد ہو جاتی ہے اگر اس کا شوہر مر جائے یا مرتد ہو جائے یا قید ہو جائے وہ خود بخود آزاد ہو جاتی ہے اگر اس کو اولاد ہو گئی۔ اس طرح اس کی اولاد غلام اور باندی نہیں ہو سکتی۔ اس کا وہی درجہ ہے جو آزاد بیوی کا۔ اور اس کی اولاد کا وہی درجہ ہے جو آزاد بیوی کی اولاد کا۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری عزت مندانہ صورت نہیں، جنگی قیدیوں اور باندیوں کو سوسائٹی میں ضم کرنے کی اور انھیں آزاد کرنے کی۔

سوال۔ پیغمبر اسلام نے اتنے الگ الگ خاندانوں میں شادی کیوں کی؟

جواب۔ تاکہ دنیا سے نسلی، قبائلی، علاقہ داری، لسانی اور دیگر تعصبات کا خاتمہ ہو جائے، تاکہ شادی کے رشتے عالمگیر بنیادوں پہ قائم ہو سکیں، تاکہ ثابت ہو کہ اسلام ایک بین الاقوامی امت ہے، اخوت ہے، جماعت ہے۔ حضورؐ نے شادیاں کی ہیں اسلام پھیلانے کے لئے، دشمنوں کو رام کرنے کے لئے۔ انھوں نے ثابت کیا ہے کہ شادی سے اکثر وہ کام لیا جا سکتا ہے جو فوج کی فوج سے نہیں لیا جا سکتا۔ (ختم شد)

بجلی کا قحط

کئی ماہ سے حریم صرف اس لئے تاخیر سے شائع ہو رہا ہے کہ پریس کو بجلی بہت کم ملتی ہے۔ ہر کوشش کے باوجود ہم ۱۰ تاریخ کو روانہ نہیں کر پاتے۔ دسمبر نمبر کس روز روانہ ہو سکے گا، کچھ کہا نہیں جا سکتا اس کے بعد سالنامہ ہوگا۔ کاپیاں ابھی سے پریس بھیجی گئی ہیں، خدا کرے کہ ہم اسے وقت مقررہ پر روانہ کر سکیں۔ نعیم اکھوڑی

جیسے کو تیسا

عفت موہانی

وہ وقت زہرہ کو بہت اچھی طرح یاد تھا۔ جب حسن نے اس کی دہلیز کی دھول نے ڈالی تھی۔ کوئی دن ناغہ نہ ہوتا تھا جب وہ زہرہ کے بھائی سے ملنے نہ آتا ہو۔ زبردستی اس سے دوستی کرلی تھی۔ حسن کی بہن نے زہرہ کو کالج کے فنکشن میں دیکھا تھا۔ اور پھر گھر آکر اپنی امی سے اس کی اتنی تعریفیں کی تھیں کہ بڑی بی بھی للچا گئیں۔ حسن کے لئے وہ لڑکی دیکھ ہی رہی تھیں۔ پتہ نشان اٹھا کر ایک روز زہرہ کے یہاں جا دھمکیں۔ زہرہ کے والدین نے ان سے ہزار بہانے کئے کہ ابھی لڑکی پڑھ رہی ہے۔ اس کی عمر کم ہے۔ وہ ڈھنگ سے خانہ داری بھی نہیں کرسکتی۔ بڑی بدسلیقہ ہے۔ ان سب تاویلوں کے جواب میں بڑی بی اپنی ہی ڈفلی پر اپنا راگ الاپتیں۔ ہم سب سکھا دیں گے۔ ہم جانتے ہیں کیسی بہو ہمیں چاہیئے۔ بالآخر اس کے والدین نے ہتھیار ڈال دیئے۔ بڑی بی نے اپنے وعدے کے مطابق لڑکی والوں سے کچھ نہ مانگا۔ نہ جوڑے نہ کپڑے نہ اوقات سے باہر جہیز۔ لڑکی کو اپنی طرف کا لایا ہوا سرخ جوڑا پہنایا تھا اور خوشی خوشی وداع کرالائی تھیں زہرہ کے والدین شرمندہ بھی نہ تھے۔ ان کے پاس استدلال موجود تھا۔ لڑکے والوں نے انھیں بیاہ کی تیاری کا موقع ہی نہ دیا تھا!۔

زہرہ کو یہ سارا کاروبار نہایت گراں گزر رہا تھا!۔ اس کی اڑان اونچی تھی۔ وہ پنکھ توڑ کے قفس میں بند ہونا نہیں چاہتی تھی۔ مگر بڑوں کے سامنے کیا بولتی۔ سانس گھوٹ کے رہ گئی۔!! بڑا جبر کرکے سسرال کی چوکھٹ پر اتری تھی۔ چونکہ اس کی نئی زندگی کی بسم اللہ ہی غلط ہوئی تھی لہٰذا والسلام تک سارے اعمال ہی چوپٹ ہوتے چلے گئے!! اسے اپنی ہر دم ہنسنے مسکرانے والی ساس قطعی ناپسند تھیں۔ سر پر ٹوپی دئے ہوئے سسر بھی ایک آنکھ نہیں بھاتے تھے۔ منہ پھاڑ کر ہنسنے والی ہنس مکھ نند ابھی کھلتی تھی۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ اسے اپنا شوہر بھی قطعی پسند نہ تھا۔! سانولا سا رنگ، چڑیا کی چونچ سی مونچھیں۔ اسے میاں کی حد سے بڑھی ہوئی محبت بھی ڈھونگ لگتی۔ محبت تو اس سے سب نے کی تھی۔ وہ پانچ چھوٹے بڑے بھائیوں کی اکیلی بہن تھی۔ لہٰذا ابا سمیت سب بھائی اس سے محبت کرتے تھے۔ اگر ایک اور آدمی نے کرلی تو اس میں کون سا قلعہ فتح ہوا۔ ہفتہ بھر کے اندر اندر وہ سسرال کی رگ رگ سے واقف ہوگئی۔ کل چار آدمی تھے۔ سب کے سب اس کے آگے پیچھے رہتے۔ حتیٰ کہ بڑے میاں بھی اس وقت تک ناشتہ کھانا نہ کھاتے جب تک کہ انھیں یہ پتہ نہ چل جاتا کہ ماشاء اللہ دلہن سلمانے بھی کھا لیا ہے۔ بڑی بی اپنے ہاتھ سے اس کے لئے نئی نئی چیزیں پکاتیں۔ چھوٹی نند سلمیٰ خادمہ کی طرح کشتی میں کھانا لاتی۔ اپنی بھابی کے ہاتھ دھلاتی۔!! اور حسن فرط محبت سے بیخود ہوکر اپنے ہاتھ سے اسے کھلاتا۔ لیکن زہرہ نے کسی کو رتی بھر نہ سراہا۔ منہ پھلائے رہی۔ بھنویں سکیڑے رہی۔ ہونٹوں پر کوندا لگا ہوا۔ اول اول تو سب نے قیاس کیا کہ بھابی دلہن بیگم سنجیدہ مزاج ہیں۔ ہنسی دل لگی پسند نہیں کرتیں۔ مگر جب پتہ چلا کہ ان کا مزاج یہ نہیں ہے بلکہ وہ سسرال والوں سے کچھ ناراض ہیں تو پھر بوڑھی ساس معصوم نند بے چاری اپنی جگہ کٹ کر رہ گئیں لیکن حسن اپنے مزاج کے خلاف برہم ہوگیا۔

"اتنی ناراض تھیں تو نکاح سے پہلے ہی کہہ دیا ہوتا۔ میں یہ مسلسل خفگی برداشت نہیں کرسکتا۔"

"آپ نے دم بھی لینے دیا؟" زہرہ میاں کو دبتے دیکھ کر شیر ہوئی۔

"میں نے کچھ بھی کیا ہو۔ تم تو اپنی والدہ سے کہہ سکتی تھیں۔ مجھے بے شرم تھوڑی بننا تھا؟"

"اب میری زندگی دوزخ کیوں بنا رہی ہو۔"

"واہ۔ خواہ مخواہ۔ آپ اپنی جگہ میں اپنی جگہ۔"

[illegible] چاہتا نہیں۔ ہم دونوں ہی کو ایک جگہ ہونا چاہیے
بنا بنا جگہ نہیں۔ دیکھو زہرہ۔ میرے گھر میں بہت تھوڑے لوگ ہیں۔
سب ہنسی کے ہم لوگ مختلف قالب یک، روح بن کر رہتے ہیں۔ لہٰذا تمہیں
بھی ان میں روح ہی کی طرح گھل مل کے رہنا ہے۔"

وہ دل برداشتہ سی چپ رہی!

"تم سمجھیں! میں نے جو کچھ کہا!"

"ہاں!"

"مگر ہاں تمہیں کوئی شکایت ہے تو امی سے بیان کرو۔ مجھ سے کہو۔ میں کوشش کروں گا کہ تمہاری ہر شکایت دور کر سکوں!"

"ہائے آپ تو پیچھے پڑ گئے۔ مجھے کوئی شکایت نہیں ہے کسی سے نہیں!"

"پتہ نہیں؟" حسن کے چہرے پر ملال کا رنگ چھا گیا۔ "تمہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تم مجھے پسند نہیں کرتیں۔ خدا ہی جانے۔ میں نے تو سوچا تھا میری زندگی میں تم آئی ہو۔ زندگی فردوس بکنار ہو جائے گی مگر۔"

حسن بیوی سے سر مار کر باہر نکلا تو اسے سلمیٰ ملی۔ سہیلیوں کو اکٹھا کر کے اندھی کوڑھی کھیل رہی تھی۔ حسن سے ٹکرا گئی۔ اس نے اسے کندھوں سے پکڑ لیا۔

"یہ کیا واہیات ہے؟" وہ بناوٹی انداز میں گرجا۔ "تمہیں اسی سے خوشی ہے۔ چلو بیٹھ کے پڑھو۔" "اللہ بھیا جی آپ کیوں رنگ میں بھنگ کرنے آگئے۔" سلمیٰ کی سہیلی بگڑی۔

سلمیٰ نے آنکھوں پر بندھا دوپٹہ نوچ کے پھینک دیا۔ اتنے میں اس کی چلبلی سہیلیاں حسن کے آ بیٹھیں۔ ایک نے سلمیٰ کا دوپٹہ اس کی آنکھوں پر کس دیا اور اسے چور بنا کے بٹھا دیا۔

"ہم آپ کو چھوئیں گے آپ جسے پکڑیں گے وہ چور بنے گا۔ چلیے اب اس دہلیز پر بیٹھ جائیے۔" حسن نے کچھ بھی تو احتجاج نہ کیا۔ ہنستے ہنستے آنکھوں پر دوپٹہ بندھوا لیا۔ لڑکیوں نے اسے گھر کی دہلیز پر بٹھا دیا وہ مٹی کے مادھو کی طرح بیٹھ گیا۔ چھوٹی چھوٹی بھولی بھالی لڑکیاں چاروں طرف سے اسے دھکے دے دے کر ہنستی کھلکھلاتی ادھر ادھر بھاگ گئیں۔

"ارے بھئی جلدی آکے چھو لیا مجھے ...." دیر تک وہ بیٹھا تاکتیں چھوٹی جا رہی ہیں۔ سر کھاؤں ذرا بیٹھ؟"

"ہائے نہیں۔ آپ دیکھ لیں گے۔" لڑکیوں نے شور مچایا پھر چاروں طرف سے دوڑیں اور اس پر پروانوں کی طرح گر پڑیں۔ ہنستے ہنستے ان کے معصوم چہرے گلابی ہو رہے تھے۔ حسن نے دوپٹہ کھول دیا اور ہنستا ہوا کھڑا ہو گیا۔

زہرہ سب کچھ دیکھ رہی تھی اور انگاروں پر لوٹ رہی تھی۔

بھلا حد ہے۔ اتنی عمر کا یہ لمبا چوڑا آدمی بچیوں کے ساتھ کھیلنے بیٹھ گیا۔ ہنہ۔ بھیا تو کبھی ایسا نہ کرتے۔ سنجیدگی تو انھیں چھو کر نہیں گزری۔ حسن باہر چلا گیا۔ اس کی گنوارو حرکت پر زہرہ کوفت کھانے بیٹھ گئی۔

رفتہ رفتہ یہ ہوا کہ زہرہ کی بیزاری سنجیدگی اور اکتاہٹ ان سب کے لئے ایک سنگین مسئلہ بن گئی۔ گھر کے کام کاج سے بھی اسے دلچسپی نہ تھی۔ پہلے اس کی ساس اور سلمیٰ مل کر باورچی خانے کا کام سنبھال لیتی تھیں اب ان کا دل چاہتا کہ زہرہ بھی ان کے ساتھ ہو جائے۔ وہی کام نہ کرے مگر ساتھ تو رہے۔ لیکن وہ کمرے سے باہر ہی نہیں نکلتی۔ سلمیٰ کا جی چاہتا تھا کہ اپنی بھابی کے ساتھ گپ شپ کرے۔ ہنسی مذاق ہو۔ لیکن زہرہ نے اسے منہ ہی نہیں لگایا۔ سلمیٰ بددل ہو گئی۔

جب صورت حال کچھ تکلیف دہ ہوئی تو بڑی بی نے بند بند الفاظ میں حسن سے دلہن بیگم کی خاموشی کی وجہ پوچھی۔ وہ گھبرا گیا شرمندہ بھی ہوا اور پریشان ہونے لگا!

"کیا بتاؤں امی۔ مجھے خود بھی کچھ نہیں معلوم۔ شاید ان کا مزاج ہی یہ ہے۔"

"تو بیٹے انھیں اپنا مزاج بدلنا پڑے گا۔" امی نے کسی قدر سخت ہو کر کہا۔ "لڑکیاں بیاہ کر میکے سے سسرال آتی ہیں تو اپنا مزاج میکے کی دہلیز ہی پر چھوڑ کر آتی ہیں۔ ان کا مرنا بھرنا سب سسرال میں ہوتا ہے۔ اس طرح تمہاری بیوی الگ الگ رہے گی۔ گھر والے بھلا کیا سمجھیں گے۔ ہم سب کو غیر وہ کہ جیسی سمجھے گی تو چل چکا گھر۔ سلمیٰ پرایا دھن ہے۔ ہم بڈھے ہو چکے۔ اب یہ جانتے ہیں کہ ایک طرف بیٹھ کے اللہ اللہ کریں۔ دلہن اپنا گھر سنسار سنبھالے۔ ساری عمر ہی کا کھٹک کی چکی میں نہیں پیسنا ہے۔ سمجھے تم۔ دلہن کے کان میں یہ بات ڈال دینا۔ ورنہ میں سمجھا دوں گی انھیں اچھی طرح۔"

امی کا لال بھبوکا چہرہ دیکھ کر حسن ڈر گیا: "نہیں نہیں۔ کچھ آپ انتظار کیجئے امی۔ میں سب کچھ سمجھا دوں گا۔"

"بھابی تو مجھ سے اور میری سہیلیوں سے کبھی نہیں بولتیں۔"
سلمیٰ نے شکایت کی۔

"تمہارے باپ کو بھی احساس ہو چلا ہے۔" بڑی بی نے کہا: "ابھی کل ہی پرسوں کہہ رہے تھے کہ دلہن سلمہا ماشاء اللہ گھر میں تو ہیں مگر دکھائی ہی نہیں دیتیں۔!"

حسن سمجھ گیا کہ زہرہ کے خلاف ایک محاذ تیار ہو چکا ہے۔ یہ چھوٹی چھوٹی باتیں کوئی دن جاتا ہے کہ بتنگڑ بنیں گی اور پھر اس کا سکون چین رخصت ہو جائے گا!۔ جب پانی سر سے اونچا ہوگا تو وہ والدین جو خاموش اور صابر ہیں۔ یقیناً چیخ اٹھیں گے اور تب تنہا زہرہ کو نہیں۔ بلکہ خود اسے سب کا مقابلہ کرنا پڑے گا لیکن وہ ماں باپ اور چھوٹی بہن سے مقابلہ تو نہیں کر سکتا۔ پھر پھر — کیا کرنا چاہیئے۔! اس کا دباؤ ہوا غصہ بھڑک اٹھا۔!

زہرہ کیوں پیچھے رہتی۔ پھٹ پڑی: "سن لیجئے کہ مجھے آپ لوگ پسند نہیں۔ ابا میاں بڈھے ہو چکے مگر سلمیٰ کے ساتھ کیرم اور لوڈو کھیلنے بیٹھ جاتے ہیں۔ امی کی یہ عمر ہونے کو آئی ہے۔ وہ نوجوان لڑکیوں کی طرح قہقہے لگاتی ہیں۔ سلمیٰ کی عادتیں بگڑ رہی ہیں۔ پندرہ برس کی لڑکی کو اپنی عمر کا احساس نہیں ہے۔ اور آپ۔ آپ میں سنجیدگی نام کو نہیں ہے۔ آپ کا یہ ہر وقت کا قہقہے لگانا لطیفے کہنا اور سلمیٰ کی سہیلیوں کے ساتھ مل کر ناچنا کودنا مجھے پھوٹی آنکھ پسند نہیں ہے۔ گھر کاہے کو ہے۔ بھانڈ خانہ ہے۔ مجھے رہنا ہے یہاں۔" حسن نے بمشکل غصہ ضبط کیا: "تو تم چاہتی ہو کہ گھر قبرستان ہو جائے۔ کوئی تمہاری وجہ سے ہنسے بولے نہیں۔"

"مجھے ہر وقت دانت نکالے ہوئے لوگ اچھے نہیں لگتے۔"

"اور نہ تم ہنسنا بولنا پسند کرتی۔"

"نہیں پسند کرتی۔"

"روتے ہوئے آدمی تمہیں پسند ہیں۔"

"ہاں۔"

"بہت اچھا۔ اب میں تمہیں رلاؤں گا۔"

اس تند و تیز جھڑپ کا یہ انجام ہوا کہ حسن غصے میں بھرا ہوا باہر چلا گیا۔! زہرہ کچھ دیر تک بیٹھی [illegible] کسی سے کہے سنے بغیر میکے چل دی۔!

دونوں گھروں میں کھلبلی سی مچ گئی۔ حسن سے امی [illegible] نے شکایت کی۔ زہرہ نے اپنے گھر میں سسرال کا شکوہ کیا [illegible] عجیب سی تناؤ کی فضا پیدا ہو گئی۔

زہرہ کو سب نے لعنت ملامت کی۔ اس کا [illegible] لڑکیاں خوش مزاج سسرال پسند کرتی ہیں اور یہ [illegible] ہے۔! حسن کو سب نے سراہا تھا۔ اس نے اپنی خوش مزاجی [illegible] والوں کے دل میں خاصہ گھر کر لیا تھا۔! زہرہ نے اپنا فیصلہ سنا دیا کہ اب اسے حسن کے یہاں رہنا نہیں ہے!۔

حسن نے اسے بلایا بھی نہیں۔ اس کی خودداری پر کاری [illegible] لگی تھی۔ اپنی ساری بذلہ سنجی اور خوش مزاجی بھول گیا تھا [illegible] باؤلا بنا پھرتا۔! بڑی بی کو تو اس قدر طیش تھا کہ انھوں نے حسن پر زور دیا تھا وہ اس نکتوڑی کو طلاق دے دے وہ دوسری بیاہ لائیں۔ لیکن حسن نے اسے گوارہ نہ کیا!۔

اور اب — ۔۔

زہرہ کے لئے میکہ — ایک محبس لگ رہا تھا۔ قید خانہ جس میں وہ اپنی مرضی سے پابجولاں آ تو گئی تھی مگر اپنی مرضی سے نکل نہ سکتی تھی۔ جاتی تو کہاں جاتی۔ سسرال؟ جہاں سے بڑے طنطنے سے نکل [illegible]

ابا جان نے اس کی ساری شکایتیں سن کر ایک [illegible] سانس لی تھی۔ جو برف کے تیر کی طرح ابھی تک زہرہ کے دل [illegible] چبھی ہوئی تھی۔ امی نے تیوریاں بدل کر کہا تھا۔ بھائیوں نے [illegible] بہن کے دلار کر کے اس کا ناس مار دیا تھا۔ بڑے بھائی اور ان کی بیوی جو اپنے گھر آباد تھیں۔ انھوں نے طوطے کی طرح دیدے پھیر لئے تھے۔ اور یوں اس سے کترانے لگی تھیں جیسے وہ اچھوت ہو۔ چھوٹے بھائی جو اس کے گرد چاند کے ہالے کی طرح رہا کرتے تھے اب پوچھتے بھی نہ تھے کہ آپا جی اب کس حال میں ہیں۔ اب وہ باہر سے آتے تو ان کے ہاتھ میں نہ قلاقند کا دونا ہوتا تھا نہ پھولوں کا ہار۔ [illegible]

زہرہ بوکھلا گئی۔ اسے معلوم نہ تھا اپنے لوگ اس طرح [illegible] گے۔! وہ سب کے سامنے نکلتے شرماتی تھی۔ کھانا [illegible] نوالہ اٹھانا مشکل ہو جاتا۔ پہلے امی اس سے پوچھ پوچھ کر [illegible]

تھیں دکھ سب کمانے ہی کو نہیں پوچھتی تھیں بیاہی بیٹی کے لئے میکہ پرائی جگہ ہو جاتا ہے۔

ابھی زہرہ سنبھلنے بھی نہ پائی تھی کہ ایک بالکل ہی نئی خبر سنی۔! حسن کو دوسری لڑکی کے ساتھ دیکھا ہے۔ بڑے بھائی نے ملال میں ڈوبے ہوکر بہت سے کہا تھا۔ ایک چلبلی ہنس مکھ سی لڑکی حسن کے ساتھ تھی پیچھے اسکوٹر پر بٹھائے لئے جا رہا تھا۔ دوسری دفعہ چھوٹے بھائی نے حسن کو اسی لڑکی کے ساتھ ملبوسات کی دوکان میں دیکھا تھا۔ اور پھر بہت سے دوسرے لوگوں نے بھی حسن کو لڑکی کے ساتھ دیکھا!۔

وہ ہر طرح خوش اور مگن نظر آ رہا تھا۔ خوب قہقہے لگا رہا تھا۔ لڑکی بیحد پیاری تھی۔ حسن کا جوڑ لگ رہی تھی۔ پتہ نہیں کہاں سے اسے مل گئی! لوگوں میں چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

یہ سارے بُرے بُرے تبصرے سن کر امی نے صاف کہہ دیا۔ تو پھر وہ کیا کرتا۔ تھوڑا ہنس مکھ لڑکا ہے۔ اسے زندہ دل ہی پسند ہیں۔ اسے چار دن کی دنیا میں [illegible] گزارہ کیا [illegible] ہے۔ نہ کہ ان بیوی نے اس کا دل مردہ کر دیا۔ منہ پھلائے رہیں۔ من اُتری ہوئیں۔ اپنی غلطی دمانی۔ پھر ماں باپ کی چھاتی پر آ بیٹھیں۔ بے چارہ اپنے لئے ہنس مکھ لڑکی نہ [illegible]

بیٹے امی آپ کی گفتگو کا یہ انداز ——— زہرہ کا کلیجہ پھٹ گیا۔

ابا جان نے بھی ٹھنڈی سانس لے کر امی کی تائید کی تھی۔ پھر بولے۔ "بیگم بڑا غضب ہو جائے گا اگر حسن میاں نے دوسری شادی کر لی۔ ہماری لڑکی ساس نند ہی کو برداشت نہیں کرتی۔ خدانخواستہ۔ دوسری عورت کا دکھ۔ اللہ نہ کرے ——— !"

زہرہ کا کلیجہ دہل گیا۔ یہ تو اس نے سوچا ہی نہ تھا کہ اپنی تنک مزاجی کے ہاتھوں اسے یہ سزا بھی بھگتنی پڑے گی۔ سوکن کا عذاب، اُف خداوندا۔ اگر حسن نے اسی سے محبت زیادہ کی۔ تب ——— مگر سچ تو ہے اس نے بھلا کب شوہر کو چاہا ہی کیا ہے۔ اس سے محبت کی طلبگار کیوں ہے؟۔ اس نے شوہر کو اپنا محکوم سمجھا تھا۔ وہ نیاز مند، ایسا خادم جو بس ہاتھ باندھے اس کے حضور میں اس کی چشم و ابرو کے اشاروں کا منتظر رہے۔ اس نے شوہر کو چاہا ہی کب تھا؟۔ دوسری عورت کا کوئی تصور بھی اس کے ذہن میں نہ تھا۔ لیکن اب ——— اس کے سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں مرنے لگیں۔ وہ ماں باپ اور چاہنے والے بھائیوں کے بھرم پر اکڑتی ہر روز میکے آ گئی تھی۔ پتہ چلا کہ ان سب کی محبتیں پانی کا بلبلہ تھیں۔ پائیدار محبت حسن کی تھی۔ اس نے وہ ٹھکرا دی۔ وہ اس کے پیچھے اس کی خوشامد کرنے بھاگا نہیں آیا تھا۔ اس نے اپنی دوسری دلچسپی تلاش کر لی تھی!۔ ہائے ان مردوں کی فطرت۔

ایک دفعہ جان پر کھیل کر وہ اپنی سہیلی کے ساتھ اس جگہ گئی تھی جہاں بڑے بھیا کے کہنے کے مطابق حسن اور اس کی ساتھی خوبصورت لڑکی دکھائی دیتی تھی۔ زہرہ کا دم لبوں پر تھا۔ نجانے کیا دیکھنا پڑے گا!۔ وہ دم سادھے ایک گلی کے نکڑ پر برقعہ میں سمٹی کھڑی تھی!۔

پھر اسے سہیلی نے ٹہوکا دیا۔

حسن سامنے سے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ایک بڑی خوبصورت لڑکی تھی۔ حسن نے اس کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ لڑکی مسکرا رہی تھی۔ حسن ہنس رہا تھا!۔ ادھر اُدھر دیکھے بغیر دونوں ہنستے بولتے سامنے سے گزرتے چلے گئے!۔

زہرہ لڑکھڑا کر دیوار سے لگ گئی!۔

گھر پہونچی تو بیماروں سے بدتر ہو رہی تھی۔ اور وہ سچ مچ بیمار پڑ گئی۔ لڑکی کی شکل آنکھوں کے آگے سے ہٹتی ہی نہ تھی! بُرے بُرے کوسنے اس نے اس لڑکی کو دیئے۔!!

اب اسے چپ لگی تھی۔ دوسرے کھلے منہ سے بولے۔ امی نے ابا جان سے مشورہ کیا کہ حسن میاں کو بلا کر ان سے معافی مانگی جائے۔ بھائیوں نے کہا کہ آخر حسن میاں اور ان کی امی کو سانپ کیوں سونگھ گیا۔ کم از کم ایک دفعہ تو آتے۔ حد ہے۔ پلٹ کر نہ دیکھا!۔ ابا جان نے تشویش ظاہر کی۔ نہ معلوم حسن میاں کیا سوچ رہے ہیں۔

سب زہرہ کی علالت سے گھبرا گئے تھے۔

زہرہ پر خودداری اور غیرت غالب تھی۔ بڑے طنطنہ سے نکلی تھی۔ کیا صورت لے کے واپس جائے۔ جبکہ اس گھنے مردوے نے مڑ کر پوچھا بھی نہیں کہ مر گئی یا جیتی ہو؟۔ ٹھیک ہے۔ مر ہی جانا اس کے لئے مناسب ہے۔ اتنی ہی زندگی لائی تھی وہ۔ اب جینے سے کوئی فائدہ نہیں۔ بلا سے کچھ بھی ہوا گر وہ اپنی ناقص العقلی کی وجہ سے آ بیٹھی تھی تو ایک بار بھی حسن کو اس کے پاس آنا چاہئے تھا۔

اب وہ ہرگز نہ جائے گی۔ مر جائے گی۔ پھر وہ بڑے خلوص دل سے اپنی نامعلوم بیماری کی آؤ بھگت کرنے لگی۔!

ابا جان سوچ رہے تھے کہ خود ہی اپنی ناک نیچی کرکے حسن میاں کو بلا بھیجیں۔ جلسے۔ لڑکی والوں کو ناک نیچی کرنی ہی پڑتی ہے لیکن ہوا یہ غضب کہ۔ ان کے پاس حسن کا خط پہونچا۔ جس میں اس نے اطلاع دی تھی کہ وہ دوسری شادی کر رہا ہے۔!

زہرہ چکرا کر گری اور بیہوش ہوگئی۔

پھر اسے ایسا لگا کہ جیسے صدیوں بعد جب اس نے آنکھیں کھولیں تو اپنے پاس حسن کو دیکھا۔! اور نہ چاہتے ہوئے بھی زار زار رو پڑی۔

حسن اس کے آنسو پونچھ رہا تھا!۔

آپ نے۔ عہد کیا تھا۔ نہ مجھے رلائیں گے " زہرہ سسکیوں میں بولی " بس، رُلا دیا مجھے "

میں کیا کرتا۔ تم ہی کو ہروقت دانت نکالے رہنا پسند نہ تھا!

وہ ہنستا ہوا بولا۔

اور۔ وہ۔ وہ " زہرہ اُس کلموہی کا تذکرہ نہ کر سکی۔ دفعتہ دروازہ کھلا اور اُسے وہ لڑکی دکھائی دی جو حسن کے ساتھ پھرا کرتی تھی۔

زہرہ کا وجود سلگ اٹھا۔

حسن بھائی بس اب یہ دل شکن مذاق ختم کر دیجئے " اس نے کہا۔

بھائی ۔ کیا مطلب ۔ زہرہ کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔ وہ چکرائی۔

بڑی بے صبر ہیں آپ بھی بھابی " حسن نے کہا۔

بھابی اٹھو گھر چلو " نئی لڑکی نے کہا اور زہرہ کو چمکار کر اس کے گلے میں باہیں حائل کر دیں " یہ بڑے برے ہیں۔ تمہیں ستانے کے لئے مجھے ادھر اُدھر لئے پھرتے رہے۔ ہزار منع کیا۔ مگر میں نے اب خوب گت بنائی کر دی ہے۔ اب کی ستائیں تو مجھ سے کہنا۔ واہ جی اچھا مذاق ہے "

مذاق ہے؟۔ زہرہ نے اطمینان کی لمبی سانس لی۔

میں ذرا ٹیکسی کے لئے کہہ آؤں " وہ باہر نکل۔ حسن نے مسکرا کر زہرہ کو دیکھا۔ پہلے تو وہ رو رہی تھی مگر اس کے شوخ انداز میں مسکرانے پر ہنس کر اپنا چہرہ چھپالیا!!!

پرچہ نہ ملنے کی شکایت، ہر تاریخ کے بعد اور ۳۰ سے پہلے لکھیں ۲۰ سے پہلے کی شکایتوں پر غور نہیں کیا جاتا ـــــ منیجر

اللہ تیری قدرت

مسرور جہاں

... فوری بیچوں بیچ ڈیوڑھی میں گھبرائی سی کھڑی تھی۔ اندھیروں سے اچانک جگمگ کرتی روشنی میں آجانے سے وہ بوکھلا سی گئی تھی جیسے روشنیوں کے عادی اچانک بجلی کا فیوز اڑ جانے سے بوکھلا اٹھتے ہیں۔

اپنی پرانی میلی چادر کو جسم کے چاروں طرف اچھی طرح لپیٹے، المونیم کے برتنوں کو کپڑے میں چھپائے وہ اندھیری گلی پار کرکے یہاں تک آ تو گئی تھی لیکن اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔

آج وہ پہلی بار گھر سے باہر نکلی تھی وہ بھی بچوں کی خاطر ننھے ننھے بچے دو وقت کے فاقے سے تھے اور مولوی فراست حسین جو خدا کے رزق دینے کے وعدے کو ایمان کا حصہ سمجھتے تھے۔ بغیر ہاتھ پاؤں پھیلائے اس رزق کے منتظر رہتے تھے انھیں اپنے ہاتھ پیر سے زیادہ خدائے رحیم کے وعدے پر بھروسہ تھا جو وعدہ پورا تو کرتا تھا لیکن کبھی کبھی بھول بھی جاتا تھا اور اس کی اس بھول کا خمیازہ معصوم بچوں کو بھگتنا پڑتا تھا فوری کو اپنی تو زیادہ فکر نہیں ہوتی تھی، لیکن بچوں کا بلکنا اس سے نہیں دیکھا جاتا تھا۔ اسی لیے آج جب ہمسائی نے بتایا کہ نکڑ والی حویلی کے رئیس کا چالیسواں ہے اور ان کے صاحبزادے آصف میاں نے محلے اور غریبوں کے لیے عام دعوت کا انتظام کیا ہے تو وہ ضبط نہ کر سکی۔ اور بچوں کو سُلا کر چھپا بن کر کھانا لینے چلی آئی مولوی فراست علی تو عشاء کی نماز کے بعد دیر تک عبادت میں مصروف رہتے تھے فوری کا خیال تھا کہ اسنے میں وہ کھانا لے کر واپس چلی آئے گی۔

حویلی میں سناٹا تھا۔ لوگ کھا پی کر جا چکے تھے۔ اب وہاں روشنی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا فوری مایوس ہو کر لوٹنے کو ہی تھی کہ اندر سے آصف میاں نکل آئے فوری نے جلدی سے گھونگھٹ کھینچ لیا آصف میاں تعجب سے ایک عورت کو اتنی رات گئے ڈیوڑھی میں دیکھ کر حیران ہو گئے۔

"کیا بات ہے؟" انھوں نے دریافت کیا وہ خاموش رہی پھر شاید ان کی نظر فوری کے ہاتھ میں دبے ہوئے برتنوں پر پڑی اور انھوں نے خود ہی اندازہ لگا لیا۔ نرمی سے مسکرا کر بولے۔ "کھانا لینے آئی ہو؟"

اس نے آہستہ سے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"میرے ساتھ آؤ" انھوں نے اسے اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کیا پچھلے دالان میں دیگیں رکھی تھیں۔ سارا دالان پلاؤ اور زردے کی خوشبو سے مہک رہا تھا فوری کو اپنے گھر کی خالی ہانڈیاں یاد آ گئیں۔

"تم خود ہی کھانا نکال لو" انھوں نے کہا۔

فوری کچھ اور سمٹ گئی۔ اسے حوصلہ نہ ہوا کہ بڑھ کر کھانا نکال لے۔ اس کی جھجک دیکھ کر آصف میاں نے اس کے ہاتھ سے برتن لے لیے اور خود ہی کھانا نکالنے لگے۔ انھیں اس سہمی سہمی عورت پر بڑا ترس آ رہا تھا۔

برتن سنبھال کر وہ ان کی رہبری میں باہر آ گئی شرم سے اس کے پیر من من بھر کے ہو رہے تھے جی تو چاہتا تھا کہ اپنے محسن کا شکریہ ادا کرے جس نے اس کے بچوں کے لیے اتنا کھانا دے دیا ہے کہ کم از کم دو دن تک وہ آرام سے کھا سکتے ہیں۔ لیکن وہ ایک لفظ نہ کہہ سکی حلق میں آنسوؤں کا پھندا سا پڑ گیا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی کہ اگر اس نے کچھ کہنا بھی چاہا تو نہیں کہہ سکے گی کیونکہ آواز کی بجائے آنسو نکل آئیں گے۔

"کیا تم اکیلی ہی آئی ہو؟" اس کے ساتھ کسی اور کو نہ دیکھ کر آصف میاں نے سوال کیا۔

"جی" بمشکل تمام اس نے آہستہ سے کہا۔

"کہاں رہتی ہو؟" انھوں نے ہمدردی سے پوچھا۔

"اندھیری گلی میں" تھرتھراتی ہوئی آواز میں اس نے جواب دیا۔ وہ سوچ رہی تھی اب وہ اپنے اس طرح اتنی رات کو تنہا چلے آنے پر شرمسار ہو رہی تھی۔ خدا جانے وہ اس کے متعلق کیا خیال کر رہے ہوں گے۔

اس وقت تمہارا جانا ٹھیک نہیں ہے۔ چلو میں تم کو پہونچا دوں۔ لازم کو جگا کر بچوں کا تو مجھے بے اطمینانی رہے گی۔"

آصف میاں۔ نوری سے چند قدم پیچھے رہ کر چلنے لگے وہ سوچ رہی تھی کہ یہ رئیس زادے ہو کر بھی کتنے رحم دل ہیں اس کے لیے تو وہ بچ مچ ہی فرشتۂ رحمت بن گئے۔ ایک طرح وہ خود بھی اس وقت مولوی صاحب کے عقیدے کی قائل ہو گئی تھی۔ ورنہ یوں بے سان و گمان کیسے بچوں کے لیے کھانے کا انتظام ہو جاتا۔

"اللہ تیری قدرت کے صدقے": نوری نے جی ہی جی میں کہا۔

اپنے گھر کے دروازے پر پہونچ کر نوری نے مڑ کر دیکھا آصف میاں واپس جا رہے تھے۔ احسان مندی کے جذبے سے اس کا جی بھر آیا اور آنکھیں ڈبڈبا آئیں دعائیہ کلمے اس کے لبوں پر مچل اٹھے مگر اس سے پہلے کہ وہ گھر میں داخل ہوتی پیچھے سے مولوی صاحب کی کرخت آواز آئی۔

"کہاں سے آرہی ہو؟ کون تھا وہ آدمی؟"

"سید میں۔ نوری ہکلانے لگی۔

مولوی صاحب اس کا ہاتھ گھسیٹ کر اندر لے گئے۔ نوری کے دل میں احساس جرم کی رتی تک نہیں تھی بس وہ اچانک انہیں سر پہ دیکھ کر گھبرا گئی تھی۔ اور اس لیے بھی کہ مولوی صاحب ایک مرد کو اس کے ساتھ دیکھ کر خدا جانے کیا سمجھ رہے ہیں۔ اسے خیال آیا تو اس نے جلدی سے کھانے کی پوٹلی آگے کر دی۔ یہی اس کی بے گناہی کا ثبوت تھا۔

"جی۔ میں بچوں کے لیے کھانا لینے گئی تھی۔ بنگلہ والی حویلی میں رئیس کا چالیسواں تھا۔ گلی محلے کے سب لوگ کھانا لائے تھے ہمسائی نے بتایا تو میں بھی چلی گئی۔ مجھے معاف کر دیجیے": سچ مچ وہ اپنی غلطی پر پشیمان تھی۔

اس حرام کے رزق سے تم میرے بچوں کا پیٹ بھرو گی؟ مولوی صاحب شیر کی مانند دہاڑے اور کھانے کی پوٹلی اس کے ہاتھ سے لے کر پھینک دی نوری کھانے کی یہ درگت دیکھ کر تڑپ گئی۔

"یہ۔ یہ حرام کا نہیں ہے": نوری نے احتجاج کیا اسے اپنے بچوں کا بھوک سے بلکنا یاد آ گیا یہ معصوم بچے حرام و حلال کے فلسفے سے مطمئن ہوں گے؟۔

خاموش رہو بدذات! مولوی صاحب چلائے اور تڑاخ سے ایک بھرپور ساتھ اس کے گال پر جڑ دیا۔

نوری کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھا گیا۔ وہ دالان کے ستون سے ٹکرا گئی۔ اسے چوٹ کا احساس کم، مولوی صاحب کے زہریلے الفاظ کا اثر زیادہ تھا وہ انہیں کیسے سمجھائے کہ وہ اس وقت بیوی نہیں صرف ماں ہے۔

"اپنی صورت اور جوانی دکھا کر تو جو کھانا لائی ہے وہ۔ وہ حرام ہے ورنہ وہ تیرے ساتھ کیوں آیا تھا؟"

"خدا کے لیے یہ دیکھیے۔ وہ بیچارے بھلے مانس تو مجھے اکیلا دیکھ کر ہمدردی میں پہونچانے چلے آئے تھے۔ میرے بچوں کے لیے انھوں نے کھانا دیا۔ یہ ان کا احسان ہے۔ میرے بچے دو دو وقت فاقہ کرتے ہیں اور آپ اس رزق کا آسرا دیکھا کرتے ہیں جس کا وعدہ آپ کے خدا نے آپ سے کیا ہے لیکن ہاتھ پاؤں ہلائے بغیر وہ کسی کو نہیں دیتا۔ میں ماں ہوں۔ اپنے بچوں کو بھوک سے تڑپتے نہیں دیکھ سکتی۔ بس میرا یہی قصور ہے"

نوری پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس وقت بےزبان نوری کے منہ میں نہ جانے کہاں سے زبان آگئی تھی۔ اس کی باتیں مولوی صاحب قائل ہونے کے بجائے اور بھڑک اٹھے منہ سے کف نکالتے ہوئے دہاڑے "کان کھول کر سن لو غیر مرد کا سایہ پڑنے کے بعد اب تم بھی مجھ پر حرام ہو چکی ہو۔ میں نے تمہیں طلاق دی طلاق دی طلاق دی"

"نہیں نہیں۔ اتنا ظلم نہ کیجیے"

"نوری ان کے پیروں پر گر گئی۔ میں یہ کھانا پھینک دوں گی۔ میں بچوں کو بھوکا رکھے دوں گی مجھے معاف کر دیجیے مجھے معاف کر دیجیے"

"طلاق کے بعد اب میرا تم سے کوئی واسطہ نہیں رہا": مولوی صاحب نے بڑے رعب و جلال سے کہا اور گھر کے باہر نکل گئے اتنا بڑا فیصلہ انھوں نے اس قدر آسانی سے کر دیا تھا جیسے یہ کوئی اہم بات ہی نہ ہو

دونوں بچے اس چیخ و پکار سے جاگ اٹھے تھے اب ماں کے ساتھ وہ بھی رو رہے تھے کھانے کی پوٹلی ایک طرف کھلی پڑی تھی لیکن نوری کو تو اتنا بھی ہوش نہیں تھا کہ وہ بچوں کو چپ ہی کرا دے بھوک کا احساس ختم ہو گیا تھا۔ بس اپنی بربادی کا احساس رہ گیا تھا۔

ایک ہفتے سے مولوی صاحب گھر نہیں آئے تھے وہ مسجد کے حجرے میں رہ رہے تھے اور اب یہ بات سارے محلے میں مشہور

چھپی تھی کہ مولوی صاحب نے نوری کو طلاق دے دی ہے اور یہ کہ وہ بدچلن اور آوارہ ہے۔

نوری اپنی اس ذلت اور بربادی پر رو رو کر جان دے رہی تھی لیکن اس کے آنسو پونچھنے والا بھی کوئی نہیں تھا وہ تو اس وقت کو کوس رہی تھی۔ جب وہ حویلی گئی تھی۔

ایک روز سر شام کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا تو اس کا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ اسے پہلے ہی یقین تھا کہ خدا رحیم و کریم ہے مولوی صاحب ضرور گھر واپس آجائیں گے۔ اپنی دعاؤں کی قبولیت پر اس کا دل دھڑک اٹھا اور وہ بے تحاشا دروازے کی طرف دوڑی۔

دروازہ کھولا تو سامنے آصف میاں کھڑے تھے نوری نے سر پر دوپٹہ برابر کیا اور دروازے کی آڑ میں ہوگئی۔ اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ آصف میاں ایک پل میں اس کی حالت دیکھ چکے تھے دوسری طرف نوری ان کو دیکھ کر اور زیادہ پریشان ہوگئی تھی۔

تم کچھ پریشان نظر آرہی ہو؟" آصف میاں نے آہستہ سے پوچھا۔ وہ خود بھی چور رہے تھے۔

خدا کے لیے آپ چلے جائیے۔ آپ کا بڑا احسان ہوگا نوری نے لجاجت سے کہا۔ ان کی اس روز کی ہمدردی کا خمیازہ تو وہ آج تک بھگت رہی تھی وہ سسک اٹھی۔ تو میں۔ میں نے جو کچھ سنا ہے وہ سچ ہے۔؟"

نوری نے کوئی جواب نہیں دیا۔ بس روتی رہی۔

میں اپنی اس دن کی غلطی کا کفارہ ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔ یقین مانو۔ جس وقت سے سنا ہے میرا سارا سکون ختم ہوگیا ہے آصف میاں شرسار اور پشیمان سے کھڑے تھے۔

تم میرے ساتھ چلو۔ یہاں رو رو کر جان دینے سے کوئی فائدہ نہیں گناہ ثواب کا حساب مولوی صاحب نہیں کریں گے۔ وہ تو وہی کرے گا جو سب کا مالک ہے۔

نوری کی سسکیاں شدت اختیار کر گئیں تو آصف میاں بے اختیار اندر آگئے اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر ایک مرد کے پورے وقار کے ساتھ بولے مجھ پر بھروسہ رکھو نوری ہر مرد کو مولوی فراست علی نہ سمجھو۔"

آصف میاں نے منے کو گود میں اٹھا لیا پھر کی انگلی پکڑ کر نوری کا ہاتھ تھاما اور باہر نکل آئے۔

ان کی گاڑی اندھیری گلی پار کر کے اجالوں میں آئی تو نوری کی آنکھو میں آنسو آگئے۔ مولوی فراست علی کے حرام و حلال کے فلسفہ نے اسے ان اجالوں کے حوالے کر دیا تھا اندھیروں کو تو اس نے اپنا مقدر سمجھ کر قبول کیا تھا۔ لیکن یہ اجالے اس کی مجبوری تھے۔

دوپہر کا وقت تھا۔ مولوی فراست علی اپنے حجرے میں لیٹے تھے ملازم نے کھانے کی سینی چوکی پر رکھ کر انھیں آواز دی" مولوی صاحب کھانا کھا لیجئے۔"

کہاں سے لائے ہو، بھائی؟" انھوں نے ہاتھ دھوتے ہوئے پوچھا

بنگلے والی حویلی سے بیگم صاحبہ نے بھجوایا ہے۔ اب آپ کا دونوں وقت کا کھانا حویلی سے آئے گا" ملازم نے کہا۔

مولوی فراست علی چونک پڑے۔

بیگم صاحبہ؟ یعنی۔ یعنی ان کی بیوی نوری نے؟

مولوی صاحب نے سرپوش ہٹایا بسم اللہ کہہ کر بریانی کا بڑا سا نوالہ دہن مبارک کی نذر کیا اور جی ہی جی میں کہا۔

"شکر ہے تیرا۔ تو ہی رزق دینے والا ہے۔" (بشکریہ حنا لاہور)

کیا آپ کو معلوم ہے کہ کون ہے

آپ کی تنہائی کا مونس، دل بہلانے کا بہترین اور آسان ذریعہ آپ کی معلومات میں اضافہ کرنے والا۔ دنیا کیسی ہے اور دنیا والے کس کس طرح پیش آتے ہیں بتانے والا علم و عمل سکھانے والا۔ کیا آپ جانتی ہیں کہ کون ہے۔ اگر نہیں تو ہم آپ کو بتاتے ہیں۔ یہ ہے ایک چھوٹا سا گھریلو کتب خانہ جس میں مختلف مباحث کی کتب کا انتخاب ہو۔ اگر آپ کے گھر میں فرج ہے ٹی وی ہے، ریڈیو ہے، قالین ہیں صوفہ سیٹ ہیں اور اسی طرح کی بہت سی چیزیں ہیں تو بھی اگر ایک اچھا کتب خانہ یعنی لائبریری نہیں ہے تو کوئی چیز بھی اس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ لائبریری بنانے کے لیے کم خرچ اور عمدہ موقع جنوری سنہ ۸۱ء میں آرہا ہے، جب سالنامہ حریم میں کتابوں کا رعایتی اعلان شائع ہوگا۔ اس سے فائدہ اٹھانے کے لیے ابھی سے کچھ رقم بچا کر رکھیں تاکہ ہماری رعایت سے فائدہ اٹھا سکیں۔

سن سائن اور آپ کا کردار

مصنفہ لنڈا گڈ مین

ترجمہ ۔ [illegible]

سن سائن (Sun sign) یہ معنی رکھتا ہے کہ مثلاً میں کہوں کہ آپ کا سن سائن قوس ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس وقت آپ پیدا ہوئے اس روز سورج منطقۃ البروج کے اس حصے میں تھا جس کو قوس کہتے ہیں سن سائن بارہ (۱۲) ہوتے ہیں حمل، ثور، جوزا، سرطان، اسد، سنبلہ، میزان، عقرب، قوس، جدی، دلو اور حوت یہ بارہ حصے تقریباً ایک ایک ماہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اگر آپ ایک سن سائن کے شروع یا آخر دن پیدا ہوئے رہیں تو کوئی ماہر نجومی ہی یہ بتا سکتا ہے کہ آپ کا سن سائن کون سا ہے۔

مختلف سن سائن رکھنے والے مختلف شخصیتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ مگر ایک انسان کا کردار اس کا مزاج اور اس کی اپنی خصوصیات صرف اس کے پیدائشی سن سائن پر ہی منحصر نہیں ہوتیں۔ وہ کس زمانہ اور کس ملک میں پیدا ہوا اسکی تعلیم، ماحول مذہب اور طریقۂ پرورش، اس کی صحت اور اس کی اپنی زندگی کے اپنے تجربات اور حالات اس کی معیشت اور دیگر تمام اثرات اس کو وہ سب بناتے ہیں جو وہ ہوتا ہے مگر پھر بھی کچھ بنیادی خصوصیات ایسی ہوتی ہیں جو مختلف سن سائن کے لوگوں کے لیے مختلف ہوتی ہیں خواہ وہ نمایاں نہ ہوں مگر غور کرنے پر ضرور محسوس ہوں گی۔ آپ خود اپنے آپ میں اپنے شوہر اور اپنی اولادوں میں اپنے والدین اور بہن بھائیوں میں، اپنے اعزا اور احباب میں تلاش کریں تو آپ ششدر رہ جائیں گی۔ میں کوشش کروں گا کہ ہر ماہ ایک سن سائن کی تفصیلات پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین اپنے سن سائن کا مطالعہ کر کے دیکھ سکیں کہ وہ کس حد تک ان کے اطوار، عادات و خصائل سے مطابقت رکھتے ہیں۔

قوس (۲۳ نومبر سے ۲۱ دسمبر تک)

(اس سن سائن کا نشان ہے ایک آدمی جس کا گردن سے نیچے کا جسم گھوڑے جیسا ہے، اس کی پیٹھ پر پنکھ لگے ہیں اور اس کی نگاہیں آسمان کی طرف ہیں۔ اس کے ہاتھ میں ایک تیر کمان ہے جس سے وہ آسمان کو نشانہ بنائے ہوئے ہے۔

"آپ مجھ پر خون کا الزام لگا سکتے ہیں
یا فہم کی کمی کا۔
مگر ذرا سی بھی جھوٹی بناوٹ
کبھی میرے گناہوں میں نہیں ہے۔
(دورس کیرال)

کسی قوس کو پہچاننا بڑا آسان ہے۔ وہ آپ کے قریب آکر زور سے آپ کی پیٹھ پر ہاتھ مار کر یا آپ کا نام لے کر آپ کو مخاطب کرے گا۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہوگی اور آنکھوں میں پیغام دوستی۔ وہ آپ کو اس قسم کے کسی جملے سے چونکا دے گا: "واللہ آپ عمر میں اتنے بڑے ہوتے ہوئے بھی اتنے چھوٹے کیسے لگتے ہیں؟" اس کی مسکراہٹ برقرار رہے گی مگر آپ کچھ پریشان ہو جائیں گے اور یہ سمجھنے میں کہ وہ کیا غلط کہہ گیا ہے۔ آپ کو تھوڑی دیر لگے گی۔ لیکن فوراً ہی وہ آپ کی حیرت دور کرتا ہوا کہے گا "میرا مطلب یہ تھا کہ یہ بھی ایک فخر کی بات ہوتی ہے کہ انسان اپنی عمر سے چھوٹا نظر آئے۔" اور پھر وہ یہ یقین کرتا ہوا مسکرا کر چل دے گا کہ مخاطب کی ناگواری یا حیرت اس نے ختم کر دی ہے۔ اس میں ناراض ہونے یا محسوس کرنے کی بات نہیں ہوتی اس لیے کہ وہ بغض و کینہ سے پاک ہوتا ہے وہ ہمیشہ بڑی معصومیت سے سچی بات کہہ کر دوسروں کو چونکا دیتا ہے۔ اس کے دل میں کسی کے لیے برائی کا خیال بھی نہیں آتا۔ قوس بولنے پہلے ہیں اور سوچتے بعد میں ہیں ان کے دل میں جو کچھ ہوتا ان کی زبان پر بے ساختہ آجاتا ہے مگر وہ کسی کی ہمدردی کا خواہاں نہیں سا اس نا سمجھی سے بطور طریقے کے ... اور بہت اونچے خیالات قوس ... کی

عقلمندی، ذہانت اور شدید قوت حاصل ہیں کہ اسے کامیابی کی جانب لے جاسکتے ہیں، لیکن وہ استقلال کے ساتھ اپنی ان قوتوں کو کم ہی ایک ساتھ کام میں لا پاتا ہے اور اسی لیے وہ اکثر اپنی ان طاقتوں کا مکمل استعمال نہیں کر پاتا۔ قوس جان بوجھ کر کبھی کسی کا دل نہیں دکھاتا اور اسے یہ احساس ہو جائے کہ اس کی کسی بات سے کسی کا دل دکھا ہے تو وہ نہ صرف یہ کہ بے حد افسوس کرتا ہے بلکہ اس کی تلافی کی بھی کوشش کرتا ہے بناوٹ سے اسے سخت چڑ ہوتی ہے، وہ دل کا صاف ہوتا ہے اور جھوٹی باتیں کہنے کا اسے کبھی خیال بھی نہیں آتا۔

قوس کی یہ بھی خصوصیت ہوتی ہے کہ کبھی تو وہ بڑے دھڑ سے کسی مہم کو سر کرنے میں بے حد سنجیدہ اور جذباتی نظر آئے گا اور کبھی سرکس کے جوکروں کی طرح ادھر ادھر جاتا دکھائی دے گا۔ کبھی وہ بڑے اعتماد اور شان کے ساتھ سڑک پر جاتا نظر آئے گا اور آپ سوچیں گی کہ وہ بڑا ہی شاندار اور سنجیدہ انسان ہے، لیکن اسی وقت وہ ٹھوکر کھا کر اس طرح گرتا نظر آئے گا کہ اس کے حریف کی چیزیں سڑک پر بکھری پڑی ہوں گی۔

قوس اکثر بڑے غیر محتاط اور جوشیلے ہوتے ہیں۔ ۔ ۔ بے خیالی میں وہ کسی نقطے کی وضاحت کرنے کے لیے اس طرح اپنا ہاتھ ہلائے گا کہ سامنے رکھی چائے کی پیالی الٹ جائے گی۔ بڑے جلد باز اور بے سکون بھی ہوتے ہیں نہ زیادہ دیر تک ایک جگہ کھڑے رہ سکتے ہیں نہ بیٹھ سکتے ہیں۔ ان کی حرکات ایسی بچکانہ ہوتی ہیں جیسے کہ وہ بڑے ہوئے نہیں وہ زندگی کو سنجیدگی اور حقیقت کی نظر سے نہیں دیکھتے۔ ۔ ۔ ۔ ہر ذمہ داری ان کے لیے ایک بوجھ ہوتی ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پیروں میں زنجیر ڈال دی گئی ہے۔ لیکن اکثر قوس اپنی ذمہ داریوں کو خوش اسلوبی اور مستعدی سے نبھاتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ وہ بھی اس بوجھ سے خوش نہیں رہتے

قوس بڑے رجائیت پسند ہوتے ہیں وہ سوچتے ہیں کہ اگر آج برا ہے تو کل بہتر ہوگا۔ رات اگر تاریک ہے تو صبح روشن ہوگی قسمت ہمیشہ قوس کا ساتھ دیتی ہے جیسے وہ اس کے محبوب ہوں وہ کبھی ہار نہیں مانتے اور ہر رکاوٹ کو ہٹاتے ہوئے آگے نکل جاتے ہیں۔

نیک اطوار اصول پرست ہوتا ہے۔ وہ جوکر ہونے کے ساتھ فلسفی بھی ہوتا ہے اس لیے کہ اس کا ذہنی رجحان فلسفیانہ ہوتا ہے لیکن اکثر دوسرے اس کی حرکات سے ایسا نہیں سمجھ پاتے۔

قوس بڑے خوبصورت اور دور اندیشانہ خواب دیکھتا ہے جو حقائق پر مبنی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ دنیا ان خوابوں کے لیے تیار نہیں ہوتی کوئی اور ایسے خواب نہیں دیکھ سکتا کیونکہ کسی اور کے پاس ایسا تخیل نہیں ہوتا اور نہ ہی اتنی فہم کی کمی۔

قوس سماج کے رسم و رواج سے گھبراتے اور چڑتے ہیں اور اکثر بغاوت پر آمادہ ہو کر ان کے خلاف چلتے ہیں۔ ظاہرداری اور رسمی تکلفات کو درد سر سمجھتے ہیں۔ وہ انسان کو اس کے ظاہر سے نہیں باطن سے پرکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ کسی کو اس کی دولت، مرتبے یا عہدے کے باعث دوست نہیں بناتے، اور کسی کی خوشامد کرنا یا اس میں ہاں ملانا ان کے لیے ناممکن ہوتا ہے۔

قوس ایک وسیع دماغ رکھتے ہیں، ان کی نظر میں سب برابر ہوتے ہیں۔ نہ غرور کرتے ہیں نہ نکتہ چینی۔ مرنجان مرنج طبیعت رکھتے ہیں۔ واعظوں کو نہ پسند کرتے ہیں نہ خود تلقین کرتے ہیں۔ ان کے دوست اکثر زیادہ اور دشمن کم ہوتے ہیں۔ دوستی میں وہ بڑے وفادار رہتے ہیں۔

قوس کی یہ بھی خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ گھل مل کر رہتے ہیں۔ ہر محفل میں نمایاں نظر آتے ہیں، لیکن بعض قوس ایسے بھی نظر آئیں گے جو بے حد شرمیلے اور گوشہ نشین ہوتے ہیں اور ان کے دوست بھی کم ہوتے ہیں۔ البتہ دونوں ہی طرح کے قوس رومانی مزاج رکھتے ہیں۔ دل دینے کے سلسلے میں بے دھڑک ہوتے ہیں، لیکن وہ ذہین محبوب ہی کو پسند کرتے ہیں۔ ان کی محبت کے پیچھے جو مقصد ہوتا ہے وہ زیادہ تر دوستی پہنچنا ہوتا ہے، ۔ ۔ ۔ ۔ ، وہ محبت زیادہ تر تفریحاً کرتے ہیں اس میں گہرائی کم ہی ہوتی ہے، لیکن جب وہ سچی محبت کرتے ہیں تو بہترین عاشق ثابت ہوتے ہیں۔ وہ بے وفا نہیں ہوتے، لیکن اپنی رنگین مزاجی کے باعث کسی ایک ہی کی محبت پر اکتفا نہیں کرتے۔

قوس بڑے مذہبی ہوتے ہیں۔ مذہب سے انہیں گہری دلچسپی ہوتی ہے، لیکن ان میں ایسے بھی ہوتے ہیں جو بڑے ہو کر منکر مذہب ہو جاتے ہیں اور ایسی حالت میں اگر انہیں مذہب سے دلچسپی ہوتی ہے تو وہ علمی حد تک محدود رہتی ہے۔

قوس کو اپنے گھر والوں سے زیادہ دلچسپی نہیں ہوتی۔ وہ اس کے قائل نہیں ہوتے کہ گھر والے اگر اچھے نہ ہوں تب بھی ان سے محبت کی جائے۔ جو قوس گھر والوں سے محبت کرتے اور ان سے دلچسپی لیتے ہیں، وہ بھی کچھ فاصلہ ضرور رکھتے ہیں اور رشتے داروں کی قربت سے گھبراتے ہیں۔

قوس دولت کمانا خوب جانتے ہیں، لیکن دولت ان کے پاس رہتی نہیں، اس لیے کہ وہ فیاض اور فضول خرچ ہوتے ہیں۔ وہ اپنی دولت صرف اپنے ہی اوپر صرف نہیں کرتے، دوسروں پر بھی لٹاتے ہیں۔ وہ قرض دے کر واپسی کا تقاضا نہیں کرتے۔ عموماً قوس جواریوں جیسے ہوتے ہیں، لیکن خوش قسمتی سے وہ اس سلسلے میں اپنے تئیں قابو میں رکھتے ہیں۔

قوس جھوٹ نہیں بول سکتا اور بولتا ہے تو اس کا جھوٹ ظاہر ہو جاتا ہے۔ مکاری و فریب کرنا ان کے لیے غیر فطری بات ہوتی ہے۔ ان کی یادداشت اچھی ہوتی ہے۔ پھر بھی وہ چھوٹی چھوٹی چیزیں بھول جاتے ہیں۔ مثلاً قلم، کنجیاں، گھڑی اور چھتری وغیرہ۔

قوس کو تیز سواریوں اور سیر و تفریح سے بیحد دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ رحمدل ہوتے ہیں اور جانوروں سے بھی محبت کرتے ہیں۔

قوس عورتیں بڑی خود اعتماد اور آزادی پسند ہوتی ہیں۔ ان میں اکثر مردانہ عادات و اطوار نظر آتے ہیں، لیکن موقع محل پر وہ بے حد نرم بن جاتی ہیں۔ گھریلو کاموں سے گھبرانے کے باوجود اپنے مکانوں کو خوب سجا بنا کر رکھتی ہیں۔ دونوں ہی جنس کے قوس کسی حد تک بدنامی ہونے کی چنداں پروا نہیں کرتے۔ خوبصورتی کا ذوق دونوں ہی میں ہوتا ہے۔

قوس مردوں کو اپنے بچوں سے بڑی دلچسپی ہوتی ہے۔ لیکن اسی وقت جب وہ ذرا بڑے ہو کر شرارتیں کرنے لگتے ہیں تو وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ انھیں خوب تفریح کراتے ہیں، اس کے باوجود بچوں کو خراب نہیں ہونے دیتے۔

قوس مائیں ابتدا میں بچوں کی پرورش کرنے سے گھبراتی ہیں، لیکن رفتہ رفتہ وہ اچھی اور قابل مائیں بن جاتی ہیں۔ عموماً وہ بچوں سے سخت برتاؤ نہیں کرتیں، لیکن جب کبھی ان کا موڈ خراب ہوتا ہے تو پھر بچوں کی خیر نہیں ہوتی۔

قوس بڑے حساس ہوتے ہیں۔ معمولی سے معمولی بات بھی ان کا دل دکھا جاتی ہے، لیکن وہ اس دکھ کو جلد ہی بھول جاتے ہیں۔ خصوصیت سے جب ان کے قریبی انھیں طعنے دیتے ہیں تو وہ بہت زیادہ محسوس کرتے ہیں۔ انھیں یہ بھی وصف ہوتا ہے کہ وہ اپنے کاموں کا فخریہ ظاہر نہیں کرتے۔

وہ باتوں کو بدلہ کر تکیہ بھگو دیں گے مگر آپ کو علم بھی نہ ہوگا۔

قوس مطالعہ سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ کتابی ماحول میں خوب خوش رہتے ہیں۔ پبلشنگ، وکالت، سیاست، ایکٹنگ اور اشتہار بازی ان کے دلچسپ ترین پیشے ہوتے ہیں۔

قوس میں چند نمایاں خامیاں بھی ہوتی ہیں۔ وہ عیش پسند ہوتے ہیں۔ لذیذ غذاؤں اور شراب وغیرہ سے انھیں غیر معمولی دلچسپی ہوتی ہے۔ شاید انھیں لذیذ غذاؤں اور عیش پسندی کے باعث عمر طبعی کو پہنچ کر وہ موٹاپے کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں پر انھیں غصہ آجاتا ہے لیکن جلد ہی اتر بھی جاتا ہے۔ راز داری ان کے بس کا روگ نہیں ہوتی۔ ہر ایک پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کر لیتے ہیں، جس کا خمیازہ انھیں اکثر اٹھانا پڑتا ہے۔

تلون مزاج ہونے کے باعث وہ اکثر کاموں کو جوش و خروش سے شروع کرتے ہیں، لیکن انھیں کم ہی پایۂ تکمیل تک پہنچا پاتے ہیں۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ ثابت قدم بھی بس برائے نام ہی ہوتے ہیں۔ بات کرتے وقت وہ محل و بے محل کا بھی خیال نہیں رکھتے۔ بعض اوقات وہ ایسے نظر آتے ہیں کہ اکثر لوگ انھیں دیکھ کر یہ سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ یا تو وہ ذہین نہیں ہیں یا ان میں سلیقے کی کمی ہے۔ انھیں وجوہ سے قوس اپنی تمام خوبیوں کو نہ تو اجتماعی طور پر پیش کر پاتے ہیں اور نہ بھرپور فائدہ اٹھا پاتے ہیں۔

قوس کی جلد بازی، رجائیت پسندی اور خود اعتمادی اکثر ان کے لیے خطرناک ثابت ہوتی ہے۔ وہ بس اسی قدر سوچتے ہیں کہ کل جو کچھ ہوگا، اچھا ہی ہوگا، اور اسی لیے بے فکر رہتے ہیں۔ انھیں وجوہ سے کبھی کبھی وہ مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔ وہ منصوبے بہت بناتے ہیں، لیکن کچھ کرتے کم ہی ہیں۔ ان خامیوں کے باوجود اگر وہ مستقل مزاج بن جائیں تو بڑے کامیاب اور خوش اخلاق انسان بن سکتے ہیں۔

اختتام ہوتا ہے۔ توس دل و دماغ دونوں سے سوچتا ہے اور
اس وجہ سے انکا مزاج انھیں انوکھا بنا دیتے ہیں۔ انکے سوچنے کا
انداز منفرد ہوتا ہے، لیکن اس میں جذبات کی نرمی بھی شامل
ہوتی ہے۔ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ عقلمندی کا ثبوت نہیں دیتے
دکھائی لڑکھڑاتے ہیں تو سنبھلنے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ آپ ان کا
ہر گناہ اس لیے معاف کر دیں گے کہ وہ ... آپ کو ایک ایسا تحفہ
دیں گے جو مشکل ہی سے ملتا ہے۔ یعنی "سچی محبت"

توس کی زندگی ایک سرکس کے شو ہوتی ہے اور توس اس کا ...
جوکر ہوتا ہے۔ وہ بے دھڑک ملنے والے ہوں یا شرمیلے۔ اس
کی اصول پرستی لاعلاج ہوتی ہے۔ وہ اپنا تیر چھوڑتا ہے تو ستاروں
سے آگے اس جگہ کا نشانہ لگاتا ہے، جہاں تک عام انسانوں کی
نظریں نہیں پہنچ سکتیں۔ وہ جگہ جہاں پر سارے خواب جنم لیتے ہیں۔

کچھ اپنی صحت کے متعلق

چند روز سانس کی تکلیف میں افاقہ رہا تو میں کسی طرح چند
گھنٹوں کے لئے دفتر جانے لگا، ۲۵ر نومبر کو میری پیاری بیٹی
نجم السحر جو میرے پاس آئی ہوئی تھی رخصت ہو کر بمبئی چلی گئی۔
اس کے جانے کا غم، اس کے آنے کی خوشی سے زیادہ ہوتا ہے
سانس کی تکلیف اسی روز سے شروع ہو گئی تھی، لیکن ۲۶ر نومبر
کی صبح اس تکلیف نے شدت اختیار کر لی اب پلنگ سے اتر کر
چار قدم چلنا بھی دشوار ہے نہ جانے اللہ پاک اس تکلیف سے کب
نجات دلائے گا۔ حریمی بہنیں دعا کریں۔ نسیم انہونوی

لکھنؤ اپنی تہذیب و تمدن

کے لئے سارے ہندوستان ہی میں نہیں ساری دنیا میں
مشہور تھا، لیکن افسوس کہ انقلابات زمانہ نے لکھنؤ کی تہذیب
تمدن کو خاک میں ملا دیا۔ آج اس تہذیب کا ذکر صرف کتابوں
میں ہی پڑھا جا سکتا ہے۔ لوگ آتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اس
تہذیب و تمدن کو دیکھیں اور لکھنوی لوگوں کی شیریں زبانی سے
لطف اندوز ہوں۔ لیکن اب اس زبان کے بولنے والے بھی نظر
نہیں آتے جو حضرت پہلے آپ "پہلے آپ" کہا کرتے تھے۔ اور اس مٹی
ہوئی تہذیب و تمدن کے علمبردار پھر رہ بھی گئے ہیں تو وہ گوشہ نشین ہیں
اور ان تک پہنچنا آسان نہیں ہوتا۔ اپنا سب کچھ کھو کر اب وہ باہر
نکلتے بھی شرماتے ہیں۔ کیا عروج اور اب کیا زوال ہے۔ لیکن
لکھنؤ میں جو چیزیں فنا نہ ہو سکیں وہ ہیں شاہی امام باڑے اور
وہ کاریگر اور ہنرمند جو آج بھی اپنی کاریگری اور دستکاری کے
لیسے شاہکار پیش کر رہے ہیں۔ جو آپ اپنی مثال ہیں۔

چکن، زردوزی، کامدانی اور بادلے وغیرہ
کے کام یہاں کے کاریگر ایسا کرتے ہیں کہ
دیکھنے والے محو حیرت رہ جاتے ہیں۔
لچکہ، گوٹا، پٹھا، کرن اور ستارے وغیرہ
کا کام بھی بیحد نفیس ہوتا ہے۔

تتلی

عابدہ نرجس

مجھے اس کی یہ بدذوقی بہت کھلتی تھی کہ وہ ہر ایک کو اپنا نام ضرور بتاتی تھی۔ نام بھی ایسا جو اس پر بالکل نہیں جچتا تھا۔ جب وہ شوخ آنکھوں میں جادو بھر کے لبوں پر قاتل مسکراہٹ سجائے گنگناتی آواز میں کہتی یہ مجھے حمیدہ کہتے ہیں۔ تو میرا سر پیٹ لینے کو جی چاہتا۔

ظالم کیا صفا جھوٹ بولتی تھی۔ اور وہ بھی اس محبوبانہ سادگی سے۔ اس کے پرستار حسن لطیف سے اتنے بھی عاری نہیں تھے۔ کہ تتلی ایسی حسین اور سیماب صفت دوشیزہ کو حمیدہ کہہ کر نام سے پکار کر منہ کا مزہ ہی خراب کر لیں۔ اسے ان گنت خوبصورت اور دلکش ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا جو پکارنے والے کے ذوقِ سلیم لطیف احساسات کی گہرائی اور اس تڑپ کا پتہ دیتے تھے۔ جو اس غارت گیر ہوش کے لئے ہر دل میں جاگتی اور جذبات کو چھوکے دیتی تھی۔

کوئی اسے گل کہتا تھا، کوئی خوشبو تو کوئی ترنم۔ کسی کے لئے وہ نغمہ تھی تو کسی کے لئے راگنی۔ کوئی اسے تغزل بھی کہتا تھا اور کوئی پائل۔ میں خود اس کے لئے کسی بہت ہی لطیف اور موزوں نام کی تلاش میں تھا۔ جو لبوں کو چھوئے تو اس کا دلفریب پیکر نگاہوں میں جھلکنے لگے۔ اس کے دلربا حسن کی تمام تر رعنائی اس میں سمٹ آئی۔ کسی شاعر کے تخیل کی طرح حسین اور انوکھا۔ کسی مصور کے تصورات کی طرح رنگین اور نازک۔ اک ستائش سے چھلکتے ہوئے دل کا نذرانہ۔ جسے بارگاہ حسن میں قبولیت کا شرف حاصل ہو جائے۔

لیکن میں کوئی شاعر یا مصور نہیں ہوں۔ میں تو اک عاشق کا دھڑکتا ہوا بے تاب دل اپنے سینے میں رکھتا ہوں۔ جو جلوہ حسن سے گھبرا کر کچھ کہتا تھا۔ اس کے خیرہ کن حسن کی حشر سامانیاں اس کی اداؤں کا بانکپن اس کی دلفریب شخصیت کا سحر ہر بار مجھے مدہوش کر دیتا اور میں لفظوں کو کھنگالتا جاتا۔

وہ میری اس کیفیت پر بہت محظوظ ہوتی۔ میرے اظہار عجز پر وہ کھل کر مسکراتی اور ناز آمیز لہجے میں کہتی۔ جمشید صاحب الفاظ جذبات کے اظہار کا اک وسیلہ تو ہیں۔ لیکن ... ہیں نہ ؟؟؟

بات ادھوری چھوڑ کر وہ معنی خیز انداز میں خاموش ہو جاتی اور میری طرف ایسی نگاہوں سے دیکھتی کہ مجھے غالب کے کتنے ہی بلیغ مصرعے یاد آ جاتے۔ جن سے میں اس کی ادھوری بات مکمل کر دیتا۔

وہ جانِ محفل تھی اور گفتگو کا محبوب موضوع۔ ہم سب اس کے بارے میں یوں گفتگو کرتے تھے جیسے مشاعرہ پڑھ رہے ہوں۔ اس کا ذکر اک خوبصورت غزل کی طرح چھڑ جاتا اور ہم سب اس کے اک اک مصرعے پر سر دھنتے۔ وہ ہم میں سے ہر ایک کی زندگی میں چند لمحوں کے لئے سہی رنگ بکھر چکی تھی۔ کتنی ہی رنگین شامیں اس نے خوشبو کی طرح لٹادی تھیں۔ وہ تنہائیوں کو مہکا دیتی تھی اور دفتر کے خشک اور بے مزہ کام کو گوارا بنا دیتی تھی۔

اس سے منسوب قصے بڑے رنگین اور رسیلے دار تھے۔ اس کا التفات بے پایاں۔ بعض اوقات کسی خوبصورت سی غلط فہمی کو جنم دیتا۔ تو ہم سب کی جان پر بن جاتی۔ لیکن وہ غلط فہمی جلد ہی اس پرستار کی خوش فہمی کا نتیجہ ثابت ہوتی اور ہم سب اطمینان کا سانس لیتے۔

سہمے ہوئے دل یکبارگی دھڑکنے لگتے اور شادمانی کا رنگ یہاں وہاں بکھر جاتا۔ ہم میں سے کوئی بھی تو نہیں چاہتا تھا کہ لمحے لمحے کو رنگین کر دینے والی یہ خوش رنگ تتلی یوں ہاتھ سے نکل جائے۔

وہ بادِ صبا کی طرح اک اک کو چھیڑ کر گذرتی تھی تو تپتی ہوئی زندگی کو اک معطر لمحہ پھول کی طرح شگفتہ کر دیتا تھا۔ اس نے زندگی میں رس، رنگ اور خوشبو سی بھر دی تھی۔ اس کی خوبصورت باتیں، دلربا ہنسی، شریر مسکراہٹیں ہم میں سے کوئی بھی کھونا نہیں چاہتا تھا۔

ہم سب جو بدمذاق، چڑچڑے اور تین تین بچوں کی ماؤں کے ستائے ہوئے تھے۔ اس پیکرِ جمال سے محروم ہو جاتے تو مر ہی جاتے۔ وہ زندگی کے چٹیل صحرا میں اک ہرا بھرا نخلستان تھی۔ جہاں زندگی معلوم ہوتی تھی۔ اک جیتے جاگتے خوبصورت احساس کے ساتھ، حرکت اور حرارت سے لبریز، چنچل اور سیمابی کیفیت سمیٹے ہوئے اس کی غیر موجودگی میں جب محفل اس کے ذکر سے سج جاتی تو ہم سب اپنی ساری لیاقت، اپنا سارا زورِ بیان، اس کے

دیتے اور ان کی توجیہات پیش کرنے میں صرف کر دیتے۔ اپنے اپنے مبالغہ آمیز تجربات کی روشنی میں نفسیات کی گتھیاں سلجھاتے۔ اور جنسیات کا حوالہ دیتے ہوئے، عورت کی فطرت کا تجزیہ کرنے لگتے۔ کیونکہ ہم میں سے ہر ایک کو ہر طرح کی عورتوں سے کسی نہ کسی طرح قریب ہونے کا تجربہ نہیں۔ تو اس کا دعویٰ ضرور تھا۔ اور تان اس پر آن کر ٹوٹتی کہ وہ ایک بے مثال عورت ہے۔ جس نے اس صنف کی لاج رکھ لی تھی۔ ورنہ ہم سب کی بیویوں نے اس کے بھیانک پہلو آشکار کرنے میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی۔

یہاں اختلاف نہیں ہوتا تھا۔ سب یادوں کے اس سرمائے کو جو اس خوبصورت ہستی سے وابستہ تھا، سج سج کر سنوارتے ہوئے اس کی تائید کرتے۔ تب اس کا نام زیر بحث آیا۔ جسے وہ بڑے اہتمام سے ہر ایک کو بتاتی تھی۔ لیکن کسی کا بھی دل اسے اس نام سے پکارنے کو نہیں چاہتا تھا۔ اس کے اس رویے کی ہزاروں ہی تاویلیں کی جاتی۔ لیکن نتیجہ شدید اختلاف کے سوا کچھ بھی نہیں نکلتا۔

"اکثر وہ ایسے موقعوں پر آن ٹپکتی اور بے نیازی سے پوچھتی کس بات پر بحث ہو رہی ہے"

تمہارے اس نام پر ذرا نہیں جچتا" ہم میں سے کوئی صاف ہی کہہ دیتا۔

"ہوں"!!! وہ اک کافر ادا کے ساتھ گلابی لبوں کو یوں جنبش دیتی کہ ہمیں دل تھامنا مشکل ہو جاتا۔

"نام تو میرا ہے۔ اور بحث آپ کر رہے ہیں"

"پکارنا تو ہمیں ہی پڑتا ہے"

"آپ کونسا پکارتے ہیں"!!! اس لہجے میں کہتی کہ ہم اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے۔

اس کی سہانی قربت میں دن اڑے چلے جاتے تھے۔ شکیل بیچ میں آن ٹپکا۔ وہ کسی دوسرے شہر سے یہاں تبدیل ہو کر آیا تھا۔ وجیہہ و شکیل ہونے کے علاوہ غیر شادی شدہ تھا اور بلا کا گپ باز اور خوش گفتار۔ اس نے آتے ہی نہ جانے اس پر کیا سحر پھونکا کہ وہ پھول پھول کر منڈلانے والی تتلی، اسی کا طواف کرنے لگی۔ ہم نے یہ سوچ کر اپنے ڈانواں ڈول دل کو تسلی دے ڈالی۔ کہ چند دنوں کی بات ہے یہ غلط فہمی جلد دور ہو جائے گی۔

لیکن یہ خوش فہمیاں کب تک تسکین کا باعث ہوتیں۔ ہمیں جلد ہی یہ احساس ہو گیا کہ سرد مہری کے شکنجے کتنے ہی لمحوں کو اپنی لپیٹ میں لیے جاتے ہیں۔ اب ان پہلی سی نوازشات کو دل ترس گیا تھا۔ وہ پر لطف صحبتیں تھیں" سہانی محفلیں نہ وہ رنگین شامیں تھیں نہ بہکتی ہوئی قربت کے کیف آگیں لمحے۔!

زندگی ایسی بے کیف اور پھیکی ہو گئی تھی کہ خودکشی کر لینے کو جی چاہتا تھا۔ دنیا سے دل بھر گیا تھا۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ بیویوں کی ستم رانیاں برداشت نہیں ہوتی تھیں۔ بچوں کو اٹھا کر کوڑے میں پھینک دینے کو جی چاہتا تھا۔ معمولات میں تبدیلی آگئی تھی۔ ڈھنگ سے کام بھی نہیں ہوتا تھا۔ روز کسی نہ کسی کو باس سے بے بھاؤ کی پڑتی تھیں۔ سگریٹ زیادہ پیے جاتے تھے۔ چائے سیٹ کے سیٹ منگوائے جاتے آپس میں جھڑپیں بھی ہوتیں۔

اس ناہنجار شکیل نے رقیب روسیاہ کا روپ دھار کر ہمارے کلیجے پکا دیئے تھے اور اس ستم شعار نے "حمیدہ" بن کر ہمارے سینے میں ناسور ڈال دیا تھا۔ شاید اس نے یہ نام اس دن کے لئے سنبھال سنبھال کر رکھا تھا۔ اس کی آنکھوں کی چمک اس کے لبوں کا تبسم اس کے بالوں میں سجا پھول کسی قیامت سے کم نہیں تھے لیکن یہ سب کچھ شکیل کے لئے مخصوص ہو چکا تھا خود ہمارے پلے تو کچھ بھی نہیں رہا تھا۔

محرومی کا یہ داغ بہت گہرا تھا۔ دل پر ایسی چوٹ پڑی تھی کہ سہلانا دشوار تھا۔ وہاں قربتیں بڑھ رہی تھیں اور یہاں احساس محرومی سے جان پر بنی تھی۔ اس کا ہمیشہ کے لئے چھن جانے کا خیال سوہان روح تھا۔ رشک و حسد نے تن بدن میں آگ لگا دی تھی۔ شکیل ہمیں چھٹا ہوا بدمعاش زمانے بھر کا لفنگا، بدچلن اور آوارہ معلوم ہونے لگا تھا۔ اس کے چنگل سے اس معصوم بھولی بھالی لڑکی کو چھڑانے کی تجویزیں زیر غور رہنے لگیں تھیں بلکہ اسے شکیل کے شر سے بچانے کا تہیہ ہم میں سے ہر ایک نے دل ہی دل میں کر لیا تھا۔

مجھے اب اس کے ذکر سے وحشت ہونے لگی تھی۔ میں نے اس کی آنکھوں میں اک نرالی چمک اور اداؤں میں ایک ایسی خود رفتگی دیکھی تھی کہ مجھے یقین سا ہونے لگا تھا کہ اب وہ ہمارے ہاتھ سے نکل

گئی ہے اس کے خوبصورت چہرے پر اک ایسا عجب سا کھو جانے والا تبسم چھایا رہتا جیسے کوئی سہانا خواب دیکھ رہی ہو۔ اور میرے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ کیا خواب دیکھ رہی تھی۔

میں خود کو صرف اس کا پرستار ہی سمجھتا تھا۔ اس سے ملنا جلنا مجھے وقت گزاری کا بہانہ جانتا تھا۔ لیکن اس کا یہ اخلاص مجھ پر بھی بہت بھاری پڑا تھا۔ وقت کاٹے نہیں کٹتا تھا۔ گھر سے وحشت ہوتی تھی۔ میں غم غلط کرنے کو لمبی سیر پر نکل جاتا اور باغ کے تنہا گوشوں، ریستورانوں یا نہر کے کنارے گزرے ہوئے سہانے لمحوں کے دھندلے نقوش چنتا رہتا۔

اک روز میں کسی پارک میں فوارے کے قریب کھڑا بھیگے ہوئے موتیوں کو اپنی مٹھی میں سمیٹ رہا تھا اور شاید اسی کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اچانک میں نے نگاہ اٹھائی تو پارک کے ایک تنہا گوشے میں وہ شکیل کے ساتھ کھڑی تھی مجھ پر اک قیامت سی گزر گئی۔ میں نے وہاں سے ٹل جانا چاہا کہ کہیں کوئی بدمزگی ہی پیدا نہ ہو جائے۔ لیکن ابھی میں فیصلہ بھی نہیں کر پایا تھا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے کہ شکیل تیزی سے چلتا ہوا میری طرف دیکھے بغیر۔ میرے برابر سے نکل گیا۔ میں نے جلدی سے پلٹ کر وہاں دیکھا جہاں وہ دونوں کھڑے تھے اس نے دوپٹے میں چہرہ چھپا رکھا تھا اور اس کے شانے ہل رہے تھے۔ وہ تنہا تھی۔

صورت حال سمجھنے میں مجھے دیر نہیں لگی۔ اپنی کمینگی پر مجھے ندامت بھی ہوئی کہ شکیل کو اس طرح ناراض دیکھ کر۔ میرا بھاری دل۔ اطمینان سے بھر گیا تھا اور میں عجیب فاتحانہ انداز میں تسلی کے لئے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اس نے ایک دم چہرے سے دوپٹہ ہٹایا اور مشتاق نگاہوں سے میری طرف دیکھا۔ اس کی آنسو بھری آنکھوں میں امید کی جوت، یاس و پشیمانی میں بدل گئی۔ اسے شاید شکیل کے پلٹ آنے کی توقع تھی۔ اس نے رخ پھیر لیا اور شدت سے رونے لگی میں پشیمان بھی ہوا اور مجھے اس پر ترس بھی آیا۔ شکیل کو میں نے دل ہی دل میں اک دقیق سی گالی بھی دی جس نے مسکراتی ہوئی اس دوشیزہ کی خوبصورت آنکھوں میں آنسو بھر دیئے تھے۔

اسے طرح چھکوں پھکوں روتے دیکھ کر میں نے اپنا رومال فوراً اسے پیش کیا۔ جو میں ایسے نازک موقعوں کے لئے ایک علیحدہ جیب میں رکھتا تھا۔ لیکن وہ دوپٹے سے ہی اپنا آنسوؤں میں بھیگا ہوا چہرہ رگڑتی رہی۔ اس کی بیقرار سسکیوں نے مجھے مجبور کیا کہ میں اسے شانے سے لگا کر تسلی دوں۔ لیکن اس نے میرے ہاتھ بے رخی سے جھٹک دیئے اور رندھی ہوئی آواز میں بولی۔

"ہٹ جائیے۔ جمشید صاحب مجھے اکیلا چھوڑ دیجئے۔"

"نہیں۔ میں تمہیں اس حالت میں تنہا نہیں چھوڑ سکتا۔" میں نے بڑے لگاؤ اور ہمدردی سے کہا۔

وہ اس سہمی ہوئی انجان دوشیزہ کی طرح ہولے ہولے کانپ رہی تھی جسے اپنے محبوب کی بے مہری پر اعتبار نہ آتا ہو۔ اس نے بے چارگی سے سر اٹھایا۔ وہ شوخ و شنگ لڑکی معلوم ہی نہیں ہوتی تھی۔ جو ہماری وقت گزاری کا ایک حسین بہانہ تھی۔ وہ جیسے ضبط کرنے کو ہونٹ چبا رہی تھی۔ جمشید صاحب آپ لوگوں نے مجھے کہیں کا نہ چھوڑا۔ شکیل کہتا ہے تم عمر بھر حمیدہ، نہیں بن سکتیں۔ تم ان ہی میں سے ایک نام رکھ لو — جن سے تمہیں دفتر کے سب لوگ پکارتے ہیں۔ جمشید صاحب میرے پاس یہی ایک نام رہ گیا ہے۔ جس سے میں خود کو پہچانتی ہوں۔ جس سے مجھے اپنے گاؤں کی خوشبو آتی ہے۔ یہی تو میری شناخت ہے۔ جس سے میں خود کو یقین دلاتی ہوں۔ کہ میں وہی سیدھی سادھی لڑکی ہوں جو گاؤں سے چلی تھی۔ لیکن شہر آکر اپنا آپ بھول گئی لیکن آپ سب نے۔!!! اس کی آواز سسکیوں میں ڈوب گئی وہ ضبط کی کوشش میں پھر رو پڑی۔

میرے جذبات متضاد سے ہو رہے تھے۔ مجھے اس پر ترس آ رہا تھا۔ مجھے دکھ بھی تھا۔ لیکن اس کی نادانی پر ہنسی بھی آتی تھی۔ وہ مجبور تھی۔ بیوی بننے کی احمقانہ آرزو نے ہی اسے اس جذباتی ہیجان سے دوچار کیا تھا وہ سوسائٹی کی روح رواں تھی اور اس کے باوجود ایک روایتی گھر کی چاہت دل میں رکھتی تھی۔ کتنی بھولی تھی، وہ اس کے ساتھ بہترین وقت گزارا جا سکتا تھا لیکن اسے اک گھر کی رونق بنانے کی غلطی کوئی مرد نہیں کر سکتا تھا۔ مجھے اس کے ساتھ بہت ہمدردی تھی لیکن دل دوسروں کو اس المناک ڈراپ سین سے آگاہ کرنے کو بھی چاہ رہا تھا۔ میں اسے محبت، ہمدردی اور تسلی کے لائق سمجھتا تھا کیونکہ اب وہ محض شکیل سے وابستہ نہیں رہی تھی۔

میں نے اسے بہلانے کی تمام تر کوشش کر ڈالی لیکن وہ بس

سے مس نہ ہوئی۔ اس نے کسی ریسٹوران میں چائے پینے، فلم دیکھنے، کشتی کی سیر پر جانے یا دریا کے کنارے چہل قدمی کرنے اور یہاں تک کہ دل کا بوجھ ہلکا کرنے کو میرے سینے سے لگ کر رونے سے بھی انکار کر دیا۔ وہ مجھ سے بہت دور درخت کے تنے سے پشت لگائے اداس کھڑی، سبز روشوں پر منڈلاتی اک تتلی کو دیکھتی رہی۔

فضاؤں میں تناؤ سا پیدا ہو گیا تھا۔ میں اس سے اتنے فاصلے پر زیادہ دیر کھڑا نہیں رہ سکتا تھا۔ جب کہ وہ اس طرح لاتعلق اور خاموش تھی۔ جیسے میری موجودگی سے بے خبر ہو۔ میں اس کی خاطر یہ ستم بھی برداشت کر لیتا۔ اور اس کی ڈھارس بندھاتا۔ لیکن مجھے اپنی بیوی اور بچوں کو ـــ اس کی بہن کے بچے کے عقیقے پر لے جانا تھا۔ اور میری بیوی کا تیج پر پر کرے اور ہمسایوں کو تماشہ دکھانے میں اپنا ثانی نہیں رکھتی تھی۔

میں نے اسے اس کے فلیٹ تک پہنچانے کی پیش کش بھی کی لیکن اس نے بے نیازی سے سر کو بے معنی سی جنبش دے ڈالی۔ جس سے میں اثبات یا نفی کا مفہوم تو اخذ نہیں کر سکا۔ البتہ اُسے خدا حافظ کہہ کر چلا آیا۔

اگلے روز وہ دفتر نہیں آئی حالانکہ ہم بیتابی سے اس کا انتظار کر رہے تھے۔ شکیل بالکل نارمل تھا۔ اور حسب معمول بڑی توجہ سے اپنے کام میں منہمک تھا۔ اس روز کینٹین میں ہم نے اس کی صحیح سلامت واپسی کا جام بھی نوش کیا اور اس کے بارے میں خیال آرائیاں کرتے رہے۔ وہ دوسرے دن بھی نہیں آئی۔ البتہ اس کا استعفیٰ دوپہر کی ڈاک سے مل گیا جسے دیکھ کر ہم سب سناٹے میں رہ گئے۔ ہاں شکیل نے اتنا تبصرہ ضرور کیا: "اُسے جانا ہی تھا۔ یہاں تو اس کا پول کھل گیا تھا۔ اب اسے کہیں اور پاؤں جمانے ہوں گے۔"

ہم کنکھیوں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔ لیکن کسی نے کچھ نہیں کہا۔ ہمیں اس کی کمی کچھ روز محسوس ہوتی رہی۔ ہم اُسے یاد بھی کرتے رہے۔ اس کے فلیٹ کے پھیرے بھی لگائے۔ لیکن وہ فلیٹ چھوڑ چکی تھی۔ اس کی یاد دل کا روگ ضرور بن جاتی لیکن اس کی جگہ لینے والی اینگلو انڈین لڑکی نے اس کا ازالہ کر دیا۔ اور ہم اس کے لئے کوئی مناسب سا نام سوچنے لگے۔

لڑکیاں آتی اور جاتی رہیں۔ ہم ان کے خوبصورت نام رکھتے اور پکارتے رہے۔ آخر کار وہ دور آگیا جب یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ خوبصورت اور اچھی لگنے والی لڑکیوں کو کس نام سے پکارا جائے۔ کیونکہ وہ لطیف احساسات کی پرواہ کئے بغیر بڑے ہی حوصلہ شکن رشتے استوار کرنے لگتی ہیں۔

میں ملازمت سے ریٹائر ہو کر پہاڑ پر چند ماہ آرام و سکون سے گذارنے گیا۔ حالانکہ میں بیوی کو ہمراہ نہیں لے گیا تھا۔ لیکن آرام و سکون وہاں بھی عنقا ہی رہا۔ ایک عزیز نے مجبور کر دیا کہ میں اپنے نام نہاد اثر و رسوخ سے کام لے کر ان کے بچے کو مقامی اسکول میں داخل کرا دوں۔

میں اسی غرض سے انچارج کے کمرے میں داخل ہوا تو میز کے دوسری طرف بیٹھی ہوئی اک خوش لباس و خوش اطوار خاتون نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور حیرت سے کہا "جمشید صاحب آپ! کہیئے کیسے زحمت فرمائی؟"

میں نے ہکا بکا ہو کر اس کی طرف دیکھا اور کچھ بھی نہیں کہہ سکا۔ سوائے اس کا نام پکارنے کے۔ جس سے اُسے کوئی کبھی نہیں پکارتا تھا۔

عورت — عالمی ادب کی نظر میں

اسٹوین سن

- عورتوں اور پرندوں میں یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ وہ سر کو گھمائے بغیر دیکھ سکتے ہیں۔ اور یہ صلاحیت درحقیقت قدرت کی طرف سے فراہم کردہ ضروری آسانی ہے، کیونکہ یہ دونوں ہمیشہ خطرات سے گھرے رہتے ہیں۔
- اس دنیا میں کوئی شخص کبھی عورت کی ضرورت کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکا، لیکن اس کے باوجود وہ عورت کو اپنی ترقی کے راستے میں رکاوٹ تصور کرتا ہے۔ یہ بات بڑی افسوس ناک ہے!
- عورت اور مرد کی ازدواجی زندگی اس دوستی کا نام ہے جو محکمۂ پولیس کی منظور شدہ ہے!

ایلیٹ

- اگر مجھ سے یہ کہا جائے کہ میں نوجوان عورتوں کو کوئی نصیحت کروں تو میں یہی کہوں گا کہ:

(۱) اپنے بارے میں زیادہ مت سوچو۔
(۲) دوسروں کے بارے میں خوب سوچو۔
(۳) اچھا مطالعہ کرو۔
(۴) وہ کام کرو جس سے تمہیں مسرت حاصل ہو۔
(۵) خودغرض نہ بنو۔
(۶) جب تم یہ محسوس کرو کہ تم سچائی پر ہو تو نڈر بن جاؤ۔

- عورت کی مثال اس خوش و خرم قوم کی سی ہے۔ جس کی کوئی تاریخ نہیں ہوتی۔

اناطول فرانس

- ناول عورت کی خوشنودی اور اس کے جلوہ کا نام ہے۔
- کائنات میں سب سے زیادہ قابلِ قدر نیک عورت ہے۔
- ہم نے عورتوں کی زبان کھولنے والی ادویہ تو ایجاد کرلی ہیں، لیکن ان کو خاموش رکھنے کے لئے کوئی آزمودہ نسخہ اب تک ہاتھ نہیں لگا!

- ساری دنیا انسان کا سرمایہ ہے، لیکن بعض عناصر [illegible]

آسکر وائلڈ

- بوڑھی عورت ہر بات پر یقین کر لیتی ہے۔
- عورتیں تصاویر ہیں، مرد معمّے۔
- وہ شخص جو شادی کرتا ہے اسے عورت کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہیے یا کچھ بھی نہیں!
- طلاق شدہ عورت کے انہماک کے مماثل دنیا میں کوئی چیز نہیں ہوتی، اور یہ ایسا انہماک ہے جس سے کوئی شادی شدہ مرد واقف نہیں ہوتا!
- مرد عورت کو نہیں سمجھتا لیکن عورت، عورت کو خوب سمجھتی ہے۔

اداکارہ برشی باردوت

- دنیا کی ہر عورت پیار کے لئے ترستی ہے۔ میں نے بھی زندگی میں پیار مانگا لیکن آج تک نصیب نہیں ہوا۔ کیا ہر مرد خود غرض اور مطلب پرست ہوتا ہے؟ میں مردوں کو خلوص کا پیکر سمجھ کر محبت کا جذبہ لے کر ان کے سامنے گئی لیکن ان میں خلوص نام کو نہیں تھا، پھر میں نے شادی کرلی۔
- میرا پہلا شوہر اچھا انسان ضرور تھا لیکن اچھا شوہر نہیں تھا۔ وہ میری قدر نہ کرسکا۔ اس کے بعد میں نے دوسری شادی کی۔ اس بار جو شوہر ملا، وہ بھی مجھے خوش نہ رکھ سکا۔ سوچتی ہوں، مردوں کے دل خلوص سے خالی کیوں ہوتے ہیں؟ کیا نئی تہذیب نے صرف عورتوں کے دلوں میں پیدا کی ہے؟ میں [illegible] افسوس اور دکھ کے ساتھ اعتراف کرتی ہوں کہ میری ناکامیوں کا بنیادی سبب بے وفا مردوں پر اعتماد [illegible] ہے۔
- تمام عورتوں کی طرح، مجھے ہمیشہ بچے کا ارمان رہا۔ اب میرا بچہ ہے۔ اس کی پیدائش کے بعد مجھ میں خود پسندی کا جو رجحان تھا، اب آہستہ آہستہ ختم ہوتا جا رہا ہے۔

احسان دانش

- مرد کے بغیر عورت نے دنیا کو عظیم المرتبت پیغمبر دیا ہے اور مرد اس بلندی سے محروم ہے۔
- عورت محبت کرنے پر مجبور ہے اور مرد اس سے مسرت حاصل کرنے پر لیکن مسرت کی مجبوری وقتی ہوتی ہے اور محبت کی دیری۔ اگرچہ اس میں مرکزیت نہیں ہوتی۔
- اگر عورت اور مرد ہم خیال اور ہم مزاج نہیں تو دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اور بلند سے بلند فریضہ انہیں زندگی میں خوش نہیں رکھ سکتا۔ یہ اور بات ہے کہ دونوں اپنے جگر کے لہو کو غذا سمجھ لیں اور دوزخیوں کی طرح زندگی بسر کرتے رہیں۔!
- عصمت اور پاکیزگی کی صنعت عورت کا کمال ہے، جس سے خدا کا عرفان ممکن اور انبیاء کا مقام روشن اور نزدیک دکھائی دینے لگتا ہے۔

بیکن

- بیوی وہ "بل" ہے جس کی ادائیگی ہمیں باقاعدہ اور مسلسل کرنی پڑتی ہے!
- عورتوں کے سامنے اگر یہ دو صورتیں ہوں — وزارت یا شادی، تو بچاس سے زائد مرتبہ وہ دوسری صورت کو پسند کریں گی۔
- حاسد عورت کو کبھی چھٹی نہیں ہوتی۔!
- عورت کا حسن وہ جال ہے جس سے قدرت عقلوں کا شکار کھیلتی ہے۔

بالزاک

- وہ شخص جو اپنی بیوی کے "ڈرائینگ روم" میں داخل ہوتا ہے، وہ کوئی فلسفی ہے یا پھر بیوقوف۔!
- عورت کی عصمت اس کے ضمیر کا نام ہے۔

تھامس فلر

- حقیقی معنوں میں جو ماں ہے، اسے فرصت کبھی نہیں ملتی۔!
- ایک خوبصورت مگر غریب بیوی ایسی ہی ہے جیسے کوئی عالیشان عمارت بغیر فرنیچر کے۔!
- مرد آگ ہے، عورت گھاس۔ شیطان آتا ہے اور شعلے بلند

ہوتے ہیں۔

جانسن

- تحریری صلاحیتیں بالعموم مردوں میں زیادہ ہوتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ دنیا کو بُری بنانے کی ذمہ داری بیچاری عورت کو ٹھہرایا جاتا ہے۔
- اگر بیوی خاوند پر حکومت کرتی بھی ہو تو حکومت معلوم نہ ہو۔ خاوند کی فرمانبرداری کرنا، بیوی کا عین فرض ہے۔
- اگر میرے ذمہ فرائض نہ ہوتے اور مستقبل کے اندیشے مجھے پریشان نہ کرتے تو میں اپنی ساری زندگی، اپنے بازو، خوبصورت عورت کو بٹھا کر کسی گاڑی کو ہانکتے ہوئے گزار دیتا۔!

چارلس ڈکنز

- سب سے خوبصورت اور شیریں پیار ماں کا ہے۔
- ایسے وقت جبکہ ساری دنیا ہم سے منہ موڑ لے، عورت کی محبت بھری ایک نگاہ، غم کی تاریکیوں میں اجالا ہے۔

ڈسرائیلی

- میری زندگی میں میری بیوی کا وجود نہایت اہم ہے اس کے بغیر میں زندگی کو ہنسی خوشی سے نہیں گزار سکتا!
- جوان عورت غلطی۔ ادھیڑ عمر کی عورت جدوجہد۔ بوڑھی عورت افسوس!
- عورت۔! تمام جانداروں میں سب سے زیادہ قابل رحم ہستی ہے۔

رئیس احمد جعفری

- مرد اس لئے شیر ہے کہ عورت بھیگی بلی بنی ہوئی ہے لیکن وہ بھی اپنے مخملی دستانے سے خونخوار پنجے نکال کر ڈٹ جائے تو شیر کو زخمی کر سکتی ہے۔

شوپنہار

- عورت تو۔ یاد رکھو، پھول کانٹوں سے گھرا ہوتا ہے۔
- نسوانی کردار کا بنیادی نقص یہ ہے کہ اس میں انصاف کا جذبہ رحم کے جذبے کے زیر اثر آجاتا ہے۔

فریڈرکس

- جس گھر میں تعلیم یافتہ نیک ماں ہوتی ہے۔ وہ گھر ادب

حریمی دسترخوان

ایرانی کوفتے

اشیاء: قیمہ ۵۰۰ گرام۔ لہسن ایک آدھی گٹھی۔ ادرک ۵۰ گرام ہرا مسالہ یعنی ہری مرچ اور ہرا دھنیا پسا ہوا چار ٹیبل اسپون۔ بھنے چنے کا چھلکے کے چنے باریک پسے ہوئے دو ٹیبل اسپون۔ خشخاش چنے کا ایک چمچہ پسی ہوئی، گھی حسب ضرورت۔ زعفران ملکن چونو گرام۔ عرق کیوڑہ صرف دو ٹیبل اسپون۔ سرخ مرچ پسی ہوئی حسب خواہش دھنیا خشک بھنا ہوا ایک ٹیبل اسپون۔ زیرہ سفید چائے کا ایک چمچہ۔ دہی گرام پیاز دو عدد بڑی۔

ترکیب: نصف قیمہ دھو کر ابال لیں اور پانی نکال کر ابلے قیمے میں ملا کر سل پر خوب باریک پیس لیں۔ نمک سرخ مرچ، خشخاش اور چنے پیس کر قیمہ میں ملا لیں۔ اس کے بعد پیاز کے لچھے کاٹ کر گھی میں تلیں گلابی ہونے پر نکال کر زیرہ سفید اور دھنیا ملا کر پیس لیں اور دہی ملا کر پھر چھوڑ دیں۔ اس کے بعد قیمہ میں ہرا مسالہ ملا کر یا اندر بھر کر کوفتے بنا لیں اور انہیں گھی میں تل کر گلابی کر لیں بقیہ گھی میں دہی والا آمیزہ ملا کر تھوڑا سا پانی ڈالیں اور کوفتوں کو اسی میں ڈال کر کچھ دیر تک پکائیں۔ آخر میں زعفران اور کیوڑہ چھڑک دیں۔ کوفتے تیار ہو گئے۔

مرسلہ۔ نسرین احمد (کلکتہ)

مٹر کے سموسے

آج کل ہرے مٹر آنا شروع ہو گئے ہیں۔ اس کے پراٹھے پکا کر نوش فرمائیں۔ بہت لذیذ ہوتے ہیں۔

سامان: ہرے مٹر کے دانے ۲۵۰ گرام۔ میدہ ۱۰ گرام۔ آٹا ۱۰۰ گرام۔ ادرک ایک گرہ بڑی۔ ہری مرچ حسب خواہش۔ ہرا دھنیا تھوڑا سے۔ نمک حسب ضرورت۔ گھی جتنا صرف ہو۔

ترکیب: مٹر کے دانوں کو ابال کر ادرک اور ہری مرچ ملا کر پیس لیں۔ بہت تھوڑا سا نمک بھی ملا لیں۔ اس کے بعد میدہ اور آٹا ملا کر تھوڑا سا گھی اور نمک شامل کر کے اچھی طرح گوندھیں۔ پانی زیادہ نہ ڈالیں تاکہ سخت رہے۔

چھوٹے چھوٹے پیڑے کاٹ کر بیلن سے پتلے پتلے بیلیں اور پسی ہوئی مٹر نصف حصہ میں پھیلا کر، نصف حصہ کو پلٹ کر مٹر کے آمیزے کو بند کر دیں اور گھی میں تل کر نوش فرمائیں۔

ہری مرچ، ہرا دھنیا اور لیموں کے رس کی چٹنی کے ساتھ کھانے سے لذت اور بڑھ جائے گی۔

(رضیہ بیگم (فیض آباد)

ایسی عورتیں کیا کریں

ایڈیشنل ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کراچی نے اقدام خودکشی کے الزام میں ملوث مساۃ رضیہ کو تا برخواست عدالت قید اور سو روپے جرمانے کی سزا سنا دی۔ مساۃ رضیہ نے ۷ار جولائی کو فاقہ کشی سے تنگ آ کر اپنے گلے پر چھری پھیر کر خودکشی کی کوشش کی تھی۔ ملزمہ مساۃ رضیہ نے عدالت کو بتایا کہ وہ دو شادیاں کر چکی ہے دونوں شوہر اسے چھوڑ چکے ہیں، اس کے چار بچے ہیں، جن کے پیٹ پالنا اس کے لیے ناممکن ہو گیا تھا اس لیے اس نے اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ عدالت میں موجود لوگوں نے چندہ کر کے جرمانے کی رقم ادا کر دی۔

یہ مختصر سی خبر ہمارے معاشرے کے اس پہلو کی تصویر پیش کرتی ہے جس پر غور کرنا چاہیئے۔ لیکن یقین ہے کہ اس پر کوئی غور نہیں کرے گا، کیونکہ یہ کوئی تصویر تو ہے نہیں۔ ایسی تصویریں بے شمار ہیں جو ہر جگہ بکھری ہوئی ہیں جن میں کچھ تو نظر آ جاتی ہیں اور زیادہ تر نگاہوں سے پوشیدہ رہتی ہیں، یہ ایک رضیہ کی داستان نہیں لاکھوں رضیاؤں کی داستان ہے۔

یہ خبر ہمارے معاشرے کی بدحالی، بے انصافی اور انسانیت و شرافت کی دم توڑتی ہوئی داستان ہوتی ہے کہ ایک عورت مہذب اخلاق کی تعلیم پر عمل کرتے ہوئے شریفانہ اور باعصمت زندگی گذارنے کے لیے شادی جیسے مقدس رشتے کا خود کو پابند بناتی ہے۔ پھر نہ جانے کیا ہوتا ہے کہ اس کا مجازی خدا جس کے سہارے اس نے اپنی زندگی کی گاڑی جسے پہیے دیکھ کر کا ساتھی سمجھا تھا وہ اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیتا ہے۔ وہ پھر ہمت کرتی ہے اور ایک بار پھر ایک مرد کا ہاتھ تھام

(بقیہ صفحہ ۱۸۷ پر)

بزمِ حریم

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کی مرسلہ صرف ایک ایسی خبر ہر ماہ چھپ سکتی ہے جو ولادت، شادی یا غمی سے متعلق ہو۔ خبر صاف اور مختصر الفاظ میں لکھی جائے۔ ساتھ ہی نمبر خریداری کے ساتھ پچاس پیسے کے ڈاک ٹکٹ بھی روانہ کریں۔ جو خبریں ۲۰ تاریخ کے بعد وصول ہوتی ہیں، وہ ایک ماہ کی تاخیر سے شائع ہوتی ہیں۔ خبر میں کتابت کی غلطی کی ذمہ داری دفتر پر نہ ہوگی۔ البتہ اطلاع ملنے پر اس کی تصحیح شائع کردی جائے گی۔

ولادت اطفال کی خبریں

- عزیز بہن فاطمہ ملک صاحبہ (وارکشائر۔ انگلینڈ) پرستار حریم حال مقیم راولپنڈی پاکستان نے اطلاع دی ہے کہ ان کی صاحبزادی تسنیم اختر سلمہا اور داماد افضل ملک سلمہ کو اللہ پاک نے ۵ راکتوبر ۱۹۸۸ء بروز اتوار ایک پیاری پیاری سی بچی بمقام لندن عطا فرمائی۔ نام شائبہ قرار پایا۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ اسے عمر طویل عطا فرمائے اور صاحب نصیب بنائے۔
  نسیم انہونوی
- حاجی سید محی الدین صاحب اور ان کی اہلیہ صفیہ بیگم (میسور) ہماری بیٹی ریحانہ سلمہا اور داماد مظفر علی عرف نثار کے گلشن حیات میں ۲۶ ستمبر ۱۹۸۸ء بروز جمعہ آٹھ بجکر پندرہ منٹ پر اللہ پاک نے ایک حسین شہزادہ عطا فرمایا۔ نام منصور علی خاں قرار پایا۔ دعا ہے کہ نومولود اپنے بزرگوں کے زیر سایہ پرورش پائے۔
- شائستہ بیگم (وانمباڑی) میری آنٹی اور انکل اقبال احمد کے گلشن حیات میں اللہ پاک نے پہلی بار ۲۰ نومبر ۱۹۸۸ء بروز جمعرات بوقت ۱۱ بجے دن ایک پیاری سی کلی کھلائی۔ اللہ سے دعا ہے کہ بچی عمر دراز پائے اور صاحب نصیب ہو کر والدین کے زیر سایہ پروان چڑھے۔

- بشیر احمد امیر رہائش ایسے بھتیجے عزیز سید شکیل احمد اور کہکشاں کو زندگی کو پُربہار بناتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ایک پیاری سی ۱۰ اکتوبر ۱۹۸۸ء ٹھیک دس بجے دن ایک کلی سے نوازا۔ اور ہمیں دادا، دادی بننے کا شرف عطا فرمایا۔ دعا ہے کہ اللہ پاک اسے صحت مند رکھے اور عمر خضر عطا فرمائے۔

پیغامات نشاط

- نجم السلیمہ امیر غیاث چک میری منجھلی بہن عزیزہ شہلا تبسم (دختر نیک اختر جناب حمید انور صاحب مالک بک امپوریم پٹنہ) کی شادی محمد قمیر سلمہ (فرزند محبوب عالم صاحب مہونی) کے ساتھ پُرمسرت ماحول میں ۲۳ نومبر ۱۹۸۸ء بروز سوموار بحسن وخوبی انجام پائی۔ دعا ہے کہ دلہا دلہن ہمیشہ شاد وخرم رہیں اور باہم شیر و شکر ہو کر زندگی گزاریں۔
- مسز کلیمہ قادر (بلاری) میری بڑی نند وحیدہ بیگم کی چھوٹی بہن عزیزہ ذاکرہ بیگم سلمہا کی شادی عزیزی کلیم الدین ابن بشیر الدین (اسد اپور) کے ساتھ ۲ نومبر ۱۹۸۸ء بروز اتوار بوقت ۱۱ بجے دن بخیر وخوبی انجام پائی۔ خدا سے دعا ہے کہ جوڑا مبارک ہو اور دولہا دلہن شیر و شکر بن کر زندگی گزاریں۔
- سی۔ ڈی۔ ایم بیگ (بمبئی) میری بہن صادقہ بیگم بی۔ اے۔ بی ایڈ کی شادی میرے سالے سید عبدالحسن صاحب انجینیر (فرزند ماموں سید نصیر صاحب) سے ۱۳ اکتوبر ۱۹۸۸ء بروز دوشنبہ بوقت ۱۱ بجے بمقام ملیسور بخیر وخوبی انجام پائی۔ اللہ پاک میری بہن و بہنوئی کو ہمیشہ شاد وخرم رکھے۔
- شمع جبیں روبینہ .... باکور سنتھال پرگنہ) میری باجی افشاں جبیں (دختر سید محمد جلال الدین اکبر صاحب رجسٹرار۔ باکور) کا عقد سعید اسید جاوید (پسر جناب ابوالمعانی دیگھا گھاٹ پٹنہ) کے ساتھ کمیٹی ہال کنکر باغ پٹنہ میں بحسن وخوبی انجام پائی۔ اللہ پاک دلہا دلہن کو سدا شاد وخرم رکھے۔ آمین
- حسن آرا بیگم حور جہاں (کلکتہ) میرے بھانجے محمد شاہد عالم (پسر حاجی محمد شفیق صاحب بمبئی والے) کی شادی سائرہ (بنت حاجی محمد صابر صاحب مرحوم) سے ۱۰ نومبر ۱۹۸۸ء بروز اتوار بمقام سی۔ ایم۔ ڈی ہال کلکتہ بخیر وخوبی عمل میں آئی۔

خدا سے دعا ہے کہ دلہا دلہن تاحیات ایک جان دو قالب بن کر رہیں۔

- شاہینہ بیگم (کانپور) میری بہن یاسمین بیگم عرف تسنیم جمال دختر نورالہدیٰ صاحب کی شادی شمیم اختر صاحب (فرزند ظہیرالحسنین عثمانی صاحب) کے ساتھ ۲۴ر نومبر ۸۵ء بروز منگل بوقت ۹ بجے شب بخیر و خوبی انجام پائی۔ خدا سے دعا ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی شاد و خرم گذارے۔
- شگفتہ زرین (دختر وسیم الدین احمد قریشی صاحب) کی شادی محمد طارق جاوید (پسر نسیم الدین قریشی صاحب) سے ۱۰ر نومبر ۸۵ء بروز جمعہ بعد نماز مغرب بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ نسیم انہونوی
- غلام رسول صاحب (شبلی کالج۔ اعظم گڑھ) کی صاحبزادی طلعت پروین سلمہا کی شادی محمد نعیم شیخ (ابن محمد شمیم شیخ صاحب سرواں بارہ بنکی) سے ۴ر اکتوبر ۸۵ء بروز جمعہ نعمت اللہ ہاؤس لکھنؤ بخیر و خوبی انجام پائی۔ نسیم انہونوی
- امیر حسن صاحب، نادرن ٹینری جاجمئو۔ کانپور کی صاحبزادی نسرین فاطمہ سلمہا کی شادی، بابو اظہار الحق (ابن انوار الحق صاحب) سے ۶ر اکتوبر ۸۵ء بروز اتوار بعد نماز مغرب بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)
- حاجی ہارون صاحب مرحوم کے فرزند دلبند محمد حنیف سلمہ کی شادی فتح آبادی خدیجہ بانو سلمہا (دختر عبداللطیف عبدالکریم صاحب مرحوم) سے ۷ر نومبر ۸۵ء بروز جمعرات۔ کچھی میمن جماعت خانہ، [illegible] میں بخیر و خوبی انجام پائی۔ بہن مسز رقیہ حاجی ہارون کو دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ نسیم انہونوی
- امیر صاحب لکھنؤ کی شادی جو سلمیٰ صاحبہ سے ہوئی کے سلسلہ میں سید حسن رضوی صاحب (اپکار پریس لکھنؤ) نے ۵ر نومبر کو سینٹ جانس اسکول وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ میں ایک شاندار دعوت ولیمہ دی۔ اللہ مبارک کرے۔ نسیم انہونوی
- اختر النساء بیگم واجد حسین سید (بڑودہ) کی دختر نیک اختر فرحت سلطانہ سلمہا کی شادی محمد صادق سلمہ (پسر احمد حسین۔ بمبئی) کے ساتھ یکم نومبر ۸۵ء بروز سنیچر بحسن و خوبی انجام پائی۔ اللہ مبارک کرے۔ (نسیم انہونوی)

انتقال پر ملال کی خبریں

- منصور سیٹھ (کانپور) بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میرے دادا محمد الیاس سیٹھ صاحب آٹھ ماہ علیل رہ کر ۱۰ر اکتوبر ۸۵ء بوقت ۷ بجے شام اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ قارئین دعائے مغفرت کریں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس عطا فرمائے۔
- مسز زبیدہ بانو محمد اقبال (بمبئی) افسوس صد افسوس میرے محترم ماموں محمد یوسف عبدالکریم سایانی ۹ر اکتوبر ۸۵ء بروز جمعرات بوقت ۹ بجے صبح ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اس جہان فانی سے رحلت فرما گئے۔ مرحوم بڑے نیک اور ملنسار انسان تھے۔ عمر صرف ۵۲ سال کی تھی۔ مرحوم سایانی خاندان کے سرپرست و مربی تھے۔ ان کے جنازے میں ہزارہا آدمیوں نے شرکت کی۔ اللہ مغفرت کرے اور ہم سب پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔
- فریدہ واجد، بہنور، بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہی ہوں کہ میری عزیز ڈاکٹر حشمت النساء [illegible] عالم جوانی میں زندگی کی بہاروں سے منہ موڑ گئیں۔

تڑپتی ہوئی ماں اور غمزدہ چار بھائی اور سات بہنیں چھوڑ گئی ہیں۔ گذشتہ ہی سال فریضہ حج ادا کیا تھا۔ اللہ پاک مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ دے اور تمام پسماندگان کو صبر کرنے کی طاقت عطا کرے۔

- شہیدہ بانو، سعیدہ یاسمین، صفورہ عفت، اسماء ہاجرہ زبیدہ بتول (آمبور) افسوس ہمارے نانا جناب محمد سلام اللہ ۷۵ سال کی عمر میں اچانک حرکت قلب بند ہو جانے سے، ۳۰ر جون ۸۵ء کو ہمیں روتا بلکتا چھوڑ کر اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ مرحوم بڑے خدا ترس ہی نہیں عالم و فاضل بھی تھے۔ پچاس سال سے مرحوم کا قیام کونور میں تھا ان کے وجود سے کونور کو منور رہا کرتا تھا۔ جو اب بے نور ہو گیا۔
- شاہد رضوی [illegible] بڑے افسوس کے ساتھ لکھ رہا ہوں کہ میرے پھوپی زاد بھائی جمیل فریدہ صرف ۔ سال کی تھی ۱۰ر اکتوبر ۸۵ء [illegible]

بعد ۱۰ بجے [illegible] میں ۸ بجے شب کے وقت اسٹروک
کا حملہ ہوا [illegible] جس نے ایسے ہی انتقال کے سلسلے میں کہا تھا۔
حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔ اللہ پاک مرحوم
کے والد سید شیر علی قریشی اور والدہ اقبال قریشی کو صبر جمیل عطا کرے

- ڈاکٹر مولانا مصطفےٰ حسین علوی صاحب اپنی قیام گاہ واقع
چار باغ لکھنؤ میں نماز عصر ادا کرتے ہوئے سجدے میں رحلت
فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔
لیکن ان کے معمولات میں اب بھی فرق نہ آیا تھا۔ عالم ذی فضل
ہونے کے ساتھ ہی اچھے شاعر بھی تھے۔ آزادی ہند کے بعد
علوم مشرقیہ کی بلند پایہ شخصیتوں کو سرکاری اعزاز دینے کا جو سلسلہ شروع
ہوا تھا اس میں مرحوم کو بھی صدر جمہوریہ نے اعزاز بخشا
تھا۔ ابتداء میں مولانا لکھنؤ یونیورسٹی میں شعبہ علوم مشرقیہ کے استاد
ہوئے اس کے بعد شعبہ عربی کے طالب علموں کو درس دیتے رہے اور پھر
شعبہ عربی کے صدر رہ کر ۱۹۶۳ء تک اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام
دیتے رہے۔ مرحوم کی متعدد تصانیف قابل قدر ہیں۔
مرحوم نے اپنی یادگار تین بیٹے اور دو بیٹیاں چھوڑی ہیں۔ بڑے
فرزند محمد رضوان علوی لکھنؤ یونیورسٹی کے صدر اور اتر پردیش اردو
اکیڈمی کے چیئرمین ہیں۔ دو بیٹے کناڈا میں ہیں۔ ۸ نومبر [illegible]
میں دوبارہ نماز جنازہ جناب علی میاں صاحب اور منظور نعمانی صاحب
کی امامت میں ہوئی۔ جس میں ہزارہا عقیدت مندوں نے شرکت کی۔
اس کے بعد اپنے آبائی وطن قصبہ کاکوری میں سپرد خاک کئے گئے۔ اللہ
پاک انہیں بخشے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ واقعہ
یہ ہے کہ مولانا کا انتقال علمی ادبی دنیا کے لئے ایک سانحہ عظیم ہے
ایسے عالم باعمل کمتر ہی پیدا ہوا کرتے ہیں۔ افسوس کہ سانس کے شدید
دورے کے باعث میں تجہیز و تکفین میں شامل نہ ہو سکا۔ نسیم انہونوی

- سیدہ جیلانی بیگم اقبال حسین مشہدی احمد آباد۔ جیت صد حیف کہ
۳ اکتوبر ۱۹۹۰ء کی شب جمعہ میرے بزرگ قبلہ نانا ابا حضور و پیر و
مرشد خواجۂ خواجگان سردار قاضی نصیر الدین فرید الدین چشتی فاطمی
کا ۸۰ سال کی عمر میں شاہی باغ ایوان چشت میں وصال ہوا اور اپنے
اکابرین کے مزارات کی صف میں شاہ پور احمد آباد کی درگاہ میں
مدفون ہوئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ہندوستان میں چشتیہ سلسلہ کی شاخ قائم ہوا اس میں سب سے
بڑی مانی جاتی ہے۔ آپ اسی سلسلے کے سجادہ نشین تھے۔ اسلام
کی تبلیغ آپ ہی کے اجداد کرام کی ذات بابرکات سے ہوئی۔
آپ کے اجداد نہایت ہی بلند مرتبہ گزرے ہیں۔ جن کے فیضان
صحبت سے عرب و عجم یکساں طور پر مستفید ہوتے تھے۔
ذاتی طور پر آپ بہت زیادہ خلیق ملنسار اور متواضع تھے
تصوف کی طرف میلان طبع زیادہ تھا۔
آپ کے مریدین کی تعداد ہند و پاک پنجاب بنگال [illegible]
اور گجرات و دکن کے ہر حصے میں پھیلی ہوئی ہے۔ آپ کے مریدین
آپ کی ذات بابرکات سے روحانی فیض اٹھاتے رہے ہیں اور
اٹھاتے رہیں گے۔
از طرف سیدہ جیلانی بیگم اقبال حسین مشہدی۔

ایسی عورتیں کیا کریں / صفحہ ۲۸ کا

کہ نئی زندگی کا آغاز کرتی ہے، اس کے دامن میں چار پھول ابھی کھلے ہیں لیکن
یہ مجازی خدا ابھی اسے زندگی کی کڑی دھوپ میں چھوڑ کر الگ ہو جاتا ہے
عورت بے سہارا، بے مددگار اور تنہا رہ جاتی ہے، اپنا اور بچوں کا پیٹ پالنے کے
لیے اس کے پاس وسائل نہیں بھوک سے بلکتے ہوئے بچے اب نہ اس سے دیکھے
جاتے ہیں اور نہ سنبھالے جاتے ہیں۔ آخر ایک روز وہ مایوسی سے مغلوب ہو کر
اپنی زندگی کا خاتمہ کرنے کی کوشش کرتی ہے، لیکن ڈوبتے جاؤں تو دریا کم ہے
پایاب ہے کے مصداق موت بھی اسے سہارا نہیں دیتی ہے اور وہ پکڑی جاتی
ہے کہ قانون کی نگاہ میں وہ مجرم ہے، اس پر مقدمہ چلتا ہے، قانون اپنے تقاضے
پورے کرتا ہے اور اسے سزا دیتا ہے، عدالت میں موجود کچھ لوگوں کی [illegible]
پھڑکتی ہے اور آپس میں چندہ کر کے سو روپیہ جرمانے کی رقم ادا کر کے اس
عورت کو بچا لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ اس کے پاس سو روپے ہوتے تو وہ چند
دن کا ہی بچوں کا پیٹ کیوں نہ پالتی اور خود کشی کا ارادہ ملتوی رکھتی۔
وہ شوہروں نے اسے کیوں چھوڑ دیا تھا اس کے کیا اسباب تھے؟ ہمیں
اس کا علم نہیں، ہو سکتا ہے کہ اس میں عورت کی بھی کچھ خطا ہو۔ لیکن یہ
بے سہارا عورت اور اس کے بھوکے بچے اور [illegible] توجہ کے [illegible] ہے

بقیہ ۳۲ پر

پسندیدہ اشعار

اس عنوان کے تحت حریمی بہنوں کا مرسلہ صرف ایک شعر شائع کیا جاتا ہے بشرطیکہ شعر ہمارے مقررہ عنوان کے تحت ہو، ساتھ ہی پاکیزہ سنجیدہ اور موزوں ہو۔ نمبر خریداری لکھنا نہ بھولیں۔ جس کاغذ پر شعر لکھیں اس پر اور کوئی بات نہ لکھیں۔ دو بہنوں کے شعر ایک ہی کاغذ پر نہ لکھیں۔ جولائی کے لئے عنوان ہے "نظم" اور فروری کے لئے "قدرت" جو اشعار ۲۰ تاریخ تک وصول ہو جاتے ہیں وہی شائع کئے جاتے ہیں۔ ادارہ

ہر اک سے آشنا ہوں لیکن جدا جدا رسم و راہ میری
کسی کا راکب، کسی کا مرکب، کسی کو عبرت کا تازیانہ

مرسلہ۔ عصمت آرا۔ بانکا

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوش نصیحت نیوش ہو

مرسلہ:۔ عنبر فاطمہ تبسم۔ آرہ

مرسلہ:۔ ساجدہ بیگم و شہناز بیگم بنگارا پیٹ

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں

مرسلہ:۔ نگار سلطانہ جلیلی قمر لطیف۔ آمبور

ہمارے حشر سے عبرت ہوئی زمانے کو
پڑے گا کون تمہارے عشق کے جھمیلوں میں

مرسلہ: نسیم آرا اعظمی۔ زکریا گنج

ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے انفعال
حاصل نہ کیجے دہر سے عبرت ہی کیوں نہ ہو

مرسلہ: زبیدہ غزل۔ شہیدہ بانو۔ آمبور

نسیم انہونوی کے ناولوں کے نئے ایڈیشن

آخری تمنا	تمنا	شگفتہ	حسینہ
7/50	7/-	18/-	7/-

(صفحہ ۱۴ کا بقیہ)

پھر بچوں کا قصور کیا ہے؟ اور وہ کس کی سزا بھگت رہے ہیں؟ کیا یہ عورت تو کیا بیٹی یا ماں کے بچے تو کیا سزا وار نہیں؟

اس کا جواب کس کے پاس ہے؟ کیا آپ اس کا جواب دیں گے یا دیر بتائیں گے کہ کیا وہ حالت سے رنجیدہ ہو کے بعد دوسری شادی کی طرح دوبارہ خودکشی کی کوشش نہیں کرے گی؟ اور نہیں تو کیا کرے گی؟؟

خواتین کے لئے چند اچھے ناول

سرتاج	عادل رشید	15/-
بے ننگ و نام	..	6/-
سوز جاوداں	بیگم رقیہ سلیم	14/-
اشک مژگاں	..	16/-
حوریہ	بلقیس ہاشمی	20/-
پیار کا خون	نورجہاں سلیم	12/-
معصوم گناہ	مضطر ہاشمی	12/-
دشوار ہوا جینا	زلیخا حسین	16/-
مسرت ساحل	..	10/-
رشتے کا روگ	..	12/-
سوکھے پیڑ سبز پتے	گلشن نندہ	14/-
چنگاری (پاکٹ بک)	..	6/-
ہالہ	اے آر خاتون	30/-
تیرے سنگ	بینا ناز	16/-
سوکھا ساحل	فریدہ انیس	21/-
مہکتے زخم	جمیل انجم	14/-
لینزا	پرویز شریف	20/-
بادنم کا جادو	رضیہ فرحت	20/-
یادوں کے نقوش	سعیدہ ناز	25/-
اور تمنا بے تاب	زہرہ خدیجہ	25/-
شمینہ	رضیہ بٹ	15/-
تسکین	عظمت رضا	12/-
جلتے بجھتے دیگ	اسلم راہی	17/-

ہے۔ اپنی ماں کو کتنا ستایا ہے تو نے۔ بڑا ہو لے پھر مزہ چکھاؤں گی: انہوں
نے فرطِ محبت سے نواسے کو سینے سے لگا لیا!۔

نرس صاحبہ بچے کو نرسری میں لے گئی تو بیگم فیضان نے کہا: اب وہ لڑکا کیسا
ہے۔ مجھے اس کے پاس لے چلو۔ میں اسے سینے سے لگاؤں۔ جس نے میری بچی
کی خاطر اتنا ایثار کیا ہے۔ اس کی صورت ہی دیکھ کر میں نے اندازہ لگایا تھا۔
وہ بڑا شریف اور اچھے خاندان کا لڑکا ہے:

ہاں۔ خدا جانے کیا بیتا بڑی غریب پر۔ ملازمت کرنے نکلا: فیضان
صاحب نے کہا۔

میں تو کہتا ہوں۔ صاحب۔ یہ سب بہانہ تھا۔ خدا نے اسے اسی موقعہ
کے لیے ہمارے پاس بھیجا تھا!: اقبال صاحب نے کہا۔

یہ تو اللہ نے میرے دل میں ڈالا: بیگم فیضان نے کہا: نہیں لڑکی کی
خیریت معلوم کرنے بھجواتی۔ تو خدا جانے کیا ہوتا:

نرس نے اطلاع دی کہ مکرم اب ٹھیک تھا!

پورا قافلہ اس سے ملنے چلا۔ وہ اپنے بستر پر پاؤں لٹکائے بیٹھا تھا۔
ان سب کو آتا دیکھ کر بستر کا سہارا لے کر کھڑا ہو گیا!۔

خدا تمہیں خوش رکھے۔ میاں!: بے اختیار فیضان صاحب کے منہ سے
نکلا۔ میرے بچے پر تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی: بیگم فیضان نے
کہا اور اسے سینے سے لگانے کے لیے آگے بڑھیں۔

مکرم کی کیفیت عجیب تھی۔ وہ آدھا سو رہا تھا آدھا جاگ رہا تھا چہرہ
زرد۔ آنکھیں بے نور طاقت بھی اتنی مسلوب۔ وہ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔ بس وہ ان سب
کے [illegible] ۔ (باقی آئندہ)

آپ کو نیڈر کرنے میں آپ کے کپڑے بدلوانے اور کچھ چھالیاں باندھنے میں آ
جاتی کو یقیناً بہت سخت تکلیف ہوگی۔ مگر یہ تکلیف تھوڑے دنوں کی ہے اتفاقاً
جب آپ کے دودھ کے دانت نکل آئیں گے تو آپ خود ہی تنکے بنے نوالے چبا کر
کھانا شروع کریں گے!:

مکرم ہنستا رہا!۔

دراصل یہ بات ابھی نہیں تھی کہ آپ کا سا پڑھا لکھا آدمی یوں ضائع ہو جاتا:
ایاز نے اسے کہا: آپ شاید اسے چھالیاں کا احسان سمجھ رہے ہیں۔ یہ
خیال دل سے نکال دیجئے۔ وہ اپنے چھوٹوں سے صرف محبت کرتے ہیں احسان
نہیں کرتے!۔

آپ خود کو غیر مت سمجھئے: یاسر بولا۔

ان دنوں احراز صاحب کے گھر میں بہت زیادہ چہل پہل رہنے لگی تھی۔
نازیہ کی جی کی طبیعت جب بھی خراب ہوتی وہ اپنی بیٹی کے پاس آجاتیں اور
یہ ان کے بھائی کا گھر تھا!۔ ان کے آنے سے دھیرے دھیرے یاسر بھی آگئے۔ ان کی دیکھ بھال
کے لیے احتشام ان کا کنبہ اور احراز صاحب کے سب سے بڑے تایا بھی تشریف
لائے!۔ خاندانوں کی بہتات سے تو مکرم واقف نہ ہو سکا!۔ مگر انہیں ان
سب سے کچھ دلچسپی تھی۔ لیکن ہر شام سے لے کر رات کے دس بجے تک اس کے
کمرے میں سب لڑکوں کی نشست جمتی!۔ [illegible]
[illegible]

میں بدل گئے: تونے میرے بچوں پر رحم کیا۔ پروردگار۔۔!"
اور پھر وقت کی ظلمت میں پہنچ گئیں!۔ اور انہیں پتہ تک نہ چلا کہ جادۂ شب کا مسافر کب منزل سحر تک پہنچا!
صبح کی حیات آفریں چہل پہل جاگی، صبح کی روشنی، صبح کا سماں۔ آس اور امید کی کرنیں جگمگائیں۔
خدا خدا کرکے لیڈی ڈاکٹر نے دروازہ کھولا۔ اور ان لوگوں کی طرف آئی: مبارک ہو: وہ مسکرا رہی تھی: اب کوئی خطرہ نہیں۔
کیا میں انہیں دیکھ نہیں سکتا؟: احراز نے ہچکچاتے لہجے میں پوچھا۔
ابھی نہیں!۔
کیا میں انہیں بھی نہیں دیکھ سکتا؟: جنھوں نے خون دیا ہے: احراز نے پھر پوچھا۔
وہ صاحب سو رہے ہیں: نرس بولی: بہرحال۔ فکر نہ کیجئے۔ اب سب کچھ ٹھیک ہے!۔
فرشتۂ رحمت بن گیا وہ غریب لڑکا ہمارے حق میں: دفعتہً نیفان صاحب نے کہا: شاید قدرت نے اسی لیے اسے ڈھکیل کر ہمارے یہاں بھیجا تھا!۔
میں ان کا شکریہ کس طرح ادا نہیں کر سکتا!: اقبال صاحب نے کہا۔
ان کے خلوص کا کوئی معاوضہ نہیں: احراز بولے۔
خداوند کریم اسے اجر عطا کرے: بیگم صاحبہ بولیں۔
اتنے میں ایاز چونک کر بولا: یہ لیجئے چچی جان بھی آگئیں: بیگم نیفان [illegible]
[illegible]

لایا تھا۔ اس کے نزدیک مکرم اتنا بے ضرر تھا کہ اس سے کسی قسم کا کوئی خطرہ ہو سکتا تھا!۔
شمین کین جیسر بزنمحی بے مقصد انداز میں اشٹ ٹرے کو گھما رہی تھی۔ ایش ٹرے کی وہاں خاص ضرورت نہ تھی۔ بس وہ نمائش کے طور پر رکھ دیا گیا تھا!۔
ایاز نے اس کی طرف اشارہ کرکے کہا: میں تو بس یہی سوچ سوچ کے اپنا [illegible] کر رہا ہوں کہ جب دو بقراط آپس میں اکٹھا ہوں گے تو آخر کون سا فلسفہ عالم وجود میں آئے گا۔ ادھر بھائی صاحب گم۔ ادھر بھابی صاحبہ کا پتہ نہیں چلتا۔ اگر [illegible] منٹ بھی اس عالم میں رہوں تو سچ کہتا ہوں کہ ٹرے ہوئے تربوز کی طرح پھٹ سے بکھر جاؤں:
آج تک سنا تھا کہ عورتیں بکواس کی ماہر ہوتی ہیں: وصیہ منہ بنا کر بولی۔ مگر اب معلوم ہوا کہ مردوں کے منہ میں بھی اللہ میاں نے بریک نہیں لگائے پھٹی ٹوٹی کھٹارہ چلی سو چلی!۔"
ہائے آپ میرا دل نہ توڑیے: ایاز کراہا: آپ کو یقین نہیں آتا۔ مجھے آپ سے کس قدر محبت ہے۔ اگر آپ اشارہ کر دیں تو میں کوہ ہمالیہ کا پہاڑ کاٹ کر جوئے کا نی بہادوں۔ ہاں۔ یاد آیا۔ یہ جوئے شیر کیا بلا ہے۔ آج تک سمجھ میں نہیں آیا۔
تیر نہیں۔ شیر رہے۔ جوئے شیر: وصیہ دانت پیس کے بولی۔ اُف!: ایاز نے سینہ تھام لیا: میں یہ سمجھا تھا کہ یہ فارسی اردو کیا ڈنڈ ہے۔ یعنی جوئے شیر۔ زرد کا شیر۔ زرد کو فارسی میں جو کر دیا ہے۔!"
جاہل گنوار۔: وصیہ بولی۔
تم دونوں کی جنگ کبھی نہیں [illegible]: احراز [illegible]
[illegible]

اور پھر کھسیا کر بولی: "سیمیں باجی۔ منع کر لیجئے۔ نہیں تو:"

"سیمیں باجی ایسی جسارت نہیں کر سکتیں!: ایاز بولا۔

"ایاز تمہاری بکواس کوئی سن لے تو: سیمیں بولی۔

"میں سارے عالم کے سامنے ببانگ ڈھول یہ کہنے پر: ایاز نے کچھ کہنا چاہا
مگر آواز دانت میں پیس کر بولا:

"ببانگ دہل:"

"دیا بھی۔ تو میں ببانگ دہل یہ کہنے کو تیار ہوں کہ ایاز نے بے پرواہ اشتعال [illegible] میرا جذبہ اتنا صادق ہے میں آپ کی خاطر بحر الکاہل کا سارا پانی اُلیچ کے اس کے میدان میں لال لال چقندر اگا دوں۔ اور ...!"

دعنیہ کو چقندر کے نام سے نفرت تھی۔ اس نے کانوں میں انگلیاں دے لیں مگر ایاز بتا رہا۔ اور بتا رہا: آہ۔ خواب دیکھتا ہوں کہ میرا ایک چھوٹا سا گھر ہے۔ جس کے آنگن میں چھوٹے چھوٹے بارہ پندرہ بچے کھیل رہے ہیں۔ میں آرام کرسی پر بیٹھا ہوا اخبار دیکھ رہا ہوں اور میری بیگم چولہے کے پاس بیٹھی چقندر کا حلوہ!"

"چقندر، چقندر!" وصیہ نے جھپٹ کر اس کے بال مٹھیوں میں جکڑ لے اور جھنجھوڑ ڈالے۔ پھر وہ روتی بسورتی الگ جا بیٹھی۔ ایاز سی سی کرکے بال برابر کرتا رہا!۔

ملازم نے ان کے لیے چائے میز پر رکھی اور دبی زبان سے اطلاع دی:
"بیگم صاحبہ کو بھی آگئے ہیں: ان کے قہقہوں میں بریک لگ گئے!:

سیمیں نے ایک تیز نظر مکرم پر ڈالی جو سب سے بے نیاز بیگانہ سا باہر دیکھ رہا تھا۔ [illegible] کہا۔ اس نے مکرم کو آواز دی۔

[illegible]

"کہیں سے بھی خون نہیں ملا؟!: مکرم نے پوچھا۔ اس کا دل بے قابو ہونے لگا!۔ وہ بھی بے قرار تھا۔ اسی نے انہیں نرسنگ ہوم پہنچایا تھا۔ نازیہ [illegible] نرسنگ ہوم گئی تھیں۔ راستے بھر مکرم ان کی درد آلود کراہیں سنتا رہا تھا۔ اور اب۔ نازیہ کی من موہنی شکل اس کی نظروں میں پھرنے لگی۔

بلا سوچے سمجھے بغیر وہ اس ڈاکٹر کی طرف دوڑا۔ جو آپریشن روم میں جا رہا تھا مکرم کو دیکھ کر ٹھہر گیا۔!

ڈاکٹر صاحب: اس نے اس کی طرف ہاتھ جوڑ دیے: آپ کو خدا کا واسطہ میرا خون بھی ٹیسٹ کرکے دیکھ لیجئے۔ اگر وہ موافق نکلے تو بیمار کے دینے میں دیر نہ کیجئے۔ ڈاکٹر صاحب میں بھی ایک شریف گھرانے کا فرد ہوں۔ اس قابل ہوں کہ ایک شریف خاتون کو خون دے سکوں:

آپ لڑکی کے بھائی ہیں؟: ڈاکٹر نے پوچھا۔

میں ایک انسان ہوں۔ ڈاکٹر صاحب۔ ان کا خادم۔ جو بیمار ہیں۔ آیئے دیر نہ کیجئے۔ خدا کرے کہ میرا خون کارآمد نکلے!۔

بہت اچھا۔ آیئے میرے ساتھ!" ڈاکٹر نے کہا۔ اور اسے لیے ہوئے ایک کمرے میں چلا گیا!۔

اور بمشکل پندرہ منٹ گزرے ہوں گے کہ نرس نے ان مایوس و نامراد لوگوں کو خوشخبری سنائی۔ بیمار کے خون کا گروپ مل گیا۔ اس کی جان بچائی جا سکتی ہے بلڈ ٹرانسفیوژن کے بعد زچہ کی زندگی خطرے سے باہر ہو جائے گی!۔ نرس نے کہہ کر پھر دروازہ بند کر دیا۔ مگر اعجاز نے دیکھا۔ اس کے لبوں پر خوشی کا چند تبسم تھا۔

[illegible]

سب کے چہروں پر موت کی زردی چھا گئی!۔
امیدیں، ناامیدی میں بدل گئیں۔
[illegible] رہا تھا۔ موت، زندگی کو پچھاڑ دے گی!۔
[illegible] نرسنگ ہوم کو فون کر رہا تھا!۔
[illegible] جوں وقت کے قدم آگے بڑھ رہے تھے۔ ویسے ویسے امید و بیم کے احساسات
گھٹ بڑھ رہے تھے۔
اب کوئی آس نہیں!۔
وقت گزر چکا!۔
نازیہ کو کوئی معجزہ ہی بچا سکتا تھا!۔
رات کے دو بج گئے، دیوار گیر کلاک کے آہنگ دار آواز میں دو گھنٹے بجائے اور
پنڈولم کے وقت رک کر پھر آگے بڑھنے لگا ٹک ٹک!۔
کسی نے اعزاز کے کندھے پر آہستگی سے ہاتھ رکھ دیا۔ وہ خوفزدہ ہو کر مڑے
اور مکرم کو دیکھ کر سسک اٹھے۔
کیا ہوا: مکرم کا دل دھڑکنے لگا: آپ سب رو رہے ہیں۔ کیا بات ہے!؟
مکرم: اعزاز رونے لگے: دوا کا وقت گزر چکا۔ اب دعا کی ضرورت ہے۔ دعا کرو
میری نازیہ بچ جائے: انہوں نے روتے سسکتے واقعات سنائے۔
لیکن یہاں سے تو ٹیلی فون پر خبر ملی تھی کہ بچہ ٹھیک ہے: مکرم کے لبوں سے
[illegible] کی طرح نکلا: مجھے نازیہ بی بی کی ممی نے ان کی خیریت معلوم کرنے
کے لیے بھیجا ہے۔ میرے خدا۔ میں انہیں کیا جواب دوں گا؟:
انہیں کوئی جواب نہ دو۔ مکرم۔ وہ خود بیمار ہیں۔ نازیہ کی حالت سن
کر [illegible]

چائے لیجیے: ایاز بولا۔
وہ پاس آ بیٹھا۔ اور شکریہ ادا کر کے پیالی اٹھالی۔ سبین نے ایک نگاہ اس
پر ڈالی یکایک ایک ہوک سی اس کے دل سے اٹھی۔ بے چارہ۔! نجانے کیا ہو
رہا۔ چہرہ افسردہ۔ لب خشک، انداز گم صم۔!
کہیں آپ کو سروس ملی؟: دفعتہ سبین نے مکرم سے پوچھا۔
جی نہیں!: اس نے مدھم آواز میں جواب دیا۔
مل جائے گی باجی: اعزاز بولا: پریشانی کی کیا بات ہے:
بات تو ہے: مکرم نے کہا: مجھے شرم آتی ہے۔ میں کب تک آپ سب پر اپنا
بار ڈالوں گا!۔ کتنی بری بات ہے!:
واقعی بری بات ہے کہ آپ ابھی تک خود کو ہم سب میں کھپا نہ سکے!: اعزاز [illegible]
برا ماننے لگا!: یہ تو ہماری شامت تھی کہ ہم نے آپ کو اپنا کہا۔ دراصل یہ سب
کو کسی پر خواہ مخواہ محبت کی دولت لٹانا پاگل پن کے سوا کچھ بھی نہیں!:
آپ میرا مطلب نہیں سمجھے۔ اعزاز میاں: مکرم شرمندہ سا ہو گیا!۔
اعزاز کے ساتھ میاں کا دم چھلا ہی آپ کا مطلب سمجھانے کے لیے کافی ہے: اعزاز
بولا۔! بہرحال بڑی خوشامدوں کے بعد اعزاز کا منہ سیدھا ہوا۔ اپنی مکاری سے
اس نے مکرم کو تھوڑا سا بے تکلف کر دیا۔ اور یہ حقیقت تھی کہ خود اس کی سمجھ میں نہیں
آتا تھا اسے خواہ مخواہ ایک اجنبی سے انہیں انسیت کیوں ہو گئی تھی۔!
اس شام اعزاز کا نیا ڈرائیور چھٹی لے کر چلا گیا تھا!۔ اعزاز نے مکرم سے
خواہش کی کہ وہ کار لے جائے اور اپنے ساتھ ان کے فیملی ڈاکٹر کو لے آئے۔ ان
کے حکم کی تعمیل میں وہ چلا گیا!۔
[illegible]

ان کا اختلاج شدید ہو گیا تھا اور جب ان پر اختلاج کے اعصابی دورے پڑتے تو عجیب عجیب وہم انھیں ستاتے تھے۔ ہلکا سا کھٹکا، موہوم سی آواز، کوئی پرچھائیں سا دھبا کا انھیں پہروں پریشان رکھتا!۔ وہ آوارہ روح کی مانند سارے گھر میں پھرا کرتیں!۔ اور جب جی نہ بہلتا تو بے چاری رونے لگتیں۔ عمر کی پچاس منزلیں طے کر چکی تھیں۔ دبلی پتلی کمزور سی خاتون تھیں۔ چہرہ اداس، غم پسند آنکھیں جن کی نظر میں وہ دیکھنے والے کو متاثر کر دیتی تھیں عجیب سی محبت اور ماتا کا نور ان کے اداس چہرے پر پھیلا رہتا!۔ اور نہایت حسرت دبے کسی سے ایک ایک کا چہرہ دیکھتیں یوں تکا کرتیں جیسے نظریں ہٹانا ہی بھول گئی ہوں!۔

سب انھیں بے حد چاہتے تھے کیونکہ ان کے آنسو کسی کے لیے بھی غیر موثر نہ تھے۔! ڈاکٹر صاحب کو احراز نے برآمدے ہی میں بلا لیا۔ ان کا بیگ تھامے پیچھے پیچھے اکرم بھی چلا آیا تھا۔

ڈاکٹر صاحب کرسی پر بیٹھ کر ان کی ہسٹری لینے لگے تب اچانک نازیہ کی ممی بیگم فیضان کی نگاہیں اکرم کی طرف اٹھ گئیں!!۔

اکرم نے ان کی طرف دیکھا اور اس کے جسم میں ایک جھٹکا سا لگا!۔ یہ سوچ کر وہ شرمندہ ہو گیا کہ ایک پردہ نشین خاتون کے سامنے وہ یوں چلا آیا۔ بیچاری کیا سوچیں گی۔ اس نے آگے بڑھ کر بیگ تپائی پر رکھ دیا اور واپس مڑ گیا!۔

اب آپ کیا محسوس کر رہی ہیں!؛ ڈاکٹر صاحب ان سے پوچھ رہے تھے۔ ان کی بات کا جواب نظر انداز کر کے انھوں نے عجیب سے کھوئے کھوئے لہجے میں پوچھا۔

احراز۔ یہ کون لڑکا تھا۔ کس کا تھا۔ کہاں گیا؟!

کون!؛ ڈاکٹر صاحب نے حیرت سے پوچھا۔

جی وہ!؛ احراز نے جلدی سے کہا۔ بس وہ آپ سے کہا نہیں تھا کہ ہم نے ایک

بزرگ الگ کھڑے دبی زبان میں باتیں کر رہے تھے۔ بیگم صاحبہ برقع پہنے سجدے میں پڑی تھیں۔ ان کے پہلو میں وصیہ بیٹھی سسک رہی تھی!

احراز کے دل کی دھڑکنیں قابو سے باہر ہو رہی تھیں۔ چہرہ دھلے ہوئے کپڑے کی طرح سفید اور بے رونق، آنکھوں میں آنسوؤں کا ہجوم۔ ہر لمحہ وہ کوئی بری خبر سننے کے منتظر تھے۔ رہ رہ کر ان کی نظر بے بس سیاہ آسمان کی جانب اٹھ جاتیں۔ جہاں ستاروں کی بساط بچھی تھی۔! اور موہوم سی روشنی بھی کہیں نظر نہ آتی تھی۔ ان کے آنسو گالوں پر بہنے لگے۔

خدایا۔ رحم کر۔ رحم کر۔ میرے بچوں کو ان کی ماں واپس کر دے۔ اے اللہ میری نازیہ کو زندگی دے دے۔ ورنہ ہم سب کو ساتھ ساتھ دنیا سے اٹھا لے"

ضبط ان سے دشوار تھا۔ انھوں نے ریلنگ پر سر جھکا دیا اور سسکیاں لے لے کر رونے لگے۔

دفعتاً ایک نرس ادھر آئی۔ احراز نے سر اٹھایا اور سانس روک کر اس کی طرف دیکھنے لگے۔!

نرس نازیہ کے والد فیضان صاحب سے کہنے لگی: بلڈ بینک میں زچہ کے گروپ کا خون نہیں مل سکا!۔ دوسرے دو خاتونوں سے بات چیت کرنے میں بڑا وقت ضائع ہو جائے گا۔ بیمار کی جان بچانے کے لیے ڈاکٹر صاحب آپ سب کے خون ٹسٹ کرنا چاہتے ہیں۔ میرے ساتھ فوراً آئیے!؛

ڈاکٹروں نے سب حضرات کو نظر انداز کر دیا۔ اور احراز، احتشام اور اقبال صاحب کو کمرے میں لے گئے!۔

لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔

لمحہ بہ لمحہ بوجھل وقت ایک نازک ترین فیصلہ کن مرحلے تک پہنچ رہا تھا۔

لگے! ان کے چہرے پر اداسی اور افسردگی کی پرچھائیاں محیط تھیں!!۔

رات کا وقت تھا!۔

شہر کے بڑے بڑے نرسنگ ہوم میں حسب معمول سوگوار، اداس اور وحشت خیز چہل پہل جاری تھی۔ گاڑیوں کی آمد و رفت، اسٹریچروں کی مخصوص گھڑگھڑاہٹ، کچھ سناٹا، کچھ شور، برآمدوں سے مدھم مدھم روشنی چھن رہی تھی لان کا انعکاس سفید و شفاف سنگی فرش پر عجیب و غریب شکلیں بنا رہا تھا!۔

بڑے ہال میں اقبال صاحب کا کنبہ موجود تھا!۔ وہ سب ہراساں اور متوحش نظر آرہے تھے!۔

احراز صاحب کی بیوی نازیہ دوسری دفعہ ماں بنی تھیں۔ بچہ ہر طرح صحت مند اور تندرست تھا مگر نازیہ کے سلسلے میں لیڈی ڈاکٹر نے کچھ تشویش کا اظہار کر دیا تھا۔ بچے کی پیدائش کے بعد سے اب تک انھیں ہوش نہیں آیا تھا۔ انھیں جلد تر خون دیا جانا تھا۔

ڈاکٹر اور لیڈی ڈاکٹر بڑی دلسوزی اور ہمدردی سے ہر ممکن ٹریٹمنٹ کر رہے تھے۔ نرسیں مستعدی سے ادھر ادھر پھرکنی پھر رہی تھیں۔ ایک ڈاکٹر خون کی جلد تر فراہمی کی خاطر بار بار فون کھڑکھڑا رہا تھا!۔

آپریشن تھیٹر کا دروازہ بند تھا!۔

احراز کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ وہ دروازے کی طرف دیکھنے
[illegible]

نیا لڑکا ڈرائیور رکھا تھا۔ وہ وہی تھا!۔"

دیکھو احراز۔ اس کے چہرے پر نظر پڑتے ہی میرا دل دھڑکنے لگا!: انھوں نے کہا۔

"اس طرح ایک ایک چہرے سے متاثر نہ ہوا کرو۔ بیگم: فیضان صاحب نے کہا: ڈاکٹر صاحب کو جلدی ہوگی۔ تم ان کی باتوں کا جواب دو۔ وہ کیا پوچھ رہے ہیں!؟"

ہاں: انھوں نے ایک کربناک آہ بھر کر کہا: کیا بتاؤں ڈاکٹر صاحب۔ کوئی نئی بات تھوڑی ہے۔ سب پرانی باتیں ہیں۔ وہ دوران سر۔ دل کا دھڑکنا۔ بےچینی کس کس مرض کا آپ علاج کریں گے!:"

میں کوشش کروں گا کہ آپ کی تکلیفوں کا ازالہ کر سکوں: ڈاکٹر صاحب نے کہا۔ پھر وہ ان سے اس طرح کی باتیں کرتے رہے۔ جو قلبی تکلیف کا باعث ہو سکیں۔ مگر بیگم فیضان کے انداز بھولے بھٹکے ہی تھے رہ رہ کر ان کی نگاہیں اس طرف اٹھ جاتیں۔ جدھر عرم چلا گیا تھا!۔ ادھر تاریکی تھی! کچھ نظر نہ آتا تھا!۔

ڈاکٹر کے جانے کے بعد سب لوگ ان کے پاس آ بیٹھے!۔ اقبال حسین صاحب کی بیگم نے ان کا پسندیدہ موضوع چھیڑ دیا۔

"کہیں وصیہ کے لیے کوئی لڑکا دیکھا۔ آپا:"

ایاز نے وصیہ کو چولہے سے آنکھ مار دی۔ اس نے جھنا کر چہرہ پھیر لیا۔

بس یہی فکر تو ہے: انھوں نے تھکی تھکی آواز میں جواب دیا: [illegible]
تمہارا گھر دلا دیا۔ وصیہ کے نصیب بھی وہی نکلے [illegible] میری حالت [illegible] گھر میں کل تو [illegible] جوان لڑکی [illegible] کے سہارے بیٹھی گی۔"
[illegible]